مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳ ★ یکم جنوری ۱۹۹۶ء ★ شمارہ نمبر ۱

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ○ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

○ پرچہ کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک - ۱
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

تصویر : سرورق از کرشنا گنگولی [illegible] انتری گھوش

صدر ہند کے ہاتھوں ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کمپلکس کا سنگ بنیاد رکھا گیا

کلکتہ نے ہندستان کے ثقافتی احیاء نو اور تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کیا ہے

——— ڈاکٹر شنکر دیال شرما

گزشتہ ۱۲ دسمبر کو صبح کلکتہ میں ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کمپلکس کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے صدر ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے کہا کہ اس خطہ کی بالخصوص آسام، بہار، اڑیسہ، سکم، تریپورہ اور مغربی بنگال ریاستوں اور مرکز کا خطہ انڈمان و نکوبار جزائر جن کا تعلق اس زون سے ہے، کی زندگی میں یہ ایک اہم واقعہ ہے۔

صدر موصوف نے بتایا کہ اس مرکز نے اپنی ابتدا سے ہی لوک، قبائلی اور کلاسیکی موسیقی و رقص کے پروگراموں نیز آرٹ پر مبنی نمائشوں، روایتی کرافٹس اور دستکاری کے ذریعہ اس خطہ کی گراں قدر بنیادی کثرت و وحدت کو کام میں لگانے اور اس کی ترقی کو لے کر تخلیقی ترقی کے لئے نمایاں خدمت انجام دی ہے اس کی بااثر سرگرمیوں کو اس وقت مزید قوت حاصل ہوگی جب آڈیٹوریم یعنی تھیٹر، میوزیم اور نمائشی ہالوں کی تعمیر مکمل ہو جائے گی۔

ڈاکٹر شرما نے مزید کہا کہ اس طرح کے ثقافتی مراکز ہمارے گراں قدر ثقافتی اثاثہ کی حفاظت اور تحفظ کے لئے اور عوام کی زندگیوں کو قریب تر کرنے کے لئے اپنی کوششوں کے ذریعہ حکومت اور عوام کی طرف سے نمائندگی کرتے آئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس ریاست اور مرکزی خطہ میں جہاں کم از کم ایک زونل سنٹر ہے اس کا مقصد ہر زون کے اندر اور زونس کے مابین عوام میں عظیم ثقافتی تبادلہ اور باہمی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اس سے ہماری کثیر ثقافتی روایات کے بنیادی اتحاد اجاگر ہوگا۔

صدر موصوف نے کہا کہ ہندوستانی کی ثقافت — اس کی موسیقی، رقص، ادب اور لوک آرٹ، اس کے قدیم مذاہب اور روحانی وراثت سے جڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر شرما نے بتایا کہ سہولیات سے معمور ثقافتی کمپلکس اس شہر کلکتہ میں تعمیر ہونے جا رہا ہے جس نے ہندوستان کے ثقافتی احیائے نو اور تحریک آزادی میں اہم رول ادا کیا ہے۔

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے ۔ ریاستوں کے درمیان ثقافتی تبادلہ پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس ملک کے جواں عمر فنکاروں کے درمیان نئی تخلیق کو ترقی دینے کے طریقۂ عمل ایسٹرن زونل کلچرل سنٹرل سے متعلق ہونا چاہیئے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی استقبالیہ تقریر میں کہا کہ ایسٹرن زونل کلچرل سنٹرل کی طرح تنظیم نے ہندوستان جیسے کثیر الثقافت، کثیر السانیات سماج میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ ملک کے ساخت میں ثقافتی ابلاغ مختلف زبان اور ثقافت کے عوام کے درمیان ہم آہنگی کو موثر بنانے کے لئے انتہائی اہم ہے۔ ہندوستان کی انفرادیت اس کی کثرت میں وحدت کے تصور میں ہے اور ملک کے قومی اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے اس مطمح نظر کی پرورش کرنی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ ہر ثقافتی پروجکٹ کا ایک سماجی مقصد ہونا چاہیئے۔ عوام کو ایک دوسرے کو جاننا، سمجھنا اور احترام کرنا چاہیئے اور اپنی ثقافتی وراثت پر فخر کرنا چاہیئے۔

•••

ریاستی وزیر شری محبوب زاہدی کے ہاتھوں اعداد و شمار پر مبنی ایک کتابچہ کا اجراء

مغربی بنگال کے شعبۂ ترقیات حیوانی وسائل نے مغربی بنگال کے پرورش حیوانات کے اعداد و شمار پر مبنی ایک کتابچہ بنام "اے ہینڈ بک آف انیمل ہسبنڈری اسٹاٹسٹکس" کی اشاعت کی۔ اس کتابچہ کی اشاعت سے ماضی قریب میں ترقیات کے لئے منصوبہ سازی کے کام میں آسانی ہوگی۔

وزیر ترقیات حیوانی وسائل شری محبوب زاہدی نے گذشتہ ، دسمبر کو بلگچھیا کے انسٹی ٹیوٹ آف انیمل اینڈ ویٹرینری بائیولوجیکلس میں اس کتابچہ کی پہلی جلد کا اجراء کیا۔ اس کتابچہ میں گائے، بھینس اور بکری سے دودھ کی پیداوار، دیسی و ترقی یافتہ اقسام کے پرندوں سے انڈوں کی پیداوار کا تخمینہ، فی کس مویشی/ پرندگی پیداوار کا تناسب اور دیگر اعداد و شمار شامل ہیں۔

اس موقع پر وزیر موصوف نے اس کتابچہ کی اشاعت اور اس کی افادیت پر اظہار خیال کیا۔

وزیر اعلیٰ نے صنعتی ہندوستانی تجارتی میلہ کا افتتاح کیا

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو افتتاحی تقریر کرتے ہوئے

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۱ر دسمبر کو کلکتہ میدان میں نویں صنعتی ہندوستانی تجارتی میلہ (آئی آئی ٹی ایف) کا افتتاح کیا۔ بنگال نیشنل چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری (بی این سی سی آئی) نے حکومت مغربی بنگال کے اشتراک سے اس گیارہ روزہ میلہ کا اہتمام کیا تھا۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے اپنی افتتاحی تقریر میں بیرونی تجارت کو بڑھاوا دینے کے لئے سرحدی سڑکوں کی ترقیات کی ضرورت پر زور دیا اور انڈیا ٹریڈ پروموشن آرگنائزیشن کے نمائندوں سے اپیل کی کہ وہ اس معاملہ میں تمام متعلقین کی توجہ مبذول کرائیں۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ صنعتی اداروں کو باہمی استفادہ کی بنیاد پر تمام تر امداد حاصل ہونگی

3

بی این سی سی آئی کے صدر شری وی سوامی نے اس موقع پر استقبالیہ تقریر کی۔ دوسرے خاص مہمانوں میں وزیر صنعت و تجارت شری بدروت گانگولی، چیف سکریٹری شری این کرشنا مورتی، فیڈریشن آف نیپالیز چیمبر آف کامرس اینڈ تجارت کی صدر شریمتی پدما یوتی، آئی آئی ٹی ایف کے چیئرمین شری پی سی سین بھی شامل تھے۔

وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اس طرح کے تہواروں سے اس خطہ کی صنعتی سرگرمیوں میں ہونے والی ترقیات کی جھلکیاں منظر عام پر آتی ہیں اور خریدار اور بیچنے والوں کے لئے پیداواروں کے بارے میں اطلاعات کی تشہیر ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے لئے اس طرح کے تہوار سے جو کچھ بھی کامیابی حاصل کی گئی ہے اس کی نمائش ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ آئندہ قریب کے رجحانات سے متعلق تصور بھی فراہم

کرتا ہے ۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت کی کامیابیوں ــــ بالخصوص اصلاحات آراضی، دیہی ترقیات، زراعت، ماہی پروری، خواندگی، چھوٹی صنعتوں اور توانائی کے میدانوں میں نمایاں کامیابیوں نے مغربی بنگال کو تیز رفتار صنعتی ترقی کے سلسلے کا منصوبہ بنانے کے لئے بام عروج پر پہنچا دیا ہے جبکہ مغربی بنگال میں ماضی میں تشفی بخش توانائی نہیں تھی۔ انھوں نے بتایا کہ ریاستی حکومت نے صنعتیں قائم کرنے سے متعلق معاملوں میں مرکزی حکومت سے کنٹرول کم کرنے کے لئے اور غلط اور غیر متوازن پالیسیوں میں تصحیح کے لئے ہمیشہ وکالت کی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ریاستی حکومت مرکزی حکومت کی نئی معاشی پالیسی کے جبا فرات سے محفوظ رہی ہے۔ یہ لائسنس کی چھوٹ اور لوہا و اسپات کے مساوی کرایہ کی افادیت سے مکمل طور پر مستفید ہو رہی ہے۔ گذشتہ سال ریاستی حکومت کی جانب سے جاری کردہ صنعتی ترقی پر مطلع نظرے اس سلسلہ میں خیالات کو واضح کر دیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ انھوں نے ہمیشہ صنعتی ترقی کے لئے کام کرنے کی ضرورت پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ مسابقتی عالمی پس منظر جس میں جدید ٹکنالوجی کا داخلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، وسائل ٹکنالوجی نیز باہمی استفادہ پر بیرونی سرمایہ کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ملکی تحقیق و ترقی پر دھیان دیا جائے تاکہ ہم آئندہ قریب میں خود کفیل ہونے کے قابل ہو جائیں۔ صنعتوں کی ہمہ جہت ترقی کے لئے ریاست اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ عوامی سیکٹر، مشترکہ سیکٹر اور نجی سیکٹر سبھی اہم کردار ادا کریں گے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت، روایتی صنعتوں جیسے چائے، جوٹ، ٹکسٹائل، انجینئرنگ وغیرہ کی حالت میں بہتری لانے کے لئے بھی اقدامات کئے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کی یونٹوں کے فروغ پر زیادہ زور دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں یہ سب بڑی تعداد میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لئے زرخیز ہوگئی ہیں۔

آخر میں وزیر اعلیٰ موصوف نے تمام صنعتی پروجیکٹوں کی ضروری حمایت کی توسیع کے لئے یقین دلایا اور کہا عوام کی حمایت سے ریاست مستقبل قریب میں صنعتی سیکٹر کے میدان میں نمایاں طور پر کامیابیوں سے ہمکنار ہوگی۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ریاستی پالیسی کے نتیجے میں تیزی سے صنعت کاری، صنعتی سرمایہ کاری میں اہم اور مثبت ترقیات کے لئے پہل باضابطہ طور پر شروع ہو گئی ہے۔ ریاستی حکومت کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ بہت سے ملکی اور بیرونی کمپنیاں ریاست کے صنعتی سرگرمی میں حصہ لینے کے لئے آگے آئی ہیں۔ مغربی بنگال عرصہ دراز سے ان بڑے بیرونی کاروباری گروپوں کی آماجگاہ رہا جو پھر سرگرم ہو گئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ ایک نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے

کلکتہ میں نیشنل یوتھ فیسٹول (نوجوانوں کا قومی تہوار) کا انعقاد

حکومت ہند نے کلکتہ میں نہرو یووا سنگٹھن اور حکومت مغربی بنگال کے اشتراک سے نیشنل یوتھ فیسٹول (نوجوانوں کا قومی تہوار) کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔ کلکتہ کا نیشنل یوتھ فیسٹول اپنی نوعیت کا دوسرا تہوار ہوگا۔ واضح ہو کہ پہلا نیشنل یوتھ فیسٹول مدھیہ پردیش کے بھوپال میں گذشتہ ۱۲ر جنوری تا ۱۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کو منعقد ہوا تھا۔ کلکتہ کا یہ تہوار اسی طرح امسال ۱۲ر جنوری کو شروع ہونے جا رہا ہے لیکن یہ اس بار ۱۸ر جنوری تک جاری رہے گا۔

اس حقیقت سے بھلا کون واقف نہیں کہ مغربی بنگال نے نوجوانوں کے ایسے تہواروں کی روایت قائم کی ہے۔ کلکتہ میں ریاستی نوجوانوں کا پہلا تہوار ۱۹۷۸ء میں منعقد ہوا تھا جس کا اہتمام ریاستی حکومت نے بہت سے نوجوان طالب علموں کی تنظیموں کی سرگرم امداد سے کیا تھا۔ ہر شعبہ حیات سے ممتاز شخصیتوں نے براہ راست شرکت فرمائی تھی اور یہ تہوار کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔

گذشتہ دو دہائیوں سے بلاک اور ضلع سطح پر نیز ریاستی سطح پر نوجوان طالب علموں کے تہوار کے انعقاد کی یہ روایت ریاست کے لئے اہم ثقافتی تہوار بن گئی ہے۔ اب کلکتہ میں نیشنل یوتھ فیسٹول کے انعقاد کا موقع ہمیں ملا ہے اور ہم سب کو مل جل کر اس کو کامیاب بنانا ہے۔ یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے کہ تہوار کو نیتا جی سبھاش چندر بوس کے صد سالگرہ کے موقع پر ان کے نام سے منسوب کیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری نئی نسل کو ہمارے ملک کی تاریخی جدوجہد آزادی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرکے حوصلہ مند کرے گا۔

اس قومی تہوار کا اصل مقصد ملک کے نوجوانوں کو امن، ترقی اور بھائی چارگی کو فروغ دینے کے معاملے میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اس نیشنل یوتھ فیسٹول کے پروگراموں کے تین اہم حصے ہوں گے:

(۱) ۱۸ ثقافتی مقابلوں کا اہتمام

(۲) غیر مقابلہ جاتی لوک تہوار

(۳) بین الاقوامی شہرت کے مالک مدعو فنکاروں کے پروگرام

اس تہوار میں ۳۱ سے زائد ریاستوں اور مرکزی خطوں کے نوجوان مقابلوں کے لئے شرکت کریں گے۔ تقریباً ۳ ہزار مقابلہ کرنے والے نوجوانوں کی شرکت کی امید کی جاتی ہے۔ ان کے لئے کل ۱۸ مقابلوں کا اہتمام کیا جا رہا ہے لوک گیت، لوک رقص، طبلہ، ہارمونیم، ستار، گیٹار، بانسری، کتھک، بیلے، ڈرامہ (ہندی انگریزی) منی پوری وغیرہ سمیت کل ۱۸ ثقافتی میدانوں میں مقابلہ ہوگا۔ یوتھ فیسٹول ملک کے ہر بلاک میں ہوگا جہاں سے اوّل انعام یافتہ نوجوان ضلع سطح کے تہوار میں حصہ لینے کے قابل ہوگا اور ضلع تہواروں میں تمام اوّل انعام یافتگان ریاستی سطح کے تہوار میں اپنے علاقہ کے نمائندے کے طور پر حصہ لیں گے۔

اس موقع پر عام نمائش، فلم فیسٹول، کوی سمیلن، مباحثہ لوک فیسٹول، آبی و دیہاتی کھیل کود کی نمائش، فیشن شو، نیشنل فوڈ فیسٹول وغیرہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اس تہوار کا جاذب پہلو یہ ہے کہ اس میں سارک ملکوں اور روس کے وفود شرکت کر رہے ہیں۔ خاص طور پر ان ملکوں کے طائفوں کی طرف سے پیش کردہ ثقافتی پروگرام اس تہوار کو مزید رنگا رنگ بنا دیں گے ہم اس موقع پر ان کے ثقافتی اثاثوں کے الگ الگ پہلوؤں سے واقف ہوں گے۔

مقابلہ جاتی پروگراموں کا انعقاد کلکتہ کے رابندر سدن، اسمر منچ، بنگلا اکاڈمی آف فائن آرٹ، اسٹیٹ یوتھ سنٹر (مولا علی)، نمائش کے میدان میں ہوگا۔ غیر مقابلہ جاتی پروگراموں کا انعقاد نیتا جی انڈور اسٹیڈیم، نندن منچ، رابندر سدن، مہاجاتی سدن، مدھو سودن منچ، گریش منچ، اپندرا منچ اور نمائش کے میدان میں کیا جائے گا۔ صدر ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما آئندہ ۱۲ جنوری کو سالٹ لیک اسٹیڈیم میں نیشنل یوتھ فیسٹول کا افتتاح کریں گے۔

ایک ہفتہ چلنے والے نیشنل یوتھ فیسٹول کا اختتام ۱۸ر جنوری ۱۹۹۶ء کو یووا بھارتی کریڑانگن (سالٹ لیک اسٹیڈیم) میں [illegible] ثقافتی تقریب کے ساتھ ہوگا۔ جہاں کامیاب نوجوانوں کو انعامات [illegible] سے نوازا جائے گا۔

چھوڑ اندھیری رات میں گھر تک کہاں لایا مجھے
میں نغمۂ خود آگہی سرمایۂ حرفِ خودی
پالو گے نورِ زندگی تم نے اگر پایا مجھے
دبکی ہوئی تھیں خواہشیں پھیلے ہوئے تھے فاصلے
آخر کہاں تک سوچتا اک دور کا سایا مجھے
ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا میں بھی کوئی لمحہ ہوا
آیا تھا جو دل جوڑنے اس نے ہی بکھرایا مجھے
گمراہیوں کے درمیاں سارے سفر وہم و گماں
بس ایک دھندلا آئینہ جو راہ پر لایا مجھے
بکھرے ہوئے ہیں دور تک بے نام رشتے درد کے
وحشت زدہ لمحات نے کس گھر میں پہنچایا مجھے
صحرا کی تپتی چاندنی پیراہنِ منظر ہوئی
آنسو کا اک قطرہ تھا میں آنسو کا قطرہ ہی رہا
میں پا پیادہ منتظر ہر بار اس کے گھر گیا
پرواز اندھی رات نے ہر بار ٹھکرایا مجھے
نصیر پرواز

حسرت موہانی اور اُن کی شاعری

نور الہدیٰ

شاعری ایک سائنٹفک عمل ہے لیکن اس کا مقام سائنس سے بلند و ارفع ہے بلاشبہ سائنس نے ہمارے اندازِ فکر کو جلا بخشی ہے اور ہماری آزادی و خود مختاری کو نئی جہتوں سے ہمکنار کیا ہے لیکن اس نے کچھ ایسے حالات بھی پیدا کئے ہیں جہاں ہم اپنے آپ کو مجبورِ محض اور بے دست و پا پاتے ہیں۔ سائنس انسانی مسائل کے بہت سے نازک پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہے شاعری فطرتِ انسانی کے نشیب و فراز سے زیادہ ہم آہنگ ہے سائنس سراسر جلال ہے اور شاعری جلال و جمال دونوں ہے۔ سائنس سراسر عقل ہے۔ شاعری آگہی و وجدان اور عقل و عشق دونوں کا امتزاج ہے سائنس صرف بصارت عطا کرتی ہے جبکہ شاعری بصارت، بصیرت اور مسرّت تینوں سے عبارت ہے۔ یعنی جس طرح سائنس کے کسی کلیّے یا قانون کو عملی تجربوں سے ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے لئے آلات اور کیمیات و عوامل ویسے ہی استعمال کئے جاتے ہیں جو ان مخصوص کلیّے کے لئے ضروری ہوتا ہے، اسی طرح ہر شاعر کی شاعرانہ تخلیق کی پرکھ کے لئے ایک ہی قسم کا پیمانہ اور معیار استعمال نہیں ہو سکتا۔ غالب اور اقبال کا مقام متعین کرنے کے لئے جو پیمانے اور آلات استعمال کئے جائیں گے حسرت کی شاعری کو ان پیمانوں اور آلات سے پرکھنا مشکل ہوگا۔ اگرچہ شاعری کی اجتماعی حیثیت کا تعلق اس کے چند ایسے قدرِ مشترک سے ہے جن کے لئے مساوی اور مشترک انتقادی پیمانے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

حسرت کی شاعری کے تعمیری عناصر کو سمجھنے کے لئے اس زمانے کے میلانات و رجحانات کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ ۱۸۹۴ء سے ان کی شاعری کی ابتدا ہوئی جبکہ وہ انیس سال کے تھے۔ یہ وہ دور تھا جسے دورِ جمود سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ نہ روشنی تھی نہ اندھیرا تھا۔ کسی شئے کی شکل واضح اور روشن نہیں تھی نہ شاعری کی، نہ ادب کی، نہ معاشرت اور سیاست کی زندگی کا کوئی نام نہ تھا۔ یہ صورتِ حال غدر کے بعد کوئی ساٹھ سال تک قائم رہی اس دور میں محبت ایک عبادت تھی۔ ایک ایسی پناہ گاہ جو حالاتِ زمانہ کی کلفتوں کا واحد علاج تھی۔ مسلمان اپنی بادشاہت اور حکمرانی ہی سے محروم نہیں ہوئے تھے، اپنی شخصیت اور انفرادیت اور جینے کا غرور بھی کھو بیٹھے تھے۔ ماضی کے گم ہو جانے کا غم اور پشیمانیاں تھیں۔ حال کی محرومی اور مستقبل کا خوف تھا۔ ایک ہزار سال کی آسائشوں کے بعد بھی ان کے حصے میں صرف مسجدیں، مقبرے اور امام باڑے آئے تھے۔ سیاست مسلمانوں کے لئے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگرچہ اس دورِ انحطاط نے اردو زبان و ادب کی نشو و نما میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ بہت سارے اکابر پیدا کئے ان کا فکر و عمل کسی واضح رُخ اور مثبت پروگرام سے یکسر عاری تھا۔ علامہ شبلی ماضی کے کھنڈروں میں اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور جبروت کی نشاندہی میں مصروف تھے۔ حالی قوم کا مرثیہ لکھنے میں سرگرداں تھے، اقبال اسلام کے شکستہ ایوانوں میں مردِ مومن کی تلاش میں تھے ان حالات میں حسرت کی شاعری عشق و محبت کی شاعری نہ ہوتی تو اور کیا ہوتی۔ محبت جو فطرت کی طرح معصوم اور حسنِ ازل کی طرح پاکیزہ ہے جب حسرت کی بارگاہِ شاعری میں باریابی پاتی ہے تو کتنی محترم بن جاتی ہے اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوگا۔

کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ محبت جس کو
نام اُس کا دلِ مضطر نے دوا رکھا ہے

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

رنگ سونے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

محتاج بوئے عطر نہ تھا جسم خوب یار
خوشبوئے دلبری تھی جو اس پیرہن میں تھی

کسی پہ مٹ کے رہ جانا ہے حسرت
ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے

ہلائے رہے بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جائیے

یہ اشعار اور اس قبیل کے سینکڑوں اشعار اس صنف سخن سے تعلق رکھتے ہیں جو مرکزی حیثیت رکھتے اور معیار سخن ہونے کے باوجود زمانۂ حسرت میں مردود و مطعون سمجھی جاتی تھی۔ اس امر میں حسرت کی انفرادیت اور جدت طبع کو دخل ہے کہ ایسے دور میں انھوں نے غزل کو اظہار سخن کا ذریعہ بنایا اور اس صنف بدنام کو دربار شاعری میں اونچے مقام پر بٹھایا۔ اپنی غزل گوئی پر انھیں فخر تھا۔

جدت میں ہے لاثانی حسرت کی غزل خوانی
کیا طرفہ مطالب ہیں کیا تازہ قوافی ہیں

لے وہ کہ تجھے شوق ہے تحسین سخن کا
میرا جو کہا مان تو حسرت کی غزل دیکھ

جہاں تک غزل کی بنیادی قدروں اور نفس شعری کا تعلق ہے یعنی اس کی اثر انگیزی، اس کے سوز و گداز، انداز بیان، سلاست، آہنگ حسن و عشق کے رموز و نکات، معاملہ بندی اور ادا بندی، رمز شناسی اور عشق مجازی کی رنگینی اور دلکشی، حسرت کے یہ دعوے حق بجانب ہیں لیکن جہاں تک شاعرانہ افکار و خیالات، فکر و وجدان، موضوع و مطالب، اشاریت اور پیکر انسانیت، تخیل کی بلندی اور انسانی برتری و بغاوت کا تعلق ہے ان کی شاعری بڑی غریب سی معلوم ہوتی ہے اور بقول آزاد ان کے کلام میں یک رخی کا مزہ آتا ہے ہر شاعری کا جسم، اس کا ذہن اور اس کے جذبات ہوتے ہیں مکمل اور آسودہ شاعری ایک مثلث نہیں بلکہ ایک خط مستقیم سے مشابہ ہے جو حسن و عشق، محبت اور لگاوٹ کے نقطوں سے ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ حسرت کی شاعری میں یک سمتی پائی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ایک ڈگر پر چلتے

رہے۔ دائیں بائیں مڑ کے دیکھنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ امیر، داغ، شاد اور وحشت ان پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ آرزو، صفی، اصغر، یاس اور فانی کا اثر انھوں نے قبول نہیں کیا۔ حالی کی جدت اور سرسید کی تحریکیں صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں۔ اقبال کی "بانگ درا" بھی ان کے گوش دل و دماغ تک نہیں پہنچ سکی، بساط سیاست کی نیرنگیاں اور اس دور میں ہونے والے واقعات ان کے کاشانۂ سخن کے در و دیوار سے صرف ٹکرا کے رہ گئے۔ اس سے ان کی قوت ارادی کی بے پناہی اور کیرکٹر کی بلندی اور سخت گیری کا اندازہ ہوتا ہے ان کے کردار کا یہی رخ اس سوال کا جواب بھی ہے کہ ان کی شاعری شروع سے آخر تک وحدت السمت یا undirectional کیوں رہی؟

حسرت کے ہم عصروں میں اگر ان کا کوئی ہمسر تھا تو وہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ یہ ہمسری سیاسی اور ادبی دونوں قسم کی تھی۔ سیاسی اس طرح کہ دونوں سیاست کے آدمی نہیں تھے پھر بھی اپنی طبیعت کی سخت گیری کی وجہ سے سیاست سے چپکے رہے دونوں علم و ادب اور مذہب کے آدمی تھے، دونوں کی دینداری دنیاداری کی متحمل نہیں ہو سکی اور اس لئے دونوں کامیاب رہے۔ جس طرح ابوالکلام کی ادبیت، انشاپردازی اور دینی بصیرت کو ان کی سیاست نے نقصان پہنچایا اسی طرح حسرت کی شاعری ان کی سیاست نوازی سے مجروح ہوئی۔ سیاست کی دنیا، جہاں کی کرشمہ سازیاں "جنوں کا نام خرد اور خرد کا نام جنوں" رکھ دیتی ہیں حسرت جیسے شان ابوذری رکھنے والے انسان کے لئے مناسب نہ تھی۔ یہ ضروری ہے کہ سیاست اور شاعری کو انھوں نے بالکل الگ الگ خانوں میں بانٹ رکھا تھا لیکن سیاست کے نشیب و فراز جس سے وہ ہرگز واقف نہ تھے غیر شعوری طور پر ان کے معیار شاعری پر اثر انداز ہوئے۔ اس کا اندازہ ان کی سہل پسندی سے ہوتا ہے "چکی" کی مشقت" اور "مشق سخن" دو الگ الگ چیز ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے نفسیاتی طور پر برسرپیکار ہیں اور سیاست ان کے شاعرانہ مقاصد پر حاوی رہی جس کی وجہ سے شاعری ان کے لئے لازمہ حیات اور کسی اہم تر مقاصد کی پیغام رسانی کا ذریعہ نہ ہو سکی، حسرت جیسے کردار و عمل کے انسان کے متعلق یہ سوچ کر بڑی وحشت ہوتی ہے کہ نہ تو سیاست میں ان کا مطمح نظر تھا اور نہ شاعری میں لیکن جہاں تک غزل کے فطری تقاضوں کا، اس کی خوبی، اس کے حسن، اس کی گھلاوٹ، اس کی کسک، اور سپردگی کا تعلق ہے وہ نہایت کامیاب ہیں۔ اپنی شاعری میں جس خلوص

جس تہذیب و شائستگی کو انھوں نے روا رکھا بہت کم شعراء اردو کے حصے میں آئی ہے۔

حسرت کی شاعری کا ظہور، اس کا ارتقاء، اس کا شباب اور اس کا انحطاط ان کی عمر کے سفر کے ساتھ وابستہ رہا اور یہ سفر نامیاتی خواص کا حامل ہے ایک منزل پہ آکر سنجیدگی اور ضبط کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ بچوڑا اور مغز ہوتا ہے۔ عمر کے طبعی سفر کے تجربات وحادثات کا اس منزل پہ پہنچ کر فکر و فن کی تکمیل ہوتی ہے لیکن شاید اس لئے کہ حسرت کی شاعری افکار و تصوف کی شاعری نہیں بلکہ جوش و جذبات کی شاعری تھی اس لئے ان کی عمر کے دورِ شباب ہی میں یہ اسیر رہی اور اس کیمیائی عمل اور ردعمل کے کلیتے کے اثر سے اپنا دامن نہیں بچا سکی جس میں مادّے خاص حالات کے زیرِ اثر ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور پھر نقطۂ اعتدال پر آ کر رک جاتے ہیں اس توازن پر اگر مخالف خارجی محرکات اثر انداز ہوتے ہیں تو انتشار و عمل شروع ہو جاتا ہے اور اسی مقام پر لوٹ آتا ہے جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ حسرت کی شاعری کے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا ـــ جو ایک دائرے میں گردش کر کے جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں پہنچ گئی جب ہی تو ان کی شاعری کا حسن ان کے شباب سے وابستہ رہا اور جب عمر ڈھلی تو پھیکی پڑنے لگا ؎

ارادے تھے کہ ان سے حالِ دل سب مل کے کہدیں گے
مگر ملنے پر ہم سے آج ہوتا ہے نہ کل کہنا

مٹتا ہے مٹانے سے اب شوق کہیں تیرا
ہے پیشِ نظر ہر دم حسنِ نمکیں تیرا

اربابِ اشتیاق سے پردہ نہ چاہیئے
اے حسنِ خود نما تجھے ایسا نہ چاہیئے

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

یہ رنگ بلا شبہ حسرت کا نہیں ہے لیکن حسرت کی ان غزلوں میں بھی جہاں بیشتر اشعار عامیانہ قسم کے ہیں اور جس میں زبان و بیان کی شگفتگی کے فقدان کی وجہ سے گھٹن سی ہوتی ہے بعض اتنے پیارے اور شگفتہ شعر نکل آتے ہیں کہ انھیں پڑھ کر ایسی مسرت و انبساط کا احساس ہوتا ہے جیسے جاڑے کی ٹھٹھرا کر دینے والی سردی میں ابر آلود آسمان کی پنہائیوں سے گرم و روشن سورج یک بیک نکل آیا ہو انھیں پڑھ کر ان کی شاعری کے متعلق شکوک و شبہات یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

گرفتارِ محبت ہوں اسیرِ دامِ الفت ہوں
میں رسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز
التفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

چھوٹی زمین کی غزلوں میں یہ رنگ اور نکھر گیا ہے ؎

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں
دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں

اس نازنین نے باوصفِ عصمت
کی وصل کی شب وہ بے حجابی

وہ روئے زیبا ہے جانِ خوبی
ہیں وصف جس کے سارے کتابی

اس قیدِ غم پہ قربان حسرت
عالی جنابی گردوں رکابی

امیری میں ہو یا فقیری میں حسرت
بہر حال ڈھونڈیں گے ان کی رضا ہم

یہ وہ شاعری ہے جس پر کسی بھی شاعری کو ناز ہو سکتا ہے۔ ان میں فکر کی کمی محسوس ہوتی ہے لیکن جذب و اثر، سلاست و روانی اور اظہارِ خلوص میں کہیں کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اشعار کی رنگینی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ ایک ہی سانس میں پوری غزل پڑھ ڈالیں، شعور و احساس اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ شعر پر رکنا پڑتا ہے۔ رک کر پیدا شدہ کیفیتوں اور لذتوں کو سمجھنا پڑتا ہے یہ اثر و تاثیر ایسی غزلوں میں اور بھی اجاگر ہوتی ہے جن غزلوں میں نظمیت پائی

جاتی ہے جن کا ہر شعر ایک دوسرے کا تتمہ نظر آتا ہے۔ انداز بیان میں بھی اور کیف و سرور میں بھی ایک غزل کا مطلع ہے ؎

چپکے چپکے رات بھر آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

مومن کے یہاں بھی ایسی غزلیں پائی جاتی ہیں۔ " وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا " مومن کی اسی قسم کی غزل ہے۔ ذکر مومن پر میرا ذہن نقد و تبصرہ کے اس اصول کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے اثر قبول کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد پر تنقید نگار کے انداز بیان اور فکر و فن قبول کیا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ چونکہ اس کی شاعری میں میر و غالب یا مومن و داغ اور اقبال و حالی کا رنگ نمایاں ہے اس لئے لازماً وہ بھی بڑا شاعر ہے مگر یہ بڑا سطحی معیارِ نقد ہے۔ دنیا کا کوئی فکر نیا نہیں ہوتا۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے ایک ہی خیال ایک فرد سے دوسرے فرد میں ایک نسل سے دوسری نسل میں اور ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں منتقل ہوتا رہتا ہے فکر و فن کا یہ سفر اسی طرح چلتا ہے اس لئے یہ کہنا کہ حسرت کی غزلوں میں چونکہ غالب و مومن کا رنگ پایا جاتا ہے اس لئے وہ بڑا شاعر ہے، بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ اور تقلید کی بات بھی بڑی عجیب ہے۔ ایک ذہن دوسرے ذہن کی تقلید کر ہی نہیں سکتا۔ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کی تقلید ہو سکتی ہے۔ ذہن و وجدان، جذبات و وارفتگی کی کیا تقلید ہو سکتی ہے۔ اگر واقعی کسی فنکار نے ایسی کوشش کی بھی تو ناکامیاب رہا۔ وحشت، غالب کی تقلید میں کتنے کامیاب ہوئے؟

حسرت کی شاعری ان معنوں میں بڑی اہم اور معتبر ہے کہ انھوں نے کسی خاص شاعر کا بھرپور اثر قبول نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کی شاعری انفرادیت سے عاری ہوتی۔ اپنے شعروں میں انھوں نے نئے پرانے تمام شاعروں کا ذکر احتراماً اور مروتاً ہی کیا ہے اس کے باوجود ان کے یہاں دوسرے بڑے شاعر کا رنگ اور مضمون پایا جاتا عین فطری عمل ہے جس سے ان کی شاعری داغدار نہیں ہوتی۔

حسرت کی شاعری کا ایک مثبت پہلو ان کی رجائیت ہے جس نے محبت کو سے وہ جانتے ہیں کہ عشق چاہے حقیقی ہو چاہے مجازی اپنے دامن میں کیسی کیسی محرومیاں اور مایوسیاں رکھتا ہے۔ کبھی کبھی جو آرزو دل میں پیدا ہوتی ہے وہ اتنی باحیا اور پاکباز ہوتی ہے کہ دل کے نہاں خانے میں ہی دم توڑ دیتی ہے۔ اس حسرت آمیز موت پر نالہ و فریاد کے کون کون سے انداز نہیں اپنائے جاتے زندگی؟ کسی کے لئے عبد ماہی جاتی ہے۔ فانی اور جگر کی شاعری اسی کی مثالیں ہیں لیکن حسرت کا عشق، حسرت کا معشوق اور ان سے متعلق ان کی شاعری سب کی سب

ایک ایسی سرزمین کی معلوم ہوتی ہے جہاں یاس و قنوطیت کے قدم نہیں پڑے ہوں بقول شخصے ان کی پوری شاعری میں موت کا لفظ نہیں ملتا، ان کی شاعری انبساط و وصل کی شاعری ہے۔ محرومی و ناکامی ان کے مذہب عشق میں جائز نہیں۔ ان کی شاعری میں معشوق کا سراپا ملتا ہے۔ اس کی شوخیاں اور اس کے ناز و انداز ملتے ہیں حسن کی سادہ لوحی اور عشق کی رواداریاں ملتی ہیں۔ محبوب کی نفسیات ملتی ہے۔

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کر دیا

اک تم کہ وفا تم سے نہ ہوگی نہ ہوئی ہے
اک ہم کہ تقاضا نہ کیا ہے نہ کریں گے

سوتے میں جو دیکھا تھا رخ یار کا عالم
آنکھوں میں یہ خنکی ہے اسی نور سحر کی

وہ سنتے رہے مجھ سے افسانۂ غم
مگر یہ بھی ہے مسکراتے رہے ہیں

ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوشِ تمنا کی
تمہاری کم نگاہی التماسِ بے زباں تک ہے

سکھا دے گی ندامت شیوۂ قدر وفا ان کو
یہ ستانِ کج ادائی میری جانِ ناتواں تک ہے

حسرت کی شاعری ان کے لئے دراصل علاج غم دوراں ہے۔ ایک ایسے شخص کے لئے جس کے قلب و جگر میں اقبال کے مرد مومن کی روح سمائی ہو، حالات زمانہ کی بدصورتیوں سے کس طرح سمجھوتہ کر سکتا ہے۔ انھوں نے ہر موڑ پر آواز دی ہے۔ کبھی کانگریسی رہے، کبھی کمیونسٹ، کبھی مسلم لیگی لیکن کسی سے ان کا سمجھوتہ نہ ہو سکا وہ ہمیشہ باغی رہے۔ ادب میں، صحافت میں، سیاست میں اور معاشرت میں بھی۔ فقر و فاقہ میں بسر کی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، زمانے کی بے قدری اور ناقدر شناسی کے شکار رہے لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

حسرت کا کمال یہی ہے کہ غزل کے سارے رنگ ان کی شاعری کے Spectrum میں شامل ہو گئے اور یہی ان کی انفرادیت اور ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ اردو غزل کو انھوں نے جو ایک موڑ، ایک وقار اور سرخ روئی عطا کی ہے اس سے ان کا نام ہمیشہ زندہ اور محترم رہے گا۔

مغربی بنگال میں پنچایت : کل اور آج

○ پربھات دتہ ، پنچالی بھٹاچاریہ ○

پنچایت دیہی حکومت کی ایک روایتی اکائی کی حیثیت سے کئی صدیوں سے برصغیر ہند میں موجود ہے لیکن "ماضی کی پنچایتیں" جیسا کہ ٹینکر کا مشاہدہ بتاتا ہے "گاؤں بطور کل کی نمائندگی شاذ و نادر ہی کیا کرتی تھیں۔ عموماً اس کے اراکین کا انتخاب فنڈنگ خانوادوں یا برہمنوں اور اعلیٰ درجہ کے کاشتکاروں میں سے ہوا کرتا تھا۔ شاید جنوبی ہندستان کے علاوہ ہندستان اور کسی بھی حصہ میں ادنیٰ اور بے زمین افراد کو پنچایتوں کے امور پر کچھ کہنے کا تقریباً کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ دوم ان پنچایتوں کو قومی ترقی سے قطعی کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا بنیادی مقصد ایک چھوٹے سے فرقہ میں نظم و ضابطہ اور ہم آہنگی برقرار رکھنا تھا۔"

فوجی بغاوت (پہلی جنگ آزادی) کے بعد انگریز نوآبادیاتی حکمرانوں نے ہندستان میں دیہی خود انتظامی حکومت میں دلچسپی لینا شروع کیا تھا۔ نوآبادیاتی دلچسپی متعلقہ نظام کی طرف سے دیدہ دانستہ تھی ــــــ لارڈ رپن (۱۸۸۲ء) نے ایک دوسری ہی بات کہی ہے۔ اس نے ایک ایسے مقامی خود انتظامی اداروں کا تصور پیش کیا جو دستاویز کی اصطلاح میں نہ صرف انتظامیہ میں بہتری لانے کا سبب بن سکتا ہے بلکہ عوام کو سیاسی تعلیم سے بھی آراستہ کر سکتا ہے۔ جے ایس مل، ہوم اور دیگر آزاد خیال مفکروں کے خیالات سے متاثر ہو کر اس نے دیہی مقامی بورڈس کے قیام کی تجویز پیش کی۔ اس نے یہ سمجھا دیا کہ جہاں تک ممکن ہو مذکورہ بورڈ کے دو تہائی اراکین کا انتخاب غیر سرکاری نمائندوں میں سے ہوگا۔ اس نے انہیں خاطر خواہ اختیارات، فرائض و وسائل بہم پہنچانے کی حمایت کی۔

مغربی بنگال میں دیہی پنچایتیں : نوآبادیاتی مرحلہ

نوآبادیاتی حکومت کے دنوں میں اس وقت بنگال کو پنچایتی نظام کی مختصر چادو گری سے سابقہ پڑا۔ اس وقت یہ چوکیداری پنچایت کے نام سے موسوم تھا اور ۱۸۷۰ء میں روبہ عمل آیا۔ اس وقت حسبِ معمول بلدیاتی فرائض سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ اس کا کام گاؤں کی چوکیداری اور حفاظت کرنا تھا۔ بہت جلد اس چوکیداری نظام نے اپنی مقبولیت کھودی۔

بنگال مقامی سلف گورنمنٹ ایکٹ ۱۸۸۵ کے دوران پاس ہوا۔ یہ ۱۸۸۲ء کے مشہور رپن قرارداد کا ایک تتمہ تھا۔ مذکورہ ایکٹ مقامی حکومت کے دو درجوں کے لئے گنجائش فراہم کی۔ اول ضلع سطح پر اور دوم سب ڈویژنل سطح پر۔ اپنے وسیع دائرہ عمل کے باعث ضلع سطح کی حکومت توقعات کو پورا کر پانے کی وجہ سے روبہ زوال ہو گیا۔ سب ڈویژنل سطح پر مقامی بورڈوں کو خود مختاری حاصل نہیں تھی اور جلد ہی انہیں بھی موقوف کر دیا گیا۔ جمہوری اصولوں اور مذکورہ ایکٹ کے تحت غیر سرکاری چیئرمین کی وسیع استعمال ہونے کی گنجائش کے باوجود ۹۲-۱۸۹۱ء کی بنگال انتظامیہ رپورٹ اس امر کا مظہر ہے کہ منتخب اراکین اقلیت میں تھے۔ ۹۲-۱۸۹۱ء کے اواخر تک بنگال کے ۳۸۔ اضلاع میں کل ۷۹۰ اراکین تھے۔ ان میں ۲۸۰ ایکس آفیشیو اراکین تھے۔ ۲۱۳ کو سرکار نے نامزد کیا تھا اور ۲۰۹ مقامی بورڈوں سے منتخب ہو کر آتے تھے۔ مقامی بورڈوں میں ۱۲۲۸ اراکین تھے۔ ان میں ۳۰ ایکس آفیشیو اراکین تھے۔ ۷۳۹ کو سرکار نے نامزد کیا تھا اور ۴۶۹ منتخب ہوئے تھے۔ ضلع بورڈوں میں ۷۹۰ اراکین تھے۔ ۳۱٫۵ فیصد سرکاری ملازم تھے، ۲۸٫۶ فیصد زمین دار حضرات اور مالکانِ آراضی تھے اور ۲۶٫۶ فیصد وکیل تھے۔ مقامی بورڈوں میں ۴۷٫۷ فیصد زمین دار حضرات یا ان کے ملازم تھے، ۲۳٫۸ فیصد وکیل اور ۱۲٫۸ فیصد سرکاری ملازم تھے۔

۱۹۰۵ء کے دوران بنگال کی تقسیم کے احتجاج نے قوم پرست تحریک کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور اس آغاز نے انتظامی اصلاحات کو ناقابلِ گریز بنا ڈالا۔ شاہی حکومت کے پاس انتظامی اختیارات کو لامرکوز کرنے کے علاوہ اور کوئی دوسرا متبادل نہیں تھا۔ ۱۹۱۴ء کے دوران حکومتِ بنگال نے ضلع انتظامی اصلاحات کمیشن قائم کیا۔ اس نے دیہی مقامی حکومت کے غیر متحد نظام کی وکالت کی اور چوکیداری پنچایت اور یونین کمیٹی کے کام کے ساتھ غیر متحد دیہی مقامی حکام کے ایک نیٹ ورک کے قیام کو سراہا۔ اس سے بنگال دیہی سلف گورنمنٹ ایکٹ بابتہ ۱۹۱۹ء کے تحت یونین بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ محدود

حتی کہ دیہی پر منتخب یونین بورڈ ۱۹۵۶ء تک چلا اور اسی وقت مغربی بنگال پنچایت ایکٹ پاس ہوا تھا۔

قوم پرست تحریک و دستوری صورت حال:

آزادی کی جدوجہد کے دنوں میں قوم پرست رہنماؤں نے ہندستان کی عوام سے احتراز کرنے والے ایک ایسے پنچایتی نظام کا وعدہ کیا تھا جسے انکی آواز کا ترجمان ہونا تھا۔ گاندھی جی کا قول ہے کہ "پنچایتوں کے پاس اختیارات جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی عوام کے لئے بہتر ہوگا"۔ بہرکیف دستور نے سبسٹنوٹ حصہ میں دیہی پنچایتوں سے متعلق کسی گنجائش کو شامل نہیں کیا ہے۔ اسٹیٹ پالیسی کے ہدایتی اصول کے آرٹیکل ۴۰ کے مطابق ریاست کو یہ لازم ہے کہ وہ سلف گورنمنٹ کی اکائیوں کی حیثیت سے دیہی پنچایتوں کا قیام عمل میں لائے اور انہیں ان اختیارات سے نوازے جو سلف گورنمنٹ کی اکائیوں کی حیثیت سے ان کے فرائض کی انجام دہی میں لازمی ہیں۔

آزادی کے بعد ہندستان میں پنچایتوں کی تشکیل بہرکیف بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی سفارشات کے نتیجے میں روبہ عمل آئی۔ مذکورہ کمیٹی نے ترقیاتی پروگراموں پر عمل درآمد میں عوام اور ان کے نمائندوں کی شمولیت کے سلسلے میں وسائل کی حیثیت سے سہ درجہ دیہی پنچایتوں کو رائج کرنے کا سجھاؤ پیش کیا تھا۔ قومی ترقیاتی کاؤنسل کی پیش کردہ سفارشات کو مانتے ہوئے ملک کو قوانین سازی کے ایک سیلاب کا سامنا کرنا پڑا۔

ہندستان کی آزادی کے بعد پنچایتوں کو اپنانے کے سلسلے میں مغربی بنگال نے بڑی تاخیر سے کام لیا۔ جزاً (الف) ؛ "ریاستوں میں مغربی بنگال ہی واحد ریاست تھا جہاں ۱۹۵۲ء تک اس موضوع پر کوئی قانون نہیں وضع کیا گیا تھا۔ مغربی بنگال کے گاؤں کی انوکھی خصوصیت میں پیچیدگی کا عنصر پنہاں ہے۔ مغربی بنگال میں ہر جگہ بکھرے رہائشی قطعات آراضی کے ساتھ رہائشی گاؤں کا تصور اس ریاست میں کوئی خاص مفہوم نہیں رکھتا ہے کیونکہ رہائشی خاکے میعادی طور پر برابر بدلتے رہتے ہیں۔ زمینداری نظام جدید کاری کے راستوں میں سے ایک کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنا ہے۔ اس امر پر بحث کی جا چکی ہے کہ زمینداری نظام کی دست اندازی کے باعث کلکتہ کے ساتھ دیہی بنگال کے انتظامی اور سیاسی رابطے بھی کمزور رہے تھے۔

پنچایت ایکٹ ۱۹۵۶ء میں پاس ہوا۔ پست ترین سطحوں پر یونین بورڈوں نے دو درجاتی ڈھانچہ۔ گرام پنچایت اور انچل پنچایت کو مقام بخشا ہے بہرکیف مذکورہ ایکٹ کے عمل درآمد کو کئی ادوار میں ترتیب دیا گیا ہے۔ ۱۹۶۳ء تک پنچایتی نظام کے ذریعہ ٹھیک ۵۰ فیصد گاؤں اور ۶۰ فیصد دیہی آبادی کو کور کیا گیا تھا۔ انچل پنچایتیں قبل تر یونین بورڈ پر انحصار کرتی تھیں اور انہیں قانونی اور انتظامی طور پر بلند تر مقام عطا کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ رسمی سیاسی اختیار کا مرکز بن گئیں۔ چونکہ اس کے اراکین کا انتخاب بلاواسطہ طور پر ہوتا ہے اس لئے اس نے پست تر سطح پر شرکت عامہ کی پکار کا گلا گھونٹ ڈالا۔

تیسرے پنج سالہ منصوبہ کے دوران پنچایت راج کے ڈھانچہ کی تکمیل کے سلسلے میں اگلا قدم اٹھایا گیا تھا۔ مغربی بنگال ضلع پریشد ایکٹ ۱۹۶۳ء میں پاس ہوا تھا۔ اس کا مقصد ترقیاتی سرگرمیوں کے ساتھ مقامی حکام کو شریک کر کے اور جمہوری لامرکزیت لاکر اور منصوبہ بندی اور ترقی میں عوامی شرکت کو برقرار رکھتے ہوئے مقامی حکومت کی ازسرنو تشکیل و ترتیب تھا۔ ان دو ایکٹوں نے ضلع پریشد، انچالک پریشد، انچل پنچایت اور گرام پنچایت پر مشتمل چہار درجہ ڈھانچہ کی گنجائش پیدا کی۔ ضلع پریشدوں اور انچالک پریشدوں کا قیام مختصر رہا تھا۔ ان دو اداروں نے مقامی حکومت کے اداروں کی حیثیت سے موثر کردار ادا نہیں کیا ہے۔ یہ ریلیف کی انجام دہی، چوکیداری ٹیکس کی وصولی اور چوکیداروں اور وفاداروں کی ادائیگی میں کچھ حد تک شریک تھے۔ انتخابات نہیں ہوئے اور اراکین مقامی رائے کی حمایت کے بغیر عہدے پر فائز رہے۔

واضح طور پر مغربی بنگال میں پنچایتوں نے اپنا سفر اس وقت شروع کیا جب ملک کی دیگر ریاستوں میں پنچایت نظام کے زوال کا دور شروع ہو چکا تھا۔ ایک مشاہدہ کرنے والے کے مطابق ضلع پریشدوں اور انچالک پریشد کو ان کے آغاز سے ہی ان کی منحوس موت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ گرام پنچایتیں اور انچل پنچایتیں مقامی سطح پر جاری ہیں لیکن ان کا کوئی موثر کردار نہیں رہا۔

مغربی بنگال میں پنچایتوں کے آغاز کو ایک مزید دھچکہ ۲ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو دوران اس کی افتتاحی تقریب کے بعد ریاست میں ظہور پذیر ہونے والے سلسلہ وار سیاسی حالات نے بھی لگایا تھا۔ ۱۹۶۵ء کے دوران اسی ریاست کو ایک بڑے گمبھیر غذائی مسئلہ نے آگھیرا۔ ایسے گمبھیر حالات سے اس سے

یہ کبھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ بند، ہڑتالوں اور احتجاجوں کے نتیجے میں ریاست کی نظم و نسق کی صورت حال قابل تشویش بن گئی۔ مارچ ۱۹۶۷ء کے دوران چوتھے عام انتخابات میں اس ریاست میں کانگریس حکومت شکست سے دوچار ہوئی۔ متحدہ محاذ (یو۔ایف) حکومت جو رائے عامہ کے ذریعہ اقتدار میں آئی تھی، نے پنچایت میں زبردست تبدیلی لانے کے لئے مکمل طور پر ایک نئی اسکیم پیش کی تھی مگر حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ ترقی پسند جمہوری محاذ اور کانگریس کی دوسری ملی جلی وزارت نے سابق حکومت کی تجویز کو رد کر دیا اور مذکورہ ایکٹس میں کچھ ردّ و بدل کرنے پر غور کیا۔ لیکن اسے بھی سابق حکومت کی طرح صورت حال سے دوچار ہونا پڑا اور اس ریاست میں ۱۹۶۷ء کے اوائل کے دوران صدر راج نافذ ہو گیا۔ آئندہ انتخابات کے دوران متحدہ محاذ کو رائے عامہ نے دوبارہ اقتدار بخشا اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ اپنی پہلی اسکیم کو لے کر آگے بڑھی۔ ۱۹۶۹ء کے دوران دیگر اداروں کو موقوف کر کے ضلع پریشدوں کو سبقت حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۷-۶۸ء کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۱۹۶۶۲ گرام پنچایتوں میں سے ۱۰ کی بھی موثر کارکردگی پر شک کی نگاہ ڈالی جا رہی تھی۔ ایک جامع بل اسمبلی میں پیش ہوا تھا لیکن دوسری متحدہ محاذ وزارت مارچ ۱۹۷۰ء میں گر پڑی اور ایک بار پھر ریاست میں صدر راج قائم ہو گیا۔ کانگریس جو مارچ ۱۹۷۲ء میں برسر اقتدار آئی، نے اس امر کو پکڑا۔ یہ کوشش ثمر آور ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں مغربی بنگال پنچایت ایکٹ سے موسوم ایک جامع قانون وضع ہوا۔ اس ایکٹ نے ایک سہ درجہ پنچایت نظام کی گنجائش رکھی۔ اول دیہاتوں کی ایک جماعت کے لئے دیہی سطح پر گرام پنچایت، دوم بلاک سطح پر پنچایتی کمیٹی اور سوم ضلع سطح پر ضلع پریشد۔ دو قسم کی تنقید ــــ ولسٹر کے مطابق اول عمل درآمد میں ناکامی اور دوم سیاسی سادہ لوحی ــ کی بنیاد پر مغربی بنگال میں پنچایت نظام کی اصلاح کی بات سامنے آئی۔

پہلی تنقید کے مطابق ریاستی حکومت کی ناکامیابی کا سبب یہ تھا کہ پنچایتوں کو دیہی ترقی کے میدان میں ایک اہم کردار ادا کرنے کے لئے خاطر خواہ اختیارات نہیں عطا کئے گئے تھے۔ مختلف شعبوں نے ان کے پروگراموں پر عمل درآمد میں تعاون دینے کے لئے ان کو استعمال میں بھی نہیں لایا تھا۔ ان اداروں کے ذریعہ ریاست اور لوگوں کے درمیان رابطہ موثر راہوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں بھی کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ دیہی غریبوں کو پیس کر اور مقامی سطح پر ریاست کی مداخلت کی شکل میں ازسر نو ترمیم و ترتیب پر مبنی

دیہی ترقیاتی پالیسیوں میں نئی کارروائی کی مانگ نے ناکامی کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔

بایاں محاذ جماعتوں نے پنچایتوں پر کڑی تنقید کی تھی کیوں کہ اصلاحات آراضی کے ذریعہ دیہی طبقاتی ڈھانچہ کو بدلے بغیر دیہاتوں میں عوام کی صحیح شرکت کو یقینی بنانا ممکن نہیں تھا۔ جب تک ایسا نہیں کیا جاتا ہے اس وقت تک یہ زمین داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں میں غیر جمہوری ادارے رہیں گے۔

چوں کہ ۱۹۷۳ء کا ایکٹ بیشتر طور پر ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۳ء کے اصلی ایکٹوں پر مبنی تھا اس لئے اس نئی قانون سازی کا مقصد پنچایتوں کو ازسر نو منظم کرنا اور ترقیاتی پروگراموں میں عمل درآمد میں انہیں اہم کردار ادا کرنے کا اہل بنانا تھا۔

کچھ عرصہ تک بہر کیف اس قانون سازی پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ قومی سیاسی منظر نامہ اختیارات کی موثر لامرکوزیت کے لئے موزوں نہیں تھا۔ اختیارات کی بڑھتی ہوئی مرکوزیت قومی سیاست میں غالب ترین خصوصیت بنی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس ریاست کے اندر کانگریس کے آپسی جھگڑے اور اندرونی رقابت بھی اس کا اہم سبب تھا۔

بایاں محاذ حکومت کا دور :

تقریباً ایک دہائی سے چل رہے اس ریاست میں سیاسی انقلاب یا بحران کے دوران ۱۹۷۷ء میں بایاں محاذ حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ یہ لوگ نظریاتی طور پر مارکسزم۔لینن ازم کے پابند ہیں اور اختیارات کے جمہوری لامرکوزیت' انتظامیہ میں عوامی شرکت اور بنیادی سماجی تبدیلی کے حامی ہیں۔ بہر کیف نمایاں فرق کے ساتھ یہ ایک 'مارکسسٹ' حکومت ہے کیوں کہ یہ سماجی انقلاب کے نتیجہ میں وجود میں نہیں آئی ہے۔ اسے آزاد جمہوری ریاست، اعلیٰ طور پر مرکوز دستوری اور سیاسی زائد ڈھانچہ، پچھڑی جاگیردارانہ ثقافت وغیرہ کے اندر رہتے ہوئے کام کرنا پڑا ہے۔ اس نظام کے کردار اور اس کی بندشیں پنچایتوں پر موجودہ حکومت کے تناظر کی مظہر ہیں۔ پنچایتوں اور دیہی ترقیات کے وزیر انچارج نے اس تناظر کی وضاحت یوں کی ہے :

"عوام کو ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ راحت پہنچاتے ہوئے ملک میں معاشی مسائل کے بوجھ کو مجبوراً زیادہ سے زیادہ برداشت کرنے کے دوران زیادہ سے زیادہ توجہ اس امر کو دیکھنے میں لازمی طور پر صرف کرنا چاہئے کہ عوام

کسی وہم و فریب کے شکار نہ ہوں کہ موجودہ پیداواری تعلقات میں کوئی بنیادی ساختی تبدیلی لائے بغیر ان کی لازمی مزدوریات کو پورا کیا جانا چاہئے۔ عوام منظم طور پر شرکت کے اپنے تجربے سے ان حدود کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں جو موجودہ سماجی و معاشی ڈھانچہ میں جبلی طور پر موجود ہیں اور بعد از اں یہ لوگ مذکورہ حدود پہ غالب آنے کے لئے قومی پیمانے پر ایک متبادل ترقیاتی لائحۂ عمل پر عمل درآمد کے لئے زور و شور سے جدوجہد کرتے ہیں۔"

دوسرے دور میں پنچایتوں کی خصوصیات:

اس دور کے تحت پنچایتیں سیاسی پنچایتیں رہی ہیں۔ مغربی بنگال ملک میں پہلی ریاست ہے جس نے سیاسی جماعتوں کی کھلی شرکت کی بنیاد پر پنچایت اداروں کے انتخاب کا انعقاد کرایا۔

پنچایتیں محض دیہی ترقیات کے آلات نہیں ہیں بلکہ عوام کو مذکورہ ترقیاتی کاموں میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے والے واسطے ہیں۔ بایاں محاذ میں شریک سب سے بڑی جماعت سی پی آئی (ایم) اسے عوام کو حرکت میں لانے اور عوامی جمہوریت کے کاز کے لئے جدوجہد کے ایک آلہ کی حیثیت سے حکومت میں شریک ہوئی ہے۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں سماجی و معاشی تبدیلی کے آلات ہیں۔ ان پنچایتوں نے ریاست میں اصلاحاتِ آراضی پروگراموں پر عمل درآمد میں نمایاں کردار ادا کیا ہے تاکہ وہ پنچایت اداروں کی کامیاب کارکردگی کے لئے مثبتی شرائط پیدا کر سکیں۔ قطعاتِ آراضی جو گاؤں میں ایک جائیداد کی حیثیت رکھتے ہیں چند مٹھی بھر اشخاص کی ملکیت ہیں۔ یہ امر اصلاحاتِ آراضی کی مانگ کرتا ہے اور بغیر اس کے کوئی سماجی و معاشی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی ہے۔

جہاں تک قابلِ عمل ہے نوکر شاہی کے پنکھ کترے جا چکے ہیں۔ دوسری ریاستوں کے برعکس ڈی آر ڈی اے کی رہنمائی سبھا دھی پتی کرتے ہیں اور ان سبھا دھی پتی کو ایک ریاستی وزیر کی حیثیت بھی دی گئی ہے۔ ترقیاتی انتظامیہ میں سبھا دھی پتی کو مرکزی رول دیا گیا ہے۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں اب رئیس زمین داروں اور اونچے ذات کے لوگوں کے دیوان خانے یا دربار نہیں رہے ہیں۔ تقریباً سب کے سب مشاہدے اس امر کے مظہر ہیں کہ چھوٹے اور حاشیائی کسان، بے زمین مزدور اب اپنی مضبوط اور پُر معنی موجودگی کو با ضابطہ وقفوں پر منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ متعلقہ اداروں میں درج کرانے کے اہل بن چکے ہیں۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں منصوبہ بندی کے عوامل سے بہت ہی قریبی طور پر منسلک ہیں۔ یہاں تین منصوبہ بند کمیٹیاں ہیں۔ دو ضلع سطح پر اور ایک بلاک سطح پر۔ ضلع سے آنے والے وزیر ضلع منصوبہ بندی کمیٹی کی نمائندگی کرتے ہیں اور سبھا پتی بلاک منصوبہ بندی کمیٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پنچایتیں گاؤں میں خواندگی پروگراموں کے عمل درآمد کے عوامل میں شریک رہی ہیں۔ حالیہ برسوں کے دوران اس پروگرام کو بہت زیادہ توجہ ملی ہے۔ پنچایتوں کی شرکت سے اس میدان میں بڑی قابلِ ذکر کامیابی ملی ہے۔ دیہاتیوں کی ثقافتی حیثیت کو بلند کرنے کے لئے گاؤں میں چالو اس پروگرام میں حصہ لے کر پنچایتیں دیہاتوں میں جمہوری، ترقی پسند اور سائنسی قدروں کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ دیہاتوں میں نازک جمہوری پودا کی نشو و نما میں مدد پہنچانے کے لئے مذکورہ بالا کردار نہایت لازمی ہے۔

بایاں محاذ حکومت نے ۱۹۷۳ ایکٹ کے آغاز کیا لیکن آج اس میں بہت سی ترمیمیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ مذکورہ حکومت کے کردار اور مختلف انتخابات میں عوام سے کئے گئے وعدوں کے مطابق میں مذکورہ حکومت عوام کے دروازوں کی چوکھٹ پر مذکورہ اداروں کو لا پہنچایا ہے۔ ۱۹۹۲ء کے دوران مذکورہ ایکٹ میں گرام سبھا سے موسوم ایک نئے ادارے کی تشکیل کے سلسلے میں گنجائشوں کی شمولیت کے لئے ترمیم کی گئی۔ گرام پنچایت کے ہر حلقہ میں ایک گرام سبھا ان اشخاص پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام گرام پنچایت کے متعلقہ حلقہ میں شامل علاقہ والی مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے رائے دہندگان کی فہرست میں شامل تھے۔ گرام سبھا کو سال میں کم از کم دو بار نشست بلانی پڑتی تھی۔ گرام پنچایتوں کی جانب سے جمع کردہ رپورٹ پر تبادلۂ خیال کا انعقاد کرنا لازمی ہوا کرتا تھا۔ گرام پنچایتوں کو نشست میں اراکین کی رائے، مشاہدہ اور سفارشات کو نہایت ہی محتاط طور پر زیرِ غور لاتے ہوئے تھے۔

۷۳ ویں دستوری ترمیم کے ساتھ مذکورہ ایکٹ کو مطابقت میں لا کر حالیہ ترین ترمیم نے گرام سبھا کا بدل گرام سنسد کو قرار دیا ہے۔ اس کے ذمہ بے شمار فرائض ہیں۔ مثلاً معاشی ترقی اور سماجی انصاف سے متعلق اسکیموں کے سلسلے میں گرام پنچایت کی رہنمائی کرنا، اسے صلاح و مشورہ سے نوازنا، شناخت یا مختلف غریب دشمن پروگراموں کے تحت مستفیض ہونے والے کی شناخت کے اصولوں کی تشکیل کرنا، فرقہ کی فلاح کے لئے عوامی شرکت کو متحرک بنانا وغیرہ وغیرہ۔ گرام پنچایت کو گرام سنسد کی نشست میں [illegible]

پنچایت سماکا بجٹ گزشتہ برس کے دوران کئے گئے سماکاجوں پر رپورٹ اور آنے والے سال میں کیا کیا کام کئے جائیں گے کی تفصیل پیش کرنا ہوتا ہے۔

گرام کے علاقہ سے وابستہ الیکٹرل رول میں درج شدہ اشخاص پر مشتمل ہر گاؤں میں ایک گرام سبھا کا وجود ہوتا ہی ہے۔ گرام سبھاؤں کی نصف سالانہ نشستوں کی تکمیل کے بعد اس کی سالانہ نشست ہوتی ہے۔

حالیہ ترمیم نے ضلع پریشد میں اراکین کی سب سے کثیر تعداد والی اپوزیشن مخالف سیاسی جماعت کے رہنما کی چیئرمین شپ میں پنچایتوں کے سلسلے میں دستور کے لئے گنجائش رکھی ہے۔ اپنے دائرۂ عمل میں رہتے ہوئے یہ پنچایتوں کے حساب و کتاب کی جانچ کرے گا۔ قانون ساز مجلس میں جیسا کہ ہوتا ہے ویسے ہی یہ ایک قسم کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی ہے۔

دو برسوں کے وقفہ کے دوران دو مرتبہ کی گئی بڑی ترمیموں کی دیگر خصوصیات میں (الف)، خواتین کے لئے نشستوں کا ریزرویشن، (ب)، چیئرپرسنوں کے دفتر کا ریزرویشن، (ج)، ریاستی مالی کمیشن کا دستور، (د)، تمام درجوں/سطحوں پر پنچایت اداروں کو اپنے بجٹ اور ذیلی قوانین کو منظور کرنے کے اختیار عطا کرنا، (ہ) گرام پنچایت سطح پر اختیارات کی سپردگی، (و) باقاعدگی کے ساتھ وقفوں پر انتخابات کا انعقاد شامل ہیں۔

فی الحال مغربی بنگال سلف گورنمنٹ کے اداروں کی حیثیت سے پنچایتوں کی ترقی پر زور ڈال کر نسلی پنچایتوں کی جانب پیش رفت کر رہا ہے۔ پنچایتیں دیہی ترقی کے آلات کے طور پر نیچ و سکامرانی کے ساتھ نمودار ہو رہی ہیں۔ ان اداروں نے غریبی دشمن پروگراموں پر عمل درآمد میں قابل تحسین اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بہرکیف یہ ادارے وسائل اکٹھا کرنے میں توقعات پر پورے نہیں اترے ہیں۔ اصلاحات آراضی اور آہنی سیاسی عزم کے پیدا کردہ خارجی حالات امید کی جاتی ہے کہ پنچایتوں کو سلف گورنمنٹ کے اداروں کی حیثیت سے ابھرنے میں تعاون دیں گے۔

یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں پنچایت نظام کے توسط سے ایک نئی زندگی پائی ہے۔ مغربی بنگال میں دوسری نسلی پنچایتوں نے اپنی جانب عالموں، سیاست دانوں وغیرہ کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ملک میں ایک نئی جیت کا جھنڈا گاڑا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کرناٹک، آندھرا پردیش اور کیرالا کی طرح دیگر ریاستوں میں دوسری نسلی پنچایتیں بار بار حکومت بدل جانے کے سبب مسائل سے دوچار ہیں لیکن مغربی بنگال اس میدان میں حتی نئی اختراع اور طرز کے ذریعہ پیش رفت کر رہا ہے۔ آہنی سیاسی عزم اور اصلاحات آراضی کے ذریعہ خارجی بنیادوں کی تشکیل ہی وہ اسباب ہیں جنہوں نے اسے ممکن کر دکھایا ہے۔ اصلاحات آراضی، مضبوط کسان تحریک اور عوام کی سیاسی بیداری دیہی بنگال میں قیادت کی طبقاتی تشکیل اور خارجی حالات میں قابل ذکر انقلاب کرنے کا باعث بنی ہیں۔

لیٹن کے قول کے مطابق:—

"حقارت آمیز موقوفی اور انگوالیفائڈ دعوی کے دو ضدین کے درمیان رواں کوئی غیر جانبدار مشاہدہ کرنے والے کو یہ بات ماننے کے لئے پہلے ہی سے تیار رہنا ہوگا کہ مغربی بنگال میں پنچایت نظام نے اپنی بہت اچھی سکارکردگی دکھائی ہے اور کامیابی کا سہرا بائیں محاذ حکومت کے سر جاتا ہے۔"

وبسٹر کی رائے کے مطابق:—

"مغربی بنگال میں پنچایت راج نے ملک کی دیگر ریاستوں سے آگے نکل کر ایک متبادل راہ کی گنجائش پیدا کی ہے۔"

ٹکنکی اداروں کیلئے مزید امداد کی ضرورت

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ ریاست کے ٹکنکی اداروں کی جدت کاری کے لئے عالمی بینک کو ۸۰ کروڑ روپے کی امداد فراہم کرنی ہوں گی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ بات اس وقت کہی جب آپ گذشتہ ۱۱ دسمبر کو انڈین میوزیم کے آسوتوش برتھ سنٹری آڈیٹوریم میں جگدیش بوس نیشنل ٹیلنٹ ریسرچ آرگنائزیشن کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات میں تقریر کر رہے تھے۔●

محتاج لوگوں میں سرکار کی جانب سے کمبلوں کی تقسیم

ریاستی حکومت نے اس سال موسم سرما کے دوران اس ریاست کے مختلف اضلاع میں سخت جاڑے سے متاثر ہونے والے محتاج لوگوں کے درمیان کمبلوں کی تقسیم کے لئے ایک اسکیم اپنائی ہے اس کے تحت ۱۴۴۰۰ عدد سوتی کمبل اور ۹۰۰ عدد اونی کمبل محتاج لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے مختلف اضلاع کے ضلع حکاموں کو دیئے گئے ہیں۔

عازمین حج کے لئے

ایک اعلان

بمبئی حج کمیٹی غیر ملکی کرنسی ان حج کرنے والے مسافروں کو منظور کیا ہے جو لوگ حج برائے سنہ 1996 کے لئے ۵ ہزار ۵۰۰ اور ۴ ہزار ۴۰۰ سعودی ریال کے لئے درخواست دے چکے تھے جو عازمین حج مبلغ پانچ ہزار پانچ سو (۵۵۰۰) سعودی ریال کے لئے درخواستیں جمع کر چکے ہیں ان لوگوں کو ۴۹،۳۴۰ روپئے کا بینک ڈرافٹ دینا ہوگا۔ حج کرنے والے جو لوگ ۴ ہزار ۶۰۰ سعودی ریال کے لئے درخواستیں دے چکے ہیں انھیں ۴۰۴۴۸ روپئے کا بینک ڈرافٹ جمع کرانا ہوگا!

عازمین سے درخواست ہے کہ مذکورہ بیان شدہ بینک ڈرافٹ مغربی بنگال کے ریاستی حج کمیٹی کے نام سے اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے کلکتہ برانچ میں یکم فروری ۱۹۹۶ء کے اندر اندر جمع کرا دیں۔ بینک ڈرافٹ مع مراسلہ حج کمیٹی کے سکریٹری کے نام سے روانہ کریں جس میں کور نمبر، سیریل نمبر اور پوسٹل پتہ صاف صاف درج ہو تاکہ خط و کتابت میں سہولت ہو سکے۔ تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ریاستی حج کمیٹی مغربی بنگال رائٹرز بلڈنگ کلکتہ ۱ (پہلی منزل) کے پتہ پر یا ضلع پریشد کے آفس یا ضلع برانچ کے آفس سے رابطہ قائم کریں۔

حکومت مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳، ۱۵ جنوری و یکم فروری سنہ ۱۹۹۶ء ○ شمارہ نمبر ۲ اور ۳

مدیر اعلیٰ : تروناے بھٹاچاریہ

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ● نصف سالانہ : پانچ روپئے

اس شمارہ کی قیمت : ایک روپیہ

● ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ

کلکتہ ۱۔۔۔۔۔۷

● پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومتِ مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۱۔۔۔۔۔۷

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

پتھر کے ہزاروں ٹکڑوں سے
ایک محل مضبوط اور ناقابل تسخیر بنتا ہے
اسی طرح ہمارا ملک بھی
مختلف زبان و مذہب، ذات پات اور رواج،
مختلف ریتوں اور رسموں کا آماجگاہ ہے
لیکن عقیدے میں ایک ہے

— حکومت مغربی بنگال

یوم جمہوریہ کے موقع پر گورنر کا پیغام

جمہوریت کے استحکام کے لئے معاشی و سیاسی ترقی ضروری ہے

مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے یوم جمہوریہ کے موقع پر مغربی بنگال کے لوگوں کو دلی مبارکباد دیتے ہوئے اپنے پیغام میں کہا کہ یوم جمہوریہ ہمارے ملک کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے کیونکہ اس دن ہمارے دستور — ایک دستاویز کو اپنایا گیا تھا جو سوشلزم، سیکولرزم اور جمہوریت پر مبنی ایک جمہوریہ کی تشکیل کے لئے ہمارے عوام کے عزم و ارادے کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس تاریخی دستاویز کی تمہید (Preamble) سماجی، معاشی اور سیاسی عدل اور مرتبہ و موقع کی مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔ ہمارے دستور کے ہدایتی اصول ملک چلانے میں بنیادی قدریں عطا کرتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ مغربی بنگال نے معاشی ترقی کے لئے تمام پیداواری قوتوں، انسانی و مادی وسائل کو کام میں لانے میں قیادت حاصل کی ہے۔ ریاست میں اصلاحات آراضی سے زرعی پیداوار میں غیر معمولی افزائش ہوئی ہے اور اس سے دیہی سیکٹر میں صنعتی اشیاء کے لئے کثیر بازار کی سہولت پیدا کر کے آمدنی کی عدم مساوات کو کم کرنے میں مدد ملی ہے۔ مغربی بنگال صنعتی سیکٹر میں پہلے ممتاز مقام پر تھا لیکن یہ مقام متعدد اسباب سے بتدریج گھٹتا گیا۔ ریاست مغربی بنگال نے صنعتی ترقیات کے لئے عملی قدم اٹھایا ہے۔ صنعتی ترقی اور سماجی سہولتوں پر زور دیا گیا ہے۔ ٹکنالوجی کے فروغ اور انسانی وسائل کی ترقی پر خصوصی زور دیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی اور بیرونی اور غیر مقیم ہندوستانی ممتاز صنعت کاروں کی طرف سے خاطر خواہ اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صنعتی سیکٹر میں بنگال کی سابقہ ممتاز مقام بحال ہو جائے گا اس سے بیروزگاری کا مسئلہ بہت حد تک دور ہو جائے گا۔

شری ریڈی نے مزید کہا کہ ہمارا ملک دنیا کی سب سے بڑی مستحکم جمہوریت ہے۔ جمہوریت کے استحکام کے لئے معاشی اور سیاسی ترقی ضروری ہے۔ غریبی استحکامت کے لئے مضر رساں ہے اس لئے ہمیں غریبی دور کرنے کے لئے کام کرنا چاہئے۔ معیار زندگی کی بہتری کے لئے ریاست میں خواندگی اور بعد از خواندگی پروگراموں پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ مردم شماری کے مطابق شرح خواندگی ۱۹۹۱ء میں ۵۷،۷۰ فیصد تھی جواب ۴۹،۴ فیصد پر ٹھہری ہے۔

ریاستی حکومت نے غریبوں کے غریب ترین افراد کو اوپر اٹھانے کے لئے پابند عہد ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے غریبی تخفیف پروگرام اور خصوصی جزو منصوبوں کے اخراجات میں اضافہ ہوا ہے۔ گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے مزید بتایا کہ سرد جنگ کا خاتمہ ہوا ہے اور ہم اکیسویں صدی میں داخل ہونے جا رہے ہیں۔ خوشحالی کی عظیم الشان آفاقیت کے ساتھ ہم غربت کی آفاقیت سے بھی دوچار ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں دنیا کی آبادی کا ۵/۴ حصہ بھر رات بھوکا رہ جاتا ہے۔ معاشی افزائش نے ترقیات اور انسانی ترقی کے لئے کوئی قیادت نہیں کی۔ "ہم بے روزگار ترقی" کا منظر نامہ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جمہوری سوشلیشٹ سوسائٹی میں مساوی موقع اور مرتبہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ آیئے ہم جمہوری سوشلیسٹ سماج کی تیاری کے لئے ہمارے دستور کی تمہید میں موجود بنیادی خصوصیات اور ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول میں نمایاں محرکات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کام کریں۔ نظام اقدار کے بغیر مادی خوشحالی، سماجی تنزلی اور اخلاقی بحران کا سبب بن سکتی ہے۔ گورنر شری ریڈی نے نیتاجی سبھاش چندر بوس، جواہر لال نہرو کے حوالے سے اخلاقی قدروں اور اسکی سطح کو اوپر اٹھانے کی ضرورت پر زور دیا۔

انھوں نے مزید کہا کہ ۲۰۲۰ تک یہ متوقع ہے کہ ہندوستان دنیا کی معیشت میں چین، امریکہ اور جاپان کے بعد چوتھا مقام حاصل کرلے گا۔ مغربی بنگال اس سلسلہ میں یقیناً اہم خدمات انجام دے گا۔ انھوں نے اس تاریخی موقع پر ہم سبھوں کو جدوجہد آزادی کے اعلیٰ تصورات کے لئے اپنے کو ایک بار پھر وقف کر دینے اور حقیقی سیکولرزم، جمہوری سوشلیسٹ سوسائٹی کی تعمیر کے لئے اخلاقی جوش کے ساتھ کام کرنے کی اپیل کی۔ انھوں نے تاریخ کی پیش روی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ کی طرف سے ہمیں سونپے گئے کردار ادا کرنا چاہئے۔ انھوں نے نوجوانوں سے بالخصوص اعتماد، حوصلہ اور یقین کے ساتھ نیز سائنسی سوجھ بوجھ کے ساتھ عمل کرنے کی اپیل کی۔

•○•

نیتاجی کو انکی صد سالگرہ تقریبات کے موقع پر خراج عقیدت پیش کیا گیا

ھندوستان کی تحریک آزادی میں نیتاجی کے کردار کو مناسب طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے۔ قومی تاریخ میں ان کی خدمات کو مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ آزادی نہ کسی انفرادی کوشش اور نہ ہی کسی تنہا پارٹی کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے جیسا کہ آزادی کے بعد کے برسوں میں بتایا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو گذشتہ ۲۳ جنوری کو کلکتہ کے ریڈ روڈ میں نیتاجی کے سو یں سالگرہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔

انھوں نے کہا کہ آزادی گاندھی جی کی طرف سے عدم تشدد ستیہ گرہ تحریک نتیجے میں نہیں ملی ہے سبھاش چندر بوس کی لائق رہنمائی میں آزاد ہند فوج کو بھی مساوی طور پر اہمیت حاصل ہے۔ جد وجہد آزادی میں نیتاجی کا کردار اس قدر نمایاں تھا کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا کہ مرکز نے بالآخر نیتاجی کی صد سالگرہ منانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینے پر راضی ہو گیا ہے۔ انھوں نے موجودہ معاشی حالات کا ذکر کرتے ہوئے سوال اٹھایا کہ کیا یہ وہی آزاد ہندوستان ہے جس کا خواب نیتاجی نے دیکھا تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ سامراجیت کے خلاف جنگ کرتے وقت نیتاجی نے عام لوگوں کی حالت اور انکی غربت کے بارے میں سوچا۔ انھوں نے آزاد ہندوستان کیلئے ایک مجوزہ معاشی پالیسی کا اعلان کیا تھا جواہر لال نہرو نے کم از کم آزادی کے بعد اسے روبہ عمل لایا لیکن اب کیا ہو رہا ہے۔ موجودہ دنوں میں کانگریس اپنے نظریات، پالیسیوں کو بھولتے ہوئے نظر آرہی ہے قومی سطح پر بھی معاشی پالیسی چند لوگوں کے مفادات کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے۔ غریب اور امیر لوگوں کے درمیان خلا وسیع ہو گیا ہے مرکزی حکومت نے آزاد بازار کی معیشت کے نام پر کثیر الاقوام کے لئے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔

اس موقع پر آئی این اے کی لکشمی سوامی ناتھن سہگل، فارورڈ بلاک کے لیڈر اور ریاستی خواتین کمیشن کی ممبر شریمتی اپراجیتا گوپی، فارورڈ بلاک کے لیڈر شری مانی مونترا، ریاستی وزیر شری دیبابرتو بندھوپادھیائے نے بھی اس موقع پر تقریر کی اور عظیم قومی رہنما کو خراج عقیدت پیش کیا۔

اس موقع پر نیتاجی کے مجسمہ کی گلپوشی بھی کی گئی۔ اس تقریب میں دیگر منسٹر کا میں شری بدھا دیب بھٹا چاریہ، شری بمان بوس، پرسنتا داس گپتا، گھیتی گوسوامی، کلیم الدین شمس، بھگتی بھوشن منڈل اور دیگر بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ ریاست بھر میں نیتاجی کی صد سالگرہ کے موقع پر مختلف تقریبات منائی گئیں۔

بقیہ :- مغربی بنگال میں ۶۰ کے بعد اردو افسانہ

ہئیت، اردو افسانے کا مستقبل سنوار سکے گی اور کیا اس کو وہ کہانویت راس نہیں آئے گی جس کی طرف سریندر پرکاش، عبد السلام، عبد الرزاق قدم بڑھا چکے ہیں۔ اور بنگال کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو خود بنگلہ زبان کے آکٹوپس اور نیل دہائی کے افسانہ نگار مثلاً سنیکو بابو، سمریش مجمدار و کاشی ناتھ ہ چکرورتی، واسس اور رادھا ناتھ منڈل بھی جس کہانوی بیانیہ کو اپنا کر ذات اور کرب ذات، شہر اور اس کے کردار، اور اپنے اثر کا احاطہ کر رہے ہیں۔ کیا یہ اظہار اردو افسانے کو راس نہیں آسکتا ہے؟؟ اور مغربی بنگال میں تہذیبی اور سیاسی المناکیوں کے لئے کیا کسی دوسرے افسانوی فارم کی ضرورت ہے؟۔

میں یہ سوال اس یقین کے ساتھ اظہار کرتا ہوں کہ مستقبل کا اردو افسانہ بنگال میں لکھا جائے گا۔ ••

جنگِ آزادی کے سورما

نیتاجی سبھاش چندر بوس

رئیس الدین فریدی

جس طرح ۱۸۵۷ء کی آزادی کی جنگ میں بخت خاں، مولوی احمد اللہ، زینت محل، جھانسی کی رانی لکشمی دیوی، تانتیا توپے اور کنور سنگھ نے شجاعت اور جانبازی کے جوہر دکھائے تھے اور اپنی اپنے ساتھیوں اور سپاہیوں کی جدوجہد عارضی طور پر ناکام ہو جانے کے بعد بھی خود ہی سرخرو نہیں ہوئے تھے بلکہ ملک اور قوم کے اندر وہ جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا جو بار بار سر اٹھاتا اور طوفان بلا کی طرح انگریزوں کے سر پر منڈلاتا رہا۔ اس نے کبھی ایسی تحریک کی صورت اختیار کی جس نے بھگت سنگھ، دت، چندر شیکھر آزاد، کھودی رام، اشفاق اللہ اور سینکڑوں شہیدوں کو ہتھیاروں سے کام لینے پر مجبور کیا۔ اور کبھی خلافت اور سوراج کی تحریک کی صورت اختیار کی جس نے انگریزوں کے راج کی جڑیں ہلا دیں اور تلک، گاندھی جی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، خان عبدالغفار خان، محمد علی، شوکت علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد مدنی، جواہر لال، جے پرکاش نرائن جیسے دلیر اور مجاہد رہنماؤں کو جنم دیا۔ پھر گاندھی جی کی قیادت میں بار بار آزادی کی جدوجہد ہوتی رہی۔ لاٹھیوں اور گولیوں کی بوچھار میں آزادی کے جھنڈے کی حفاظت ہوتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کو ہندوستان چھوڑو کی تحریک نے سخت مظالم کے باوجود بتا دیا کہ ۱۸۵۷ء کا جذبہ ہندوستانیوں میں نہ صرف برقرار ہے بلکہ ناقابل شکست ہو چکا ہے۔

۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو کانگریس نے آزادی کے لئے قلابازیاں کھانی شروع کر دیں۔ خود کو ملک کا رہنمائے مطلق قرار دے کر انگریزوں سے حکومت اپنے حوالے کر دینے کے رنگارنگ طریقوں سے مطالبے کرنے شروع کر دیئے۔ وہ انھیں ہندو، مسلم یا کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کرتے چلے گئے۔ اس عدم اتحاد میں جو انگریزوں نے بڑی چالبازی سے پیدا کیا تھا قصور کانگریس کا بھی اور مسلم لیگ کا بھی تھا جو دونوں ملک کے اتحاد اور آزادی کی جگہ مذہبی اور فرقہ پرستانہ رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور ملک کی مذہبی نوعیت کی تقسیم کی سازش میں شریک تھیں۔ انگریز ۱۹۴۲ء کی زبردست جدوجہد اور جنگ میں کمرشکستہ ہو کر فتحیاب ہونے کی وجہ سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اسی زمانے میں نیتاجی سبھاش چندر بوس میدان جہاد میں اترے اور انگریزوں کی کمر مکمل طور پر توڑنے کا ذریعہ بنے۔

ان کی سیاسی تربیت اور جدوجہد کانگریس کے اندر ہی شروع ہوئی تھی

مگر ان کو گاندھی جی، سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی جیسے لوگوں کی معتدل پالیسی اور انگریزوں کے خلاف بے ہتھیار جدوجہد کرنے اور ایسے بار بار بے نتیجہ واپس لینے اور غریبوں کی جگہ امیروں کا بھلا چاہنے کی پالیسی سے اتفاق نہ تھا اور وہ کانگریس کی پالیسی کو نرم کی جگہ سخت اور مفاہمت کی جگہ زور آزمائی میں تبدیل کرنا چاہتے تھے جو ان دنوں سب سے بڑی قومی جماعت کی حیثیت رکھتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ مزاجاً سوشلسٹ تھے اور ملک کو سوشلزم کے اصولوں پر چلانا چاہتے تھے اسی لئے پرانے خیال کے لیڈروں پر دباؤ ڈالنے کے لئے کانگریس کے اندر ایک سوشلسٹ پارٹی بھی موجود تھی جو آزادی کے بعد اس سے الگ ہو گئے اور حقیقت یہ بھی ہے کہ ۱۹۴۲ء کی تاریخی جدوجہد نے زیادہ تر جے پرکاش نرائن، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا، اچیت پٹ وردھن، میرعلی اور مسز ارونا آصف علی جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی طوفانی شکل اختیار کی تھی۔ نیتا جی ایک بار کانگریس کے صدر ہو گئے مگر کانگریس والے ان سے خوف زدہ رہے۔ اسی لئے جب وہ گاندھی جی کے امیدوار پٹابھی سیتا رامیا کو زبردست شکست دے کر دوبارہ صدر منتخب ہو گئے تو گاندھی جی اور جواہر لال جیسے لوگوں نے ان سے تعاون کرنے سے انکار کر کے ۱۹۳۹ء میں ان کو صدارت سے علیحدہ ہونے اور فارورڈ بلاک قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔

۱۹۳۹ء کی جنگ شروع ہونے کے بعد انگریزوں نے ان کو گھر کے اندر نظر بند کر دیا۔ اس وقت بنگال پر مولوی فضل الحق کی حکومت تھی جو نیتا جی کے دوست اور مداح تھے اسی لئے انھوں نے ان پر برائے نام ہی پابندی رکھی جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ایک مسلمان مولوی یا جاگیردار کا بھیس بدل کر کلکتے سے پشاور پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور سرحدی پٹھانوں کی مدد سے کابل پہونچ گئے۔ ان کا ارادہ ماسکو جا کر سوویت یونین سے فوجی امداد حاصل کرنے کا تھا مگر اس مدت میں سوویت یونین، امریکہ، برطانیہ، فرانس سے ہٹلر کے خلاف دفاعی معاہدہ کر کے ان کا جنگی ساتھی بن چکا تھا۔ اسی لئے وہ بہ ہزار دقت برلن گئے اور ہٹلر سے ملاقات کی جس نے ان کو جاپان سے مدد لے کر اسکے مقبوضات سے ہندستان کی آزادی کی جنگ شروع کرنے کا مشورہ دیا تو وہ ایک آبدوز کشتی میں ہندستان کے ساحلوں کو دوربین سے دیکھتے ہوئے سنگاپور پہونچ گئے جس کے اندر اور قرب و جوار میں کافی ہندستانی موجود تھے جن میں زیادہ تر برطانوی فوج کے وہ سپاہی اور افسر تھے جن کو جاپانیوں نے شکست دیکر قیدی بنا رکھا تھا۔ سنگاپور میں مشہور انقلابی راش بہاری بوس اور کپتان (لفٹیننٹ جنرل) موہن سنگھ نے پہلے ہی برطانوی فوج پر حملہ کر کے ہندستان کو آزاد کرانے کی تیاری

شروع کر رکھی تھی۔ انہوں نے سبھاش بابو کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور نیتاجی کا خطاب دیکر ان کی رہنمائی میں آزاد ہند فوج منظم کرنے کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ہندوستانی فوجی قیدیوں کو جنگ آزادی میں شرکت پر آمادہ کیا پھر جاپانیوں سے ہتھیار طلب کئے اور آج کل کے ملیشیا، انڈونیشیا، سنگاپور اور برما وغیرہ کے ہندستانیوں کو جنگ کے لئے آدمیوں اور سرمائے کی فراہمی کی ترغیب دی جس پر لوگوں نے دیوانہ وار لبیک کہا اور ۸۵ ہزار آدمی انگریزی فوج سے لڑنے کے لئے سربکف اور کفن بردوش ہو گئے۔ جن میں پنجاب کے وہ مسلمان بڑی تعداد میں تھے جو انگریزوں کے پشتینی غلام اور نمک حلال چلے آتے تھے اور انگریزوں کی ہندستانی فوج کا بازوئے شمشیر زن خیال کئے جاتے تھے۔ یہ فوج جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل تھے۔ ایسی حالت میں بنی تھی کہ پورے ہندستان میں فرقہ پرستی کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہندو اور سکھ مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے خون کے پیاسے اور ان کے گھر بار کے لٹیرے بنے ہوئے تھے اور کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے گریباں پھاڑ رہی تھیں۔ اس طرح نیتا جی نے ثابت کر دیا تھا کہ اگر ہندو مسلمان لیڈروں میں عقل ہوتی تو سارے ہندستانی آپس میں لڑنے کے بجائے ایک متحدہ قوم ہوتے۔ جس سے انگریز تھرّاتے اور ملک کی تقسیم کی نوبت نہ آتی۔ انہوں نے تو یہاں تک کر دکھایا تھا کہ زبان کا مسئلہ بھی حل کر دیا تھا آزاد ہند فوج کا سلام تھا جے ہند۔ جنگی نعرہ تھا دلی چلو۔ قومی ترانہ اور فوجی بھی ایسی زبان میں تھا جسے اردو یا ہندستانی ہی کہہ سکتے ہیں۔ الغرض انہوں نے ایک غیر ملک میں صحیح معنوں میں چھوٹا سا ہندستان بنا لیا تھا۔ ان کی ترقی پسندی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے رانی جھانسی نام کی عورتوں کی فوج بھی بنا دی تھی جو خطرناک حالت میں جنگی خدمات انجام دیدی تھی۔ ممکن ہے دنیا میں یہ اپنی مثال آپ ہو۔ ان کی بے غرضی کا یہ عالم تھا کہ اپنی بنائی ہوئی عارضی حکومت آزاد ہند کی طرف سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں خود ہندستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کامیابی حاصل ہو گی تو ہندستان کی حکومت گاندھی جی کی قدموں میں ڈال دوں گا وہ جسے چاہیں دیدیں۔

۴۳ء میں بننے والی اور برما کی طرف سے ہندستان کی طرف بڑھ کر کوہیما تک آجانے والی اس فوج کی ناکامی کے کئی خارجی اسباب تھے۔ اتحادیوں نے جاپانی مقبوضات پر زبردست ہوائی حملہ شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو رہے تھے اور آزاد ہند فوج کی مدد کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس کو

فوجی ہوائی جہاز اور بھاری ٹینک اور توپیں اس کے پاس نہ تھیں اور انگریزی فوج اس پر لگاتار بمباری کر رہی تھی۔ شدید بارش کی وجہ سے اس کی رسد اور سامانِ جنگ تباہ ہو رہے تھے اور نقل و حمل جان جوکھوں کا کام ہو گئی تھی۔ پھر بھی یہ فوج نہایت ناقابلِ برداشت حالات میں جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی جان توڑ کوشش کرتی رہی اور وطن دوستی کی نئی تاریخ لکھتی رہی۔

جنگی کارروائی کے علاوہ انگریزوں نے اس حملے کو ناکام کرنے میں کوئی چال باقی نہ چھوڑی یہ تو ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ہندستان پر حملہ آور ہندستانی ہیں۔ ہاں یہ ضرور بتایا کہ جاپانیوں نے بھی ہندی سیکھ لی ہے اور وہ ہماری فوجی خندقوں کے قریب آکر ہندستانی فوجیوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم انگریزوں کی طرف سے لڑنا چھوڑ کر ہمارے ساتھ آجاؤ۔ ڈر یہ تھا کہ ہندستانی بھی فوج کی مدد کیلئے نہ اٹھ کھڑے ہوں حملے کے خطرے سے سارا اناج خرید کر بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کو بھیج دیا جس کے بعد قحط پڑ گیا اور صرف ۱۹۴۳ء میں ۳۰ لاکھ بنگالی بھوکوں مر گئے۔ اس میں ۱۹۴۲ء کی تحریک کا انتقام بھی شامل تھا۔

مگر یہ چالیں کامیاب نہ ہوئیں۔ جب ۱۹۴۵ء میں جاپان کی شکست کے بعد نیتاجی ٹوکیو جانے کے لئے ایک ہوائی جہاز پر سوار ہو گئے اور باقی ماندہ آزاد ہند فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تو انگریزوں نے ان سب کو قید کر لیا اور جنرل شاہ نواز، کپتان گردیال سنگھ، کپتان پریم سہگل اور کپتان عبدالرشید کو کورٹ مارشل کے نام پر سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا تو سارے ملک خصوصاً بنگال میں آگ لگ گئی اور ایسے مظاہرے ہوئے کہ سزائے موت کو منسوخ کرنا پڑا۔

اس کے ساتھ ہی ۱۹۴۶ء میں بمبئی میں ہندستانی بحری مسلح افواج نے بدسلوکی اور جانبداری پر برہم ہو کر بغاوت کی اور کئی گھنٹے تک انگریزی بحری فوج سے مقابلہ کیا اور کئی جہازوں پر قبضہ کر کے قومی جھنڈا لہرا دیا تو بمبئی کے باشندے ان کی حمایت میں میدان میں آگئے اور ان کا حوصلہ بڑھانے اور ضروری چیزیں پہونچانے پر کمر باندھ لی۔ شہر میں بغاوت بھی ہو گئی اور حکومت معطل ہو گئی۔ آخر دو دن کے اندر گورا فوج نے ۲۵۰ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اقتدار بحال کیا۔ اس بغاوت میں پولس والوں اور پولس چوکیوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا تھا اور مکمل ہندو مسلم اتحاد رہا تھا۔ پھر ایئر فورس میں ہندستانیوں نے بغاوت کی۔ جبل پور میں آرمی سگنل کور نے ہڑتال کی اور سارے ملک میں زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں ہونے لگیں جن میں اسکولوں اور کالجوں کے طلباء نے خاص طور پر حصہ لیا۔ اس طرح انگریزوں کو ہندستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا اور نیتاجی کا مقصد پورا ہو گیا۔ آزاد ہند فوج بظاہر ہاری مگر دراصل اس نے زبردست فتح حاصل کر لی۔ جے ہند۔ نیتاجی زندہ باد۔ نیتاجی کی پیدائش کی سو سالہ تقریبات زندہ باد۔

•●•

کلکتہ کے ریڈ روڈ پر یومِ جمہوریہ کی شاندار تقریب

گذشتہ ۲۶ جنوری کی صبح کو کلکتہ کے ریڈ روڈ پر یوم جمہوریہ کی تقریب تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئی۔ تقریبات کی شروعات ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی کے ہاتھوں قومی پرچم کے لہرانے سے ہوئی۔ اس موقع پر قومی ترانہ بینڈ پر بجایا گیا۔ ریڈ روڈ جمی ہوئی اور کشادہ سڑکوں کے دونوں کناروں پر موجود ہزاروں ناظرین کے درمیان مسلح افواج و نیم عسکری افواج کی مختلف بٹالینوں، ریاستی پولس کے مختلف دستوں، شہری دفاع اور رضاکار تنظیموں، سرکاری و نیم سرکاری اداروں اور اسکولی طلباء و طالبات نے مارچ پاسٹ میں حصہ لیا۔ اس پریڈ کے کمانڈر بریگیڈیر سیوندر سنگھ تھے۔ گورنر موصوف نے مارچ پاسٹ کی سلامی لی۔ اس موقع پر ٹینک میڈیم ٹی۔ ۵۵، ۵۔۱۰۵ ملی میٹر کے آئی ایف جی فیلڈ توپوں، ۱۰۶ ملی میٹر کے آر سی ایل توپوں، بموں کو ناکارہ بنانے والے آلات، مواصلاتی آلات سے مزین گاڑیوں کی نمائش کی گئی۔ سب سے آخر میں شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے بنگلہ تھیٹر کے دو سو سال پر جھانکی، ڈبلیو۔ بی۔ آئی۔ ڈی۔ سی نے مغربی بنگال میں صنعتی پر جھانکی، سماجی رفاہ نے جامع ترقیات اطفال پروجکٹ پر جھانکی پیش کی۔ اس پریڈ کے سکریٹری کرنیل دیپ کمار گھوش تھے۔

اس رنگارنگ تقریب میں ریاست کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ یہ پریڈ صبح نو بجے شروع ہوا اور تقریب دو گھنٹے بعد اختتام پذیر ہوا۔

سالک لکھنوی

۱

کبھی دن تھے
چلے تھے ساتھ ہم دونوں
نظر میں تھی ہماری منتظر منزل
ہماری منتظر منزل!

چلے تھے ساتھ جب مل کر، تو راہوں میں
ملے تھے کتنے ویرانے، صنم خانے، خدا خانے
ملے تھے کتنے میخانے!

صنم خانوں، خدا خانوں میں تھی
حریمِ ناقوس و اذاں ہم سے
برائے احترامِ میکدہ ساغر اچھالے تھے
ہوئی جب مئے سے محرومی تو پھر توڑے تھے پیمانے
ملیں زنداں کی دیواریں تو اپنے سر تھے ٹکرائے
بلندی کی تمنا میں فرازِ دار تک آئے!

جنونِ شوقِ منزل میں کبھی تھی تیز رفتاری
کبھی آہستہ رو تھے ہم
ہوئے گلرنگ اپنی آبلہ پائی سے اکثر راہ کے کنکر
کبھی ٹھہرے کہ دم لے لیں، ذرا گردِ سفر دھو لیں
یونہی بڑھتے رہے آگے

کبھی ایسے بھی موڑ آئے کہ دونوں ڈگمگائے تھے
گرا جب میں، تمہیں نے تو اٹھایا تھا
مگر جب لڑکھڑائے تم
سہارا تھا دیا میں نے!

یہ ویرانے، یہ میخانے، خدا خانے، صنم خانے
سبھی تو راہ میں آئے
کہیں بھی رک نہ پائے ہم

۲

مگر اب ایسے دن آئے
کہ مبہم شکلِ منزل ہے
وہیں ہم ہیں، مگر اب راستے کے دو کنارے ہیں
ادھر میں ہوں ____
ادھر تم ہو
میانِ راہ میں ٹوٹے پڑے ہیں
سارے میخانے، صنم خانے، خدا خانے
بچے ہیں صرف ____
ویرانے!

گورنر مغربی بنگال کے ہاتھوں مسلم گرلس ہاسٹل کا افتتاح

ریاستی حکومت اقلیتوں کی ضرورت سے باخبر ہے اور ان کی بہبود سے متعلق مختلف ترقیاتی سرگرمیوں کو روبہ عمل لانے کے لیے اپنی بساط بھر کام کر رہی ہے۔ ریاستی حکومت اس حقیقت سے بھی واقف ہے کہ اقلیتوں کی تعلیمی ضرورت کو مناسب طور پر پورا کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنی معاشی ترقی کیلئے جد و جہد کے قابل ہو جائیں۔ اس ضرورت کو مانتے ہوئے ریاستی حکومت اقلیتی آبادی والے علاقے میں تعلیمی ادارے قائم کرنے پر زور دے رہی ہے۔ یہ باتیں مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گذشتہ ۴ جنوری کو مدناپور کے سپاہی بازار میں وقف بورڈ کے نو تعمیر شدہ مسلم گرلس ہاسٹل کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں مزید بتایا کہ مسلم طالبات کو مقابلہ جاتی امتحانات کے پیش نظر تیار کرنے کے لئے کوچنگ کی سہولتیں مہیا کرنے کے بھی انتظامات کئے گئے ہیں۔ مسلم طالبات کے لئے ہاسٹلو کے تعمیر کرنے کی خصوصی اسکیم کو اضلاع میں روبہ عمل لایا جا رہا ہے تاکہ اس فرقہ کی لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

شری رگھوناتھ ریڈی نے بتایا کہ ہمارا سماج مختلف ثقافت، مذاہب، لسانیات وغیرہ کے ساتھ کثرت وجود کی مثال رکھتا ہے۔ ترقی کے پیش نظر مد ماحولیات کو تیار کرنے کے لئے انھیں فروغ دینا ہے، ہم آہنگ بنانا ہے، اور مستقل طور پر مضبوط کرنا ہے، انہوں نے کہا کہ اتحاد، ہم آہنگی اور بھائی چارگی کی قدیم روایت کے باوجود کچھ بدبخت واقعات کے باعث آپسی بدگمانی پیدا ہوئی ہے اور تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔ یہ ملک کی استحکامت اور یکجہتی کے لئے نیک فال نہیں ہیں۔ خاص طور پر نوجوان مرد و خواتین کے گراں قدروں کی سدھار کرنے کے لئے اہم رول ادا کرنا ہوگا تاکہ غریبی، ناخواندگی، تعذیہ کی کمی کو دور کرنے کے بنیادی کام سے ذہن دوسری طرف منتقل نہ ہو جائے۔ انھوں نے بتایا کہ نوجوان طبقہ ہمارے ملک کے مستقبل کا نمائندہ ہے۔ یہ ہمارا اہم فریضہ ہے کہ ان کے لئے ایک ایسے ماحول کی ضمانت دیں جو انھیں

انکی ممکنہ حد تک ترقی کی منزل تک پہنچا سکے۔

مسٹری ریڈی نے بتایا کہ سماج خواتین کی مناسب تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صرف گھر کی دیکھ بھال نہیں کرتیں بلکہ معاشی صورت حال میں بھی اپنی خدمات انجام دیتی ہیں۔ مناسب تعلیم سے وہ مردوں کی طرح کام انجام دے سکتی ہیں۔

اپنی مختصر تقریر کے ساتھ گورنر موصوف نے مسلم گرلس ہاسٹل کا افتتاح کیا اور اس کے روشن مستقبل کے لئے اپنی نیک خواہشات اور تمناؤں کا اظہار کیا۔ مسٹری ریڈی نے اس موقع پر گورنر فنڈ سے ۵ ہزار روپئے کا عطیہ بھی دیا۔

اس موقع پر وزیر برائے ترقیات حیوانی وسائل و تعلیمی امور مسٹر محبوب زاہدی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک قوم کی مستقل اور جامع ترقی کے لئے تعلیم سب سے پہلی شرط ہے۔ تعلیم کی کمی جمہوری اقدار کی پستی کے طریقۂ کار کو تیز تر کر دیتی ہے اور ایک شخص کو مخصوص مذہبی بنیاد پرستی کی طرف لے جاتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ممتاز سماجی کارکن بیگم رقیہ سخاوت نے ایک سو سال سے قبل اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ مسلم خواتین کو اپنے حقائق اور فرائض سے باخبر ہونے کے لئے پہلے تعلیم یافتہ ہونا ہوگا۔

وزیر موصوف نے مزید کہا کہ مسلم خواتین میں تعلیم کے فروغ اور ان کی معاشی ترقی کے لئے ریاستی حکومت صدق دل سے کام کر رہی ہے۔ انھوں نے ریاستی حکومت کی کوشش سے ریاست کا ۵ واں اور مدناپور کا پہلا گرلس ہاسٹل کے افتتاح کو مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کی راہ میں سنگ میل قرار دیا۔

اس موقع پر دوسرے مقررین میں وزیر پنچایت ڈاکٹر سوریہ کانتا مشرا اور مدناپور ضلع پریشد کے سبھا دھی پتی شری ہری کرشن سامنتا نے بھی تقریر کی مغربی بنگال میں اپنی نوعیت کا پانچواں گرلس ہاسٹل ریاستی حکومت کی طرف سے منظور کردہ ۳۱ لاکھ ۲۹ ہزار روپئے کی لاگت سے تیار ہوتی ہے۔ شاہدی مسجد کے متولی اور قبرستان وقف اسٹیٹ نے ۶ کھٹا قطعات اراضی گرلس ہاسٹل کے لئے دان کئے۔ تعمیری کام مدناپور ضلع پریشد کے زیر نگرانی مکمل ہوئے۔ اس ہاسٹل میں تقریباً ایک سو طالبات کی رہائش و طعام کی گنجائش ہوگی۔ لڑکیوں کے مقابلہ جاتی امتحانات کے لئے کوچنگ کی سہولت بھی مہیا ہوگی جس سے غریب مسلم طالبات مستفید ہوں گی۔ اس طرح کے ہاسٹل دوسرے اضلاع جیسے ہگلی، بالورگھاٹ، شمالی ۲۴ پرگنہ، ہوڑہ، کوچ بہار وغیرہ میں بھی قائم کئے جائیں گے۔ ایک ہاسٹل کلکتہ کے پارک سرکس میں قائم ہو چکا ہے جس سے آج مسلم طالبات مستفید ہو رہی ہیں۔ ٥٠

وزیراعلیٰ کے ہاتھوں ریاستی حج کمیٹی کی نئی عمارت کا افتتاح
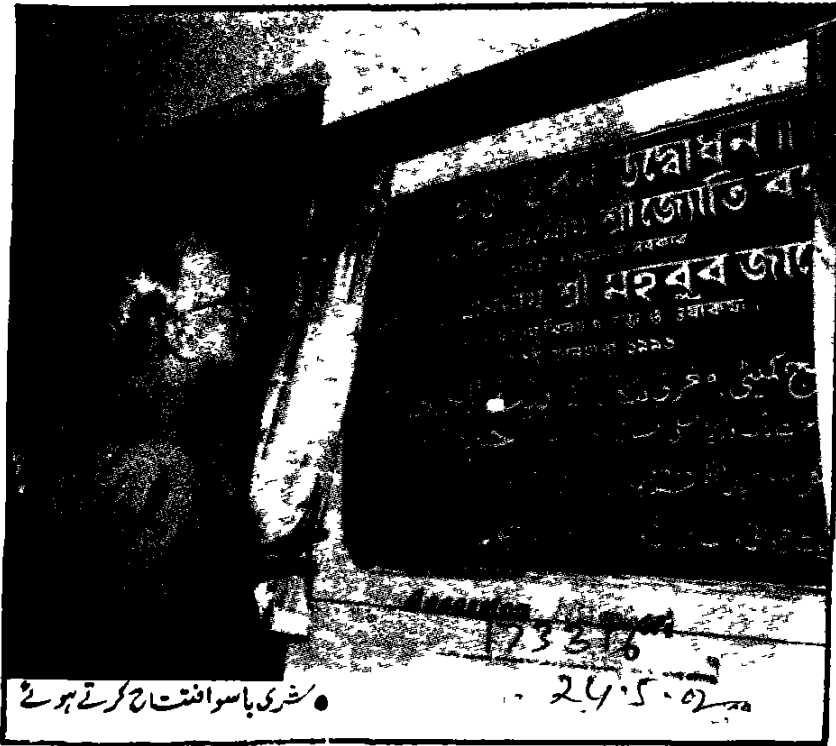
• شری باسو افتتاح کرتے ہوئے

مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۶ جنوری کی صبح کو ریاستی حج کمیٹی کی نئی عمارت "بیتُ الحجاج" کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ بایاں محاذ حکومت اقلیتوں کے مسائل سے کبھی غافل نہیں رہی ہے اپنے اکثریتی فرقے کے علاوہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کے اقتصادی مسائل حل کرنے کیلئے عملی اقدامات اٹھائے ہیں۔

انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ سیاست کے ساتھ مذہب کو نہ ملائیں۔ انھوں نے کہا کہ اس قسم کے رجحان سے قوم کی کثرت میں وحدت کا تصور خطرے میں پڑ گیا ہے۔

وزیراعلیٰ موصوف نے ریزرویشن کے مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ملازمتوں کے امکانات تیزی سے گھٹ رہے ہیں اور بے روزگاری کی تعداد میں بھاری اضافہ ہو رہا ہے ایسے میں ریزرویشن کے مطالبے اور محدود ملازمت کی حصولیابی کے لئے تصادم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی فرقہ کو ریزرویشن یا کوٹہ دے بھی دیا جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی ترقی کیلئے ریزرویشن کی نہیں بلکہ خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ وہ بھی اکثریتی فرقہ کے شانہ بشانہ ملک و قوم کی ترقی میں برابر کا حصہ لے سکیں۔ انھوں نے ملازمت کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنے کی ضرورت پر خصوصی زور دیا۔

وزیراعلیٰ شری باسو نے نوجوانوں کو مقابلہ جاتی امتحانوں میں حصہ لینے کی تربیت و ترغیب دینے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

اس موقع پر مغربی بنگال اسمبلی کے اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم، مرکزی وزیر سیاحت و شہری پرواز شری غلام نبی آزاد، مرکزی حج کمیٹی کے چیئرمین شری سلامت اللہ، آسام کے وزیر برائے اوقاف و حج شری نورالحسن، کلکتہ کے میئر شری پرسنتا چٹرجی اور ریاستی وزیر اقلیتی امور و حج و اوقاف شری محبوب زاہدی نے بھی اظہار خیال کیا۔

شری ہاشم عبدالحلیم نے اپنی تقریر میں ہر معاملہ میں سیاست و فرقہ پرستی کے مظاہرے کو افسوسناک بتایا۔ انھوں نے کہا کہ بیت الحجاج سے شمالی مشرقی ہند کے عازمین حج کو کافی فائدہ پہنچے گا

شری غلام نبی آزاد نے بیت الحجاج کو مغربی بنگال اور شمال مشرقی ہندوستان کے عوام کیلئے سال نو کا بہترین تحفہ بتایا انھوں نے کہا کہ سیکولر اور جمہوری قدروں کی بقا کیلئے حج ہاؤس کی تعمیر ضروری تھی۔

شری محبوب زاہدی نے اپنی صدارتی تقریر میں بتایا کہ عازمین حج کے قیام کے بعد حج ہاؤس کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا تھا جو آج مکمل ہوا۔ انھوں نے کہا کہ بیت الحجاج نہ صرف عازمین حج کو روانگی سے قبل سہولتیں

فراہم کرے گا بلکہ باقی مہینوں میں مقابلہ جاتی امتحانات میں حصہ لینے والے طلب وطالبات کے لئے کوچنگ سنٹر کے لئے بھی کام آئے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حج ہاؤس ریاست کے دور دراز سے بغرض علاج آئے غریب لوگوں کو رہائشی سہولتیں بھی فراہم کرے گا۔

آخر میں علاقائی ایم ایل اے اور حج کمیٹی کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر شری محمد نظام الدین نے حاضرین کی بڑی تعداد میں مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

حج ہاؤس کا سنگ بنیاد ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے رکھا تھا اس کی تعمیر میں ۹ سال سے زائد عرصہ لگ گیا جس سے اس کی اخراجات میں بھی کافی اضافہ ہوگیا۔ ۵ اکٹھ رقبہ پر سنگ مرمر سے آراستہ چار منزلہ بیت الحجاج کی تعمیر میں ایک کروڑ دس لاکھ روپئے کی لاگت آئی ہے اس حج ہاؤس کی تعمیر حج کے دوران جدہ جانے کی راہ میں عازمین حج کے لئے رہائش کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ اس میں بیک وقت تقریباً پانچ سو (۵۰۰) عازمین حج قیام پذیر ہوسکتے ہیں۔ بمبئی کے بعد کلکتہ شہر ہے جہاں عازمین حج کے لئے اس طرح کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ اس حج ہاؤس میں حج کے بعد باقی مہینوں میں مسلم طلبہ وطالبات کے مقابلہ جاتی امتحانات کے لئے کوچنگ سنٹر کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

اس میں ریاستی حج کمیٹی کے دفتر کے علاوہ سفر حج کی دوسری سروسیں یکجا مہیا ہوں گی جیسے پاسپورٹ، ویزا، زرمبادلہ کے ڈرافٹ اور ٹیکے وغیرہ کے انتظامات۔

• بیت الحجاج

بقیہ: آئی ایل او اور ریاستی حکومت کے زیر اہتمام روزگار کی افزائش پر سمینار

افتتاحی تقریر میں ریاستی حکومت کی جانب سے دیہی وشہری علاقوں میں بالخصوص تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی کوششوں پر روشنی ڈالی۔ شری گھنگ نے آخر میں مشورہ دیا کہ آئی ایل او کے اس سمینار کی سفارشات کو سادہ کتابچہ میں شائع ہونا چاہئے اور اس کی تمام زبانوں میں وسیع طور پر اشاعت ہونی چاہئے۔ ریاستی وزیر دیہی ترقیات وپنچایت شری سرجا کانتا مشرا نے مہمان اعزازی کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس موقع پر ان کے علاوہ خاص مہمانوں میں ڈیولپمنٹ پالیسز برانچ کے شری ایم اے ذکریا، آئی ایل او کے علاقائی دفتر برائے ہندوستان وبھوٹان کے ڈپٹی ڈائرکٹر شریمتی لیلی اگمو ریڈی، آئی ایل او کٹھمنڈو کے ڈپٹی ڈائرکٹر شری آر۔ کے۔ پرساد نے بھی اظہار خیال کیا اور روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع کی افزائش کی اہمیت پر زور دیا۔

•○•

وفا ملک پوری

۱

اتفاقاً ہو گیا اک شہر میں میرا گذر
کیا کہوں کیونکر کہوں، آیا جو کچھ مجھکو نظر
ایک جانب خس کی ٹٹی اور حکومت کے خلف
دھوپ میں جھلسی ہوئی کچھ زندہ لاشیں اک طرف
قمقموں سے اک محل میں نور کی دنیا بسی
ایک جانب قبر سے تاریک تر اک جھونپڑی
چشم و ابرو کے اشارے اک طرف ہیں حکمراں
اک طرف دیلوڑھی پہ کچھ پیشانیاں سجدہ کناں
گھر اجالا اور ذہنوں میں اندھیرا اک طرف
منہ اداس اور دل میں ارمانوں کا ڈیرا اک طرف
نشہ آنکھوں میں ہے اور ہونٹوں پہ نغمہ ایک سمت
راکھ چولہوں میں ہے اور سینوں میں شعلہ ایک سمت
اک طرف سایہ کسی کا اس سے منہ پھیرے ہوئے

ان مناظر سے تلاطم کیوں نہ ہو جذبات میں
زندگی اور اس طرح تقسیم ہو طبقات میں

جس میں محنت فاقہ کش ہو اور بصیرت ہو غلام
کیا اسی کا نام دنیا میں ہے جمہوری نظام؟
اب بھی ہے تشنہ لبوں سے دور جام انگبیں
رسم میخانہ وہی ہے گرچہ وہ ساقی نہیں
آج تو ہر جام سے صہبا ابلنی چاہیے
میکشو! تقدیر میخانہ بدلنی چاہیے
اس قدر محدود کیوں ہے ظلِ دامانِ بہار
کیوں خس و خاشاک ہوں محروم دامانِ بہار
خاک کو بھی پھول بن بن کر ابھرنا چاہیے
پھر نئے سر سے گلستاں کو سنورنا چاہیے

وقت اب وہ ہے کہ حق کا خون بہہ سکتا نہیں
آدمی کا آدمی محتاج رہ سکتا نہیں

مغربی بنگال میں ۶۰ء کے بعد اردو افسانہ

نمائندہ رجحانات کی روشنی میں

ڈاکٹر ظفر اوگانوی

مغربی بنگال میں ۲۰ء کے بعد اردو افسانے کے مختلف رجحانات کو زیر بحث لانے سے پہلے ضروری ہے کہ ۶۰ء کے بعد بالعموم اردو افسانے کے رجحانات کا احاطہ کیا جائے۔ اردو میں رومانی اثرات کے بعد ترقی پسند تحریک کے اثرات ادب پر سب سے زیادہ مرتب ہوئے۔ اس طرح اردو ادب ایک بار پھر سماجی حقیقت اور واقعیت کی روش پر گامزن ہوا۔ یہ ضرورت اس سے پہلے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد محسوس ہوئی تھی۔ اس کے بعد آزادی کے حصول کی جدوجہد کو تیز گام کرنے اور استحصال، طبقاتی کشمکش اور عوامی مسائل کے اظہار کے لئے پھر ۱۹۳۲ء میں یعنی جو تھی دہائی میں اس کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی نئی کہانی یعنی ترقی پسند کہانی کا حرف آغاز انگارے کی اشاعت کا رہین منت ٹھہرا اور پریم چند کی کہانی "کفن" کو نئے افسانے کی معتبر روایت کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ اس طرح کہانی کو نہ صرف یہ کہ نیا اظہار اور نیا پیرایہ ملا بلکہ اس کو ہندوستان کی وہ اپنی سرزمین بھی میسر آ گئی جو اس سے پہلے ایک عرصہ تک اردو فکشن کے کینوس پر نظر نہیں آ رہی تھی۔ اتفاق یہ ہے کہ اس زمین کی تلاش جہاں سے ہر زبان اور ہر زبان کی کہانی میں جاری تھی وہاں بنگال میں بھی بنکم چندر، رابندر ناتھ ٹیگور اور سرت چندر بھی بے زمینی کو رد کر کے اپنی سرزمین پر واپس آ چکے تھے لیکن پریم چند کی کہانی "کفن" نے اردو افسانے کو پہلی بار جس تلخ سماجی واقعیت سے روشناس کرایا تھا اور ہندوستان کی سوندھی مٹی کی باس جس طرح پہلی بار کفن سے نکل کر افسانہ نگاروں کے نتھنوں میں گھسی تھی، ایسا نہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ بعد میں۔ بعد کی بات تو یوں ہے کہ ساتویں دہائی کے مشہور افسانہ نگار سریندر پرکاش کا افسانہ "بجوکا"، پریم چند کے "ہوری" کی موت کے بعد یعنی پریم چند کی روایت کو آگے بڑھانے کے لئے ایک شعوری کاوش کا انعام ہے۔ اور آٹھویں دہائی کے افسانہ نگار سلام بن رزاق بھی اپنی کہانی "ننھی" گاؤں کے چوپال میں بیٹھ کر سننے کی کوشش میں مصروف تھے۔

لیکن ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان اردو افسانہ جس طرح ترقی پسند افسانوں کے فارمولے کو توڑ کر سرپٹ بھاگنے میں مصروف رہا۔ اس سے اتنی تیز گرد اڑی کہ راستے ہی میں اپنی دشائیں کھو بیٹھے۔ علامتوں کی بن آئی اور شعور و لاشعور کی گرہیں کھلنے لگیں۔ زبردست تجربے ہوئے اور افسانے کے نام پر لکیریں تک کھینچی گئیں (حمید سہروردی) اور "بجوکا" کے افسانہ نگار سریندر پرکاش نے "تلقارمس" انھیں دنوں لکھا اور اس وقت کے مشہور افسانہ نگار بلراج مین را نے کہا۔ (کمپوزیشن ٹو) کہ افسانہ اوڈیو تکنک کا تقاضا کرتا ہے۔ غرض کہ ہر ایک افسانہ نگار ایک ورک شاپ بن چکا تھا۔ کچھ پرانے لوگ بھی اس طوفان میں گھر گئے اور نئی بھیڑ میں سنگیں کٹا کر مجھڑوں میں شامل ہو جانے میں ہی انھیں عافیت نظر آئی لیکن اس نسل کی ذہنی پختگی نے انھیں دھند میں بھی لغزش پا سے بچائے رکھا یعنی وہ نئے بیتی تجربوں میں بھی ترقی پسند ہی نظر آئے۔ وہی سماجی حقیقت پسندی، وہی طبقاتی کشمکش، وہی مزدور اور وہی ملوں کی چمنیوں سے نکلتا دھواں۔ لیکن اظہار کے فارمولے بہرحال ٹوٹ چکے تھے۔ اور اب انور عظیم جیسے ترقی پسند افسانہ نگار کو بھی یہ انداز اختیار کرنا پڑا تھا۔

> "شہر تھا یہ رنگوں کا۔ سارے رنگوں کا رنگ ایک تھا۔ جب رنگوں کا رنگ اڑا تو شام ہوئی تو روشنیوں نے آنکھ کھول دی۔ ساری آنکھیں اندھی تھیں۔ ساری آنکھوں کا رنگ ایک تھا۔ ساری آنکھوں سے ایک ہی رنگ رس رہا تھا۔ میلا، گندھک، زہریلا پیپ جیسا . . ."

(قصہ دوسری رات کا)

یعنی اجتماعیت کے احساس کے ساتھ نئے منظر ناموں کی تلاش جاری تھی۔ اقبال مجید، رتن سنگھ، رام لعل، غیاث احمد گدی، جوگیندر پال، کلام حیدری اور احمد یوسف جو اب اردو افسانے کے معتبر نام ہیں، اس وقت اپنی تلاش میں مصروف تھے۔ دوسری طرف نوجوان تھے جو انتظار حسین کی داستانی اسراریت سے مرعوب تھے۔ ایک مخصوص فکر اور نظریے کا جادو ان کے سروں پہ چڑھ کر بولنے لگا تھا۔ ہجرت اور پھر

۱، ۲، ۳ نمبر اس لئے دیئے گئے ہیں کہ بنکم چندر کے آخری دور سے رابندر ناتھ ٹیگور کی ابتدا ہوتی ہے اور سرت چندر ٹیگور کے آخری دور میں سامنے آئے اور ان سے زندگی میں صرف ایک بار ملے۔

نئی اسطور سازی کے فلسفے سے دماغ بوجھل تھے لیکن سب مل ملا کر یوں ہوا کہ فلسفے تو ختم ہو گئے لیکن اردو افسانے کو پھر سے ایک بیانیہ مل گیا۔ ساتویں دہائی میں تجربوں کا جو طوفان آیا تھا جب تھما تو لگا کہ کہانیوں کو نیا اور جامہ زیب پیراہن مل گیا تھا۔ اب ذہین افسانہ نگار استعاراتی نظام کو برتنے کا فن جان چکا ہے۔ اور ۸ ویں دہائی میں تو یہ محسوس ہوا کہ افسانہ ایک بار پھر بے زمیں آسمان سے لوٹ کر زمین کے حدود میں آ چکا ہے۔

حسن اتفاق یہ ہے کہ مغربی بنگال میں بھی ۷ ویں اور ۸ ویں دہائی میں جو افسانے لکھے گئے۔ زیادہ تر انھیں رجحانات کے امین رہے لیکن مغربی بنگال کے اردو افسانے اپنی علیحدہ پہچان بھی رکھتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں میٹھ کر دلّی والے میر امن نے اردو کو پہلی بار بڑا فکشن دیا۔ سادہ اور سلیس زبان میں مختلف قصوں کو جوڑنے کا فن، ٹوٹے اور بکھرے ہوئے کرداروں کے داخلی کرب کے اظہار کو تہذیبی مرقع بنانے کا آرٹ، اردو دنیا میں کہیں ہو نہ ہو مغربی بنگال کے افسانے میں موجود ہے کیونکہ یہ دونوں ضرورتیں بنگال کی بالعموم اور کلکتے کی بالخصوص شناخت سے عبارت ہیں۔ جوٹ مل مزدوروں، ڈوک پر کام کرنے والے لاکھوں ٹوٹے کرداروں کے کرب میں یہاں کا افسانہ نگار شریک ہے اور پھر یونیورسٹی کے اساتذہ کی زبان اور کارخانوں کی مشترکہ تہذیبی زبان میں بھی تو فرق ہوتا ہی ہے۔ تو یہ دونوں ضرورتیں بہار، دہلی اور یوپی کے شہروں میں محسوس کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں افسانہ نگار جتنی آسانی کے ساتھ ان ٹوٹی وحدتوں کا جز بن جاتا ہے۔ دوسرے صوبوں اور دوسرے شہروں میں ایسا صرف تخیل کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح بمبئی کے فٹ پاتھوں، فلمی صنعت کے آلام اور کرب، لمحاتی زرق و برق کا ظاہری وجود، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو اور بیدی کی گرفت میں آیا، وہ کم ہی افسانہ نگاروں کے حصے میں آیا۔ یا یہ کہ پنجاب کی تہذیب یا بہار کے کرداروں کا تشخص جتنا بالترتیب احمد ندیم قاسمی، راجندر سنگھ بیدی اور اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی اور شکیلہ اختر کی اپنی شناخت کا ذریعہ بنا اور کسی کو اس نسل میں میسر نہیں آیا۔ اس ضمن میں جاوید نہال اور نشاط الایمان کو اچھی خاصی شہرت ملی۔ یہ ٹھیک ہے کہ دونوں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانے لکھتے رہے اور بڑے افسانے شاید ان کے یہاں نہیں ملیں لیکن بنگال ان کے یہاں موجود ہے۔ "پھول رانی" سے جاوید نہال کی افسانوی شناخت شاید مشکل ہے لیکن "پھول رانی" میں بنگال کا اپنا منظر نامہ بہر حال ہانپتا سسکتا نظر آ جاتا ہے۔

مغربی بنگال میں اردو کے علاقے کم ہیں لیکن جو ہیں بہت ہی متحرک ہیں۔ ایک بڑا مرکز یہ مہا نگر کلکتہ ہے۔ اسکی اپنی علاحدہ شناخت ہے۔ دلی، مدراس

اور بمبئی سے مختلف۔ یہ مکمل بستی ہے یا نہیں آج بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ اور حل طلب ہے۔ یہاں آج بھی کوئی لاری، ٹرام کسی کو کچل کر بخیر و عافیت آگے نہیں بڑھ سکتی ہے یعنی یہاں کا عام آدمی دوسرے عام آدمی سے کوئی نہ کوئی علاقہ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس شہر کو جلوسوں کا شہر بھی کہا گیا ہے۔ چار بڑے شہروں میں سب سے سست رفتار شہر یہی ہے لیکن ہے بہت پیارا اور دلکش۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بنگالی شاعر اس شہر سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی نظم کا موضوع بناتا ہے تو یہ ساری دشائیں مغربی بنگال اور کلکتے میں اردو افسانہ نگاروں کو بہت واضح طور پر ہر دور میں نظر آتی ہیں:۔

پچھلی دو دہائیوں میں جن افسانہ نگاروں نے اپنی مطبوعہ تخلیقات کے ذریعہ اپنی شناخت متعین کی یا اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی، وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ بہر حال ابتک مطبوعہ صورت میں جو کچھ سامنے آیا ہے، اس کے مطالعے سے درج ذیل رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔

(الف) وہ ترقی پسند افسانے جو اپنے موضوعات اور اپنے اظہار میں یکجہتی کے اسیر ہیں۔ مثلاً جہیز، تلک کی لعنت، امیری اور غریبی کے درمیانی فاصلے، بے جوڑ شادیاں، کارخانوں اور ملوں کے مزدوری کا افلاس تنگ دستی اور مل مالکان کے ذریعہ ان کا استحصال۔

"بھائی صاحب! میں بے حد شرمندہ ہوں کہ رقم کا انتظام نہ کر سکا۔
کلکتہ کی جس پارٹی نے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا وہ آئی نہیں ــــــ"
"اب یہ شادی نہ ہو گی۔ آپ نے میرے ساتھ فریب کیا ہے۔ میں برات
واپس لے جا رہا ہوں" (عابد ضمیر .... ایک ہی راستہ)

" آزادی ملنے کے بعد نوکری کا احساس اور بھی شدید ہو گیا ہے۔ ہر
وقت پیداوار بڑھانے کی فکر رہتی ہے لیکن مزدوری بڑھانے کی
کوئی بات مالکوں کے دماغ میں نہیں آتی۔" (شمس صابری... غفور میاں)

"یہ شادی نہیں ہو گی"
وسیم صاحب نے کھڑے ہو کر چیختے ہوئے کہا:
"ہمارے ساتھ فریب کیا گیا ہے۔ پانچ ہزار دینے کا وعدہ کر کے صرف
دو ہزار دے رہے ہیں۔" (عابد ضمیر ... تلک کا بوجھ)

(ب) لیکن ان موضوعات کی ضرورت کے اعتراضات کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ ۴۷ء کے بعد کے افسانوں میں گرچہ مسائل وہی ہیں اور یہ مسائل اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ طبقاتی حد بندیاں رہیں گی لیکن اب ان کی پرتوں کو الگ کر کے

ایک افسانہ نگار اندر جھانکنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ یہ سارے مسائل اپنے ایک وسیع منظر نامے کو تلاش کرتے ہیں جہاں ذات کا کرب نسیا بیٹھا ہوتا ہے اور جب افسانہ نگار ذات کے تہہ خانوں میں اترتا ہے تو اس کا اظہار بھی بیانیہ ہو جاتا ہے اور احساسات کی یہ چھپائیاں بھی نرم و گداز محسوس ہوتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تہہ خانے سے نکل کر جب اوپر آتا ہے تو دھوپ کی تمازت کا احساس ہوتا ہے خون کھولنے لگتا ہے۔ غصے اور نفرت کا تیکھا لہجہ سنائی پڑتا ہے۔ آپ بھی سنئے۔

"ہاں ٹھیک کہتے ہو، تم مرد ہو نا۔ اور آج کل بزدلی مرد کی نشانی ہو گئی ہے۔ تم مرد ہو کہاں۔ تم تو گھوڑا ہو، اونٹ ہو، اس لئے کہ تمہارے دام لگتے ہیں اور حیثیت والے انھیں منہ مانگے دام دیکر خرید لیتے ہیں تاکہ وہ اپنی بیٹیوں کو تمہاری پیٹھ پر بیٹھا سکیں۔"

(روحی قاضی: بدنصیب)

"پیچ کارڈ میں پیسے کیوں برباد کرو۔ تیس روپے اس سے جوڑ کر جمع کرو۔ جب کہیں بھاگنا ہو تو کام آئے گا۔ روز نقش کے پیسے میں سادے دیا کروں گا۔۔" "نہ جانے کس سطح کی پیداوار ہے۔ کیا بنانا چاہتا ہے میرے بچے کو۔ ڈاکو اور آوارہ۔ شخص بھی اپنی اولاد کے لئے ایسا نہیں سوچے گا۔"

(روحی قاضی: دو)

"راما نے کلہاڑی ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ میں یہ کلہاڑی لیکر ان سے نپٹنے جا رہی ہوں جو میری کوٹھری کو تنگ کرنے میں مصروف ہیں۔"

(شمس ندیم: کیمپ)

ان اقتباسات کے خالقین کہانی بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن وہ دروں خانوں میں زیادہ دیر ٹھہرنے کے قائل نہیں ہیں اس لئے جلد ہی اوپر آکر دھوپ کی تمازت سے گھبرا جاتے ہیں اور اپنے کرداروں کی زبان میں خود بولنے لگتے ہیں لیکن اسی قبیل میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جو اپنے کرداروں کو ایک کہانی فراہم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نرمی بھی ہے اور ایک گداز بھی۔ سید الابرار، سجاد سحر اور سعید پریمی ایک مربوط معنا سفر پر قادر ہیں۔ ان کے یہاں علامتوں کو وسیلے کے طور پر برتنے کا ایک انداز بھی ہے لیکن ان کے یہاں فیروز عابد کی طرح بہت قریب پڑی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر نوک قلم پر لانے کی ہڑبڑاہٹ اور جلد بازی نہیں ہے۔ یہاں اگر کلکتے کو اردو کے کسی افسانہ نگار نے قریب سے دیکھا ہے تو فیروز عابد ہیں۔ اگر ان کو کلکتے کا "افسانہ نگار" کہا جائے تو یہ ان کی اپنی شناخت پر دلالت کرے گا۔

"اندھیری سڑک پر خون کے دھبے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کی کر بری طرح کچل گئی وہ بے ہوش تھا۔ اس نے مائیل کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا۔ اسے گر جانا تھا لیکن بھیڑ کی وجہ سے گر جا گھر کے قریب اتر نہ سکا اور پھر گر جا گھر کے بہت قریب اس کا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔"

(ڈیڈ ہاؤس: فیروز عابد)

"ٹرام اور بسیں ایک دوسرے سے چپکے، سمٹے اور جھولتے اجسام، پسینہ پسینہ آدمی، بھاگتے دوڑتے قدم، بس اور ٹرام کے ہینڈلس۔"

(ترتیب و بے ترتیب: فیروز عابد)

"صرف آوازیں۔ کی ہولر، کولقائے، کوئی آواز صاف نہیں۔ بس لوگ بھاگ رہے ہیں۔ دوڑنا بھی ایک آواز ہے۔ میں بھی دوڑا۔ وزن برقرار رکھتا ٹراموے کے پتھروں پر چڑھ گیا۔ آٹھ سال کا معصوم سا جسم ٹرام میں ڈھکا پڑا تھا۔ اس کی کھوپڑیاں۔ دو پیالوں کی شکل میں اس کی ماں کے ہاتھوں میں تھیں۔ وہ اس کھوپڑی سے خارج شدہ مغز کو چن رہی تھی اور لوگوں کی طرف التجا بھری نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر یہ کہہ رہی تھی۔ بھائیو میری مدد کرو ان مغز کے ٹکڑوں کو اس کاسہ میں ڈال دو۔"

(فیروز عابد: ½ کیلومیٹر سڑک پر ایک گھنٹہ)

درج بالا افسانہ نگار مجموعی طور پر مثبت انداز فکر بھی رکھتے ہیں اور آس پاس کے ماحول اور اس کے مسائل سے متاثر بھی نظر آتے ہیں لیکن ان میں ایک دو مسئلہ نہیں ہے جو آج کے ہندوستان میں قدروں کی شکست و ریخت کا سب سے طاقتور محرک ہے۔ اس کو ہم سیاسی جبر بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ جبر ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔ اس سیاسی جبر نے موجودہ معاشی اور معاشرتی نظام کو کون سی مثبت قدریں دی ہیں۔ اس کا بیان محاسبہ مقصود نہیں بلکہ ان مسئلوں کے ذریعہ جو کرداری تشخص ابھر کر سامنے آیا ہے اس کو افسانوی گرفت میں کس طرح لایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک فنی مسئلہ پہلے بھی تھا اور آج بھی اس کو حل کرنے کی کوشش جاری ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نازک اور خطرناک موضوع براہ راست اظہار کا متقاضی نہیں ہو سکتا تھا کے لئے کبھی ہاتھ میں ریوالور کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی انڈر گراؤنڈ بھی ہو ہے۔ مغربی بنگال ۱۹۶۵ء سے سیاسی تحریکات اور مسلح جدوجہد کا مرکز رہا ہے اور ۱۹۷۰ء کے درمیان ایکبار پھر انقلابی جدوجہد کی تیز دھمک سنائی دی نکسل باڑی تک اس کی لے بہت تیز رہی۔ غرض کہ اس صورت حال اور میں سانس لینے والے کرداروں کو قریب سے پہچاننے والے انیس رفیع نے

بنایا۔ ننگی تلوار کی دھار پر چل کر انھوں نے اس فنی ذمہ داری کو نبھایا جبکہ ان کے ہمعصر شوکت حیات اور اسلام بن رزاق کے یہاں فن تو ہے لیکن سیاسی بصیرت کی کمی کی وجہ سے کرداروں کا تشخص مجروح ہو جاتا ہے اور علامتوں کو استعاراتی شکل دینے میں انھیں ترسیل کے المیہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایس رفیع کے ساتھ انھیں کے چند ہم عصر انتظار حسین کی داستانی ہیئت اسراریت اور صنمیاتی تشکیل سے بھی متاثر ہیں۔ حسین الحق نے ایک مخصوص تہذیبی تاثر کے ساتھ انتظار حسین کی پیروی کی لیکن ایس رفیع نے ٹکڑے ٹکڑے علامتوں کو سمیٹ کر کامیاب استعارے فراہم کئے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ان میں بنگال کی عصری حسیت بھی ہے اور اس حسیت کو کامیابی سے برتنے میں جگ بیتی، آپ بیتی بن جاتی ہے۔

اصل فن اور اس کا خالص اظہار رہی ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"پلیب اس محل کے بلند دروازوں کے دریچے پر کھڑا یہ بتا رہا رہا تھا کہ یہ کالا نظام کس طرح نصاب کے ذریعہ ہماری شریانوں میں پیوست کیا جاتا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ جب ہمیں افلاطون کے انتخاب سے درس دیا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ اپنے قریبی دوست کی بیوی کے ساتھ فلرٹ کر رہا ہے۔" (دو آنکھوں کا سفر)

"ستیو گوبند کی بیوی رام بتی آج بھی بت بنی سوچ رہی تھی۔ شیو گوبند کے بارے میں۔ اس عجیب سے آدمی کے بارے میں جو اس کا شوہر تھا اور جس کے ایک بیٹے نے آج کنوئیں کے پیٹ میں بسنے والی ندی کے پانی کو زمیندار کے خون سے ہزاروں آدمیوں کے بیچ اس لئے لال کر دیا تھا کہ اس نے راہ چلتے دو پیاسوں سے پانی کی چند بوندوں کی بولی لگائی تھی۔۔۔۔" (ریڑھ کی ہڈی)

"یہ کون سا وقت آگیا ہے جوگی مہاراج کہ پانچ ہزار ایک ساتھ نہیں ہو سکتے"۔ "یہ وقت کی بات ہے باوا۔ نہ جانے کب کون کس پلڑے میں ڈال دیا جائے"۔ (قاف)

"مگر اب جبکہ آپ اندھے لنگڑے اور بہرے ہو چکے ہیں اور اس قابل بھی نہیں رہے کہ قطار سے نکل کر اپنے چہرے کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پہ لے سکیں اور دوسروں کی مسکراہٹ دیکھ سکیں۔ اس لئے

آپ سے گذارش ہے کہ آپ سب اپنے اپنے ہونٹ ہمارے حوالے کر دیں۔
ہم انھیں اوپر چوٹی پر لے جائیں گے اور اعلیٰ قسم کی مسکراہٹ
ان پر منڈھ کر انھیں آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے"۔
سب نے اپنے اپنے ہونٹ پیش کر دیئے۔ اترنے والا ہونٹوں
کا قافلہ لیکر اوپر چڑھ گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔
(اب وہ اترنے والا ہے)

مغربی بنگال میں آٹھویں دہائی کے اردو افسانے کے افق پر کچھ اور نام ستارے بنکر چمکے۔ ان میں محمود یٰسین اور شہیرہ مسرور کو توجہ سے پڑھا گیا۔ ان میں سے اول الذکر نے خواب کو اپنا میڈیم بنانے کی کوشش کی اور یہ مقولہ سامنے رکھا کہ

Fiction as a Fabricated Dream
(by Allain Robbe Grillet)

"اور اسی اثنا میری آنکھیں کھل چکی تھیں جس کا مجھے بے حد دکھ ہوا تھا۔ کیونکہ میں ان سے کبھی بچھڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے ساتھ رہ کر ان کے دکھ درد بانٹنا چاہتا تھا۔ ان کے غموں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا"۔
(مسٹر اسٹوریچ)

لیکن شہیرہ مسرور، محمود یٰسین کی طرح لاحاصل اور خواب ناک فضا کی اسیر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے یہاں حقیقت کی بازگشت ہے اور شعور کی سطح پر ہے اس لئے وہ خوابوں کا مذاق بھی اڑا سکتی ہیں۔

"جب خواب ہی ٹھہرا تو یہ سستے خواب کیوں۔ مان لیا جائے میرے پاس کار ہے تو میں بسوں اور ٹراموں کی طرف منہ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں جو صبح سے رات تک شہر کے راستوں پر اپنی پیشانی پر الٹے سیدھے نمبروں کا داغ لئے لوگوں کو اگلتی نگلتی رہتی ہیں۔ میرے ساتھ دکھ تو یہی ہے کہ میں خواب سے پہلے حقیقت ۔۔۔۔" (بازگشت)

شہیرہ کے یہاں "میں"، اور اس کی بازگشت بھی بہت ہی قریب سے سنائی پڑتی ہے شکستگی کا احساس ان کے اظہار کو بہت حد تک جذباتی بنا دیتا ہے۔ ان کی کہانیاں "سفر سے واپسی"، "فریم کے پیچھے" اور "نئی زندگی"، وغیرہ بیتے لمحوں کو پانے کی ایک آرزو کا جذباتی مرقع پیش کرتی ہیں۔

غرض کہ مغربی بنگال میں اردو افسانہ ۱۹۶۰ء کے بعد نئی جہتوں کا متلاشی ہے اور مستقبل میں نئے افسانے کے لئے یہی نیک فال ہے۔ لیکن ایک سوال جو رہ رہ کر سامنے آتا ہے کہ کیا اردو افسانے کا متنوع فارم اور اس کی مختلف النوع تکنیکی

(باقی صفحہ پر)

آئی ایل او اور ریاستی حکومت کے زیر اہتمام روزگار کی افزائش پر سیمینار
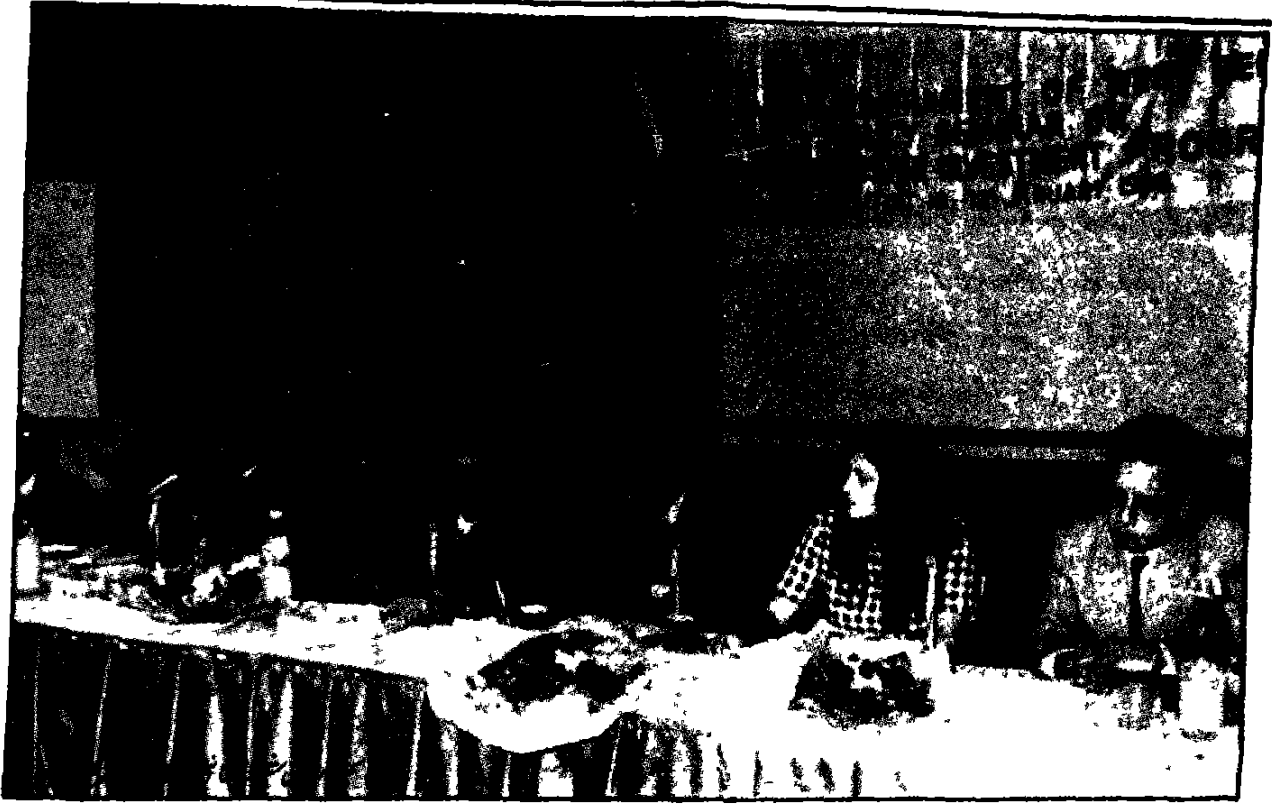
انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) نے حکومت مغربی بنگال کے اشتراک سے کلکتہ میں روزگار کے افزائشی پروگراموں پر ۱۰ جنوری سے ایک تین روزہ سیمینار کا اہتمام کیا۔

مشرقی اور شمالی ہندوستان سے نو ریاستوں کے نمائندوں نے سیمینار میں شرکت کی اور وہیں غریب عوام کو بنیادی کاموں اور خدمات مہیا کرنے کے لئے مقامی وسائل پر مبنی طریقۂ کار کو اپنا کر روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور غربت دور کرنے کی پالیسیوں اور پروگراموں پر تبادلۂ خیال کیا۔

اس سیمینار کا انعقاد آئی ایل او کے خصوصی عوامی خدماتی پروگرام (ایس پی ڈبلو پی) پر مبنی دو پائلٹ پروجکٹوں کے پس منظر میں کیا گیا تھا۔ ان پروجکٹوں میں سے ایک مغربی بنگال میں اور دوسرا تامل ناڈو میں شروع کیا گیا ہے اور اس کی انوکھی خصوصیات کی روشنی میں آزاد ماہرین نے اس کی ستائش کی ہے۔ ان پروجکٹوں کو ڈنیش انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ ایجنسی (ڈی اے این آئی ڈی اے) کی جانب سے مالی امداد سے روبہ عمل لایا گیا ہے۔

کلکتہ کا یہ سیمینار نو ریاستوں، حکومت ہند، تحقیقی و تربیتی تنظیموں، ورکروں اور مالکوں کی تنظیموں کی طرف سے آئے مشرکا کو روزگار۔ افزائش پروگرام کی منصوبہ بندی اور تکمیل کے سلسلہ میں مختلف طریقہ ہائے عمل کا جائزہ لینے کے لئے موقع فراہم کرے گا۔ آئی ایل او، جینوا کے صدر دفتر اور نئی دہلی آفس کے سینئر افسران اور ماہرین نے اس سیمینار میں حصّہ لیا۔ اس کے علاوہ راجدھانی دہلی، آسام، بہار، ہریانہ، ہماچل پردیش، پنجاب، راجستھان، اترپردیش اور مغربی بنگال نے اپنی اپنی ریاست کی نمائندگی کی۔ ریاست تامل ناڈو نے بھی آئی ایل او کی ایس پی ڈبلو پروجکٹ سے حاصل شدہ تجربہ کو بیان کرنے اور اپنے مستقبل کے پروگراموں پر تبصرہ کرنے کے لئے شرکت کی۔

مغربی بنگال کے شعبۂ محنت کے وزیر شری شانتی گھٹک نے ۱۰ / جنوری کو کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں اس سیمینار کا افتتاح کیا۔ انھوں نے

(باقی صفحہ 18)

مغربی بنگال میں صنعتی امکانات روشن ہیں

شری بدودت گانگولی

آزادی کے وقت مغربی بنگال صنعتی طور پر ہندوستان کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ ریاست ہوا کرتا تھا۔ اس نے اپنی مذکورہ نمایاں حیثیت رفتہ رفتہ لاتعداد سماجی، سیاسی اور تواریخی اسباب کے باعث گنوا دی۔ یہ بات ریاستی وزیر صنعت و تجارت شری بدودت گانگولی نے حال ہی میں نئی دہلی کے پراگتی میدان میں منعقدہ ہندوستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال کے پویلین کا افتتاح کرتے ہوئے کہی۔ انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں مزید بتایا کہ صنعتی منظرنامہ کو از سر نو جلا بخشی کے نظریہ کے تحت ریاستی حکومت نے اس سیکٹر میں تیز رفتار ترقی کے لئے ایک بے نظیر سیاسی پالیسی اختیار کی ہے۔ دیہی معیشت کی خاطر خواہ ترقی، اصلاحات اراضی پر سرکار کی جانب سے ڈالے گئے زور جمہوری طور پر منتخب پنچایت اداروں کی کارکردگی کے استحکامت زراعت کے میدان میں قابل ستائش فروغ وغیرہ پر ممکن بن پائی ہے۔ مذکورہ بالا اسباب نے دیسی بازار کی نشو و نما میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے صنعتی سرمایہ کاریوں کو منافع بخش بھی بتایا ہے۔ علاوہ ازیں وزیر موصوف نے اس امر کی بھی وضاحت کی کہ مغربی بنگال میں صنعت کے لئے بے شمار قدرتی فوائد موجود ہیں مثلاً کوئلہ اور اسٹیل، توانائی، تجربہ کار مزدور متعلقہ طور پر ترقی یافتہ انفرااسٹرکچر، بڑے بندرگاہ کی سہولتیں، بین الاقوامی اور اندرون ملک ہوائی اڈوں کی دستیابی اور ایک پائیدار سیاسی ماحول، اس ریاست کی بھی دیرینہ صنعتی روایت رہی ہے اور یہ مشرقی علاقے میں صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ "مزید برآں" وزیر موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ " جنوبی ایشیا کی مضبوط معیشت اور ایشیا پیسیفک علاقہ کی قربت نے اس ریاست کے مقابلہ جاتی دھار میں اضافہ کیا ہے "

وزیر موصوف نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ بعد از آزادی کے برسوں تک اجڑے ہوئے لوگوں کی ایک کثیر تعداد ملک میں داخل ہوتی رہی اور مرکزی حکومت ان پناہ گزینوں کو ان کی لازمی ضروریات بھی فراہم کرنے میں نسبتاً ناکام رہی۔ ان سب اسباب نے اس ریاست کے خفیف مالی وسائل پر غیر معمولی

طور پر اپنے مضر اثرات چھوڑے۔ اس نے اس ریاست کی معیشت کی کمر ہی توڑ ڈالی اور صنعتی سرگرمی کو بالآخر بری طرح بگاڑ ڈالا۔ پچاسویں دہائیوں کے دوران چند بڑے مرکزی سیکٹر کے پروجکٹوں کے قیام کو عمل میں لایا گیا۔ مرکز کی جانب سے پیش کردہ بڑے پیمانے پر تفریقی رجحان کی وجہ سے مذکورہ بالا طرز کی سرمایہ کاریوں کو بھی تنزلی کا سامنا کرنا پڑا۔ صنعتوں کی ترقی کے سلسلے میں مرکزی حکومت کی تشکیل کردہ پالیسی نے لائسنسنگ اور کنٹرول میکانزم اور ایک نظام کو زیر غور رکھا اور شاید یہ ملک کی معیشت کے فروغ کے ابتدائی برسوں کے دوران لازمی تھا اور اسے متوازن علاقائی نشو و نما کو یقینی بنانے کے نظریہ کے تحت روبہ عمل لایا گیا تھا۔ لیکن جہاں تک مغربی بنگال کا تعلق ہے یہ تجربہ کافی تلخ رہا کیوں کہ ان میں کنٹرولوں کو اس علاقہ کے مفاد کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ گانگولی کے خیال کے مطابق اس طرح کا رجحان اس ریاست کے صنعتی تناظر کے خلاف ناقابل تشریح سیاسی عصبیت کی پیداوار ہے۔ اسٹیل میں فرائٹ اکوالائزیشن پالیسی اور کوئلہ نرخوں کے سب سیڈائزیشن کے غیر معمولی طور پر طویل تسلسل کے سیاق و سباق میں اسے محسوس بھی کیا جا سکتا تھا۔ اور مذکورہ بالا اکوالائزیشن اور سب سیڈائزیشن نے صنعت کے لئے لازمی خام اشیاء کی دستیابی والے اس علاقہ کے مقامی فوائد سے بالآخر انکار کیا تھا۔ دوسری جانب کاٹن اور ملک کے دیگر علاقوں میں پائے جانے والے دیگر خام اشیاء کی دستیابی سے وابستہ اکوالائزیشن اسکیم کو توسیع دینے کی بالکل کوشش نہیں کی گئی۔ ایک جانب ملک کے دیگر علاقوں میں صنعتی کرن کو فروغ دیا گیا اور دوسری جانب مغربی بنگال میں خصوصاً اور مشرقی علاقہ میں صنعتی فروغ کا فقدان رہا۔ فی الحال فرائٹ اکوالائزیشن کی پالیسی سے بڑے پیمانے پر دست بردار ہونے کی وجہ سے گراں قدر برسوں اور مواقعوں کا خسارہ ہوا۔ مذکورہ اسکیم کی جزوی دست برداری سے گذشتہ چند برسوں کے دوران آئرن اور اسٹیل اور صنعتوں پر مبنی دیگر دھات کے میدان میں صنعتی سرمایہ کاری تجاویز نمودار ہوئے ہیں۔ شری گانگولی نے مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا

کہ ہم لوگ معاشی سرگرمی کے تمام بڑے میدانوں میں ترقی کی ایک سجھائی ہوئی راہ کے سلسلہ میں روبرو کنٹرولس والی منصوبہ بند معیشت کی حصولی کی ضرورت کی توسیع کے لئے پلانروں کے ساتھ مصروف معاہدہ تھے اس وقت اس علاقہ کے نقصان کو کنٹرولس کے انسٹرومنٹس کے غلط اور ریُر معاددرجوا نے سرکار کے لئے اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں چھوڑا کہ وہ مرکز سے مزید مالی اختیارات اور کنٹرولس کی تخفیف کی مانگ کرے"۔

لہٰذا جب مرکزی حکومت نے ڈی کنٹرول اور ڈی بیوریکریٹائزیشن بر مبنی نئی صنعتی پالیسی کا اعلان کیا تو ریاست نے اس کا خیرمقدم کیا آج کے سیاق و سباق میں بھی ریاست میں مرکزی سرمایہ کاری کے سلسلہ میں کچھ زیادہ ترقی نظر نہیں آتی ہے۔ مالی اداروں، دفاع کے اخراجات اور ریلوے بجٹس اس امر کے شاہد ہیں۔ فی الحال مغربی بنگال میں قومیائے گئے بینکوں سے پیوستہ کریڈٹ ڈپوزٹ کا تناسب کل ہند اوسط ۶۰ فیصد کے مقابلہ میں ۵۱٫۵ فیصد ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ ریاست میں مرکزی سرمایہ کاریوں میں گراوٹ ۱۹۸۱ء کے دوران ۸۱٫۲ فیصد آئی تھی اور ۱۹۹۱ء کے دوران ۷ فیصد آئی تھی جبکہ مہاراشٹر کی قابل موازنہ ریاست میں مذکورہ تناسب ۱۹۸۱ء میں ۸۱٫۶ فیصد اور ۱۹۹۱ء کے دوران ۱۲٫۳ فیصد اٹھی تھی۔

۱۹۷۷ء کے دور اقتدار سنبھالنے کے بعد حکومت نے صنعتی منظر نامہ میں ایک معیاری بہتری لانے کا کام اختیار کیا تھا چھوٹے پیمانہ سیکٹر میں جہاں ریاست کو قابل ستائش کامیابی ملی تھی، ہونے والی ترقیاں قابل دید ہیں۔ درمیانی اور بڑے پیمانے کی صنعتوں کے معاملوں میں بہرکیف نشوونما خاطر خواہ نہیں ہو پائی اور ان کے اسباب وہ تناؤ اور دباؤ ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ جدید صنعتوں کو فروغ بخشنے کے لئے ہلدیہ میں ایک پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ کا خاکہ پیش کیا گیا تھا مرکزی حکومت سے لازمی کلیئرنس کی حصولی کی کوششوں میں ۱۱ برسوں تک کامیابی نہیں ملی تھی۔ ایک الیکٹرونکس کمپلکس کے قیام کے سلسلہ میں بھی مرکز کا ایسا ہی رویہ معاندانہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ ریاست نے اس کمپلکس کو خود آزادانہ طور پر تعمیر کیا۔ ادوار رواں کے دوران چائے، پٹسن، کپڑے، انجینئرنگ، کوئلہ، پٹرولیم، آئرن اور اسٹیل، کیمیکلس اور ادویہ جیسی روایتی صنعتوں کو بہتر بنانے پر خاطر خواہ توجہ دی جا رہی ہے۔ معیشت کی ہمہ جہت ترقی کے لئے اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرونکس، سوفٹ ویئر، فوڈ پروسسنگ، پٹروکیمیکلس، آبی جانوروں پودوں کی پرورش، باغبانی، گل بانی، اسٹیپل فائبر، سیاحت وغیرہ جیسے ابھرتے ہوئے سیکٹروں کی ترقی پر بھی توجہ دی جا رہی ہے۔

حکومت ہند کی نئی معاشی پالیسی کا جہاں تک تعلق ہے حکومت مغربی بنگال کے نظریات عالمی معیشت سے ہندوستان کو علیحدہ رکھے بغیر خود اعتمادی، پر مبنی متبادل تجاویز کے ایک مجموعہ میں مظہر تھے۔ اس کا اظہار گوناگوں فورموں میں کیا جا چکا ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ جب ریاستی حکومت نئی معاشی پالیسی میں کچھ تبدیلیاں لانے کی حمایت کرتی رہی ہے تو اس وقت صنعتوں میں "ڈی لائسنسنگ"، اور "ڈی کنٹرول" کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صنعتوں کے سیکٹر میں اضافہ کردہ سرمایہ کاریوں کی فراہمی کی آمادگی ظاہر کی گئی۔ ریاست نے بارہا ایسی یہ بات دہرائی کہ ملک میں بیرونی ٹکنالوجی اور چند معاملوں میں بیرونی سرمایہ کاری کا درآمد کیا جانا لازمی ہے اور ایسا کرنے ہی سے ملک عالمی ترقیات کے میدان میں قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ پائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ "خود اعتمادی" اور دیسی "تحقیق و ترقی کے مقاصد پر بھی زوردار طور پر غور و خوض کیا گیا۔ کامرس اور انڈسٹری کے وزیر نے واقعتاً حکومت ہند کی پالیسیوں کی ان چند پہلوؤں کی وضاحت کی جن پر ریاست نے اپنے احتمالات کا اظہار کیا ہے :۔

(الف) حکومت کی ہند کی بیشتر پالیسیاں ان ۸۵ فیصد آبادیوں کو نشانہ بنا کر تشکیل دی گئی ہیں جو عموماً خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مذکورہ پالیسیوں کی تشکیل ان ۸۵ فیصد آبادیوں کو مدنظر رکھ کر کی جانی چاہئے تھی جن کا بیشتر تعلق غریب و نادار طبقوں سے ہے۔ لہٰذا دیہی ترقی، اصلاحات اراضی اور زرعی ترقی کو زیر غور لایا ہی نہیں گیا ہے۔

(ب) گذشتہ چند برسوں کے دوران حکومت ہند نے درآمدات پر لگنے والی ڈیوٹیوں میں بنا کسی پس و پیش کے تخفیف کی ہے۔ سال رواں کے دوران بجٹ میں کسٹم ٹیرف ۸۵ فیصد سے ۵۰ فیصد پر آ گیا اس کی وجہ سے ملک میں باہر سے آنے والے الیکٹرونک اسباب کی بھرمار لگ گئی۔ بہتیرے دیگر اشیاء میں کسٹم ڈیوٹیوں میں ہونے والے تخفیف نے گھریلو صنعت کو مشکلات سے دوچار کر دیا۔ مذکورہ پالیسی ایسا محسوس ہوتا ہے درآمدات کو بڑھاوا دے رہی ہے جبکہ ملک کو جو بھی اس کے پاس دوسرے ممالک کو برآمد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ۱۹۹۱ء کے بعد سے بیک کسٹم ٹیرف میں اچانک اور زبردست تخفیف نے "گھریلو بازیابی" کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھ چھوڑی ہے۔ اس نے گھریلو صنعتوں کی پیداوار کو بہت بری طرح متاثر کیا ہے۔

میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ کر دکھایا ہے۔

اسی طرح ریاستی گھریلو مصنوعات نے قومی کل گھریلو مصنوعات سے زیادہ تیز رفتاری اور ثابت قدمی سے ترقی پائی ہے متعلقہ نشوونما شرح اعداد کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

مغربی بنگال (ایس ڈی پی)

سنہ ۱۹۹۱-۹۲ء	سنہ ۱۹۹۲-۹۳ء	سنہ ۱۹۹۳-۹۴ء	سنہ ۱۹۹۴-۹۵ء
۳،۸	۴،۳۴	۴،۶۶	۵،۵

کُل ہند (جی ڈی پی)

۱،۱	-	..۳،۶۰۴	۵،۳

مذکورہ بالا کے پیش نظر ریاستی حکومت نے حال ہی میں صنعتی ترقی پر ایک پالیسی بیان دیا ہے۔ مذکورہ پالیسی کی چند نمایاں خصوصیات جن پر درزیر موصوف نے روشنی ڈالی ہے کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

- آپسی فائدہ کے لئے موزوں غیر ملکی ٹکنالوجی کا خیر مقدم کیجئے۔
- بجلی کی پیداوار میں نجی سیکٹر کی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کیجئے۔
- معاشی سرگرمیوں کے اہم علاقے میں ماہرین تجربہ کاروں اور لازمی وسائل اکھٹا کرنے کے سلسلے میں مشترکہ اور مددگار سیکٹر کی شرکت کو مدعو کیجئے۔
- رہائش، صحت، تعلیم، پانی کی سپلائی، ہوٹلس، سڑکیں، رابطے، نشوونما مراکز اور دیگر اہم علاقے جیسے صنعتی اور سماجی انفرا اسٹرکچر کی ترقی کے لئے (نجی یا مشترکہ سیکٹروں کے ذریعہ) پروجکٹوں کو انڈرٹیکنگ کیجئے۔
- پولی ٹکنیکوں اور آئی ٹی آئیوں کے ذریعہ تکنیکی تعلیم اور تربیت کو فروغ دیجئے۔

پالیسی دستاویزات اور ضابطوں کی اسٹریم لائننگ

کامرس اور انڈسٹری کے وزیر نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت نے صنعتی سرمایہ کاریوں کے لئے سنہ ۱۹۹۳ء کے دوران ایک نئی ترغیبی اسکیم پر عمل درآمد کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں سیلس ٹیکس کے قوانین کو بھی سہل بنایا گیا تھا حالیہ بجٹ میں سیلس ٹیکس کی وصولی سے متعلق بہت ساری گنجائشیں ایسی رکھی گئی ہیں جو نئی سرمایہ کاریوں کی ضروریات کے لئے موزوں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاستی داخلہ ٹیکس کو ختم کر دیا گیا۔ چند بڑے مسئلوں پر حکومت مستقبل میں ایک لائحہ عمل کی تشکیل کے لئے صنعتوں اور چیمبروں کے نمائندوں کے ساتھ تبادلہ خیال کر رہی تھی۔ اس سلسلہ میں اختیار کردہ اقدامات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) مغربی بنگال ترغیبی اسکیم برائے سنہ ۱۹۹۳ء پر عمل درآمد اور اطلاق

(ب) سیلس ٹیکس قوانین کی سہل سازی اور ریاستی داخلہ ٹیکس کا خاتمہ

(ت) سرمایہ کاری تجاویز سے متعلق معینہ وقت کے اندر فیصلہ لینے کی گنجائش کے لئے چیف سکریٹری کی چیئرمین شپ میں ریاستی سطح پر ایم پاورڈ کمیٹی کی تشکیل۔

(ٹ) مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن لمیٹڈ کی منفرد کھڑکی "شلپا بندھو" کو مضبوط و مستحکم بنایا گیا تا کہ وہ نئے پروجکٹوں کو موثر و بدرقہ خدمات "فراہم کر سکے۔ بمقصد تاخیر کے عذاب سے بچنا ہے۔

(ث) ریاستی سطح پر ایم پاورڈ کمیٹی کی موثر ہمت افزائی کے مقصد کے تحت اراضی، روزگار اور دیگر متعلقہ امور سے متعلق فوری فیصلوں کو یقینی بنانے کے لئے ضلع حکام کی چیئرمین شپ میں ہر ضلع میں کمیٹیاں تشکیل ہوئیں۔

ریاستی صنعتی امکانات پر مبنی ریاستی حکومت نے تیز رو نشوونما کے لئے جن چند "اہم علاقوں" کی نشاندہی کی ہے ان کا تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

- پٹرو کیمیکلس اور ڈاؤن اسٹریم صنعتیں۔
- الیکٹرونکس اور انفارمیشن ٹکنالوجی
- آئرن اور اسٹیل میٹلرجیکل اور انجینئرنگ
- ٹیکسٹائل
- چرم اور چرمی مصنوعات
- فوڈ پروسسنگ، کھانے کا تیل، سبزی کی پروسسنگ، ایکوا کلچر گل بانی، ریشہ بانی اور باغبانی
- ادویائی پودے، ربڑ، کھجور کا تیل اور چائے
- بنیادی دوائیاں، کیمیکلس اور فارماکیوٹیکلس
- معدنی جمادات اور معدن پر مبنی صنعتیں

اس امر کا ذکر بھی یہاں لازمی ہے کہ ۸۶-۱۹۸۵ء تا ۹۱-۱۹۹۰ء ملک کے لئے نشو و نما کی جی ڈی پی کی شرح سالانہ اوسط کے ۷،۶ فیصد سے زیادہ تھی اور سنہ ۱۹۹۱ء کے بعد چار برسوں کے دوران مذکورہ شرح گھٹ کر ۳،۷ ہو گئی۔

(ت) اچھی کارکردگی والی مرکزی عوامی انڈرٹیکنگوں میں سرمایہ کاری حیرت انگیز طور پر کم ہوئی ہے۔ سماجی تحفظ لوازمات میں بھی گراوٹ آئی ہے۔ تحقیق معنوں میں دیہی ترقیات میں ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران اخراجات میں کافی گراوٹ آئی ہے۔ دیہی ترقیات کے مصارف میں صرف ۸،۹ فیصد کا اضافہ ہوا ہے سماجی سیکٹروں کے مصارف میں صرف ۱۱،۲ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ تقریباً ۱۱ فیصد فراہم کردہ شرح افراط زر کی وجہ سے مذکورہ مصارف میں اضافہ کو حالیہ سالوں کی توقع کی جا رہی ہے

(ٹ) بینکوں اور سرمایہ بازاروں میں غیر ملکی سرمایہ کاری کو پرکشش بنایا گیا ہے۔ یہ زیادہ معقول مدد کی بات ہوگی اگر اہم ترین صنعتوں اور بڑے بڑے سامان تیار کرنے والے سب حال سیکٹروں میں غیر ملکی سرمایہ کاریوں کو مدعو کرنے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔ فی الحال موجودہ شیئر بازار کی زخوں پر سرمایہ کاری کرنے کی دی جا چکی ہے اور آر بی آئی کی پیش کردہ نرخوں پر عمل نہیں۔ یہ عدم توازن کی جانب لے جائے گا۔

(ث) سنہ ۱۹۹۱ء کے بعد کے مرحلہ میں ۵۱ فیصد تک رکھنے والی غیر ملکی کمپنیوں کی اکویٹی کو اجازت دی جا چکی ہے کچھ معاملوں میں حکومت ہند نے یہ کہا ہے کہ ۵۱ فیصد سے زائد کی اکویٹی کو زیر غور رلیا جائے گا۔ بجلی، تیل اور ٹیلی مواصلات سیکٹروں کو کھولا جا چکا ہے۔ کثیر القوامی اور ماورالقومی کمپنیوں پر سے بیشتر پابندیاں اٹھائے جانے والی حکومت ہند کی حالیہ پالیسی میں سنہ ۱۹۹۱ء کے مرحلہ سے قبل اچانک کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ بات دلوں سمجھ میں آئی کہ جرمنی، جاپان، جنوبی کوریا، ملائشیا اور تھائی لینڈ نے اصلاح کے ابتدائی مدارج میں غیر ملکی انٹرپرائز کو مذکورہ طرز کی آزادی فراہم نہیں کیا ہے۔ جاپان کے معاملہ میں بھی اس ملک کا نصب العین ہمیشہ گھریلو انٹرپرائز کو فروغ دینا رہا ہے اور جب انہیں پوری طرح یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی گھریلو کمپنیاں بین الاقوامی سطحوں پر شانہ بہ شانہ مل کر آگے بڑھ رہی ہیں تب ہی ان لوگوں نے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ پابندیاں اٹھائی ہیں۔ دیگر ممالک کے تجربوں سے سبق حاصل کرنا نہایت ہی لازمی ہے اور پائیدار ترقی کی جانب رواں محتاط اپروچ پر دور میں نظر رکھنی چاہیئے۔

(ج) ان چھوٹے پیمانہ کی انٹرپرائزوں جن کے یہاں صنعتی مزدوروں کی ایک کثیر تعداد کام کرتی ہے، کو تحفظ بخشنے کی باشعور پالیسی رفتہ رفتہ نفی کا شکار بنتی رہی۔ حکومت ہند نے چھوٹے پیمانہ سیکٹر کے لئے محفوظ اشیاء کی تعداد میں تخفیف کی ہے۔ بڑے بڑے انٹرپرائزوں کو چھوٹے پیمانہ فہرست میں شامل اشیاء تیار کرنے کی منظوری مل چکی ہے بشرطیکہ وہ پیداوار کا ۷۵ فیصد حصہ برآمد کریں۔ بہت پہلے چھوٹے پیمانہ سیکٹر کو غیر درخواست ایکسائز ڈیوٹی کے ذریعہ تحفظ بخشی گئی تھی۔ مذکورہ طرز کی سہولتوں کے اٹھا لئے جانے نے چھوٹے پیمانہ انٹرپرائزوں کے امکانات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اس طرح چھوٹے کارخانہ داروں کے مفاد کا سرے سے خاتمہ کر دیا گیا اور اس امر نے ہماری معیشت پر نہایت ہی برا اثر ڈالا ہے۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ تمام تر صنعتی پیداوار (بنیاد ۱۹۷۰ = ۱۰۰) میں حالیہ برسوں کے دوران اضافے ہوئے تھے۔ اگرچہ ۱۹۶۵ء کے دوران یہ ۱۲۶،۳ سے گھٹ کر ۱۹۷۵ء کے دوران ۱۰۲،۷ پر آ گئی تاہم اس کے بعد اس میں مسلسل اضافہ ہوا ہے اور ۱۹۹۴ء کے دوران یہ ۱۹۹،۰ پر آ کر رکا ہے۔ یہ گذشتہ ۱۵ برسوں کے دوران صنعتی منظر نامہ میں مسلسل واقع ہونے والی ترقی و بہتری کی نشاندہی کرتا ہے۔ منظم طور پر تیار کرنے والے سیکٹر کی ایس ڈی پی ۱۹۹۲ء کے دوران ۱۹،۶ تھا جو ۱۹۹۳ء کے دوران بڑھ کر ۱۲۰،۲ ہو گیا۔ غیر منظم سیکٹر کی ایس ڈی پی بڑے، چھوٹے اور ننھے سیکٹر کی اکائیوں کی وجہ سے بہرکیف بہتر کام کر رہے ہیں اور ان کی کارکردگی بھی اچھی ہے۔ بجلی، گیس اور پانی کی سپلائی کے سیکٹر میں مذکورہ ایس ڈی پی نے ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران ۱۶،۴ فیصد، ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران ۱۰،۱ فیصد اور ۹۲-۱۹۹۱ء کے دوران ۱۴،۳ فیصد کی نشو و نما شرح (مستقل نرخوں پر) ضبط تحریر کی ہے۔

وزیر موصوف نے عوام کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کرائی ہے کہ مغربی بنگال نے ۹۰-۱۹۸۵ء کے دوران (معاشی جائزہ برائے ۹۲-۱۹۹۱ء، یونین حکومت) تمام ہندوستانی ریاستوں کے درمیان ۴،۳ فیصد کی نشو و نما کی شرح کے ساتھ غلے کی پیداوار میں بلند ترین نشو و نما اندراج کی ہے۔ اس کے بعد سلسلہ وار ہریانہ (۲،۱ فیصد) اور پنجاب (۲،۳ فیصد) کی باری آتی ہے۔ اس ریاست نے (۸۴-۱۹۸۳ء تا ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران) فی ہکٹائر غلہ کی پیداوار میں بلند ترین کل ہند شرح نشو و نما کا ریکارڈ بھی حاصل کر دکھایا ہے اور ناموافق موسم والے برسوں کے دوران بھی بلند تر زرعی پیداوار کر دکھایا ہے اور اس طرح اس ریاست کے زرعی سیکٹر

● ہیرے جواہرات۔

● سیاحت اور سیاحت سے جڑی سرگرمیاں۔

گانگولی نے فرمایا کہ اس ریاست میں بجلی کی صورت حال صنعتوں کے لئے تشفی بخش ہے۔ اس ریاست کی بجلی ایجنسیاں نئی صنعتوں کی ضروریات کی تکمیل پورے طور پر کرنے کی اہل ہیں۔ صنعتی علاقوں میں تقسیمی نٹورک کو مضبوط بنانے کے لئے ایک جامع منصوبہ پر عمل درآمد شروع کیا جا چکا ہے۔ نئی اکائیوں کو بجلی کی زود تر منظوری کے لئے ڈبلیو بی ایس ای بی نے ایک نوڈل افسر کو نامزد کیا ہے۔ یہ افسر ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے "شلپا بندھو" کے ساتھ قریبی تعلقات بنائے رکھے گا۔ آئندہ برسوں کے دوران تقریباً ۷۰۰ میگا واٹ کی اضافی پیداواری گنجائش کا منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس ریاست میں انفراسٹرکچر سہولت میں عام بہتری کے لئے انفراسٹرکچرل ترقیاتی کمیٹی کی رپورٹ میں بہت سارے کارروائیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ شمال میں سلی گوڑی سے جنوب میں ڈائمنڈ ہاربر تک "سوپر ایکسپریس راستہ" کی تعمیر فی الحال منصوبہ بندی کے مدارج میں ہے۔ ایک پروفیز بلیٹی رپورٹ تیار کی جا چکی ہے اور عمل درآمد شیڈول کو حتمی شکل دینے کے سلسلہ میں کارروائی کی شروعات بھی ہو چکی ہے۔ وزیر موصوف نے یہ بھی کہا کہ سماجی انفراسٹرکچر کی ترقی کے سلسلہ میں یہ بات عام طور پر طے پائی ہے کہ حکومت اراضی کی حصولی میں لازمی تعاون دے گی اور تندہی کے ساتھ کلیرنسوں کی فراہمی کرے گی تاکہ اس ریاست کے مختلف مقامات پر نجی سیکٹر کے کاروباری حضرات اپنے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لا پائیں۔ اس سلسلہ میں ہوٹلوں جیسی سہولتوں، تکنیکی تربیت دینے والے اداروں اور تعلیمی اداروں کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ شعبہ شہری ترقیات نے شہری سہولتوں میں افزائش کے لئے کلکتہ کے واسطے میگا سٹی اسکیم کی شروعات کی ہے۔ اس میں تقریباً ۱۶۰۰ کروڑ روپے کی لاگت آنے کا تخمینہ ہے۔ کلکتہ شہری علاقہ کے باہر واقع میونسپلٹیوں کو بہتر بنانے کے لئے ایک خصوصی پروگرام اختیار کیا جا چکا ہے اور اس میں تقریباً ۱۱۰۰ کروڑ روپے کی لاگت آنے کا تخمینہ ہے۔ مزید برآں حکومت کے شعبۂ رہائش نے کلکتہ کے لئے بڑی سٹلائٹ ٹاؤن شپ اسکیم کا آغاز کیا ہے۔ مذکورہ اسکیمیں سرکاری سیکٹر اور مشترکہ سیکٹر کے تحت روبہ عمل لائی جائیں گی۔ اس اسکیم کو روبہ عمل لانے میں کل لاگت تقریباً ۶۰۰۰ کروڑ روپے آئے گی۔ ریاستی حکومت اور آئی سی آئی سی آئی صنعت کی محسوس کردہ ضروریات پر مبنی اطلاعی اسکیموں کو تیار کرنے اور ان کو فروغ دینے کے لئے ایک مشترکہ وینچر کمپنی کی تشکیل کر رہے ہیں۔ بعد از سنہ ۱۹۹۱ء کے مرحلے کے دوران (۸ ستمبر سنہ ۱۹۹۵ء تک) مغربی بنگال کو ۱۰۰۸ عدد صنعتی منظوریاں ملی تھیں اور ان میں ۲۲۳۳۱٫۰۰ کروڑ روپئے (آئی ای ایم، ایل او آئی، ای او یو) کی سرمایہ کاری کا تخمینہ تھا۔ مذکورہ بالا منظوریوں میں ۱۲۵ این آر آئی/ایف ڈی آئی پروجیکٹس شامل ہیں اور ۴۴۹۶٫۴۸ کروڑ روپے (۳۶۰۰ کروڑ روپئے والا ہلدیہ پیٹروکیمیکلس پروجیکٹ جو زیر روبہ عمل ہے، بھی اس میں شامل ہے) کی سرمایہ کاری کا تخمینہ ہے۔ اگست سنہ ۱۹۹۱ء سے اگست سنہ ۱۹۹۵ء تک کے دوران براہ راست سرمایہ کاری کے ۱۱۲ معاملوں بشمول ۴۱۰۵٫۳۶ کروڑ روپئے کا کل سرمایہ، کو منظوری ملی ہے۔ وزیر موصوف نے اس بات کی جانب نشاندہی کی کہ نتیجہ کے طور پر مغربی بنگال جہاں تک براہ راست غیر ملکی منظور شدہ سرمایہ کا تعلق ہے کی اصطلاح میں مہاراشٹر کے بعد دوسرے نمبر پر واقع ہوا ہے۔

سال سنہ ۱۹۹۴ء کے دوران ریاست کو ۲۱۲ صنعتی منظوریاں ملی ہیں اور ان میں ۲۱۸۹٫۶۳ کروڑ روپئے کا سرمایہ لگے گا۔ سنہ ۱۹۹۵ء کے دوران (۸ ستمبر سنہ ۱۹۹۵ء تک) ۲۵۲ عدد منظوریوں کی حصولی کی جا چکی ہے اور ان میں ۸۸۹۸٫۹۷ کروڑ روپئے کی لاگت آئے گی اور یہ لاگت گذشتہ کلینڈر سال کی پوری مدت کے دوران کی جانے والی سرمایہ کاری کا تقریباً ۱٫۴ فیصد ہے۔ یہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ سنہ ۹۲-۹۳ء سے مجوزہ سرمایہ کاری میں مالی سال کی ترتیب سے مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ سال سنہ ۹۳-۹۴ء کے دوران سرمایہ کاری میں اضافے کا فیصد گذشتہ مالی سال بھی ۵۸٫۹۷ فیصد تھا۔ سال سنہ ۹۴-۹۵ء میں متذکرہ اضافے کا فیصد ۱۶٫۰۷ فیصد تھا۔

سنہ ۱۹۹۴ء کے دوران ضلع بیربھوم کے بکریشور میں ۴۲۰ میگاواٹ کوئلہ پر مبنی تھرمل پاور پلانٹ کے لئے غیر ملکی کلابوریشن کو منظوری مل چکی ہے۔ تخمینہ شدہ سرمایہ لاگت ۶۰۰ ملین (۱۹۲۰ کروڑ روپئے) ریاست ہائے متحدہ ڈالر ہے اور اس کے پروموٹرس ڈی سی ایل۔ ٹی کے سی۔ سی ایم ایس گروپ اور مغربی بنگال پاور ڈیولپمنٹ کارپوریشن ہیں۔ اس کے غیر ملکی کلابوریٹر سی ایم ایس جنریشن، میجی گن، ریاستہائے متحدہ امریکہ ہیں۔ اس صنعتی سیکٹر میں جو زیر منصوبہ بندی اور مباحثی مدارج میں ہے۔ بزرگ، بڑے اور درمیانی پیمانہ کے پروجکٹوں کے لئے بہت ساری تجاویز بھی موجود ہیں۔ وزیر موصوف نے فرمایا کہ ان کاوشوں کے نتائج امید افزا رہے۔ ملک کے بیشتر بڑے بڑے صنعتی گھروں کو چھوڑ کر چند غیر ملکی کمپنیاں اس ریاست کی صنعتی سرگرمی میں شرکت کے لئے آگے آئی ہیں۔ نالکو کیمیکل کمپنی، الکوا، ولیسوویاس کروسیبل، کالٹیکس، دی ٹرانس امریکہ کارپوریشن،

ڈول ہے۔ ایچ ہوبر کارپوریشن، پرائس واٹرہاؤس، موٹورولا، ماتسوشیتا، جانج سوورس، وردلس وائٹس، سوبی ڈیمو، ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ڈیلٹا کارپوریشن، سیمنس، جی ای سی، فلپس انٹرنیشنل وغیرہ ان چند معروف کثیر القوامی کمپنیاں ہیں جو اس ریاست کی صنعتی سرگرمی میں پیش رفت کر بھی چکی ہیں۔ بڑی ہندوستانی کمپنیوں میں جنہوں نے مذکورہ پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانے کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔ ٹاٹا بیرنگ، ٹاٹا میٹالکس، فلپس، اے سی سی، سیمنس، جی کے ڈبلیو، باٹا، فلاکٹ، انڈال، انڈین ریون، آر پی جی، انڈیا فوئلس، ہندوستان لیور، گریوس کاٹن، آئی ڈی سی آئی، پی سی بی ایل، گجرات، امبوجا سیمنٹس لمیٹڈ، آئی ٹی سی وغیرہ قابل ذکر نام ہیں۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ اس بات کے تذکرہ کی یہاں ضرورت ہے کہ اس ریاست میں نئے پروجیکٹوں کے قیام کے لئے غیر اقامتی ہندوستانیوں کی دلچسپی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ صنعتی ترقی کے کاموں میں کامرس اور انڈسٹری کے چیمبروں کی جانب سے دکھائی جانے والی دلچسپی بھی ہمت افزا رہی ہے۔ غیر ممالک سے بے شمار مندوبین اس ریاست میں تشریف لائے اور ان کے ساتھ تبادلہ خیال سے نہایت ہی ثمر آور نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اس ریاست سے بھی اعلیٰ سطحی مندوبین نے صنعتوں کے فروغ کے لئے غیر ممالک کا دورہ کیا۔ ان دوروں کے دوران بہت ساری سرمایہ کاری کی تجاویز کو حتمی شکل دی گئی۔ کلکتہ میں سی۔ آئی۔ آئی صد سالہ تقریبات کے افتتاح کے دوران مغربی بنگال کی صنعتی ترقی کی ایک اہم حالیہ پر آرتھر ڈی لیٹل نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس امر نے ایک ایسے مرحلہ کی شروعات کی جس میں اس ریاست میں موجود مواقعوں کی جانب سرمایہ کاروں کی روشن خیالی کا اعلان کیا۔ دی پرائس واٹر ہاؤس اسوسیٹس نے حال ہی میں "مغربی بنگال میں تجارت کرنے" پر ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ دو آزاد اور بین الاقوامی شہرت یافتہ ایجنسیوں نے سرمایہ کاریوں کے لئے ایک نہایت ہی سود مند مقام کے طور پر مغربی بنگال کی نشان دہی کی ہے۔ مذکورہ نشان دہی نے سرمایہ کاریوں کی حصولی کی کوششوں میں ریاستی حکومت کی بڑی مدد کی ہے۔ پائپ لائن منصوبہ بندی کے مرحلہ صنعتی پروجیکٹوں کے میدانوں، انفراسٹرکچر اسکیموں، پاور جنریشن پروجیکٹوں، رہائش، شہری سہولتوں، نئی ٹاؤن شپ وغیرہ میں سرمایہ کاری نہایت ہی ہمت افزا رہی۔ حکومت مغربی بنگال کی یہ کوشش رہی کہ جملہ اسکیموں کو جلد از جلد روبہ عمل لایا جا سکے۔ فی الحال یہ ریاست صنعتی سیکٹر اڑان کے پر تولے تیار کھڑی ہے۔ اس سیاق و سباق میں انتخابی شہری منتخب نمائندے اور عوام نے ترقی کے طے شدہ راستے پر آگے بڑھنے کا عہد کیا ہے، عام طور پر معیشت

کے بڑھتے ہوئے روزگار کے امکانات کے لئے یہ ایک نہایت ہی تشویشناک طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ کامرس اور انڈسٹری کے وزیر نے اپنی تقریر کا اختتام وزیر اعلیٰ جیوتی باسو کے اس قول/فقرہ پر کیا ——— "ہم لوگ وہ سب کریں گے جو ہم لوگوں نے زراعت کے لئے کر دکھایا ہے۔"

آئی آئی ٹی ایف ۹۵ میں مغربی بنگال

انڈیا انٹرنیشنل ٹریڈ فیر/ہند بین الاقوامی تجارتی میلہ جو ہر سال انڈیا ٹریڈ پروموشن آرگنائزیشن/ہند تجارتی فروغ تنظیم کی سرپرستی میں منعقد ہوا کرتا ہے ۱۴ اور ۲۷ نومبر ۱۹۹۵ء کے درمیان نئی دہلی کے پراگتی میدان میں منعقد ہوا تھا۔

معاشی حریت پسندی اور بیشتر کنٹرولوں کے خاتمہ نے بہت ساری صنعتوں کو جدید ترین غیر ملکی ٹکنالوجیوں اور سرمایہ کاری تلاشنے پر راغب کیا۔

آئی آئی ٹی ایف ۱۹۹۵ء/ہند بین الاقوامی تجارتی میلہ برائے ۱۹۹۵ء، جو ایشیا کا سب سے بڑا تجارتی میلہ واقع ہوا ہے، کا افتتاح ۱۴ نومبر کو ہندوستان کے صدر کے ہاتھوں ہوا۔

گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی حکومت مغربی بنگال نے آئی آئی ٹی ایف برائے ۹۵ء میں اپنا مستقل پویلین لگا کر نمایاں شان شرکت کی۔

مغربی بنگال پویلین پراگتی میدان میں ۲۲۶۰ مربع میٹر کے رقبہ پر پھیلا ہوا تھا اور اس کی عمارتی ساخت دیگر پویلین سے بالکل مختلف تھی۔ یہ صنعتی میدان میں ترقی و فروغ کے سلسلہ میں اس ریاست کی تلاش و جستجو کا مظہر تھا۔ اس میں خصوصی توجہ کا مرکز خدمات اور پیدا کرنے والی صنعتوں کے ذریعہ پورے طور پر معیاری اور جامع انتظامیہ تھی۔

آئی آئی ٹی ایف برائے ۹۵ء کا موضوع "معیار برائے صارفین" تھا۔ خصوصاً اس موضوع کے خصوصی حوالہ کے ساتھ مغربی بنگال پویلین میں منعقدہ ایک نمائش میں ۳۵ عدد بڑی صنعتی اور تجارتی تنظیموں نے شرکت کی۔ چھوٹے پیمانے کی مذکورہ بالا عدد انٹرپرائزز نے بھی آئی آئی ٹی ایف برائے ۹۵ء کے مغربی بنگال پویلین میں شرکت کی تھی۔

گذشتہ ۱۴ نومبر کو اس ریاست کے کامرس اور انڈسٹری کے وزیر شری بدیو گانگولی نے رسمی طور پر اس پویلین کا افتتاح کیا اور پریس کانفرنس سے خطاب۔ پراگتی میدان میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے وزیر پرابیر سین گپتا نے بھی شرکت کی تھی۔

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۴ ✱ ۱۵ فروری ۱۹۹۶ء ✱ شمارہ نمبر ۴

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: دس روپے ● نصف سالانہ: پانچ روپے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسہ

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۱۰۰۰۰۱
[illegible]

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
[illegible]
[illegible]

فون : 25-5601/5371 Ext. 1710

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے عالمی کپ کے جشن کا افتتاح کیا

ساری دنیا کے انسان کرکٹ کے دائرے میں آ کر ایسی بندھن میں بندھ گئے ہیں۔ اس سے ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات میں اضافہ ہوگا۔ یہ باتیں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو گذشتہ ۱۱ فروری کو کلکتہ کے ایڈن گارڈن اسٹیڈیم میں ۱۲ ٹیموں کے درمیان عالمی کپ کے جشن کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ کرکٹ کے ذریعہ پورے عالم میں امن و اتحاد کے پیغام کو عام کیا جائے گا۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے عالمی کپ ٹورنامنٹ میں شرکت کرنے والی تمام ٹیموں کا پرجوش استقبال کیا۔ شری باسو کی مختصر تقریر سے ورلڈ کپ کے باقاعدہ آغاز کا تقریباً ایک لاکھ دس ہزار سے زائد کی تعداد میں موجود ناظرین نے تالیوں کی گونج سے استقبال کیا اور اس طرح پانچ ہفتے تک چلنے والے ورلڈ کپ کا باضابطہ طور پر آغاز ہوا۔ افتتاحی تقریب میں وزیر اعلیٰ کے ساتھ اسٹیج پر پلکوم کے چیئرمین شری مادھو راؤ سندھیا اور کنوینر سکریٹری شری جگموہن ڈالمیا بھی موجود تھے۔

اس افتتاحی تقریب کی نقابت کے فرائض فلمی دنیا کے مشہور اداکار مسٹر سعید جعفری نے انجام دیے۔ عالمی ملکۂ حسن مس سشمیتا سین مشہور گلوکار شری اوشا اتھپ نے اور مشہور رقاصہ تنوشری آنند اور اسکولی طلبا و طالبات نے اپنے دلفریب پروگراموں سے تقریب کو کافی دلکش بنا دیا تھا۔ رقص و موسیقی اور آتش بازیوں کی بہاروں کے درمیان ورلڈ کپ کی ۱۲ ٹیموں کا اسٹیڈیم میں موجود شائقین نے کھڑے ہو کر خیر مقدم کیا اور تالیوں کی گونج میں انھیں مبارکباد دی۔ اس افتتاحی تقریب کو دلفریب و یادگار بنانے کیلئے پورے اسٹیڈیم کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور چاروں طرف رنگ و نور کے سامان، رنگ برنگے غبارے اور لگے ہوئے تھے جن پر تحریر تھا کرکٹ برائے امن و اتحاد۔ اسٹیڈیم اور اسٹیڈیم کے باہر ریاستی حکومت کی جانب سے سخت سکیورٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ پرامن ماحول اور دلکش نظارہ میں یہ افتتاحی تقریب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد خوشگوار ماحول کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

•••

ہینڈلوم سیکٹر میں توسیع وترقی کے کافی امکانات روشن ہیں۔ گورنر

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ۵ جنوری کو کلکتہ میدان میں قومی ہینڈلوم ایکسپو ۹۶ء کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ موسم سرما کی آمد کے ساتھ کلکتہ جو جلسہ جلوس کے شہر کے نام سے معروف ہے، میلہ، تہوار، نمائش کا شہر اور دیگر ثقافتی سرگرمیوں کا میزبان بن جاتا ہے، جس کا معائنہ تمام شعبۂ حیات کے اور عمر کے لوگ کرتے ہیں۔

گورنر موصوف نے مزید بتایا کہ کلکتہ کی جانب سے ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی اس قدر گرمجوشی کے ساتھ کی جاتی ہے کہ فنکاروں اور کاریگروں کو ان کی تخلیقی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے زبردست حوصلہ ملتا ہے۔

گورنر نے مزید کہا کہ بنگال روایتی طور پر ہینڈلوم پیدا کرتا ہے۔ جسے ریاست کے خداداد کاریگر برسوں سے تیار کر رہے ہیں۔ ہم ڈھاکہ کے ململ کو فخر کے ساتھ یاد کرسکتے ہیں جو اپنی کوالیٹی کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور رہا۔

شری ریڈی نے بتایا کہ ہینڈلوم سیکٹر کے لئے توسیع وترقی کے کافی امکانات روشن ہیں۔ اگر مناسب اقدامات کئے گئے تو یہ نہ صرف خریداروں کو مناسب قیمتوں پر کپڑے فراہم کرنے میں مدد کرے گا بلکہ یہ ہینڈلوم کے بنکروں کی معاشی بحالی کی ضمانت دینے کے لئے امداد بھی کرے گا۔ ریاستی گورنر نے بتایا کہ اس سمت بہت سے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ہینڈلوم کے بنکروں کو ادارہ جاتی مالیات کی سہولت فراہم کرتے ہوئے امداد باہمی سیکٹر کے تحت لایا گیا ہے تاکہ حکومت سے بھی انھیں سوت پیدا کرنے اور کاتنے کی جدت کاری کے لئے امداد فراہم کی ہیں۔ بنکروں کی بہبود کے لئے دیہی علاقوں میں مکانات کی تعمیر، پروویڈنٹ فنڈ امداد باہمی کے ممبر بنکروں کے لئے فنڈ کی سہولتیں وغیرہ جیسی اسکیموں کو اپنایا گیا ہے۔ گرم کمبلوں، تولیوں، پوسٹر کپڑے اور آراستہ بناوٹ والے کپڑوں کی کثیر پیداوار پر بھی زور دیا گیا ہے۔

گورنر موصوف نے بتایا کہ ہینڈلوم سیکٹر کو ہر حال میں مل میں تیار ہونے والے کپڑوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہینڈلوم بنکروں کی صلاحیتوں کو نئی ڈیزائنوں میں انھیں تربیت دیکر مسلسل بڑھاوا دیا جائے تاکہ وہ لوگ ایسے سامان تیار کرسکیں جو استعمال کرنے والوں کی تبدیل ہونے والی پسند کے مطابق ہو۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اس نمائش سے ریاست کے ہینڈلوم بنکروں کو ملک کے دیگر ریاستوں کے ہینڈلوم بنکروں کو ملک کے دیگر ریاستوں کے ہینڈلوم سیکٹر کے ساتھ اپنے تجربات کی ساجھے داری میں اپنے آپ کو پیش کرنے کا موقع فراہم کرے گی۔

ریاست میں سنکھیا سے نمٹنے کے لئے جامع پروجکٹ تیار کیا گیا ہے

ریاست کے مختلف اضلاع میں سنکھیا کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے ریاستی حکومت نے ۷۰۰ کروڑ روپئے کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے صرف جنوبی ۲۴ پرگنہ میں ۲۲۸ کروڑ روپئے کا پروجکٹ تیار کیا گیا ہے۔ ایک سو کروڑ روپئے کے منصوبے پر فی الحال کام ہو رہا ہے۔ دارجلنگ میں ۳۵ کروڑ روپئے کا ایک پروجکٹ ہاتھ میں لیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ مغربی بنگال کے آٹھ اضلاع مالدہ، مرشد آباد، ندیا، شمالی ۲۴ پرگنہ، جنوبی ۲۴ پرگنہ، بردوان، ہوڑہ اور ہگلی کے ۵۶ بلاکوں اور تین میونسپلٹیوں میں ایک کروڑ ۱۱ لاکھ ۲۸ ہزار لوگ پانی میں موجود سنکھیا سے متاثر ہوئے ہیں۔ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے وزیر شری گوتم دیب نے بتلایا کہ چند روز قبل دہلی میں انھوں نے مرکزی حکومت کے ساتھ سنکھیا کے مسائل سے نمٹنے کے اقدامات پر تبادلہ خیال کیا۔ انھوں نے مرکز سے درخواست کی کہ وہ ان پروجکٹوں کا ۷۵ (پچھتر) فیصد خرچ برداشت کرے جبکہ ریاستی حکومت ۲۵ (پچیس) فیصد برداشت کرے گی۔

وزیر اعظم کے نام وزیر اعلیٰ کا مکتوب

ڈی او نمبر ۲۴۔ سی ایم

کلکتہ، ۳۰ جنوری، ۱۹۹۶ء

ڈیر وزیر اعظم!

بھوٹان میں آباد نیپالی نژاد افراد کی بے دخلی کے نتیجے میں مغربی بنگال کے شمالی اضلاع میں پیش آنے والے مسائل سے آپ تو واقف ہیں۔ بھوٹان سے بے دخل افراد کی وجہ سے نیپال میں قائم کردہ مہاجر کیمپوں کی کثیر تعداد کے علاوہ مغربی بنگال میں ایسے لوگوں کی بڑی آبادی موجود ہے جو بالخصوص جلپائی گوڑی اور دارجلنگ کے اضلاع میں بسے ہوئے ہیں۔

آپ اس بات کو مانیں گے کہ اس بڑی مہاجر آبادی کے نتیجے میں ان دو اضلاع میں سماجی تنازعات تیزی سے بڑھ گئے ہیں اور امن و امان کی صورتحال بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ اسی کے ساتھ نیپال کے ان رفیوجی کیمپوں کے لوگوں کی جانب سے ان دو اضلاع کے ذریعہ بھوٹان کی سرحد کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس سے صورت حال مزید بگڑ گئی ہے۔

میں اس سلسلہ میں وزیر خارجی امور شری پرنب مکھرجی کے ساتھ بات چیت ہوئی تھی۔ چونکہ مغربی بنگال نیپال اور بھوٹان کے بیچ دب گیا ہے اور نتیجتہً بالواسطہ کسی مظاہرے کا سامنا کرنا پڑے، حکومت ہند کو ان دو ممالک کی حکومتوں کے ساتھ اس معاملہ کو ہاتھ میں لینا چاہیئے تاکہ بھوٹان سے بے دخل نیپالی نژاد افراد کے مسائل دور رخے طور پر حل ہو سکیں۔ میں التجا کروں گا کہ حکومت ہند اس سے قبل کہ حالات بے قابو ہو جائے، اس معاملہ میں فوری طور پر مداخلت کرے۔

بصد خلوص

مخلص

دستخط: جیوتی باسو

بخدمت

شری پی وی نرسمہا راؤ

وزیر اعظم ہند

نئی دہلی

مغربی بنگال کے پولس افسران کو صدرِ ہند کے تمغات

یومِ جمہوریہ سنہ ۱۹۹۶ء کے موقع پر ہندوستان کے صدر نے ڈائرکٹر جنرل اور انسپکٹر جنرل آف پولس مغربی بنگال شری آر کے نگم، انسپکٹر جنرل آف پولس (ہیڈکوارٹر) شری دی سہائے، انسپکٹر جنرل آف پولس جنوبی بنگال شری اے۔ ایچ۔ صفوی کو ان کی امتیازی خصوصیات پر صدر کے میڈل سے نوازا ہے۔

ڈائرکٹر جنرل اور انسپکٹر جنرل آف پولس شری آر۔ کے۔ نگم جو سنہ ۱۹۶۱ء کے بیچ کے ہیں جبکہ انسپکٹر جنرل آف پولس (ہیڈکوارٹر) مغربی بنگال شری دی سہائے اور جنوبی بنگال کے شری ایچ۔ اے صفوی دونوں ہی سنہ ۱۹۶۷ء کے بیچ کے ہیں۔ انسپکٹر جنرل آف پولس ہیڈکوارٹر مغربی بنگال مسٹر دی سہائے نے اپنی قابل تحسین خدمات کے لئے سنہ ۱۹۸۵ء میں انڈین پولس میڈل حاصل کیا ہے۔

ہندوستان کے صدر نے ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولس، آرمڈ پولس، بیرک پور، شری ایس این پال، ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولس سی آئی ڈی آپریشن شری وی شرما، ڈپٹی ایس پی پولس ٹریننگ کالج بیرک پور شری ڈی پی دتا، ڈپٹی ایس پی ڈی آئی بی شمالی چوبیس پرگنہ، شری بی پی مجمدار، انسپکٹر آف پولس ڈیٹکٹیو ڈپارٹمنٹ کلکتہ پولس شری کے داس گپتا، انسپکٹر آف پولس ڈیٹکٹیو ڈپارٹمنٹ کلکتہ پولس شری ایس سی گھوش، انسپکٹر آف پولس ہیڈکوارٹر فورس کلکتہ پولس شری انجن گنگولی، سب انسپکٹر آف پولس، پولس ٹریننگ کالج بیرک پور شری این ایس دامانی، سب انسپکٹر آف پولس پی ایس کلتی بردوان شری ایس کے رلے، سوپروائزر آپریشنل ٹیلی کمیونیکیشن مغربی بنگال شری ایس کے سین گپتا، ہیڈ کانسٹبل اسٹیٹ آرمڈ پولس بارہویں بی این جلپائی گوڑی شری ایف این رائے، حوالدار پولس ٹریننگ اسکول کلکتہ پولس شری امیر الاسلام، کانسٹبل اسٹیٹ آرمڈ پولس بیرک پور شری بدھو رام منڈی اور کانسٹبل انٹیلی جنس برانچ مغربی بنگال شری بی کے جانا کو انکی قابل تحسین خدمات پر انڈین پولس میڈل کے انعام سے نوازا گیا۔ ••

اقلیتوں کو خود روزگار کے لئے قرض

ریاستی حکومت نے ۱۸ سے ۳۵ سال کے بیروزگار نوجوان منظور شدہ اقلیتوں (مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، پارسیوں اور بودھوں) سے خود روزگار کے سلسلے میں قرض دینے کے لئے درخواست طلب کی ہے۔ اس اسکیم میں کوئی رعایت نہیں ہے۔

اس قرض کی رقم زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپیہ ہے جس میں سے نیشنل مائینوریٹیز ڈیولپمنٹ کارپوریشن ۸۵ فیصد (پچاسی فیصد) اور ویسٹ بنگال مائینوریٹیز ڈیولپمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن ۱۰ فیصد (دس فیصد) اور اس پروجکٹ کا ۵ فیصد (پانچ فیصد) رقم خود امیدوار کو برداشت کرنی ہوگی۔

مستفید حضرات قرض لینے کی تاریخ سے ۵ سے ۷ سال کے اندر اس کی ادائیگی ۷ فیصد سالانہ سود کے ساتھ کریں گے۔

قرض کے لئے پہلے جتھے کے فارم بھرنے کی آخری تاریخ ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۹۶ء تھی جبکہ دوسرے جتھے کے لئے ۲۰ فروری اور تیسرے جتھے کے لئے ۱۵ مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ ••

مغربی بنگال میں بلدیاتی خدمات کی توسیع کیلئے اقدامات

مغربی بنگال میں بایاں محاذ حکومت نے صرف بڑے شہروں میں ہی نہیں بلکہ چھوٹے اور درمیانی جسامت والے قصبوں میں بھی میونسپل خدمات کی وسعت کو توسیع دینے کے سلسلہ میں اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر اس امر کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے کہ اس ریاست میں بایاں محاذ کی اٹھارہ برسوں کے اقتدار کے دوران ۲۹ عدد نئی میونسپلٹیاں تشکیل دی گئی ہیں جبکہ آزادی کے بعد تیس۳۰ برسوں کے دوران صرف اٹھارہ میونسپلٹیاں تشکیل دی گئی تھیں۔ بلاشبہ یہ اس بیان کی شہادت ہے جو پہلے پیراگراف میں دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے قوانین بھی وضع کئے جارہے ہیں تاکہ پرانی میونسپلٹیاں نئی میونسپلٹیوں کے ساتھ بحسن و خوبی کام انجام دے پائیں۔

اگر ریاستی حکومت کی سطح پر دیکھا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ انگریز حکمرانوں نے بنگال میونسپل ایکٹ برائے سنہ ۱۹۳۲ء کو نافذ کیا تھا اور کلکتہ میونسپل ایکٹ برائے سنہ ۱۹۵۵ء وغیرہ ہی میونسپل انتظامیہ کو چلانے کے آلۂ کار ہیں۔

آزادی کے پہلے تیس۳۰ برسوں کے دوران میونسپل انتظامیہ کی اسٹریم لائننگ کے لئے موجودہ قوانین میں کوئی بڑا ترمیم نہیں لایا گیا۔ بایاں محاذ حکومت نے سنہ ۱۹۷۸ء سے سنہ ۱۹۹۴ء تک کی مدت کے دوران میونسپل اداروں کی بہتر کارکردگی اور خوبتر کام کی انجام دہی کے لئے آٹھ عدد بلیں داخل/پیش کی ہیں۔ سنٹرل اسسمنٹ بورڈ ایکٹ، ۵ عدد کارپوریشن ایکٹس آف کلکتہ، ہوڑہ، سلی گوڑی، آسنسول، چندن نگر، مغربی بنگال میونسپل ایکٹ برائے سنہ ۱۹۹۳ء اور مغربی بنگال میونسپل الکشن ایکٹ برائے سنہ ۱۹۹۴ء ان ہی ایکٹس پر مشتمل ہیں۔

ہوڑہ، سلی گوڑی، آسنسول اور چندن نگر، مغربی بنگال میونسپل ایکٹ برائے سنہ ۱۹۹۳ء اور مغربی بنگال میونسپل الکشن ایکٹ برائے سنہ ۱۹۹۴ء ان میں سے چند ہیں۔ ان ایکٹس کی تشکیل کا اصل مقصد حال کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں میونسپل انتظامیہ کی کارکردگی کو بہتر بنانا ہے اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس امر کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے کہ حکومت ہند نے ۷۴ ویں دستوری ترمیم کے ذریعہ میونسپل انتظامیہ کی تجدید کے لئے جو کچھ کیا وہی سب کچھ حکومت مغربی بنگال نے درحقیقت بہت پہلے کر دکھایا۔ دس میں سے آٹھ اصول جنھیں ترمیم میں کافی زور و شور کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ ۸۰ کی دہائیوں سے ہی مغربی بنگال میں زیر عمل ہیں۔ دو نئے مسئلے یعنی (۱) ریاستی الکشن کمیشن کی تشکیل اور (۲) خواتین اور شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب فرقوں کے اراکین کے لئے نشستوں کا ریزرویشن کو میونسپل ایکٹ میں صرف شامل ہی نہیں کیا جا چکا ہے بلکہ عام میونسپل انتخابات ریاستی انتخابات کمیشن کی زیر سرپرستی سنہ ۱۹۹۵ء کے دوران مئی سے جولائی تک کے مہینوں کے اندر ۸۲ میونسپل حلقوں میں انتخابات کرائے بھی جا چکے ہیں۔ یہ انتخاب اتنا صاف، ستھرے اور پر امن انداز میں وقوع پزیر ہوا کہ دیگر ریاستوں کے انتظامیہ نے اس کی ستائش کی۔

ریاستی حکومت نے صرف ٹھیک وقت پر میونسپل انتخابات کا انعقاد ہی نہیں کیا یا میونسپل اداروں کی تشکیل ہی نہیں کی بلکہ اس نے سنہ ۱۹۷۷ء سے ہی لوگوں تک میونسپل خدمات پہونچانے کی حتی المقدور کوشش کی۔ اس کوشش کی جھلک میونسپل خدمات کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کی اوسط فی کس اخراجات میں دکھائی پڑتی ہے۔

مثال کے طور پر سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران کلکتہ میں فی کس ترقیاتی اخراجات ۵۴ء۱۶۱ روپئے تھے اور سی ایم ڈی اے سے باہر کے علاقوں

میں مذکورہ اخراجات ۷۸٫۰ روپئے تھے۔
اس کے مقابلہ میں کلکتہ میں فی کس اخراجات ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران بشمول سی ایم ڈی اے کے تحت علاقے ۷۶ روپئے تھے اور بقیہ اخراجات دیگر میونسپل علاقوں میں ۵۸ روپئے تھے۔ سی ایم ڈی اے علاقہ کے اندر اور اس کے باہر ترقی کے موضوع پر ایک غیر جانبدارانہ نظریہ اپنایا جا رہا ہے اور مذکورہ علاقوں میں ترقی کے لئے فی کس اخراجات کو بڑھا کر ۱۱۲ روپئے اور ۱۰۱ روپئے بالترتیب کر دیا جائے گا۔ سی ایم ڈی اے سے باہر کے میونسپل علاقوں کی ترقی کی انتظامی ذمہ داری شعبۂ میونسپل امور پر آتی ہے اور سی ایم ڈی اے کے اندر آنے والے علاقوں کی ترقی کی ذمہ داری شعبۂ شہری ترقی کو سونپی گئی ہے۔
یہ تقسیم اس ورک کلچر کی رفتار میں تیزی لانے کے مخصوص مقصد کے تحت کی گئی ہے جسے آسانی سے میونسپلٹیوں کی کارکردگی یا کام کاج میں دیکھا جا سکتا ہے۔
سی ایم ڈی اے کے باہر چلنے والی اسکیموں میں (۱) چھوٹے اور درمیانی قصبوں کی ترقی، (۲) خدمت مخفی کی برطرفی (۳) بستیوں کی ترقی (۴) نہرو روزگار یوجنا (۵) غریبوں کے لئے ابتدائی شہری خدمت (۶) نئے تشکیل شدہ کارپوریشن علاقوں کی ترقی کے لئے خصوصی عطیہ (۷) میونسپل علاقوں کی عام ترقی کے لئے عطیہ (۸) پینے کے پانی کے سوت کی تعمیر کے لئے عطیہ (۹) شہری علاقوں میں غربت کے خاتمہ کے لئے پروگرام شامل ہیں۔
چھوٹے اور درمیانی قصبوں کی ترقی کے پروگرام ۵۶ میونسپل علاقوں میں چل رہے ہیں۔ ابتک اس مقصد کے تحت ۲۹ کروڑ روپئے خرچ کئے جا چکے ہیں۔ مذکورہ رقم میں ریاستی حکومت کے ۵٫۱۳ کروڑ روپئے کا عطیہ بھی شامل ہے۔ باقی اخراجات میونسپلٹیوں کے اپنے فنڈ اور مرکزی عطیہ سے پورا کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ بالا رقم ۴۹ کمرشیل کمپلکس کی تعمیر پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ مزید ۹۶ کمپلکس فی الحال زیر تعمیر ہیں۔ ۱۴۳ بیجانا خانے تعمیر کئے جا چکے ہیں اور مزید ۳۱ تکمیل کے قریب ہیں۔ ۲۶ پکی سڑکیں تعمیر ہو چکی ہیں اور مزید ۱۵ زیر تعمیر ہیں۔ ۱۲ بس اور ٹرک اڈے قائم کئے جا چکے ہیں اور مزید ۱۵ زیر تعمیر ہیں۔ ۶ صنعتی اثاثے قائم کئے جا چکے ہیں۔ ۱۵۲۷۸ عدد کم لاگت والے سینیٹری پاخانے بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔
اس امر کا تذکرہ یہاں ضروری ہے کہ ان ترقیات کے باعث روزگار تلاش کرنے والوں کی کلکتہ میں آمد بہت حد تک گھٹ گئی ہے اور مقامی لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع نسبتاً بڑھ گئے ہیں۔
اس نے میونسپلٹیوں کی آمدنی کی شاہراہیں بھی کھول ڈالیں۔ خدمت مخفیوں کے خاتمہ کے سلسلہ میں ریاستی سطح پر ایک اسکیم بھی روبعمل لائی گئی ہے۔ اس میں تقریباً ۱۴۷ کروڑ روپئے کی لاگت آئے گی۔ اس اسکیم سے ۲٫۵ لاکھ خاندانوں کے تقریباً ۱٫۳ ملین افراد مستفیض ہوں گے۔ اس اسکیم کے تحت اب تک ایک لاکھ بیجانے تعمیر کئے جا چکے ہیں۔ اس اسکیم سے مستفیض ہونے والوں کو مذکورہ تعمیر کی لاگت کا ۵ فیصد برداشت کرنا پڑا ہے۔ مذکورہ اخراجات کے ایک بڑے حصے کو ریاستی حکومت نے برداشت کیا ہے۔
ہمارے چالیس فیصد شہری باشندے صحیح معنوں میں بستیوں میں رہنے والے ہیں اور وہ اپنی زندگی غربت کی سطح سے نیچے گذار رہے ہیں۔ انھیں سڑکوں، زمین دوز نالوں، سڑک کی روشنیوں، ٹیوب ویلوں، غسل کرنے کی جگہوں، بیجانوں، ڈرینوں وغیرہ کی سہولتیں بستی ترقیاتی اسکیموں کے ذریعہ فراہم کی جا رہی ہیں تاکہ بستی میں رہنے والوں کو بہتر طرز رہائش نصیب ہو سکے۔ اس کام پر ۸۰۰ روپئے فی کس لاگت آئی ہے۔ اب تک اس اسکیم سے ۵٫۵ لاکھ افراد مستفیض ہو چکے ہیں اور اس مد میں ۴۴٫۴۱ کروڑ روپئے کی رقم خرچ کی جا چکی ہے۔
ان میونسپلٹی علاقوں میں اس کے ساتھ ساتھ بے روزگاری سے لڑنے کے لئے ایک خود روزگار اسکیم بھی چالو کی جا رہی ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی کا دار و مدار بینکوں سے ملنے والے تعاون پر ہے۔ بینکوں کی جانب سے دکھائی جانے والی سرگرمی ہی اس کی کامیابی کو پر زور اور پر یقین بنا سکتی ہے۔ خود روزگار اسکیموں کے لئے تربیت کو بھی خاطر خواہ ترجیح دی گئی ہے۔ خصوصاً خشک سالی سے متاثر علاقوں میں پینے کے پانی کیلئے نئے ٹیوب نصب کرنے، ناکارہ ٹیوب ویلوں کی مرمت اور کنوئیں کی کھدائی کے لئے عطیہ کی منظوری کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران اس مقصد کے سلسلے ......۲۹۲ لاکھ روپئے کی ایک مجموعی رقم خرچ کی جا چکی ہے۔ میونسپل علاقوں میں پانی کی سپلائی

کے بڑے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانے کی ذمہ داری پبلک ہیلتھ اور انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ پر عائد ہوتی ہے۔ ۱۲ میونسپل علاقوں میں پائپ لائنوں کے ذریعہ جراثیم سے پاک پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے گذشتہ ۱۸ برسوں کے دوران ایل آئی سی اور ایچ یو ڈی سی او سے تقریباً ۵۲،۵ کروڑ روپئے بطور قرض لئے جاچکے ہیں۔ ریاستی حکومت نے بھی اس کام کے لئے عطیات منظور کئے ہیں۔

بیس منتخب میونسپلٹیوں میں غربت کم کرنے والی اسکیم کے تحت شہری علاقوں میں کام جاری ہیں۔ ہر ایک منتخب قصبہ میں آنے والے ۵ برسوں کے دوران کم و بیش ۴۵ کروڑ روپئے کی ایک رقم خرچ کی جائے گی۔ ریاستی حکومت اس کے تقریباً نصف کی ذمہ لیتی ہے۔ اس پروجیکٹ سے تقریباً ۵ لاکھ بستیوں میں رہنے والے غریب افراد مستفیض ہوں گے بستیوں کی ایکولوجیکل ترقی، از سر نو تعمیر رہائشی اکائیوں کی ترقی خود روزگاری، صحت عامہ، تعلیم، پینے کے پانی، تغذیہ وغیرہ جیسی بے شمار

بقیہ: ریڈ کراس: امن و نیک نامی کی ایک میراث

کردار ادا کرنے کی پیش رفت کی ہے۔ اس کے خون کا عطیہ دینے کی اسکیم کلی طور پر رضاکارانہ ہے اور یہ خون کا عطیہ دینے کے لئے ہر عمر کے محرک صحتمند اشخاص پر زور دار طور پر انحصار کرتی ہے۔ آنے والے برسوں کے دوران ریڈ کراس بلڈ بینکس ہسپتالوں کو جراثیم سے پاک خون کی فراہمی کو یقینی بنانے میں پرزور طور پر اہم ترین کردار ادا کرنے والے ہیں۔

دوسرا اہم کردار جسے ہندوستانی ریڈ کراس انجمن نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ گم شدہ لوگوں کی تلاش ہے۔ تشدد کی آندھی خواہ وہ دہشت گردوں کی سرگرمیوں کی پیدا کردہ ہو یا دوسرے مشکل اور ہنگامی آزمائشی حالات کے تحت جب کسی خاندان کے افراد ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں تو مذکورہ ریڈ کراس انھیں تلاش کر کے ان کے رشتہ داروں سے ملواتی ہے۔ الغرض ریڈ کراس خدمت تلاش چلاتی ہے اور اس نے بہتوں کو تلاش کر کے ان کے رشتہ داروں سے ملوایا ہے

[illegible]

سرگرمی متعلقہ کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتی ہے۔ اس طرح لبنان [illegible] صحت عامہ کے لئے چلتے پھرتے شفا خانے [illegible]

شہری سہولتیں بھی اس پروجیکٹ میں شامل ہیں۔ اس اسکیم میں پیشہ ورانہ تربیت کی سہولتیں، جسمانی اور دماغی اصلاح کی تکنیک بھی شامل کی گئی ہیں۔ چھوٹی بچتیں، قرضوں کے توسط سے بچتوں سے ملنے والی آمدنی میں اضافے، مجموعی ترقیاتی پروگرام وغیرہ اس پروجیکٹ کے دائرۂ عمل میں آتے ہیں۔ اس پروجیکٹ کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لانے میں میونسپل ادارے جتنے اہم کردار ادا کریں گے اتنا ہی اہم کردار غیر سرکاری تنظیمیں بھی ادا کریں گی۔

بڑے پیمانے پر مشتہر یہ غلط تصور کہ ہر ترقیاتی کام صرف کلکتہ کے لئے ہی مخصوص ہے جو بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ اب کلکتہ میں روزگار تلاش کرنے کا جنون تقریباً بالکل سرد پڑ چکا ہے کیوں کہ اب اس ریاست کے دیگر قصبوں میں بھی یہ سرگرم عمل بن گئی ہے۔ باوجود یہ کہ بایاں محاذ حکومت اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ اب بھی اس ہمہ جہتی ترقی کے لئے مزید بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ حسب حال و ضرورت مستقبل کے منصوبے کا ایک مفصل خاکہ ترتیب دیا جائے گا۔

متحدہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں سابق فوجیوں کے لئے مدد اور صلاح کی خدمات دستیاب کی جاتی ہیں۔ برٹش انجمن گونگے اور بہرے معذور بچوں کے لئے کام کرتی ہے۔ سوئیڈش انجمن جسمانی اور ذہنی اعتبار سے معذور بچوں کے لئے سمر کیمپ چلاتی ہے اور آسٹریلیائی انجمن اسپاسٹک کے لئے پروگرام چلاتے ہیں۔

چند دیگر مخصوص خدمات کی فہرست کی تشکیل کا بڑھنا باعث ستائش ہے۔ بلجین ریڈ کراس کیوریسکو کیلئے ایمرجنسی سروس چلاتی ہے۔ فرانسیسی انجمن ایئر بورن نرسز سروس چلاتی ہے۔ اٹلی کی انجمن کے پاس مخصوص شاہراہ حادثاتی ایمبولنس گاڑیاں ہیں۔ ناروے کی انجمن کے پاس ایک سرگرم پریزن سروس ہے۔ سوئس انجمن تبتی پناہ گزینوں کیلئے ایک مرکز چلاتی ہے اور تھائی لینڈ کی انجمن کے پاس اینٹی اسنیک بائٹ سیرم تیار کرنے کے لئے ایک اسنیک فارم ہے اور مذکورہ سیرم تمام دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ نیدرلینڈس ریڈ کراس انجمن کے پاس ایک ہسپتال شپ ہنری ڈیوننٹ ہے۔ اس کے تحت پرانے مریض اور سماج سے منحرف لوگوں کو آؤٹنگس پر بھیجا جاتا ہے۔ یقیناً ہنری ڈیوننٹ کی بھی یہی خواہش تھی۔ ریڈ کراس نے متعدد بار نوبل امن انعام جیتا ہے۔ پہلی بار ۱۹۱۷ء میں، دوسری بار ۱۹۴۴ء میں تیسری ۱۹۶۳ء میں اور ابھی حال میں ۱۹۹۱ء میں دعا گو ہوں کہ ہنری ڈیوننٹ کی یہ امن کی میراث اور خیر خواہی ہمیشہ جاری رہے۔

•○•

دل و دماغ میں اک اضطراب چھوڑے گا
وہ میری جاگتی پلکوں پہ خواب چھوڑے گا

چمن کا حسن چمن کا شباب چھوڑے گا
وہ شاخ دل پہ مہکتا گلاب چھوڑے گا

بدلتے وقت کے قدموں پہ گرنہ روک لگی
کوئی شگوفہ نیا انقلاب چھوڑے گا

ہماری پیاس بڑھانے کو ریگ زاروں میں
نہ جانے کتنے ہی دریا سراب چھوڑے گا

نظام فطرتِ عالم بدل گیا جو کبھی
زمیں پہ دھوپ نئی آفتاب چھوڑے گا

میں ترک مے کا ارادہ کروں تو کیسے کروں
مرے لبوں کو یہ جام شراب چھوڑے گا؟

ہوا جو نالہ کناں راز بزم ہستی میں
ہر ایک چہرہ پہ غم کا عذاب چھوڑے گا

ساز دل تھم گیا سانس جاتی رہی
بے وفا زندگی مسکراتی رہی

میں خیالوں کی محفل سجاتا رہا
ان کے قدموں کی آواز آتی رہی

بے وفا تھا صنم میرا ٹوٹا بھرم
اور شمع وفا تھرتھراتی رہی

زندگی کے ہر اک موڑ پر غم ملے
ہر خوشی مجھ سے دامن بچاتی رہی

گلشن زیست پر تو خزاں چھا گئی
غم کی کھیتی سدا لہلہاتی رہی

میری ماں کی دعائیں مرے ساتھ ہیں
خود ہی منزل مرے پاس آتی رہی

اپنی قسمت پہ شاکر ہوں نازاں مگر
ان کی رسوائی مجھ کو رلاتی رہے

• ڈاکٹر عبد الستار شاہدی، کلکتہ

میر درد دبستان دلی کے ایک نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری قابل احترام بھی ہے اور قابل عظمت بھی۔ درد، میر اور سودا کے ہمعصر تھے لیکن ان کی شاعری اپنی ایک خاص انفرادیت رکھتی ہے۔ ان کی انفرادیت ان کی زبان میں بھی ہے خیال میں بھی، ان کا مواد بھی جدا ہے اور ہیئت بھی۔ ان کی شاعری کا اپنا ایک آہنگ ہے، اپنا ایک رنگ ہے جو ان کے لئے مخصوص ہے۔

درد کا دیوان مختصر ہے اور غزلیات و رباعیات پر مشتمل ہے لیکن اس مختصر دیوان کی خوبی یہ ہے کہ سارے کلام میں ایک نوع کی یکسانیت ہے جس کا اظہار ڈاکٹر گراہم بیلی نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالقادر سہروردی نے بھی اپنی تصنیف "اردو شاعری" میں اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "خواجہ میر درد ہی ایسے بزرگ ہیں جن کا کلام شروع سے آخر تک یکساں ہے"

درد کی شاعری بلاشک و شبہ قابل احترام ہے لیکن ان کی عظمت صرف ان کی صوفیانہ خیالات کی بناء پر نہیں ہے۔ جیساکہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ درد کی عظمت کا راز ان کی شاعری کی اجمالی کیفیات پر ہے۔ ان کی شاعری صوفیانہ ہو یا عاشقانہ ان کا لب و لہجہ، ان کا انداز بیاں، ان کی زبان کی سادگی اپنے معاصرین سے مختلف ہے۔ میر تقی میر کا رنگ کسی حد تک درد سے ملتا جلتا رنگ ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ میر صوفی نہ تھے شاعر تھے اور درد صوفی بھی تھے اور شاعر بھی لہٰذا وہ تعاسب جو زندگی کی بے راہ روی اور بے ثباتی عالم کے خیال سے میر کے یہاں انتشار پیدا کرتا ہے۔ درد جیسے صوفی و صافی کے یہاں سنبھل کر اعتدال پر آجاتا ہے اور اس مقام پر درد، میر سے بلند ہیں۔ یہ رائے درد اور میر کی جملہ شاعری سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس حقیقت سے انکار محال ہے۔ میر اپنے تمام معاصرین سے بلند و برتر ہیں اور ان کی شاعری صحیح معنوں میں سودا اور درد سے جدا بھی ہے، اہم بھی اور قابل پرستش بھی۔

جہاں تک درد کی شاعری کا تعلق ہے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ درد و کسک سوز و گداز میں ان کی غزلیں میر کے ہم پلہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میر کے یہاں ایک خستگی اور برشتگی ہے اور اپنے کو لٹے دیئے رہتے ہیں۔

درد کے یہاں عاشقانہ مضامین بھی ایک ارتقاء ہے جو ان کے مزاج اور رجحان کی غمازی کرتا ہے۔ درد کی شاعری میں معشوق مجازی کا تصور بھی واضح ہے۔ درد صوفی ہونے کے باوجود اپنی شاعری میں عشق مجازی کے نفسیاتی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کا عاشق اپنے مجاز کے اعتبار سے میر کے عاشق سے ملتا جلتا ہے۔ یہ یکسانیت اس دور کی سماجی ماحول کی وجہ سے ہے۔ دونوں کے یہاں دھما چوکڑی ہے۔ ایک سپردگی و گداختگی ہے۔ دونوں آہستہ آہستہ سلگتے ہیں۔ میر ایک بار بھڑک اٹھتے ہیں لیکن درد اپنے اعتدال پر رہتے ہیں۔ دونوں کو معشوق کی بے وفائیاں پیاری ہیں۔ دونوں غم جاناں کو سینہ سے لگائے رہتے ہیں۔ مدتوں وہ اپنے دلوں کو بہلاتے اور پھسلاتے رہتے ہیں۔ دونوں محبوب کو نہ ڈانٹتے و پھٹکارتے ہیں اور نہ ہی شکوہ و شکایت کرتے ہیں بلکہ تغافل کا جواز ڈھونڈ کر پیش کرتے ہیں۔ نرم و دلسوز انداز سے بہلاتے پھسلاتے اور پچکارتے ہیں۔ منت و سماجت کرتے ہیں۔ نرم نرم انداز میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس قسم کی محبت میں کتنی نزاکت ہے؟ کتنی طاقت ہے؟ کتنی جانگداز کیفیت ہے؟ لیکن لطف یہ ہے کہ دونوں انہی کیفیتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میر پر کبھی یاسیت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی وہ دماغ کی خرابی کا شکار ہوتے ہیں اور رو کر اپنا غم بیان کرتے ہیں۔ اپنے عشق کا چرچا کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں کمال ہے درد کا کہ وہ اپنی ناکامیوں اور مایوسیوں کو بھی خوشگوار بنا لیتے ہیں تغافل و جفا کو بھی ہضم کر لیتے ہیں اور یہ سب ان کی صوفیانہ طبیعت کا فیض ہے۔

درد عشق میں ناامیدی کے قائل نہیں ہیں۔ وہ تمہی سے عزدر
ہیں لیکن ان کی تلاش اور ہجران کا وصال دونوں ہی عارفانہ انداز کا
ہے۔ صحیح معنوں میں ان کی محبت عشق حقیقی اور عشق مجازی کی حسین
کڑی بن جاتی ہے اور بقول درد ؎

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

اور بھلا ہوتی بھی کیسے ہوتی۔ اگر بات ہو بھی جاتی تو ہجران کا انداز
جاں کیسے ہوتا یہی چیز تو ہے جس نے تشنگی شاعری کو ایک نیا انداز دیا ہے۔
درد لمس محسوس کرتے ہیں۔ گوشت پوست کے محبوب سے ملتے
ہیں لیکن ہر جگہ تہذیب و خودداری کا احساس رہتا ہے۔ ابتذال، گراوٹ
اور پستی سے بچتے ہیں۔

ابھی ان کی شاعری کے اس پہلو پر اشارے وکنائے میں
اظہار خیال کیا جا چکا۔ آئیے اب درد کی شاعری میں معشوق مجازی
کے تصور کی تلاش کریں اور ان کو بے نقاب کریں۔ خواجہ میر درد جن میں
خود بھی اس کا احساس ہے کہ انھوں نے صرف حقیقی عشق کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ انھیں یہ یاد بھی نہیں رہا کہ جذبات نے دل
میں ہیجان پیدا کیا اور موج ولا پر ایک لہر بھی پیدا ہوئی اور ان کے اشعار
نے ان لہروں کو اپنے دامن میں سمو لیا۔ اور آج ان کے دیوان کے وہ اشعار
خود ہی غمازی کر رہے ہیں اور درد سے یہ صد ادب و احترام کہنا پڑتا ہے۔

انتا نہ بڑھا تنگی داماں کی شکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اب ذرا معاملات عشق ملاحظہ فرمائیے۔ عشق کی پہلی منزل میں عاشق
محبوب کو دیکھتا ہے۔ دل میں ہوک سی اٹھتی ہے۔ جذبات انگڑائیاں
لیتی ہیں وفور جذبات میں اپنی پاکیزگی اور عارفانہ طبیعت کے باوجود
وہ محبوب سے شناسائی کا خواستگار رہتا ہے کہتا ہے ؎

اگر مجھ سے ملئے کبھو عیب کیا ہے
نہ بد وضع ہو تم نہ بدکار ہوں میں

پہلی ملاقات ہے اپنی پاکیزگی کا اظہار کر کے قربت یار کے
خواہش مند ہیں۔ وہ اپنے محبوب کو سمجھاتے رہیں کہ ملنا کوئی عیب
کی بات نہیں ہے لیکن محبوب اس کی ان سنی کر دیتا ہے اور سج

دیکھ کر حسب عادت باہر نکلتا ہے۔ اس وقت درد بھی محبت میں کشش
دو اس کو بیٹھے رہیں اور باوجود صوفی ہونے کے بازار کا نظارہ دیکھتے ہیں ؎

پھرتے ہو سج بنائے تم اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

لیکن درد کا یہ بھیکڑ پن محبوب کو پسند نہیں۔ ایسے درد کی ادا انہیں
نہیں بھاتی اور وہ کج ادائیوں کے ساتھ آنکھیں بھی دکھانے لگتا ہے ؎

زلفوں میں سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں
آنکھوں نے پر یہ اور ہی آنکھیں دکھائیاں ہیں

درد محبوب کی بے اعتنائیوں سے واقف ہو کر بھی اس کی کج
ادائیوں کو اس کے حجاب پر محمول کرتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

کہیں ہوئے سوال و جواب آنکھوں میں
یہ بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

حقیقت خواہ کچھ بھی ہو درد محبوب کی اداؤں پر سو جان سے نثار
ہو جاتے ہیں اور کبھی اتفاق سے جو قربت یار میسر آئے تو نرم نرم انداز میں
لبھاتے اور بہلاتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

کیا کہوں تجھ سے ہمنشیں دل میں
برچھی سی لگتی ہے وہ ترچھی نگاہ
شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
پر تری شوخی کچھ عجیب ہے واہ

غرض کہ محبوب کو رام کرنے کے لئے سو جتن کرتے ہیں لیکن اردو
شاعری کی روایت اپنی جگہ ہے۔ بھلا معشوق کہاں عاشق کی بات
میں آنے والا؟ نتیجہ میں درد کو کیا ملتا ہے؟ ناکامی شکستگی، مایوسی،
اور کشمکش اس وقت درد محبت میں بے چارہ بن جاتے ہیں اور غم
محبت کی تاب نہ لا کر خود اپنے دل سے ہی شکایت کر بیٹھتے ہیں کہ اس
سے ایسی حماقت کیوں سرزد ہو گئی؟ نیز وہ اپنے دل کی بیقراری پر زیر و زبر
ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

دل تجھے کیوں ہے بے کلی ایسی
[illegible]

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجئے کیونکر
ایک تو یار ہے اور اس پہ طرحدار بھلا

یہ قیامت بھی کیا قیامت ہے کہ درد کا محبوب طرحدار بھی ہے۔ درد کے لئے واقعی لوہے کے چنے چبانے کے مصداق ہے۔ بہرحال درد ہیں سب ضبط کرتے جاتے ہیں اور اس کی جفاؤں اور تغافل کے باوجود اس پر مٹتے ہیں لیکن محبوب کو خوشی کہاں اسے تو اور جلانا آتا ہے۔ درد دیکھتے ہیں کہ ان کا محبوب غیروں کے قریب جا رہا ہے اور رقیبوں سے شناسائی بڑھ گئی ہے۔ التفات و کرم فرمائیوں کا سلسلہ چل رہا ہے اور ان کی محبت یاد ماضی بن رہی ہے۔ درد ماضی کی راکھ کریدتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کاش وہ اس سے نہ ملے ہوتے تو بہتر ہوتا کیونکہ وہ ذہنی کوفت جس سے وہ دوچار ہیں ان کے حصے میں نہ آتی لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ درد کہتے ہیں ؎

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھو تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا
بلائیں جو کچھ اس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو اے درد اس سے بھلا تھا

درد کے شکوہ سے محبوب متاثر ہوتا ہے۔ اسے درد پر ترس آجاتا ہے اور وہ کبھی وصال کا وعدہ کر جاتا ہے لیکن وہ کبھی وفا نہ ہوا اور درد بلبلا کر رہ جاتے ہیں ؎

یوں وعدے پہ ترے دل کو تسلی نہیں دیتے
تسکین تجھی ہووے گی جب آن لے گا

لیکن محبوب کو ان کی پرواہ کہاں؟ درد اب طعنہ زنی پر اتر جاتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

رہیں یہی ڈھنگ ترے ظالم
دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

درد پھر دیار محبت میں شکایت کا دفتر کھول دیتے ہیں۔ پہلے درد محبوب کو ہر طرح سمجھاتے ہیں تاکہ اسے پچھتانا نہ پڑے۔
؎ ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے
؎ پھر وعدۂ فردا کی یاد بھی دلاتے ہیں نیتجہ صفر کہتے ہیں۔

؎ وعدے تو میرے ساتھ کئے تو نے ہزار دن
پر ایک بھی ان تنوں میں سرانجام کہیں ہو

درد جب محبوب کی ستم ظریفی سے گھبرا جاتے ہیں تو محبت کا بھید کھول دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ؎

تمہارے وعدے بتاں خوب میں سمجھا ہوں
رہا ہے ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے

جب محبوب کو ان کے عشق کے "کاروبار" کا علم ہو جاتا ہے تو وہ ملنا بالکل ترک کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ درد کی زندگی سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ درد آخر کار حالات سے مصالحت کر لیتے ہیں۔ اور اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

اے درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہے مجھ کو سو ہے اپنے یار سے

درد "تو نہیں اور سہی" کے مصداق کہیں پھر دل بھی لگا لیتے ہیں اور قسمت سے انھیں پذیرائی بھی ہو جاتی ہے تو ذرا بہک بھی جاتے ہیں لیکن وصال ایک مختصر عرصہ ہے اور انتظار زندگی کے طویل مراحل ہیں۔ لہٰذا وصال کے دنوں کی یاد جب آتی ہے تو درد غمگین ہو جاتے ہیں ؎

یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنے بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جب یار پھر غیر کی طرف راغب ہوتا ہے تو درد گھبرا کر سوال کرتے ہیں۔

؎ گر چاہیئے تو ملئے اور چاہیئے نہ ملئے
سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے

لہٰذا محبوب کو ان کی خفگی بری لگتی ہے وہ غصہ ہوتا ہے۔ تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی کا یہ خوشگوار لمحہ جو شبابیات سے موسوم ہے ہمیشہ بہار دیکھنے لگتا ہے اور رفتار زمانہ درد کو ایک عام انسان سے صوفی بنا دیتا ہے۔ اب صوفی درد ہیں۔ عارف بھی ہیں۔ پرہیزگار بھی۔ دنیا سے بھی ڈر ہے اور دین کا بھی خیال۔ لہٰذا اب درد کی بے راہ روی اور بے باکی میں کمی ہو جاتی ہے۔ وہ دل میں سلگنے لگتے ہیں اور ان کیفیات کا اظہار کرنے سے پرہیز کرنے لگے۔ کہتے ہیں ؎

جی کی جی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی ان سے ملاقات نہ ہونے پائی
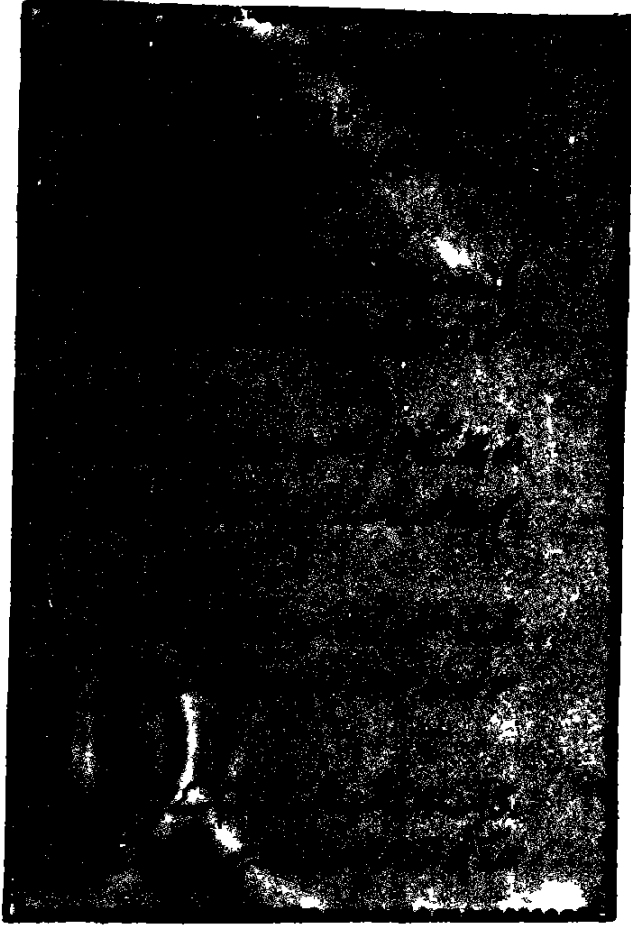
جی ہی سا ہو گیا ایک نگہ گرم کے ساتھ
درد تھی اور عنایات نہ ہونے پائی

آئندہ کے لئے درد اس عشق کی دنیا سے فرار حاصل کرنے کی سوچتے ہیں ؎

جس دل پہ بے وفائی معشوق کے سب
یہ کچھ گذر رہا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے

لہٰذا وہ راہ خار سے فرار حاصل کرتے ہیں اور عشق حقیقی میں پناہ لے لیتے ہیں۔ درد تلاش حق میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ ماضی کے وہ حسین لمحے، وہ خوبصورت راتیں، محبوب سے ملنا، شکوہ و شکایتیں الغرض سب بھول جاتے ہیں ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

تصوف سے درد کے فطری لگاؤ کی وجہ کر عام طور پر یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ درد صرف شاعر تصوف ہیں۔ حالانکہ درد کی شاعری میں صوفیانہ بے خودی کے ساتھ عاشقانہ سرمستی بھی ہے جس نے ان کے کلام کو سہ آتشہ بنا دیا ہے۔ ویسے بھی یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ درد اپنے صوفیانہ مسلک سے علیحدہ ہو کر سوچتے ہوں گے تو ان کے دل میں عشق مجازی کی کسک ضرور پیدا ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ قبل ہی اشعار کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے، درد کے کلام میں معشوق مجازی کا تصور اکثر جگہ واضح ہے اور اس کا رنگ اس قدر گہرا ہے کہ اس پر معشوق حقیقی کا رنگ چڑھانے پر بھی نہیں چڑھ سکتا۔ شاید ایسے ہی اشعار کے پیش نظر ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے "دلی کا دبستان شاعری" میں تحریر کیا ہے کہ "یہ بات کہ وہ عشق مجازی کی چوٹوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کے عشق مجازیہ والے اشعار سے نمایاں ہے (ص۔ ۱۸)۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبداللہ کا یہ خیال بھی اس سلسلے میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کہ "درد کے دیوان میں ایسے عاشقانہ اشعار کی تعداد اچھی خاصی ہے جن کا مجازی مزاج نمایاں ہے۔ یہ عاشقانہ اشعار بھی تغزل کے اعتبار سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں بلکہ بعض اوقات ان میں مجازیت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ ہمیں ان کی حقیقت پرستی پر شبہ ہونے لگتا ہے" (اردو کے کلاسیکی شعراء ص ۷۷)۔

جناب نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر عبداللہ کے علاوہ خلیل اعظمی اور کلیم الدین احمد نے بھی اس سلسلے میں روشنی ڈالی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ درد کے کلام میں معشوق مجازی کا تصور ہے اور واضح ہے۔

درد کے یہاں محبت کے جن کیفیات کا اظہار کیا گیا ہے وہ بہت ہی لطیف ہیں۔ درد کی غزلوں سے اندازہ لگتا ہے کہ ان کی محبت کی داستان بھی دلفریب ہے لیکن پوشیدہ ہے۔ کاش اس سلسلے میں کسی تذکرہ میں کچھ روشنی ملتی تو ان کے اس گوشہ کو سمجھنے میں اور زیادہ آسانی ہو جاتی۔ درد کی محبت میں وقار بھی ہے، سپردگی بھی، خودداری بھی ہے اور شکستگی بھی، درد بھی ہے اور سوز و جلن بھی، الغرض وہ کون سی کیفیت ہے جس کا اظہار نہیں ہے۔ ان کے دیوان میں اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ درد کی شاعری صرف صوفیانہ نہیں بلکہ عشقیہ بھی ہے اور وہ بھی وقار عشقیہ شاعری جس کا ہمارے ادب میں بڑا مقام ہے۔ درد کی عشقیہ شاعری اردو کی عشقیہ شاعری کے سرمایہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے جس کو نظر انداز کرنا ایک ادبی بے انصافی ہے ٭٭

ریڈ کراس: امن ونیک نامی کی ایک میراث

ام

ہر زبان میں جنگ اور دہشت گرد جیسے الفاظ کا مطلب تباہی وبربادی نکلتا ہے۔ یہ بنی نوع انسان پر آفتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ڈھاتے رہیں۔ اپنے مادر وطن کی حفاظت کرتے ہوئے سپاہی جنگ میں زخمی ہوتے ہیں۔ بمباری اور گولیوں کی بوچھار سے معصوم شہری چیختے اور کراہتے ہیں۔ بنا کسی تمیز یا بھید بھاؤ کے امیر وغریب، بڑے اور چھوٹے، جزل اور جوان، عالم وجاہل سبھی سب ہی یکساں طور پر اس کے شکار بنتے ہیں۔

اس طرح کے تشدد سے صرف ایک موقع پرست کو ہی وقتی فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اکثر امن کے پرستار اقدامات اٹھانے کے لئے سرگرم عمل ہوتے ہیں اور ان کے یہ اقدامات جانکنی اور کرب کو دور کرتے ہیں یا کم از کم کچھ حد تک راحت اور آرام پہنچاتے ہیں۔ اس طرح آج سے ایک سو پچیس سال پہلے جب ۲۴ر جون ۱۸۵۹ء کو فرانس اور اٹلی کی فوج کے ساتھ آسٹریس کے خلاف سلفرینو کی جنگ لڑی گئی تھی۔ ہزاروں افواج بغیر کسی طبی امداد یا تیمار داری کے زخمی پڑے رہے۔ اس وقت ایک ۳۱ سالہ شریف النفس سوئیز شخص جین ہنری ڈیننٹ جو اس تباہی وبربادی کا چشم دید شاہد تھا، نے "کچھ کرنے کا" عہد کیا۔ اول اس نے قرب وجوار قصبوں میں رہنے والے مقامی باشندوں کو منظم کرکے ایک "ایمرجنسی مرسی ٹیم" بنائی۔ اس کے بعد میں ۱۸۶۲ء کے دوران اس نے ایک کتاب بعنوان "سلفرینو کی ایک یاد" شائع کی۔ اس کتاب میں اس نے "راحت انجمنوں" کی تشکیل کی پر زور حمایت کی اور مزید فرمایا کہ ان انجمنوں کو دوران امن ہی تشکیل دینی چاہیے اور تمام ممالک کی جانب سے انھیں تسلیم کیا جانا چاہیے۔ ان کا کام جنگ کے دوران زخمی ہونے والے فوجیوں کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنا ہونا چاہیے۔

بڑے پیمانے پر دلچسپی جو ۱۸۶۳ء کے دوران ایک کمیٹی کی تشکیل کا سبب بنی اور نتیجہ کے طور پر اسی سال کے آخری دور میں جینوا میں ایک نشست کا انعقاد کیا گیا تھا اور اسی نشست کے دوران ریڈکراس کے بنیادی اصول تشکیل پائے۔ اس کے بعد کے سال کے دوران ایک ڈپلومیٹک کانفرنس میں ایک کنونشن کے سلسلہ میں ۱۴ ممالک نے اپنے اپنے دستخط کئے اور اس بات کی ضمانت پیش کی کہ جنگ میں زخمی ہونے والے فوجیوں خواہ وہ دشمن سے تعلق رکھتے ہوں یا دوست سے، کی تیماردار ہونا چاہیے۔ بعد کے برسوں کے دوران اس اول کنونشن میں نظر ثانی کی گئی اور کچھ اضافہ کے ساتھ نیا کنونشن عمل میں آیا۔ بحری جنگ میں متاثر ہونے والوں (۱۹۰۷ء)، جنگ کے قیدیوں (۱۹۲۹ء) اور جنگ کے دوران شہریوں کو تحفظ دینے کی باتیں شامل کی گئیں۔

جین ہنری ڈیننٹ نے ایک پرامن انقلاب کی شروعات کی تھی۔ ان کے اعزاز میں ان کی سالگرہ جو کہ ۸ر مئی کو پڑتی ہے۔ ریڈکراس ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔ "ریڈکراس" کے نام کے انتخاب کے سلسلے میں ایک دلچسپ تواریخ بیان کی جاتی ہے۔ سوئیز قوم ہمیشہ اپنی غیر جانبدارانہ رویہ کے لئے مشہور رہی ہے۔ ڈیننٹ بھی سوئیزرلینڈ کے ہی رہنے والے تھے۔ لہٰذا سوئیز پرچم ایک سرخ زمین پر ایک سفید کراس پر مشتمل تھا جسے بدل کر سفید زمین پر سرخ کراس کر دیا گیا۔ اس طرح ریڈکراس کی تشکیل ہوئی۔

عالمی سطح پر مذکورہ تنظیم کی ساخت ان تین اجزاء (۱) ریڈکراس کی بین الاقوامی کمیٹی (۲) ریڈکراس سوسائٹیوں کی لیگ اور (۳) قومی ریڈکراس سوسائٹیوں پر مشتمل ہے۔ بین الاقوامی کمیٹی کا صدر دفتر جینوا میں واقع ہے اور ۲۵ ممتاز سوئس شہریوں کی ایک آزاد کاؤنسل ہے۔

ان کا اصل کام اس بات کی ضمانت دینا ہے کہ ریڈ کراس کے مقاصد و فلسفہ کو رکن ممالک اور ان ممالک جو بھائی چارہ میں داخلہ کے متلاشی تھے، میں روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اہم ترین طور پر ان لوگوں نے اس کی حکمت عملی میں تبدیلیاں کی ہیں تاکہ یہ بدلتے ہوئے حالات اور ضرورت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ لہٰذا عالمی جنگ دوم کے دوران یہ ریڈ کراس جنگی قیدیوں اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان ایک رابطہ بنا رہا۔ ہزاروں اور لاکھوں نظربندیوں کے نام کارڈ فائلوں میں درج کئے گئے تھے اور ہزاروں ملاقاتوں کا اہتمام ان کیمپوں میں کیا گیا تھا جہاں اشیاء ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں سونپی جاتی تھیں اور جنگ میں شریک ممالک کے درمیان رابطے قائم کئے گئے تھے اس کے تحت زخمی قیدیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔

آج مختلف ممالک ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کے دوران اپنی اپنی حکومتوں کے درمیان ریڈ کراس کو بطور مصالحت کرنے والے کے استعمال کرتے ہیں۔

طویل مدتی نقطۂ نظر سے یہ کمیٹی جنگ اور دہشت گردی کے شکار افراد کو تحفظ بخشنے کے سلسلے میں بین الاقوامی کنونشنوں کی توسیع اور بہتری کے لئے کوششیں کرتی رہی ہے۔

۱۹۱۹ء میں لیگ آف ریڈ کراس کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت فرانس، عظیم برطانیہ، اٹلی، جاپان اور ریاستہائے متحدہ اس کے بانیوں میں سے تھے۔ آج اس کی فہرست میں ۱۵۰ سے زائد ممالک بطور اراکین شامل ہیں۔ مذکورہ لیگ کے کام کے دو میدان ہیں۔ اول قدرتی آفت کے دوران راحت کا کام کرنا اور دوم قومی انجمنوں کو فروغ دینا۔

ہندوستانی ریڈ کراس انجمن کا قیام ۱۹۲۰ء میں عمل میں آیا اور آج یہ اپنے "ڈائمنڈ جوبلی سال" میں ہے۔ ۱۹۳۴ء کے بہار کے زلزلہ سے حالیہ لاتور کے زلزلہ تک اس نے قدرتی آفات کے دوران راحت پہنچانے کے کام میں زبردست تجربہ حاصل کیا ہے۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران ہندوستانی ریڈ کراس انجمن نے کوئٹہ (۱۹۳۵) میں زلزلہ، بنگال اور جنوبی ہند (۱۹۴۳) میں قحط، ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے دوران ہولناک مصیبت، ۱۹۵۰ء کے آسام کے زلزلہ، ۱۹۷۱ء کے دوران ملک کی آزادی کے بعد بنگلہ دیش سے آنے والے پناہ گزینوں سے پیدا ہونے والے

بحران، ۱۹۷۷ء میں اڑیسہ کے طوفان، ۱۹۸۴ء کے دوران بھوپال گیس المیہ اور اس طرح کی بہت ساری پریشانیوں کے دوران راحت پہنچانے کے قابل ستائش کارنامے انجام دیئے ہیں۔

ہندوستانی ریڈ کراس انجمن جنگ کے دوران ہونے والے زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال اور تیمارداری بھی کرتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران تقریباً ....۲۰ بُنے گئے اور اونی ملبوسات ہر ہفتہ یورپ میں جنگ کے قیدیوں کے لئے روانہ کئے جاتے تھے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے ہند و پاک جنگوں کے دوران باقاعدگی کے ساتھ تحائف پارسل ہندوستانی کیمپوں میں مقیم پاکستانیوں کو بھی بھیجے جاتے تھے۔

ہندوستانی ریڈ کراس انجمن کے سکریٹری ڈاکٹر اشیش مکھرجی فرماتے ہیں "بلاشبہ جہاں کہیں بھی قدرتی آفت یا انسان کی ساختہ مصیبت آتی ہے تو وہاں ہم لوگ فوری مدد کے لئے پہنچ ہی جاتے ہیں بلکہ نہایت ہی اہم ترین کام جو ہم کرتے ہیں وہ یہ کہ اسکولوں اور کالجوں میں ریڈ کراس کے پیغام کو پھیلاتے رہیں تاکہ کل کے لئے بہتر شہریوں کی تخلیق میں ہم لوگوں کا بھی کچھ حصہ بن سکے۔"

مذکورہ خدمت میں تازہ ترین اضافوں میں سے ایک لفظی اعتبار سے اور مجازی طور پر اس کے CAP میں ایک Feather ہے یعنی وہ Child Alive Programme (یا CAP) ہے۔ اس پروجکٹ کی شروعات ہریانہ میں ۱۹۸۷ء کے دوران ہوئی۔ بعد میں اتر پردیش کی ریاست سے ہوتے ہوئے شہر کلکتہ میں آ پہنچا۔ کیپ کے اہم ترین کاموں میں سے ایک قابل انسداد امراض کے لئے ٹیکہ اور اسہال کے بارے میں لوگوں کو جانکاری فراہم کرنا ہے۔

ہندوستانی ریڈ کراس انجمن پورے ملک میں ۳۰ عدد زچہ و بچہ ہسپتال اور ۲۵۰ شفاخانے چلا رہا ہے۔ [illegible] عدد خاندانی رفاہ شفاخانے بھی چلا رہی ہے جہاں نوجوان [illegible] حمل کے بارے میں مشورے بھی دیئے جاتے ہیں۔

طبی دیکھ بھال کے تقریباً ہر پہلو سے ایڈز ایک ہولناک و خوفناک حقیقت کی طرح سامنے ابھرا ہے اس سلسلہ میں بھی ریڈ کراس بلڈ بینک نے ہسپتالوں کے لئے صحتمند خون کی فراہمی میں ایک اہم [illegible]

(بقیہ ص ۔ پر)

کلکتہ میں اردو کے مشہور جدید ترقی پسند شاعر جاوید اختر کا پرجوش استقبال

اردو کے مشہور جدید ترقی پسند شاعر اور فلمی دنیا کی ممتاز شخصیت جناب جاوید اختر اپنے پہلے مجموعۂ کلام "ترکش" کی رسم اجرا ادا کرنے کیلئے ۳۱ جنوری کو کلکتہ تشریف لائے۔ ۳۱ جنوری کی شام کو کلکتہ کے گیان منچ سپندن کے زیر اہتمام ایک مختصر سی تقریب میں جناب جاوید اختر نے اپنے کلام حاضرین کی خدمت میں پیش کر کے اپنی کتاب اور کیسٹ "ترکش" کا کلکتہ میں اجرا کیا۔ اس موقع پر جناب عین رشید خان نے شاعر موصوف کا مختصر تعارف پیش کیا۔

جناب جاوید اختر کے اعزاز میں دوسرے دن یعنی یکم فروری کو شام کے ۵ بجے کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں بزم شاکری نے شہر کے بنگلہ اور اردو دانشوروں کے اشتراک سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس کی صدارت ملک کے مشہور صحافی و شاعر جناب سالک لکھنوی نے کی۔ نظامت کے فرائض مصطفیٰ اکبر نے انجام دیئے جلسہ کا آغاز جناب جاوید اختر کے مختصر تعارف سے ہوا جسے عین رشید خان نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا۔ جلسہ میں بزم شاکری کے اراکین کے علاوہ بنگلہ اور اردو کے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ جناب جاوید اختر جلسہ میں موجود تمام شعراء و ادباء سے ہمکلام ہوئے اور حاضرین کی فرمائش پر اپنی کئی نظمیں اور غزلیں پیش کیں۔ جناب عین رشید خان نے جناب جاوید اختر کی مشہور نظم "وقت" کا ترجمہ انگریزی اور بنگلہ میں پیش کیا۔ جناب عین رشید اور جناب جاوید اختر کی فرمائش پر بنگلہ کے دو مشہور شاعر شری تارا پد رائے اور شری انند گھوش ہاجرہ اور جناب سالک لکھنوی نے بھی اپنا کلام سنایا — اس جلسہ کے انعقاد میں حکومت مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور نے بھرپور تعاون کیا۔ اس شعبہ کی طرف سے ایڈیشنل ڈائرکٹر شری انند گھوش ہاجرہ نے اس کی اردو اور انگریزی مطبوعات بطور تحفہ جناب جاوید اختر کو پیش کیں۔ بزم شاکری کے صدر جناب نور کلکتوی اور جنرل سکریٹری جناب اشرف چنگیزی نے شاعر موصوف کو پھولوں کا گلدستہ اور بزم کی مطبوعات پیش کیں۔

اردو اور بنگلہ کے اس سنگم نے اس جلسہ کو کافی اہمیت بخشی اسکی انفرادی نوعیت سے مہمان شاعر کے ساتھ ساتھ دیگر مہمان و میزبان حضرات بھی بے حد محظوظ ہوئے۔ آخر میں جناب جاوید اختر نے انفارمیشن سنٹر میں رکھے والڈکپ کا بھی معائنہ کیا — اسی دن شام ۷½ بجے پارک اسٹریٹ میں اکسفورڈ پبلیکیشن کی جانب سے جاوید اختر کو ایک استقبالیہ دیا گیا۔ مغربی بنگال کتابی میلہ میں جاوید اختر کی کتاب اور کیسٹ "ترکش" کی فروخت کا اہتمام اکسفورڈ پبلیکیشن نے کیا تھا۔

سی آئی سی میں جاوید اختر کے ساتھ عین رشید، انند گھوش ہاجرہ، پردیپ گھوش اور تارا پد رائے

جناب جاوید اختر فطری طور پر شاعر ہیں۔ شاعری آپکو وراثت میں ملی ہے۔ آپ مضطر خیرآبادی کے پوتے، جاں نثار اختر کے صاحبزادے، مجاز لکھنوی کے بھانجے اور کیفی اعظمی کے داماد ہیں۔ آپ نے فلمی دنیا میں اپنا کیریئر کہانی کار اور مکالمہ نگار کی حیثیت سے شروع کیا تھا بعد میں گیت بھی لکھے۔ اب گیت کار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ فلمی مصروفیت کے باوجود ادبی سفر جاری ہے۔ ترکش آپکا پہلا مجموعۂ کلام ہے جس میں نظمیں اور غزلیں دونوں شامل ہیں۔

ویسٹ بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے امتحانات ۱۹۹۶ کا پروگرام

دن	تاریخ	ہائی مدرسہ	عالم		فاضل	
		۱۱ بجے تا ۲ بجے دن	۱۱ بجے تا ۲ بجے دن		۱۱ بجے تا ۲ بجے دن	
سنیچر	۲ مارچ ۹۶ء	بنگلہ I / اردو - I	بنگلہ / اردو		عربی - I	
سوموار	۴ مارچ ۹۶ء	بنگلہ II / اردو - II	عربی - I		عربی - II	
جمعرات	۷ مارچ ۹۶ء	انگریزی	انگریزی		عربی - III	
سنیچر	۹ مارچ ۹۶ء	حساب	حساب		عربی - IV	
سوموار	۱۱ مارچ ۹۶ء	فزیکل سائنس	حدیث		حدیث	
منگل	۱۲ مارچ ۹۶ء	لائف سائنس	تاریخ		تفسیر	
بدھ	۱۳ مارچ ۹۶ء	تاریخ	تفسیر		فقہ	
جمعرات	۱۴ مارچ ۹۶ء	ایڈوانس عربی	۱۱ بجے سے ۱ بجے دن تک جغرافیہ	ڈیڑھ بجے سے ساڑھے تین بجے دن تک نحو	اصول	
سنیچر	۱۶ مارچ ۹۶ء	عربی	فزیکل سائنس	عربی - II	کلام	
سوموار	۱۸ مارچ ۹۶ء	جغرافیہ (ایکسٹرنل امیدواروں کیلئے ۱۰۰ نمبر اور ریگولر امیدواروں کیلئے ۵۰ نمبر)	لائف سائنس	زائنس	تاریخ الاسلام	
منگل	۱۹ مارچ ۹۶ء	ایڈیشنل حساب / فزکس / کیمسٹری / بائیلوجی / اسلامی ہسٹری / فارسی / لوجک / ہوم سائنس / اکانامکس اور سیوکس	۱۱ بجے سے ۲ بجے دن تک		دس بجے سے ایک بجے تک	۱½ بجے سے ۴½ بجے تک
			ایڈیشنل حساب / بائیلوجی / بنگلہ / اردو / فارسی		ایڈیشنل انگریزی I / بنگلہ I / اردو I / فارسی I	ایڈیشنل انگریزی II / بنگلہ II / اردو II / فارسی II

نوٹ :- (۱) سنٹر فیس - ۲۰ روپئے فی امیدوار یا بورڈ کی جانب سے ہدایت کردہ رقم

(۱۱) ورک ایجوکیشن، فزیکل ایجوکیشن اور سوشل سروسز کی تاریخ ۔۔ ۲۲ مارچ ۹۶ء سے ۶ اپریل ۹۶ء تک

(۱۱۱) امیدوار اپنے ایڈمٹ کارڈ اپنے متعلقہ مدرسوں سے ۲۴ فروری سے حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱۷) ۱۰۰ نمبر کے پرچوں کے لئے ۳ گھنٹوں کی مدت ہوگی جبکہ ۵۰ نمبروں کے پرچوں کے لئے ۲ گھنٹوں کی مدت ہوگی۔

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور ان کی شرحِ خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں :

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپیے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپیے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپیے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپیے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپیے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپیے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپیے (مع ڈاک خرچ	۵ روپیے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپیے (مع ڈاک خرچ	۵ روپیے (مع ڈاک خرچ

* ا تا ۱۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت * ۱۵۰۱ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
* ۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت * ۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

- آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس نام سے زبان صاف صاف لکھیں۔
- پرچوں کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔
- کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ : بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
فون: 221-4295

تفصیلات کیلئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

An Urdu Fortnightly
February 15, 1996

REGD. No. WB/...
Vol. No. 43 Issue No. 4
Price 50 Paise

Chief Editor: Tarun Bhattacharya, Asst. Editor: Md Mustafa Pub... by the Information & Cultural Affairs Dept. of ... Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

پندرہ روزہ
کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۳ ○ یکم مارچ ۱۹۹۶ء ○ شمارہ نمبر ۵

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے ● نصف سالانہ : پانچ روپئے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :-
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
● براہ کرم خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۸ بھوتی بھون، ۲ بلاک ۔ ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۔ ۱
فون نمبر : 26-5601/5271 Ext.: 7101

ترتیب

گورنر نے بین الاقوامی بنگال ٹیکسٹائل میلہ ۹۶ کا افتتاح کیا

گذشتہ ۱۵ تا ۱۷ فروری کو کلکتہ کے انڈور اسٹیڈیم میں حکومت مغربی بنگال، حکومت ہند کی ٹیکسٹائل وزارت اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف فیشن ٹکنالوجی کے اشتراک سے اس میلہ کو بین الاقوامی بازار میں بنگال کے کپڑوں کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کے لئے منعقد کیا گیا۔ اس میلہ سے ہمارے کپڑے سازوں، بُنکروں، پنٹروں، ڈیزائنروں کو میلہ میں آئے بیرونی تاجروں اور برآمدی تاجروں سے تال میل قائم کرنے کا سنہرا موقع ملے گا تاکہ وہ عصری عالمی مانگوں اور رجحان کے مطابق اپنی پیداوار کو ازسرِ نو ترتیب دے سکیں۔ فیبرک بنگال سے موسوم بین الاقوامی ٹکسٹائل میلہ ۱۹۹۶ء کا افتتاح ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے کیا۔ گورنر موصوف نے اپنی تقریر میں آزادی کے بعد کے اعلیٰ درجہ کے کپڑوں کی پیداوار میں بنگال کی روایت کا تذکرہ کیا اور اس میلہ کے لئے کلکتہ کے انتخاب پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ انھوں نے ٹیکسٹائل صنعت میں پہلے کی ترقیات سے لیکر کپڑے کی پیداوار کی موجودہ تکنکی و ماہیتی ترقیات کا جائزہ پیش کیا اور امید ظاہر کی کہ بڑھتی ہوئی تحقیق و ترقی کے ذریعہ برآمداتی بازار میں ہندوستان کی اہم ترین موجودگی برقرار رہے گی۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس موقع پر اپنے ارسال کردہ ایک پیغام میں کہا کہ یہ میلہ بنگال کے کپڑوں اور متعلقہ پیداوار کی وسیع تنوع کو برسرِ عام لانے کے لئے ایک عمدہ موقع فراہم کرے گا۔ انھوں نے قومی و بین الاقوامی معیار کے ایسے ہینڈ لوم، سلک اور بُناوٹ کے کپڑے تیار کرنے والے چھوٹے پیمانے کے یونٹوں کی حمایت کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ان یونٹوں کی افزائش کے لئے ریاست کے اقدامات کا بھی ذکر کیا اور تمام متعلقین سے زیادہ سے زیادہ اندرونی و بیرونی بازاروں کی حصولیابی میں اپنی کوششوں کو بڑھاوا دینے کی اپیل کی۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے امید ظاہر کی کہ "فیبرک بنگال" بنگال ٹیکسٹائل کو مقبولِ عام بنانے کے لئے اہم کردار ادا کرے گا۔

گھریلو صنعت اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے ریاستی وزیر شری پرویر سین گپتا نے اپنی تقریر میں کہا کہ "فیبرک بنگال"، قومی اور بین الاقوامی بازار کے لئے ٹکسٹائل صنعت میں بنگال کی تخلیقات کو اجاگر کرنے کے پیشِ نظر منصوبہ بند مہم کی پہلی کڑی ہے۔ ٹکسٹائل سکٹر کی مدد کے لئے ریاستی حکومت

1

کی جانب سے کیئے گئے مختلف اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے پورے ملک میں ٹکسٹائل کی جامع پالیسی کی ضرورت پر زور دیا تاکہ کثیر اقوام کے ساتھ مقابلہ میں ٹکسٹائل سکٹر کے ساتھ تمام متعلقین کے مفاد کا تحفظ کیا جا سکے۔ انھوں نے مرکزی حکومت سے درخواست کی کہ وہ ٹکسٹائل سکٹر کے لئے پروگرام مرتب کریں جس کے تحت اسے ترجیحی بنیاد پر اور آسان صورت میں فنڈ فراہم ہو، آلات و مشینوں کی آسان دستیابی ہو، ڈیزائن، مارکٹنگ اور اشتہار بازی کے ذریعہ ٹھوس حمایت کی جائے، برآمدات میں تیزی لائی جائے تاکہ ٹکسٹائل کے منظر میں بُنکروں اور چھوٹے یونٹوں کی بقا کی ضمانت دی جا سکے۔

وزیر موصوف نے امید ظاہر کی کہ یہ میلہ بین الاقوامی اور گھریلو کی قابلِ ذکر مانگوں کو پورا کرے گا۔ گھریلو اور چھوٹی صنعت کے پرنسپل سکریٹری شری اجئے سنہا نے اپنی تقریر میں مہمانوں کا استقبال کیا اور حکومت مغربی بنگال کے ہینڈلوم اور ٹکسٹائل کے ڈائرکٹر شری اے۔ بھٹاچاریہ نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس افتتاحی تقریب میں ۱۵ باکمال دستکاروں اور فنکاروں کو اعزازات سے نوازا گیا۔

ریاستی سطح کی تنظیموں جیسے تنتو جا، تنتو سری، منجوشا، بنگا شری، گرامین، ریشم شلپی مہا سنگھ کے علاوہ دیگر تنظیموں نے اپنی مصنوعات کی نمائش میں حصہ لیا۔

نیتا جی اسٹیڈیم میں منعقدہ اس میلہ میں خریداروں و بیچنے والوں کے درمیان ایک "ملاقات"، کے ساتھ سیمیناروں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ سیمینار کا انعقاد ۱۶ اور ۱۷ فروری ۱۹۹۶ء کے دونوں دن ہوا۔ ہینڈلوم، سلک اور ٹکسٹائل صنعت کے مختلف میدانوں کے برآمدی تاجروں کو سیمینار میں حصہ لینے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔

•٥•

1

گوہاٹی میں ای ایس آئی اسپتال کے نئے وارڈ کا افتتاح

عوام کے خدماتی کاموں میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔ شریمتی شانتی گھٹک

حکومت عوام کی خدمات کے لئے برسراقتدار آئی ہے۔ عوام کے خدماتی کاموں میں حکومت کی طرف سے کوئی کمی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ باتیں وزیر محنت شریمتی شانتی گھٹک نے گذشتہ ۳۰ جنوری ۹۶ء کو گوہاٹی میں ای ایس آئی ہسپتال کے ۵۰ بستروں پر مشتمل نو تعمیر شدہ وارڈ کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ ہسپتال کے موجودہ ۲۰ بستروں سے گوہاٹی کے صنعتی شہروں میں مقیم ۱۰،۲۴ لاکھ ورکروں کے خاندان کی مناسب طور پر خدمت انجام نہیں دیا جاسکتا اسی لئے یہ اضافہ کیا گیا ہے۔ اب ۵۰ بستروں پر مشتمل اس ہسپتال میں علاج معالجہ کی سہولتوں کی حصولکاری کیلئے جدید آلات نصب کئے جائیں گے۔ وزیر موصوف نے امید ظاہر کی کہ ہسپتال کے ڈاکٹر، نرس اور دیگر طبی ورکر مریضوں کو مکمل طبی علاج و خدمات فراہم کریں گے۔

وزیر صحت شریمتی پرسنتا سور نے اس تقریب میں مہمان اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ شریمتی سور نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہماری آبادی کی بہت چھوٹی تعداد نرسنگ ہوم اور نجی ہسپتالوں میں علاج کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں۔ عوام کی اکثریت سرکاری ہسپتالوں میں علاج کراتے ہیں۔ اب اگر ای ایس آئی ہسپتال کم آمدنی والے ورکروں کو مناسب معالجہ کی سہولتیں فراہم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو یقیناً سرکاری ہسپتالوں میں کام کا دباؤ کم جائے گا۔ تمام ای ایس آئی ہسپتالوں کو جدید ترین آلات سے مزین کیا گیا ہے اور اس طرح طریقہ علاج کو جدید بنایا جاسکا ہے۔ کم آمدنی والے لوگوں کیلئے کم پیسوں میں علاج فراہم کرنے کے معاملہ میں مرکزی حکومت کے قابل افسوس کردار پر تنقید کرتے ہوئے وزیر صحت نے بتایا کہ غیر مقررہ مدت تک علاج کا پورا خرچ برداشت کرنا ریاستی حکومت کیلئے بہت مشکل ہوگئی ہے۔ ادویہ میں بھاری اضافہ کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ مرکز کی طرف سے فوری اقدامات کئے بغیر مریضوں کو مفت دوائیاں فراہم کرنا ریاستی حکومت کے لئے ناممکن ہوگیا ہے۔

اس موقع پر ایم ایل اے تورت برن تو پیدار اور ایم ایل اے تانیا چکرورتی نے بھی تقریریں کیں۔

•••

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو شری امجد علی خان نے سماعی کیسٹ پیش کیا

ممتاز سرود کار شری امجد علی خان نے گذشتہ ۱۷ فروری کو رائٹرس بلڈنگ میں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ کے ہمراہ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات کی۔ انھوں نے شری باسو کو ایک سماعی کیسٹ اور ایک البم پیش کیا۔ یہ کیسٹ کلکتہ میں پیش کردہ ان کے حالیہ پروگراموں کا مجموعہ ہے اور البم میں ان کی زندگی کے رنگا رنگ لمحات کی یادیں شامل ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری باسو سے بات چیت کرتے ہوئے شری امجد علی خان نے کہا کہ وہ سرود سازی سے دلچسپی رکھنے والے کچھ نوجوانوں کو تربیت دینے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے اس سلسلہ میں انھیں ہر ممکنہ مدد فراہم کرنے کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ ●●
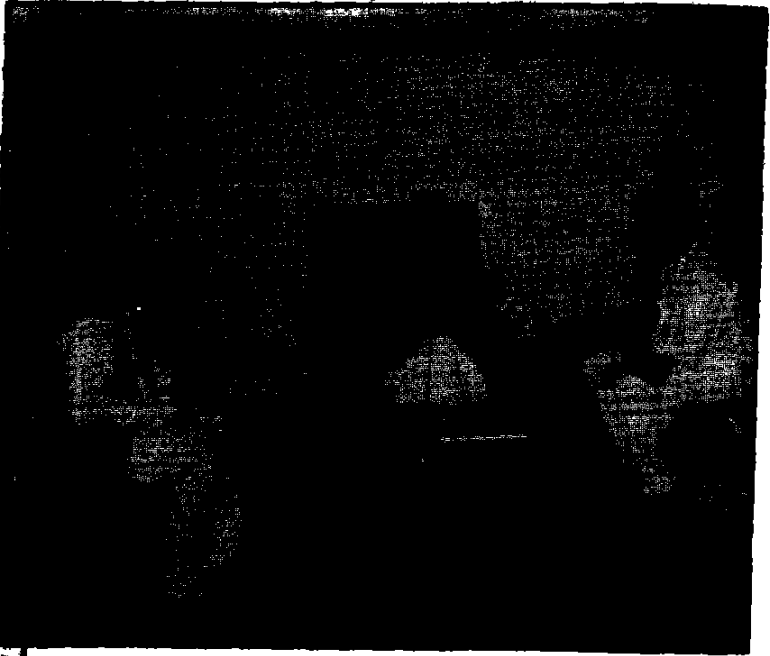
اُستی میں پینے کے پانی کے ایک پروجکٹ کا افتتاح

مکانات اور صحت عامہ انجینئرنگ کے وزیر شری گوتم دیب نے گذشتہ ۱۴ فروری کو منگراہاٹ میں منگراہاٹ ترقیاتی بلاک ۱ کے تحت اُستی میں پینے کے پانی کے ایک پروجکٹ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت ایسی باتوں کا وعدہ نہیں کرتی ہے جو وہ نہیں مانتی۔ انھوں نے بتایا کہ عرصہ دراز سے اُستی اور اس کے قرب وجوار میں پینے کے پانی کی کافی قلت رہی ہے۔ اس پروجکٹ پر عمل درآمد کرکے اس مسئلہ کو مکمل طور پر حل کر دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ اس پروجکٹ سے اس علاقہ کے تقریباً ۱۲ ہزار عوام مستفید ہوں گے۔

وزیر موصوف نے اس سے قبل اسی دن منگراہاٹ ترقیاتی بلاک ۲ کے تحت دیہی کلشس میں پینے کے پانی کے ایک دیگر پروجکٹ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر انھوں نے بتایا کہ اس پروجکٹ کی تکمیل میں تقریباً ۱۱۲۸۷۰۰ روپئے کی لاگت آئے گی اور اس سے اس علاقہ کے ۳۷ ہزار عوام مستفید ہوں گے۔ ●●

اصلاحاتِ آراضی کے میدان میں حکومت کی نمایاں کامیابی

۲۷ دسمبر ۱۹۹۵ء کو نئی دہلی میں منعقدہ محصول کے وزراء کانفرنس میں اپنی تقریر کے دوران وزیر برائے آراضی و اصلاحات آراضی شری منوہر کرت ساچودھری نے ان دراڑوں کی جانب اشارہ کیا جنھوں نے اسٹیٹس ایکیوزیشن ایکٹ، ۱۹۵۳ء کے مقصد کو ناکام بنادیا ہے۔ وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ کانگریس حکومت نے ان قطعات آراضی کو تقسیم کرنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی جنھیں ۱۹۶۷ء تک ریاست کے دائرہ ملکیت میں شامل کیا گیا تھا۔

ذیل میں وزیر موصوف کی مذکورہ تقریر کا اردو متن قارئین کی دلچسپی مطالعہ کے لئے پیش ہے۔

جناب وزیر اعظم اور دوستو!

ہملوگ تقریباً چار سال کے بعد دوبارہ مل رہے ہیں۔ گذشتہ مرتبہ جب ہملوگ ملے تھے تو مارچ ۱۹۹۲ء کو آپ کے چیمبر میں شب میں ہمیں آپ کے نہایت ہی فکر انگیز خطاب سننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

آج کے ایجنڈا کو زیر بحث لانے سے قبل میں ایک مختصر پس منظر پیش کرنا چاہوں گا تاکہ آپ ہماری مشکلات اور پیچیدگیوں کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

مختصر پس منظر

جیساکہ آپ سب لوگ جانتے ہیں، ۱۷۹۳ء کے دوران لارڈ کارنوالس نے صوبہ بنگال میں زمینداری نظام رائج کیا تھا اور یہ ملک کے دیگر حصوں میں رائج رعیت واری نظام یا محل واری نظام سے جدا تھا۔ زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لئے مغربی بنگال اسٹیٹ ایکیوزیشن ایکٹ برائے ۱۹۵۳ء پاس کیا گیا تھا۔

۵ مئی ۱۹۵۳ء کو اسمبلی میں اسٹیٹ ایکیوزیشن بل پیش کیا گیا تھا۔ میرے معزز ساتھی مرحوم بنکم مکھرجی اور میں خود اس مجلس منتخبہ کے اراکین تھے جس کے حوالے مذکورہ بل سپرد کیا گیا تھا۔ چونکہ اس وقت ہملوگ اقلیت میں تھے اس لئے اس وقت ہم لوگ فیصلوں کو متاثر کرنے کی حیثیت میں نہیں تھے۔ بہرکیف ہمارے بحثِ اختلاف کے دوران ہملوگوں نے اس امر کی وضاحت کی کہ اگر ساتھ ساتھ جملہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے تو اس طاقتور جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنا نہایت ہی مشکل ہو جائے گا جس کی جڑیں کافی مضبوط رہی ہیں۔

ہمارے اندیشے اس وقت درست ثابت ہوئے جب مذکورہ ایکٹ/آئین کو روبہ عمل لایا گیا تھا۔ زمینداروں اور جوت داروں نے وہ سب کچھ کر دکھایا جو سب وہ لوگ اس آئین کے مقاصد کو ناکارہ بنانے کے لئے کر سکتے تھے۔ ہملوگوں کی تنقید نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی کیونکہ اس وقت اسمبلی میں ہملوگ غیر اہم اقلیت میں تھے۔

مذکورہ آئین کی دفعہ ۲ کی قانونی قرارداد کی مدد سے جملہ آراضی کو ریاست میں شامل کیا جا سکا اور مذکورہ قرارداد کی تشکیل آراضی کے تازہ تصفیہ کے سلسلہ میں انھیں ریاستی حکومت سے رجوع کرنے کے لئے کی گئی تھی تاکہ انھیں بدستور قابض رہنے کی اجازت ملے۔ کانگریس حکومت نے ایسے نہیں کیا تھا۔ مذکورہ آئین میں بہت سارے دراڑیں رکھی گئی تھیں جس ذریعہ ان لوگوں نے آزادانہ طور پر مذکورہ آئین سے وابستہ سیلنگ کی گنجائش سے انحراف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور زیادہ سے زیادہ آراضی پر قابض رہنے کے سلسلے میں حق اختیار کو استعمال کرنے کی گنجائش کو جملہ آنے والے وقت کے لئے کھلا رکھ دیا تھا۔

حیرت انگیز طور پر اس وقت کی کانگریس حکومت نے مذکورہ اثاثے حصولی ایکٹ کی گنجائشوں کو روبہ عمل لانے کے کام کے لئے اس وقت کی مقررہ نئی آراضی اصلاحات انتظامیہ کے دفاتر میں کام کاج کی انجام دہی کی غرض سے دور دراز کے زمینداروں کے "نائب" اور "گماشتے"

کے نام سے موسوم عہدیداروں کو ملازم رکھا۔ ان زمینداروں کے "مین رٹرنڈ لینڈ" اصلاحات افسران اپنے پیشے کے ماہر کھلاڑی تھے اور ان لوگوں نے اپنے پرانے آقاؤں کے مفاد کو فروغ دینے کی غرض سے مذکورہ ایکٹ کے مقصد کو نقصان پہنچانے میں اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ چونکہ آراضی کا تصفیہ مستقل طور پر زمینداروں کے حقوق کے اندراجوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور زمینداروں اور ماتحت معاملت کرانے والوں کی جانب سے پیدا کردہ ایسی آراضی اور زمینوں کے سلسلہ میں دیگر متعلقہ سارے کاغذات ان لوگوں کے پاس ہوا کرتے تھے، اس لئے اصلاحات آراضی عہدیداروں نے مذکورہ اندراجوں میں تحریف کی کہ مذکورہ ایکٹ کے آنے سے بہت پہلے ہی ان رعیتوں کا اندراج مذکورہ کاغذات میں ملتا ہے۔ اگرچہ ان رعیتوں کا اندراج سراسر جعلی ہے۔ اس حکمت عملی کے تحت ہزاروں ایکڑ قطعات آراضی کو مذکورہ آئین کی سیلنگ گنجائشوں کے اندر داخل ہونے سے بچالیا گیا ہے۔ مذکورہ آئین کی دفعہ ۵ اے میں گنجائشیں رکھی گئیں تاکہ منتقلی سے متعلق تفتیش کی جائے کہ کیا مذکورہ آئین کی سیلنگ گنجائشوں سے بچنے کیلئے منتقلی کی حکمت عملی کو روبہ عمل لایا گیا تھا مگر یہ بے سود ثابت ہوئی کیونکہ ان گنجائشوں پر عمل در آمد کی مدت نہایت ہی مختصر ۵ مئی ۱۹۵۳ء اور مذکورہ ایکٹ کی شمولیت کی تواریخ یعنی ۱۴ اپریل ۱۹۵۵ء اور ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء تھیں۔

۱۹۵۳-۵۴ء کے دوران ہم لوگوں نے مجلس منتخبہ میں اپنے اختلافی لب ولہجہ میں درست طور پر اس امر کی وضاحت کی تھی کہ سیلنگ کسی فرد کی زمین کے اجارے پر لگنی نہیں چاہیئے بلکہ خاندان کے آراضی اجارے پر لگنی چاہیئے۔ بہرکیف اگست ۱۹۶۹ء کے دوران یہ مرحوم ہرے کرشن کونار کی شخصیت تھی جس نے وزیر برائے آراضی محصول کی حیثیت سے خاندان کی بنیاد پر سیلنگ نافذ کرنے کے لئے ایک بل پیش کیا لیکن چونکہ دوسری متحدہ محاذ حکومت ۱۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو الٹ گئی، اس لئے مذکورہ بل آئین نہیں بن پایا۔ جب خاندانی سیلنگ گنجائشوں کی تشکیل مغربی بنگال اصلاحات میں کی گئی تو آگے چل کر راجع بہ ماضی نفاذ اسے اگست ۱۹۶۹ء سے دیا گیا تھا۔

اس طرح آراضی کی منتقلی جو اگست ۱۹۶۹ء سے ہوئی ہے۔

تفتیش طلب ہے کہ کیا مذکورہ منتقلیاں سیلنگ کی گرفتوں سے بچنے کے لئے کی گئی تھیں۔ بہرکیف مذکورہ تفتیش کی حد کو بڑھا کر ۵۰ دہائیوں کے مزید بیست راست تک نہیں لے جایا جاسکا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے زمین مالکان نے ۵۰ دیں دہائیوں کے آخر اور اگست ۱۹۶۹ء کے درمیان پہلے سے اخذ کردہ مدت کے اندر اپنے آراضی اجارے کو رکھنے کیلئے آزادی کی منتقلی کو عمل میں لایا تھا۔ اعداد مردم شماری میرے نکتے کو ثابت کریں گے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے بعد کاشت کار مالکان کی تعداد ۱۵۸۰۰۰ تھی۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق آراضی اجارہ کی تعداد ۲۱ لاکھ تک آگئی کاشت کار مالکان کی تعداد اور آراضی اجارہ کی تعداد ایک نہیں ہیں۔ آج بھی یہ دونوں اعداد وشمار اس بات کی صاف صاف وضاحت کرتے ہیں کہ مذکورہ ۲۰ برسوں کے دوران خاندانی اکائیوں کی فطری ضمنی قسمتوں وسیع پیمانے پر آراضی کی منتقلی عمل میں آئی تھی۔

دوسری اہم حقیقت جسے میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کانگریس حکومت نے ان آراضی کو تقسیم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو ۱۹۶۷ء تک ریاست کی تحویل میں آچکے تھے۔ ایک بار پھر یہ مرحوم ہرے کرشنا کونار کی شخصیت تھی جس نے اوّل متحدہ محاذ حکومت کے آراضی ریونیو وزیر کی حیثیت سے ریاست کی تحویل میں آئے ہوئے ان آراضی کو تقسیم کرنے کی کارروائی کی تو اس وقت تک ان زمینداروں اور جوتداروں کے قبضے میں تھیں جن کی فاضل آراضی کو اپریل ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء کے نفاذ سے ریاست کی تحویل میں لیا گیا تھا۔ اوّل دو متحدہ محاذ حکومتوں کے دور اقتدار میں سیلنگ زدہ فاضل آراضی کو تقسیم کرنے کے لئے اس طور پر باقاعدہ کوششیں کی گئیں گرچہ دونوں حکومتیں نہایت ہی مختصر مدت تک رہیں۔ چونکہ ان کو وقت بہت ہی کم ملے اس لئے آراضی کی تقسیم کے لئے رسمی قانونی گنجائشوں کی تشکیل نہیں ہو پائی۔ زرعی مزدوروں اور غریب کسانوں کو سیلنگ زدہ فاضل اور بے نامی آراضی پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے اور انھیں اپنے درمیان تقسیم کر لینے کے لئے اکسایا گیا۔ اس طرح تقریباً ۶ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی کی تقسیم عمل میں آئی۔ بد قسمتی سے دوسری متحدہ محاذ حکومت کے الٹنے کے بعد کانگریس حکومت کی سرگرم حمایت سے زمینداروں اور جوتداروں نے ان آراضی سے غریب زرعی مزدوروں اور

کسانوں کو بے دخل کرنے کی کوششیں کیں۔ یہاں انھیں زبردست
پسپائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لئے غریب کسان
اچھی طرح سے منظم ہو کر اپنی آراضی پر ڈٹے رہے۔ بعد میں ایک آراضی تحریک کا آغاز ہوا۔
اس تحریک میں ورکروں اور جمہوری لوگوں کی جد و جہد کی شمولیت نے جون ۱۹۷۷ء
کے دوران ہونیوالے انتخاب میں بائیں محاذ کی فتح اور بائیں محاذ حکومت کی
تشکیل کیلئے در وا کر دیئے۔

اصلاحاتِ آراضی پر عمل درآمد

______ : بائیں محاذ حکومت کی
تشکیل کے بعد ہم لوگوں نے اصلاحات آراضی عمل درآمد کرنے کے لئے طویل
مدتی اقدامات اپنائے۔ ہم لوگ اس امر کو اچھی طرح سمجھ پائے کہ دستور کے زیر دہ ڈھانچے
کے اندر رہتے ہوئے اور ان محدود اختیارات کے ساتھ جو ایک ریاستی حکومت کو
حاصل ہیں زراعت میں جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ پیداواری تعلق کو دور کرنا
بالکل ہی ناممکن ہے۔ لہذا ہم لوگوں نے قانونی حوالہ مطابقت میں ایسے اقدامات
اٹھانے کی حمایت میں فیصلہ کیا ہے جو زرعی مزدوروں، برگہ داروں اور غریب اور
ان چھوٹے کاشتکاروں جو دیہی آبادی کے ۸۰ فیصد سے زائد پر مشتمل ہیں اور
جو دیہی عوام کی کایا پلٹ کے لئے زبردست تبدیلی لا سکتے ہیں، کو متحرک کرنے اور
منظم کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے اور یہی اصلاحات آراضی کا نصب العین ہے۔
اس کے ساتھ ساتھ ہماری حکومت متوسط کاشتکاروں کے ساتھ ایک مضبوط رشتہ قائم
کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور دیہی سماج میں اپنی طاقتوں کو دور کرنے کے نظریہ
کے تحت امیر کاشتکاروں کی ایک مخصوص تعداد کا دل جیتنے کی کوشش کر رہی ہے۔
اس طرح ہم لوگوں نے ستائے ہوئے جماعتوں کو منتخب کیا ہے اور ایسے مقاصد تک پہنچنے
کے لئے مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

زرعی مزدوروں کو اول نشانہ جماعت میں رکھا گیا ہے۔ ان کے لئے بعض لازمی
اقدامات یہ ہیں۔ (الف) کم از کم رہائشی اجرت کی ضمانت دینا۔ (ب) بیکاری کے
مہینوں میں کام کی فراہمی کرنا۔ (ج) ان کے اپنے گھر کیلئے رہائشی مقامات کی فراہمی کرنا۔
اگرچہ ۱۹۷۷ء کے دوران کم از کم اجرت ۸،۱۰ روپئے تھی۔ حقیقی اجرت ۵ یا ۶ روپئے
معمول خوراک بدلتی رہی ہے۔ فی الحال کم از کم اجرت بڑھ کر ۲۲/۲۵ روپیئے
ہو گئی ہے اور چند مقامات پر یہ ۳۰ روپئے ہو گئی ہے۔ اور اب اعلان شدہ کم از کم
اجرت اور حقیقی اجرت کے درمیان بالکل کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ بے کار مہینوں کے
دوران کام کے عوض خوراک، این آر ای پی اور جے آر وائی کی اسکیموں میں تال میل پیدا کر کے
اور این آر ای پی اسکیموں میں کم از کم اجرت کو یقینی بنا کر کام کی فراہمی کے سلسلہ میں بہت
کچھ حاصل کیا جا چکا ہے۔ اب تک ان لوگوں نے ۲۶۷۰۰۰ زرعی مزدوروں اور کاشتکاروں
کو رہائشی مقامات کی فراہمی کی ہے۔ عمارتی تعمیر کے سلسلہ میں بھی کچھ مالی امداد کی فراہمی
کی گئی ہے۔ اس طرح ان تمام تین لازمی ضرورت کو پائے تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔

ہماری دوسری نشانہ جماعت برگہ داروں کی ہے۔ برگہ داروں کے مسائل ہیں:
(الف) حسب ضابطہ بے دخلی (ب) حقوق کی حفاظت اور (ج) مالیت۔

برگہ داروں کی حسب ضابطہ بے دخلی کو روکنے کے لئے مغربی بنگال اصلاحات
آراضی آئین میں موزوں گنجائشیں پیدا کی گئی ہیں۔ برگہ داروں کو زمین سے بے دخل
کرنے کے لئے مالکان آراضی کا عام دستور "نجی کاشتکاری" کے لئے زمین واپس
لے لینا تھا۔ اس دستور کو روکنے کے لئے شرائط عائد کی گئیں۔ اب زمین کے مالک کو یہ
ثابت کرنا ہوتا ہے کہ زمین کی کاشتکاری پر ہی اس کا گذر بسر ہوتا ہے اور وہ مذکورہ
زمین سے ۸ کیلومیٹر کے نصف قطر کے اندر رہتا ہے اور اس بات کا بھی یقین دلانا ہوگا
کہ مذکورہ زمین کی بازیابی کے بعد وہ بذات خود اس زمین پر کاشتکاری کرے گا یا وہ
اپنے خاندان کے اراکین سے اس پر کاشتکاری کروائے گا۔

اس طرح سے برگہ داروں کی بے دخلی کو روکا جا سکا ہے۔ انھیں کاشتکاری
کے وراثتی حقوق سے نوازا گیا ہے۔ "آپریشن برگہ" کے ذریعہ ان کے ناموں کا اندراج
حقوق کے ریکارڈس میں کیا جا چکا ہے۔ چونکہ بیشتر برگہ داروں کے پاس یہ ثابت کرنے
کے لئے کہ وہ برگہ دار تھے کوئی دستاویز نہیں ہے اس لئے مذکورہ آئین میں یہ
"امکانی فقرہ" شامل کر لیا گیا ہے کہ وہ لوگ برگہ دار تھے کیونکہ جب ایک شخص
کسی دوسرے شخص کی زمین پر کاشتکاری کرتا ہے تو اسے ایک برگہ دار قرار دیا جائے گا
اور مذکورہ شخص برگہ دار نہیں ہے ثابت کرنے کی ذمہ داری مالک آراضی پر عائد ہوگی۔
برگہ داروں کے ناموں کے اندراج میں بیزاری اور غفلت برتنے کی کوشش کا سرے سے
خاتمہ ہی کر دیا گیا ہے۔ ان تمام اقدامات نے برگہ داروں کو تقریباً رعیت / کرایہ دار
کی حیثیت دلوا دی ہے۔

مالیات

______ : آراضی پر کاشتکاری کے سلسلہ میں فنڈ کے لئے
ساہوکاروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اپنی نئی حیثیت اور حقوق کے ریکارڈ میں ان
کے ناموں کی شمولیت کے بعد بینکوں کو اس بات پر راغب کیا گیا کہ وہ انھیں سود کی
۴ فیصد شرح پر قرض دینا منظور کریں اور اس سود کی ادائیگی بھی ریاستی حکومت
کرے گی۔ ادارہ جاتی مالیات تک رسائی نے برگہ داروں کو دیہی ساہوکاروں کے

جنگل سے باہر آنے میں مدد دی

ہمارا تیسری لسانی جماعت حاشیائی (ایک ہکٹائر قطعات آراضی تک کے مالک) اور چھوٹے (ایک تا دو ہکٹائر) کاشتکاروں پر مشتمل ہے۔ متحدہ محاذ حکومت کے دوران ۳ ایکڑ تک کے زمین مالکان کو زمین کا لگان نہیں دینا پڑتا تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے آبپاری شدہ علاقہ میں ۴ ایکڑ تک اور غیر آبادی شدہ علاقہ میں ۶ ایکڑ تک زمین کے مالکان کو زمین کے لگان کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مینی کٹوں کے ذریعہ کھاد اور بیج جیسے دیگر زرعی سامان کمزور طبقہ کو مہیا کئے جاتے ہیں۔ گذشتہ ۱۸ برسوں کے دوران آبپاشی کے تحت آراضی ۲۴ فیصد سے بڑھ کر ۵۰ فیصد کو بھی تجاوز کر چکی ہے۔ ایک فصل اگانے والی بہت ساری آراضی اب دو فصل دینے والی یا کثیر الفصل بن گئی ہیں۔ قرض کی سہولت میں بھی کافی کشادگی آئی ہے۔

بہر کیف اصلاحاتِ آراضی کا ایک اہم ترین جزو سیلنگ سرپلس آراضی کی تقسیم ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری ریاست کا ابتک کا ریکارڈ ہندوستان بھر میں سبھوں سے اچھا رہا ہے۔ مارچ ۱۹۹۵ء تک بملوگوں نے ۱۵ء۹ لاکھ ایکڑ آراضی کی تقسیم کی ہے۔ زرعی قطعات آراضی کے صرف ۳ء۶ فیصد کے ساتھ ہملوگ پورے ملک میں ابتک تقسیم کردہ کل آراضی کا تقریباً ۱۹ فیصد تقسیم کرنے کے قابل بن پائے ہیں۔ حالیہ رپورٹ کے مطابق درمیانی اور چھوٹے کاشتکاروں کے آراضی اجارہ کی کُل ہند اوسط ۲۹ فیصد ہے جبکہ مغربی بنگال میں کاشتکاروں کی مذکورہ جماعت کے اجارہ میں ۶۰ فیصد آراضی ہے۔ مغربی بنگال میں اجارہ کے قبضہ میں صرف ۹ فیصد قطعات آراضی ہیں جبکہ ۱۰ ہکٹر سے اوپر کُل ہند اوسط ۵۰ فیصد ہے۔ لہٰذا مغربی بنگال میں چند ہاتھوں میں زمین کی بہتات کے عمل میں کافی کمی نمودار ہوئی ہے اور آراضی درمیان اور چھوٹے کاشتکاروں میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ زمینداروں اور جوت داروں کے طبقہ کا معاشی کنٹرول اور سیاسی تسلط کو بہت حد تک روکا جا سکا ہے۔

اس ریاست کی غذائی پیداوار ۷۵ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۱۳۰ لاکھ ٹن ہو گئی ہے۔ حکومت ہند کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ۷ ویں منصوبہ مدت کے دوران زراعت میں نشوونما کی شرح مغربی بنگال میں بلند ترین ۴ء۳ فیصد رہی ہے۔ اس کے بعد ہریانہ میں ۴ء۲ فیصد اور پنجاب میں ۳ء۳ فیصد رہی ہے۔ گذشتہ دو برسوں کے دوران چاول کی فی ہکٹائر اور کُل پیداوار دونوں ہی میں مغربی بنگال کی کارکردگی بہترین رہی ہے۔ آراضی اجارہ پر سیلنگ عائد کرکے جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ رشتہ کو بالکل سرے سے ختم تو نہیں کیا جا سکا تاہم اس پر بہت حد تک قابو پاکر زراعت کی بہتری کے لیے راستے ہموار کئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہملوگوں نے مجلس منتخبہ میں اختلافات کے اپنے لہجہ میں وضاحت کی تھی کہ کیوں آراضی کے غیر کاشتکار مالکان جن کے پاس تنخواہ یا ہنر یا تجارت یا دیگر پیشہ سے ملنے والی آمدنی کے خاطر خواہ ذرائع ہیں، کو زمین رکھنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔

۱۹۸۱ء کے دوران ہملوگوں نے ان تمام دراڑوں پر روک تھام کیلئے جن کے ذریعہ سیلنگ سے راہ فرار اختیار کئے جاتے تھے، مغربی بنگال اصلاحات آراضی آئین کی ایک جامع ترمیم پیش کی۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں صدر کی منظوری کی حصولی کے لئے ہملوگوں کو ۶ طویل برسوں تک انتظار کرنا پڑا۔ ۱۹۸۶ء کے دوران ہملوگوں نے مزید ترمیمات کیں اور اس سلسلہ میں ہملوگوں کو صدر کی منظوری کے لئے مزید دو سال انتظار کرنے پڑے۔

ان ترمیمات سے قبل بہت ساری آراضی کو مالکان آراضی "مچھلیوں کے تالاب" اور "باغات" کی صورت میں اور انھیں متعدد ٹرسٹوں کے حوالے کر کے اپنے قبضہ میں رکھے ہوئے تھے۔ ان ترمیمات کے نتیجہ کے طور پر ان تمام آراضی کو سیلنگ گنجائشوں کے تحت لایا گیا۔

غریبوں کے درمیان تقسیم کے لئے جلد از جلد سیلنگ سرپلس آراضی کی حصولی کی ہماری کوشش میں ہائی کورٹوں کے حکم امتناعی کے سبب رکاوٹیں آئیں۔ تقریباً ۱۸۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی ان معاملات کی وجہ سے قفل بندی کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ ان سے چھٹکارا پانے کیلئے ہملوگوں نے لینڈ ٹریبونل ایکٹ پاس کیا ہے۔ بہر کیف مذکورہ ٹریبونل کا قیام عدالت کے حکم کی وجہ سے ابتک عمل میں نہیں آسکا ہے۔

حال ہی میں ہملوگوں نے کسان سبھاؤں اور پنچایتوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ خفیہ طور پر گرفت رکھے ہوئے آراضی کی شناخت کریں اور اصلاحات آراضی کے حکام پر دباؤ ڈالیں تاکہ مذکورہ حکام رسمی طور پر مذکورہ آراضی کو فاضل آراضی/سرپلس آراضی قرار دیدے۔

۸۵۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی جو بطور غیر زرعی آراضی درج ہیں کی تصدیق مقامی پنچایتوں کی مدد سے کی جا رہی ہے کہ کیا مذکورہ آراضی کو زرعی مقصد کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

وافر علاقے کو کاشتکاری کے لیے موزوں پایا گیا ہے۔ اس علاقہ کو جو زراعت کے لئے موزوں نہیں ہے، سماجی فورسٹری یا دیگر بر و جکشس جو دیہی لوگوں کو کچھ روزگار مہیا کریں اور ملک میں ماحولیاتی توازن برقرار رکھ پائیں کے لئے استعمال میں لانا چاہیئے۔

مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی پر عمل درآمد کی یہ ایک مختصر روداد ہے۔

جناب وزیراعظم ، چونکہ ہلوگ سیٹلنگ کے باہر کے زرعی قطعات آراضی کی شناخت اور بے زمینوں کے درمیان اس کی تقسیم کے مراحل کے اختتام کے قریب ہیں اس لئے ہلوگوں کو ٹھیک ٹھیک طور پر آراضی آئین کے نفاذ پر ہمیشہ کڑی نظر رکھنے کے لئے اصلاحات آراضی مشنری کو تیز تر بنانا چاہئے۔ ان کاموں کو چند سال پہلے ہلوگوں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

فی الحال ہمارے پاس اس ریاست میں ایک جامع اصلاحات آراضی ڈھانچہ موجود ہے۔ سروے اینڈ سیٹلمنٹ ونگ اور ریونیو ایڈمنسٹریشن ونگ کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا گیا ہے۔ فی الحال ہمارے یہاں ہر ایک گرام پنچایت سطح پر ایک اصلاحات آراضی ڈھانچہ موجود ہے۔ یعنی ہر ایک دس اور بارہ گاؤں کے لئے ہلوگوں کے پاس مقررہ ایک ریونیو افسر اور ایک چھوٹا سپورٹنگ اسٹاف ہے۔ اس سے اوپر ہمارے یہاں بلاک سطح، سب ڈویژنل سطح اور ضلع سطح پر دفاتر موجود ہیں۔ آراضی ریکارڈس کو فروغ دینے کی اسکیم، ریونیو انتظامیہ کو تقویت پہنچانے والی بھی اسکیم اور کمپیوٹرائزیشن کی اسکیم بخوبی چل رہے ہیں گرچہ مذکورہ بالا اسکیم کو روبہ عمل لانے میں کافی تاخیر ہو رہی تھی۔ ان دونوں کے سلسلہ میں مالی امداد کیلئے ہلوگ حکومت ہند کے شکر گذار ہیں۔

مجھے پتہ چلا ہے کہ ایوکمیٹی کی رپورٹ کو غور و خوض کے لئے ہمارے ایجنڈا میں شامل کیا گیا ہے۔ اگست ۱۹۹۵ء کے دوران مذکورہ بالا رپورٹ پر پیش کردہ ریاستی حکومت کے تاثرات کو حکومت ہند کے پاس روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس کی ہر ایک سفارش پر تفصیلی بحث لازمی ہے۔ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس کانفرنس کی ایک ذیلی کمیٹی کو ایوکمیٹی کے انفرادی سفارشات کا بغور جائزہ لینا چاہئے۔

آراضی کی حصولی سے متاثر ہونے والے اشخاص کے لئے مجوزہ قومی پالیسی کے سلسلہ میں، میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ نہایت ہی محتاج تصدیق اور حساس مسئلہ ہے اور اس کی کڑی جانچ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہلوگوں کو جلدبازی کے ساتھ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچنا ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ ریونیو وزیر کی دوسری کمیٹی تشکیل دی جائے اور وہ اس معاملے کی تفصیلی طور پر جانچ کرے۔ ضمنی طور پر حکومت مغربی بنگال اب بھی مذکورہ معاملے کی جانچ کر رہی ہے اور وقت مقررہ پر یونین حکومت کو اپنے نظریات سے آگاہ کرے گی۔ میں یہاں مزید یہ کہنا چاہوں گا کہ جہاں تک مغربی بنگال کا تعلق ہے جب کبھی بڑے بڑے پروجکٹوں کے لئے آراضی کے بڑے بڑے رقبے حاصل کئے گئے ہیں تب تب ریاستی حکومت نے نچلی سطح پر عوامی نمائندوں کے ساتھ صلاح و مشورہ کر کے بحالی کے (مثلاً بذات خود پروجکٹ میں آراضی سے دست بردار ہونے والوں کے لئے روزگار کا انتظام کر کے یا متبادل جائے مکانی عطا کر کے وغیرہ وغیرہ) کے سلسلہ میں چند اقدامات اٹھائے ہیں۔ چونکہ مغربی بنگال کے پاس باقاعدگی سے وقت پر منتخب ایک سہ درجاتی پنچایتی راج نظام موجود ہے اس لئے پروجکٹوں کے سلسلہ میں آراضی کی حصولی کے معاملے میں اب تک ہلوگوں کو کوئی بڑی مشکل کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا ہے۔

جہاں تک آراضی لگان کی انتظامیہ کے متعلقہ میدان میں جدید ترین ٹکنالوجی کا سوال ہے وہاں میں یہ کہوں گا کہ کل آراضی ریکارڈوں کا کمپیوٹرائزیشن ہمارا نصب العین ہونا چاہئے لیکن جہاں تک بنیادی ریکارڈوں کی تیاری کا تعلق ہے وہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مخصوص قسم کے خطہ میں گاؤں کے نقشوں کی تیاری میں نئی ٹکنالوجی میں مددگار بن سکتی ہے لیکن جو امر زیادہ اہم ہے وہ مفصل اور نقائص سے پاک آراضی کے ریکارڈوں کی تیاری ہے اور یہ کام ٹکنالوجی کی مدد سے نہیں ہو سکتا ہے۔ صرف تجربہ کار اور قانون آراضی کی گتھیوں کے ماہر افراد ہی اس کام کو بحسن و خوبی کر پائیں گے۔ اس لئے اس سلسلہ میں بھی نئی ٹکنالوجیوں پر ضرورت سے زیادہ توجہ دینا لازمی نہیں محسوس ہوتا ہے۔

تیہٹا میں انتظامیہ کی نئی عمارت کا افتتاح

ہم صرف رائٹرس بلڈنگس سے حکومت نہیں چلاتے ہیں۔ ہم نے اپنی انتظامیہ کے اختیارات کو حتی کہ بلاک پنچایت سطح پر غیر مرکوز کر دیا ہے۔ یہ بات وزیر اطلاعات و ثقافتی امور نے گذشتہ ۸ جنوری کو تیہٹا پرائمری ہیلتھ سنٹر کے کمپلکس میں تیہٹا سب ڈویژن کی انتظامیہ بلڈنگ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہی۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ ماضی میں اس علاقہ کے لوگوں کو معمولی سرکاری کام کے لئے کرشنا نگر جانا پڑتا تھا۔ اس انتظامیہ کے قیام کے ساتھ اس سب ڈویژن کے عوام صنعت کاری اور ترقی کے دوسرے میدانوں میں متعدد دیگر سہولتیں دستیاب ہوں گی۔

۸

بعد میں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور نے ضلع پریشد کے ڈاک بنگلہ کمپس میں سب ڈویژنل آفیسروں کے ایک دفتر کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔

مغربی بنگال میں پنچایت

بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں

۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حکومت نظریاتی طور پر مارکسزم۔ لینن ازم کی پابند ہے اور اختیارات کے جمہوری لامرکوزا انتظامیہ میں عوامی شرکت اور بنیادی سماجی تبدیلی کی حامی ہے۔ بہرکیف نمایاں فرق کے ساتھ یہ ایک "مارکسسٹ" حکومت ہے کیونکہ یہ سماجی انقلاب کے نتیجہ میں وجود میں نہیں آئی ہے۔ اسے آزاد جمہوری ریاست، اعلیٰ طور پر مرکوز دستوری اور سیاسی ڈھانچہ، پچھڑی جاگیردارانہ ثقافت وغیرہ کے اندر رہتے ہوئے کام کرنا پڑتا ہے۔ اس نظام کے کردار اور اس کی بندشیں پنچایتوں پر موجودہ حکومت کے تناظر کی مظہر ہیں۔ پنچایتوں اور دیہی ترقیات کے وزیر انچارج نے اس تناظر کی وضاحت یوں کی ہے۔

"عوام کو ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ راحت پہنچاتے ہوئے ملک میں معاشی مسائل کے بوجھ کو مجبوراً زیادہ سے زیادہ برداشت کرنے کے دوران زیادہ سے زیادہ توجہ اس امر کو دیکھنے میں لازمی طور پر صرف کرنا چاہیئے کہ عوام کسی وہم دفریب کے شکار نہ ہوں کہ موجودہ پیداواری تعلقات میں کوئی بنیادی ساختی تبدیلی لائے بغیر ان کی لازمی ضروریات کو پورا کیا جانا چاہئیے۔ عوام منظم طور پر شرکت کے اپنے تجربے سے ان حدود کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں جو موجودہ سماجی و معاشی ڈھانچہ میں جبلی طور پر موجود ہیں اور بعد ازاں یہ لوگ مذکورہ حدود پر غالب آنے کے لئے قومی پیمانے پر ایک متبادل ترقیاتی لائحہ عمل پر عمل درآمد کے لئے زور و شور سے جدوجہد کرتے ہیں۔"

مغربی بنگال ملک میں پہلی ریاست ہے جس نے سیاسی جماعتوں کی کھلی شرکت کی بنیاد پر پنچایت اداروں کے انتخاب کا انعقاد کرایا۔

پنچایتیں محض دیہی ترقیات کے آلات نہیں ہیں بلکہ عوام کو مذکورہ ترقیاتی کاموں میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے والے واسطے ہیں۔ بائیں محاذ میں شریک سب سے بڑی جماعت سی پی آئی (ایم) اسے عوام کو حرکت میں لانے اور عوامی جمہوریت کے کاز کے لئے جدوجہد کے ایک آلہ کی حیثیت سے حکومت میں شریک ہوئی ہے۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں سماجی و معاشی تبدیلی کے آلات ہیں۔ لہٰذا پنچایتوں نے ریاست میں اصلاحاتِ آراضی پروگراموں پر عمل درآمد میں نمایاں کردار ادا کیا ہے تاکہ وہ پنچایت اداروں کی کامیاب کارکردگی کے لئے مثبت شرائط پیدا کرسکیں۔ قطعاتِ آراضی جو گاؤں میں ایک جائیداد کی حیثیت رکھتے ہیں چند مٹھی بھر اشخاص کی ملکیت ہیں۔ یہ امر اصلاحاتِ آراضی کی مانگ کرتا ہے اور بغیر اس کے کوئی سماجی و معاشی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی ہے۔

جہاں تک قابلِ عمل ہے نوکرشاہی کے پنکھ کترے جاچکے ہیں۔ دوسری ریاستوں کے برعکس ڈی آر ڈی اے کی رہنمائی سبھادھی پتی کرتے ہیں اور ان سبھادھی پتی کو ایک ریاستی وزیر کی حیثیت بھی دی گئی ہے۔ ترقیاتی انتظامیہ میں سبھادھی پتی کو مرکزی رول دیا گیا ہے۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں اب رئیس زمینداروں اور اونچی ذات کے لوگوں کے دیوان خانے یا دربار نہیں رہی ہیں۔ تقریباً سبھی سب مشاہدے اس امر کے مظہر ہیں کہ چھوٹے اور حاشیائی کسان بے زمین مزدور اب اپنی مضبوط اور پُرمعنی موجودگی کو باضابطہ وقفوں پر منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ متعلقہ اداروں میں درج کرانے کے اہل بن چکے ہیں۔

مغربی بنگال میں پنچایتیں منصوبہ بندی کے عوامل سے بہت ہی قریبی طور پر منسلک ہیں۔ یہاں تین منصوبہ بند کمیٹیاں ہیں۔ دو ضلع سطح پر اور ایک بلاک سطح پر۔ ضلع سے آنے والے وزیر ضلع منصوبہ بندی کمیٹی کی نمائندگی کرتے ہیں اور سبھاپتی بلاک منصوبہ بندی کمیٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پنچایتیں گاؤں میں خواندگی پروگراموں کے عمل درآمد کے عوامل میں شریک رہی ہیں۔ حالیہ برسوں کے دوران اس پروگرام کو بہت زیادہ توجہ ملی ہے۔ پنچایتوں کی شرکت سے اس میدان میں بڑی قابلِ ذکر کامیابی ملی ہے۔ دیہاتیوں کی ثقافتی حیثیت کو بلند کرنے کے لئے گاؤں میں چالو اس پروگرام میں حصہ لے کر پنچایتیں دیہاتوں میں جمہوری، ترقی پسند اور سائنسی قدروں کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کررہی ہیں۔ دیہاتوں میں نازک جمہوری پودا کی نشوونما میں مدد پہنچانے کے لئے مذکورہ بالا کردار نہایت لازمی ہے۔

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۳ء ایکٹ کا آغاز کیا لیکن آج اس میں بہت سی ترمیمیں ظہور پذیر ہوچکی ہیں۔ مذکورہ حکومت کے کردار اور مختلف انتخابات میں عوام سے کئے گئے وعدوں کے مطابق ہی مذکورہ حکومت نے عوام کے دروازوں

کی جو کھٹ پر مذکورہ اداروں کو لا پہنچایا ہے۔ ۱۹۹۲ء کے دوران مذکورہ ایکٹ میں گرام سبھا سے موسوم ایک نئے ادارے کی تشکیل کے سلسلے میں گنجائشوں کی شمولیت کے لئے ترمیم کی گئی۔ گرام پنچایت کے ہر حلقہ میں ایک گرام سبھا ان اشخاص پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام گرام پنچایت کے متعلقہ حلقہ میں شامل علاقہ والی مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے رائے دہندگان کی فہرست میں شامل تھے۔ گرام سبھا کو سال میں کم از کم دو بار نشست بلانی پڑتی تھی۔ گرام پنچایتوں کی جانب سے جمع کردہ رپورٹ پر تبادلۂ خیال کا انعقاد کرنا لازمی ہوا کرتا تھا۔ گرام پنچایتوں کو نشست میں اراکین کی رائے، مشاہدہ اور سفارشات کو نہایت ہی مناسب طور پر زیر غور لانے ہوتے تھے۔

۷۳ویں دستوری ترمیم کے مطابق مذکورہ ایکٹ کو مطابقت میں لا کر حالیہ ترین ترمیم نے گرام سبھا کا بدل گرام سنسد کو قرار دیا ہے اس کے ذمہ بے شمار فرائض ہیں۔ مثلاً معاشی ترقی اور سماجی انصاف سے متعلق اسکیموں کے سلسلے میں گرام پنچایت کی رہنمائی کرنا، اسے صلاح و مشورے سے نوازنا، شناخت یا مختلف غریبی دشمن پروگراموں کے تحت مستفیض ہونے والے کی استناجت کے اصولوں کی تشکیل کرنا، فرقہ کی رفاہ کے لئے عوامی شرکت کو متحرک کرنا وغیرہ وغیرہ۔ گرام پنچایت کو سنسد کی نشست میں گرام پنچایت کا بجٹ گزشتہ برس کے دوران کئے گئے کام کاجوں پر رپورٹ اور آنے والے سال میں کیا کیا کام کئے جائیں گے اس کی تفصیل پیش کرنا ہوتی ہے۔

گرام کے علاقہ سے وابستہ الیکٹرل رول میں درج شدہ اشخاص پر مشتمل ہر گاؤں میں ایک گرام سبھا کا وجود ہوتا ہی ہے گرام سنسدوں کے نصف سالہ نشستوں کی تکمیل کے بعد اس کی سالانہ نشست ہوتی ہے۔

حالیہ ترمیم نے ضلع پریشد میں اراکین کی سب سے کثیر تعداد والے اپوزیشن میں کی اپ سیاسی جماعت کے رہنما کی چیئرمین شپ میں پنچایتوں کے سلسلے میں دستور کے لئے گنجائش رکھی ہے۔ اپنے دائرۂ عمل میں رہتے ہوئے یہ پنچایتوں کے حساب و کتاب کی جانچ کرے گا۔ قانون ساز مجلس میں جیسا کہ ہوتا ہے ویسے ہی یہ ایک قسم کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی ہے۔

دو برسوں کے وقفہ کے دوران دو مرتبہ کی گئی بڑی ترمیموں کی دیگر خصوصیات میں (الف): خواتین کے لئے نشستوں کا ریزرویشن، (ب): چیئرپرسنوں کے دفتر کا ریزرویشن، (ج): ریاستی مالی کمیشن کا دستور، (د): تمام درجوں/سطحوں پر پنچایت اداروں کو اپنے بجٹ اور ذیلی قوانین کو منظور کرنے کے اختیار

عطا کرنا، (ہ): گرام پنچایت سطح پر اختیارات کی سپردگی اور (و): باقاعدگی کے ساتھ وقفوں پر انتخابات کا انعقاد شامل ہیں۔

فی الحال مغربی بنگال سلف گورنمنٹ کے اداروں کی حیثیت سے پنچایتوں کی ترقی پر زور ڈال کر سہ درجاتی پنچایتوں کی جانب پیش رفت کر رہا ہے۔ پنچایتیں دیہی ترقی کے آلات کے طور پر فتح و کامرانی کے ساتھ نمودار ہو رہی ہیں۔ ان اداروں نے غریبی دشمن پروگراموں پر عمل درآمد میں قابلِ تحسین اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بہرکیف یہ ادارے وسائل اکٹھا کرنے میں توقعات پر پورے نہیں اترے ہیں۔ اصلاحاتِ آراضی اور آہنی سیاسی عزم کے پیدا کردہ خارجی حالات امید کی جاتی ہے کہ پنچایتوں کو سلف گورنمنٹ کے اداروں کی حیثیت سے ابھرنے میں تعاون دیں گے۔

یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں پنچایت نظام کے توسط سے ایک نئی زندگی پائی ہے۔ مغربی میں دوسری نسلی پنچایتوں نے اپنی جانب عالموں، سیاست دانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ملک میں ایک نئی جہت کا جھنڈا گاڑا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کرناٹک، آندھرا پردیش اور کیرالا کی طرح دیگر ریاستوں میں دوسری نسلی پنچایتیں بار بار حکومت بدل جانے کے سبب مسائل سے دوچار ہیں لیکن مغربی بنگال اس میدان میں نئی نئی اختراع اور طرزِ نو کے ذریعہ پیش رفت کر رہا ہے۔ آہنی سیاسی عزم اور اصلاحاتِ آراضی کے ذریعہ خارجی بنیادوں کی تشکیل ہی وہ اسباب ہیں جنھوں نے اسے ممکن کر دکھایا ہے۔ اصلاحاتِ آراضی، مضبوط کسان تحریک اور عوام کی سیاسی بیداری دیہی بنگال میں قیادت کی طبقاتی تشکیل اور خارجی حالات میں قابلِ ذکر انقلاب لانے کا باعث بنی ہیں۔

لیٹن کے قول کے مطابق:-

”حقارت آمیز موقوفی اور ان کو الیفائڈ دعوی کے دو حدوں کے درمیان رواں کوئی غیر جانبدار مشاہدہ کرنے والے کو یہ بات ماننے کے لئے پہلے ہی سے تیار رہنا ہوگا کہ مغربی بنگال میں پنچایت نظام نے اپنی بہت اچھی کارکردگی دکھائی ہے اور کامیابی کا سہرا بائیں محاذ حکومت کے سر جاتا ہے۔“

وبسٹر کے مطابق:-

”مغربی بنگال میں پنچایت راج نے ملک کی دیگر ریاستوں سے آگے نکل کر ایک متبادل راہ کی گنجائش پیدا کی ہے۔“ (اقتباس: پرجات و پنچایتی بھارتیہ)

بائیں محاذ کی

ثابت قدمی اور ترقی کے اٹھارہ سال

مغربی بنگال میں بایاں محاذ حکومت اٹھارہ سال سے بھی زائد عرصہ سے اقتدار میں رہی ہے۔ ملک میں اس طرح کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی ہے لیکن اقتدار میں رہنا ہی اس کا نصب العین نہیں ہے بلکہ ہمہ وقت عوام کے ساتھ رہنا ہی اس کا عین مقصد ہے اور اسی کے ساتھ منزل مقصود کی جانب بڑھتے رہنے کے سبب ہی مغربی بنگال کی بایاں محاذ حکومت ثابت قدمی اور استحکام کی ایک سے نظیر پیش کر پائی ہے۔ بایاں محاذ حکومت عوام کے ہمراہ دو مثبت نظریوں عوام پسند ذہنیت کی افزائش اور جمہوری جواب دہی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ریاست میں بائیں محاذ حکومت کی موجودگی اور روز بروز عوام کی جانب سے بڑھتی ہوئی حمایت اس حقیقت کا مبیّن ثبوت ہے۔ ملک کے مختلف حصے میں اور مختلف سطح پر عدم استحکام اور بے یقینی جب ہماری فکر اور پریشانی کو بہت بڑھا رہی ہے، ایسی صورت حال میں ہمارا مغربی بنگال ہمہ جہت ترقیات میں مستغرق ہو کر کامیاب کوششوں کے ذریعہ آئندہ صدی کے خیر مقدم کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی کامیابی تین باتوں (۱) صاف ستھرے نظریے (۲) پروگرام اور (۳) ان پروگراموں کی کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کی بنیاد پر قائم ہے۔ گذشتہ اٹھارہ برسوں سے زائد عرصے کے دوران اس ریاست میں جمہوری طریقہ کار کو ٹھیک ٹھیک طور پر روبہ عمل لایا گیا ہے۔ سرکاری کام کاج میں عوام کی شمولیت اور ان کی شمولیت کے علاقوں کی توسیع کی جا سکی ہے۔ جمہوریت سازی اور اقتدار کی لامرکزیت کے معاملہ میں ایک پس منظر تیار کرنا ممکن ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بایاں محاذ حکومت صرف پورے ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں کے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا پائی ہے۔

ساتویں دہائی کے تاریک ترین دنوں کے دوران پارلیمانی جمہوریت کے وقار کی از سر نو تشکیل کے مطالبہ میں اور نیم فاشسٹ دہشت گردی کے خلاف سخت عوامی جد و جہد کے بعد ہی بائیں محاذ حکومت وجود میں آئی ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد بائیں محاذ حکومت نے ہنگامی حالات سے پیدا شدہ مسموم ماحول عوام اور انتظامیہ کو جتنی جلد ممکن ہو سکا نجات دلانے کی کوشش کی۔ سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا۔ اخبارات و رسائل کی آزادی جو سلب کی جا چکی تھی اسے دوبارہ بحال کیا جا سکا۔ جمہوری تحریکوں پر پولس کے ظلم و ستم کا سلسلہ ختم ہوا۔ بغیر شنوائی کے قیدیوں کو زیر حراست رکھنے کی پالیسی کو باطل قرار دیا گیا۔

بائیں محاذ حکومت نے شروع سے ہی اس ریاست میں جمہوری ثقافت کے بنیادی اصولوں کی توسیع پر زور دیا ہے۔ بد عنوانی اور قائم مفاد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے کے سلسلہ میں یہ ایک اہم ضمانت ہے۔ ملک کی حالیہ صورت حال کے پیش نظر مذکورہ باتوں کے لامحدود مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔

جہاں تک استحکام کے ماحول کا تعلق ہے، مغربی بنگال ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی ایک صاف ستھری مثال پیش کرتا ہے اگرچہ کوئی کوئی فرقہ پرست، بنیاد پرست جماعت اس ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاہم ریاست کے سیکولر اور جمہوریت پسند عوام ریاستی حکومت کے دوش بدوش آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ملک کی حالیہ صورت حال میں سیکولر اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سلسلہ میں یا کسی بھی طرح کی علیحدگی پسندانہ کوششوں کے سامنے جس طرح یہ ڈھال بنی کھڑی ہے یہ اپنی جگہ ایک نہایت ہی اہم بات ہے۔ پورے ملک میں امن اور ہم آہنگی اور بھائی چارگی کے معاملہ میں مغربی بنگال ایک درخشندہ کی مانند ملک کے آسمان پر روشن ہے۔

نظم و نسق کی صورت حال کے سلسلہ میں مغربی بنگال کی صورت حال

11

زراعت

بائیں محاذ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد سے ہی ٹھیک ٹھیک اقدامات کئے جانے کی وجہ سے زراعت کے میدان میں مغربی بنگال اول مقام پر پہنچ گیا ہے۔ غلّے کی پیداوار میں اضافے کے معاملہ میں مغربی بنگال سرفہرست ہے۔ مرکزی حکومت کے فراہم کردہ جائزے کے مطابق (معاشی جائزہ برائے ۹۲-۱۹۹۱ء، مرکزی حکومت) ریاستی غلّے کی پیداوار کے اضافے کی شرح ۴۴ فیصد ہے۔ ہریانہ کے سلسلہ میں یہ شرح ۲۴ فیصد اور پنجاب کے سلسلہ میں ۲۳ فیصد ہے۔ فی ہکٹائر کے مطابق پورے ملک میں غلّہ کی پیداوار میں مغربی بنگال سرفہرست ہے۔ فاقہ سے مرنے کی بات آج قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ قدرتی آفات کے دوران بھی آج دیہی افراد روزی روٹی کی تلاش میں شہر کی جانب چلے آنے پر مجبور نہیں ہوتے ہیں۔

اصلاحاتِ آراضی

اصلاحاتِ آراضی کے میدان میں بھی بائیں محاذ حکومت کے غیر معمولی کارناموں کو بیرونی ممالک کے محققوں نے تسلیم کیا ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی اصلاحات آراضی کے پروگرام کا بنیادی مقصد زمیندارانہ اور نیم زمیندارانہ نظام کو ختم کرنا ہے۔ ریاستی حکومت کی کل دیہی ترقیاتی پالیسی کے عمل درآمد میں ان اصلاحات آراضی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مختصر بات یہ ہے کہ سیلنگ کے باہر قطعات آراضی سے حاصل کردہ آراضی کو بے زمین لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے کے سلسلہ میں بائیں محاذ حکومت نے ایک ریکارڈ قائم کیا ہے۔ تقریباً دس لاکھ ایکڑ قطعات آراضی بے زمین لوگوں کے درمیان تقسیم کئے گئے ہیں۔ برگہ ریکارڈ کے سلسلہ میں بھی بایاں محاذ حکومت کی کامیابی مسلمہ ہے۔ ۱۹۹۵ء کے دسمبر تک رجسٹرڈ برگہ داروں کی تعداد ۱۴ لاکھ اور ۴۶ ہزار تھی۔ عملی طور پر زرعی میدان میں جو کامیابی ملی ہے وہ اصلاحات آراضی کا رہینِ منت ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران مغربی بنگال کے دیہاتوں میں جہاں لوگ ۵۸٫۲۳ فیصد غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہے تھے اور اب ۸۸-۱۹۸۷ء کے دوران مذکورہ شرح ۴۰٫۱۲۵ فیصد ہو گئی ہے۔ فطری طور پر اس ترقی کے دوران

اٹھارہ برسوں کے دوران سارے ملک کے سامنے ایک نظیر بنی ہوئی ہے۔ جو لوگ اس امن و امان کو بھنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حکومت مغربی بنگال ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے اپنے عہد کی پابند ہے۔ حال ہی میں چند حلقوں کے لوگوں نے انسانی حقوق کے سوال کو اٹھا کر حکومت مغربی بنگال کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی گرچہ اس طرح کی سرگرمیاں صرف ارادی ہی نہیں ہیں بلکہ اس عمل سے انسانی حقوق جیسے ضروری اور اہم موضوع کو بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے۔ سماجی، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں بنیادی سوالوں کو چھوڑ کر انسانی حقوق کو جزوی طور پر اور توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بایاں محاذ حکومت انسانی حقوق کی توسیع کے لئے پابند عہد ہے۔ اس سلسلہ میں قومی انسانی حقوق کمیشن نے ریاستی حکومت کے نظریۂ خیال کی ستائش کی ہے۔ صرف انسانی حقوق ہی نہیں بلکہ لوگوں کے تمام اقسام کے حقوق کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں اور اس میں وسعت پیدا کرنے کے معاملہ میں بھی بایاں محاذ حکومت اپنے آپ میں ایک ضمانت کی مثال بن کر کھڑی ہے۔

کامیابی کا سنگِ میل

اس پس منظر کے پیش نظر بایاں محاذ حکومت ۱۹۷۷ء سے مغربی بنگال کے عوام کی ہمہ جہت ترقی کے لئے کام کرتی چلی آ رہی ہے۔ سیاسی دیانتداری کو ساتھ لے کر یا ترجیحی بنیاد پر جو پروگرام ریاستی حکومت نے تیار کیا ہے وہ پورے ملک میں ایک نظیر ہے۔ محدود اختیارات کے اندر رہ کر جہاں کہیں بھی اس سلسلہ میں کوئی گنجائش باقی رہتی ہے اسے اپنا کر بایاں محاذ حکومت پیش رفت کے لئے راستہ بنا لیتی ہے مثلاً اصلاحات آراضی پر عمل درآمد کرنا، زرعی پیداوار کی افزائش کی ہمت افزائی کرنا، میونسپلٹیوں اور پنچایتوں کے اختیارات کو لامرکوز بنانا اور مذکورہ اداروں کو ترقیاتی کاموں میں شامل کرنا، انتظامیہ کو استعمال میں لا کر محنت کش لوگوں کی جدوجہد کے خلاف کارروائی کرنے کے سلسلہ کو ممکنہ حد تک روکا جانا جیسے جمہوری حقوق کے فروغ کو اور محدود ذرائع کو استعمال میں لا کر چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کو بڑھاوا دیا گیا ہے۔

سب سے زیادہ مستفید ہونے والوں میں غریب تر طبقہ خصوصاً شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب طبقہ ہے۔ مغربی بنگال کے کل قطعات اراضی کے ستر فیصد اراضی پر چھوٹے اور حاشیائی کاشتکار اور برگہ دار کاشتکاری کرتے ہیں۔ پورے ملک میں ان کی شرح ۲۹ فیصد ہے۔

پنچایت

دیہاتوں میں سہ درجہ پنچایتی نظام کو علیحدہ کر کے دیہی عوامی زندگی میں یہ ہمت جہت ترتیب دینے کا عمل ناممکن تھا۔ اس نظام کو پورے ملک میں ایک کامیاب نظیر کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ بائیں محاذ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد چاروں پنچایت انتخابات میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جمہوریت کو کس طرح بالکل نچلی سطح تک لے جایا جا سکتا ہے۔ ۱۹۹۳ء کے دوران پنچایت کا انتخاب خواتین، شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کی نشستوں کی ریزرویشن کی بنیاد پر ہوا۔ پنچایت کے کام کاج میں بالخصوص خواتین کی شرکت سے ایک نئی جہت سامنے آئی ہے۔ پنچایت کے کام کاج کو مزید صاف ستھرا بنانے کے لئے عوام کے سامنے پنچایت کے حساب وکتاب پیش کرنے کی بات کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ہر ترقیاتی کام سے جو مستفید ہوں گے انھیں لے کر ایک نگراں کمیٹی کی تشکیل کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ منصوبے کی ترتیب اور ان پر عمل درآمد، وسائل کی حصولی اور اس کی تقسیم کی ذمہ داری کو بالکل نچلی سطح تک لے جایا جا سکا ہے۔ یہاں یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مغربی بنگال میں جماعتی و سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی بھید بھاؤ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ضرورتوں کی جانچ پڑتال یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ ہوتی ہے اور اسی کے مطابق پنچایتوں کو ریاستی حکومت سے مختلف سطح پر فنڈ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خواندگی، جنگلات کے تحفظ اور صحت عامہ کی تحریکوں کے معاملہ میں بھی عوام دوست پنچایتی انتظامیہ کے بل بوتے پر ہی ریاست کو بہترین کامیابی حاصل ہو سکی ہے۔

شہری ترقی

شہری ترقی کے معاملہ میں بھی محدود اختیارات کے ہوتے ہوئے بائیں محاذ حکومت کی کامیابی

کی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ (۱) اوّل یہ کہ منصوبہ بند طریقہ سے میونسپلٹیوں کی تشکیل (۲) دوئم یہ کہ مردہ میونسپل انتظامیہ کو نئی زندگی بخشنے کے لئے قانون تشکیل دینا اور باقاعدگی کے ساتھ انتخاب کا بندوبست کرنا۔ اس معاملہ میں ایک تقابلی جائزہ پیش کرنا ضروری ہے۔ جیسے آزادی کے بعد تیس برسوں کے دوران مغربی بنگال میں صرف اٹھارہ میونسپلٹیوں کی تشکیل ہو پائی تھی اور اٹھارہ برسوں کے دوران سے بائیں محاذ حکومت نے انتیس ۲۹ نئی میونسپلٹیوں کی تشکیل کی ہے۔ اسی دوران ہوڑہ، سلی گوڑی، آسنسول وغیرہ کا رتبہ بڑھا کر ان کو میونسپل کارپوریشن کر دیا گیا ہے۔ درگاپور کے سلسلہ میں بھی اس طرح کی کوشش زیر عمل لائی گئی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ بایاں محاذ حکومت صرف میونسپلٹیوں کی شرح ہی تیزی سے بڑھا رہی ہے بلکہ میونسپلٹیوں کی حدیں بھی بڑھائے گئے ہیں اور میونسپلٹی انتظامیہ کے ہاتھ میں خاطر خواہ اختیارات بھی دیئے گئے ہیں لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ اس کا اصل مقصد ترقی ہے۔

آزادی کے بعد بھی ۷۷-۱۹۷۶ء تک میونسپلٹی کے فروغ کی کیسی بری حالت تھی اس کا اندازہ اس کے لئے مختص رقم سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس دوران کلکتہ کے لئے فی کس ترقیاتی اخراجات تھے ۶۱ روپئے ۵۴ پیسے، سی ایم ڈی کے علاقے میں شامل میونسپلٹی علاقہ کے لئے ۱۹ روپئے ۸۸ پیسے اور سی ایم ڈی کے علاقہ سے باہر دیگر علاقوں کے لئے صرف ۸۷ پیسے اور ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران بشمول کلکتہ سی ایم ڈی علاقہ میں شامل علاقوں میں فی کس ترقیاتی اخراجات ۱۱۲ روپئے اور سی ایم ڈی علاقہ سے باہر کے علاقہ میں ۱۰۱ روپئے تھے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ حکومت ترقی کے ان نتائج کو غریب سے غریب تر لوگوں تک پہنچا دینا چاہتی ہے اسی لئے شہری ترقی کے نام پر بستیوں کو ہٹایا نہیں جا رہا ہے بلکہ بستیوں کی ترقی پر ہی مناسب طور پر توجہ دی جا رہی ہے۔

توانائی

سب جانتے ہیں کہ مغربی بنگال ابھی توانائی کے معاملہ میں سرپلس (فاضل مقدار والی) ریاست ہے۔ دارالسلطنت دہلی کے ساتھ ساتھ ایک سے زائد پڑوسی ریاستوں کو ضرورت پڑنے پر مغربی بنگال توانائی کی فراہمی کرتا ہے۔ مرکزی حکومت کے عدم تعاون،

یہاں تک کہ کئی بار امتیازی سلوک کرنے کے باوجود منصوبہ بند طریقے سے لگاتار اقدامات اٹھانے کے نتیجہ میں یہ ترقی کی حصولی ممکن ہو پائی ہے۔ موجودہ مرکزی حکومت نے جب کبھی نجی کاری اور توانائی کا محصول بڑھانے کے لئے دباؤ ڈالا ہے۔ تب تب اپنے محدود وسائل کے باوجود ریاستی حکومت نے بڑے پیمانے پر دیہی بجلی کاری اور صنعتوں کے لئے بجلی کی سپلائی بڑھانے کی کوششوں کو جاری رکھا ہے۔

تعلیم و ثقافت

گذشتہ اٹھارہ برسوں کے دوران ریاست میں تعلیم کے میدان میں بے مثال ترقی ہوئی ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۹۷۷ء کے قبل تعلیم کے میدان میں جو بدعنوانی پھیلی ہوئی تھی بائیں محاذ حکومت نے اسے دور کر کے تعلیم کے لئے ایک موافق ماحول تیار کیا۔ اسکول کالج میں غنڈہ گردی و شرپسندی ختم ہوئی۔ اب امتحانات باضابطہ طور پر ہو رہے ہیں۔ امتحانات ختم ہونے کے تھوڑے دنوں کے اندر نتائج کا اعلان کر دیا جا رہا ہے۔ ٹیچروں کو باضابطہ طور پر تنخواہیں مل رہی ہیں۔ آسامیوں کی بھرتی کے معاملے میں صحت مند پالیسی بنائی گئی ہے۔ درسگاہوں میں باقاعدگی سے پڑھائی چل رہی ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں بائیں محاذ حکومت نے جو عوام دوست نظریہ اپنایا ہے اس کا اصل مقصد تعلیم کو جمہوری بنانا اور اس کی توسیع کرنا ہے۔ گذشتہ اٹھارہ برسوں کے دوران قائم مفاد کے اختیارات کو دور کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے ہیں۔ ہائر سکنڈری سطح تک تعلیم مفت ہو گئی ہے۔ پرائمری سطح پر طالب علموں کو مفت کتابیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ بنگلہ، ہندی اور اردو اکاڈمیاں قائم کی گئی ہیں۔ آج جب مرکزی حکومت نجی کاری کے نام پر بڑے سرمائے کو زیر اختیار لا کر تعلیم کے معاملہ میں تفریق کو بڑھاوا دینے کی کوشش کر رہی ہے ایسے میں ریاستی حکومت محدود مالی اختیارات کے اندر رہ کر تعلیم کی سہولتوں کی توسیع کے لئے سرگرم ہے۔ مغربی بنگال کی ریاستی بجٹ میں ۲۶ فیصد رقم تعلیم کے لئے مختص کی گئی ہے۔ یہ شرح ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ ریاستی حکومت نے گذشتہ ۱۸ برسوں کے دوران بجٹ کی مختص رقم میں ۱۸ گنا اضافہ کیا ہے۔

حالیہ برسوں میں خواندگی تحریک کو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اسے بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ عوامی خواندگی مہم کے نتیجے میں ریاست میں شرح خواندگی ۱۹۹۱ء کے ۵۷.۷۰ فیصد سے بڑھ کر ۶۹.۴۰ فیصد ہو گئی ہے

ریاستی حکومت نے موجودہ صنعتی ترقی کے جزو کے طور پر ٹکنکی تعلیم کی توسیع کے لئے خصوصی اقدامات کئے ہیں۔ خاص طور پر ضلع ضلع میں اس تعلیم کی سہولتوں کو ممکنہ حد تک پھیلا دینے کی کوشش جاری ہے۔

غیر صحت مند ثقافت کے خلاف مسلسل جدوجہد میں اور صحت مند ثقافت کی توسیع کے حق میں حکومت کا قابل فخر کردار رہا ہے۔ دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں ثقافتی چرچے اور اس کی توسیع کے لئے بائیں محاذ حکومت کی متواتر کوشش رہی ہے۔ مختلف فرقہ پرست اور تفریق پسند قوتوں کے خلاف کثرت میں وحدت کے تصور میں مستغرق ثقافت کو بڑھاوا دینے کے سلسلہ میں یہ حکومت یقیناً کامیابی کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

صنعتی ترقی کے میدان میں ایک نئی لہر

صنعتی سیکٹر میں ریاست کے گمشدہ وقار کو بحال کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت کی حالیہ برسوں کی سرگرم کوششوں نے ہندوستانی اور بیرونی ممالک کے متعلقہ حلقوں کو راغب کیا ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے مرکزی حکومت کی ملک دشمن پالیسی کے خلاف احتجاج و تحریک کے ساتھ ساتھ ریاست کی ترقی کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا ہے۔ جسے صنعت کاری کے لئے ایک متبادل طریقہ کار کہا جا سکتا ہے۔ مختلف حلقوں کی جانب سے اس کوشش کے خلاف غلط پرچار کتنا ہی کیوں نہ ہو، ہر کوئی جانتا ہے کہ مرکزی حکومت کی مسلسل اور لامنتہا محرومیوں کی وجہ سے مغربی بنگال اور مشرقی ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے بڑے اور متوسط صنعتی سیکٹروں میں گذشتہ تین دہائیوں میں کوئی افزائش نہیں ہو پائی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ۱۰۰ کو شرح پیداوار مان کر ۱۹۶۵ء میں مغربی بنگال کی سالانہ شرح پیداوار ۱۲۶.۳ تھی جو ۱۹۷۵ء میں گھٹ کر ۱۰۴.۲ ہو گئی۔ کرائے کی مساوی پالیسی اور صنعتی لائسنسنگ پالیسی کو بروئے کار لا کر مغربی بنگال اور مشرقی خطہ کو محروم رکھا گیا ہے۔ ریاست مرکز کی

مایہ کاری سے پوری طرح محروم رہی ہے۔ مرکزی حکومت کی پیدا شدہ مسلسل
لی کے باوجود نیز عزت مآب وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے لفظوں میں
زی حکومت کی پیدا کردہ "معاشی بندشوں" کا مقابلہ کرتے ہوئے بایاں
اذ حکومت حالات میں بہتری لانے کے لئے کوشاں ہے۔ اس کے نتیجے
۱۰۰ کو بنیاد مان کر ۱۹۹۵ء میں صنعتی پیداوار کے تناسب کی شرح عشاریہ
ہلے کے اوپر ٹھہری ہے۔ بائیں محاذ کی دلی کوششوں کے نتیجے میں نجی سرمایہ
ری میں قابل ذکر حد تک اضافہ ہوا ہے۔ مغربی بنگال اس سلسلہ میں
راشٹر کے بعد دوسرے مقام پر ہے۔

بائیں محاذ کی اپنائی گئی دیہی ترقیاتی پروگراموں نیز اصلاحات
اضی کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لانے کے نتیجے میں تمام رکاوٹوں کے
جود ریاست میں صنعت کاری کے لئے ایک مستحکم بنیاد قائم ہوئی
۔ بائیں محاذ حکومت اس بات کو مان کر چلتی ہے کہ مغربی بنگال میں
نعت کاری کی کوشش بھی ایک جدوجہد ہے۔

مرکز کی صنعتی پالیسی اور مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی صنعت
ری طریقہ کار کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ فرق ہے تو انداز فکر میں۔
ر کسی کو معلوم ہے کہ بایاں محاذ حکومت موجودہ مرکزی حکومت کی نئی
اشی پالیسی کی مخالف ہے۔ مغربی بنگال میں صنعت کاری کا یہ طریقہ کار
زی ہدایات کی تقلید میں نہیں ہے۔

۱۹۹۴ء میں ریاستی قانون ساز اسمبلی میں عزت مآب
یر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مغربی بنگال میں صنعت کاری کے مسئلہ پر
پالیسی اسٹیٹمنٹ (مطمع نظر) پیش کیا تھا اس میں واضح طور پر بتا دیا
یا تھا کہ بائیں محاذ حکومت کی صنعت کاری کی مہم کا مقصد عام لوگوں
سماجی معاشی حالت میں بہتری لانا ہے۔ اس مہم کا مقصد خود کفالت
، تصور کو اہمیت دیتے ہوئے اور ایک معاشی توازن کو حاصل کرنا بھی
، چھوٹے اور امداد باہمی اداروں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے صنعتی
یکٹر میں بلا روک ٹوک نجی کاری کی غلط پالیسی کے خلاف مقابلہ کرتے ہوئے
رول نیز محنت کشوں اور دیگر متعلقین کے تعاون سے ان کے صحیح موقوعات
نقصان نہیں پہنچاتے ہوئے، ریاستی حکومت آگے بڑھ رہی ہے۔ بایاں محاذ
ومت کافی جدوجہد اور جانفشانی کے بعد حاصل کئے گئے محنت کش عوام
حقوق کو دبانے کی کسی طرح کی بھی کوشش کو اپنی پوری طاقت سے ناکام بنا دیگی۔

عوام کا اعتماد ہی ہماری قوت ہے

آج اس بات کو یاد رکھنے کی ضرورت
ہے کہ آزادی کے بعد سے ہی عوامی سیکٹروں کو اہمیت دیتے ہوئے معاشی
پالیسی مرتب کی گئی تھی گذشتہ چار پانچ برسوں کے دوران ایک ماہیتی تبدیلی
دیکھی جا رہی ہے۔ یہ تبدیلی یقیناً ایک منفی تبدیلی ہے اور یہ عام لوگوں کے
مفاد کے خلاف ہے بمشکل سے حاصل کی گئی ملک کی سیاسی۔ معاشی خود کفالت
کے لئے بھی یہ خطرناک ہے اس پالیسی کے بہانے عوامی سیکٹروں میں بھاری
کٹوتی کی گئی ہے۔ روزگار کے مواقع کافی حد تک کم کر دیئے گئے ہیں جبکہ
افراط زر، غریبی اور معاشی نابرابری میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ معاشی
محدودیت کا بہانہ دکھا کر بیرونی کثیر اقوام کو ہندوستانی معیشت کے
سیکٹروں میں لایا جا رہا ہے جبکہ ملکی ٹکنالوجی اور مشینری کو استعمال میں
لانے سے کافی کم لاگت آئے گی۔ اس طرح نام نہاد مقابلہ کے نام پر مسائل
سے پریشان محنت کش طبقہ کو مزید قربانی دینے کے لئے کہا جا رہا ہے۔
یہ کہنا بھی غیر ضروری ہے کہ معیشت کے معاملہ میں صحت مند کنٹرول اور نگرانی
کی ذمہ داری سے بری ہونے کے نتیجے میں ملک کی اعلیٰ سطح پر بدعنوانی کے
لئے راہ کھل گئی ہے۔

مرکزی حکومت کی نئی پالیسیوں کے نتیجے میں اب ریاستوں اور مرکز کے درمیان
اختیارات کے توازن میں بھی تبدیلی مزید واضح ہو گئی ہے۔ عوامی سیکٹر میں
بنیادی سہولتوں کی ترقی اور مرکز کی جانب سے مختص کردہ رقم میں کٹوتی کے
سبب ریاستی حکومتوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مرکزی
حکومت کی جانب سے بھاری دباؤ ڈالا جا رہا ہے اس سے مرکز۔ ریاست
تعلقات بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت پہلی ریاستی حکومت ہے جس نے
جولائی ۱۹۹۱ء میں مرکز کو ایک متبادل معاشی پالیسی پر مبنی دستاویز
پیش کیا لیکن مرکزی حکومت اس معاملہ میں مناسب طور پر کوئی بات چیت
بھی نہیں کی

ایسی صورت حال میں پورے ملک کے بحران کا عکس مغربی بنگال پر
بھی پڑ رہا ہے کیونکہ مغربی بنگال کوئی آزاد ریاست نہیں ہے۔ سارے ملک
کی معاشی کثافت کی رو سے اس ریاست کا پورے طور پر بچے رہنا حقیقی
معنوں میں ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں اور سخت رکاوٹوں کے برخلاف مرکزی حکومت کی تخریب پسند پالیسیوں کا ممکنہ حد تک مقابلہ کرتے ہوئے اور خودکفالت نیز فلاحی پالیسی پر زور دیتے ہوئے متوازن معاشی موقف تک پہنچنے کیلئے ہمیں اپنی کوششوں کو آگے لے جانا ہوگا۔ مغربی بنگال کی بایاں محاذ حکومت آج قومی سطح پر متبادل معاشی پالیسی کو رکھ کر حب الوطنی کی روشن مثال پیش کرتی ہے۔ بایاں محاذ حکومت خودکفالت کیلئے مضر رساں مرکزی پالیسیوں کے خلاف محب الوطن عوام کو یکجٹ کرنے میں ایک عظیم کردار ادا کررہی ہے۔

تاہم گذشتہ اٹھارہ برسوں سے زائد عرصہ کے دوران بائیں محاذ حکومت کے زیر قیادت مغربی بنگال میں قابل ذکر ترقی لانے کے باوجود خود۔ اطمینانی کی کوئی گنجائش نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلوب منزل مقصود ابھی بھی دور ہے۔ بایاں محاذ حکومت عوام سے کچھ بھی چھپانے کی پالیسی پر یقین نہیں رکھتی ہے۔ موجودہ ریاستی ساخت میں محدود سہولتوں کو استعمال میں لاکر عوام کے لئے جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے ہمیں کام کرنا ہوگا۔ ہمارے عزت مآب وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے باربار یاددہانی کرائی ہے کہ ہمیں عوام کی بات انکساری کے ساتھ سننی ہوگی جو کام نہیں کیا جاسکا، کیوں نہیں کیا جاسکا، عام لوگوں کو بتانا ہوگا۔ بایاں محاذ حکومت جھوٹے وعدوں کی سیاست پر یقین نہیں رکھتی کیونکہ یہ جمہوریت کے لئے باعث ذلّت ہے۔

دوسری طرف ریاست میں کچھ رجعت پسند حلقے عوام کی حمایت نہیں پاکر ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ مغربی بنگال کی ترقیاتی سرگرمیوں کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ وہ واپس لانا چاہتے ہیں ان اندھیروں میں پروردہ کالے دنوں کو۔ عوام ان کے اصل روپ سے واقف ہیں، اس لئے ان کے گمراہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔

بایاں محاذی حکومت عوام کو ساتھ لیکر آگے بڑھے گی۔ بایاں محاذ حکومت عوامی حمایت اور اعتماد پر ہی پورا بھروسہ رکھتی ہے۔ •●•

ماہی پروری کی سائنس یونیورسٹی کا افتتاح

ریاست صنعت کاری سے ہم آہنگ کرنے کیلئے تکنکی تعلیم پر خصوصی زور دے رہی ہے۔ بھٹاچاریہ

شری بدھادیب

ریاستی وزیر اطلاعات وثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے گذشتہ ۳۰ جنوری کو چک گوڑیا میں (ماہی پروری کی سائنس یونیورسٹی اور فیش پروسیسنگ سنٹر کا سنگ بنیاد رکھا۔ ان عمارتوں کی تعمیر ستیہ جیت رائے ملم انسٹی ٹیوٹ سے ملحق ۲۲ ایکڑ قطعات آراضی پر ہوگی۔

وزیر موصوف کے علاوہ وزیر ماہی پروری شری کرن موئے سندا، وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی، کلکتہ کارپوریشن کے ایم آئی سی شری کانتی گانگولی اور علاقائی ایم ایل اے شری بدھیشور منڈل نے بھی ان تقریبات میں شرکت فرمائی۔ آخر میں وزیر اطلاعات نے ۴۰ کسانوں کو جن سے مذکورہ مقصد کے لئے قطعات آراضی حاصل کئے گئے تھے، "ارپن پتر" تقسیم کئے گئے۔

وزیر اطلاعات وثقافتی امور اس موقع پر منعقدہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت اپنے محدود مالی گنجائش کے

باوجود ریاست میں صنعت کاری کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے تکنکی تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ بیرونی بازار میں مچھلیوں کی زبردست مانگ کے تحت اس کی پیداوار کو بڑھانا ہوگا۔ وزیر موصوف نے امید ظاہر کی کہ فیشری سائنس یونیورسٹی اور فیش پروسیسنگ سنٹر سے اس مقصد کو پورا کرنے میں مدد ملے گی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس کی برآمدات کو بڑھا کر زیادہ سے زیادہ بیرونی زر مبادلہ میں اضافہ کیا جاسکے گا۔

وزیر ماہی پروری شری کرن موئے نندا نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ریاستی حکومت نے آئندہ ستمبر سے اس یونیورسٹی میں کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ یہ یونیورسٹی آئندہ قریب میں ملک میں ایک مثال قائم کرے گی۔

انھوں نے کہا کہ مغربی بنگال نے مچھلیوں کی پیداوار میں ایک نظیر قائم کی ہے۔ ہر سال برآمدات کے ذریعہ بیرونی زر مبادلہ سے ۲۵۰ کروڑ روپے حاصل کئے جا رہے ہیں۔ ریاست میں مچھلیوں کی پیداوار کو سامنے رکھ کر نئے روزگار کے مواقع پیدا کئے گئے ہیں۔ •

اوپر :- وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو گذشتہ ۲۷ فروری کو بدھان نگر سب ڈویژنل کورٹ کی انتظامیہ بلڈنگ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے۔
نیچے :- وزیراعلیٰ موصوف اسی دن بدھان نگر میونسپل بلڈنگ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے۔ تصویر میں بائیں سے شری سبھاش چکرورتی، شری بنوئے چودھری اور شری اشیم داس گپتا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
March 1, 1996

REGD No WB/CC-596
Vol No 43 Issue No 5
Price 50 Paise

ہم اٹھارہ برسوں سے عوام کے ساتھ ہیں

حکومت مغربی بنگال

Chief Editor Tarun Bhattacharya, Asst Editor Md Mustaf... Government of West Bengal and Printed by Basumati Corp...
...hed by the Information & Cultural Affairs Dept of ... 166, Bipin Behari Ganguly Street Calcutta 700012

پندرہ روزہ کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۳ ★ ۱۵ مارچ ۱۹۹۶ء ★ شمارہ نمبر ۶

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون: محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ: دس روپئے ۔ نصف سالانہ: پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۸۲ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ۔۷۰۰۰۰۱

● پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفترِ ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext. 710

ریاستی اسمبلی کے پہلے سیشن سے گورنر کا خطاب

مغربی بنگال میں امن و امان کی صورت حال تشفی بخش رہی ہے

ریاست میں امن و امان کی صورت حال ۱۹۹۵ء کے دوران تشفی بخش رہی ہے۔ میری حکومت پولس کے ذریعہ بروقت مداخلت، مناسب اور بروقت تفتیش اور مجرموں کے مقدمات پر زور دیتی ہے۔ ریاست میں پولس فورس کی جدت کاری کے لئے عملی اقدامات کئے گئے ہیں۔ ریاست میں فرقہ وارانہ صورت حال پرامن رہی ہے۔ اقلیتوں کی ترقیاتی کارپوریشن کی تشکیل کے لئے ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں اور یہ امید کی جاتی ہے کہ یہ کارپوریشن جلد کام کاج شروع کردیگا۔

اس سال کے دوران مغربی بنگال۔ بنگلہ دیش سرحد پر دو کشمیری دہشت گردوں اور کشمیری دہشت گردوں سے منسلک دیگر دو مشتبہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ پاکستانی آئی ایس آئی کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی گئی ہے۔ آسام کی سرحدی علاقہ کوچ بہار اور جلپائی گڑی کے اضلاع میں بوڈو انتہا پسندوں کی سرگرمیاں باعث تشویش بنی ہوئی ہیں۔ اس علاقہ میں پولس ویجیلنس بڑھا دیا گیا ہے۔ نیپال کے کیمپ میں آباد بھوٹانی نژاد نیپالیوں نے اپنی سرگرمیاں بڑھا دی ہیں اور نیپال سے تھیمپو تک ایک جلوس کا اہتمام کرنے کے لئے پکار دی ہے۔ حال ہی میں پرولیا میں جدید ہتھیاروں کا ہوائی جہاز سے پھینکے کا معاملہ کافی تشویشناک ہے اور ملک کی سیکوریٹی سے متعلقہ قومی ایجنسیوں کو ویجیلنس اور مخلوط کارروائی کے لئے کہا گیا ہے۔ میری حکومت نے اس معاملہ کی تفتیش کی ذمہ داری سی بی آئی کو سونپی ہے۔ دارجلنگ عام طور پر پُرسکون رہا۔ میری حکومت دارجلنگ کے

پہاڑی علاقوں میں دو درجاتی پنچایتی نظام کی تشکیل اور کاؤنسل کے کام کاج کے سلسلہ میں ستری سبھاش گھیسنگ کے ساتھ بات چیت کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں گرام پنچایتوں کے انتخابات مارچ ۱۹۹۵ء کو ہوئے۔ دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل کی طرف سے اٹھائے گئے کچھ سوالات کی وجہ سے گرام پنچایتوں کو مناسب فنڈ کی فراہمی اب تک ممکن نہیں ہو سکی۔ پہاڑ کے کاؤنسل کی جانب سے گرام پنچایتوں کو فنڈ نہ ملنے کی صورت میں میری حکومت نے پنچایت اداروں کو ان کے کام کاج کو بخوبی انجام دینے کی غرض سے براہ راست کچھ فنڈ فراہم کیا۔

میری حکومت نے عدلیہ کے لئے لازمی بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں۔ پروگراموں میں کورٹ کی عمارتوں، ہائی کورٹ کے ججوں اور عدالتی افسروں کے لئے رہائشی کوارٹروں کی تعمیر اور عدالتوں کی مختلف جاذ بیتوں کی فراہمی شامل کیا گیا ہے۔ علی پور، باراسات، ڈائمنڈ ہاربر، سیوڑی، کلمپونگ اور آسنسول میں کورٹ عمارتوں کی تعمیر اور ترقی کا کام شروع کیا گیا ہے۔ کلیانی، ہلدیا، ہوڑہ، اور رائے گنج میں کورٹ عمارتوں کی تعمیر کے لئے انتظامیہ کی منظوری مل گئی ہے۔ اس سال کے دوران پرولیا، جلپائی گوڑی، جنوبی دیناجپور، کلکتہ اور بیربھوم میں پانچ لوک عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ بردوان کے جمالپور میں قانونی امداد کیمپ قائم کیا گیا ہے۔ سیشن جج کی سرکٹ کورٹ کے قیام کے ساتھ کلمپونگ کے عوام کا دیرینہ مطالبہ پورا کیا گیا ہے۔

بردوان، ندیا، کوچ بہار اور مرشد آباد میں منصفوں، جوڈیشیل مجسٹریٹوں، ایس ڈی جے ایم اور سی جے ایم کے کورٹوں میں عدالتی زبان کے طور پر بنگلہ کو چالو کیا گیا ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ سے مقدمہ انجام پانے کے ساتھ ریاستی انتظامیہ کے ٹربیونل کو پورے طور پر متحرک کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ اس سے مقدمات کی تیزی سے حل ہونے میں مدد ملے گی۔

میری حکومت جیلوں میں حالات زندگی میں بہتری لانے کے لئے کوششوں کو جاری رکھا اور جیلوں کو اصلاحی خدماتی اداروں میں تبدیل کرنے کے لئے لازمی بنیادی سہولتیں پیدا کی ہیں۔

انتظامیہ کی لامرکزیت کے سلسلہ میں میری حکومت کی کوششوں کے ایک جزو کے طور پر کیننگ، کاکدیپ، برئی پور، بدھان نگر، تیہٹا اور کھڑگپور میں چھ نئے سب ڈویژن قائم کئے گئے۔ جنگل اور گنگارام پور کے سب ڈویژنوں کا قیام زیر عمل ہے۔ میری حکومت عملی سطح پر لازمی بنیادی سہولتوں کے فروغ پر مختلف سطحوں پر افسروں اور ملازمین کی تربیت پر زور دے رہی ہے۔

مغربی بنگال ریاستی حقوق انسانی کمیشن نے اب کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کمیشن نے کامیابی کے ساتھ انسانی حقوق کی صورت حال پر سمیناروں کا انعقاد کیا۔ مختلف سطحوں پر انتظامیہ کو صاف طور پر یہ ہدایتیں دی گئیں ہیں کہ وہ ریاست اور قومی کمیشنوں کو ٹھیک وقت پر اپنی رپورٹیں پیش کرے۔

میں نے اپنے گذشتہ خطاب میں ۱۹۷۵ء کے ہند۔بنگلادیش سرحدی سمجھوتہ پر عمل درآمد سے متعلق صورت حال کا تذکرہ کیا تھا۔ میری حکومت نے وقت بروقت حکومت ہند کے ساتھ خصوصاً تین بیگھا سمجھوتہ پر عمل درآمد کے سلسلہ میں گفت و شنید کی اور مذکورہ بالا سرحدی سمجھوتہ پر جلد از جلد عمل درآمد کے سلسلہ میں بھی بات چیت کی۔ ہر کیف یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس سلسلہ میں ابتک کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو پائی ہے۔ میری حکومت مذکورہ مسائل کو جلد سے جلد حل کرنے کی ضرورت پر مرکزی حکومت سے مسلسل اصرار کرتی رہے گی۔

۱۹۹۵ء کے دوران ہماری ریاست کو متعدد قدرتی آفات کا سامنا کرنا پڑا۔ مئی ۱۹۹۵ء کے دوران رونما ہونے والے طوفان اور آندھی نے شمالی و جنوبی ۲۴ پرگنہ اور مدناپور کے اضلاع میں زبردست بربادی

اور تباہی مچائی۔ اس سے متاثر ہونے والے لوگوں کو لازمی راحت پہنچائی گئی۔ اور ان کی بحالی کے لئے بھی کام کئے گئے۔ ۲۶ تا ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء کے دوران ہوا کے دباؤ کی گہری کمی کے باعث زبردست بارش کے ساتھ ساتھ مائیتھن، پنچیت اور ماسنجوڑ بندھوں سے پانی کی بڑی مقدار میں اخراج سے بیر بھوم، مرشد آباد، بانکوڑا، بردوان، ہگلی اور ہوڑہ کے اضلاع کو بھیانک سیلاب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی مدت کے دوران خطرناک حد تک ہونے والی زبردست بارش مالدہ، جنوبی دیناجپور اور شمالی دیناجپور میں بھیانک سیلاب کا باعث بنی۔ مرشد آباد اور ندیا کے بیشتر علاقے بھی غرقاب ہو گئے۔ ۱۱۷ بلاکوں میں ۷۸ لاکھ افراد اس سے متاثر ہوئے اور ۲۱۶ اشخاص نے اپنی جانیں گنوائیں۔ وزیراعظم کی راحت فنڈ سے فراہم کردہ راحت کے علاوہ میری حکومت نے ان افراد کے خاندان والوں کو جنہوں نے اپنی جانیں گنوائی تھیں ۲۰ ہزار روپئے کی شرح پر ایکس گریشیا دینے کی منظوری دیدی۔ پناہ گاہ اور راحت کی فراہمی کے علاوہ ان کے گھر کی تعمیر اور مرمت کے لئے ۶٫۵ کروڑ روپئے بھی منظور کئے گئے تھے۔ ان سیلابوں پر ایک یادداشت حکومت کو پیش کیا گیا تھا اور اس میں متاثرین کے گھروں کی مرمت اور ان کی بحالی کے لئے ۶۳٫۹۹ کروڑ روپئے کی ضرورت کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا۔ اب تک میری حکومت کو سرحدی علاقہ ترقیاتی پروگرام اور جواہر روزگار یوجنا / اندرا آواس یوجنا کے تحت مخصوص فاضل مختص رقوم کے لئے ان مطالبات پر مبنی کوئی بھی مختص رقم نہیں ملی ہے۔ وزیراعلیٰ کی راحت فنڈ سے ۱٫۵۳ کروڑ روپئے کی ایک رقم مذکورہ سیلابوں کے دوران اسکول کی عمارتوں کی مرمت اور بحالی کے لئے فراہم کی گئی ہے۔

۱۹۹۴-۹۵ء تک پیدا شدہ کل آبپاشی امکانات ۱۳٫۴۷ لاکھ ہکٹائر تھے۔ ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران ۱۰۵ کروڑ روپئے کے مصارف پر ۲۷۰۰۰ اضافی ہکٹائر کی توقع کی جاتی ہے۔ اب تک ۲۱٫۲۴ لاکھ ہکٹائر علاقہ کو دائرہ کار میں لاتے ہوئے ۱۹۹۵ء کے دوران بہتر نکاسی سہولیات کے ساتھ سیلاب سے مناسب طور پر محفوظ علاقہ ۲۴۰۰۰ ہکٹائر پر مشتمل تھا۔ دسویں مالی کمیشن کی آمد / تنزل کے دوران گنگا۔پدما ندی نظام کے کٹاؤ کی روک تھام میں خصوصی تعاون کے لئے ادعا پیش کیا گیا تھا۔ بعد ازیں مذکورہ مالی کمیشن نے ۱۹۹۶-۹۷ء

کے دوران مذکورہ پیر وپیکیج کے لئے ۲۰ کروڑ روپئے بطور خصوصی تعاون کی سفارش پیش کی۔ ریاست میں سات عدد چالو واٹر شیڈ انتظامیہ اسکیموں کی تکمیل کے لئے این اے بی اے آر ڈی نے ۱۲٫۸۹ کروڑ روپئے امداد ن قرض دینا منظور کیا ہے۔ مذکورہ بالا اسکیمیں توقع کی جاتی ہیں کہ آٹھویں پنج سالہ منصوبہ کے آخر تک مکمل ہو جائیں گی۔

چھوٹی آبپاشی سیکٹر کے تحت پیدا شدہ کل آبپاشی امکانات ۱۹۹۴-۹۵ء کے آخر تک ۲۸٫۹۲ لاکھ ہکٹار تھے۔ ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران ۸۰ ہزار ہکٹار اضافی امکانات پیدا ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ این اے بی اے آر ڈی نے چند اضافی آر ایل آئی اسکیموں کی تکمیل کے لئے ۱۰٫۵۷ کروڑ روپئے بطور قرض دینا منظور کیا ہے۔ ریاستی آبی تفتیش نظامت، اس ریاست میں چھوٹی آبپاشی کاموں پر موضع وار ایک جامع مردم شماری کا اہتمام کر رہی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مارچ ۱۹۹۷ء تک مذکورہ بالا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

چند اضلاع میں زمین سے برآمد ہونے والے پانی میں سنکھیا کی آمیزش پر فوری طور پر کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ سنکھیا کی کثافت کا مقابلہ کرنے کے لئے متعلقہ کاموں کے برائے اول مرحلہ کارروائی منصوبہ زیر عمل ہے اور اس کی تکمیل میں تقریباً ۱۲ کروڑ روپئے کی تخمینہ شدہ لاگت آئے گی۔ مالدہ ضلع کے سنکھیا سے متاثر ۵ بلاکوں میں رہنے والے تقریباً ۲٫۱۰ لاکھ اشخاص اس ایک دوسری اسکیم سے مستفیض ہوں گے جسے ۸۸٫۲۸ کروڑ روپئے کی لاگت پر حال ہی میں چالو کیا گیا ہے۔ شمالی و جنوبی ۲۴ پرگنہ کے سنکھیا سے متاثرہ علاقوں کے لئے مذکورہ بالا طرز کی سطح آب پر مبنی پانی سپلائی کی اسکیمیں تشکیل پا چکی ہیں۔ حکومت ہند کو مالی منظوری کے لئے حرکت میں لایا گیا ہے۔ سنکھیا ضمنی مشن کے تحت تقریباً ۷۵ کروڑ روپئے کی لاگت پر مشتمل، دوسرے مرحلہ کی ایکشن پلان زیر تشکیل ہے۔

معزز اراکین اچھی طرح واقف ہیں کہ میری حکومت کے عظیم کارناموں میں سے ایک اصلاحات اراضی بشمول بے زمین زرعی مزدوروں کے درمیان زمین کی تقسیم رہا ہے۔ ابتک ۸۲٫۲۸ لاکھ ایکڑ قطعات اراضی تقسیم کئے جا چکے ہیں اور ان میں سے ۱۲٫۸۰ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات اراضی ہیں۔

ابتک ۸۲٫۹۱ لاکھ ایکڑ ۲۲٫۱۷ لاکھ مستفیضوں کے درمیان تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ ۱۴٫۹۹ لاکھ برگداروں کے نام بھی حقوق کی دستاویز میں درج کئے جا چکے ہیں۔ ویسٹ بنگال اکوئزیشن آف ہوم اسٹیڈ ایکٹ کے تحت مستفیضوں کی تعداد ۲٫۱۷ لاکھ ہے۔ ڈبلیو بی ایل آر ایکٹ برائے ۱۹۵۵ء کے تحت سروے اور سٹلمنٹ کے کام کاج تکمیل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اس ریاست میں ۴۰٫۲۶۷ موضع میں سے ۳۴٫۴۹۶ موضع کے سلسلہ میں حتمی طور پر حق کے دستاویزات کی اشاعت ہو چکی ہے۔

مختلف سطحوں پر باقاعدگی کے ساتھ انتخابات کے مراحل کے ذریعہ اس ریاست میں ایک مضبوط پنچایت نظام قائم کر کے میری حکومت فخر محسوس کرتی ہے۔ ایک باقاعدہ تربیتی پروگرام بشمول سہ درجہ پنچایتوں کے ۷۰٫۰۰۰ اراکین بعد ازیں ایک دوسرا پروگرام بشمول گرام پنچایتوں کے ۶۰۰۰ عہدیداروں، ۷٫۵۶۰ خواتین عہدیداروں کے لئے خصوصی پروگرام، استھائی سمیتیوں کے اشخاص کے لئے ایک تربیتی پروگرام وغیرہ نزد تکمیل ہیں۔ اس سلسلہ میں دستوری ضرورت کے تحت ضلع منصوبہ بندی کمیٹیاں مغربی بنگال ضلع منصوبہ بندی کمیٹیاں ایکٹ اور منضبطہ برائے ۱۹۹۴ء کے تحت تشکیل پا چکی ہیں۔ پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کی سرگرم شرکت سے قومی سماجی تعاون پروگرام روبہ عمل آیا ہے۔ جواہر روزگار یوجنا ۱۹۸۹-۹۰ء کے دوران چالو ہوا تھا اور ۳۲۴۹٫۷۷ لاکھ کام کے دنوں کی تشکیل کی شکل مارچ ۱۹۹۵ء تک اس کے نتیجہ بر آمد ہوئے۔ حالیہ مالی سال کے دوران اندرا آواس یوجنا کے تحت ابتک ۱۰۹۶۳ مکانات تعمیر کئے گئے اور ۱۳۲۴ مکانات زیر تعمیر ہیں۔ ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران نومبر ۱۹۹۵ء تک روزگار ضمانت اسکیم کے تحت ۵۲٫۳۷ کروڑ روپئے صرف ہوئے تھے۔ ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران آئی آر ڈی پی کے تحت ۱۱۵۹ سے زائد خاندانوں کو تعاون پیش کیا گیا تھا اور حالیہ مالی سال کے دوران نومبر ۱۹۹۵ء تک ۸۲۰۰۰ سے زائد خاندانوں کو تعاون دیا جا چکا ہے۔ ٹی آر وائی ایس ای ایم کے تحت سال رواں کے دوران نومبر ۱۹۹۵ء تک ۹۲۷۰ عدد نوجوانوں کو تربیت دی گئی تھی۔ دیہی علاقوں میں خواتین اور بچوں کے فروغ کے لئے پروگرام کے تحت مارچ ۱۹۹۵ء ۳۲۲۰ جماعتیں تشکیل دی گئی ہیں اور ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران مذکورہ طرز کی ۳۳ جماعتیں تشکیل پائی تھیں۔ ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران

۲۳۳۶۴ عدد سینیٹری پاخانوں کی تعمیر کے نشانے کے تحت ۳۷۶۹۱ عدد پاخانے تعمیر کیے گئے تھے۔ ۲۳۳۶۲ کے سالانہ نشانہ کے تحت نومبر ۱۹۹۵ء تک سال رواں کے دوران ۲۵۸۱۶ پاخانے تعمیر کیے گئے۔

۹۲-۱۹۹۱ء سے مغربی بنگال نے غلے کی ریکارڈ پیداوار میں مسلسل کامیابی حاصل کیا ہے۔ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران غلے کی ۷۹ ، ۱۳۲ لاکھ ٹن کی ایک کُل وقتی ریکارڈ بنایا گیا ہے اور اس میں صرف چاول کی پیداوار ۳۵ ، ۱۲۲ لاکھ ٹن ہوئی ہے۔ اگرچہ اس ریاست کے مختلف حصے سیلاب سے بری طرح متاثر ہوئے ہیں اس کے باوجود توقع کی جاتی ہے کہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ۸۲ ، ۱۲۷ لاکھ ٹن غلے کی فی سالانہ پیداوار حاصل ہوگی۔ سال رواں کے دوران بدھان چندر کرشی وشواودیالے کے تحت باغبانی اور زرعی انجینئرنگ کے دو نئے شعبے کھولے گئے ہیں۔ ۳۴ کروڑ روپے کی لاگت سے جنوری ۱۹۹۵ء کے دوران چھوٹے پیمانہ آبپاشی، مٹی کے بچاؤ اور بہتری کے لیے شمالی بنگال ترائی ترقیاتی پروجکٹ چالو کیا گیا تھا۔

سال رواں کے دوران علوم حیوان و ماہی پروری کی مغربی بنگال یونیورسٹی کا افتتاح ہوا۔ کلکتہ اور ہوڑہ کے شہری علاقوں میں واقع کھٹالو کے خلاف مہم نے زور پکڑا تھا۔ سیلابوں کے دوران ۱۱۰۰۰ پاؤں اور منھ کے امراض کے ٹیکے اور دیگر دوائیوں کی مفت تقسیم کے ذریعہ وبائی امراض کے پھوٹ پڑنے کو روکنا ممکن ہو پایا تھا۔ کھٹالوں کے گوبر سے پیدا ہونے والی ماحولیاتی کثافت کو دور کرنے کیلئے بھی اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ مدر ڈیری کے دودھ کی مقدار کو بڑھا کر چھ لاکھ لیٹر یومیہ کیا گیا ہے اور تیسری میٹرو ڈیری چند ہی مہینوں کے اندر مزید چھ لاکھ لیٹر یومیہ کے ساتھ چالو ہونے کے لئے بالکل تیار ہے۔

مغربی بنگال ملک میں ماہی اور چارہ مچھلیوں کی پیداوار میں صف اول میں کھڑا ہے۔ اس ریاست نے ۸ بار کامیابی سے ہمکنار ہونے کیلئے نیشنل پروڈکٹوریٹی کاؤنسل ایوارڈ جیتا ہے۔ سال رواں کے دوران ۳۰۰ تجارتی بحری جہازوں کی نقل و حرکت کے لئے فریزر گنج فشنگ ہاربر مکمل اور چالو ہوا۔ شنکر فشنگ ہاربر کے دوسرے مرحلہ کو منظوری مل چکی ہے۔ مچھیروں کی قومی رفاہ کی اسکیم حادثاتی بیمہ اجراء کے تحت بیمہ کورتیج کو ۲۵۰۰۰ سے بڑھا کر ۳۵۰۰۰ روپے کر دیا گیا ہے۔ قومی رفاہ اسکیم کے تحت ماہی گیروں کے لئے دس مثالی گاؤں قائم کیے گئے ہیں۔

اسی سال کے دوران مذکورہ بالا طرز کے تین مزید گاؤں کے قیام میں آنے کی توقع کی جاتی ہے۔ این سی ڈی سی کے تعاون سے مدنا پور میں منیا چک جزیرہ میں جامع براکش واٹر اکوا کلچر ڈیولپمنٹ پروجکٹ جس کے قیام میں ۱۳ کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے، کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

شعبۂ جنگلات نے جنگل لگانے اور اس کو تحفظ بخشنے جیسی روایتی جنگلاتی انتظامیہ کے علاوہ درختوں کی بہتری پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مشترکہ جنگلاتی انتظامیہ کی اسکیم کے تحت جنگلاتی حاشیائی علاقوں میں رہنے والے دیہاتیوں بشمول ایس سی اور ایس ٹی فرقے کے اشتراک سے تقریباً ۳۰۰۰ جنگلاتی تحفظ کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں اور لوگوں کا ایک طبقہ پانچ سال سے زائد عرصہ کے لئے جنگلات کو تحفظ بخشنے کی اپنی کوششوں کے عوض جنوبی بنگال میں شہتیر اور دیگر پیداواروں کی ۲۵ فیصد کُل مالیت سے استفادہ حاصل کرنا شروع کرے گا۔ مذکورہ لوگوں کو مٹی کے بنے بندھ، آبپاشی کے نالے، ٹیوب ویلس، دھنویں سے مبرا چولہے وغیرہ وغیرہ جیسی بے شمار سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ خارجی طور پر تعاون پانے والا مغربی بنگال جنگلاتی پروجکٹ اپنے ماقبل آخر سال میں ہے۔ خارجی طور پر تعاون پانے والے انڈیا ایکو ترقیاتی پروجکٹ پر جلپائی گوڑی ضلع کے بکسہ ٹائیگر ریزرو میں کام چالو ہے۔ مغربی بنگال کثافت روک تھام بورڈ کی مضبوطی کے لئے اوورسیز ایکونومک کوآپریشن فنڈ، جاپان کے ساتھ ایک قرض کے معاہدہ کو حتمی شکل دی گئی ہے اور اس کا اول مرحلہ آغاز سے دوچار ہے۔

علاقہ ترقیاتی پروگراموں میں ابتداء سے ہی سندربن ترقیاتی بورڈ کو شامل رکھا گیا ہے۔ متعلقہ چارہ کے ۴۰۰۰ ہکٹائر پر پھیلے شجرزاروں کی تشکیل کے علاوہ مذکورہ بالا سرگرمیوں میں ۱۲۰۰ کیلومیٹر لمبی اینٹوں بچھی سڑکوں، ۳۴ جیٹیوں ۶۳۱ زمین دوز نالوں وغیرہ وغیرہ کی تعمیر شامل ہیں۔ مزید برآں زراعت اور مویشی پروری کے عوامل کو بہتر بنانے کی کوششیں مذکورہ بالا سرگرمیوں میں شامل تھیں۔

جھاڑگرام سب ڈویژن میں جامع ترقی کے سلسلہ میں متعلقہ شعبوں کی سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرنے کے کام میں جھاڑگرام ترقیاتی بورڈ مشغول رہا ہے۔ درستاویزات آراضی کو تازہ ترین بنانے، قدرتی قبائل اور پیڑ دھارا انتظامیہ کو فروغ دینے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

مغربی بنگال جامع علاقہ ترقیاتی کارپوریشن پوری ریاست میں علاقہ ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لاتی رہی ہے۔ دیگھا ترقیاتی اسکیم کے تحت سیاحوں کے لئے لازمی سہولتیں فراہم کرنے، گوناگوں ایجنسیوں کو ادارہ جاتی حمایت مہیا کرنے، ساحلی کٹاؤ سے بچاؤ اور ماحولیاتی کثافت سے تحفظ کے لئے پروجیکٹس تیار کرنے کے سلسلہ میں اقدامات روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ سال رواں کے دوران دیگھا ٹاؤن شپ میں سیوریج اور نکاسی سہولتوں کو منظوری ملی تھی۔ جامع دیہی توانائی پروگرام کے تحت غیر رسمی توانائی وسائل کی فراہمی کے لئے ۳۰ بلاکوں/پنچایت سمیتیوں کو منتخب کیا گیا ہے۔

مغربی بنگال کے پاس عوامی تقسیم نظام کے ایک وسیع میعادوالا پروگرام ہے اور اس کے تحت خوردہ فروشی ۲۰۳۴۰ دکانوں کے ایک پروگرام کے ذریعہ ۶٫۸۵ کروڑ راشن کارڈ والوں کو نوازا جارہا ہے بے کاری کے دنوں میں بے زمین زرعی مزدوروں کو رعایت میں ملنے والے چاول کی تقسیم کی اسکیم کو روبہ عمل لایا گیا تھا۔ اس کے تحت ۱۵ کروڑ روپے کی رعایت زیر عمل آئی تھی۔ اس ریاست میں از سر نو مصروط کردہ عوامی نظام تقسیم کے تحت آئی ٹی ڈی پی علاقوں کے ۱۲۸ بلاکوں کے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں، خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں اور نا مزد پہاڑی علاقوں کے ۳۴٫۱۷ لاکھ اشخاص کی پہنچ رعایت شدہ نرخوں والے لازمی اشیاء تک ہو پائی۔ کھوج بین کی تحریک میں مشکلات کی وجہ سے گیہوں کے خاطر خواہ ذخیرہ کو برقرار رکھ پانا ممکن نہیں ہو سکا ہے اور اس معاملہ کو فوڈ کارپوریشن آف انڈیا اور وزارت خوراک کے پاس لے جایا گیا ہے۔ ۱٫۶۲ لاکھ کیلو لیٹر کراسن کی ماہانہ ضرورت کے مقابلہ میں حکومت ہند نے اس ریاست کو صرف تقریباً ۸۰۰۰۰ کیلو لیٹر مختص کیا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر اس ریاست میں مذکورہ سپلائی کو زبردست خسارہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس ریاست کو کھانے کے تیل کی سپلائی بھی خاطر خواہ طور پر نہیں کی گئی ہے۔ تمام لازمی اشیاء کی قیمت کی صورت حال پر باقاعدگی کے ساتھ کڑی نگرانی رکھی جارہی ہے۔

امداد باہمی سیکٹر مسلسل شہری اور دیہی دونوں ہی علاقوں میں لازمی حمایت و تعاون فراہم کئے جارہے ہیں۔ ۳۱ خواتین کی کوآپریٹیو

کریڈٹ انجمنیں گذشتہ چند برسوں کے دوران قائم ہوئی ہیں۔ ان انجمنوں کی ۷۰ ہزار رکنیت اور ان کے پاس ۱٫۲۵ کروڑ روپے ورکنگ سرمایہ بھی تھا۔

میری حکومت نے سرکاری ملکیت کی زمینوں پر ۹۹۸ کالونیوں میں پناہ گزینوں کو حق ملکیت کی دستاویزات عطا کرنے کے سلسلہ میں فیصلہ لیا ہے حکومت ہند کے ذریعہ ریگولرائزیشن کے لئے منظور شدہ کالونیوں میں بسے پناہ گزینوں کو فری ہولڈ ٹائیٹل ڈیڈس کی تقسیم چالو ہے اور اب تک تقریباً ۱۹۰۴۹۲ مذکورہ دستاویزات تقسیم کئے جاچکے ہیں۔

۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست میں شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب فرقے کی کل آبادی ۲۳٫۶ اور ۵٫۶ فیصد بالترتیب ہیں۔ طلباء طبقہ اور خاندان دوست پروگراموں کو مدد دینے کے گوناگوں پروگراموں پر عمل درآمد کیا گیا ہے۔ ثانوی اور جونیئر ہائی اسکولوں میں ایس سی اور ایس ٹی طلباء کے لئے علیحدہ علیحدہ ۲۰ نشست والے ۵۵ نئے آشرم کی طرز پر ہوسٹلوں کی تعمیر عمل میں لائی جارہی ہے۔ مغربی بنگال پچھڑے طبقات کمیشن کی سفارشات کو مد نظر رکھتے ہوئے میری حکومت نے اب تک ۳۸ طبقوں کو "دیگر پست طبقات" قرار دیا ہے اور ریاستی حکومت، مقامی اور قانونی حکاموں، کارپوریشنوں وغیرہ کے تحت ملازمتوں اور عہدوں میں براہ راست طور پر ۵ فیصد جگہوں پر ریزرویشن رکھا گیا ہے۔ ایک پست طبقات ترقیاتی اور مالی کارپوریشن کا قیام عمل میں آرہا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مذکورہ کمیشن جلد ہی کام کرنا شروع کر دے گا۔ روزگار اور تعلیمی اداروں میں داخلہ میں ریزرویشن روبہ عمل لایا جائے گا۔

شعبۂ رہائش ریاستی سرکاری ملازمین کے لئے کرایے کے فلیٹوں، ملازمت کرنے والی خواتین کے لئے ہوسٹلوں، ایل آئی جی/ایم آئی جی فلیٹوں وغیرہ کی تعمیر جیسی متعدد رہائشی اسکیموں کو روبہ عمل لا رہا ہے اور مالی سال رواں کے دوران توقع کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا طرز کی ۳۴۴ اکائیاں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گی۔ مغربی بنگال ہاؤسنگ بورڈ نے ۹۰۵۶ عدد مستفیضوں کو پیشگی قرض کے ساتھ معاشی طور پر کمزور طبقات کے لئے ضلع رہائشی اسکیم مرحلہ - I کو روبہ عمل لایا ہے۔ مرحلہ - II کی ابھی ابھی شروعات ہوئی

ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ ۱۰۴۸۰ افراد اس سے مستفیض ہوں
گے۔ پرائمری اسکول اساتذہ اور ضلع پرائمری اسکول کاؤنسلوں
اور مغربی بنگال بورڈ آف پرائمری ایجوکیشن کے ملازمین کے لئے، ایم آئی
جی کے لئے ۹۵۰ مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں اور ایل آئی جی کے لئے
۳۰۰ رہائشی اکائیوں کے سلسلہ میں نقد قرض اسکیم روبہ عمل لایا گیا ہے۔
مذکورہ رہائشی بورڈ قصبہ۔ گوڈسہ، ٹھاکر پوکر، راجا پور اور رائے
تی پی مرحلہ۔ IV میں واقع بے شمار رہائشی پروجکٹوں کو روبہ عمل
لا رہا ہے۔ مذکورہ پروجکٹوں کے عمل در آمد پر ۲۲۱٫۵۰ کروڑ روپے
کی لاگت آئے گی۔ مذکورہ رہائشی بورڈ نے راجا پور اور منڈل گنتھی میں
واقع دو مشترکہ سکٹر کے پروجکٹوں کو بھی روبہ عمل لانے کی ذمہ داری
قبول کی ہے۔

سی ایم ڈی اے علاقہ میں لازمی سہولتوں کی ترقی کے لئے ایک
جامع اسکیم بنام کلکتہ میگاسٹی پروگرام زیر عمل لایا گیا ہے۔ اس کے
عمل در آمد پر ۱۶۰۰ کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت آئے گی۔ مذکورہ
رقم میں سے ۱۲۰۰ کروڑ روپے ریاستی حکومت (۴۰۰ کروڑ روپے بطور
بجٹری عطیہ اور ۸۰۰ کروڑ روپے مالی اداروں سے بطور قرض) فراہم کریگی۔
اور بقیہ ۴۰۰ کروڑ روپے مرکزی حکومت کی جانب سے فراہم کئے جائیں
گے۔ مذکورہ پروگرام ۸ سال تک جاری رہے گا۔ حالیہ مالی سال کے دوران
مذکورہ پروجکٹ کی منظوری کمیٹی نے مختلف سکٹروں مثلاً پانی کی سپلائی،
نکاسی اور حفظان صحت، مسالم فضلہ انخلامیہ، ٹریفک اینڈ
ٹرانسپورٹیشن، بستی سدھار اور رہائش اور نیا علاقہ ترقی میں ۴۴۲
کروڑ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت والی ۱۳۸ اسکیموں کو منظوری دے دی ہے۔
۱۹۹۴-۹۵ کے دوران ۲۴۱٫۴۴ کروڑ روپے کی ایک رقم ایک ایسے پروگرام
پر صرف کی گئی ہے جس کو ریاستی بجٹری حصہ کے طور پر ۱۳۱٫۸۲ کروڑ
روپے اور مرکزی حصہ کے طور پر ۱۱۰٫۱۶ کروڑ روپے ملے ہیں۔ حالیہ
مالی سال کے دوران ریاستی حکومت نے ابھی تک ۴۴٫۵۰ کروڑ روپے
دیئے ہیں اور مرکزی حکومت نے ۸٫۳۵ کروڑ روپے دیئے ہیں۔

این آر وائی کی شہری مائکرو انٹرپرائزز کی اسکیم کے تحت غریبی
کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرنے والے ۳۳۰۰ افراد خود روزگار بنے ہیں۔
اور این آر وائی کی شہری اجرتی روزگار کے لئے اسکیموں کے تحت پیدا شدہ

کام کے دنوں کی تعداد تقریباً ۳۴ لاکھ ہے۔ وزیر اعظم کا جامع شہری
غریبی ہٹاؤ پروگرام کو مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کے تعاون سے
۱۸ منتخب درجہ۔ II شہروں میں چالو کیا گیا ہے۔ مہتروں کی نجاست
ڈھونے کے پروگرام کو خاطر خواہ ترجیح کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا ہے اور
یہ توقع کی جاتی ہے کہ مارچ ۱۹۹۷ء تک رات کی غلاظت انسانی ہاتھوں
سے ٹھکانے لگانے کے نظام کو سرے سے ختم کر دیا جائے گا۔ بڑے
شہروں کی موجودہ ضروریات سے مقابلہ کرنے کے لئے مغربی بنگال
فائر سروسز ایکٹ برائے ۱۹۵۰ء میں ترمیم لائی جا رہی ہے۔ آگ
بجھانے کی خدمات کو نئے جدید آلات لا کر اور نئے فائر اسٹیشن
قائم کر کے جدید تر اور مزید کارگر بنایا جا رہا ہے۔ مدنا پور میں قائم شدہ
فائر سروس اسٹیشن کو ایک نئی عمارت میں منتقل کیا گیا ہے۔ نئے فائر
اسٹیشنوں کے قیام اور سات عدد فائر اسٹیشنوں کے لئے مستقل عمارت
کی تعمیر کا کام چالو ہے۔

ریاستی انتخابی کمیشن نے ۱۹۹۵ء کے دوران ۸۲ میونسپلٹیوں
بشمول کلکتہ میونسپل کارپوریشن میں انتخابات کروائے۔ مذکورہ انتخابات
میں خواتین، شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے نشستیں
ریزرو رکھی گئی تھیں۔ بدھان نگر اور کلیانی کے نوٹی فائڈ علاقوں کو
میونسپلٹیوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ندیا میں واقع کوپرس کیمپ
کے نوٹی فائڈ علاقے کی تشکیل کا کام حتمی دور میں ہے۔

ریاستی نظام صحت ترقیاتی پروجکٹ عالمی بینک کے تعاون اور
ریاستی حکومت کے عطیہ سے کل ۶۸۶۸٫۹۷ ملین روپے کی لاگت پر
تیار کیا گیا ہے۔ مذکورہ پروجکٹ کے تحت ۱۹۵ دیہی ہسپتالوں، ۶۰
سب ڈویژنل / ریاستی جنرل ہسپتالوں اور ۱۵ ضلع ہسپتالوں کی تجدید
توسیع کے کام کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ سندربن کے علاقوں میں ویہی
گاڑیوں اور لانچ کشتیوں پر مشتمل چلتے پھرتے شفاخانوں کا قیام
عمل میں آئے گا۔ آٹھ بلاک پرائمری مراکز صحت اور ۲۸ پرائمری مراکز صحت
اپ گریڈ کیا جائے گا۔

۹ دسمبر ۱۹۹۵ء اور ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کو اس ریاست میں
۳ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کو پلس پولیو ٹیکہ دینے کی مہم عمل میں آئی
تھی۔ ہلوگ ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء تک تقریباً ۷۰ فیصد نشانہ گروپ اور

۰سہ جنوری ۱۹۹۶ء تک ۸۶،۷۹ فیصد تک کور کیا ہے۔ ۱۹۹۴ء سے اس ریاست کے کچھ حصوں میں ملیریا کی وقوع پذیری میں بڑھتا ہوا رجحان پایا گیا ہے۔ میری حکومت نے مذکورہ صورت حالت مقابلہ کرنے کے لئے بہتیرے اقدامات کئے ہیں۔ اکیلے کلکتہ میں ہی ۶۳ ملیریا شفا خانے بشمول متعدد ہسپتال تشخیص اعلاج کے کام میں مشغول ہیں۔ اس مرض سے دبائی طور پر متاثر تمام اضلاع میں ملیریا کش چھڑکاؤ کے کام کو استحکام بخشا گیا ہے۔ کلکتہ میں دھنواں دار اور ویسا ئڈل چھڑکاؤ کو زور دار بنایا گیا ہے۔

ان پرائمری مراکز صحت کے سالوں سال چلنے والے مسائل کی تکمیل کی غرض سے جو سنا ڈاکٹروں کے حل ہے ہیں، میری حکومت کنٹراکٹ کی بنیاد پر جنرل ڈیوٹی میڈیکل افسران کی تقرری کے سلسلہ میں خصوصی اقدامات کر رہی ہے۔ مرکز اور ریاستی سیکٹروں دونوں کی جانب سے اسپانسر اور منظور شدہ آئی سی ڈی ایس پروجیکٹوں کی تعداد ۲۷۶ ہے اور فی الحال ان میں سے ۲۶۱ پورے طور پر کام کر رہے ہیں۔ سال رواں کے دوران ان میں سے کچھ اور کی پوری رفتار پر کام شروع کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ تقریباً ...۴ مستقل کارکنان جن میں بیشتر خواتین ہیں اور ۵،۷۰۰... رضاکار کارکنان ان پروجیکٹوں سے وابستہ ہیں۔ مذکورہ اسکیموں سے تقریباً ۲۵ لاکھ افراد مستفیض ہوتے ہیں۔ آئی سی ڈی ایس کے علاقوں میں چھ ماہ تا چھ سال کی عمر کے تمام بچوں کو اضافی غذا دی جاتی ہے۔ جلپائی گوڑی، مالدہ، مرشد آباد اور پرولیا کے اضلاع میں نوجوان لڑکیوں کی اسکیم زیر عمل آچکا ہے۔ سی اے آر ای کے تعاون سے آئی سی ڈی ایس کے چار بلاکوں میں اکیوٹ ریسپائریٹری انفکشن پروگرام جاری ہیں۔ ضرورت مند خواتین کو آمدنی کے ذرائع کی فراہمی کی متعدد اسکیمیں روبہ عمل لائی گئی ہیں اور سرکاری ہوموں میں بچوں کے لئے رہائشی خدمت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ۵ جووینائل رہائش گاہوں نے اب تک ...۲ بھولے بھٹکے بچوں کو بازیاب کرکے ان کے والدین یا نگہبانوں کے حوالے کیا۔ غیر سرکاری تنظیموں کے تحت محتاج اور بد نصیب بچوں کے لئے رہائشی خدمات کی فراہمی کی گئی ہے۔ حالیہ مالی سال کے دوران ۳۴۱۳۳ بوڑھے اشخاص، ۳۶۴۳۰ بیوائیں اور ۷۰۶ ،۳ معذور افراد کو ریاست کی پنشن اسکیم کے تحت مالی امداد ملی ہے۔ ۲۴ این جی اوز نے سڑک کے بچوں کی فلاح کے لئے اسکیمیں روبہ عمل لائی ہیں۔ یہاں کچھ ایسے مشہور

این جی اوز بھی ہیں جو حاجت پر مبنی پروگرام اور معذوروں کی بحالی کے کام میں مشغول ہیں۔ بد نصیب جہیز و ہوس کی شکار خواتین کے ۲۵ بچوں کے لئے ایک ہوم کے سلسلہ میں کام کی شروعات ہوئی ہے اور ان لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے آئی سی ڈی ایس کے ایک پروجیکٹ نے بھی کام شروع کیا ہے۔ کمیٹیز ایکٹ کے تحت لے ویمن ڈیولپمنٹ انڈرٹیکنگ کا اندراج عمل میں آیا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ یہ جلد ہی کام کرنا شروع کر دے گا۔

نومبر ۱۹۹۵ء کے دوسرے ہفتہ کے دوران میری حکومت نے بین الاقوامی فلمی میلہ کے انعقاد کے ذریعہ جشن سینما صدی کا اہتمام کیا تھا۔ سالٹ لیک میں ایک ویڈیو کم ٹریننگ سنٹر کے قیام کے لیے اٹلی کی حکومت کے ساتھ ایک میمورنڈم آف انڈر اسٹانڈنگ پر دستخط ہوئے ہیں اور مذکورہ سنٹر کی تعمیر کا کام جلد ہی شروع ہونے والا ہے۔ ٹالی گنج کے سابق رادھا اسٹوڈیو میں سینما صدی کمپلکس کی تعمیر کا کام بھی جلد شروع ہو جائے گا۔ ریاستی آرکیولوجیکل میوزیم کی نئی عمارت کے لئے سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے اور اس پر تعمیری کام جلد ہی شروع کیا جائے گا۔ بنگلا اکاڈمی کو خود اختیار بنایا جا چکا ہے۔ اچاریہ جگدیش بوس روڈ پر ایک نئے تھیٹر کمپلکس بنام "بنگلہ ناٹیہ بھون" تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ روڈن اسکوائر میں ایک جدید ثقافتی کمپلکس کی تعمیر کے سلسلہ میں لازمی اقدامات اٹھائے جا چکے ہیں۔

اوورسیز ڈیولپمنٹ ایڈمنسٹریشن سے ملنے والی مالی امداد سے اختیار کردہ ضلع پرائمری تعلیمی پروگرام نے کوچ بہار، بانکوڑا، بیر بھوم، مرشد آباد اور جنوبی ۲۴ پرگنہ کے اضلاع میں خاطر خواہ ترقی و فروغ کے مدارج طے کئے ہیں۔ "کم از کم سطح تعلیم اسکیم" کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہر ایک ضلع میں ابتدائی طور پر ۲۰ پرائمری اسکول قائم کرنے کی بابت بات طے پائی ہے۔ مرکز کی جانب سے اہتمام کردہ دوپہر کے کھانے کی اسکیم کا آغاز ۱۲۸ بلاکوں میں ہو چکا ہے۔

مغربی بنگال بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن کا قیام بطور ایک قانونی ادارہ کے عمل میں آیا ہے۔ ایک اسکول سروس کمیشن کے قائم کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

عالمی بینک سے تعاون پانے والا تکنیکی تعلیم پروجیکٹ اور بہتیرے

اسکل ڈیولپمنٹ پروگرام زیر عمل ہیں۔ سنہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران خواتین سے کی ایک سی پالی ٹکنیک الیکٹرونکس، ٹیلی کمیونیکیشن اور فن تعمیر میں ڈپلوما نصابوں کے ساتھ سلی گوڑی میں چالو کی گئی ہے۔ انجینئرنگ میں نیا ڈپلوما کورس تعلیمی سال سنہ ۹۶-۱۹۹۵ء سے موجودہ ۱۲ پالی ٹکنیکوں میں چالو کیا گیا ہے۔ پولی ٹکنیکوں میں داخلہ کی مانگ کے ساتھ مقابلہ کی غرض سے کل داخلے کی گنجائش کو سال رواں کے دوران ۲۰ فیصد سے زائد بڑھا دیا گیا ہے۔ ہوڑہ، کلیانی، کلکتہ، بردوان اور سلی گوڑی کے واقع صنعتی تربیتی اداروں میں خواتین کے لئے نئے ٹریڈس میں نصابوں کو چالو کیا ہے۔ نئی نصابیں ہگلی کے بنیادی تربیتی مرکز اور کلکتہ کے متعلقہ ہدایت مرکز میں بھی چالو کی گئی ہیں۔

ریاست کے ۱۸ اضلاع جن میں دارجلنگ کے پہاڑی علاقے بھی شامل ہیں، کو کل خواندگی مہم کے تحت لایا گیا ہے۔ ابتک بارہ اضلاع کے بعد از خواندگی مہم اور جاری تعلیم کو اپنایا ہے۔ داخلی محاسبہ کی رپورٹ کے مطابق ۱۸ اضلاع والے ۱۳۸٫۶۳ لاکھ کے کل نشانہ میں سے ۱۲ اضلاع میں ۴۵٫۰۷ لاکھ آموزندوں نے فی این ایل ایم اے ضابطوں کے طور پر تفاعلی خواندگی حاصل کی ہے۔

ہمارے یہاں اندھے، بہرے، گونگے اور ذہنی طور پر معذور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ۴۳ ادارے ہیں اور انھیں سرکار کی جانب سے عطیات بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس ریاست میں ۱۰ ریاستی رفاہ گھر اور ۲۶۴ تعاون یافتہ رفاہ گھر بشمول یتیم لڑکے اور لڑکیوں کی اسکولی تعلیم اور ان کی دیگر پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے ۸ محتاج / مفلس خانے ہیں۔ ریاستی مرکزی لائبریری کی عمارت کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے۔ آسنسول میں واقع ضلع لائبریری کے تعمیری کام چل رہے ہیں۔

ودیاساگر یونیورسٹی میں لڑکے اور لڑکیوں کے ہوسٹلوں کی تعمیر کے سلسلے میں اقدامات کئے گئے ہیں۔ مختلف سرکاری کالجوں میں نئے مضامین منظور کئے گئے ہیں۔ دارجلنگ کالج کی از سر نو تشکیل، ہلدیہ سرکاری کالج میں ملازمین کے کوارٹروں کی تعمیر وغیرہ کے سلسلہ میں انتظامی منظوری دی گئی ہے۔ پریسی ڈنسی کالج کے لئے سالٹ لیک میں ایک لڑکیوں کے ہوسٹل کی تعمیر کا کام زیر تکمیل ہے۔ سنہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران کلیانی انجینئرنگ کالج انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس و ٹکنالوجی، الکٹرونکس و ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ

اور میکانیکل کی تین شاخوں کے ہمراہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ سیرام پور کے ٹکسٹائل ٹکنالوجی کے کالج میں ایک پوسٹ گریجویٹ نصاب چالو کیا گیا ہے۔ سال رواں کے دوران نمایاں طور پر ایس سی وایس ٹی اور اقلیتی علاقوں میں تعلیم کی توسیع کے لئے کالیہ چک، بجون باڑی، رائے دیگھی، آرام باغ، ڈال کھولا وغیرہ میں نئے غیر سرکاری کالجوں کو منظوری دی گئی ہے۔ بہتیرے نئے مضامین بشمول اردو کے انضمام کی توسیع دور دراز اور پچھڑے علاقوں میں واقع مختلف کالجوں میں کی گئی ہے۔ شمالی بنگال میں حالیہ سیلابوں کے دوران متاثر ہونے والے کالجوں کی تعمیر کے لئے مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔ اردو اکاڈمی کی عمارت حاجی محمد محسن اسکوائر میں ۴۱٫۴۷ لاکھ روپے کی تخمینہ شدہ لاگت پر زیر تعمیر ہے۔ ریاستی آرکائوس کی ایک نئی تفاعلی عمارت کی تعمیر کے کام جاری ہیں۔ ریاستی کتابی بورڈ نے اب تک بہتیرے مضامین پر ۶۰۰ سے زائد عنوانات شائع کیا ہے اور ان میں سے ۲۰ حالیہ مالی سال کے دوران شائع ہو چکے تھے اور کچھ مزید اشاعت کے مراحل سے گذر رہے ہیں۔ میری حکومت نے این سی سی کو فروغ و مقبول بنانے کے لئے لازمی امداد فراہم کی ہے۔

سائنس ٹکنالوجی کے شعبہ نے حالیہ مالی سال کے دوران یونیورسٹیوں کے تحقیق سے آراستہ اور بے شمار پروجکٹوں کی حمایت کی ہے۔ سائنس کی مقبولیت سے منسلک ترقیاتی سرگرمیوں پر عمل درآمد کے سلسلہ میں متعدد تنظیموں کو تعاون پیش کیا گیا تھا اور کاروباری فروغ کے لئے ۱۴ اسکیموں کو سال ہذا کے دوران روبہ عمل لایا گیا ہے۔ قابل تجدید توانائی فروغ ایجنسی نے بایو گیس پلانٹ، سولر تھرمل پروگرام اور سولر فوٹو والٹائک پروگرام کے بہتیرے پروجکٹوں کو روبہ عمل لایا ہے۔ توانائی باد کے استعمال پر مبنی ایک زبردست پروگرام کو ساحلی علاقہ میں چالو کیا گیا ہے۔ ۲ میگا واٹ صلاحیت والے ایک ٹائیڈل پاور پلانٹ کے قیام پر ایک سروے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور مذکورہ پلانٹ توقع کی جاتی ہے کہ آئندہ مالی سال کے دوران نصب ہو جائے گا۔ چوتھی ریاستی سائنس کانگریس سنہ ۹۷-۱۹۹۶ء کے دوران منعقد ہونے والی ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ سارے اظہار افکار بنگلہ میں ہوں گے۔

سماجی و مادی انفرااسٹرکچرس کا فروغ ریاست کی ہمہ جہت ترقی کے لئے لازمی ہے۔ نئے اسکولوں اور ہسپتالوں کو فروغ دینے کے لئے جہاں متعدد

اقدامات اٹھائے گئے ہیں وہیں مادی انفرا اسٹرکچر کو بہتر بنانے کے اقدامات پر بھی زور ڈالے گئے ہیں۔ کوچ بہار شہر، نیر بھادا، الی ندی، اچھے وغیرہ کے قریب ندی بدیا دھاری، جمنا، لوڑ رسا پر بڑے بڑے پلوں کی تعمیر کے سلسلہ میں اقدامات کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں منظوری دی گئی ہے اور سل تورسا پر ایک پل کی تعمیر کے سلسلہ میں فنڈس مختص کیے گئے ہیں۔ حالیہ مالی سال کے دوران ٹنگس، کولک، ٹھکرائی، چرلی، بیرھلدا پر پلوں کی تعمیر کے کام جلد ہی مکمل ہو جانے کی توقع کی جاتی ہے۔

مختلف اضلاع میں سڑکوں کی توسیع اور مرمت کے کام ہاتھ میں لئے جا چکے ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۵ء کے دوران مرشد آباد کے جنگی پور میں ایک پل اور رلوٹ بنیاد پر کلکتہ تا ہلدیہ ایکسپریس وے کی تعمیر کے سلسلہ میں دوائم اولیور پر دستخط ہوئے تھے۔ بنیا لوڑی، موری گرام روڈ اور این ایچ ۲ اور این ایچ تھری فور کے اے ڈی بی سے تعاون یافتہ پروجیکٹ کے سلسلہ میں خاطر خواہ کام آگے بڑھے ہیں۔

درگاپور ایکسپریس وے پر ہو رہے والا کام تشفی بخش طور پر آگے بڑھ رہا ہے۔ بہرکیف حکومت ہند سے فنڈس میں تخفیف کے باعث قومی شاہراہ سیکٹر پر مرمت اور تجدید کے کام میں روز افزوں مشکلیں پیش آرہی ہیں۔ چند گزشتہ برسوں کے دوران اس مد پر ہوئے اخراجات کی ادائیگی حکومت پورے طور پر نہیں کر رہی ہے۔ اس طرز پر حالیہ سیلابوں کی آمد کے بعد بحالی کے لئے مطلوبہ فنڈس کی فراہمی بھی حکومت ہند نہیں کر رہی ہے۔

نقل و حمل کے میدان میں میری حکومت ریاستی نقل و حمل خدمات عمل در آمد کے علاقہ اداروں کی کارکردگی کو بڑھانے کیلئے مسلسل کوشش کئے جا رہی ہے۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ریاستی ٹرانسپورٹ انڈر ٹیکنگس نے ۴۹۹ نئی بسیں اور چار لانچ چالو کئے ہیں۔ ریاستی ٹرانسپورٹ تنظیموں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں بھی اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ ۱۹۹۵ء کے دوران این بی ایس ٹی سی کو نیشنل پراڈکٹیویٹی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ لاری سہولتوں بشمول دو پہر کے مسافروں کی آسائش، کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ مسافروں کے لئے جدید طرز کے بس اڈارے کلکتہ اور بربھیور میں قائم کئے گئے ہیں اور تین نئی جیٹیاں اور چار ٹرانسپورٹ فیکٹریاں زیر تعمیر ہیں۔ توقع کی جاتی ہے بہت جلد ہی یہ چالو ہو جائیں گے۔ ٹریفک کی بہتری اور

کثافت کی روک تھام کے لئے چند اقدامات روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ دوپہیہ چلنے والوں کے لئے اڑن بلو کا قیام، ٹریفک انجینئرنگ اسکیموں کا نفاذ میٹروپولیٹن علاقوں میں بغیر کاٹالٹک کنورٹر کے موٹر گاڑیوں کے رجسٹریشن پر ممانعت، کلکتہ اور دیگر اضلاع میں آٹو امیشن ٹسٹنگ مراکز کا قیام "بغیر پولیوشن انڈر کنٹرول" سرٹیفکیٹ کے گاڑیوں کے لئے "سرٹیفکیٹ آف فٹنس" پر پابندی وغیرہ ہیں۔ ودیا ساگر سیتو کے تفاعلی کارکردگی کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں لئے گئے اقدامات روبہ فروغ ہیں۔ کونا ایکسپریس وے اور ہوڑہ ڈرینج کنال روڈ کا ایک حصہ مکمل ہو چکا ہے اور اسٹرانڈ روڈ اور فورشور روڈ پر پکے فرش کی تعمیر کا کام ہاتھ میں لیا گیا ہے۔

حالیہ مالی سال کے دوران رقم ایچ ای پی مرحلہ۔ II کی دو اکائیاں چالو ہو چکی ہیں اور یہ ۲۵،۲۵ میگاواٹ اضافی توانائی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ این ٹی پی سی فرخا کے ۵۰۰ میگاواٹ والی ایک دوسری اکائی چالو کی ہے۔ آج اس ریاست میں کل نصب شدہ صلاحیت ۵۴۸۱،۵ میگاواٹ پر آ کھڑی ہوئی ہے۔

نومبر ۱۹۹۵ء تک تقریباً ۲،۳۲۲ میگاواٹ پاور کی فراہمی کے لئے ۱۱۱ صنعتوں کو ہائی ٹینشن کنکشنس مہیا کیے گئے تھے۔ ۱۲۴ میگاواٹ اضافی پاور کی حصولی کی منظوری دیگر گوناگوں اقسام کے صارفین کو دی گئی تھی۔ نومبر ۱۹۹۵ء تک کی مدت کے دوران ۱۵ مواضع میں بجلی کی سہولت پہنچائی گئی اور ۲،۱۳۶ پمپ سیٹوں کو روبہ عمل لایا گیا۔ کوٹیر جیوتی لوک دیپ اسکیم کے تحت ۱۸۵۲ سروس اسٹیشن دیئے گئے۔ لیبونگ کے توسط سے این بی پور رقم ۱۳۲ کے وی لائن کے چالو ہونے سے دارجلنگ اور کرسیانگ سب ڈیویژنوں میں بجلی سپلائی کی معیار بہتر ہو گئی۔ ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن نظام کو استحکام بخشنے، ان کو توسیع دینے اور ان میں اضافہ کرنے پر زور ڈالے گئے۔ روبہ فروغ پروجیکٹوں میں رقم ایچ ای پی مرحلہ۔ III کے باقی حصے، ایس ای بی کے ٹی سی ایف پروجیکٹ اور بکریشور ٹی پی پی شامل ہیں۔

صنعتی تعلقات کا پس منظر عام طور پر پُرامن و پُرسکون رہا ہے اور کام کے دنوں کے خسارے میں قابل ذکر گراوٹ واقع ہوئی ہے۔ ایک مختصر ہڑتال کے بعد ۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو انجینئرنگ صنعت سے ما نگو کے چارٹر کو سمجھایا

جاسکا ہے۔ مالی فوائد سے پرے صنعت ۱۰۰۰ کام کرنے والوں کو مستقل بنانے پر راضی ہوئی ہے۔ سوت پارچہ صنعت سے متعلق صنعتی دار سمجھوتہ ۱۱ر جون ۱۹۹۵ء کو طے پایا تھا۔ بچہ مزدوری (امتناع و ضابطہ) آئین کے تحت ریاستی ضابطوں کی تشہیر ۱۹۹۵ء میں ہوئی تھی۔

کرہٹی میں ای ایس آئی کی ملحقہ عمارت کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور جولائی ۱۹۹۵ء میں ۲۱ بستروں والا ایک زنانہ وارڈ بھی چالو کیا گیا تھا۔ درگاپور میں سو بستروں والے ہسپتال کی تعمیر پایۂ تکمیل کے قریب پہنچ چکی ہے۔

سیاحت سیکٹر میں نئے سیاحتی مراکز کی دیکھ ریکھ، موجودہ سہولتوں کی برقراری اور ان کو فروغ دینے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ستمبر ۱۹۹۵ء کو کلکتہ میں ہندوستان کے ہوٹلوں اور ریستورانوں کی انجمن کے فیڈریشن کے ۳۱ واں کنونشن اور ہندوستان کے ۴۴ ٹریولیس ایجنٹس کنونشن منعقد ہوئے تھے۔ فروغ سیاحت کے لئے ایک ماسٹر پلان کا خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ مدنا پور، شنکرپور، بانکوڑا، ندیا، جلپائی گوڑی اور کوچ بہار میں ٹورسٹ لاجوں کی تعمیر کے سلسلہ میں اقدامات کئے گئے ہیں۔ ٹورزم کے فروغ میں نجی سکٹر کی سرمایہ کو بھی سراہا گیا ہے۔ جلپائی گوڑی کے چالسہ بل ٹاپ میں ٹورسٹ و ہلیج ریزورٹ، دیگھا میں مسافر روپ وے کا فروغ، چوبیس پرگنہ (جنوب) کے آم تلہ میں ٹورسٹ ریزورٹ، ہوڑہ میں پچھوتی ٹورسٹ ریزورٹ اور بڑی تعداد میں دیگر بڑے ہوٹلوں کے پروجکٹس اس سلسلہ کے چند قابل ذکر پروجکٹس ہیں۔ سیاحت کو ایک صنعت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مناسب ترغیبات پر عمل درآمد ہو رہے ہیں۔ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران دی گریٹ ایسٹرن ہوٹل کو منافع کے لئے قابل عمل بنایا گیا ہے۔

میری حکومت ہمہ جہت ترقی اور روزگار کی فراہمی کے سلسلہ میں گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی اہمیت پر زور دیتی آرہی ہے۔ پی ایم آر وائی کے سلسلہ میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ۲۲۹۰۰ معاملے نپٹا لئے جائیں گے۔ اس میدان میں کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے مالی اداروں کے جزو پر ایک مزید مثبت کردار کی ضرورت ہے۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ۰۰ے ایس ایس آئی اکائیوں کے قیام میں آجانے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس کے تحت تقریباً ۲۱۰۰۰ افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔ سال رواں کے دوران ۰۰ھے بایوگیس پلانٹوں کے قائم ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ تیار

کردہ لباس کمپلکس، ہیرے اور جواہرات کمپلکس، پلاسٹک اور پالیمر کمپلکس، فاؤنڈری کمپلکس، ہتھ کرگھا کمپلکس، ہوزری کمپلکس اور ڈرگ فارمیکوٹیکل کمپلکس قائم کرنے کے سلسلے میں فیصلے لئے جا چکے ہیں۔ چرم پروجکٹ پر بھی جلد ہی کام شروع ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔

شہتوت کی باغبانی کے تحت مجموعی علاقہ میں توسیع ہو رہی ہے اور ۹۷-۱۹۹۶ء کے اختتام تک ریشم کی پیداوار ۱۵۰۰ میٹرک ٹن تک پہنچ جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ ریشم کے کویوں کے خام مال بینک کی شاخیں قائم کرکے غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرنے والی ۵۰۰۰ بنکر خواتین کو تعاون پیش کیا گیا ہے۔

اس ریاست میں ۳٫۳۸ لاکھ سے زائد ہتھ کرگھے اور ۳ لاکھ سے زائد بنکر ہیں۔ ۷۰۰۰۰ مزید بنکر جزوی طور پر ہتھ کرگھا سکٹر پر انحصار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ۳ لاکھ سے زائد اشخاص تیاری کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ نومبر ۱۹۹۵ء تک تقریباً ۱٫۵۰ لاکھ بنکر کو امداد باہمی کے دائرے کے تحت لایا جاسکا۔ پروویڈنٹ فنڈ / تھرفٹ فنڈ اسکیم کے تحت ۱۸۰۰۰ بنکروں کو کور کرنے کے نشانہ کے مقابلہ میں ۱۷۶۸۱ بنکروں کو اکتوبر ۱۹۹۵ء تک مذکورہ نشانے تک لایا جاسکا ہے۔ کلکتہ کے ای ڈی سی میں ہتھ کرگھوں کی مصنوعات اور تیار کردہ کپڑوں کے لئے ایک کمپیوٹرائیڈ ڈیزائن سنٹر قائم کیا جاچکا ہے۔

بہتیری فوڈ پروسسنگ اکائیوں کی گنجائش کے لئے ڈان کونی میں فوڈ پروسیسنگ صنعتوں کے شعبہ نے ایک موڈیولر فوڈ پارک کو اسپانسر کیا ہے۔ نئے فوڈ پروسسنگ اکائیوں کے لئے ۷۰ تجاویز زیر عمل ہیں ایکسپورٹ اور نمٹیڈ ہیں اور وہ بیرونی کمپنیوں کے ساتھ انتظامی اشتراک رکھتے ہیں۔ سمارو غ کی پیداوار اور پروسیسنگ پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ ان پلانٹ سروس پیش کرنے اور کاروباریوں کو تربیت دینے کیلئے ایک پروسس یا پیداوار مرکز قائم کیا گیا ہے۔ فوڈ پروسیسنگ کی وزارت، حکومت ہند کے تحت لائسنسنگ اتھارٹی اور وزارت تجارت کے تحت ایگریکلچر اور پروسیسڈ فوڈ پروڈکٹس ایکسپورٹ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے دفاتر کو بدھان نگر کے میوکھ بھون کے ایک مقام پر اسی ریاست کی فوڈ پروسسنگ انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کے از سر نو تعین مقام کیا ہے۔

ریاستی ویئر ہاؤسنگ کارپوریشن منافع کمارہی ہے۔ اس کے ساتھ

ساتھ سرسوتی پریس لمیٹڈ اور الیکٹرو میڈیکل اور الائیڈ انڈسٹریز لمیٹڈ نے بھی منافع کمانا شروع کیا ہے۔ دی الیکٹرو میڈیکل اور الائیڈ انڈسٹریز لمیٹڈ نے ڈسپوزایبل بلڈ بیگس تیار کرنے کے سلسلہ میں ۱۰ کروڑ روپے کی لاگت کے ایک پروجیکٹ کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ گھریلو، چھوٹی اور بڑی صنعتوں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ میری حکومت نے اس ریاست کی بیمار اور بند اکائیوں کے از سر نو بحالی پر مسلسل توجہ دیا ہے۔ ایک بحالی پیکیج کی حمایت میں بی آئی ایف آر کے دائرہ عمل کے تحت آنے والی اکائیوں کو خصوصی راحتوں اور سہولتوں کی فراہمی کے سلسلہ میں ایک پالیسی پیکیج کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ دسمبر ۱۹۹۵ء تک ۴۵۱ اکائیوں بشمول جوٹ ملوں اور ۱۲ مرکزی عوامی سیکٹر انڈرٹیکنگوں سے متعلق بی آئی ایف آر کو رپورٹ دی جا چکی ہے۔ ان میں ۱۳۲ اکائیوں کے سلسلہ میں بحالی پیکیجوں کو منظوری دی جا چکی ہے۔ ۲۲ معاملوں کو رد کیا جا چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دو اکائیوں کو بند کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ جہاں تک غیر بی آئی ایف آر اکائیوں کا تعلق ہے۔ بنگال پیپر ملس، ویگن انجنس اینڈ انجینئرنگ انڈسٹریز اور بھارت الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ کو نئے کاروباریوں کے تعین کے ذریعہ از سر نو شروع کرنا ممکن ہو پایا۔ میتھل ٹینری کو از سر نو شروع کرنے کے سلسلہ میں کوششیں جاری ہیں۔ تقریباً ۲۹۵۰۰ افراد مذکورہ ۴۴ بیمار اکائیوں میں ملازم ہیں اور راحت، انڈرٹیکنگ کی سہولت سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

اصلاحات اراضی، دیہی ترقی، خواندگی، چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں اور توانائی کے میدان میں اس ریاست کے قابل تعریف کارناموں نے زود تر صنعتی ترقی کے لئے منصوبہ بندی کے سلسلہ میں ہماری حیثیت کو قوی اور کارگر بنا دیا ہے۔ ۱۹۹۱ء سے ہی میری حکومت سماجی اور مادی انفرااسٹرکچر میں اضافہ کرنے اور اس ریاست میں صنعتی سرمایہ کاریوں کو پرکشش بنانے کی کوششیں کرتی رہی ہے۔ میری حکومت نے اس ریاست کے صنعتی ترقی پر ایک پالیسی بیان جاری کیا ہے اور اس میں ہماری مضبوطی اور ہماری مذکورہ پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

صنعتی ترقی کے لئے اس ریاست کے بڑے فوائد میں سے چند خام مال کی آسان دستیابی، ایک آرام دہ بجلی کی صورت حال، ماہر اور تجربہ کار انسانی وسائل کی دستیابی، موافق سماجی اور سیاسی ماحول، فرقہ وارانہ ہم آہنگی

اور خوشگوار صنعتی تعلقات ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا اور ایشیا پیسیفک تیز تر روبہ فروغ معاشیات سے قربت نے مغربی بنگال کو سرمایہ کاری کی ایک منزل کے طور پر مزید تقویت بخشی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ، دولت مشترکہ، جاپان، ڈنمارک، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ جیسے متعدد ممالک کے اعلیٰ اقتدار مندوبین کی ایک کثیر تعداد نے اس ریاست کا دورہ کیا اور حکومت اور تجارت کے گوناگوں چیمبروں کے ساتھ گفت و شنید کی۔ کامرس اور صنعت کے چیمبروں کے ساتھ نہایت ہی قریبی اور گہرے تعلقات استوار ہوئے۔ ان اسباب کے نتیجہ کے طور پر حالیہ مہینوں کے دوران اس ریاست کے لئے صنعتی منظوریوں کے معاملے میں بہت ساری کامیابیاں منظر عام پر آئی ہیں۔ ۱۹۹۴ء کے دوران ریاستی حکومت کو ۲۱۲ صنعتی منظوریاں دستیاب ہوئی ہیں اور ان میں ۲۱۸۹۶،۴۳ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری ہوگی۔ ۱۹۹۵ء کے کیلنڈر سال کے گیارہ مہینوں کے دوران ۹۱۸۲،۳۵ کروڑ روپے کی تجویز شدہ سرمایہ کاری کے لئے منظوریاں ملی ہیں۔ غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری کے میدان میں اس ریاست کو ملک کی تمام ریاستوں کے درمیان دوسرا مقام حاصل ہوا ہے اور اول مقام مہاراشٹر کو ملا ہے

اس ریاست کے گوناگوں حصوں میں تعمیر کے تحت درمیانی بڑے سیکٹروں میں ۱۲۴۵ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری والے ۷ پروجیکٹس فی الحال موجود ہیں۔ بہتیرے پروجیکٹوں پر عمل درآمد کا کام جلد ہی شروع ہونے والا ہے۔ پر وقار ہلدیہ پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ پر پورے طور پر کام ہو رہا ہے۔ مذکورہ پروجیکٹ تقریباً ۵۰۰۰ کروڑ روپے کی نظرثانی شدہ لاگت تخمینہ کے ساتھ ۴،۲۰ لاکھ ٹن کی نظرثانی شدہ صلاحیت رکھتا ہے۔ آئی ڈی بی آئی کی سرگرم حمایت کے ساتھ گوناگوں سرمایہ لگانے والے اداروں سے امدادی قرض سے مستفیض ہوا ہے اور فی الحال آئی ڈی بی آئی نظرثانی شدہ لاگت تخمینہ کے محاسبہ کے مراحل میں مشغول ہے۔ بڑی بڑی ٹکنالوجیوں کا انتخاب ہوا ہے اور ٹکنالوجی سمجھوتوں پر دستخط ہوئے ہیں۔ حال ہی میں ایک سپلائی کریڈٹ سمجھوتہ متسوبیشی اور ٹویو کے ساتھ ہوا ہے۔ توانائی، پانی، دیگر ماڈس سائٹ آفس، سڑک، چہار دیواری وغیرہ وغیرہ کے تعمیری کام مکمل ہو چکے ہیں یا تکمیل کے قریب ہیں۔ ان لوگوں کی بحالی جو اپنی زمین سے محروم ہو چکے تھے مکمل ہو چکی ہے۔

 (باقی صفحہ پر)

بامِ فلک سے ایک ستارہ پھر ٹوٹا ؛

اختر الایمان کی موت سے اُردو نظم کے ایک دور کا خاتمہ ہو گیا ہے

اردو کے ممتاز شاعر اختر الایمان کا گذشتہ ۹ مارچ ۹۶ء کو شام کے ساڑھے چار بجے بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔ وہ طویل عرصہ سے بیمار تھے۔ ان کی موت سے اردو نظم کے ایک دور کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

اختر الایمان جدید اردو نظم کے باکمال شاعر تھے۔ خیالات کے تنوع اور لب و لہجہ کی تلخی نے انھیں اپنے ہمعصروں میں ممتاز اور منفرد بنا دیا تھا۔ بقول فراق گورکھپوری نئے شاعروں میں سب سے گھائل آواز اختر الایمان کی ہے۔ اختر الایمان نے اپنی نظموں میں تا دمِ حیات موضوع کے اعتبار سے مکمل اور کچلے ہوئے لوگوں کی نمائندگی کی ہے۔ عام زندگی کے مسائل ان کی شاعری کے موضوع خاص ہیں۔ اگرچہ وہ عملی طور پر ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں تھے تاہم شعوری و غیر شعوری طور پر وہ اپنی شاعری میں ترقی پسند خیالات کی ترجمانی کرتے رہے۔ اسلوب کے اعتبار سے ان کی شاعری فیض سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں کہیں بھی گھن گرج نہیں بلکہ دو ٹوک لب و لہجہ کی نرم اور دھیمی آواز سنائی دیتی ہے جو فیض کی شاعری کی طرح طوفان خیز آواز سے بھی زیادہ اثر انگیز ہے۔

پروفیسر قمر رئیس نے اختر الایمان کی موت کے بعد ایک اخباری نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ اختر الایمان کی موت سے ہمارے درمیان سے [illegible]

ایک شعلہ اٹھ گیا جو ہر حلقہ اور ہر گروہ میں قابلِ تعظیم تھا۔ گذشتہ چوتھائی صدی کا زمانہ جدید اردو شاعری میں اختر الایمان کا زمانہ کہلائے گا۔ نئی پیڑھی کے نظم گو شعراء نے ان کا جتنا اثر قبول کیا ہے کسی اور شاعر کا نہیں کیا۔ ان کی فکر واضح طور پر بائیں بازو یا ترقی پسند فکر سے تعلق رکھتی تھی جس کا انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے لیکن جہاں تک ان کی فنی نہج اور ساخت کا تعلق ہے وہ حلقۂ اربابِ ذوق سے قریب ہے۔"

اختر الایمان کی ولادت ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو یو.پی کے موضع قلعہ میں ہوئی جو نجیب آباد ضلع بجنور سے ایک میل کے قریب ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۳۰ء سے اسکولی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اینگلو عربک کالج سے بی اے کیا اور کافی پریشانیوں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم اے کا پہلا سال مکمل کیا تھا کہ روزگار کی تلاش میں پونا چلے آئے پھر بمبئی فلمی صنعت سے منسلک ہو گئے وہ گزشتہ ۵۰ برسوں سے بھی زائد عرصہ سے ہندی فلموں میں کہانی، منظر نامہ اور مکالمہ لکھ رہے تھے۔ کافی فرمائشوں کے باوجود اپنی شاعری کو کبھی بھی انہوں نے فلم کی زینت بننے نہیں دیا۔ گرداب، تاریک سیارہ، آب جو، یادیں، بنت لمحات، نیا آہنگ، زمین زمین کے نام سے ان کے سات مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آ چکے ہیں۔

سب رنگ کے نام سے ایک طنزیہ منظوم ڈراما بھی انھوں نے ۱۹۴۸ء میں لکھا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے درمیان میں بہت سارے افسانے لکھے جو ادب لطیف، ساقی اور دیگر اہم رسالوں میں شائع ہوئے۔ انکی ادبی خدمات پر انھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، غالب ایوارڈ اور اقبال سمان سے نوازا گیا۔ —— اختر الایمان پر ایک ریسرچ ورک کلکتہ یونیورسٹی کے تحت طالبہ جیسے خواجہ نسیم اختر نے ڈاکٹر ظفر اوگانوی کی سرپرستی میں مکمل کیا ہے اس کی اشاعت سے اختر الایمان کی حیات [illegible] نمایاں ہو گئے [illegible]

قطعہ تاریخِ وفات — سفیر الدین کمال

پیکرِ غم بن گئی دنیائے اردو
جب دیارِ نظم کے سلطان گزرے
اے قلم تحریر کر سالِ مسیحی
"آج ہیہات اختر الایمان گزرے" —۱۹۹۶ء

نقشِ پا

اخترالایمان

یہ نیم خواب گھاس پر اداس اداس نقشِ پا
کچل رہا ہے شبنمی لباس کی حیاتِ نو
وہ موتیوں کی بارشیں ہوا میں جذب ہو گئیں
جو خاکدانِ تیرہ پر برس رہی تھیں رات کو

یہ رہروانِ زندگی خبر نہیں کہاں گئے
وہ کون سا جہان ہے ازل نہیں ابد نہیں
دراز سے دراز تر ہیں حلقہ ہائے روز و شب
یہ کس مقام پہ ہوں میں کہ بندشوں کی حد نہیں

ہے مرکزِ نگاہ پر چٹان سی کھڑی ہوئی
ادھر چٹان سے پرے وسیع تر ہے تیرگی
اسے پھلانگ بھی گیا تو اس طرف خبر نہیں
عدم خراب تر ملے نہ موت ہو نہ زندگی

ہزار بار چاہتا ہوں بندشوں کو توڑ دوں
مگر یہ آہنی رسن یہ حلقہ ہائے بندگی
لپٹ گئے ہیں پاؤں سے، لہو میں جذب ہو چکے
میں نقشِ پائے عمر ہوں فریب خوردۂ خوشی

کوئی نیا افق نہیں جہاں نظر نہ آسکیں
یہ زرد زرد صورتیں یہ ہڈیوں کے جوڑ سے
فضا کے بازوؤں میں کاش اتنی تاب آسکے
دکھا سکیں وہ دورِ نو ہی زندگی کے موڑ سے

(انتخابِ اخترالایمان ۱۹۵۸ء سے)

پولیو سے پاک بچپن : ہمارا نصب العین

ملک گیر پیمانے پر پلس پولیو کی خوراک پلانے کا پہلا مرحلہ ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ اس طرح ملک سے پولیو کی بیماری کے مکمل خاتمے کے سلسلے میں شروع کئے جانے والے قطعی پروگرام پر عمل درآمد کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا ہے۔ اس پروگرام کے دوسرے مرحلے پر ۲۰ جنوری سنہ ۹۶ء کو عملدر آمد کیا گیا۔ مجموعی طور سے ان دونوں تاریخوں میں تین سال تک کی عمر کے ۷ء۸ کروڑ سے زیادہ بچوں کو یہ خوراک پلائی گئی۔

پولیو ملٹی لیٹس بچوں میں جسمانی معذوری کی اہم وجوہات میں سے ایک ہے۔ عالمی برادری نے ۱۹۸۸ء میں ایک قرارداد کے ذریعے ۲۰۰۰ء تک پولیو کا خاتمہ کرنے کا نشانہ حاصل کرنے کا عزم کیا تھا۔ اس حقیقت سے اس معاملے کی اہمیت اور شدت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

دنیا بھر میں اس وقت پولیو کے جتنے بھی معاملات ہیں، ان میں سے ہندوستان میں ۶۰ فیصد سے زیادہ معاملات موجود ہونے کی اطلاع ملی ہے۔ دنیا کے ۱۴۵ ممالک پہلے ہی پولیو کی بیماری سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔ ہندوستان میں سب کو بیماریوں سے بچانے کے پروگرام کے نتیجے میں شیر خوار بچوں کو پولیو کی دوا پلانے کی سطح بڑھا کر لگاتار چار برسوں میں ۹۰ فیصد سے زیادہ رکھی جا سکی ہے، جو ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ پولیو کے معاملات کی تعداد میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ چونکہ پلس پولیو کی خوراک پلانے کے لئے مقررہ دن ملک کو پولیو کی بیماری سے نجات دلانے کا مسلمہ طریقہ ہے، اس لئے حکومت نے پلس پولیو کی خوراک پلانے کے لئے قومی دن کے طور پر ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء اور ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کی نشاندہی کرتے ہوئے اس حکمتِ عملی پر عملدر آمد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

عام لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت

پلس پولیو کی خوراک پلانے کا پروگرام بڑی تعداد میں لوگوں کو ترغیب دینے اور بڑے پیمانے پر سامان فراہم کرنے سے متعلق ایک پروگرام تھا۔ مذکورہ پروگرام میں اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ نہ صرف پلس پولیو کی خوراک پلانے کے ہر ایک مرکز کو پولیو کی خوراک کی درکار سپلائی ملے بلکہ ۳ سال تک کی عمر
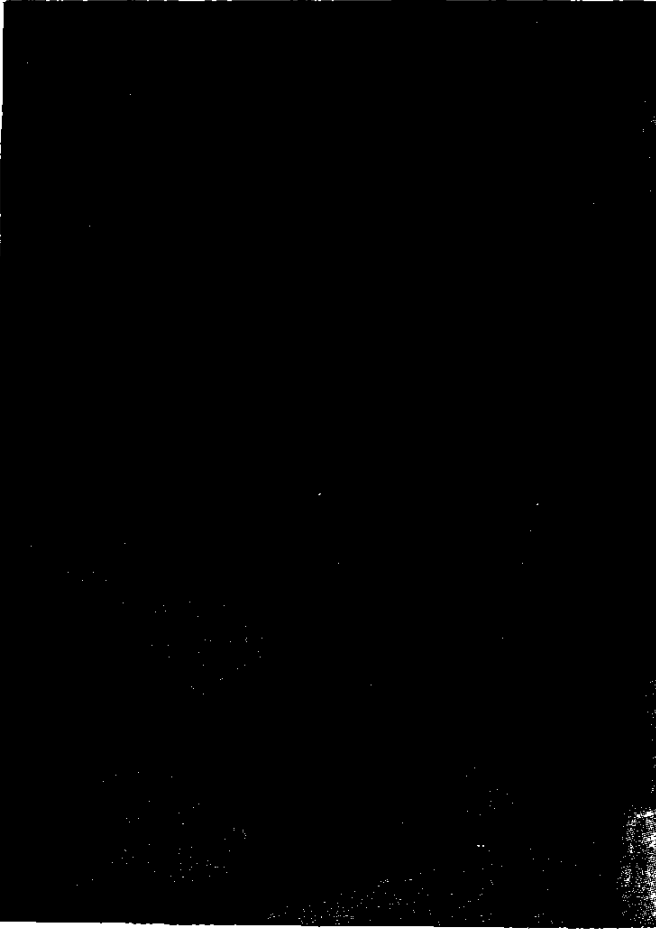
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ایک بچے کو پولیو کی خوراک کھلاتے ہوئے

کے ہر ایک بچے کو اس مرکز تک آسانی سے پہنچایا جا سکے اور اسے یہ خوراک پلائی جائے۔ چنانچہ ملک بھر میں اس مقصد کے لئے پلس پولیو کی خوراک پلانے کے ۵ لاکھ مراکز قائم کئے گئے تھے نیز پلس پولیو کی ۲۰ کروڑ خوراک تیار کر کے سپلائی کی گئی تھیں۔

ملک کے طول و عرض میں پلس پولیو کی دوا پلانے کے مراکز کے علاوہ

اس موقع پر ڈاکٹروں کو لمبی مسافت والی تمام ریل گاڑیوں میں اس کام کے لئے تعینات کیا گیا تاکہ ریل گاڑیوں میں بھی بچوں کو یہ دوا پلائی جاسکے۔ اسی طرح سے تمام بس اڈوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں پر بھی ڈاکٹر موجود رکھے گئے تھے۔ سماجی کارکناں اور غیر سرکاری تنظیموں کو بھی اس کام میں شامل کیا گیا تھا۔

لیکن لوگوں کے بھرپور تعاون کے بغیر کوئی بھی اتنا بڑا پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا چنانچہ پلس پولیو کی خوراک پلانے کے مرکز اس طرح سے قائم کئے گئے جہاں بچوں کو آسانی سے لے جایا جاسکے، ہر ایک دور دراز گاؤں اور گھر تک پیغام پہنچانے، پلس پولیو کی خوراکیں بروقت فراہم کرنے، دور دراز ترین علاقوں تک سے تمام بچوں کو لانے اور مقررہ تاریخوں پر تین سال تک عمر کے تمام بچوں کو خوراک پلانے کے لئے اس پروگرام میں بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت کو یقینی بنایا گیا تھا۔

رہنمائی اور نگرانی کرنے کے لئے، کابینہ سکریٹری کی صدارت میں ایک قومی اسٹیئرنگ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ پلس پولیو کے کام میں تال میل پیدا کرنے کے لئے ایک قومی کمیٹی بھی قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی کی پہلی میٹنگ اگست ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتے میں منعقد ہوئی تھی۔ پلس پولیو کے سلسلے میں ذرائع ابلاغ سے متعلق ایک قومی کمیٹی مواصلاتی حکمتِ عملی میں تال میل پیدا کرنے کے لئے تشکیل دی گئی تھی۔ ریاستوں اور مرکزی انتظام کے علاقوں نے بھی ریاستی اور ضلعی سطح پر پلس پولیو سے متعلق اپنی کمیٹیاں قائم کی تھیں تاکہ اس کام میں بہتر تال میل پیدا ہوسکے اور پروگرام پر عملدرآمد کے کام کی رفتار میں تیزی لائی جاسکے۔

قومی اتفاق رائے: اس کام میں سرکاری مشنری اور لوگوں کی مکمل ساجھے داری ہونے سے پلس پولیو کی خوراک پلانے کے سلسلے میں ایک قومی اتفاق رائے سامنے آیا۔ تمام ریاستوں اور مرکزی علاقوں نے حکومت کو یقین دلایا کہ وہ پلس پولیو کے پروگرام کو مکمل طور سے کامیاب بنانے کے لئے اپنے زیر اختیار تمام وسائل کو یکجا کریں گے، جن میں غیر سرکاری تنظیموں، سماجی کارکنوں اور تعلیمی محکموں کی کوششوں سے مزید اضافہ ہوگا۔ جغرافیائی اعتبار سے دشوار علاقوں جیسے شمال مشرقی علاقہ نیز دیگر دشوار علاقوں جیسے جموں و کشمیر کے معاملے تک میں بھی ریاستی حکومتوں نے عہد کیا کہ بچوں کو پلس پولیو کی خوراک پلانے کی راہ میں کسی بھی چیز کو حائل نہیں ہونے دیا جائے گا۔

یہ قومی اتفاق رائے ہی پروگرام کی کامیابی کی سب سے یقینی ضمانت ہے جس کا مقصد ہر ایک اس بچے تک پہنچنا تھا جسے پلس پولیو کی خوراک پلائے جانے کی ضرورت تھی۔ جیسا کہ آئندہ تین چار برسوں میں ہر سال پلس پولیو کی خوراک پلانے کے دنوں کا اہتمام کئے جانے کی تجویز ہے، یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ۲۰۰۰ء تک ملک سے پولیو کا مکمل خاتمہ صاف نظر آرہا ہے۔ آئندہ نسلوں کے لئے یہ یعنی پولیو سے پاک بچپن: ہمارا سب سے بیش قیمت تحفہ ہوگا جو کہ ایک صحت مند اور مستحکم ملک کے لئے اولین شرط ہے۔ (بشکریہ پی آئی بی)۔

بقیہ:- ریاستی اسمبلی کے پہلے سیشن سے گورنر کا خطاب

پالی پارکس کی ترقی اور ضمنی صنعتوں کے قیام کے لئے منصوبہ بندی کی مشقیں زیر عمل ہیں۔ بلدیہ میں پلاسٹک انجینئرنگ اینڈ ٹولس کے مرکزی ادارے کے ایک مرکز کے قیام کے سلسلہ میں ایک پروجکٹ کو منظوری مل چکی ہے۔

جیسا کہ معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ آرتھر ڈی لیٹل اور پرائس واٹر ہاؤس اسوسیئٹس نے آزاد مطالعہ رپورٹیں داخل کردی ہیں۔ ریاستی حکومت نے صنعتی امکانات اور انفرا اسٹرکچرل ترقیاتی حاجتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک ضلع وار حکیمانہ مطالعہ کے کام کی انجام دہی کے لئے مسرز پارلتا ایس گھوش اینڈ اسوسیئٹس کو مقرر کیا ہے۔ درگا پور میں ایک برآمداتی فروغ صنعتی پارک قائم کیا جارہا ہے۔

سرمایہ کارانہ ترغیب کے لئے اور منفرد کھڑکی تعاون کی فراہمی کے لئے ڈبلیو بی آئی ڈی سی ایک مساسکی نکتہ بنا ہوا ہے۔ انفرا اسٹرکچرل ترقی سے متعلق پروجکٹوں کو روبہ عمل لانے کے لئے آئی سی آئی اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے درمیان ایک مشترکہ سکٹر کمپنی ـ "آئی ـ دن" تشکیل پاچکی ہے۔

غیر ملکی اشتراک سے قائم کردہ سو فیصد اکسپورٹ اورینٹڈ یونٹ ویبل ایس ایل انرجی سسٹم لمیٹڈ نے سولر پی وی سیلس، موڈیولس اور سسٹم جیسی قابل تجدید توانائی مصنوعات برآمد شروع کیا ہے۔ بین الاقوامی

آخر میں میں ایکبار پھر عزت مآب ممبروں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کی سنجیدہ بحث مباحثہ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں ـ جے ہند ـ

مغربی بنگال

3/6/96

مغربی بنگال

جلد نمبر ۱۲ • یکم اپریل ۱۹۹۶ء • شمارہ نمبر

ترتیب

انتخابی ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی کرنیوالوں کیخلاف سخت کاروائی کیجائیگی

● شری ٹی این سیشان

شری سیشان ایس کے ماگن کے ساتھ پریس کانفرنس میں

مغربی بنگال میں آئندہ ۲ اور ۷ مئی کو ہونے والے لوک سبھا اور اسمبلی انتخابات کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے چیف الیکشن کمشنر مسٹر ٹی این سیشان گذشتہ ۱۲ مارچ کو ایک روزہ دورے پر کلکتہ تشریف لائے اور راج بھون میں مغربی بنگال کے چیف الکٹورل آفیسر شری ایس کے ماگن، چیف سکریٹری شری کرشنا مورتی، ہوم سکریٹری شری منیش گپتا کے ساتھ تفصیلی بات چیت کی۔ اس کے بعد گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ انتخابی پروگرام کے اعلان کے ساتھ ہی ضابطۂ اخلاق کا نفاذ ہوگیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہونگے مسٹر سیشان نے کہا کہ انتخابی مہم سے لیکر ووٹوں کی گنتی تک کے پورے انتخابی عمل کو ویڈیو فلم تیار کی جائیگی اور مجموعی انتخابی انتظامات کی نگرانی کے لئے لوک سبھا کے ہر حلقہ کے لئے تین آبزرور مقرر کئے جائیں گے۔

چیف الیکشن کمشنر مسٹر سیشان نے مزید بتایا کہ مقررہ تاریخوں میں پولنگ صبح ٹھیک ۷ بجے شروع ہو جائیگی اور بغیر کسی تعطیل کے شام ۵ بجے تک جاری رہے گی۔ انھوں نے کہا کہ ووٹروں کو ان کے شناختی کارڈ کے بغیر بھی ووٹ دینے کا حق حاصل ہوگا۔

مغربی بنگال میں انتخابات کب اور کہاں؟

مغربی بنگال میں آئندہ ۲ اور ۷ مئی ۱۹۹۶ء کو لوک سبھا اور ودھان سبھا کے انتخابات ہونے جارہے ہیں۔ ۲۰ لوک سبھا اور ۱۴۰ ودھان سبھا کے حلقہ ہائے انتخابات میں پولنگ ۲ مئی کو ہوگی جبکہ دوسرے دور میں ۲۲ لوک سبھا اور ۱۵۴ ودھان سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں پولنگ ۷ مئی کو ہوگی۔ پولنگ کے اوقات صبح ۷ بجے سے شام ۵ بجے تک مقرر کئے گئے ہیں۔ ۲ مئی کو جن ۲۰ لوک سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں پولنگ ہونے جارہی ہے انکے نام ہیں: (۱) کوچ بہار (۲) علی پور دوار (۳) بالورگھاٹ (۴) نبادیپ (۵) درگاپور (۶) بیربھوم (۷) جلپائی گوڑی (۸) دارجلنگ (۹) رائے گنج (۱۰) مالدہ (۱۱) جنگی پور (۱۲) مرشد آباد (۱۳) بہرام پور (۱۴) کرشنا نگر (۱۵) باراسات (۱۶) بانکوڑہ (۱۷) آسنسول (۱۸) بردوان (۱۹) کٹوا اور (۲۰) بول پور ـــــ ۷ مئی کو جن ۲۲ لوک سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں پولنگ ہوگی ان کے نام ہیں: (۱) بشیرہاٹ (۲) ڈائمنڈ ہاربر (۳) جادوپور (۴) بارکپور (۵) دم دم (۶) کلکتہ شمال مغرب (۷) کلکتہ شمال مشرق (۸) کلکتہ جنوب (۹) ہوڑہ (۱۰) الوبیڑیا (۱۱) سری رامپور (۱۲) ہگلی (۱۳) آرام باغ (۱۴) پانسکوڑا (۱۵) تاملوک (۱۶) کانتھی (۱۷) مدنی پور (۱۸) پرولیا (۱۹) وشنوپور (۲۰) جے نگر (۲۱) متھراپور (۲۲) [illegible]

فلم و ثقافت کی ممتاز شخصیت انیل چٹرجی کا انتقال
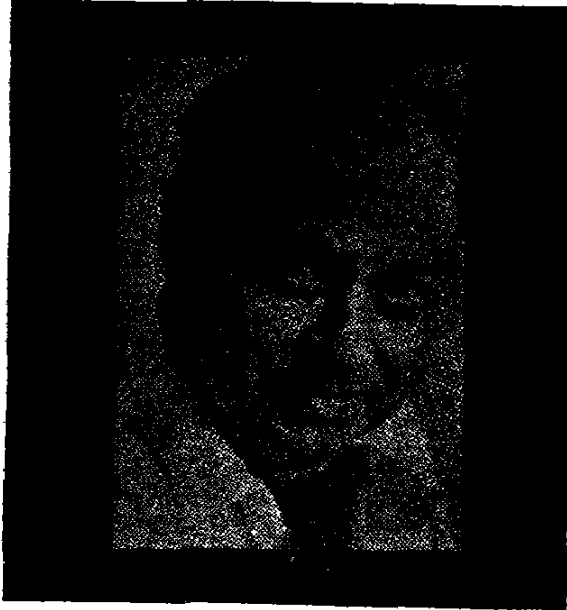
مشہور اداکار اور مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے ممبر انیل چٹرجی کا گذشتہ ۱۷ مارچ کو کلکتہ کے ایس ایس کے ایم ہسپتال میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا موت کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ ادھی رات کو ان کی موت کی خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پوری فلمی و ثقافتی دنیا سوگوار ہو گئی۔ ان کے سوگواروں میں تین لڑکے ایک لڑکی اور اہلیہ ہیں۔

انیل چٹرجی بنگلہ اور ہندی فلموں میں انتہائی مقبول اداکار تھے۔ وہ فلمی دنیا میں معاون ہدایت کار کی حیثیت سے آئے۔ شروع میں انھوں نے اردھیندو مکھو پادھیہ کے معاون ہدایت کار کی حیثیت سے کام کیا اور تپن سیا کی مکھو پادھیہ کے زیر ہدایت فلم جوک سیوک میں اداکاری حیثیت سے پہلی بار پردۂ سیمیں پر آئے۔ یہ فلم ۱۹۵۳ء میں ریلیز ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں پریمیندو مترا کی "مُتیلا لیج" میں ہیرو کا رول ادا کیا۔ انھوں نے ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک مسلسل فلم کے بڑے اور ٹیلی ویژن کے چھوٹے پردوں پر مختلف کردار ادا کیا۔ انھوں نے اپنی اداکاری کے جوہر سے فلموں کے شائقین کا دل موہ لیا تھا۔ انھوں نے ستیہ جیت رے کی فلم تین کونیا میں پوسٹ ماسٹر کا جاذب رول ادا کیا تھا۔ انھوں نے مہانگر، کنچن جنگا، سگینہ مہاتو، میگھے ڈھاکا تارا، اجنترک، کومل گاندھار، مکتی اسنان، امانس، سنتوسا جی کے علاوہ ان گنت بنگلہ فلموں میں اپنی بہترین اداکاری کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے بہت سی ہندی فلموں میں بھی اہم رول ادا کیا تھا۔ ہندی فلم سگینہ مہاتو میں دلیپ کمار کے ساتھ ان کی دلکش اداکاری نے ان کی شہرت میں چار چاند لگا دیا تھا۔

انیل چٹرجی زندگی کے آخری ایام تک فیڈریشن آف فلم سوسائٹیز آف انڈیا کے کل ہند صدر رہے۔ اس کے علاوہ فلمی آرٹسٹوں کے منتظم اور لیڈر کی حیثیت سے بھی متعارف تھے۔

ریاست کے فلم سنٹر "نندن" کے صدر کی حیثیت سے بھی وہ اپنی خدمات انجام دے رہے تھے۔ وہ ملک کے جمہوریت پسند قلمکاروں اور فنکاروں کی تنظیم کے سرپرست بھی رہے۔

ان کی موت سے ادبی و ثقافتی دنیا نیز فلمی صنعت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ ان کی موت پر اپنے گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ "ممتاز فلمی فنکار انیل چٹو پادھیہ کی موت سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ بنگلہ فلموں کے اداکار کی حیثیت سے انھوں نے کافی عزت و شہرت حاصل کی تھی۔ فلمی صنعت کے متعلقہ افراد کی مختلف تنظیموں میں انھوں نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔ حال ہی میں مغربی بنگال ودھان سبھا کے ممبر کی حیثیت سے انھوں نے سبھوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔ نندن کے صدر کی ذمہ داری میں بھی انھوں نے اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا ہے۔ ان سے میری بہت دنوں کی پہچان تھی۔"

وزیر اعلیٰ موصوف نے اپنے پیغام میں آنجہانی فنکار کے اہل خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

ان کی موت پر اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اطلاعات

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

ڈاکٹر عبدالمنّان

پریم چند کی کہانی کی روایت

اُردو افسانہ نگاری کے افق سے جو شخصیّت ایک روشن آفتاب کی صورت جلوہ گر ہوئی اور لیلِ داستان کی تاریکیوں کو اپنی فکرِ بلیغ اور نئے تجربے سے ختم کیا وہ منشی پریم چند ہیں جن کی زندگی کا آغاز دھنپت رائے کے نام سے ہوتا ہے، نواب رائے کی حیثیت سے سرزمین ادب میں پہلا قدم رکھتے ہیں اور پریم چند کے نام سے دنیائے علم وادب میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ دھنپت رائے سے لیکر پریم چند تک ایک سفر ہے جو ان مختلف ساختات تجربات اور حادثات پر مبنی ہے جو زندگی کے دریدہ دامن میں انگنت درد کے پیوند لگتے جاتے ہیں۔ زمانے کی نیرنگیاں ہوں کہ وقت کے بدلتے ہوئے تیور، وقت کی بے خواب کردٹوں کی چبھن ہو کہ طبقاتی کشمکش، استحصالی نظام ہو کہ اہل دَول کے خونی پنجے، زندگی کی مایوسی ہو کہ بے یقینی کا درد دورا پریم چند'دامن فکر میں سبھی کانٹے چھپائے رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تجربے بڑے عمیق ہیں اور ان کے مشاہدے بڑے وسیع و دقیع جو ان کی تخلیقات کو موثر، جاذب اور زندگی سے معمور کرتے ہیں۔ زندگی کی عسرت، خاندان کی بدحالی، وقار کی گرتی ہوئی دیواریں، گھریلو ذمہ داری اور آمدنی کی کمی نے ان کی زندگی کو آرزوؤں کا مدفن بنادیا تھا۔ ملہی گاؤں کے قریب کسانوں کی طرح ان کا خاندان بھی دریائے افلاس کے ساحل پر مصائب و آلام کے جھونکے برداشت کررہا تھا۔ کبھی سیل بلا ان کے نشیمن کو بہالے جاتا اور کبھی بادِ سموم اڑالے جاتی لیکن ہمیشہ اس نشیمن کی تعمیر میں ان کے خاندان کے افراد معروف کار رہتے، جس میں پریم چند بھی شریک ہوتے۔ اس شرکت نے ان نازک کاندھے پر عسرتوں کا ایک ایسا بوجھ ڈال دیا تھا جو تاحیات قائم رہا۔ اور وہ ہر لمحہ اتار پھینکنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ پریم چند ایک بہادر کی طرح زندگی کے سرد و گرم کو برداشت کرتے رہے اور

وقت کی تیز دھوپ میں بھی جہد و عمل کی توانائی کے سہارے آگے بڑھتے رہے۔ یہ حوصلہ اگرچہ ان کی معاشی پریشانیوں کو دور کرنے سے قاصر ہیں تاہم اردو ادب کو زندگی کی نئی جہتوں سے یقیناً آشنا کرتے ہیں۔ ادیب کا مطمع نظر بنیادی طور پر بشری صورت حال سے تعلق رکھتا ہے اور یہ صورت حال انسانی تجربہ کا مکمل عکس ہوتی ہے۔ اس کی پیشکش کے بہتیرے ذرائع ہوسکتے ہیں لیکن اس کی افسانوی ادب میں موجودگی اس صنف کو دلچسپ اور بامعنی بنانے کا ایک مکمل اقدام ہے۔ پریم چند خود اس ضمن میں فرماتے ہیں !

" افسانہ تحلیل نفسی اور زندگی کے حقایق کی مصوّری کو ہی اپنا مقصد سمجھتا ہے۔ اس میں تخلیقی باتیں کم اور تجربات زیادہ ہوتے ہیں۔ یہی نہیں تجربہ تخلیقی تخیل سے دلچسپ ہوکر کہانی بن جاتے ہیں۔"

شاعری میں بھی تجربے تخلیقی تخیل سے دلچسپ ہوتے ہیں لیکن افسانہ ان کی شمولیت کے باوجود جذبات کی ترسیل میں اپنی شناخت یا افسانویت سے دور نہیں ہوتا۔ افسانے میں تخیل کا عمل پیکر سازی کا عمل ہوتا ہے جو شاعری کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور ارادی ہوتا ہے کیونکہ ایک زندہ اور واقعاتی ماحول کو جنم دینا اس کا مقصود ہوتا ہے۔ زندہ اور واقعاتی ماحول کی خلق زندگی کے Involvement سے ممکن ہے۔ زندگی کے درد کا رشتہ زمانے سے بڑا گہرا ہے۔ جس کی لہریں ایسی تصویریں بھی بنادیتی ہیں جو اجتماعی اور انفرادی بشری زندگی کا عکس ہوتی ہیں۔ افسانہ میں یہ تصویریں زندگی کو زیادہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ واضح کرتی ہیں۔ زندگی میں شمولیت اور عقدہ کشائی، زندگی سے محبت اور اس کی استواری ایک فنکار کا اہم شیوہ ہے لیکن یہ شرکت کس نوعیت کی ہے یہی بات آرٹسٹ کی عظمت کا تعیّن

کرتی ہے۔ زندگی کی استواری خطیبانہ اور مصلحانہ انداز سے بھی ممکن ہے لیکن ادب میں مصلحانہ بازیگری آرٹ کو مجروح کر دیتی ہے۔ لہٰذا ادیب کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ عصری درد کے رشتے کو فن کا خوبصورت لباس عطا کرے۔ پریم چند نے اس درد کے بساط کو پھیلا دیا تھا اور اس میں زندگی کی وسعت پیدا کر دی تھی۔ پریم چند سے قبل وہ آواز تقریباً گنگ تھی جو سماج کو بربریت اور استحصال کے خلاف اٹھائی جا سکتی تھی اور اگر کہیں کہیں اس کی بازگشت سنائی بھی دیتی ہے تو وہ اساسی مرتبہ کی حامل نہیں۔ پریم چند وہ پہلا فنکار ہے جس نے سماج کے فرسودہ نظام کے خلاف آواز اٹھائی اور مصلحتوں سے مصالحت کے خلاف جہاد کیا اس لحاظ سے آج کا عہد کہ جس میں مصلحتوں سے مصالحت کا رویّہ عام ہوتا جا رہا ہے، پریم چند کی جرأت رندانہ اور بصیرت افروزی کی ضرورت کچھ زیادہ محسوس کی جاتی ہے۔ انھیں زندگی عزیز تھی اسی لئے کہ وہ زندگی کے سرد و گرم سے واقف تھے "سوز وطن" سے لیکر ایک گئودان تک ان کی زندگی سے والہانہ شیفتگی اور اس سے بے انتہا قربت کا اندازہ ہوتا ہے۔

پریم چند کی حقیقت نگاری ان کے افسانوں سے بھی ظاہر ہے۔ اور ان کے ناولوں سے بھی۔ اگر چہ ان کی ادبی زندگی کی ابتداء ان کہانیوں سے ہوتی ہے جس میں مصلحانہ رنگ آمیزی اور رومانی کیف و سرور کی بہتات ہے لیکن وہ جلد ہی اپنے دامن کو رومانی پھولوں سے بھرنے سے بچا لیتے ہیں اور حقیقت نگاری سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ ان کی حقیقت نگاری عصری حسیت کا ایک ایسا درپن ہے جہاں زمانے کے نشیب و فراز کے خد و خال پوری طرح نظر آتے ہیں۔

پریم چند کی کہانی کا پس منظر ہندوستانی دیہات ہے جہاں فصل اگانے کی ہر ممکن جد و جہد و عمل جاری ہے لیکن افلاس اور بھوک اگتی ہے اور ہر سال اس کا بار اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ اقتصادی بدحالی برداشت کرنے سے قاصر ہوتا ہے نتیجہ میں آدرش، وچار اور تصورات کے رنگ محل منہدم ہو جاتے ہیں اور دہقان کسان، ہوری کی صورت میں زندہ رہتا ہے جس کے ذہن پر راسخ العقیدگی، حالات سے سمجھوتہ، تقدیر پر قناعت اور کسی

مذہبی خواہش کی تکمیل کی گرد، اس قدر جمتی جاتی ہے کہ وہ اسے کھرچ کر نکالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پریم چند کے عہد میں پرانی نسل کے ذہن و دماغ میں بغاوت کی کوئی ایسی چنگاری موجود نہیں تھی جو بہیمیت کے نشیمن کو پھونک ڈالے، مذہب سے والہانہ لگاؤ اور ہر عمل کو خدا کی مرضی پر محمول کرنے کا خیال نشہ کی طرح چھایا ہوا ہے جو اپنے حصار سے باہر نکلنے کی مہلت نہیں دیتا۔ پریم چند اس سماجی صورت حال کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔ وہ زندگی کے جس منفی رخ کی عکاسی کرتے ہیں اس میں مثبت نظام حیات کی لہر موجیں مار رہی ہوتی ہے "کفن" کا گھیسو ہو یا مادھو یا گئودان کا ہوری، ان کی زندگی کے تاریکیوں میں وہ کرن بھی چھپی ہوتی ہے جو نئی نسلوں کو روشنی عطا کر سکتی ہے اور گوبر جیسا کردار بھی اسی ماحول کی کوکھ سے جنم لیتا ہے جس کی رگوں میں بغاوت کا جذبہ سرایت کر چکا ہے اور ہر ممکنہ استحصال کے خلاف برسرپیکار ہے۔ پریم چند کی یہ روایت آنے والے فنکاروں کو دعوت تقلید دیتی ہے اور ایسے فنکار بھی ان کی روایت کو مشعل راہ سمجھتے ہیں جو پریم چند کے بعد اردو افسانہ نگاری میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً اپندر ناتھ اشک، علی عباس حسینی، سہیل عظیم آبادی اور کرشن چندر وغیرہ، یہ فہرست قطعی مکمل نہیں اور بھی ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے پریم چند کی راہوں پر چلنا فخر سمجھا ہے اور بعضوں نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن پریم چند کی راہ صرف ان لوگوں تک محدود نہیں ہے جو بارہا اس سے گذرتے رہے بلکہ وہ افسانہ نگار بھی مستفیض ہوتے رہے جو اپنے نظریہ و اعتقاد آدرش اور اصول کے اعتبار سے پریم چند سے قطعی مختلف ہیں۔ پریم چند نے افسانہ نگاری میں نہ صرف بنیاد حقیقت پسندی کی رکھی بلکہ اسے کامیابی کی اس بلندی پر لا کھڑا کیا جہاں بعد کی نسلوں کو نئی راہیں ہموار کرنے اور زندگی کے نت نئے مسائل کو پیش کرنے کی سہولتیں فراہم ہوئیں۔ اس لحاظ سے پریم چند کی روایت کے اثرات سے انحراف ممکن نہیں۔

پریم چند نے جو مخصوص طریقۂ پیشکش اختیار کیا وہ دنیا کے لئے کوئی نئی چیز نہیں اور زمانوں میں بھی یہ طریقہ موجود تھا مثلاً ٹالسٹائی،

جیجنوف اور گورکی نے اپنے دور کو پوری طرح گرفت میں لیا اور اس کے چہرے سے نقاب اٹھائی۔ پریم چند نے بھی اپنے دور کو اسی طرح گرفت میں لیا اور اس کے تمام رخوں کو نمایاں کیا۔ اپنے گرد و پیش کو دیکھا، سمجھا، پرکھا اور اس کا صحیح تجزیہ کیا۔ یہ کام بڑا دشوار گذار ہے اور اس راہ پُر خطر سے سلامت روی کے ساتھ گذرنا آسان نہیں۔ یہاں اکثر غلط عقاید اور نظریات دامن تھام لیتے ہیں اور جن باتوں کو صحیح طور پر منطقی انداز سے پیش کرنا ہوتا ہے وہ غلط تجربہ کی چادر میں لپٹی نظر آتی ہیں اور سماجی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ پریم چند کے تجربے اور عصری میلانات سے ان کی واقفیت، اس قبیل میں اپنا مقام نہیں بناتیں بلکہ وہ ہندوستانی سماج کے ہر گوشے کی وضاحت کرتے ہیں۔ ابتداء میں اگرچہ ان کے قدم ڈگمگاتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ فکری بالیدگی ان کے لرزیدہ قدموں کو سنبھال لیتی ہے اور وہ ایسے فن پارے بھی پیش کرتے ہیں جو دنیائے ادب میں پیش کئے جانے کے لائق ہیں مثلاً 'کفن' اور 'گئو دان' بقول حیات اللہ انصاری:

"میرے نزدیک گئو دان اور کفن پریم چند کے شاہکار ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مایوسی پر ختم ہوتے ہیں اس لئے ناقص ہیں میں تو جب بھی ان دونوں میں سے کسی کو پڑھتا ہوں میرے دل میں جد و جہد کا تازہ جوش ابھرتا ہے۔ ایسے افسانوی ادب کو میں مایوس کن کیونکر سمجھ سکتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ دونوں پریم چند کے خزانے کے کوہِ نور اور دنیائے ادب میں لازوال ہیں۔"

جمالیات کا افلاطونی نظریہ آج بھی قائم و دائم ہے جو شعری و نثری روایات کے خون میں حلول ملتا ہے اور دوسرے شعبۂ ادب پر سوار موجودہ ادبی روایت تک چلا آرہا ہے۔ افلاطون کا قول ہے کہ فنکار کی تخلیق خارجی دنیا کے حالات کو منعکس کرتی ہے۔ Haeger ایک نہج پر افلاطون سے قریب ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آرٹ کا بنیادی مقصد بہتر افہام و تفہیم ہے جو عقلی صورت سے بھی عبارت ہے۔ بعض جمالیات کے ماہرین فن کو تفریح طبع کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اور اس کا زندگی سے ایسا گہرا اسمبندھ قائم نہیں کرتے جس میں خالق کی زندگی اور اس عصر پوری طرح منعکس ہو۔ اس لئے یہ حضرات علمی اور عقلی کردار کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن پریم چند لانگر سے قریب نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے دور کی سچائیوں کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اسے فن کا ایسا خوبصورت لباس عطا کرتے ہیں کہ پیراہن رنگین خود فکر کی رنگینی میں جذب ہو کر مانند شعلہ لپکتا اور لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے پریم چند کی تخلیقات تفریح طبع کے دائرے سے دور ہو جاتی ہیں اور ان میں گہری معنویت قائم ہو جاتی ہے جو پریم چند کے تصور جمال کی ایک شناخت ہے۔

پریم چند نے اس دور میں اپنا قلم سنبھالا جب ہندوستان زبردست سیاسی بحران سے دو چار ہو رہا تھا۔ پرانی قدریں ٹوٹ رہی تھیں اور نئی قدریں جنم لے رہی تھیں۔ جاگیردارانہ فضا دم توڑ رہی تھی اور ہندوستانی سماج نئے پیداواری ماحول سے قریب ہو رہا تھا۔ انگریزوں کی آمد نے پیداواری رشتے اور طاقت کو جنم دیا تھا اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انگریزوں کی حکومت دراصل ماضی کے حکمرانوں کی تبدیلی کا مترادف روپ قطعی نہیں تھی بلکہ برطانوی سامراج نے ایک نئے نظام کو جنم دیا تھا جس میں قدروں کی شکست و ریخت کا عمل بڑی تیزی سے جاری تھا۔ پریم چند کی دوربین نگاہوں نے اس تصادم کو پوری طرح بھانپ لیا تھا۔ وہ ستیز پیہم اور اضداد حیات کے جوہر سے واقف ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے اس طبقہ سے اپنی وابستگی قائم کی جو گاؤں کا غریب کسان اور شہر کا مزدور طبقہ تھا انھیں ان ہی لوگوں کے درمیان سچا ہندوستان نظر آیا۔ جو بدلتے ہوئے سامراجی نظام کے پوری طرح شکار تھے جن کی ایک چھوٹی سی خواہش تکمیل سے ہمکنار نہیں ہوتی تھی اور وہ مرجھائے ہوئے پھولوں کا ایک گلدستہ بن کر رہ جاتے تھے۔ پریم چند نے اس طبقہ سے محبت کی اور اس میں زندگی کے پھوٹتے ہوئے چشمے کو جوئے شیر کی حیثیت دی۔ اس کے لئے انھیں جس انداز سے کوہکنی کرنا پڑی وہ یقیناً اردو ادب کا ایک سرمایہ ہے۔ پریم چند سے قبل ہمارے فکشن کا سرمایہ داستانوی رنگ میں موجود تھا جس کی دنیا حسین و دلفریب تھی اور اس دنیا کے باسی یا تو دربار شاہی کے افراد ہوتے تھے یا حسین و خوبصورت محلوں کے مکین۔ جہاں مصائب کی بدلیاں تو چھاتی تھیں لیکن بادلوں کے ٹکڑوں کی

۵

طرح جو حرف ایک ہوا کے جھونکے ہی میں بن برت بکھر جاتے ہیں۔ یہ دنیا خوشیوں اور مسرتوں کی دنیا ہوتی تھی جس کے کردار مصائب کے پیہم نزول کو آن واحد میں ختم کر دیتے تھے لیکن اس میں زندگی کی صداقت کا فقدان ہوتا تھا۔ پریم چند کے عہد میں ایسی دنیا کی رنگینی کی تخلیق بے سود ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر پریم چند اسی دنیا کی عکاسی میں مصروف کار ہوتے اور اپنے عصری میلانات کو برتنے سے پہلو تہی کرتے تو شاید ادب کے ساتھ انصاف نہیں کرتے انھوں نے اس طلسمی دنیا پر اپنے تیشۂ افکار سے ضرب لگائی اور اس زندگی کی عکاسی کی جو ہندوستانی سماج کے رگ و پے میں مسلسل عمل اور رد عمل کی صورت میں جاری و ساری ہے۔ اردو میں واقعیت پسندانہ قصوں یا ناول کے تشکیلی دور کا آغاز جاگیر دارانہ ماحول کی گرتی ہوئی دیواروں اور نئے صنعتی معاشرے کی تعمیر کا فطری اور فکری نتیجہ ہے جس کی بساط کو پھیلانے اور کامیابی کے مہرے کھینچنے کا عمل برطانوی سامراج کے نئے اقتدار کا غماز ہے۔ چنانچہ اس عہد کے ناولوں کا موضوع پند و نصائح سے لبریز اور اصلاح نفس اور اخلاقی بلندیوں سے پُر ہے۔ پریم چند کے ابتدائی ناولوں میں رومانیت، اخلاقیت اور ہندو قوم و ہندو معاشرے کی اصلاح کا جو نقشہ موجود ہے وہ دراصل اسی حقیقت کا پرتو ہے۔

پریم چند کے ناولوں میں دراصل "گوشۂ عافیت" کے بعد سے ایک نئے موڑ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں بڑھتی ہوئی طبقاتی کشمکش کا احساس نئے پیداواری ماحول میں استحصال اور جبر و تشدد کا سلسلہ اور امیر طبقے کی شعوری کوشش، پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ دوسری جنگ عظیم کے لئے فضا کی ہمواری، برطانوی حکومت کے خلاف صف آرائی، ہندوستان کی آزادی کی جد و جہد محنت کش طبقہ کی بیداری، صنعت کاری کی بڑھتی ہوئی رفتار سے شہری زندگی میں ہما ہمی، مغرب و مشرق کی آویزش سے ہندوستانی معاشرہ میں نئی لہریں اور غور و فکر کی سطح پر صحت مند کر دئیں، ناول کو ایک نئی راہ کی طرف مائل کر رہی تھیں اور ناول نگار معاشرہ کی اس آویزش کے فکری نتائج کے پیکر کو اپنے فن کے قالب میں منتقل کر رہا تھا پریم چند کے "گوشۂ عافیت" سے لے کر "گئودان" تک ناول کے

نئے امکانات اور نئی روایات کو سمجھنے کے لئے مذکورہ باتوں پر بغائر توجہ دینا ناگزیر ہے۔ دراصل انہی حالات کے نتائج کا ماخذ ان کے ناولوں کا صحیح سرمایہ ہے۔

مذکورہ حقائق اور تجربات کی پیشکش کے لئے پریم چند نے جس اسلوب اور طرز ادا کو اپنایا وہ یقیناً مؤثر اور دلکش تھا لیکن اس میں تصنع اور تکلف کا غلبہ نہیں تھا بلکہ ایک نوع کی سادگی تھی جو بیانیہ طرز سے آراستہ تھی کہیں کہیں بیانیہ انداز ذہن میں لطافت کی لہریں نہیں پیدا کرتا لیکن پریم چند جن حقائق کی ترجمانی کر رہے تھے ان میں تاثیر اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے لفظی موشگافی اور اصطلاح سازی سے کام نہیں لے سکتے تھے۔ وہ تو اپنے تاثرات کو قاری کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے جس میں زندگی کا کرب تھا، خلوص کی آنچ تھی، سماجی زندگی کی تلخیاں تھیں اور انفرادی تجربے کی مہک تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اسٹائل فنکار کی پہچان کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے۔ یہ بات پوری طرح پریم چند پر صادق آتی ہے۔ اچھا سلوک بلند شخصیت کی باز گشت ہوتا ہے۔ اس آئینہ میں فنکار کی شکل صاف و روشن نظر آتی ہے کیونکہ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کو منفرد اور پرکشش اسلوب کا لباس عطا کرتا ہے۔ تجربات اور مشاہدات کو حسین لباس یوں ہی نہیں عطا کئے جاتے۔ یہ ایک تخلیقی حسیات کا نتیجہ ہے۔ خالق تخلیقی عمل کے دوران شدید کرب میں ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ تاثرات کی جو دنیا عالم وجود میں لاتا ہے وہ مخصوص اسٹائل کا رہین منت ہوتا ہے پریم چند کے عہد میں ہندوستان کا سیاسی و سماجی بحران یورپ کے سیاسی و سماجی بحران سے قطعی مختلف تھا جس زمانے میں یورپ امپیریلزم کی طاقتوں کی جنگ کا شکار تھا اور تمام انسانی قدریں عالم نزع میں تھیں۔ ہندوستان اس زمانے میں آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ دیہی علاقوں میں زمینداروں کی بربریت اور استبداد کا زور تھا۔ نتیجے کے طور پر دو طبقوں کے درمیان تصادم اور آویزش کی فضا قائم ہو چکی تھی۔ تخیلی سطح پر بیداری کی لہریں پیدا ہو چلی تھیں۔ جیسے اور بہتر سماج کی تشکیل کا اگرچہ واضح خاکہ نہیں تھا تاہم اس راہ پر چلنے کا احساس جاگ پڑا تھا یہی وجہ ہے

کہ پریم چند نے حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے یورپی اسالیب سے الگ ہٹ کر بیانیہ انداز اختیار کیا جس میں کہیں کہیں ہلکا پن کا احساس تو جاگتا ہے لیکن اس کے باوجود فن سے مجروح نہیں ہوتا۔

افسانہ ہو یا ناول ادب میں نگاہِ توقیر کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جب جمالیاتی بصیرت سے معمور اور آراستہ ہو۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن ـــــ "جمالیات میں محض احساسِ حسن ہی شامل نہیں ہے بلکہ اس میں احساس اور حسن دونوں بصیرت یعنی احساس، فکر اور جذبے سے پیوست ہیں اور بالیدہ شخصیت بالیدہ تر عصری حسیت کے بغیر وجود نہیں رکھتیں۔" جمالیاتی بصیرت ادب میں حنا کی سرخی اور پھولوں کی مہک پیدا کرتی ہے اور یہ خارجی و داخلی تجرباتی سطح کی مچلتی ہوئی کیفیتوں کا ایک پیکر ہے جو خالق کی ذات سے گہری وابستگی رکھتا ہے، ہر افسانہ افسانہ نگار کی شخصیت کے اندر جنم لیتا ہے جو عصری حسیت کی کرنوں سے تابندگی اور توانائی حاصل کرتا ہے۔ احساسِ جمال کے تنوعات میں وحدت کا پیدا ہونا فن کی معراج ہے اور یہ وحدت میں کثرت کی جلوہ آرائی خارجی حالات سے ممکن ہے۔ لہٰذا عصری میلانات و رجحانات کا عکسِ نگین جب کسی تخلیق میں جمالیات حنا کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے تو اس کو آسانی سے اتار پھینکا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک قوسِ قزح کی مانند ہے کہ جس پر نگاہ کا مرکوز ہونا یقینی ہے اور یہیں سے پریم چند کی کہانی کی روایت آگے بڑھتی ہے۔ (بشکریہ: مغربی بنگال اردو اکاڈمی) ○

ادبی خبر

اختر الایمان کی یاد میں بزم شاکری کا جلسۂ تعزیت

اردو نظم کے مایہ ناز ترقی پسند شاعر اختر الایمان کا گذشتہ ۹ر مارچ ۱۹۹۶ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کی موت سے اردو ادب کے ماحول میں ایک غمناک سناٹا چھا گیا۔ ان کی موت پر اظہارِ غم کرنے کے لئے کلکتہ کے قدیم ادارے بزم شاکری کی جانب سے ۲۳ اے شمس الہدیٰ روڈ میں گذشتہ ۱۷ر مارچ، اتوار کو رات کے ۷ بجے ایک جلسۂ تعزیت منعقد کی گئی جس کی صدارت جناب صادق گیاوی نے کی۔ جلسہ کا آغاز ایصالِ ثواب سے ہوا۔

سب سے پہلے جناب مصطفیٰ اکبر نے مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے فن و شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور انھیں ان کے متنوع خیالات اور تیکھے لب و لہجہ کی وجہ سے اردو کا منفرد شاعر قرار دیا۔ اس کے بعد جناب اشرف چنگیزی نے اختر الایمان ـــــ شخص اور شاعر کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا جس میں انھوں نے شاعر کی قابلِ قدر شخصیت اور ان کی شاعرانہ خوبیوں پر روشنی ڈالی۔ موصوف نے اختر الایمان کو جدید اردو نظم کا سب سے بڑا شاعر بتایا۔ صادق گیاوی نے اختر الایمان کی شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اختر الایمان اس دور کے سب سے بڑے نظم گو شاعر تھے۔ ان کی موت اردو ادب کا المیہ ہے۔

جناب نور بخش نور کلکتوی اور جناب صغیر الدین کمال نے اختر الایمان کی وفات پر قطعاتِ تاریخ پیش کئے جنہیں سامعین نے بہت پسند کیا۔ جناب ستار محمد، جناب اشک مونگیری، جناب علی حسین انجم، جناب النور بارہ بنکوی نے بحیثیت شاعر شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ جلسہ میں جناب اشرف علی، جناب شہاب الدین، جناب التمش حسن ایاز اور جناب ناظم اختر نے بھی شرکت فرمائی۔ -○-

مرحوم

غلام حسین ایاز

ایک خراجِ عقیدت

اُردو کے جدید ترقی پسند شاعر اور "لفظوں کی لکیریں" کے خالق غلام حسین ایاز کے ارتحال کے تین سال پورے ہونے جا رہے ہیں۔ وہ ۹ر جولائی، ۱۹۹۳، کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ ان کے گذر جانے کا صدمہ آج بھی ان کے حلقۂ اربابِ ادب میں بدستور موجود ہے۔ ہم انھیں ان کی تیسری برسی کے موقع پر دلی خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

غلام حسین ابن شیخ امیر الدین معروف بہ نام غلام حسین ایاز ۲۸ اکتوبر، ۱۹۳۹ء کو پارک سرکس کلکتہ میں پیدا ہوئے ۔ سلسلۂ تعلیم اسکول کی سطح تک جاری رہا۔ ان کی شاعری کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ اسی سال حضرت طاہر علی شاکر کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے ۔ ابتدائی دور کی شاعری کلاسیکی انداز کی تھی۔

۱۹۶۸ء میں حضرت شاکر کلکتوی کے انتقال کے بعد انکی شاعری ترقی پسند رجحانات کی طرف مائل ہوئی اور وہ اس قبیل کے شعر کہنے لگے ؎

زندگی اتنی حسین ہرگز نہیں ریشمی چادر ہٹا کر دیکھئے

ساتویں دہائی کے وسط میں ان کی شاعری وقتی طور پر نام نہاد جدیدیت کی آڑی ترچھی لکیروں کی لپیٹ میں آگئی تھی لیکن جلد ہی ان کی بالغ نظری نے تاڑ لیا تھا کہ یہ رنگ وسعتِ غزل کی نباہ کے لئے موافق نہیں لہٰذا وہ ایک بار پھر ترقی پسند رجحانات کی طرف راغب ہوئے۔ اب ان کی شاعری کلاسیکی اقدار، ترقی پسند خیالات اور جدید لب و لہجہ سے مزین ہو کر سطحِ قرطاس پر نمودار ہوئی اور جس نے جلد ہی اردو ادب میں اپنی شناخت قائم کر لی۔ غلام حسین ایاز نے اپنی غزلوں میں حسن و عشق کی معاملہ بندی کے بجائے زندگی کے روزمرہ کے مسائل کو جگہ دی۔ ان کی شاعری کا خمیر عصری تقاضوں اور ذاتی تجربوں کی بھٹی میں تپ کر ایک سنگِ آبدار کی مانند جلوہ افروز ہوا۔ ان کے یہاں ذات کا کرب بھی اجتماعی کرب کی صورت میں نمودار ہوا ہے ــــ غلام حسین ایاز اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ انکے حسنِ سلوک، حسنِ طبع اور حسنِ گفتار نے انھیں اپنے حلقۂ احباب میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ وہ تا دمِ آخر بزمِ شاکری کے جنرل سکریٹری تھے انھوں نے اپنی ۳۳ سالہ ادبی زندگی میں اردو ادب کی بے لوث خدمات انجام دیں۔ کلکتہ کے ادبی جلسوں میں آج بھی ان کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔

مرحوم نے خود ہی کہا تھا ؎

گفتگو رہ جائے گی، یہ فلسفہ رہ جائے گا
ہم نہیں ہوں گے ہمارا تذکرہ رہ جائے گا ۔ο۔

(ـــــ مصطفٰے اکبر)

پاؤں اٹھانے والو پہلے دیکھ بھی لو آگے پیچھے
وہ ہے تمہاری ہی پرچھائیں بھاگتے ہو جن کے پیچھے

اپنے اپنے ظرف کی ہے یہ بات اسے اب کیا کہئے
سوچ رہے ہیں لوگ ابھی تک کون چلے کس کے پیچھے

نابالغ ذہنوں کو کیونکر اس کا اندازہ ہوا ابھی
کتنا گہرا کرب چھپا ہے ڈوبتے لمحوں کے پیچھے

بے تحقیق صدا کے پیچھے بھاگ رہے تھے صدیوں سے
خود کو اندھے غار میں پایا دیکھا جو مڑ کے پیچھے

اب تو اپنی حد نظر تک صحرا ہے تنہائی کا
اک اک کر کے چھوٹ گئے ہیں کتنے حسیں لمحے پیچھے

اک آواز نہ جانے کب سے تیرے تعاقب میں ہے ایاز
پل دو پل کی بات ہے پیارے دیکھ ذرا مڑ کے پیچھے

تو بھی فنکار
میں بھی ہوں فنکار
فرق اتنا ہے مجھ میں اور تجھ میں
تو ہے
اپنی روایتوں کا غلام
تو لکیروں کا پیٹنے والا
تیرا کوئی نظریہ
نہ اصول
تو نے تضحیک کی تو سورج کو
ایک ذرّے کی حیثیّت دے دی
اور تعریف کی تو ذرّے کو
تو نے سورج کا مرتبہ بخشا
میں نے
لیکن
ہمیشہ ذرّے کو
ذرّے کے نام سے پکارا ہے •

قطعہ

رازِ حسنِ حیات کہتے ہیں
تم سے ہم دل کی بات کہتے ہیں
دوستو! اور کچھ سمٹ آؤ
قصّۂ کائنات کہتے ہیں

بائیوٹکنالوجی سماج کے کمزور طبقوں کے لئے امید کی کرن

ڈاکٹر افتخار فاروقی

انسانی تاریخ کے ہر دور میں سائنسی ترقیاں ہوتی رہی ہیں۔ نئی ایجادات اور انکشافات سے ہی انسانیت کو فیض حاصل ہوتا رہا ہے۔ لیکن ماضی کے سائنسدانوں کو ان ایجادات کو تسلیم کرانے میں جن مشکلات اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا وہ آج کے سائنس دانوں کو قطعاً پیش نہیں آتی ہے۔ قدیم دور کیا بلکہ عہد وسطیٰ بلکہ اس کے بعد کے بھی سائنسدانوں کو مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ ان کی نہایت المناک اور افسوسناک سرنوشت کے کتنے تاریخ ساز عظیم انسانوں کو صرف اس لئے اذیتیں دی گئیں، پھانسی پر لٹکایا گیا اور زہر کے پیالے پینے پر مجبور کیا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر پوشیدہ حقائق کو اجاگر کیا۔ ان کا یہ عمل اس دور کے حکمرانوں کو پسند نہ تھا کیونکہ وہ تو عوام کو اندھیرے میں رکھ کر ہی اور سائنسی ایجادات کو مذہب کی ضد بتا کر حاکم بنے رہنے میں آسانی محسوس کرتے تھے جبکہ سائنسداں قدرت کے رموز سے پردہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ سماج کے ٹھیکیداروں اور سائنسدانوں کے درمیان یہ جنگ صدیوں چلتی رہی۔ ابھی کچھ ہی عرصہ کی تو بات ہے کہ جب انسانی ارتقاء کا انقلابی اور عقلی نظریہ پیش کیا گیا تو یورپ کے ایک طبقے نے بڑا واویلا مچایا۔ کیونکہ یہ ایک نیا نظریۂ ارتقاء سے میل نہ کھاتا تھا۔ کئی سال کی کشمکش کے بعد سائنس دشمن عناصر کو ہزیمت کا سامنا ہوا اور لوگوں نے ان کو بنیاد پرست کہہ کر مسترد کر دیا اور اہل علم حضرات یہ تسلیم کرنے لگے کہ سائنس کا مقصد کسی بھی طرح سے دین کی مخالفت نہیں ہے بلکہ عوام کی بہبودی اس کا اصل مدعا ہے۔

ماضی میں سائنسدانوں پر جو کچھ بھی بیتی ہو آج کا سائنسداں بہرحال کھلی ہوا میں سانس لیتا ہے اور اپنے خیالات کو مشتہر کرنے میں آزاد ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ سائنسی ایجادات سماج میں زبردست انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ غریبی کا داغ اس سرزمین سے ختم ہوتا نظر آرہا ہے۔

موجودہ دور کی نسبتاً کھلی فضا کی وجہ سے چند دہائیوں میں کچھ ایسی حیرت انگیز اور ناقابل یقین تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ لوگ حیران ہیں لیکن خوش ہیں۔ ایک طرف ناہید سے سرگوشی کی جا رہی ہے اور پروین سے رشتے جوڑنے کی خاطر کمندیں پھینکی جا رہی ہیں تو دوسری جانب Living Organism میں تبدیلی لا کر انسان کے لئے نئے امکانات فراہم کئے جا رہے ہیں۔ یہ امکانات سائنسی اصطلاح میں Biotechnology کہلاتے ہیں۔

بائیوٹکنالوجی لفظ کا اختراع ۱۹۷۰ء کے بعد کیا گیا ہے گویا ۲۵ سال سے زیادہ پرانے سائنسی لٹریچر میں یہ لفظ ہی آپ کو نہ مل پائے گا۔ ۱۹۷۰ء کے بعد ہی Molecular Biology اور Cell Biology کے میدان میں ایسی تحقیقات کی گئیں کہ جن کی مدد سے نئی صنعتوں نے جنم لیا اور انسان کو روشن مستقبل کا یقین دلایا۔

بائیوٹکنالوجی اصل میں تین اقسام کے علوم کے ملاپ کا نام ہے۔ علم حیاتیات یعنی Life Science علم کیمیا Chemical Science اور انجینئرنگ یہ تین علوم مل کر جب کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو وہ بائیوٹکنالوجی کہلاتی ہے اور پھر یہ نیا علم بھی تین حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے یعنی Micro-bial Biotechnology یعنی کیڑے مکوڑے سے متعلق۔ Plant Biotechnology یعنی پودوں سے متعلق اور Animal Biotechnology یعنی جانور اور انسان سے متعلق بائیوٹکنالوجی۔ پچھلی دو دہائیوں میں ان تینوں زمروں میں زبردست پیش رفت

ہوئی ہے جس کی بنا پر زراعت، جنگلات، باغبانی، دواسازی، صحت، کیمیائی اور غذائی صنعت کو فروغ دینے میں مدد ملی ہے یہی نہیں بلکہ بائیو ٹکنالوجی کی مدد سے اب فضائی آلودگی جیسے اہم بین الاقوامی مسئلہ پر قابو پانا ممکن نظر آرہا ہے۔

زراعت میں بائیو ٹکنالوجی کے توسط سے اب ایسی فصلوں کو حاصل کرنا ممکن ہو پارہا ہے جن میں نہ تو کیڑے مکوڑے لگ پائیں گے اور نہ ہی فضائی آلودگی ان پر اثر انداز ہو سکے گی۔ دھوپ یا پالا بھی ان کو برباد نہ کر سکے گا۔ یہی نہیں بلکہ غذائی اعتبار سے ان میں وٹامن جیسی کیمیائی اجزاء کئی گنا بڑھ جائیں گی ایسے پودوں کے بیج تندرست اور بڑے ہوں گے اور زیادہ دنوں تک اپنی Viability برقرار رکھ سکیں گے Tissue Culture کے ذریعہ سے اب صرف ایک پودے سے لاکھوں پودے پیدا کرنا ممکن ہو گیا ہے اور وہ بھی نہایت جاندار اور پھلدار، انار، کیلا، ترکاریاں، الائچی، گنا اور Orchids کو Tissue Culture کی معرفت پیدا کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں کامیابی کے ساتھ بڑے پیمانہ پر شروع کر دیا گیا ہے۔

پودوں کے علاوہ جانوروں کی نسلوں کو بہتر بنانے میں بائیو ٹکنالوجی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ Embryo Transfer کے ذریعہ اب صرف اچھی ذات کے جانوروں کی افزائش ممکن ہو گئی ہے۔ کمزور اور بیمار جانوروں میں Birth Control کے طریقے ڈھونڈ لئے گئے ہیں۔ Talsur نام کا ایک انجکشن تیار کر لیا گیا ہے جو بیکار جانوروں میں Infertility پیدا کر کے ان کی افزائش روک دیتا ہے۔

بائیو ٹکنالوجی کا غالباً سب سے اہم استعمال دواسازی اور کینسر جیسی بھیانک بیماریوں کے لئے Vaccine بنانے میں ہو رہا ہے۔ اس طریقہ سے اچھی، موثر اور سستی دوائیں بنائی جا رہی ہیں۔ ایسے امراض جو کہ والدین سے ملتے ہیں یعنی کہ Genetic Disease پر انتہائی اہم تحقیقات جاری ہیں اور باور کیا جاتا ہے کہ ان امراض پر جلد ہی قابو پا لیا جائے گا۔ Genetic کے ذریعہ اب یہ آسانی سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو بچہ پیدا ہونے والا ہے اسے پیدائش سے پچاس سال بعد تک کیا امراض ہو سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم کرنا ممکن ہو رہا ہے کہ بچہ جوان یا بوڑھا ہو کر کینسر میں تو مبتلا نہ ہوگا اور اگر ایسا ہے تو اس کے لئے پیدائش کے وقت ایسے ویکسین Vaccine دے دیئے جائیں۔ کچھ دوائیں بائیو ٹکنالوجی کے ذریعہ ایسی پیدا کی جا رہی ہیں جو عورتوں کے بانجھ ہونے کے امکانات کو فی الفور ختم کر دیں گی۔ گنجہ پن کو ختم کرنے کے لئے چوہوں پر ایک دوا کے کامیاب تجربے کئے گئے ہیں۔ خیال ہے کہ یہ دوا جلد ہی انسانوں پر آزمائی جائے گی اور گنجے پن کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ یہ دوا امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر تیار کر رہا ہے جو اتفاق سے خود بھی گنجہ ہے۔

غذائی ضرورتوں کے لئے بھی بائیو ٹکنالوجی کی جانب لوگوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور ایسے تجربات کئے جا رہے ہیں جن کی مدد سے غذا میں ان عناصر کو یکسر ختم کر دیا جائے گا۔ جن کی بنا پر سڑنے کا عمل جلد شروع ہو جاتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ جلد ہی پھلوں اور ترکاریوں کی ایسی قسمیں بازار میں آجائیں گی جن کو محفوظ رکھنے کے لئے Cold Storage یا Fridge کی ضرورت نہ ہوگی۔

ایک کوشش یہ ہو رہی ہے کہ بغیر دودھ استعمال کئے پنیر اور دہی بنا لیا جائے اور ان کے بنانے میں صرف کیڑوں یعنی بیکٹیریا کا استعمال ہو، سچ پوچھئے تو کیڑوں سے بنایا گیا گوند اب اچھی قسم کی آئس کریم میں استعمال ہونے لگا ہے۔ Bacteria کے ذریعہ شراب اور سرکہ بنانے کا کام کچھ اس انداز سے ہو رہا ہے کہ میٹھی چیز یعنی گنا، انگور، انار نیز جو یا چاول وغیرہ کو سرے سے استعمال ہی نہ کرنا پڑے۔

بہر حال مختصر یہ کہ آج سے سو سال قبل جس طرح Steam یعنی بھاپ کی طاقت کو پہچان کر اور پچاس سال قبل Atom کی طاقت کو قابو میں کر کے جو بھی انقلاب رونما ہوئے تھے ان سے زیادہ شدت کے ساتھ بائیو ٹکناجی کے استعمال سے سائنسی انقلابات ظہور میں آنے والے ہیں اور ان سبھی انقلابات سے یقیناً بھوک، درد اور امراض کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔ بائیو ٹکنالوجی سماج کے کمزور طبقوں کیلئے امید کی کرن ہے۔ (بشکریہ روزنامہ آبشار)
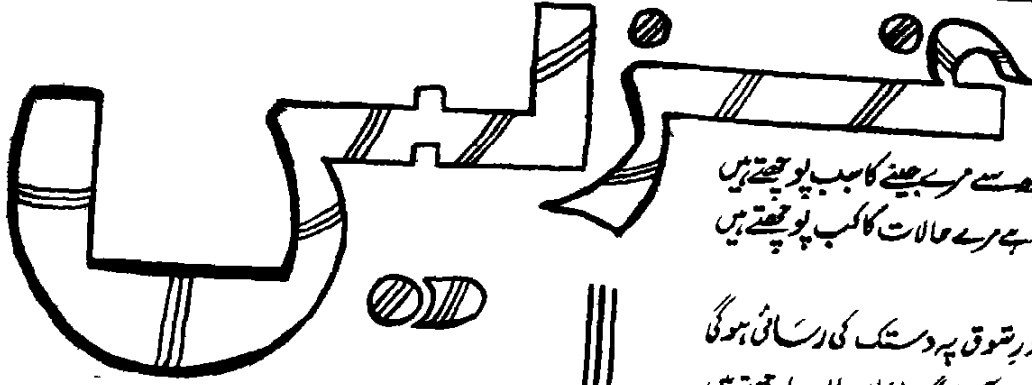
لوگ مجھ سے مرے جینے کا سبب پوچھتے ہیں
حال کیا ہے مرے حالات کا کب پوچھتے ہیں

کب درِ شوق پہ دستک کی رسائی ہوگی
ہاتھ کب آئے گا دامانِ طلب پوچھتے ہیں

کب پکاریں گے ہواؤں کو سجیلے موسم
کون بدلے گا خیالات کا ڈھب پوچھتے ہیں

ڈوبتا کوئی نہیں اشکوں کی گہرائی میں
حالِ دل میرا مرے آشنا سب پوچھتے ہیں

نام ان کا مرے ہونٹوں پہ مہک جاتا ہے
وہ اگر مجھ سے مرے دل کی طلب پوچھتے ہیں

جھانکتا کوئی نہیں فکر کی گہرائی میں
لوگ تو صرف مرا رنگ و نسب پوچھتے ہیں

مرتبہ میرا کہاں کھو گیا معلوم نہیں
ساغرِ اہلِ نظر اہلِ ادب پوچھتے ہیں

آخری لفظ بھی جب چھوٹ چکا ہے مجھ سے
کیسے زندہ ہوں مرا حال وہ اب پوچھتے ہیں

اور میں اپنے ہی حالات کا مارا پرواز
آنکھ کچھ سوچ کے چپ رہتی ہے لب پوچھتے ہیں

○ از: نصیر پرواز، بھوپال

آج شیرازۂ ہستی ہے بکھرنے والا
دل کی بستی سے ہے وہ شوخ گذرنے والا

برف زاروں کا ہے درپیش مجھے آج سفر
میں کہ تھا آگ کے دریا سے گذرنے والا

سو گیا جا کے پہاڑوں کے عقب میں سورج
آسماں پر ہے شفق رنگ ابھرنے والا

بے جھجک ہو کے وہ طوفان سے ٹکرا ہی گیا
سنسناہٹ سے ہوا کی جو تھا ڈرنے والا

چیختے چیختے آواز مری بیٹھ گئی
نہ ملا کرب کی وادی میں اترنے والا

شبنمی نرم فضاؤں میں بسیرا اس کا
اور میں دھوپ کے صحرا میں ٹھہرنے والا

ہوشیاری سے اڑائیں ذرا عرفان بھرو
گھات میں ہے پرِ پرواز کترنے والا

○ از: عرفان نجمی، کانپور

سٹیلائٹ کمیونیکیشن : ایک جائزہ

حالیہ برسوں کے دوران ڈاٹا ٹرانسمیشن اور ٹیلی کمیونیکیشن براڈ کاسٹنگ میں فروغ کی خاطر سٹیلائٹ کمیونیکیشن (مواصلات) کی اہمیت تمام ممالک میں بڑے زوروں پر بڑھ رہی ہے۔ یہ حوالہ مقالہ سٹیلائٹ کمیونیکیشن ٹکنالوجی کی بنیادوں کا جائزہ لیتا ہے۔ سٹیلائٹ کمیونیکیشنس کی تواریخ میں پیش آنے والے واقعات پر تقابلی نظر ڈالتا ہے اور بالآخر اس اعلیٰ ٹکنالوجی کے میدان میں ہندوستان کے قائم کردہ ریکارڈ پر نظرثانی کرتا ہے۔

مارچ ۱۹۷۵ء کے دوران اپنے پہلے سٹیلائٹ آریہ بھٹ کے چھوڑے جانے سے اب تک ہندوستان نے اپنے بیس سال مکمل کر لئے۔

سٹیلائٹ کمیونیکیشن کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ کرۂ ارض میں رقص کرتے سٹیلائٹس زمین پر واقع مختلف ممالک کے درمیان مواصلاتی رابطے پیدا کرتے ہیں۔ ٹیلی ویژن، ٹیلی فون فیسی مائل، کمپیوٹر ڈاٹا وغیرہ کے اشارے/سگنلس، زمینی اسٹیشن سے سٹیلائٹ کو بھیجے جاتے ہیں اور اوپر سٹیلائٹ میں نصب آلات ان سگنلوں کو لیتے ہیں۔ ان کو ایمپلی فائی کرتے ہیں اور انھیں دیگر زمینی اسٹیشنوں کے سٹیلائٹس کو پھر نشر کر دیتے ہیں اور یہاں مقصد ہذا کے تحت گوناگوں ٹرانسپونڈرس یا ریڈیو ریپیٹرس موجود ہیں۔ ہر ایک ٹرانسپونڈر میں مائکرو ویو فریکوئنسیوں کو لینے کے لئے ایک چینل کے ساتھ ایک ریسیور ہوتا ہے، نیچے رابطہ یا نیچے بھیجنے والی فریکوئنسی کو کمتر کرنے کے لئے ایک شفٹر ہوتا ہے اور خاطر خواہ آؤٹ پٹ یا ورک سے پیداوار کے لئے ایک ایمپلی فائر ہوتا ہے۔ ایک سٹیلائٹ کی صلاحیت کا تعین اس کے ٹرانسپونڈروں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ ایک چینل عجیب غریب طور پر ایک رنگین ٹیلی ویژن کا سگنل یا ... ٹیلی فون سگنلوں کو ایک ہی سمت ترسیل کر سکتا ہے۔

سٹیلائیٹوں کو کرۂ ارض میں راکٹ لانچ گاڑیوں یا بوسٹروں کے ذریعہ چھوڑا جاتا ہے۔ سٹیلائٹ اپنی عمر کے تمام تر دور میں اپنے اشارے کی سمت زمین، سورج، چاند اور بادِ شمس و شعاعِ شمسی کشش ثقل کے میدانوں میں واقع بے قاعدگیوں کے تحت اپنا رخ بدلتا ہے۔ خلاء میں سٹیلائٹ کی پوزیشن سازی کے لئے ترجیح شدہ سلاٹ جیو اسٹیشنری آربٹ (جی ایس او) ہے۔ یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو زمین کے گرد تقریباً ۳۶۰۰۰ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس دوری پر چھوڑا گیا سٹیلائٹ ۲۴ گھنٹوں زمین کے گرد چکر لگاتا رہے گا اور اس طرح زمین سے اس کی دوری مقررہ فاصلے پر رہے گی۔ اس کرۂ ارض کی صورت حال کو جیو سنکرونس آربٹ کہتے ہیں اور اس سٹیلائٹ کو جیو سنکرونس سٹیلائٹ کہتے ہیں۔ جیو سنکرونس سٹیلائٹ کے لئے ہی گرہن کی مختصر مدتوں کے دوران زمینی ریسونگ اسٹیشنوں کے ساتھ لگاتار رابطہ قائم کرنا اور برقرار رکھنا ممکن ہے۔

سٹیلائیٹوں میں بجلی کی سپلائی کے لئے شمسی سل کا بڑے زوروں پر استعمال ہوتا ہے۔ تازہ ترین تجرباتی سٹیلائٹ نے ریڈیو ایسوٹوپس کے ذریعہ گرم ہونے والے تھرمو الکٹرک جنریٹروں کا استعمال کیا ہے۔ سنکرونس سٹیلائیٹس جو ہر ایک سال دو ۴۴ دنوں کے موسموں کے دوران زیادہ سے زیادہ ۷۰ منٹوں کے لئے، کے پاس ایسی بیٹریاں ہوتی ہیں جو ان گرہن کے دوران انھیں بجلی سپلائی کرتی ہیں۔ کمیونیکیشن سٹیلائیٹوں سے ٹرانسمٹ ہونے والے سگنلوں کے لئے مائکرو ویو پاور جانا پہچانا ٹو سیلر ٹریولنگ ویو ٹیوب ہے۔

دو سگنلوں کے درمیان نقصان مداخلت کو دور کرنے کے لئے سٹیلائٹ آپلنکنگ اور ڈاؤن لنکنگ کی مختلف فریکوئنسیوں کا استعمال کرتی ہے۔ استعمال شدہ فریکوئنسیوں پر مبنی ایپلیکیشنس

سی، ایکس، کو، کا وغیرہ جیسی متعدد اقسام میں کلاسیفائی کی جا چکی ہیں۔ سنہ ۱۹۸۰ء کی دہائیوں کے اوائل تک کمیونیکیشنوں / رابطوں کے لئے سیٹلائٹ نے سی بینڈ کا استعمال کیا جاتا تھا لیکن اس کی صلاحیت متعلقہ طور پر کمتر تھی اور اسے بلند ویلیوس ایپلیکیشنوں کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال بلند تر فریکوئینسی اعلیٰ قوت کو اور کا بینڈ سیٹلائٹس قابل عمل ہو چکی ہیں۔

سیٹلائٹ سکتہ یا براہ راست دونوں ہی طور پر کام کر سکتی ہیں۔ سابق طریقہ کار میں ڈاؤن لنک سگنلیں زمینی اسٹیشنوں کے ملتی ہیں اور مذکورہ اسٹیشنیں انھیں ایمپلی فائی کرکے زمینی ٹرانسمیٹروں کو ان سر نو ٹرانسمٹ کرتی ہیں یا زمین پر مبنی ٹیلی فون نیٹ ورکوں کو رابطے کی فراہمی کرتی ہیں۔ بعد ازیں بنائے گئے یعنی براہ راست نشر و اشاعت میں ڈاؤن لنک سگنلیں اتنے طاقتور ہوتی ہیں کہ وہ سستے چھوٹے اور زیادہ سستے ڈش اینٹینوں پر پائی جا سکتی ہیں۔ کے بینڈ پر مبنی براہ راست نشر و اشاعت سیٹلائٹس (ڈی بی ایس) پہلے والے سی بینڈ سیٹلائٹوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔

سیٹلائٹ کمیونیکیشنوں کی تواریخ

وہ مشہور سائنسی کہانی کار آرتھر سی کلارک تھا جس نے سنہ ۱۹۴۵ء کے دوران اس سمت میں پہل کرتے ہوئے اس خیال کو پیش کیا کہ کوئی چیز خلاء میں بھیجی جا سکتی ہے اور وہی شئے دنیا کے مختلف حصوں میں واقع زمینی اسٹیشنوں جہاں سے وہ شئے دکھائی بھی دے زمین کے درمیان رابطے کے لئے استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔

سیٹلائٹ کمیونیکیشن کی تواریخ کا آغاز ریاست متحدہ کی حکومت کے اس پروجیکٹ اسکور سے ہوتا ہے جس نے ۱۸ر دسمبر سنہ ۱۹۵۸ء کو ایک سیٹلائٹ چھوڑا تھا۔ یہ سیٹلائٹ کمیونیکیشنس کے میدان میں پہلا تجربہ تھا۔ مشہور اوائلی سیٹلائٹوں میں سے ایک ایکو I تھا جسے ۱۲ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء میں چھوڑا گیا تھا۔ یہ ایک پلاسٹک سے بنا بیلون تھا اور اس پر المونیم کی ایک تہہ چڑھائی گئی تھی۔ ایکو I

"منفعل" تھا (یعنی یہ صرف اپنے اوپر ڈالے گئے سگنلوں کو منعکس کرنے کا اہل تھا) اور یہ تجرباتی ٹیلی فون، ڈیٹا اور فیسیمائل ٹرانسمیشنوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ براہ راست ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون کے سگنلوں کی ٹرانسمیشن میں زبردست انقلاب ٹیلی اسٹار I کے چھوڑے جانے سے آیا۔ اسے ۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں چھوڑا گیا تھا۔ ٹیلی اسٹار I پہلا "محرک" سیٹلائٹ تھا (یعنی جس میں ریسیور اور ٹرانسمیٹر دونوں ہی مستعمل ہوتے تھے)۔ ۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۶۳ء کو سنکوم ۲ چھوڑا گیا۔ یہ پہلا سنکرونس کمیونیکیشن سیٹلائٹ تھا (یعنی اس نے زمین سے مذکورہ بالا فاصلہ برقرار رکھا تھا)۔ ۱۹ر اگست سنہ ۱۹۶۴ء کو سنکوم ۳ چھوڑا گیا۔ اس نے پہلی سٹینڈرڈ ٹرانس پیسیفک ٹیلی ویژن تصویر پیش کی۔

سیٹلائٹ کمیونیکیشن نیٹ ورکس

ایک سیٹلائٹ کمیونیکیشن نظام کی تعمیر زمینی اسٹیشنوں کی ایک جماعت کے درمیان ہو پائی ہے۔ یہ نظام گھریلو، بین الاقوامی یا دونوں ہی واقع ہوئے ہیں۔ عملی طور پر سیٹلائٹ کمیونیکیشن نیٹ ورکس کا کام ٹیلی فون، بحری کمیونیکیشن، چلتی پھرتی کمیونیکیشن فوجی مقاصد، نشر و اشاعت یا مذکورہ بالا سے وابستہ ہے۔

اگست سنہ ۱۹۶۴ء کو ۱۱ ممالک نے ایک عالمی کمیونیکیشن نظام قائم کرنے کے لئے ایک سمجھوتہ پر دستخط کیا تھا۔ اس نے انٹلسیٹ کے جنم کی جانب پیشوائی کی اور یہ تب سے ہی ایک ایسا عالمی وجود بنکر ابھرا جس میں ۰۰ اسے زائد ممالک سرمایہ کاری کے ساجھیدار ہیں۔ انٹلسیٹ نظام خلائی علاقہ کی ترقی، ڈیزائن اور برقراری کے لئے ذمہ دار ہے۔ یہ زمینی اسٹیشن ایسے ان ممالک کی ملکیت ہیں اور ان ہی کے ذریعہ چالو ہیں جہاں کہ وہ واقع ہیں۔ پہلا تجارتی سیٹلائٹ انٹلسیٹ I (ارلی برڈ) ۶ر اپریل سنہ ۱۹۶۵ء کو خلاء میں چھوڑا گیا تھا۔

دوسری ایجنسی انٹراسپٹنک ہے۔ یہ سابق سوویت یونین اور ایک بین الاقوامی نظام بشمول مشرقی یورپی ممالک کے لئے ایک گھریلو کمیونیکیشنس پیرو وائڈر تھا۔

ایک اہم بین الاقوامی ایجنسی بین الاقوامی موری ٹائم سیٹلائٹ

تنظیم (انمرسیٹ) تھا۔ یہ سمندر میں جہازوں کو دور دراز قبل کے کھدائی کی۔ ریجن زمین پر دور دراز علاقوں سے متعلق معلومات فراہم کرتا ہے اور یہ سارے کام اس ایک سیٹلائٹ کمیونیکیشن نٹ ورک کے ذریعہ انجام دیتا ہے۔

سابق یوایس ایس آر کا مولنیا اور ایکران، کناڈا کا انیک، انڈونیشیا کا پالاپا۔ یوایس اے کا ویسٹار، کومسٹار اور آرسی اے، ہندوستان کا انسیٹ اور چین کا ڈانگ فینگ ہونڈ قومی کمیونیکیشن سیٹلائٹ نظاموں کی مثالیں ہیں۔ کبھی کبھی مذکورہ بالا نظام بین الاقوامی طور پر بھی اپنی اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ یوروپ/عرب اور نورڈک ممالک بھی مقامی سیٹلائٹ کمیونیکیشن نظاموں کی تشکیل کر رہے ہیں۔ ناسا کا ایڈوانسڈ کمیونیکیشن ٹکنالوجی سیٹلائٹ (اے سی ٹی ایس) سیٹلائٹ کمیونیکیشن کی متعدد ترقی کے لئے اتساہ کا موجب بنا ہوا ہے۔ جاپانی ۱۹۸۰ء کی متوسط دہائیوں سے ہی ایک قومی براہ راست نشر و اشاعت سیٹلائٹ (ڈی بی ایس) نظام پر تجربے کرتے چلے آرہے ہیں۔ نشر و اشاعت سیٹلائٹ (ڈی بی ایس) نظام پر تجربے کرتے چلے آرہے ہیں۔

ہندوستان میں سیٹلائٹ کمیونیکیشن

سیٹلائٹ کمیونیکیشن کے میدان میں ہندوستان کی باقاعدہ کوشش کا آغاز اس وقت ہوا جب حکومت ہند نے ڈاکٹر وکرم سارا بھائی کے چیئرمین شپ میں قومی سیٹلائٹ کمیونیکیشن گروپ (ناسکوم) کی تقرری کی۔ مذکورہ بالا ہستی ہندوستانی خلائی سائنس کے میدان میں ایک دیو قامت حیثیت رکھتی تھی۔ ناسکوم نے اطلاعات و نشر و اشاعت کی وزارت، زراعت و صحت عامہ وغیرہ سے نمائندوں کا انتخاب کیا تاکہ یہ نمائندگی سیٹلائٹ کمیونیکیشن کے امکانی فوائد کو دریافت کریں۔ اس گروپ نے ہندوستان میں ایک سال تک ہدایتی/تعلیمی ٹیلی ویژن میں تجربات کے انعقاد کی سفارش کی۔ مذکورہ گروپ نے ناسا کے اپلیکیشن ٹکنالوجی سیٹلائٹ (اے ٹی ایس-۶) سے کثیر المقاصد استفادے حاصل کئے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۹ء کو ناسا کے ساتھ ہندوستان کے لئے آئی ٹی وی کی اور سیٹلائٹ ایکسپیریمنٹ پروجکٹ کے سلسلہ میں ایک سمجھوتہ پر دستخط ہوئے جو بعد میں سائیٹ (سیٹلائٹ انسٹرکشنل ٹیلی ویژن ایکسپیریمنٹ) کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ ۳۰ مئی ۱۹۷۴ء کو اے ٹی ایس-۶ خلاء میں چھوڑا گیا۔ سائیٹ نے یکم اگست ۱۹۷۵ء سے کام کرنا شروع کر دیا تھا اور ۳۱ جولائی ۱۹۷۶ء تک کام کرتا رہا۔ سائیٹ کی ایک سالہ طویل ٹیلی ویژن تجربہ جس کے تحت ۲۴۰۰ ہندوستان کے گاؤں کے افراد اس سے مستفیض ہوئے، کے بعد اے ٹی ایس-۶ سیٹلائٹ ریاستہائے متحدہ کو لوٹا دیا گیا۔

پہلا ہندوستانی سیٹلائٹ ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء کو سابق یوایس ایس آر کے کوسموڈروم سے چھوڑا گیا تھا۔ چار برسوں کے بعد ۱۹۷۹ء میں بھاسکر-I خلاء میں چھوڑا گیا تھا۔ یہ دونوں ہی تجرباتی سیٹلائٹس تھے ان میں سوفسٹیکیٹڈ آلات نصب تھے۔ ان میں ٹی وی کیمروں اور مائیکرو ویو ریڈیو میٹرس بھی ملک بھر میں دور دراز کی حساس تجربات کے لئے نصب تھے۔ دوسری مہم آریا نے پیسنجر لوڈ ایکسپیریمنٹ (اے پی پی ایل ای) تھی۔ اسے جون ۱۹۸۱ء میں داغا گیا تھا۔ اس میں جنوبی امریکہ کے فرنچ گایانہ میں یوروپی وسائل ایجنسی کی لانچ شدہ سہولتوں کو استعمال میں لایا گیا تھا۔ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۱ء کے دوران ہندوستان نے ہندوستانی ریموٹ سنسنگ سیٹلائٹ (آئی آر ایس) سیریز کے سلسلہ میں ریموٹ سنسنگ سیٹلائٹس بھی داغا گیا تھا۔

ہندوستان کا پہلا گھریلو سروس مواصلاتی سیٹلائٹ بنام انسیٹ-I اے کو بذریعہ ناسا ستمبر ۱۹۸۲ء میں داغا گیا تھا۔ اس نے پانچ مہینوں تک ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام نشر کئے تھے اور اس کے بعد اس نے تکنیکی خرابی کے باعث کام کرنا بند کر دیا تھا۔ انسیٹ-I بی جسے یوایس اسپیس شٹل کے ذریعہ ۱۹۸۳ء میں داغا گیا تھا، ہندوستان کے ٹیلی ویژن نشریہ نٹ ورک کے لئے بنیاد بن گیا۔

انسیٹ-I سی جسے جولائی ۱۹۸۸ء میں داغا گیا تھا ناکارہ ثابت ہوا۔ جون ۱۹۹۰ء میں انسیٹ-I ڈی داغا گیا اور یہ کامیاب رہا۔ انسیٹ-I سیریز کے تمام سیٹلائٹوں کی تشکیل فورڈ ایرو-

اسپیس نے انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (آئی ایس آر او) کی فراہم کردہ ڈیزائن اسپیسفیکیشنوں پر کیا تھا۔

انسیٹ ۔ ۲ اے کو ۱۰ رجولائی ۱۹۹۲ء میں یورپی خلا ایجنسی کے آریانے راکٹ کے ذریعہ داغا گیا تھا۔ اس نے ہندوستانی سٹیلائٹ مواصلات کے دوسرے دور کے آغاز میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ یہ پہلا انسیٹ تھا جسے دیسی طرز پر ڈیزائن کیا گیا، بنایا گیا اور جانچا گیا تھا۔ مذکورہ سٹیلائٹ مختلف قسم کے کام انجام دے رہا ہے ۔ مثلاً (الف) ٹیلی ویژن نشر واشاعت، (ب) ملک بھر میں ریڈیو نٹ ورک کا کام (ج) ٹیلی مواصلات اور (د) موسمیاتی معلومات اکٹھا کرنے اور اشاعت کا کام۔

قومی سٹیلائٹ مواصلاتی نٹ ورک فی الحال ایک نہایت ہی زبردست اور بڑا انتظام ہے۔ آندھرا پردیش کے ہاسن میں واقع ماسٹر کنٹرول سہولت، بہت سارے زمین پر پائے والے اسٹیشنس، ڈاٹا حصولی اسٹیشنس اور دور دراز علاقہ ٹرمینلس وغیرہ وغیرہ بہتیرے سٹیلائٹس اس میں شامل ہیں۔ یہ ملک بھر میں ٹی وی ٹرانسمیشن، ٹیلی فون خدمات، ملک کے جنوبی شمالی علاقے میں دیہی ٹیلی گرافک خدمات، نیشنل انفارمیٹک سنٹر نٹ ورک (این آئی سی این ای ٹی) کے ذریعہ ملک بھر میں ڈاٹا مواصلاتی رابطے، ایک تجرباتی تحقیق اور دور دراز علاقوں کے لئے بچاؤ خدمت، ناگہانی آفات کی وقوع پذیری سے قبل اس کے آگاہ کرنے والے نظام، موسم کی پیشن گوئی کے لئے موسمیاتی اعداد وشمار اور بہتیرے دیگر سہولتیں پیش کرتا ہے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو ہندوستان کے سٹیلائٹ پروگرام کو زبردست کامیابی ملی تھی جب پی ایس ایل وی ۔ ڈی ۲ نے زمین سے اوپر ۸۱۷ کیلومیٹر کے پولرسن سنکرونس کرۂ ارض میں ۸۰۷ کیلوگرام والا دور دراز سنسنگ سٹیلائٹ آئی آر ایس ۔ پی ۲ کو کامیابی کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان نے دنیا میں روس، ریاستہائے متحدہ امریکہ، جاپان، فرانس اور چین کے بعد چھٹا مقام ایسے ممالک میں حاصل کرلیا ہے جو خلائی پرواز میں مشہور تھے۔ ... اکیلوگرام تک کے پے لوڈ داغنے کی صلاحیت مذکورہ بالا ممالک رکھتے تھے۔ اس کامیابی سے ہندوستان کو بھی سٹیلائٹ لاؤنچ سروسز کے اعلیٰ پیشگی بازار میں ایک امکانی مقابلہ آرائی کی حیثیت سے لا کھڑا کیا جبکہ آج مذکورہ بالا بازار پر چند ہی بڑی کمپنیاں غالب ہیں۔

پی ایس ایل وی ۔ ڈی ۲ کی کامیابی کے بعد ہمارے سائنسدانوں نے انسیٹ ۔ ۲ درجہ سٹیلائٹوں کی دیسی لاؤنچ صلاحیت کو فروغ دینے کا نصب العین ترتیب دیا اور اس کام کے لئے مزید طاقتور جیو اسٹیشنری سٹیلائٹ لاؤنچ گاڑی (جی ایس ایل وی) پر کام جاری ہے۔ جی ایس ایل وی کے پہلے ٹسٹ لاؤنچ ۱۹۹۸ء تک ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔

:- کتابیات -:

(۱) نیو انفارمیشن ٹکنالوجی ۔ مؤلف: آلان برنس (پبلیشر: ایلس ہورڈ لیمٹڈ)
(۲) دی نیو ٹیلی ویژن از ڈیوس اور سمنس (پبلیشر: ایم آئی ٹی پریس) (۳) دی بلو کمیونیکیشن ٹکنالوجیز از میرا بیٹو اور مور جنسٹرن (پبلیشر: فوکل پریس) (۴) ایم جی گرال انسائکلوپیڈیا آف سائنس وٹکنالوجی (۵) یو این آئی بیک گراؤنڈر۔
جلد XVII نمبر ۱۳، ۲۳ جولائی ۱۹۹۲ء انڈیا از اسٹرائیڈز ان اسپیس ۔ ۵ ۔

فلم و ثقافت کی ممتاز شخصیت انیل چٹرجی کا انتقال

وزیر ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے درج ذیل پیغام بھیجا ہے۔

"ممتاز فلمی فنکار انیل چٹو پادھیہ کے سانحۂ ارتحال سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ انھوں نے بنگلہ فلمی صنعت میں کافی عرصے اپنی فنکارانہ ذہانت کا غیر معمولی نقش چھوڑا ہے۔ وہ فلمی دنیا کی اہم شخصیت تھے۔ وہ فلمی ہدایت کاروں، اداکاروں، فنکاروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہمیشہ متفکر رہے۔ وہ ریاستی حکومت کی فلم سے متعلقہ مشیر کاروں میں سے ایک تھے۔ انھوں نے اپنی سادہ لوحی، کشادہ قلبی اور پرخلوص سلوک سے سبھوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ان کی موت ہمارے نزدیک ہمارا ذاتی نقصان ہے۔
میں ان کے سوگوار اہل خاندان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں"۔

۔ ۵ ۔

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

چلد نمبر ۴۳ ٥ یکم مئی ۱۹۹۶ء ٥ شمارہ نمبر ۸ اور ۹

مدیر اعلیٰ :۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :۔ محمد مصطفٰے

شرح خریداری

سالانہ دس روپئے ٥ نصف سالانہ: پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ۔

سرکس منیجر،
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

▼ پرچہ کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک سی ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

لوک سبھا اور مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے ایک ساتھ ہونیوالے عام انتخابات کے لئے انتخابی پروگرام

مغربی بنگال میں پانچ سال کے وقفہ کے بعد لوک سبھا اور اسمبلی کے انتخابات اس بار ایک ساتھ ہونے جا رہے ہیں، ۲ مئی ۱۹۹۶ء کو ۲۰ لوک سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں چناؤ ہوگا۔ اسی دن ۱۴۰ بدھان سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں بھی پولنگ ہوگی۔ دیگر ۲۲ لوک سبھا اور ۱۵۴ بدھان سبھا حلقہ ہائے انتخابات میں پولنگ آئندہ ۷ مئی کو ہوگی پولنگ کے اوقات صبح ۷ بجے سے شام ۵ بجے تک مقرر کئے گئے ہیں :

پولنگ کی تاریخ :۔ ۲ مئی ۱۹۹۶ء

حلقہ ہائے انتخابات

ا تا ۱۳، ۳۵ اور ۳۷ تا ۴۲ شمار نمبر کے ساتھ بیس پارلیمانی حلقہ ہائے انتخابات اور ان پارلیمانی حلقہ ہائے انتخابات میں شامل ۱۴۰ اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات

علاقائی توسیع

(الف) کوچ بہار، جلپائی گوڑی، دار جلنگ، اتر دیناجپور، دکھن دیناجپور، مالدہ، مرشد آباد، ندیا اور بیر بھوم کے اضلاع ـــ ہر ضلع کا پورا علاقہ

(ب) بن گاؤں سب ڈویژن اور باراسات سب ڈویژن ـــ بہ استثنیٰ آمڈانگا پولس اسٹیشن، ہابرا پولس اسٹیشن کے تحت بیرا باڑی، دیگھرا، مالک بیریا اور راجیو پور، بیرا گرام، اتر ۲۴ پرگنہ کے باراسب ڈویژن میں باراسات پولس اسٹیشن اور راجرہاٹ پولس اسٹیشن کے تحت قاسم پور دتہ پوکھر، کرکی پور۔ I، کرکی پور۔ II اور کیمیا خار پاڑہ گرام ۔ (ج) پرولیا ضلع کے صدر سب ڈویژن میں پارا، رگھوناتھ پور، نیتوریا، شانتوری، کاشی پور اور ہورا پولس اسٹیشنس ـــ (د) چھتنا، سلتورا، میجھیا، گنگا جل گھاٹی، برجورا، اوندا اور سونا مکھی پولس اسٹیشن، بانکوڑا پولس اسٹیشن بہ استثنیٰ صدر سب ڈویژن میں کالپاتھر اور اندھر تھول گرام اور بانکوڑا ضلع کے وشنو پور سب ڈویژن میں پتراسیر پولس اسٹیشن کے تحت نارائن پور، حمیر پور، پتراسیر اور بیر سنگھا کے گرام ۔ (ہ) بالاگڑھ پولس اسٹیشن، ہگلی ضلع کے صدر سب ڈویژن میں موگرا پولس اسٹیشن اور پنڈوا پولس اسٹیشن کے تحت چندر ہاٹی۔ I اور چندر ہاٹی۔ II ـــ (و) بردوان ضلع کے کٹوا سب ڈویژن میں کیتو گرام پولس اسٹیشن۔

پولنگ کی تاریخ :۔ ۷ مئی ۱۹۹۶ء

حلقہ ہائے انتخابات

۱۴ تا ۳۴ اور ۳۶ شمار نمبر کے ساتھ ۲۲ پارلیمانی حلقہ ہائے انتخابات اور ان پارلیمانی حلقہ ہائے انتخابات میں شامل ۱۵۴ اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات

علاقائی توسیع

(الف) دکھن ۲۴ پرگنہ، کلکتہ، ہوڑہ، مدنا پور کے اضلاع ۔ ان میں ہر ضلع کا پورا علاقہ (ب) اتر ۲۴ پرگنہ ۔ ان علاقوں کو چھوڑ کر جہاں ۲ مئی ۱۹۹۶ء کو پولنگ ہوگی۔ (ج) پرولیا ضلع ۔ ان علاقوں کو چھوڑ کر جہاں ۲ مئی ۱۹۹۶ء کو پولنگ ہوگی (د) بانکوڑہ ضلع اور (ہ) ہگلی ان علاقوں کو چھوڑ کر جہاں ۲ مئی ۱۹۹۶ء پولنگ ہوگی (و) بردوان ضلع ۔ کیتو گرام پولس اسٹیشن کے ماتحت علاقہ کو چھوڑ کر

نوٹ :۔ مذکورہ بالا جدول میں شامل ضلع، سب ڈویژن، پولس اسٹیشن یا گرام کے حوالے کو یکم جون ۱۹۷۵ء کو اس ضلع سب ڈویژن، پولس اسٹیشن یا گرام میں شامل علاقہ سمجھا جائے گا۔

مغربی بنگال کے چیف الیکٹورل افسر کی ہدایات کے تحت جاری کیا گیا ـــ

مغربی بنگال کے پارلیمانی حلقہ ہائے انتخابات میں اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات کی تفاصیل

لوک سبھا حلقہ ہائے انتخابات کے نمبر اور نام اور رائے دہندگان کی تعداد (۱)	اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات کے نمبر اور نام اور ان کے رائے دہندگان کی تعداد (۲)			
(۱) کوچ بہار (شیڈولڈ کاسٹ) ۱۰۶۴۳۷۹	(۲) شیتل کوچی (ایس سی)	۱۴۴۱۸۹	(۳) ماتھابھانگا (ایس سی)	۱۴۳۰۸۴
	(۴) کوچ بہار (شمال)	۱۴۸۸۴۶	(۵) کوچ بہار (مغرب)	۱۶۱۱۲۳
	(۶) سیتائی	۱۶۵۰۹۷	(۷) دین ہاٹا	۱۶۷۰۱۳
	(۱) ماٹا باڑی	۱۳۶۰۲۷		
۲۔ علی پور دوار (شیڈولڈ ٹرائبس) ۱۰ ۲۴۶۱	(۹) طوفان گنج (ایس سی)	۱۳۸۱۵۲	(۱۰) کمارگرام (ایس ٹی)	۱۳۵۵۱۷
	(۱۱) کال چینی	۱۳۷۹۸۲	(۱۲) علی پور دوار	۱۶۰۰۷۵
	(۱۳) فالاکاٹا (ایس ٹی)	۱۴۳۳۹۶	(۱۴) مادرہاٹ (ایس ٹی)	۱۳۱۴۹۷
	(۱۶) ماگرا کاٹا (ایس سی)	۱۵۳۳۶۲		
(۳) جلپائی گوڑی ۱ ۶۸۵۵۳	(۱) میکھلی گنج (ایس سی)	۱۴۶۸۷۰	(۱۵) دھوپ گوڑی (ایس سی)	۱۳۵۲۷۶
	(۱۷) مینا گوڑی (ایس سی)	۱۴۲۷۱۸	(۱۸) مال (ایس ٹی)	۱۳۷۱۰۵
	(۱۹) کرانتی	۱۲۹۸۳۰	(۲۰) جلپائی گوڑی	۱۳۳۸۵۹
	(۲۱) راج گنج (ایس سی)	۲۴۲۸۹۶		
(۴) دارجلنگ ۱۲۱۲۸۶۵	(۲۲) کالمپونگ	۱۳۸۹۲۹	(۲۳) دارجلنگ	۱۵۲۴۰۹
	(۲۴) کرسیانگ	۱۵۱۸۹۸	(۲۵) سلی گوڑی	۲۶۴۴۶۵
	(۲۶) پھانسی دیوا (ایس ٹی)	۲۱۱۷۷۵	(۲۷) چوپڑا	۱۳۶۷۶۲
	(۲۸) اسلام پور	۱۵۶۶۲۷		
(۵) رائے گنج ۱۱۱۰۷۷۵	(۲۹) گوال پوکھر	۱۷۱۷۴۹	(۳۰) کرن دیگھی	۱۸۹۴۶۵
	(۳۱) رائے گنج (ایس سی)	۱۷۷۸۵۴	(۳۲) ایتا ہار	۱۴۹۰۶۴
	(۴۱) کھربا	۱۴۵۵۹۶	(۳۳) ہریش چندر پور	۱۴۴۴۳۴
	(۴۳) رتوا	۱۳۲۶۱۳		

ضلع	حلقہ	تعداد	حلقہ	تعداد
(۶) بالورگھاٹ (ایس سی)	(۳۲) کالیاگنج (ایس سی)	۱۵۵۰۲۱	(۳۳) کشمنڈی (ایس سی)	۱۴۹۲۳۵
۱۰۶۷۳۳۱	(۳۵) گنگارام پور	۱۸۲۷۶۹	(۳۶) تپن (ایس ٹی)	۱۴۰۶۶۱
	(۳۷) کمارگنج	۱۶۲۲۷۲	(۳۸) بالورگھاٹ	۱۳۳۴۷۰
	(۴۰) گجول (ایس ٹی)	۱۴۳۹۰۳		
(۷) مالدہ	(۳۹) حبیب پور (ایس ٹی)	۱۳۸۰۷۰	(۴۴) اڑائی ڈانگا	۱۲۶۵۶۱
۱۰۱۲۸۰۵	(۴۵) مالدہ (ایس سی)	۱۶۵۰۶۶	(۴۶) انگلش بازار	۱۵۶۰۵۵
	(۴۷) مانک چک	۱۳۱۵۰۴	(۴۸) شجاع پور	۱۳۱۸۹۶
	(۴۹) کالیاچک	۱۶۳۶۵۳		
(۸) جنگی پور	(۵۰) فرخا	۱۳۹۷۲۳	(۵۱) اورنگ آباد	۱۵۲۱۳۸
۱۰۴۷۳۸۲	(۵۲) سوتی	۱۴۷۴۸۸	(۵۳) ساگردیگھی (ایس سی)	۱۳۶۹۹۰
	(۵۴) جنگی پور	۱۵۷۹۶۲	(۵۷) نباگرام	۱۵۵۹۳۷
	(۶۶) کھارگرام (ایس سی)	۱۵۷۱۴۴		
(۹) مرشدآباد	(۵۵) لال گولہ	۱۴۹۰۳۲	(۵۶) بھگوان گولہ	۱۴۳۳۲۱
۱۱۳۷۴۰۴	(۵۸) مرشدآباد	۱۸۳۵۶۴	(۵۹) جلنگی	۱۶۸۹۹۷
	(۶۰) دمکل	۱۷۰۶۴۶	(۶۲) ہری ہرپاڑہ	۱۶۲۶۴۹
	(۶۹) کریم پور	۱۵۹۱۹۵		
(۱۰) برہم پور	(۶۱) ناودا	۱۷۰۳۸۱	(۶۳) برہم پور	۲۱۰۳۴۸
۱۱۶۷۰۶۶	(۶۴) بیل ڈانگہ	۱۷۰۶۶۶	(۶۵) کاندی	۱۶۶۴۲۶
	(۶۷) بروان	۱۵۲۲۵۳	(۶۸) بھرت پور	۱۴۹۳۷۴
	(۲۸۲) کیتوگرام (ایس سی)	۱۴۷۴۱۸		
(۱۱) کرشنانگر	(۷۰) پلاسی پاڑہ	۱۶۰۹۱۳	(۷۱) نکاسی پاڑہ	۱۵۰۲۲۹
۱۰۷۰۲۱۹	(۷۲) کالی گنج	۱۵۵۹۲۰	(۷۳) چاپڑا	۱۵۵۵۷۵
	(۷۴) کرشنا گنج (ایس سی)	۱۴۳۴۷۹	(۷۵) کرشنانگر (مشرق)	۱۶۷۴۰۲
	(۷۶) کرشنانگر (مغرب)	۱۳۶۷۰۱		

(۱۲) لوادیپ (ایس سی) ۱۳۰۶۲۲۳	(۷۷) لوادیب	۱۴۴۴۰۶	(۷۸) شانتی پور	۱۸۳۵۳۲
	(۷۹) ہنس کھالی (ایس سی)	۱۸۲۲۹۰	(۸۰) رانا گھاٹ (مشرق، ایس سی)	۲۰۰۸۵۱
	(۸۱) راناگھاٹ (مغرب)	۱۷۸۱۳۷	(۸۲) چکدہ	۲۲۳۱۴۴
	(۸۳) ہرن گھاٹا	۱۹۳۸۶۳		
(۱۳) باراسات ۱۲۴۷۷۰۴	(۸۴) ماگدہ (ایس سی)	۱۳۳۱۰۸	(۸۵) بن گاؤں	۱۶۵۲۶۲
	(۸۶) گائے گھاٹ	۱۷۶۶۱۷	(۸۷) ہابرا	۱۷۶۵۰۹
	(۸۸) اشوک نگر	۱۶۴۰۸۱	(۹۰) باراسات	۲۷۷۱۷۵
	(۹۲) دے گنگا	۱۴۵۹۵۴		
(۱۴) بسیر ہاٹ ۱۰۲۱۹۲۹	(۹۳) سروپ نگر	۱۴۵۲۱۱	(۹۴) بدوریہ	۱۳۸۱۶۸
	(۹۵) بسیر ہاٹ	۱۷۰۵۲۵	(۹۶) حسن آباد	۱۲۶۰۳۲
	(۹۷) ہاڑوا (ایس سی)	۱۵۴۰۴۴	(۹۹) ہنگل گنج (ایس سی)	۱۳۴۵۰۱
	(۱۰۷) ھاگوڑ	۱۵۰۴۴۸		
(۱۵) جے نگر (ایس سی) ۹۴۹۹۰۸	(۹۸) سندیش کھالی (ایس سی)	۱۴۴۱۷۵	(۱۰۰) گوسابا (ایس سی)	۱۲۹۰۸۷
	(۱۰۱) بسنتی (ایس سی)	۱۶۸۶۷۴	(۱۰۲) کلتالی (ایس سی)	۱۵۳۷۴۰
	(۱۰۳) جے نگر	۱۵۷۲۷۷	(۱۰۵) کیننگ (مغرب، ایس سی)	۱۱۱۷۹۰
	(۱۰۶) کیننگ مشرق	۸۵۲۳۵		
(۱۶) متھرا پور (ایس سی) ۱۱۵	(۱۲۱) مگراہاٹ مشرق (ایس سی)	۱۴۹۴۰۰	(۱۲۲) مندر بازار (ایس سی)	۱۴۷۴۹۴
	(۱۲۳) متھرا پور	۱۶۱۸۳۶	(۱۲۴) کلپی (ایس سی)	۱۳۳۲۶۰
	(۱۲۵) پتھر پرتیما	۱۳۵۵۷۵	(۱۲۶) کاکدیپ	۱۳۷۳۳۳
	(۱۲۷) ساگر	۱۵۰۱۰۲		
(۱۷) ڈائمنڈ ہاربر ۱۰۹۴۱۴۳	(۱۱۱) وشنو پور مغرب	۱۵۰۴۳۵	(۱۱۴) گارڈن ریچ	۱۷۴۳۳۷
	(۱۱۵) مہیش تلہ	۱۷۶۸۴۵	(۱۱۶) بج بج	۱۵۶۰۲۲
	(۱۱۷) ست گچھیا	۱۴۷۰۹۸	(۱۱۸) فالتا	۱۲۹۷۵۲
	(۱۱۹) ڈائمنڈ ہاربر	۱۶۱۷۵۴		
(۱۸) جادو پور ۱۳۴۷۵۹۱	(۱۰۴) سونار پور	۱۸۲۵۵۷	(۱۰۸) جادو پور	۲۴۵۴۸۵

۴   ۶

	(۱۱۰) وشنوپور مشرق (ایس سی)	۱۲۸۳۰۲	(۱۱۲) بہالا مشرق	۲۴۸۷۸۲
	(۱۱۳) بہالا مغرب	۲۲۳۳۳۷	(۱۲۰) مگرا ہاٹ مغرب	۱۴۶۴۹۵
	(۱۴۷) کوی تیرتھ	۱۷۲۶۳۳		
(۱۹) بارکپور	(۸۹) آم ڈانگا	۱۶۴۹۵۸	(۱۲۸) بیج پور	۱۴۹۵۸۱
۱۰۱۳۶۱۱	(۱۲۹) نئی ہٹی	۱۵۵۴۰۰	(۱۳۰) بھاٹ پاڑہ	۱۳۸۰۳۱
	(۱۳۱) جگتدل	۱۶۲۴۳۰	(۱۳۲) نوا پاڑہ	۱۲۲۴۶۳
	(۱۳۳) ٹیٹا گڑھ	۱۲۰۷۴۸		
(۲۰) دمدم	(۹۱) راجرہاٹ (ایس سی)	۲۴۵۳۴۹	(۱۳۴) کھردہ	۱۹۷۴۷۲
۱۵۳۶۶۰۱	(۱۳۵) پانی ہٹی	۱۹۶۵۵۶	(۱۳۶) کمرہٹی	۱۷۱۷۴۹
	(۱۳۷) بارانگر	۲۲۲۰۱۸	(۱۳۸) دمدم	۲۱۵۹۸۱
	(۱۳۹) بیلگچھیا	۲۸۷۴۷۶		
(۲۱) کلکتہ شمال مغرب	(۱۴۰) کاشی پور	۱۰۲۷۶۷	(۱۴۱) شیام پوکھر	۸۸۴۱۹
۶۹۳۹۹۵	(۱۴۲) جوڑا باگان	۹۶۳۶۳	(۱۴۴) بڑا بازار	۸۴۵۱۲
	(۱۴۵) بہو بازار	۱۱۱۶۴۹	(۱۵۴) تالتلا (ایس سی)	۱۳۱۱۹۱
	(۱۴۳) جوڑاسانکو	۷۹۱۴۴		
(۲۲) کلکتہ شمال مشرق	(۱۵۳) انٹالی	۱۴۷۵۷۲	(۱۵۵) بلیاگھاٹہ	۱۴۳۶۵۳
۹۰۴۰۲۶	(۱۵۶) سیالدہ	۸۳۶۹۷	(۱۵۷) ودیاساگر	۱۱۶۴۲۹
	(۱۵۸) بڑتلہ	۱۱۴۴۳۰	(۱۵۹) مانک تلہ	۱۴۶۱۵۱
	(۱۶۰) بیلگچھیا مغرب	۱۳۳۰۹۴		
(۲۳) کلکتہ جنوب	(۱۰۹) سونارپور (ایس سی)	۲۴۵۵۹۴	(۱۴۶) چورنگی	۱۳۵۷۷۷
۱۱۶۵۷۹۴	(۱۴۸) علی پور	۱۳۰۹۶۹	(۱۴۹) راش بہاری	۱۱۹۶۹۸
	(۱۵۰) ٹالی گنج	۱۴۴۸۶۵	(۱۵۱) ڈھاکوریا	۱۷۹۹۱۶
	(۱۵۲) بالی گنج	۲۰۸۹۷۵		
(۲۴) ہوڑہ	(۱۶۱) بالی	۱۵۷۸۳۷	(۱۶۲) ہوڑہ شمال	۱۸۴۴۲۲
۱۳۲۱۲۳۷	(۱۶۳) ہوڑہ مرکزی	۱۳۸۴۴۶	(۱۶۴) ہوڑہ جنوب	۱۵۴۰۲۴

ضلع	حلقہ	آبادی	حلقہ	آبادی
	(۱۶۵) شیب پور	۲۷۳۸۵۲	(۱۶۶) دمجور	۲۳۲۸۳۴
	(۱۶۹) سنکریل (ایس سی)	۱۷۹۸۲۲		
(۲۵) الوبیریا ۱۰۴۳۳۴۰	(۱۷۰) الوبیریا شمال (ایس سی)	۱۶۲۹۰۸	(۱۷۱) الوبیریا جنوب	۱۵۶۰۵۱
	(۱۷۲) ستیام پور	۱۴۸۵۳۶	(۱۷۳) باگنان	۱۵۶۴۳۶
	(۱۷۴) ملیاں پور	۱۳۵۳۶۳	(۱۷۵) آمتا	۱۴۲۵۱۱
	(۱۷۶) ادے نرائن پور	۱۴۱۵۳۵		
(۲۶) سیرام پور ۱۲۴۹۲۱۶	(۱۷۷) جگت بلبھ پور	۱۷۲۸۰۴	(۱۷۸) پانچلا	۱۶۶۱۱۴
	(۱۷۷) جنگی پاڑہ	۱۵۳۱۴۲	(۱۷۸) چنڈی تلہ	۱۸۹۱۶۴
	(۱۷۹) اتر پاڑہ	۲۰۱۳۴۳	(۱۸۰) سیرام پور	۱۶۲۸۴۷
	(۱۸۱) چاپدانی	۲۰۵۸۰۲		
(۲۷) ہگلی ۱۰۹۵۸۷۴	(۱۸۲) چندرنگر	۱۷۷۶۷۳	(۱۸۳) سنگور	۱۵۸۰۵۱
	(۱۸۴) ہری پال	۱۴۲۷۲۱	(۱۸۶) چنسورہ	۱۷۶۹۷۱
	(۱۸۷) ماسٹریا	۱۵۳۰۸۵	(۱۹۰) پولبا	۱۴۳۰۷۷
	(۱۹۱) دھنیاکھالی (ایس سی)	۱۴۴۲۹۵		
(۲۸) آرام باغ ۱۰۶۷۳۹	(۱۸۵) تارکیشور	۱۴۰۴۷۵	(۱۹۲) پرسوڑہ	۱۴۱۲۱۸
	(۱۹۳) کھاناکل (ایس سی)	۱۵۷۲۱۳	(۱۹۴) آرام باغ	۱۷۵۸۱۲
	(۱۹۵) گھوگھاٹ (ایس سی)	۱۵۶۱۱۶	(۱۹۶) چندرکونا	۱۵۱۲۷۷
	(۱۹۷) کھٹال (ایس سی)	۱۴۵۲۷۹		
(۲۹) پانسکوڑہ ۹۴۰۷۵۵	(۱۹۸) داسپور	۱۳۲۷۹۵	(۱۹۹) نندن پور	۱۲۵۵۹۵
	(۲۰۰) پانسکوڑہ مغرب	۱۴۱۹۴۹	(۲۱۶) سبنگ	۱۲۶۴۴۵
	(۲۱۷) پنگلا	۱۳۱۲۷۷	(۲۱۸) دیبرا	۱۳۹۱۹۳
	(۲۱۹) کیشپور (ایس سی)	۱۴۳۵۴۱		
(۳۰) تاملوک ۱۴۵۵۸۵	(۲۰۱) پانسکوڑہ مشرق	۱۵۰۴۳۴	(۲۰۲) تاملوک	۱۴۸۴۶۰
	(۲۰۳) موئنا	۱۴۴۱۹۹	(۲۰۴) مہیشادل	۱۲۸۸۴۲

ضلع	حلقہ	تعداد	حلقہ	تعداد
	(۲۰۵) سوتا ہٹی (ایس سی)	۱۸۱۵۷۹	(۲۰۶) نندی گرام	۱۴۶۵۷۳
	(۲۰۷) نرگھاٹ	۱۴۵۴۹۸		
(۳۱) کنٹائی	(۲۰۸) بھگوان پور	۱۲۰۵۶۲	(۲۰۹) کھجوری (ایس سی)	۱۲۲۰۴۷
۹۳۱۱۹۷	(۲۱۰) کنٹائی شمال	۱۳۱۰۲۰	(۲۱۱) کنٹائی جنوب	۱۳۶۲۴۸
	(۲۱۲) رام نگر	۱۵۱۹۹۲	(۲۱۳) ایگرا	۱۴۰۲۷۶
	(۲۱۴) مگ بیڑیا	۱۲۹۰۵۲		
(۳۲) مدنا پور	(۲۱۵) پٹاس پور	۱۳۸۰۴۳	(۲۲۳) مدنا پور	۱۷۵۶۲۹
۱۰۵۱۷۵۴	(۲۲۴) کھڑگ پور ٹاؤن	۱۴۲۰۷۶	(۲۲۵) کھڑگپور گاؤں	۱۶۰۰۸۵
	(۲۲۶) کیشیاری (ایس ٹی)	۱۴۲۳۷۱	(۲۲۷) نارائن گڑھ	۱۴۹۴۹۳
	(۲۲۸) دانتن	۱۴۴۰۵۷		
(۳۳) جھاڑگرام (ایس ٹی)	(۲۲۰) گاربیتا مشرق	۱۳۲۲۳۱	(۲۲۱) گاربیتا مغرب (ایس سی)	۱۳۷۶۸۸
۹۴۳۹۵۸	(۲۲۲) سالبونی	۱۲۷۸۸۷	(۲۲۹) بناگرام (ایس ٹی)	۱۲۱۷۵۹
	(۲۳۰) گوپی بلبھ پور	۱۳۴۱۴۸	(۲۳۱) جھاڑگرام	۱۵۷۸۳۷
	(۲۳۲) بین پور (ایس ٹی)	۱۳۲۴۰۸		
(۳۴) پرولیا	(۲۳۳) بندوان (ایس ٹی)	۱۲۵۶۸۱	(۲۳۴) مان بازار	۱۳۴۸۴۳
۹۶۷۱۹۸	(۲۳۵) بلرام پور (ایس ٹی)	۱۲۵۰۹۰	(۲۳۶) ارشا	۱۳۹۶۲۰
	(۲۳۷) جھالدا	۱۳۹۷۸۳	(۲۳۸) بجے پور	۱۴۱۶۸۲
	(۲۳۹) پرولیا	۱۴۰۵۱۹		
(۳۶) وشنو پور (ایس سی)	(۲۴۴) تیل ڈانگرا	۱۴۹۲۳۴	(۲۴۵) رائے پور (ایس ٹی)	۱۴۹۱۵۳
۱۰۱۱۶۸۸	(۲۴۶) رانی بندھ (ایس ٹی)	۱۳۹۰۱۳	(۲۴۷) اندپور (ایس سی)	۱۴۰۷۸۵
	(۲۵۳) وشنو پور	۱۴۱۳۸۳	(۲۵۴) کوٹل پور	۱۴۹۷۸۳
	(۲۵۵) اندس (ایس سی)	۱۴۲۳۳۷		
(۳۵) بانکوڑہ	(۲۴۰) پارہ (ایس سی)	۱۴۷۲۴۵	(۲۴۱) رگھوناتھ پور (ایس سی)	۱۲۸۱۷۵
	(۲۴۲) کاشی پور (ایس ٹی)	۱۲۷۶۴۰	(۲۴۳) ہڑا	۱۳۲۵۸۶

حلقہ	اسمبلی حلقہ	تعداد	اسمبلی حلقہ	تعداد
	(۲۴۸) جھتنا	۱۳۶۲۳۹	(۲۵۱) بانکوڑا	۱۶۳۹۸۵
	(۲۵۲) اوندا	۱۵۸۳۸۸		
(۳۷) درگاپور (ایس سی) ۱۱۳۹۵۹۲	(۲۴۹) گنگا جل گھاٹی (ایس سی)	۱۴۲۱۹۴	(۲۵۰) بڑجوڑا	۱۵۷۱۹۷
	(۲۵۱) سونا مکھی (ایس سی)	۱۳۷۰۴۲	(۲۶۴) درگاپور-I	۱۵۶۴۸۳
	(۲۶۵) درگاپور-II	۱۵۳۳۸۸	(۲۶۶) کانکسا (ایس سی)	۱۵۰۸۶۸
	(۲۶۹) گالسی	۱۴۲۴۲۰		
(۳۸) آسنسول ۱۲۰۰۹۰۰	(۲۵۷) ہلٹی	۱۷۳۸۵۹	(۲۵۸) بارا بی	۱۶۵۸۴۶
	(۲۵۹) ہیراپور	۱۴۸۱۷۵	(۲۶۰) آسنسول	۱۷۳۹۹۱
	(۲۶۱) رانی گنج	۱۶۰۰۹۹	(۲۶۲) جموریا	۱۵۵۳۸۷
	(۲۶۳) الکھڑا (ایس سی)	۲۲۳۵۵۰		
(۳۹) بردوان ۱۱۴۴۱۹۱	(۲۶۹) جماتار	۱۴۲۹۱۸	(۲۷۰) بردوان شمال	۱۷۶۳۴۱
	(۲۷۱) بردوان جنوب	۲۰۱۸۵۸	(۲۷۲) کھنداگھوش (ایس سی)	۱۳۷۴۸۸
	(۲۷۳) رائنا	۱۴۵۹۷۱	(۲۷۴) جمال پور (ایس سی)	۱۵۷۳۶۶
	(۲۷۵) میماری	۱۸۲۲۴۹		
(۴۰) کٹوا ۱۱۱۳۸۰۷	(۱۸۸) بالاگڑھ (ایس سی)	۱۴۸۲۶۶	(۱۸۹) پنڈوا	۱۶۹۹۱۸
	(۲۷۶) کالنا	۱۵۸۱۸۷	(۲۷۷) نادن گھاٹ	۱۷۰۴۷۰
	(۲۷۸) منتشور	۱۴۵۶۱۹	(۲۷۹) پوربستھالی	۱۵۶۵۵۷
	(۲۸۰) کٹوا	۱۶۵۷۹۰		
(۴۱) بولپور ۹۷۴۶۱۱	(۲۶۷) اوس گرام (ایس سی)	۱۴۶۳۳۴	(۲۸۱) منگل کوٹ	۱۳۵۹۹۶
	(۲۸۳) نانور (ایس سی)	۱۴۱۴۸۲	(۲۸۴) بولپور	۱۴۲۵۸۸
	(۲۸۵) لابھ پور	۱۳۰۹۷۳	(۲۸۶) دوب راج پور	۱۴۶۲۱۲
	(۲۹۰) میورلیشور (ایس سی)	۱۳۱۰۲۶		
(۴۲) بیربھوم (ایس سی) ۹۹۴۳۱۹	(۲۸۷) راج نگر (ایس سی)	۱۴۰۳۹۹	(۲۸۸) سوری	۱۵۹۹۰۲
	(۲۸۹) محمد بازار	۱۵۱۲۰۰	(۲۹۱) رام پور ہاٹ	۱۴۶۱۱۴
	(۲۹۲) ہنس (ایس سی)	۱۲۶۳۱۳	(۲۹۵) نل ہاٹی	۱۳۱۷۱۹
	(۲۹۴) مورارائی	۱۳۵۶۷۲		

ستیہ جیت رے کی ۷۵ ویں سالگرہ تقریبات
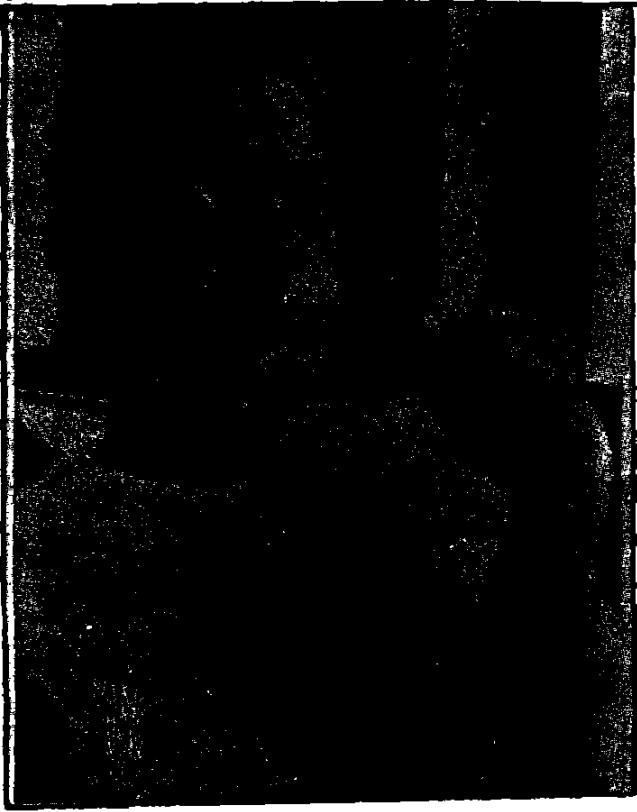
ستیہ جیت رے آرکائیو، نندن آنندہ ۲ مئی ۱۹۹۶ء سے شروع ہونے والے سال بھر کے پروگرام کے ذریعہ اس عظیم علمی شخصیت کی ۷۵ ویں سالگرہ منانے جا رہا ہے۔ سال بھر کے پروگرام میں ان کی تمام فیچر فلموں، دستاویزی فلموں، مختصر فلموں کی نمائش، دیگر نمائش اور سیمینار شامل ہیں۔

ان کی اہلیہ شریمتی بیجوئے رے ۲ مئی ۱۹۹۶ء کی شام کو نندن۔ IV میں "رے کی تلاش میں" کے عنوان سے ایک نمائش کا افتتاح کریں گی۔ اس کے بعد نندن۔ II میں "گوپی گائن باگھا بائن" دکھائی جائے گی۔ اسی اڈیٹوریم میں بعد کے دوسرے دنوں میں ہیرک راجار دیشے، سونار قلعہ اور گوپی باگھا پھیرے ایلو بھی دیکھائی جائیں گی۔ رے کی بنی بچوں کی باقی فلموں کی نمائش بعد میں کی جائے گی۔ مخصوص سلائٹ میں دو یا تین فلموں کے ساتھ مختلف مرحلوں پر رے کی تمام فلموں کی نمائش کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں "ستیہ جیت رے کی پیش کش" کے عنوان سے ایک سیریل اور دیگر فلمیں جیسے باکسو بادل، پھوٹک چند جس کے منظر نامے رے نے تیار کیے تھے۔ "شیکسپیئر والا" جس کے ستیہ جیت رے موسیقی ڈائرکٹر تھے، بھی پروگرام میں شامل ہے۔

ستیہ جیت رے کی کچھ اہم فلموں پر مذاکرات کرانے کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

نندن اور بنگلہ اکاڈمی کے مشترکہ تعاون سے ستیہ جیت رے کی ادبیات پر ایک سیمینار کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔

بقیہ :۔ شمس کلکتوی اور ان کی شاعری

میں داد مانگوں تو خاک مانگوں کہ حکم بیداد دے رہے ہو
اسی طرح منصفی کرو گے یہی طریقہ ہے منصفی کا

اپنے چلمن ہی کے نقشے کا تصور کر لو
پوچھتے کیا ہو مرے چاک جگر کی صورت

بے ثباتی عالم کا نقشہ نئے انداز سے کھینچتے ہیں ؎

ہوگا پھر کل سفر ملک عدم طے کرنا
آج گر منزل ہستی میں ٹھہر جاؤں گا

شمس کی شاعری سے فلسفہ کی گہرائی، فکر میں غالب کی طرح وسعت، فن کو نئی سمت راغب کرنے کا رجحان اور اپنے ہم عصروں کی عظمت کا اعتراف نہیں پایا جاتا لیکن کلکتہ میں شاعری کی شمع کو زندہ رکھنے میں ان کا بڑا ہاتھ رہا ہے کہ بعد کے شاعروں نے استفادہ کر کے اس شمع کو نئی روشنی کی طرف گامزن کیا ہے اور متعدد شمعیں روشن کرنے کا سبب بنے ہیں۔

(بشکریہ روح ادب، کلکتہ)

شمس کلکتوی اور ان کی شاعری

ڈاکٹر عبدالمنان

شمس کلکتوی کا پورا نام ابوالقاسم محمد شمس تھا اور تخلص شمس اختیار کرتے تھے۔ باپ (عبدالغفور نساخ) نے تاریخی نام مظہر الحق رکھا تھا جس سے تاریخ ۱۲۸۴ھ نکلتی ہے لیکن ادبی دنیا میں شمس کلکتوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

شمس کے شاگرد رشید علامہ رضا علی وحشت نے دیوان شمس کو مرتب کرتے ہوئے لکھا ہے "اسم ابوالقاسم محمد تھا تاریخی نام مظہر الحق تھا جس سے دریافت ہوا کہ ان کی پیدائش ۱۲۸۴ھ میں ہوئی۔"

شمس کلکتوی بھاگلپور کے بانکے نامی مقام میں پیدا ہوئے۔ یہاں ان کے والد بزرگوار عبدالغفور نساخ تقریباً پانچ سال تک ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز رہے۔ بقول سید عبداللطیف، شمس کلکتوی کا آبائی وطن فریدپور تھا جو بنگلہ دیش میں واقع ہے لیکن تمام عمر کلکتہ میں رہے اور اسی بناء پر شمس کلکتوی کہلائے۔ والد محترم عبدالغفور نساخ ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ سے منسلک تھے اور رئیس کلکتہ نواب عبداللطیف کے سگے بھائی تھے۔ ان کی ادب نوازی مشہور تھی۔ Glimpses of Bengal میں نواب موصوف کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے تالتلہ بازار اسٹریٹ کلکتہ ۱۶ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی تھی جہاں علماء، شعراء اور ادباء کا جمگھٹا رہتا تھا۔

شمس کلکتوی کوئی بڑی سند نہیں رکھتے تھے۔ زیادہ تر علم حاصل کرنے کا موقع گھر پر ہوا تھا۔ علمی ماحول کی وجہ سے مختلف علوم کے سیکھنے میں آسانی ہوئی تھی۔ بالخصوص شعر و سخن کی طرف مائل تھے۔ شاعری کا ملکہ روز ازل سے ودیعت تھا۔ مستزاد یہ کہ گھریلو ماحول نے میلان طبع کو فروغ دینے میں بڑی مدد کی تھی چنانچہ شمس کلکتوی پختہ اور باکمال شاعر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ وحشت نے اپنی استادی کے لیے منتخب کیا۔ شمس کی فارسی معلومات اچھی تھیں۔ ایک فارسی قصیدہ بہت مشہور ہے۔ بقول وحشت انگریزی بڑی روانی سے بولتے تھے۔

شمس کے بارے میں علامہ وحشت کلکتوی دیوان شمس کو ترتیب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ پہلے عصمت اللہ انسخ سے اصلاح لیتے رہے جو نساخ کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد داغ کی طرف مائل ہوئے اور انھیں اپنی طبیعت سے قریب دیکھا اس لئے داغ کے رنگ کو اختیار کیا۔

نساخ کی علم دوستی اور ادب نوازی بہت مشہور تھی۔ عام شعراء کی طرح ان کے دولت خانے پر علم و ادب کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں جس کا براہ راست اثر طبع سخن پر پڑا تھا اور ادبی محفلوں سے منسلک ہو کر شمس نے اپنی طبع کو رونق بخشی تھی۔ باپ نے اس کی طرف مائل ہونے کی تلقین نہیں کی تھی لیکن مزاج اور طبع سخن کب چھپ سکتا ہے چنانچہ شاعری کی طرف مائل ہوئے اور ایسی طبیعت بہم پہونچائی کہ اس کا ثبوت اس زمانے میں کم پایا جاتا ہے۔ داغ نے ایک خط میں شمس کو لکھا تھا کہ شمس کا کلام اصلاح سے یکسر مستغنی ہے۔ داغ اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا۔ اس سے بہتر سند ان کو نہیں مل سکتی تھی۔ شمس کے کلام میں پختگی اور بالیدگی جہاں ایک جانب انسخ کی استادی کی دین ہے وہاں دوسری طرف داغ کی اصلاح کا بھی نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں کسی قسم کا جھول یا وقتی کمزوری نظر نہیں آتی۔

شمس کلکتوی طبعاً اپنے والد بزرگوار سے مختلف تھے۔ جدید خیال کے آدمی تھے۔ انگریزی لباس میں اکثر ملبوس رہتے تھے سر پر سیاہ بانات کی ٹوپی۔ متناسب اعضا اور وجاہت زیب اور اہل اللہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ شمس کلکتوی کی فیاضی، وضع داری اور شرافت

کا اکثر تذکرہ نگار نے اعتراف کیا ہے۔

شمس ایک قادر الکلام شاعر واقع ہوئے تھے کلکتہ میں بڑی دھوم مچی ہوئی تھی اور شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔ جن شاعروں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا ان میں حبیب النبی صولت، اکمل حسین اکمل، خان بہادر رضا علی وحشت۔ محمد یوسف رنجور، منشی عبد الکریم نشتر چھپروی مشہور رہے۔

ادبی دنیا وحشت کے مرتبے کی معترف ہے کہ وحشت نے کسب فن کی خاطر بے انتہا ریاضت کا ثبوت دیا ہے۔ وحشت کی قابل لحاظ مقبولیت شمس کی استادی کا کھلا ثبوت ہے۔ شمس نے مجرد زندگی گذاری تھی۔ لالہ سری رام مؤلف خمخانۂ جاوید شمس کے گہرے دوستوں میں تھے۔ انھوں نے مجرد زندگی اور سخن فہمی کا اعتراف کیا ہے۔ افسوس ہے کہ شمس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور چالیس برس کی عمر میں (۱۹۰۵ء میں) اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ رنجور، نشتر اور وحشت نے وفات کی تاریخ لکھی جس سے ۱۹۰۵ء ظاہر ہوتی ہے۔

شمس کلکتوی ۱۹ ویں صدی کے نصف آخر کی یادگار تھے۔ انھوں نے بیشتر زندگی کلکتہ میں بسر کی۔ اس دور میں کلکتہ شعر و سخن کا اہم مرکز تھا۔ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں اور دیگر شعراء نے جو روایت قائم کی تھی اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تھا۔ شمس بحیثیت ادبی معمار کلکتہ کی ادبی رونق کے اضافہ کرنے کی سبیل بنے اگرچہ ان کی شاعری فکری جہتوں اور وسعتوں کا اعلیٰ نمونہ نہیں تھی تاہم ان کی استادی اور فنکاری سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ شمس نے ریاضت کی وجہ سے فن میں ایسی ندرت اور جدت پیدا کی کہ ان کے ہم عصروں نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا۔ کلاسکی شاعری کی جو روایت بنگال میں قائم ہوئی تھی اس کے روح رواں تھے۔

دیوانِ شمس کی ترتیب ان کے شاگرد رشید علامہ رضا علی وحشت نے ۱۹۲۰ء میں دی تھی اس میں وہی کلام موجود ہیں جو وحشت کو ہاتھ لگے تھے۔ دیوان کی اشاعت میں آصف بنارسی کا مالی تعاون شامل رہا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ کی ملکیت ہے۔ بادامی

رنگ کے کاغذ بڑی تقطیع کے ایک سو چار (۱۰۴ صفحے) پر یہ دیوان پھیلا ہوا ہے۔ دیوان کی ابتداء میں ساڑھے تین صفحوں پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ ۸۰ صفحات پر غزلیات ہیں ۲۱ صفحات پر مشتمل رباعیات۔ ساقی نامہ، قطعات اور مسدس ہیں۔ شمس کا ایک نایاب غیر مطبوعہ دیوان جو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی ملکیت ہے۔ اس نسخے کو فارسی کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ دیوان قطعات۔ غزلیات، منقبت اور سلام پر مشتمل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں دواوین ایک ساتھ مرتب کیے جائیں۔

شمس کلکتوی کی غزلوں میں فن کی پختگی۔ فکر کی بلندی، علوئے تخیل، زبان کی سادگی اور ادا میں خاص ندرت پائی جاتی ہے۔ رکیک اور مبتذل خیالات سے یکسر پرہیز کرتے ہیں۔ فکر میں وہ گہرائی اور گیرائی نہیں ہے جو غالب، اصغر اور یاس یگانہ چنگیزی کی دین ہے تاہم فنی سلاست روی اور تغزل کی شان میں کوئی کمی نظر نہیں آتی، ان کی شاعری کیف و سرور کا وہ خزانہ ہے جس میں محبت کی نیرنگیاں، گردش فلک کے نقوش، دل لگی، دل کی لگی اور بے خودی کے ساتھ ہشیاری ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ دل کے خریدار ہیں ہم وصل کے طالب
اس بحث و تکرار میں ہوتا نہیں سودا
ہم نہ کہتے تھے کہ وہ شوخ بگڑ جائے گا
دست گستاخ کو اے شمس بڑھانا نہیں تھا
جھینپ جانا ہائے اس کمسن کا ذکر وصل پر
اور پھر منہ پھیر کر کہنا کہ ہاں ہو جائے گا

شمس کے مجرد ہونے کے ذکر کے باوجود ان کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی پری رو کو دل دیا تھا۔ کسی کی توبہ شکن اداؤں پر دل نثار کیا تھا۔ یہ اشعار برائے شعر گفتن نہیں ہیں بلکہ حقیقت سے پُر ہیں۔

جھینپ جانا ہائے اس کمسن کا ذکر وصل پر
اور پھر منہ پھیر کر کہنا کہ "ہاں ہو جائے گا"
تو ہوا اپنا تو بیگانہ جہاں ہو جائے گا
دوست، دشمن مہرباں، نا مہرباں ہو جائے گا

شمس کے کلام میں برجستگی اور روانی لطف کو دوبالا کردیتی ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے ؂

ہم تو مضمون رقم کرتے ہیں سیدھا سیدھا
اور لکھ بھیجتے ہیں خط میں وہ الٹا سیدھا
غرض مطلب کو سنا اس نے تو جھلا کے کہا
دور ہو دور ہوئے گھر کا تو رستہ سیدھا

شمس کی زبان سادہ ہے لیکن سپاٹ نہیں ہے سادگی میں پرکاری اور ندرت ملتی ہے۔ فن کے اچھے اور نفیس تصور میں حرف و بیاں کی قدرت ہی نہیں اس کا مناسب اور موزوں استعمال بھی شامل ہوتا ہے۔ شمس کے زمانے میں ہندوستانی روایت بھی عام ہونے لگی تھی۔ شعراء نہ صرف ایرانی روایت کی تقلید کر رہے تھے بلکہ ہندوستانی فضا میں رلا ملا کر ایک ایسی صورت دے رہے تھے جن پر دوسرے کا لیبل نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ کام داستان گو کر چکے تھے اور کلاسکی شعراء بھی ایک صورت عطا کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شمس کے کلام کو ہندوستانی ماحول اور فضا میں دیکھا جاسکتا ہے۔ الفاظ و تراکیب کثرت استعمال کی وجہ سے اردو کے اس طرح ہو گئے تھے کہ ان کا ٹکسال باہر کرنا ممکن نہیں تھا۔ شمس کی زبان پر گرفت ایسی تھی کہ برمحل اور متناسب الفاظ سے کلام ایک لطف پیدا کر دیتے تھے جو ان کے ہم عصروں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ جذبات کے اظہار میں برمحل الفاظ اس انداز سے استعمال کرتے تھے کہ اس میں لذت سمٹ جاتی تھی۔

خط لے کے وہ کل سے جو گیا ہے تو گیا ہے
کیا جانیے غائب ہے کدھر نامہ بر اپنا
واں سے خط وصل کے مضموں کا مرے نام آیا
رخصت اے رنج مجھے عیش کا پیغام آیا
عشق کے واسطے لازم ہے یہ ساماں ہوتا
دل کا پر درد تو آنکھوں کا پُر ارماں ہونا

شمس کے عشق کا یہ تقاضہ تھا کہ دل پر درد اور آنکھوں کو پر ارماں پایا تھا۔ یہ کیفیت تمام غزلوں میں پائی جاتی ہے جو ان کے عصر کی روایت سے زیادہ قریب ہے۔ شمس بنگال میں شاعری کر رہے تھے اور کبھی داغ سے اور کبھی آسخ سے اصلاح لے رہے تھے۔ اس زمانہ میں جو روایت شاعری کی قائم تھی بنگال کے اردو شعراء اس سے دور نہیں تھے لیکن بنگالی شاعروں سے یا ان کی روایت سے اثر نہیں لے رہے تھے بالخصوص شمس اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اردو شاعری کی روایتی ڈگر سے آگے نہیں جاسکی۔ شمس بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور غزل میں نکھار پیدا کرنے کے لئے جس سوز و گداز، وارفتگی اور والہانہ ربودگی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے بے نیاز نہیں تھے۔ ان کی نیازمندی درد و کسک اور والہانہ شیفتگی میں مضمر ہے۔ ان کی شاعری میں جبریت اور بیزاری نہیں ہے بلکہ زندگی کرنے کا حوصلہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ محبوب کے جور جفا کے باوجود فرار اختیار کرنے کا انداز نہیں ملتا۔ شمس داغ دل کے سہارے اپنی ویران حسرتوں کو سجاتے ہیں۔ یہاں کبھی آہ بھی سنائی دیتی ہے اور کبھی واہ بھی۔ یعنی ان کی شاعری میں خارجی کیفیت اور داخلی کیفیت کا امتزاج اس طرح ہے جو بنگال کی شاعری کی اس دور میں نمائندگی کرتی ہے ؂

آپ اگر حکم دیں تو پیش کریں
حشر میں ہم بھی معاملہ دل کا
شمس میں نے جو کہا ان سے تڑپتا ہوں میں
ہنس کے بولے ابھی اور تڑپنا ہوگا

خارجی اور داخلی کیفیت کا امتزاج اس عہد کی شاعری کی پہچان ہے جس کی صف میں شمس کی شاعری بھی کھڑی ہے۔ جذبات کی ترجمانی میں لفظوں اور ترکیبوں کے وضع کرنے کا جو ملکہ ان کے ہاں پایا جاتا تھا وہ بڑے شاعروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ بیشتر کلام حسن معنی اور محاسن لفظی سے عاری نہیں ہے۔ لفظوں کے صوری و معنوی حقائق کا درک رکھ کر ان کا برمحل استعمال کرتے تھے۔ انداز بیاں میں شوخی اور بے باکی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔

ایسے بھاگے کہاں سے آتے ہو
دیکھو عالم ذرا پسینوں کا
میں مر گیا تو بولے دکھایا نہ کیوں مجھے
ایسا تو کچھ لے سے مرض لا دوا نہ تھا

(باقی صفحہ ۹ پر)

غزلیں

حضرت شمس کلکتوی

افشائے رازِ عشق مجھے کیا ضرور تھا
سارا یہ بیقراریٔ دل کا قصور تھا

ہر روز میرے گھر ترا آنا ضرور تھا
ہاں وہ بھی اک زمانۂ عشق و سرور تھا

تیرے سبب سے میں بھی پھنسا اے نگاہِ شوق
ورنہ خدا گواہ ہے میں بے قصور تھا

کچھ تھی خطائے حسن تو کچھ تھی خطائے دل
میرا قصور تھا نہ تمہارا قصور تھا

کیا ہو گئی وہ شئے تمہیں جس کی تلاش تھی
کیا ہو گیا وہ دل مجھے جس پر غرور تھا

ہاں رنج تھا ملال تھا حسرت تھی یاس تھی
واں عیش تھا خوشی تھی ہنسی تھی سرور تھا

تم اپنے حسن کو نہیں کہتے ہو واہ واہ
دل آ گیا اگر تو میرا کیا قصور تھا

کیفیتِ فراق کو پوچھو نہ مجھ سے کچھ
راحت تھی مجھ سے دور میں راحت سے دور تھا

اے شمس دل نہ دیتے بت بیوفا کو ہم
پر کیا کریں کہ اپنی سمجھ کا قصور تھا

یاں قلق مجھ کو کہ میرا دل گیا
واں خوشی اس کی کہ مجھ سے مل گیا

جستجو تھی جس میں اب وہ کس نہیں
آرزو تھی جس میں اب وہ دل گیا

جب کسی صورت نہ وہ ہتھے چڑھے
اعتبارِ مرشدِ کامل گیا

وہ ہم آغوشِ عدو شب بھر رہے
اعتمادِ جذبہ ہائے دل گیا

آمد و رفتِ نفس دشوار ہے
ناخنِ غم سے کلیجہ چھل گیا

راہِ الفت میں سراپا شوق ہوں
اب خیالِ دوریٔ منزل گیا

شمس کی سی عاشقی دیکھی نہ تھی
جس سے چار آنکھیں ہوئیں دل مل گیا

وہ کیا آئیں گے ملنا انھیں منظور نہیں
رات کی آس گئی صبح بھی کچھ دور نہیں

نہ تجلی کے ہیں ساماں نہ غشی کے اسباب
ہم تو دیکھ آئے کہاں کچھ بھی سرِ طور نہیں

زخم بھر بھر کر ابھرتے ہیں تمہیں غور کرو
طعنۂ غیر ہے کچھ مرہم کافور نہیں

عمر بھر ناز اٹھائے ہیں تمہارے ہم نے
لاش اٹھاؤ میری یہ بھی تمہیں منظور نہیں

میکدہ سامنے گھر کے ہے چلو جا بیٹھیں
توبہ کر لیں گے کہ مسجد بھی کوئی دور نہیں

کس خوشامد سے میں دیتا ہوں دل اپنا ان کو
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ منظور نہیں

آپ کیوں تذکرۂ غیر پہ بگڑے صاحب
آپ کا نام نہیں آپ کا مذکور نہیں

کیا سیلانے ہیں مرے خط کا تو بھیجا ہے جواب
پر کہیں وصل کا وعدہ نہیں مذکور نہیں

بہکی بہکی سی جو ہیں شمس کی باتیں ساری
آج کیا ہے وہ نشے میں تو کہیں چور نہیں

اقبال کی شاعری میں تصورِ عشق

از :- مصطفیٰ اکبر

اردو شاعری بالخصوص اردو غزل کی عمارت فارسی شاعری کی اساس پر قائم ہے۔ اس کے موضوعات، لفظیات، تراکیب، استعارات وکنایات، صنائع و بدائع سب کچھ فارسی سے مستعار ہیں حتیٰ کہ اردو کے قدیم کلاسیکی شعراء کے افکار و اظہار پر بھی فارسی شعراء کے ہی اثرات غالب رہے ہیں۔ اردو غزل کا عشق بھی براہ راست فارسی شاعری سے مستعار ہے۔

عشق اردو غزل کا موضوع خاص رہا ہے۔ اردو شعراء نے دیگر مضامین کو بھی عشق کے لفظیات کے سہارے ادا کیا ہے۔ اردو شعراء کی نظر میں عشق کو اعلیٰ مرتبت حاصل ہے۔ لفظ عشق کے معنی انتہائی شوق یا کسی شئے سے گہری رغبت کے ہیں۔ عشق دراصل شدتِ محبت کا نام ہے۔ کسی شئے سے از حد محبت کو ہی عشق کا درجہ دیا جاتا ہے۔ عشق احساسِ لطیف سے پیدا ہونے والا وہ جذبۂ پاک ہے جس سے دل میں کشش، سینۂ وجود میں حرارت اور زندگی میں ایسی لذت پیدا ہوتی ہے کہ جس میں مستغرق ہوکر آدمی ایک وسیع کائنات میں پہنچ جاتا ہے جہاں دنیا کھوکھلی اور اس کی ہر چیز کمتر نظر آنے لگتی ہے ؎

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں
(اقبال)

میر کہتے ہیں ؎

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

ذوق فرماتے ہیں ؎

فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کیلئے
یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کیلئے

کوئی بھی شخص فطرت کی اس اساسی حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔ عشق ہر شخص میں اس کی بساط اور استعداد کے مطابق برق کی طرح حرارت زندگی پیدا کرتا ہے۔ جس شخص کا احساس جتنا شدید ہوگا اور اسکی نظر جس قدر تیز ہوگی اس کا عشق بھی اتنا ہی ہمہ گیر اور وسیع ہوگا یہ اپنے اپنے احساس اور نظر کا ہی فیض ہے کہ عشق کا مفہوم ہر شخص کے نزدیک جداگانہ ہے۔ کہیں یہ قوتِ حیات سے موسوم ہے (Life - Force) تو کہیں عزم البقاء (Will-To-Live) کہیں عزم القویٰ (Will-To-Power) سے عبارت ہے تو کہیں عزم صداقت (Will-To-Truth) سے کہیں اسے عزم الخیر (Will - To - Goodness) کہا گیا ہے تو کہیں اسے اندھا عزم (Blind-Will) سے موسوم کیا گیا ہے۔[1]

اردو غزل میں عشق مختلف اصطلاحوں اور معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شوق، آرزو، محبت، الفت، چاہت، پیار سب کے سب عشق کے مترادفات ہیں۔ فارسی شعراء کی تقلید میں اردو شعراء نے بھی اس موضوع خاص میں ایسے ایسے لطیف مطالب و معنی پیدا کئے ہیں اور اس پر تخیل اور جذبات کے کچھ ایسے رنگ و روغن چڑھائے ہیں کہ اس کا ہر پہلو دیدہ زیب اور پرکشش بن گیا ہے جس کی مثال شاید ہی دوسرے ادب میں ملے۔

اردو غزل میں عشقِ حقیقی اور عشق مجازی کی اصطلاحیں عام ہیں۔ اردو غزل میں عشق کی دونوں صورتوں کی واردا تیں اور مفصل کیفیتیں مختلف انداز سے ملتی ہیں۔ عشق کیا حقیقی کیا مجازی دونوں ہمارے شعراء کو مرغوب ہیں وہ عشق بازی کے

---

[1] ملاحظہ کیجئے "تمہید" اقبال کا تصورِ عشق" از ڈاکٹر غلام محمد خاں

شعل کو اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ بقول ولی ؎

- شغل بہتر ہے عشق بازی کا
  کیا حقیقی و کیا مجازی کا

لیکن اردو شاعری میں اقبال کا عشق ایک تصور،
یک فلسفہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اقبال نے عشق
کی اصطلاح کو نہایت وسیع اور ہمہ گیر معنوں میں استعمال
کیا ہے۔ اردو غزل میں عشق کے مروجہ مفہوم سے اقبال کے عشق
کو کوئی سروکار نہیں۔ اقبال کا تصورِ عشق اردو شاعری بالخصوص
ردو غزل کے نام نہاد رسمی عشق سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سرمستی
دبے خودی بے تابی و ناصبوری یا دلگی و دلبستگی کا ذریعہ نہیں بلکہ عالمگیر
قوتِ حیات کا وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ہی تسخیرِ فطرت انسان
کے لئے ممکن ہے۔ اقبال کا عشق مجازی و حقیقت دونوں پر حاوی
ور خودی کو بلند کرنے کا ذریعہ ہے۔ خودی کی بلندی جو اندرونِ
ذات میں چھپی ایک حقیقت کا نام ہے۔ عشق کی قوت پرواز پر
موقوف ہے۔ ؎

- خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریلؑ
  اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

اقبال کے یہاں عشق اس جوشِ وجدان کا نام ہے جس
کے رنگ و روغن سے ذات اپنی تصویرِ صفات بناتی ہے اور
جس کی پاسداری انسان کی عظمت کی ضامن بنتی ہے۔ اس کی بدولت
انسان تکمیل ذات کے لئے جذب و تسخیر عمل پر پیرا ہوتا ہے اور
ہر قسم کے موانع پر قابض ہوتا ہے۔ عشق کی وجدانی کیفیتوں کے
سہارے ہی انسان بلندیوں اور گہرائیوں سے آشنائی حاصل
کرتا ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں۔ پھر یہ کہ انھیں وجدانی
کیفیتوں سے انسانی ذہن زمان و مکان پر اپنی گرفت مضبوط کر
لیتا ہے اور تمام دنیاوی بندشوں سے چھٹکارا پاکر حقیقی آزادی سے
ہمکنار ہوتا ہے۔ عشق کی بدولت انسان کی افضلیت ہر شے پر
حاوی ہو جاتی ہے ؎

- عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
  اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

انسان عشق کے ذریعہ اپنے دل کو کائنات سے ہم آہنگ
کرکے اس بلندی پر پہنچ جاتا ہے جہاں عقل کے پر جلتے ہیں
اور جہاں فرشتے تک کی رسائی ناممکن ہے ؎

- عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے
  علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
- مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
  انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں بلند

اقبال کے نزدیک عشق کو عقل پر فوقیت حاصل ہے مگر
کہیں بھی انھوں نے علم یا عقل کی حیثیت سے انکار نہیں کیا ہے۔
وہ تو عقل کو تسخیرِ فطرت کے لئے مشعلِ راہ مانتے ہیں جس کی رہبری
کے بغیر عشق کا سفر قطعی ممکن نہیں اس لئے دونوں ایک دوسرے
کے لئے لازم و ملزوم ہیں ؎

- عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
  علم مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات
- خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
  سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ

لیکن جب ایک دوسرے سے موازنہ کا محل آتا ہے تو عشق کو عقل
پر فوقیت دیتے ہیں ؎

- اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی
  ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی
- ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
  ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

عقل مصلحت اندیشی اور موقع پرستی کی شکار ہے ـــــ
یہ ہر معاملہ کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے۔ راہِ مسافت میں
رکاوٹ پیدا کرتی ہے شاید اسی لئے اقبال نے عقل کو راہ مسافت
میں اکثر جگہ تنہا چھوڑ دیا ہے۔ معراجِ عشق کے لئے وہ عقل کو راستے
میں چھوڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں ؎

- اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
  لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اقبال کے نزدیک مردِ مومن یا مردِ کامل کا جو تصور ہے اس کی تشکیل دراصل عشق، علم اور خودی کی تثلیث سے ہی ممکن ہے۔ اس تثلیث میں عشق نقطۂ عروج پر ہے۔ "بالِ جبریل" کی غزل کا یہ شعر اسی تثلیث کے پیشِ نظر ہے ؎

- خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
  اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

اقبال عشق کو مسلسل جد و جہد و مسافت اور دائمی جستجو کا نام دیتے ہیں۔ جمودِ عشق کی موت ہے۔ عشق کی دوامی حیات کا واحد سبب دائمی جستجو یا مسلسل تگ و دو ہے ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

راہِ مسافت میں عشق کو کسی مقام پر آسودگی کہاں نصیب؟ سفر ہی سفر، دائمی جستجو، مسلسل جد و جہد صاحبِ عشق کا نصب العین ہے ؎

- ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
  حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
- ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
  ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اور یہ شعر ؎

- فضا تیری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
  قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

اور بالآخر دائمی جستجو اور مسلسل تگ و دو کے نتیجے میں صاحبِ عشق اس بلند مقام تک پہنچ ہی جاتا ہے جہاں خدائے مطلق کو مجبور ہو کر اپنے بندۂ مومن سے یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ" بتا تیری رضا کیا ہے؟"

عشق کی حوصلگی، برتری، بلند پروازی اور فتوحات کے سلسلے میں "بالِ جبریل" کی غزلوں سے مزید چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جا سکتے ہیں ؎

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

- آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
  شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحرگاہی کا نم
- بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
  یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
- عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
  عشق ہے نورِ حیات، عشق ہے نارِ حیات
- اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
  نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق!
- بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
  بازو ہے قوی جس کا وہ عشقِ ید اللّٰہی!

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور ان کی شرحِ خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہوتے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۶ روپے (مع ڈاک خرچ)	۳ روپے (مع ڈاک خرچ)

○ ۱ تا ۱۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت ○ ۱۵۰۱ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
○ ۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت ○ ۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

- آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔
- پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔
- کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، ۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 4295-221

تفصیلات کے لئے بزنس منیجر سے مندرجۂ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

An Urdu Fortnightly
May 1, 1996

Vol NO 43 Issue No 8 & 9
Price 50 Paise
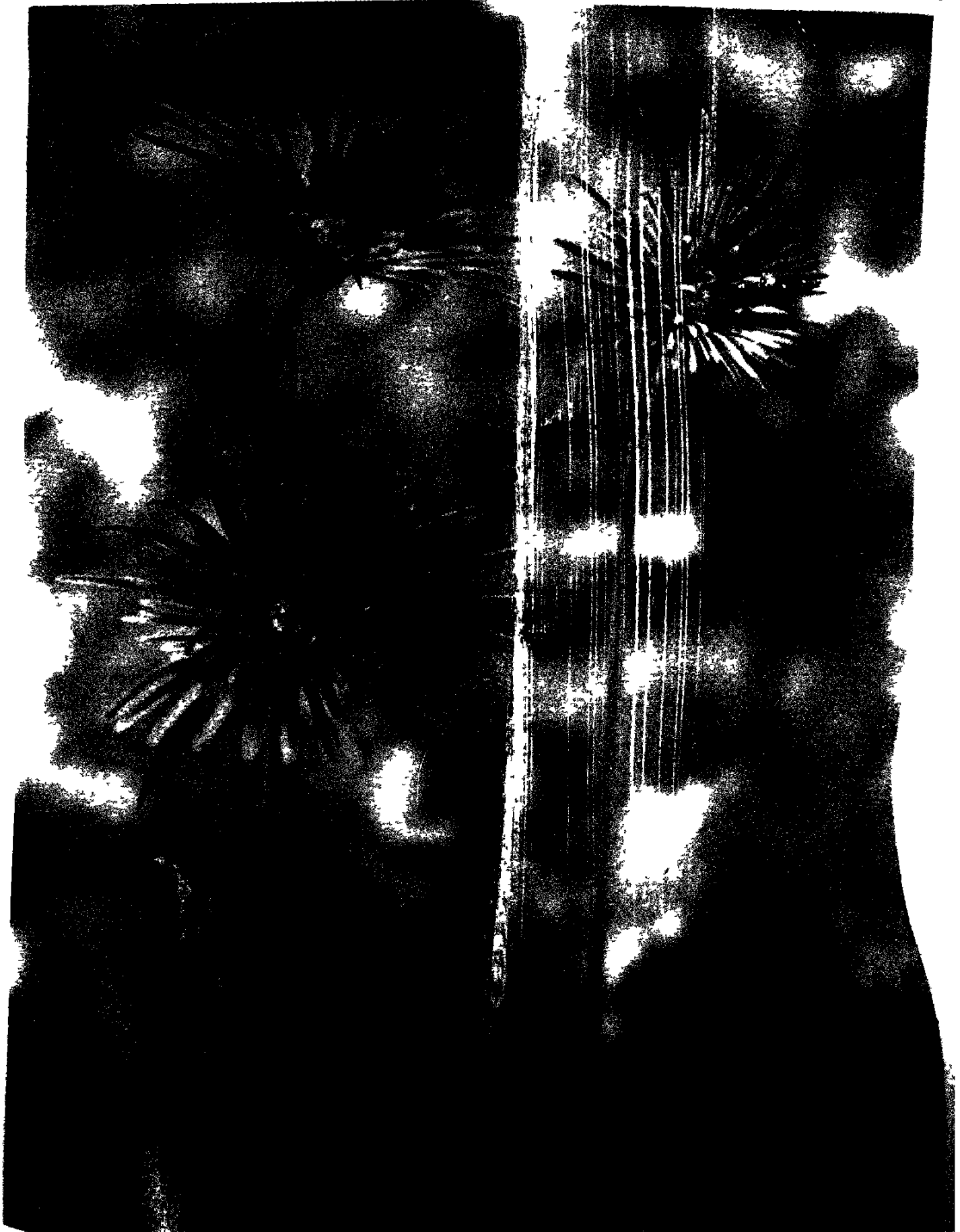
جلد نمبر ۴۳ ▪ ۱۵ مئی سنہ ۱۹۹۶ء ▪ شمارہ نمبر ۱۰

ٹیگور

ولادت :۔ ۷ مئی سنہ ۱۸۶۱ء بمطابق ۲۵ بیساکھ بنگلہ سال ۱۲۶۸

وفات :۔ ۷ اگست سنہ ۱۹۴۱ء بمطابق ۲۲ ساون بنگلہ سال ۱۳۴۸

مدیر اعلیٰ :۔ ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون :۔ محمد مصطفیٰ

ترسیلِ زر کا پتہ

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲ کاونسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
فون : 221-4295

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل ، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس
کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
فون : 25-5601/3371, Ext 710

اس خصوصی شمارے کی قیمت : ایک روپیہ

سالانہ :۔ دس روپیے • نصف سالانہ : پانچ روپیے • فی شمارہ کی قیمت ۵۰ پیسے

اس شمارے میں

سرورق کا عمل بشنکر رائے ، کتابت محمد اصغر علی انصاری

۲۵ویں بیساکھ

۱۴۰۳

সবাই মানবতায়
দীক্ষিত হোক
সৃষ্ট হোক
সুন্দরতর পৃথিবী

آؤ انسانیت
کی پہل کریں
ایک بہتر جہان
کی خاطر

حکومت مغربی بنگال

رابندر ناتھ ٹیگور

پروفیسر نصر غزالی

خلاقانہ ایج کے اعتبار سے بنگلہ ادب میں ٹیگور کی شخصیت نمایاں ترین ہے۔ وہ ایک ایسا آئینہ خانہ ہیں جن میں متعدد تخلیقی صورتیں اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ وہ شاعر، نثار، ناقد، ناول نگار، کہانی کار، ڈرامہ نویس، مصوّر یعنی بہت کچھ ہیں اور ہر حیثیت سے ممتاز ہیں۔ ان کی آواز بنگلہ ادب میں ایک نئی، تازہ اور توانا آواز ہے انھوں نے شعر و ادب کو نیا رخ عطا کیا اور اسے حسیاتی سطح پر بلند مرتبہ بنایا ہے۔

ٹیگور کی شاعری کا تعلق فکر اور حسیّات دونوں سے ہے مگر فکر سے زیادہ حسیّات سے ہے۔ ان کی تیز حسیّت اور ہیئت و موضوع کی بوقلمونی انھیں قابلِ رشک بناتی ہے۔ ان کے شاعرانہ اوصاف میں غنائیت کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔ یورپ کی رومانیت پسندی اس زمانے میں کچھ ایسی ناگزیر تحریک تھی کہ ہر فنکار اس کا اثر قبول کرنے پر مجبور تھا ٹیگور کے یہاں بھی اس کا عکس ملتا ہے اگرچہ ان کی شاعری کی جڑیں اپنی ہی زمین میں پیوست نظر آتی ہیں۔

ٹیگور کی کہانیوں کے سلسلے میں سوکمار سین کی یہ رائے توجہ طلب ہے کہ سچی کہانیوں کی تخلیق میں ہنوز ان پر کوئی سبقت نہیں لے گیا۔ موسیقی میں وہ کمال حاصل کیا کہ رابندر سنگیت کے نام سے ایک نیا اور نہایت پسندیدہ نغماتی سلسلہ شروع کیا۔ مصوری اپنائی تو اسے بھی نئے جہات سے آشنا کیا۔

نوبل پرائز کا اعزاز جو تا حال اعلیٰ ترین پیمانۂ قدر سمجھا جاتا ہے سنہ ۱۹۱۲ میں رابندر ناتھ کو حاصل ہوا اور اس طرح عالمی سطح پر ان کی شاعرانہ بلند قامتی کا اعتراف کیا گیا۔ ٹیگور کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ گیتانجلی، گیتی مالیہ، بلاکا، پوربی، چھاپ چھاڑا وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ اور ڈاک گھر، تاشیر دیش، جوکھیر بالی، گھورے بائرے، دوئی بون، گورا وغیرہ چند اہم نثری کتابیں۔

پہلے دن کا سورج

پرتھم دینیر سورجو

پہلے دن کے سورج نے
پوچھا
وجود کی نمودِ اولیں سے ——————
کون ہو تم
کوئی جواب نہیں ملا
گذر گئے سالہا سال
دن کے ڈوبتے سورج نے
مغربی سمندر کے کنارے کیا آخری سوال
شام کے سنّاٹے سے ——————
کون ہو تم
کوئی جواب نہیں پایا

ٹیگور کی انسان دوستی

از: علقمہ شبلی

رابندر ناتھ ٹیگور کی پیدائش کلکتے میں ہوئی اور وہیں کی فضاؤں میں پلے بڑھے لیکن ہر عظیم فنکار کی طرح یہ آفاقی انسان تھے۔ ان کا دل انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار تھا اور یہ ہمدردی نسلی، مذہبی، لسانی اور جغرافیائی تفریق سے بالاتر تھی اور اسی نے انھیں جمہوری اقدار کا علمبردار بنایا۔ اسی لئے یہ مہاتما گاندھی کی طرح ٹیگور قومی یکجہتی اور عالمی ہم آہنگی کے ایک زبردست مبلغ رہے۔

ٹیگور نے ایک علمی و ادبی خاندان میں آنکھیں کھولیں اور شروع ہی سے انھیں ادبی ماحول ملا۔ انھوں نے باقاعدہ کسی اسکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ انھیں متعدد اسکولوں میں داخل کیا گیا لیکن کہیں بھی ان کا دل نہیں لگا۔ یہ اس وقت کے نظام تعلیم سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکے آخر یہ گھر ہی پر کھلی فضا میں ماہر اور تجربہ کار معلموں سے علم کی تشنگی بجھاتے رہے۔ ان استادوں کی صحبت سے ان کی اخاذ طبیعت نے پورا فائدہ اٹھایا۔

ٹیگور نے ۱۳ سال کی عمر میں پہلی نظم کہی اور پھر آہستہ آہستہ ان کی نظمیں مختلف رسالوں میں شائع ہونے لگیں۔ جب سترہ سال کے ہوئے تو انھوں نے اپنے بڑے بھائی ستیندر ناتھ ٹیگور کے ساتھ یورپ کا دورہ کیا اور ایک سال تک وہاں قیام رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد ان کی تخلیقی رفتار تیز ہوگئی اور ان کے گیت، کہانیاں، ناول اور ڈرامے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوکر قارئین کے دلوں کو گرمانے لگے۔ ان کے گیتوں کا مجموعہ گیتانجلی ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ روایت کی پابندیوں کے باوجود یہ کتاب بنگالی شاعری میں نقطۂ انحراف کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک سال کے بعد رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنے چند دوستوں کے تعاون سے گیتانجلی کا انگریزی میں ترجمہ کیا جسے لے کر انگلستان گئے جب وہاں ادیبوں اور شاعروں کی ایک محفل میں اسے پڑھ کر سنایا گیا تو وہ محو حیرت رہ گئے۔ یہ آواز ان کے لئے بالکل نئی تھی اور ان کی خوابیدہ روحانیت کو بیدار کر رہی تھی مشہور شاعر و ادیب W. B. Yeats نے اس کے دیباچے میں لکھا ——

"ان گیتوں نے میرے سامنے ایک ایسی دنیائے خیال پیش کر دی ہے جس کا میں تمام عمر تصور ہی کرتا رہا ......
یہ گیت کتابوں میں چھپ کر گمنام ہونے کے لئے نہیں لکھے گئے ہیں یہ تو رسا روح لائق ہو کر دلوں میں اپنی جگہ بنا لیں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

اس کتاب کی اشاعت سے مادہ پرست یورپ کی آنکھیں کھل گئیں اور اہل یورپ نے ادب کا سب سے بڑا اعزاز نوبل پرائز ۱۹۱۳ء میں ٹیگور کو دے کر ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ اس نے نہ صرف یورپ بلکہ ساری دنیا کی توجہ ان کی طرف مبذول کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شخصیت شہرۂ آفاق بن گئی۔ گیتانجلی ایک سرمدی نغمہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کے دل میں ایک ایسا سوز ہے جو اسے ہمیشہ مضطرب رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کے نت نئے روپ اور فطرت کے مناظر میں خالق کائنات کے جلوے دیکھتا ہے اور ان کو اپنی رگ جاں بنا لینا چاہتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ غریبوں، اچھوتوں اور دلتوں کے درمیان بھگوان کے ظہور کا احساس دلاتا ہے۔ رابندر ناتھ نے خود ان گیتوں کے سلسلے میں اپنے خیال کا اظہار یوں کیا ہے:

"زندگی میں ایک ایسا بھی وقت آیا جب پے در پے چوٹوں
کی تکلیف سے نڈھال ہو کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ زندگی کے
سارے کام پورے ہو چکے اور اب میں چراغِ سحری ہوں، رام نام
جپنے کے دن ہیں۔ لہٰذا ابدی منزل کی تلاش ہی واحد کام ہے"

ان احساسات و جذبات اور مخصوص طریقۂ اظہار نے ٹیگور کی شاعری کو نئے آفاق و جہات سے آشنا کیا۔ گیتانجلی کے ایک گیت "بھارت تیرتھ" کے درج ذیل اشعار ٹیگور کے اسلوب و بیاں کو سمجھنے میں معاون ہوں گے:

یہاں اس سرزمین پر
آریہ، غیر آریہ، دراویڈ، چینی
ستاک اور ہون
پٹھان اور مغل
سب مل کر ایک ہو گئے ہیں
آج بہشت کا دروازہ کھل گیا ہے
اور
وہاں سے ہر شخص تحفہ لا رہا ہے۔
دو اور لو
ملو اور ملاؤ
واپس نہ لوٹ جاؤ
اس وشال بھارت کے ساحل سے

ٹیگور نے زندگی کی پُر پیچ موجوں کا محض ساحل پر کھڑے ہو کر نظارہ نہیں کیا بلکہ گردابِ حیات میں چھلانگ لگا کر اس کے رُخ کو موڑنے کی بھی کوشش کی۔ جب ٹیگور سنِ شعور کو پہنچے تو اس وقت "ہندو میلہ" اپنے شباب پر تھا، اس میلے کا مقصد دلوں میں حب الوطنی کے جذبے بیدار کرنا تھا۔ ٹیگور نے چودہ سال کی عمر میں پہلی بار اس میلے میں اپنی وطن پرستانہ نظم پڑھی اور اس کے دو ہی سال کے بعد جب دہلی میں ملکہ وکٹوریہ کی حکمرانی کا جشن منانے کے لئے دربار منعقد ہوا تو نوجوان شاعر نے اپنی ایک طنزیہ نظم "اے بھارت تیرے ذرے ذرے کی بدنامی" میلے میں پڑھی جس نے اس ظلم و تشدد اور سنگ دلی و بے رحمی کا پردہ

فاش کر دیا جسے جشن کے ذریعہ چھپانے کی کوشش ہو رہی تھی۔

۱۹۱۹ء میں، جب جلیانوالہ باغ میں قتل عام ہوا اور معصوم اور نہتے ہندوستانیوں پر جنرل ڈائر کے حکم سے فائرنگ کی گئی اور سیکڑوں بے قصور لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے تو رابندر ناتھ ٹیگور نے اس قتل و غارت گری کی مذمت کرتے ہوئے برطانوی حکومت کا عطا کردہ "سر" کا خطاب واپس کر دیا اور اس ظلم کے خلاف برطانوی حکومت سے پرزور احتجاج کرتے ہوئے محکوم قوموں کی آزادی کے پروانے پر دستخط کیا۔

۱۶ستمبر ۱۹۳۱ء کی رات کو ہجلی جیل کے وارڈن نے سوئے ہوئے ہندوستانی قیدیوں پر اچانک حملہ کر دیا جس میں دو قیدی ہلاک اور بہت سارے مجروح ہوئے جب اس بہیمانہ واقعے کی خبر دوسرے دن کلکتہ پہنچی تو برطانوی حکومت کی اس بربریت کے خلاف سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور ۲۶ستمبر کو آکٹرلونی مونمنٹ (موجودہ شہید مینار) کے پاس ایک زبردست احتجاجی جلسہ ہوا۔ اپنی پیرانہ سالی اور گرتی ہوئی صحت کے باوجود رابندر ناتھ ٹیگور اس جلسے میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اس کی صدارت بھی کی۔ اپنے صدارتی خطبے میں انھوں نے برطانوی حکومت اور ارباب اقتدار کی مذمت نہایت سخت الفاظ میں کی اور عوامی غیظ و غضب کے نتائج سے سامراجی حکومت کو باخبر کرتے ہوئے کہا:

"غیر ملکی حکومت نے، خواہ وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو،
اپنا وقار کھو کر اپنی سب سے بڑی اخلاقی کمزوری کا پردہ چاک
کر دیا ہے۔"

بنگال کی تقسیم اور سودیشی تحریک کے موقعوں پر بھی ٹیگور اپنی دل کو چھو لینے والی شعری اور نثری تخلیقات سے عوام کا دل گرماتے رہے اور ان کے عزائم کو مہمیز کرتے رہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں بارہا اس کا ذکر کیا ہے کہ اگر اس کرۂ ارض کو عوام کے لئے قابل سکونت اور حسین بنانا ہے تو سامراج استحصال اور مطلق العنان جبر و استبداد کی بدنما قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا کیونکہ انھیں شکست دیئے بغیر انسانیت کا پھولنا پھلنا ممکن نہیں۔ شاعر کے یہ خیالات ان کی آخری تحریروں میں زیادہ اعتماد و یقین کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس موقع پر رابندر ناتھ کی ایک مشہور طویل نظم "اے بار پھراؤ مورے" (لوٹنے دو اب مجھے) کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ اس نظم میں شاعر نے موثر الفاظ میں زندگی کی تلخیوں کا ذکر کرتے ہوئے عوام کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

بین الاقوامی استحصال کے موقعوں پر بھی رابندر ناتھ خاموش نہ رہ سکے۔ جب مسولینی نے ابی سینیا پر حملہ کیا تو انھوں نے اس کی پُر زور مذمت کی۔ چین پر جاپان کے جارحانہ حملے کے خلاف اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں جاپان کے شاعر یونے نوگوچی کو خطوط لکھ کر انسانیت، انصاف اور بین الاقوامی امن کی کھل کر حمایت کی۔ اسی طرح جب ہٹلر نے زیکوسلواکیہ پر حملہ کیا تو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ۱۹۳۰ء میں رابندر ناتھ ٹیگور نے سوویت روس کا دورہ کیا۔ وہاں سے واپسی پر "رستیار چیٹھی" (روس کے خطوط) کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خطوط بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ان خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سفر سے عوام کی خود اعتمادی اور انسان کی عظمت پر ان کا یقین کچھ اور مستحکم ہو گیا۔ ۱۹۳۲ء میں ٹیگور نے ایران کا سفر کیا۔ ان کی اکہترویں سالگرہ ایرانی عوام نے نہایت گرم جوشی سے منائی۔ اس عوامی استقبال سے متاثر ہو کر ٹیگور نے ایک نظم لکھی جس میں ایران کے شاعروں، دانشوروں اور عوام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

یہ مرے اشعار کے پھولوں کا ہار
ہے جبیں نازِ پہ تیری کی نثار
ہے یہی دل کی پکار

زندہ باد اے ملک ایران زندہ باد!

گیا نوں رابندر ناتھ ٹیگور نے ہمیشہ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ نسلی جارحیت، لسانی عصبیت، بین الاقوامی استحصال اور جغرافیائی حد بندیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے اور اس دنیا کو جسے ہم نے اپنی کرتوتوں سے

بدشکل، ناقابل سکونت اور جہنم زار بنا دیا ہے حسین، دلکش اور رشک جنان بنانے کا پیغام دیا ہے۔ شاعر کی اس انسان دوستی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اسی شاعر کی ایک نظم پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

جہاں ذہن آزاد ہوں خوف سے
ہمیشہ رہیں ہم جہاں سربلند
جہاں علم پر کوئی قدغن نہ ہو
نہ دنیا کو ٹکڑوں میں بانٹیں جہاں
فصیلیں مقامی مفادات کی
زباں پر جہاں آئے ایک ایک لفظ
نکل کر صداقت کی گہرائی سے
جہاں بازوانِ عمل شل نہ ہوں
بڑھے جائیں مقصد کی تکمیل میں
جہاں مردہ عادات کی ریگ میں
تعقل کے چشمے کبھی گم نہ ہوں
جہاں ذہن کی رہنمائی کریں
فضاؤں میں افکار و اعمال کی
ترے ہی اشارے ترے ہی کرم
اسی جنتِ فکر آزاد میں
جگا نا مرے دیس کو خواب سے
یہی التجا تجھ سے ہے اے خدا

(بشکریہ آبشار خاص نمبر ۱۹۹۶ء) ●

ربندرا سنگیت

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

رابندر ناتھ کو اپنی تخلیقات میں اگر کسی چیز پر اعتقاد یا کامل بھروسہ تھا تو وہ ان کے گیت ہیں جو بنگلہ زبان میں ان کے نام پر "ربندر سنگیت" کہلاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے گیتوں کے سلسلے میں بارہا کہا ہے کہ ان کے گیت لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیں گے اور وہ ان گیتوں کے سہارے امر رہیں گے۔ گیت ان کی سادھنا ہے، تپسیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ "مجھے یہ دنیا اور لوگوں سے محبت ہے اسی محبت کو میں نے اپنے گیتوں میں سمو لیا ہے۔ میری یاد میرے گیتوں میں محفوظ رہے گی اور باقی جو کچھ بھی ہے مٹ جائے گا۔" آج رابندر ناتھ کے گزر جانے کے تقریباً نصف صدی بعد ان کی بات تسلیم کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ چونکہ آج ان کے گیت گھر گھر میں مقبول ہیں۔ ریڈیو کلکتہ ہو یا ریڈیو ڈھاکہ ہر روز ربندر سنگیت کے پروگرام ہوتے ہیں اور بنگالیوں کا شاید ہی کوئی ایسا کلچرل پروگرام یا جلسہ ہو جس میں مختلف فنکار ربندر سنگیت نہ گاتے ہوں۔

بنگال گیتوں کا دیش ہے۔ یہاں کے لوگ گیتوں کے متوالے ہیں۔ مقام میمن سنگھ (جو آج کے بنگلہ دیش کا ایک بڑا شہر اور ضلع کا صدر مقام ہے) کے نام کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ایک انگریز نے جو وہاں کا دورہ کر رہا تھا یہ دیکھا کہ سب ہی لوگ گاتے بجاتے ہیں لہٰذا جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ کے علاقے کے لوگ کیا کرتے ہیں تو اس نے جواب دیا "My men sing" یعنی میرے لوگ گاتے ہیں اور یہی ہوتے ہوتے اس علاقے کا نام ہو گیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہو یا نہ ہو لیکن میمن سنگھی گیت بھی مشہور ہیں۔ جناب سلیم اللہ فہمی نے بنگال کی دیہی زندگی (مشرقی بنگال) پر لکھتے ہوئے لکھا تھا[1]

"کشتیوں کی بازی ایک عجیب و غریب چیز ہے۔ ان کا مقابلہ ہوتا ہے .... گانے بجانے میں بڑی افراط ہوتی جاتی ہے۔ ہارنے والا ہی گاتا ناچتا ہے اور جیتنے والے کا پوچھنا ہی نہیں .. کھیت اور کھلیانوں میں کام کرتے، کشتیاں چلاتے، غرض ہر موقع پر گانوں کا بے حد رواج ہے۔ بھٹیالی، ساری، جاری، باؤل، مرشدی، معرفتی وغیرہ لوک سنگیت ہر شخص کو سینکڑوں زبانی یاد ہوتے ہیں۔ جو گاتا ہے دل کھول کر گاتا ہے موسیقی ان کی گھٹی میں ہوتی ہے۔ شاعر گویئے دیہات سے دیہات جاتے ہیں۔ جہاں گیا سمیٹا اور دوسرے گاؤں چل کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد ایک مدت تک موسیقی کا طوفان بپا رہتا ہے جسے دیکھئے یہ نئے نئے گانے گاتے ہی رہتا ہے گانا بجانا، بانسری بجانا .... ہر بڑے بوڑھے اور بچے کی فطرت میں داخل ہے۔"

رابندر ناتھ نے کتنے گیت لکھے کہنا مشکل ہے۔ عام طور پر خیال ہے کہ ان کے گیتوں کی تعداد تقریباً تین ہزار ہیں۔ صرف "گیت بیتان" میں دو ہزار پانچ سو گیت شامل ہیں۔ ٹھاکر نے گیت لکھ کر اور ان کو گا کر نہ صرف بنگالیوں

دونوں کے الگ الگ اصول قائم ہوئے۔ شمالی ہند میں ہندی گیتوں میں سُر (راگ راگنی) نے اہم مقام حاصل کر لیا۔ لہٰذا ہندوستانی سنگیت میں راگ راگنی کو اہمیت حاصل ہو گئی اور الفاظ کم سے کم رہ گئے یعنی کوئی ایک مختصر مصرعہ یا دو چار الفاظ یعنی بول ہی ہندوستانی راگ کے لئے کافی قرار دیئے گئے اور ایک مکمل گیت کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن بنگال میں ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا بنگالی سنگیت میں الفاظ کی اہمیت قائم رہی اور مکمل گیت گانے کی ضرورت باقی رہی اور آج بھی یہی ہے۔ شاعری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر ایک فرد سمجھ سکے۔ چونکہ فن شاعری کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ باتیں کہنے کا ایک ترقی یافتہ فن ہے اور پھر شاعری کو سمجھنے کے لئے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے ورنہ اشعار کا درست مطلب سمجھنا بھی مشکل ہوتا ہے اور نہ ہی شاعری کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ گیت اور شاعری میں ایک بنیادی فرق ہے حالانکہ دونوں میں خیال کی ادائیگی "الفاظ" ہی کرتے ہیں اور چھند (بحر) دونوں کے لئے ضروری ہے لیکن گیت میں "الفاظ" کو سُر اور تال سے نئی زندگی بخشی جاتی ہے لہٰذا گیت دلوں کو زیادہ موہ لینے کی قوت رکھتا ہے۔

بنگال میں سینکڑوں ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ ہی کسی نہ کسی قسم کے گیت گانا ہے۔ مثلاً پھیری والے، کتھکتا کرنے والے، یا پانچالی گانے والے، جاترا کے گیت گانے والے، کوی گیت والے، منگل گیت والے (عموماً اگرچہ منگل ہو تو عورتیں گاتی ہیں) بدآبلی والے اور پھر کرتن کرنے والے۔ ان سب گیتوں کی الگ قسمیں اور سُر ہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں گاؤں میں سینکڑوں باؤل ہیں جو باؤل گیت گاتے ہیں پھر مانجھی کے بھٹیالی گیت ہیں، میمن سنگھی گیت ہیں۔ ساری گیت، جاری گیت، مرشدی گیت، معرفتی گیت، شیاما سنگیت، آگ منی گیت، بھاؤ آئی گیت، نگھیرا نگھیرا چٹکا، الکاپ، تسو یا تُسو، کرم گیت، تیور گیت اور دیگر مختلف لوک گیت ہیں۔ اس کے علاوہ اکھڑائی، ہاف اکھڑائی، کھیمٹا اور ٹپ یا ٹھپ بھی ہیں لیکن ان گیتوں کا تہذیبی معیار پست ہے اور عموماً اخلاق سے گری ہوئی باتیں ان گیتوں میں ہوا کرتی ہیں۔ بہرحال بنگال گیتوں کا ایک گلستان ہے۔ بنگال کے دونوں بڑے شعراء ربندر ناتھ اور نذرالاسلام گیت کار بھی رہے اور ان دونوں نے بنگلہ زبان میں گیتوں کا انمول اضافہ کیا جو گیت ان کے ناموں پر "ربندر سنگیت" اور "نذرل گیتی" کہے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بنگال میں ربندر ناتھ سے گیتوں کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مشہور گیت کار دھرجٹی پرشاد مکھوپادھیائے نے ربندر ناتھ

کے دلوں میں شہرت لیا بلکہ "گیتانجلی" جو ان کے گیتوں کا ایک مجموعہ ہے پر ہی ان کو نوبل انعام ملا ہے۔ یعنی گیت لکھ کر ہی انھوں نے دنیا کا دل جیت لیا۔

بنگلہ زبان کی شاعری میں کوئی استاد اور شاگرد کا سلسلہ نہیں ہوتا لیکن موسیقی اور سنگیت میں یہ سلسلہ قائم ہے اس سلسلہ میں ربندر ناتھ کا تعلق "وشنو پور گھرانہ" [illegible] سے رہا ہے اگر ہم سلسلے کی کڑیاں ملائیں تو یہ سلسلہ تان سین تک پہنچ جاتا ہے۔ تان سین کے [illegible] شاگرد [illegible] استاد اور بہادر سین بنگال میں وشنو پور کے راجا رگھوناتھ سنگھ کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ اس بہادر سین کے شاگردوں میں [illegible] رام شنکر بھٹاچاریہ اور [illegible] پورا [illegible] مشہور ہوئے۔ رام شنکر بھٹاچاریہ کے شاگردوں میں کھیتر موہن گوسوامی، [illegible] گوسوامی، جدو ناتھ بھٹ، اننت لال مکھوپادھیائے اور [illegible] مکھوپادھیائے [illegible] اور ربندر ناتھ ٹھاکر نے سنگیت کی ابتدائی تعلیم جدو ناتھ بھٹ سے پائی ہے اس طرح ان کا تعلق وشنو پور گھرانے سے ہے۔

ابتدائی دور میں ([illegible] تا [illegible]) ٹھاکر [illegible] کلاسیکی سنگیت کے حوالے سے [illegible] اور [illegible] کی طرف [illegible] اس لئے ان کے [illegible] دل کی آرزو کی گیتوں میں [illegible] مختلف ممالک کی تہذیبی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ پائیں گے کہ تہذیب کے ابتدائی دور میں گیت اور شاعری میں فرق نہیں تھا۔ [illegible] تہذیب کی [illegible] کی شکل میں ہوتی تھیں رسم الخط [illegible] نہیں ہوا تھا یا اگر کسی ملک میں ہوا بھی تھا تو بہت کم لوگ ہی رسم الخط سے آگاہ تھے لہٰذا شاعری زندگی کے بقا کا ایک ہی راستہ تھا کہ کلام کو سُر سے گائیں اور لوگ [illegible] ان کو یاد رکھیں۔ پھر رفتہ رفتہ سماج کی ترقی کے ساتھ [illegible] اور شاعری ایک دوسرے سے پرے ہٹ گئے شاعری نے اپنی راہ الگ نکالی اس کے باوجود آج بھی ان دونوں میں گہرا رشتہ قائم ہے۔ ہندوستان کی تہذیبی تاریخ بھی یہی ہے۔ رگ وید کے اشلوک سُر سے گائے [illegible] ویدک عہد میں شاعری اور سنگیت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ ان دونوں کی دیوی سرسوتی کے روپ میں سامنے آئی سینکڑوں سالوں تک یہی دھارا قائم رہا اور پھر الفاظ اور گیت، شاعری اور سنگیت جدا جدا ہوگئے

کے گیتوں کے سلسلے میں لکھا ہے:[1]

"رابندر ناتھ ٹیگور نے سنگیت میں ایک نیا طرز لالے جس کا سنگیت کی دنیا میں تان سین کی "درباری کانڑا" یا "میاں کی ملہار" سے کم قدر و قیمت نہیں ہے۔ رابندر ناتھ کے گیت مغل طریقہ یا ہندوستانی کلاسیکل گیت نہیں ہیں جن سے ٹھاکر نے دیہاتی گیت یعنی باؤل، کرتن اور بھٹیالی کو جانا تب سے ان کو ایک راہ ملی، آزادی ملی۔ اس سے قبل وہ نقل نویس تھے اور یہاں سے وہ آزاد تخلیق کار ہوئے۔"

اور بقول دھرجٹی پرشاد "ٹھاکر نے دربار سے دور، شہر سے دور، گاؤں میں عام لوگوں میں ان کی زندگی اور تہذیب میں سنگیت کی تلاش کی ہے اور مٹی سے قریب ہو کر ٹھاکر کو نئی زندگی ملی۔ مشہور ادیب اور نقاد سکمار سین نے ٹھاکر کے گیتوں کے متعلق لکھا:[2]

"موسیقی کا اسلوب، نغمے اور آہنگ کی تخلیق کرنے میں ان کا کوئی جواب نہیں ...... کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض نغمے، ساز پر قابل آزمائش نہیں ہیں لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس نغمے میں خود ہی اس کا سُر پوشیدہ ہے .... ٹھاکر کے نغمے اور آہنگ میں بے پناہ کشش ہے۔ جو صرف لوک گیتوں کے طرز اور موسیقی کی ترقی یافتہ تبدیلی بھی بلند معیار کے مرکب ہونے ہی سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ جب موسیقی اور نغمے میں اپنی بھرپور روانی ہو، وزن ہو، اور جن تمام خوبیوں کے گھل مل جانے سے ہی وجود میں آتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ٹھاکر کی موسیقی چادر کی طرح سر پر چڑھ کر بولتی ہے۔"

برہمو سماج کے لئے برہمو سنگیت لکھتے ہوئے رابندر ناتھ نے گیت لکھنا شروع کیا۔ مہارشی دیویندر ناتھ ٹھاکر کا تعلق برہمو سماج سے تھا اور وہ ۱۸۶۰ء میں برہمو سماج کے صدر ہوئے تھے۔ برہمو سماج میں گیت گائے جاتے تھے جن کو "برہمو سنگیت" کا نام دیا گیا۔ مہارشی دیویندر ناتھ خود گیت کے دلدادہ تھے اس لئے جوڑاسانکو ٹھاکر گھرانہ گیت گانے والوں کا ایک مرکز بن گیا تھا اور اس گھرانے سے اس وقت کے نامور سنگیت کاروں کا تعلق تھا۔ مثلاً

---

[1] رابندر ناتھ سمرتی، مدیر وستوا ناتھ دے، پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۵

[2] تاریخ بنگلا ادب۔ سکمار سین ص ۵۵۲-۵۵۳

جدو بھٹ، رادھیکا پرشاد گوسوامی، گوپیشور مرجی، سریندر ناتھ بنرجی اور ندیلکے وشنو چکرورتی وغیرہ۔ رابندر ناتھ کو بچپن میں ان استاد کلاکاروں کے گیت سننے اور ان سے بہت کچھ جاننے اور سیکھنے کا موقع ملا۔ خود مہارشی دیویندر ناتھ نے بھی رابندر ناتھ کی ہمت افزائی کی ہے۔ مہارشی خود برہمو سنگیت لکھا کرتے تھے اور گاکر سنانے کے لئے رابندر ناتھ بھی بلائے جاتے تھے۔ پچھلے صفحات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں مہارشی دیویندر ناتھ اپنے لائق فرزند سے برہمو سنگیت سن کر نہایت خوش ہوئے تھے اور انھوں نے پانچ سو روپیہ رابندر ناتھ کو انعام دیا تھا۔ جب گھر کا یہ حال ہو اور گھر کے بڑے اس طرح ہمت افزائی کریں تو پھر سنگیت کی دنیا میں آگے بڑھنے کا شوق کیوں نہ پیدا ہو۔

اس کے بعد جب اپنی آبائی زمینداری کے سلسلے میں رابندر ناتھ کو شلائی داہ جانے اور دیہی علاقوں میں گھومنے کا موقع ملا تب وہ دیہی بنگال کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ لالن فقیر سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ بہرحال ملاقات ہو یا نہ ہو وہ لالن کے گیتوں سے بے حد متاثر ہوئے تھے اور انھوں نے باؤل سنگیت سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ پھر شانتی نکیتن آشرم میں بھی ان کو گیت سیکھنے اور گانے کا بہترین ماحول ملا۔ یہاں انھوں نے اس علاقے کے آدی باسی یعنی سنتالی گیت اور رقص سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے برسوں بعد جب انھوں نے یورپ اور امریکہ وغیرہ کا بار بار سفر کیا اور سنگیت کی محفلوں میں شریک ہوئے تو مختلف ممالک کی موسیقی اور گیتوں کے سلسلے میں جانا اور ان ملکوں کو ہندوستانی سنگیت سے آگاہ کیا۔ ٹھاکر مختلف ممالک کے سنگیت سے کتنے متاثر ہوئے اور خود انھوں نے ہندوستانی سنگیت کلا سے دنیا کو کس طرح متاثر کیا وہ ایک الگ موضوع ہے جس پر لکھنے کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔ بہرحال جب ٹھاکر نے روح بنگال کو جانا اور بنگال کی مٹی سے قریب ہوئے تو وہ بنگال کے دیہی گیتوں کی طرف جھکے۔ انھوں نے کلاسیکی راگ راگنیوں اور دیہی باؤل اور بھٹیالی اور دیگر لوک گیتوں کو نہایت ماہرانہ طور پر اپنے گیتوں کی ایک دنیا بسائی۔ ٹھاکر کے گیتوں کے سلسلے میں ڈاکٹر ارنالڈ (Arnold A Bake) نے لکھا ہے:[3]

"یہ قابل غور ہے کہ کس طرح ٹھاکر میں تینوں یعنی ہمارے مغربی موسیقی، کلاسیکی موسیقی اور لوک موسیقی گلے ملے اور کس طرح

---

[3] Indian Music and Rabindra Nath Tagore By Arnold A Bake, London 1930

مغربی اور بنگالی موسیقی دستہ رفتہ لوک موسیقی میں ضم ہو گئی۔
جیسے نغمہ کے دور سے قدیم بنگلہ ویشنوی شاعری اور ست بڑھ
کر بھاؤں اور لوک موسیقی نے اس کے فن کو حلاوتی اور اسے ایک
خالص ہندوستانی موسیقی میں ڈھال دیا۔"

لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال (۱۹۰۵) کے خلاف پورے بنگال میں زبردست
بیداری پیدا ہوئی تھی۔ ان دنوں تقسیم بنگال کے خلاف جو تحریک چلی اس میں
رابندر ناتھ نے کھل کر حصہ لیا۔ بنگال بھر میں سیکڑوں جلسے ہو رہے تھے اور
بے شمار گیت کار گیت لکھ رہے تھے اس طرح ہزاروں گیت لکھے گئے جو
سودیشی گیت کہے جاتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ سودیشی گیت رابندر
ناتھ نے لکھے اور صرف ان کے ہی گیت ان دنوں مقبول ہوئے بلکہ آج بھی
تقریباً اسی (۸۰) سال بعد ان میں سے کئی گیت مقبول عام ہیں۔ ان گیتوں
میں حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے لیکن ٹھاکر کے یہ گیت حالانکہ
بنگال اور بنگالی کو ذہن میں رکھ کر ایک وقتی تحریک کے تحت وجود میں آئے تھے پھر بھی سب کے
سب گیت محض بنگال کے نہیں ہیں صرف چند مشہور گیتوں کا تعلق بنگال کی
سرزمین سے ہے۔ مثلاً

۱۔ بنگال کی مٹی، بنگال کا پانی
۲۔ میرا سونار بنگال، مجھے تم سے محبت ہے۔

ان گیتوں میں لاقانیت ہے لیکن کئی گیت ایسے ہیں جو پورے
ہندوستان کے لئے ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ اے میرے ملک کی مٹی، تجھے میرا سلام
۲۔ میرا جنم سپھل ہے کہ میں اس دیس میں پیدا ہوا
اور جیسے

۳۔ "جن گن من ادھی نایک جے ہے ـــــ"، جو آج ہمارا قومی
ترانہ ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہندوستان ایک ایسا عظیم ملک ہے جس میں کئی
علاقائی زبانیں ہیں اور یہاں کے ہر ادب کی اپنی علاقائی زبان میں ہوں گے
اور ان میں علاقائی خصوصیات ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ سودیشی تحریک کے سلسلے
میں رابندر ناتھ نے جو سیکڑوں گیت لکھے ان میں جن گیتوں کا تعلق پورے
ہندوستان سے ہے وہ بھی کل ہند پیمانے پر (علاقائی زبان میں ہونے کی وجہ سے)
پھیل نہیں سکے۔ پھر دیش بھگتی کے ان ہندوستانی گیتوں میں وہ گیت بھی شامل ہیں
جن سے قومی شعور ابھرا۔ جن گیتوں سے تحریک آزادی کو آگے بڑھایا۔ مثلاً۔

۱۔ اگر تیری آواز پر لبیک نہ کہے
۲۔ تو۔۔ تو۔۔ اکیلا چل، اکیلا چل، اکیلا چل
۳۔ تیرے اپنے کبھی تجھے چھوڑ جائیں گے
اس لئے تو کوئی فکر نہ کر
۴۔ آگے چل، آگے چل، بھائی
۵۔ چھی چھی ـــ آنسوؤں سے زمین کو تر نہ کر
۶۔ اب اور دیر نہیں
ہاتھ سے ہاتھ ملاؤ
۷۔ تیز ہوائیں چل رہی ہیں
اطراف سے بادل گھر آئے ہیں

رابندر ناتھ کبھی کا سلسلے میں تنگ نظر نہیں تھے۔ اس کی مثال ان
کے گیتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس دور کی سیاست میں وسعت کی کمی
ضرور تھی چونکہ اس وقت تک سیاست سے عوام کا تعلق قائم نہیں ہوا تھا
خاص کر کسان اور مزدور سیاست سے دور تھے۔ سیاست سے عموماً کھاتے
پیتے گھروں کے لوگ ہی دلچسپی رکھتے تھے اور کہا بھی یہی جاتا تھا کہ سیاست
میں حصہ لینا غریبوں کا کام نہیں ہے لہٰذا کھاتے پیتے گھروں تک سیاسی
سرگرمیاں محدود تھیں۔ اس طبقہ نے دیش کو "ماں" کا درجہ دیا اور
ایک دیوی کے طور پر اسے پیش کیا۔ متوسط طبقہ میں ہندو ہی زیادہ پڑھے
لکھے تھے لہٰذا تحریک آزادی میں "دیوی مادر وطن" کی جو تصویر ابھرا اس کا
تعلق ہندو تہذیب سے زیادہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک قابل ذکر بات
یہ ہے کہ رابندر ناتھ نے جو سینکڑوں دھارمک گیت لکھے وہ محض ہندوؤں
کے لئے نہیں اور وہ مادر وطن کو ایک "دیوی" کی طرح پیش کرنے کے بھی خلاف
رہے حتیٰ کہ ان کے بھکتی گیتوں میں ہم کسی خاص دیوی یا دیوتا کا تصور نہیں
پاتے ہیں اور نہ ہی وہ "شکتی پوجا" کے طرفدار تھے۔ اس کی وجہ ان کا برہمو
سماج ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ انھوں نے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے پولین
سیس کے نام لکھا:۔

"ایک دن میرے مرحوم دوست ہیم چندر ملک، شری بپن پال کے
ساتھ آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ میں خاص طور پر درگا دیوی
کے ساتھ مادر وطن کی دیوی کو ملا کر ان کے درگا پوجا کے موقع پر
ہونے والے جلسہ کے لئے دیش بھگتی کے موضوع پر ایک

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

یہ خوشبو
جو پھولوں کے دل میں تھرتھراتی ہے
وہ گیت
جو صبح کے اجالے میں سوئے ہوئے ہیں
وہ صبح
جو فصل بہار میں رخشاں ہے
مست مست سبز اور سنہرے کھیت
جو سورج کے کرنوں میں نہائے ہوئے ہیں!

اسی خوشبو نے میرے جسم و جاں کی
تعمیر کی ہے
اور وہی میرے گیتوں کو
نت نئی شکلیں
نئے جذبات دیتے ہیں
میرے خیالوں کو تازگی بخشتے ہیں
کون ہے وہ؟
جو مجھ میں
مجھ کو قید رکھ سکتا ہے
مجھ کو
میرے بیکراں جذبات کو

اقتباس: اتسرگ ۱۹۱۴ سے
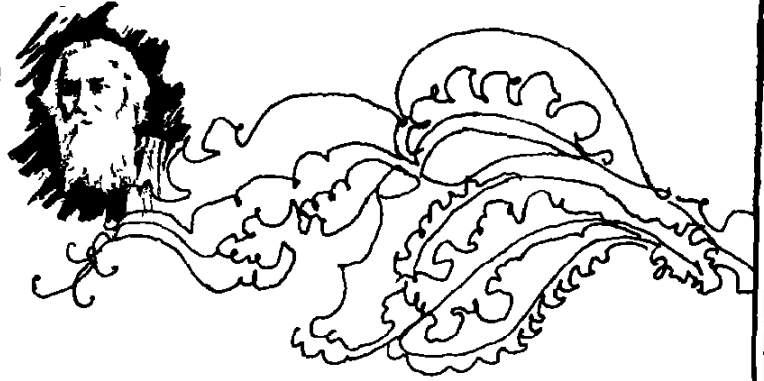
معلوم نہیں، وہ کون ہے
اسے نہیں پہچانتا
صرف اتنا جانتا ہوں کہ
اسی کے لئے
تاریک بھیانک راتوں میں
انساں جگ جگ سے چراغ لے کر
طوفاں اور بجلیوں سے
اس چراغ کی لو کو بچاتے ہوئے
راہ کی تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے
اپنا سب کچھ قربان کرکے
انسان آگے اور آگے بڑھتا ہی گیا ہے

صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ
انسان نے اس کی پکار سنی ہے
اور اسی لئے بے خوف و خطر
موت کو گلے لگاتے ہوئے
وہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے
آگ میں تپ کر
سخت اذیت دہ تکالیف اٹھاکر
اپنی تمام خوشیاں قرباں کرکے
جنم جنم سے اسی لئے کوشاں ہے
اپنے دل کے خون سے رنگ کر
اس نے عقیدت کے پھول
اسی کے قدموں میں بچھا رکھے ہیں
موت کے سفر میں
زندگی کی قربانی دی ہے
اس کے لئے، صرف اسی کے لئے

اقتباس: "آمے ار بھرا رموشے" — (اس بار مجھے لوٹا دو) سے

رابندرناتھ — ایک مطالعہ

اخلاقیات سماجیات اور انسانیات کی روشنی میں

سرجیت داس گپتا

وسیع طور پر تخلیق کار اور سماج کا اخلاق ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ کشیدہ یا تراشیدہ رہا ہے اور اس حقیقت کی صاف و شفاف تصاویر میں سے ایک تصویر ہمارے نہایت ہر دلعزیز ربندر ناتھ میں ملتی ہے

ربندر ناتھ سماج کی نظروں میں ایک مثالی کردار کے مقابلہ میں ہمیشہ ہر معاملہ میں سخت تضاد کا شکار رہے اور ہمیشہ رہیں گے اپنی مثالی شخصیت رام موہن رائے کی طرح انھوں نے اپنے آباو اجداد کے قائم کردہ رسم و رواج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس دور کی سماجی قدروں پر رام موہن رائے کی سخت و کسست تنقیدوں کو بالکل اچھی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا تھا

رام موہن کی بازگشت بلداروگوشٹی کے بنواری لال کی سخت صدائے احتجاج میں سنی جاسکتی ہے اور یہ صدائے احتجاج اس نے اپنے باپ کے خلاف بلند کی تھی۔ اپنے باپ کے انتقال کے ساتھ ہی وہ دراصل اپنے خاندان کے کینوس کی قید سے رہا ہوگیا۔ بنواری نے اپنے باپ کی "شرادھ" کی رسم میں شریک ہونے سے انکار کردیا اس طرح رسم و رواج کی اندھی تقلید جو اس کے زمیندار باپ کی میراث تھی، کے خلاف ایک انقلاب برپا کرتے ہوئے ایک نئے رومانی دور کے آغاز کی جانب پیش رفت کی۔ بنواری لال کی انتہائی لاتعلقی اس امر کو واضح کرتی ہے کہ ربندر ناتھ کی پیش رفت کہاں پر قیام کرتی ہے۔

اس ذہنی رد کی ایک نہایت ہی عمدہ تضاد کی مثال رامائن کے رام کی اس خواہش میں ملتی ہے جہاں وہ ایک مثالی پرکش بن کر اور تخت و تاج تیاگ کر چودہ سال کا بن باس قبول کر لیتا ہے اور صرف اس لئے کہ اس کے باپ کا قول جھوٹا نہیں ثابت ہو، گذشتہ دو صدیوں نے اس غیر منحرف وفاداری یا ماضی سے چپکے رہنے کی خصوصیت کو محض ایک وصف کے طور پر ہی نہیں بلکہ معاشرتی و اخلاقی انتشار یا زوال کے خلاف آخری ہتھیار کی حیثیت سے بھی تقویت بخشی ہے۔ ربندر ناتھ اس خیال کے ماننے والے تھے کہ اپنے ہونے کے "دھرنا" پر انسان کو سچا اترنا چاہئے اور یہ نہیں کہ "دھرنا" پر جو فرمان شاہی یا فرمان حکومت کی پیدا کردہ ہے خواہ وہ فرامین سماج کے حصوں یا مذہبی صحیفوں کے۔

اپنی کہانی "ستی" میں ربندر ناتھ اسی مقصد پر لوٹ کر آتے ہیں۔ دکھی رام سخت غصہ کے عالم میں اپنی بیوی رادھا کو پیٹ پیٹ کر مار ڈالتا ہے۔ اس کا بھائی چھیدام اپنی بیوی چندارا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی بھابی کے قاتل ہونے کا اقرار کرلے۔ چھیدام کے انتخاب کے پس پشت مخفی منطق نہایت ہی سہل ہے۔ بیوی تو دوسری مل سکتی ہے مگر بھائی کو اگر ایک بار کھودینا پڑا تو اس کی بازیابی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ کیا ان دونوں میں کہیں مماثلت پائی جاتی ہے؟ ہاں، بالکل جب

ناول کی "شکتی شیل" کے بعد لکشمن مرتا ہے تو اپنی بیتی کی بچاؤ کے
کے لئے یہاں آنے پر خود کو کوستا ہے کہ اس کی ہی وجہ سے آج
اس کے بھائی کا یہ حال ہوا ہے۔ چھیدام اور رام لوچن کے دماغ میں اسی
طرز کی باتیں گونج رہی تھیں جب ان لوگوں نے معصوم چندارا کو پھانسی
کے پھندے کی جانب دھکیلا تھا۔

جب رام نے سیتا کو تیسری بار اگنی پرکشا دینے کے لئے کہا تو
وہ دھرتی پر اتر آتی ہے اور پلٹ کر اپنی ماں کے سینے سے لگ جاتی ہے۔
کہانی "ستی" میں بھی چندارا بطور آخری خواہش اپنی ماں سے ملنا
چاہتی ہے۔ اس کے آخری الفاظ جو اس نے کہے یہ تھے کہ اس کا پتی اس
سے ملنے کے لئے آیا ہے یعنی جملہ ایسے الفاظ کا مجموعہ ہے جس نے سماج میں
مردوں کے غلبہ کے خلاف براہ راست بغاوت کا آخری نشتر چبھویا ہے۔

رابندر ناتھ کے لئے "دھرما" سماج کے رسم و رواج کی تکمیل میں
نہیں وجود پاتی ہے۔ حالت موجودہ کی اندھی تقلید میں بھی نظر نہیں آتی
ہے نہ ہی شادی کے پاکیزہ بندھن میں موجود ملتی ہے بلکہ یہ مذہب
خود اس کی دیانت داری میں پنہاں ہوتی ہے۔ کہانی "انادھیکار پراویش"
میں بھگوان سے خوف کھانے والی لیکن اور کسی سے نہیں ڈرنے والی جوئے
کالی دیوی اپنے سکرم سکرّد یعنی پوجا گھر میں ایک ناپاک جانور کی پناہ
لینے کے ایک گومگو حالت سے دوچار ہوتی ہے۔ اس سور کا پیچھا
کرنے والے ڈوم کو جس کے خوف سے اس دہشت زدہ سور نے اس طرح
کی حرکت کی تھی، اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہانی یہیں ختم ہو جاتی
ہے لیکن رابندر ناتھ ہمیں یہاں کچھ غور و خوض کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ
چھوٹا سا واقعہ اگرچہ اس کے تخلیق کار کو خوشی و مسرت بخشتا ہے لیکن بھگوان
جو سماج کے اشاروں پر چلتا ہے، کو بلاشبہ اس واقعہ سے خوشی نہیں ہوئی۔

رابندر ناتھ ۱۹۰۵ء کے دوران بنگال کی تقسیم کے خلاف کے اول مرحلہ
کی ممتاز و نمایاں شخصیات میں سے ایک تھے لیکن جیسے جیسے یہ معاملہ تشدد
پکڑتا گیا ویسے ویسے رابندر ناتھ خود کو اس سے دور کرتے گئے۔ بالآخر آپ نے
شانتی نکیتن میں سکونت اختیار کر لی اور خود کو فلاح عامہ کے کاموں کیلئے
وقف کر دیا۔ آپ نے پتی سر میں دیہی بینک قائم کئے، کشتیا میں اسکول قائم
کئے اور ہونہار طلباء کو زراعت کی تعلیم کے لئے غیر ممالک بھیجنے میں کفالت کی۔
"سوادیشی سماج" جس کی تصویر آپ کے ذہن میں ہمیشہ نقش رہی، کی واضح

عکاسی آپ کے مشہور رسالہ بعنوان "سوادیشی سماج"، خود اعتمادی کے ساتھ
کی گئی ہے۔ آپ نے انسانی آزادی کی پہلی شرط کے طور پر اس داخلی رہبری
کا دعویٰ کیا ہے۔

مارچ ۱۹۰۸ء کے مشہور کنگس فورڈ قتل معاملہ کھودی رام بوس
اور پر فلا چاکی کی اموات کا چشم دید گواہ ہے۔ قوم کی نظروں میں یہ ایک عظیم
قربانی تھی جس کی مثال کم ملتی ہے۔ رابندر ناتھ نے کبھی بھی کسی طور سے قتل
و غارت گری کی حمایت نہیں کی۔ تشدد سے بھرپور ایسی قوم پرستی جو اس ملک
سے باہر کی جانب رواں تھی، کے طریقوں پر آپ کے نظریوں کو بہت بار زیر
بحث لایا جا چکا ہے۔ پاتھ دیا تھیہ اور سمسیہ جیسے مضامین میں آپ کو
پڑھا جا سکتا ہے۔

قومی یا وطن پرستی کے احساسات سے عاری شاعر کی حیثیت سے رد
کئے جانے کے بعد آپ نے اپنا ڈرامہ بنام "پرائسچیتا"، اور پہلی نظر میں ایک
پُر شباب ناول بعنوان بوٗ ٹھاکر رانیر ہٹ پر از سر نو کام شروع کیا لیکن
"پرائسچیتا" میں دھنجوئے بیراگی کا کردار اس کے مرکزی خیال پر بھرپور
روشنی ڈالتا ہے۔ جب اپنی قوم پرستی کے بخار میں بنگال کے لوگوں نے
بحیثیت قومی رہنما جیسور کے راجا پراتا پادتیہ کو پیش کیا تو ٹیگور نے دھنجوئے
بیراگی کو بطور مہرہ / پیادہ چال چلی۔ ریاست کے خلاف جدوجہد میں
لوگ کس ہتھیار سے جنگ لڑیں گے؟ ہتھیار عدم تشدد، عدم تعاون ہے
لوگ ٹیکس ادا کرنا بند کر دیں۔ جب بذات خود دھنجوئے کو زیر حراست رکھا
گیا اور دو برسوں کے بقایا جات ٹیکس طلب کئے گئے تو وہ جواب دیتا ہے۔
"ہماری بھوک کی خوراک تمہارے لئے نہیں ہے"

ہم عصر قوم پرستی کا ایک دوسرا اہم پہلو ہندو طاقت کی نمود تھی۔
بنگال کی تقسیم کے خلاف اس تحریک نے ایک طرح کی خفگی و ناراضگی کے
جذبہ کو جنم دیا اور یہ جذبہ سیاسی شناخت کے طور پر ہندو دیوتاؤں کی پیجوں سے
لبریز تھا۔ قوم پرست بیداری کے اس سیاق و سباق کے تحت ناول "گورا"
کی تخلیق ہوئی۔ یہ ناول ہندو ہندوستان کے متلاشی ہیرو سے متعلق معلومات
پیش کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کی کوششوں میں ناکامی و بے اثری
اس کی اہم دنیا میں اضافہ کی بابت بتاتا ہے۔ وہ پریش بابو سے مذکورہ بالا
امر کی حمایت میں پرجوش استدعا کرتا ہے کہ اسے ہندوستان کے ایک ایسے
خدا سے متعارف کیا جائے جس کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوں یہ تو

کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ "گورا" نے رابندر ناتھ کو اپنے ہی دور میں کافی غیر مقبول بنا دیا تھا۔ ان کے سماج نے بیچھے یر دار کیا۔ ۱۹۱۴ء کے دوران ایک مقالہ بعنوان "ماسقب" میں اس نے "گورا" کے [illegible] پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ناول نگار کی معلومات جیسا کہ مذکورہ بالا ناول میں حقیقت میں پیش کیا ہے نہایت ہی ناکارہ ہے۔ ہندو قوم پرست ادراں لوگوں کی تنقید پر وہ لکھتا ہے —— "مخصوص وجوہات کی بنا پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کثیر تعداد میں ہندو اپنی ہندو توا کی موافقت میں لڑنے کو مجاہد بنے مستعد ہیں۔ ان کے ذہن رد ماغ پریشان ہیں۔ مزنی اپنی نسل کی آخری قلبی، ہندو توا الٹی بستر مرگ پر ہے اور مزید پرورش رحت کی اذیت کا مرتکب ہے"

"گھرے باہرے" کی کہانی تین موضوعات پر مشتمل ہے اول سیگو قوم پرستی دوم "سوادیشی" سماج کی تشکیل اور سوم روز افزوں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی۔ سودیشی انقلاب کی علامت ہے اور نکھلیشں ایک خود کفیل سماجی ڈھانچہ کی تشکیل اور بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ احساسات کی معقول جواب دہی سے متعلق منکر عمل ہے۔ "گھرے باہرے" بنگال میں فرقہ پرستی کی شروعات اور انشو دنما کی ایک معقول دستاویز ہے۔

واقعات نگاری اور اس کا طرز اظہار دونوں ہی رابندر ناتھ کے اپنے تجربہ کی پیداوار ہیں۔ "گھرے باہرے" اور اس کے مصنف پر بے تحاشہ اعتراضات اور تنقیدیں کی گئیں۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جتنی زیادہ تنقید کا شکار یہ تصنیف ہی شاید ہی کسی اور تصنیف کے ساتھ اتنا برابر تاؤ ہوا ہو۔ اس ناول کا نقص اس کی صاف گوئی اور عام اخلاقیات، عقائد و رسوم، رائج انداز فکر، طرز رہائش، نظریۂ حیات پر معقول حملہ ہے۔ نوبل انعام یافتہ عالمی شخصیت رابندر ناتھ کی عام طور پر ملامت کرنا اور ان کی کردار کشی کرنا ہی ہندو قوم پرستوں کا ہر دل عزیز مشغلہ بن گیا۔

۱۹۲۲ء کے دوران جب لیونارڈ المہرسٹ نے سری نکیتن کے قریب گاؤں میں عام فلاحی کام کرنا شروع کیا تو وہاں کے لوگوں کے اندر رابندر ناتھ کے خلاف موجزن جذبات کی لہر نے انھیں نہایت ہی خوف زدہ کر دیا کس طرح ایک عالمی شہرت یافتہ شاعر اپنے ہی وطن کی سرزمین میں نفرت کا شکار بنا ہوا ہے؟ بعد میں جب انہوں نے رابندر ناتھ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھیں پتہ چلا کہ شاید لوگ گاندھی جی کے عدم تعاون کی تحریک سے رابندر ناتھ کے لگاؤ کو سمجھ نہیں پائے یا قبول نہیں کر پائے ہیں۔ اسی اختلاف نے رابندر ناتھ کو عوام کا دشمن بنا دیا ہے۔

رابندر ناتھ اور گاندھی جی کے درمیان ان کی روحوں کی ہم آہنگی ان کی فکر کے اختلاف کو آمنے سامنے لا کھڑا کر دیتی ہے۔ پرائیویٹ سیکریٹری میں وضع ہوئے برائی ریاست کے خلاف لوگوں کی عدم تشدد عدم تعاون کی آواز ایک گاندھی جی کی عدم تعاون تحریک تمام مغربی افعال و امور بشمول تعلیم اور جدت پسندی اور اس کے سٹیلائٹ فروغ کو رد و ترک کر دینے کی انتہا تھی فرقہ بندی اور تفرقہ ایک عوامی مسئلہ بن گیا بالآخر سی۔ ایف اینڈریوز ان دونوں کو اس موضوع پر تبادلۂ خیال کے لئے تیار کیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جوڑا سانکو میں واقع "بچترا بھون" کے کمروں میں یہ تاریخی تبادلۂ خیال کا انعقاد ہوا تھا۔ اس مباحثہ کے دوران جہاں ہمیں معلومات فراہم ہوئی وہ یہ رابندر ناتھ نے المہرسٹ کو اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے سمجھایا تھا کہ گاندھی جی کی "سوادیشی" تحریک (جس کے لئے گاندھی جی نے ہمیشہ اس نظریہ کے یقین کرنے والے یعنی بذات خود رابندر ناتھ کو پورا پورا کریڈٹ دیا ہے) اپنی پوری کلیت میں مغربی اثرات کو ترک کر دینے کے موقف کے تحت وجود میں لائی گئی تھی۔ رابندر ناتھ اسے قبول نہیں کر سکے۔ ان لوگوں کی مذکورہ نشست کے ایک ماہ بعد رابندر ناتھ نے "پروباسی" میں "ستیر آباہان" اور ماڈرن ریویو میں دی کال آف ٹرتھ کے عنوان سے مضامین لکھے۔ گاندھی جی نے اس کا جواب ینگ انڈیا میں دی گریٹ سنٹینل کے عنوان سے ایک مشہور مضمون لکھ کر دیا۔ بہرکیف رابندر ناتھ نے اس کا جواب فوراً نہیں دیا لیکن چالیس دنوں کے بعد رابندر ناتھ نے دستور انھارتی کی بنیاد رکھی۔ ایک معنی میں دستور انھارتی عدم تعاون تحریک کے حسن انتخاب کا ایک نہایت ہی پرسکون و متین اور تعمیری جواب تھا۔ الفاظ کی گہری معنویت کے اعتبار سے یہ امر اتحاد و یکجہتی کی جانب پیش رفت بھی تھا۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی نے ہندو توا کے قیام کی بڑھتی ہوئی بالادستی کو دیکھا۔ اس کے طریق کاروں میں سے ایک غیر ہندو ہندوستان کے عہد کو رد یا ترک کر دینا ہے۔ ان کے یہاں قوم پرستی کا مفہوم اس تواریخ کے تمام آثار یا باقیات کو اس کی خصوصیت و اہمیت پر بنا غور کئے مٹا دینا

ہے۔ دوسری جانب گاندھی جی نے کل مغربی اشیاء کو تیاگ دیا تھا۔ اگر ہم لوگ قسمت سے اس نہر کی کافی گہرائی تک پہنچتے ہیں جو شاید صفت "ٹیگورین" کے نیچے رواں ہے تو ہم لوگ اسے وقت، مکان وغیرہ کاٹ کر کرتے ہوئے پاتے ہیں اور کسی ایک ایسے نقطے سے جواسے بشمول کلی طور پر کائناتی بنا ڈالتا ہے۔

سماج ایک ایسے وقت و مکان کے اندر لوگوں کی ایک جمعیت ہے جو مفروضہ طور پر رفاہِ عامہ کی سہولت کے لئے طاقت اور بے بسی (یا طاقت کی کمی) خود ترتیب دادہ رقص کا کھیل دکھاتا ہے۔ یہ دو پروگرام ہے جس کا مقصد ساختہ کھیلوں اور فاضل بلوں کے ذریعہ رفاہِ عامہ کے کاموں کو روبہ عمل لانا ہے کیونکہ "سماج ایک" تا شیر دیتی ہے، کی ملزوم و جمعیت سند وجود ہے۔ رفاہِ عامہ کا آئینہ عام آدمی کی آرزوؤں کا عکس نہیں پیش کرتا ہے اور نا ہی یہ کسی کے ضمیر کی آواز کا جواب پیش کرتا ہے۔ عام سماجِ رفاہ میں کرم فرمائی یا غیر جانبداری اخلاقیات اور علم تصورات جیسے الفاظ بے معنی ہیں۔ بیشتر لوگ (خواہ اس کی کشش سے یا اس سے خوف زدہ ہو کر) اس جلالی یا رعب دار طاقت کو جلد ہی سمجھ جاتے ہیں جو سماجی استحکام کے نام پر انسان کو تکلیف پہنچاتی ہے لیکن رابندر ناتھ کے یہاں انسان کے فیصلے اور انتخاب کو افضلیت حاصل ہے اور سماج، رسم یا رواج کم اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کے یہاں عہد یا روایت پر عقل و فہم کو سبقت حاصل ہے اور علم و ذکا جسمانی طاقت پر مقدم سمجھے جاتے ہیں۔

جب قوم پرستی کا جوش پہلی عالمی جنگ کی آہ و زاری سے دوچار ہوتا ہے تو، رابندر ناتھ نے "سوورج پترا" کے پہلے شمارہ کے لئے جیسے جیسا اپنے جیسا تحریر کیا۔ آپ نے تحریر کیا ——— "ایک بار پھر ہمارے سماج کو بیدار کرنے کا وقت آگیا ہے۔ تمام تخلیقات میں یہ صرف ہوا ہی ہے جس سے ہم ہندوستانی لوگ سانس لیتے ہیں اور یہ سحر انگیز صفت کا حامل ہے اور اسی کے ذریعہ رسم اخلاق کو قائم رکھا گیا ہے۔ اس کا شکر گذار ہونا ہے جس کے بارے میں ہم لوگ کبھی بھی نہیں سوچتے ہیں کہ ہم لوگ کہاں اور کیوں جا رہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہم لوگوں کو کچھ کرنا ہے یا مرنا ہے یا اس اصول پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا ہے۔ آپ ضابطہ کا لحاظ کیجئے۔ ضابطہ آپ کا خیال رکھے گا۔ الغرض ہم لوگ خود کو مطمئن کرتے ہیں۔

سماج ایک ایسے عنکبوت کا شہرۂ آفاق خلوت خانہ ہے جس کا واحد مقصد آزاد فکر و انتخابات کے ہمارے خداداد پنکھ کو کاٹ دینا ہے۔ اس کا موازنہ ایک پرندے کے پنجڑے سے کرتے ہوئے رابندر ناتھ فرماتے ہیں ——— "اگر تمہارے پاس پنجڑے میں رہنے کے علاوہ اور کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس پنجڑے کی خوبصورتی کی تعریف کرنا ہی تمہارے لئے باعثِ تسکین ہوگا۔ حالات موجودہ کی قدر دانی سے واقفیت رکھتے اور اس پر عمل کرتے ہوئے ہی ہم لوگ برتے ہوئے ہیں نہیں تو وقت کا عتاب نازل ہوتا ہے۔ ہم لوگ اپنے پنجڑے بنانے والے کی تعریف کرتے ہیں دیر تک اس من کے علاوہ ہمیں کوئی دوسرے فن کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اپنے عہد میں ہم لوگ پنجڑوں کے اس بے رحم بنانے والے کی کامیابی پر تقریب منانے کے متلاشی رہتے ہیں جبکہ ہم لوگ اس مرضیٔ الٰہی کے لئے عزم و صدمہ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ گرچہ مرضیٔ الٰہی نے اس پر کام کرنے کے لئے ہمیں گراں قدر دماغی قوتیں، قوت ارادی وغیرہ سے نوازا ہے۔" رابندر ناتھ ملک، سماج، رسم و رواج اور خاندان کی غلامی کی شکل میں ترقی کی بڑھتی ہوئی راہ پر بنا کسی فریب و دغا کے انسان کی آزاد خودی کو نصب کرنے کے قابل ہے تھے۔ آپ کا پُرزور پیغام یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں زیادہ راست ہونا بہتر سمجھے بنسبت سماج کے۔ ہر انسانی زندگی جو پیدا ہوئی ہے کے بلند ترین معیار کو آخری ارتقا اور اس کی انسانیت کے زد میں تلاشتا ہے۔ ✱

ٹیگور نے کہا

فنِ لطیف تخلیقی لیاقت ہے جو فنکار کے تخیلات کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ انسان کیلئے اپنی خوشی و ناخوشی، غم و غصہ اور پیار محبت کے احساسات کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انسان کے پاس تو جذباتی توانائی کا خزانہ ہوتا ہے۔ اسی خزانے سے کچھ توانائی مذکورہ احساسات کیلئے صرف ہو جاتی ہے اور جو فاضل توانائی رہ جاتی ہے اسے آرٹ کی تخلیق میں صرف کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی تہذیب اسی فاضل توانائی کی مرہونِ منت ہے۔

شاعر کا تصورِ قومیت

اجئیہ سرکار
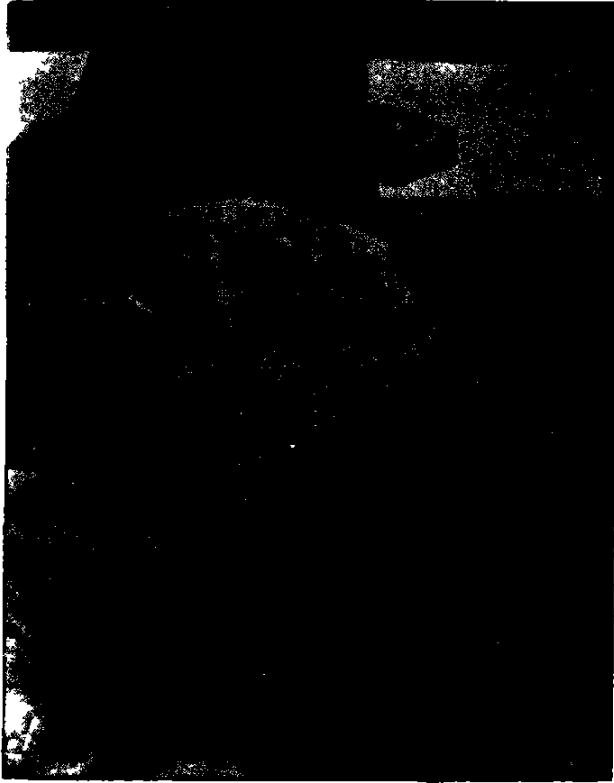
ایک قوم سے مراد لوگوں کی ایک جماعت کے ایک ایسے سیاسی اور معاشی پہلو سے ہے جو جب کسی مخصوص مقصد کے تحت منظم کیا جاتا ہے تو ایک عمومی آبادی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مذکورہ حیثیت سے سماج کے پاس کوئی درپردہ مقصد نہیں ہوتا ہے۔ خود اپنی ذات میں اس کا خاتمہ یہاں ہے۔ ایک سماجی انسان کی حیثیت سے یہ انسان کی بے ساختہ اظہار خودی ہے۔ یہ انسانی رشتوں کا ایک فطری مظہر ہے تاکہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ امداد باہمی میں زندگی کی اعلیٰ و بلند قدروں کو فروغ دے سکے۔ اس کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے۔ لیکن یہ محض ایک خصوصی مقصد ہے۔ یہ تحفظ خودی کے لئے ہے۔ یہ محض اختیار و طاقت کا پہلو ہے۔ انسانی اعلیٰ قدروں کا نہیں۔

ایک قوم ایک ریاست نہیں ہے اور یہ ایک شاعر کی جستجو ہے کہ وہ "یہ قوم کیا ہے؟" کے سوال کا جواب ہماری اپنی زندگی کے تجربوں میں تلاش کرے۔

قوم پرستی کے موضوع کے سلسلہ میں ایک تحریک کار کی حیثیت سے رابندر ناتھ کا مطالعہ اس ملک میں ہندوستان کی ابھرتی ہوئی قوم پرستی کی بحالی کے پیدا کردہ تناؤ میں کمی لانے کا سبب بنا ہے شاعر کی دلچسپی کی حیثیت سے ہندوستان میں قوم پرستی نے ایک جانب ہندوستانی سماج کے برسوں سے چلے آرہے ڈھانچے اور اس پر نوآبادیاتی علمہ کے درمیان فصیح تردید کی شہادت دی ہے اور دوسری جانب ریاست کے امور پر تسلط قائم کرنے کے لئے ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر قوم پرستی کے تصور کو استعمال میں لانے میں نو ترقی یافتہ ہندوستانی سرمایہ دار طبقہ کے اصرار اور زور کی گواہی دی گئی ہے۔

یہاں ان نتائج و منطق پر تحقیق و تفتیش کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے جنہیں پہلے ہی ہندوستان میں بظاہر خود شاعر کی نظروں کے ذریعہ قوم پرستی کے نظریہ کو فلسفیانہ بنانے میں بروئے کار لایا جا چکا ہے۔

شاعری کی دلچسپی انسانی سماج کے واحد اور حتمی مقصد میں مضمر تھی۔ اور یہ یقیناً پُراخلاق انسان قوم پرستی کے فلسفہ سے مغلوب سماج میں مردِ کامل کے کردار اور اس کی حیثیت سے وابستہ ہے۔

"نہ ہی وسیع القلبی کا بے رنگ ابہام اور نہ ہی قوم پرستی کی پرخوف ذاتی صنم پرستی انسانی تواریخ کی منزل ہے۔"

آپ کا فوری مسئلہ ہندوستان، اس کے لوگ اور اس کا سماجی ڈھانچہ تھا۔ آپ کے لئے "ہماری تواریخ ہماری سماجی زندگی کی آئینہ دار ہے ...." "اور یہ سماج حکومت کے مسائل سے" علیحدہ رہا ہے۔" ہندوستان سے متعلق بحث کے دوران آپ نے فرمایا ــــ "چونکہ ہماری دقتیں اور مشکلات داخلی رہی ہیں اس لئے ہماری تواریخ مسلسل سماجی سمجھوتے کی تواریخ رہی ہے اور دفاع و حملہ کے لئے منظم اختیار کی

تواریخ نہیں رہی ہے۔" یہ "عدم قوم" کا ہندوستان تھا۔ انگریزوں سے قبل اس ملک میں آنے والے لوگ بحیثیت انسانی نسلوں کے آئے تھے۔ ان کے اپنے مذاہب تھے، ان کے اپنے رسم و رواج تھے۔" ان کی اپنی پسند اور ناپسندی تھی۔ ہم لوگوں نے انھیں کبھی بھی ایک قوم کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ جب کبھی مواقع آئے اس مٹی (یعنی ملک) کے سپوتوں نے انھیں پیار دیا یا ان سے نفرت کا اظہار کیا۔ ہم لوگوں نے ان کے لئے اور ان کے خلاف بھی جنگیں لڑیں، ہم لوگوں نے ان سے کبھی ان کی زبان میں اور کبھی اپنی زبان میں گفتگو کی اور اس سلطنت کی قسمت کی رہنمائی جس میں ہم لوگوں کی سرگرم ساجھیداری تھی۔" وہ سماج جو اس کے بعد روبہ فروغ ہوا تھا، مختلف گوناگوں نسلوں کا ایک امتزاج/گہوارہ ہے۔ "ہم لوگ بذات خود عدم قومیت کے شکار ہیں۔"

اس مشکوکیت کی عمومیت کو مزید واضح طور پر نمایاں کرنے کے تحت ایک بار پھر شاعر کی مذکورہ ذیل ضابطہ سازی پر کاربند ہونا ہی قابل ستائش ہے ——

"ہندوستان نے نسلوں کے اس اختلاف کو محسوس کیا تھا جسے اسے محسوس کرنا چاہیئے تھا اور اسے محسوس کرنا بھی لازم تھا خواہ اس کے جو بھی نقائص رہے ہوں اور تم لوگ اس کے لئے بڑے ہی شوق سے ایک دن بغیر کسی ادائیگی کی ضروریات کی اپنی تنگ حدود میں فطرت کو سر اسیمہ بھی نہیں پاؤگے۔" بہرکیف سیاست کے مسائل بظاہر موجود تھے لیکن اس نے ہندوستانی سماج کی جڑوں کو کبھی نہیں چھوا تھا کیونکہ ہندوستانی سماج کی بنیاد "بلا شرکت سیاسی مفاد" پر نہیں تھی۔ ٹیگور کے مطابق ہندوستان نے شروع سے ہی اپنے مسائل کے حل کو "نسلوں کے سمجھوتہ" اور "سماجی مفاد" کے میل ملاپ "میں تلاشنے کی کوشش کی ہے۔

بلاشبہ "ظلم، ناانصافی اور استحصال" کی مثالیں یہاں پہلے بھی موجود تھیں۔ ماضی میں سرکاروں کے اندر بھی چند مشینی عناصر موجود تھے۔ اس لئے اقتدار کے سوال کو پورے طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن وہ طاقت "انسان کی متحرک انگلیوں کے سحر" کے ساتھ "ہتھ کرگھے" کی مصنوعات سے بالکل مشابہ کسی نوعیت کی ایک نجی ملکیت سے وابستہ سماجی ڈھانچہ لازمی رہا تھی لیکن ایک مخصوص قوم کی تشکیل کردہ حکومت جو لوگوں کے ایک جماعت کی منظم ذاتی مفاد، اس کی سیاسی و تجارتی تنظیم کا نتیجہ ہے۔" بجلی

سے چلنے والے ایک ایسے کرگھا کی طرح تھا جس کی رفتار کبھی نہ رکنے والی مگر بے جان تھی۔ یہ اپنی پیداوار میں نہایت ہی درست اور پکا تھا اور اس کی موزونیت اور یکسانیت اپنی مثال آپ تھی۔" اور انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان کو پہلی مرتبہ اپنی تواریخ میں ایک منظم قوم۔ ریاست کی چنوتیوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

درحقیقت مذکورہ مسئلہ سے وابستہ یہ ضابطۂ فکر، ثقافت اور اقتدار کے درمیان تعلقات میں موجود پیچیدگی کا بہت حد تک احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے ٹیگور اقتدار دشمن نہیں تھے بلکہ آپ یورپی دانشورانہ تواریخ کے بعد از روشن خیال عہد میں قائم کردہ علم بورژوائی اعتدال پرست تصور کے اظہار، اس کی نمائش اور صنعتی کارخانوں والے سماجوں کے اقتداری ڈھانچہ میں اس کے مشروط طور پر عالمگیر اطلاق کے خلاف تھے۔ اسی دور میں ٹیگور نے ان لوگوں سے جو لوگ خود کو ایسے لانظمی پرست تسلیم کرتے ہیں جو ہر چند کہ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں، طاقت کے نفاذ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، راہ فرار اختیار کیا تھا۔ لانظمی پرستوں کے لئے طاقت، ٹیگور کے مطابق، تجریدی وخیالی بن گئی تھی اور اس دور ازتصوراتی طاقت نے "قوم کی سیاسی رسدگاہ" میں "نجی انسانیت کے زوال" کے ذریعہ ارتقائی مراحل طے کئے تھے۔ اس کے برعکس طاقت کو سماجی امداد باہمی اور باہمی تفویض ذات پر مبنی وصال میں منتشر ہونا چاہیئے۔ اور اس امداد باہمی اور تفویض ذات کو نظریاتاً لانظمی پرست نہیں ہونا چاہیئے۔"...... کیونکہ ڈسپلن یا نظم و ضبط تہذیب کو مستحکم بنانے اور ترقی کو جاری رکھنے کے لئے لازمی ہے۔ اسی کے ذریعہ ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے یہاں انصاف کا ایک عالمگیری معیار موجود ہے جس کے لئے تمام لوگ بلا کسی ذات پات اور رنگ کی تمیز کے مساوی دعویٰ کرتے ہیں۔" بہرکیف انصاف کی عالمگیری کا منطق دراصل خالص ہندوستانی نہیں ہے۔ یہ اس انسانی تہذیب کی آخری منزل کو تلاش کرتے، ایک شرع سے بعید از روشن خیال یورپی دانشورانہ تبادلۂ خیال کے ساتھ مشرق کی عقلمندی کا ایک امتزاج ہے۔ جہاں مظلوم لوگ بنی نوع انساں کی تواریخ میں اپنے نجی مات کو ختم کرنے کے لئے اخلاقی اور سماجی مقام حاصل کر پائے تھے۔

یہاں ایک دلچسپ امر زیر مطالعہ آسکتا ہے اگر ہم لوگ گاندھی کی

گیت از ٹیگور

ہنسی اور آنسو
خوشی اور غم کے جھولے میں ماہ پوس اور پھاگن
جھولتے ہیں ——— اور میں
گیت گائے جاتا ہوں
——— زندگی بھر گیت گاتا رہوں
کیا یہی تیری مرضی،
تیری خوشی ہے
کیا اسی لئے تو نے میرے گلے میں
موسیقی سے پُر
خوشبوؤں کا ہار ڈال دیا ہے

شاید اسی لئے
میری نیند ٹوٹ گئی ہے
میں جاگ اٹھا ہوں
میرے دل کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں
مست ہواؤں کے
تند جھونکوں نے
درد کے ابدی بن میں
ہلچل مچا دیا ہے
اور میرے دن رات
اندھیرے اُجالے

کانپ اٹھے ہیں
دل کی دھڑکنیں جذبات سے لرزاں ہیں
کیا یہی تیری مرضی
تیری خوشی ہے
اور کیا اسی لئے تو نے
میرے گلے میں
موسیقی سے پُر
خوشبوؤں کا ہار ڈال دیا ہے

میرا رین بسیرا نامکمل ہے
میرے دن کا کام تک
ابھی ادھورا ہے
کوئی کام نہ ہونے کے باوجود

مجھے فرصت بھی نہیں ہے
ہائے ہائے
میرے لئے اس جہاں میں
امن اور چین کہاں
اس لئے بے چینی اور ہنگاموں کے درمیاں ہی
میرے وین کے تار بج اٹھتے ہیں

تاریخ ھندوستان سے متعلق ٹیگور کے خیالات

اپوربا کمار رائے

ہزاروں برسوں کی صدا آپ کے دلوں کو چھوتی ہے جو بیتا ہوا ماضی میں گم ہے، اپنے کومل پنکھوں کے تلے اسے سہارا دیتے ہوئے کس اندھیری خاموشی میں آپ نے اسے اکٹھا کیا ہے۔

اور اکثر اپنی رگوں میں رواں خون کے اندر شاعر اس ہمیشہ رواں رہنے والے ماضی کے دبے قدموں کی آہٹ سنتا ہے جو نہ دیکھے نہ جانے والے رسم الخطوں میں ہمارے آبا و اجداد کی کہانیاں تحریر کر جاتا ہے اور نئے تصورات کی ترتیب و تشکیل کے لئے بازیافتہ زندگی کی جانب اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ (۱) وہ اپنے ملک کی تاریخ کی اس پہلی صبح کی جانب مڑ کر دیکھتا ہے جو آریاؤں اور غیر آریاؤں کے درمیان اساطیر اور نسلی تنازعوں کی دستاویزات سے دھندلا گئی ہوتی ہے۔ ربندر ناتھ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی یہ نسلی جنگ راجا جنمے جے کی بے رحم ناگ یگیہ — ناگا نسل کی

سعی شدہ بیخ کنی — کے سطوری بیان میں پوشیدہ نظر آتی ہے۔ بہرکیف اس کے مشاہدہ کے تحت رامائن کے عہد میں تین ممتاز شستریوں — جنک، وشوامتر اور رام چندر نے ایک ایسی تحریک چلائی تھی جس نے اپنے وسیع ترکیب و امتزاج کے ذریعہ آریاؤں اور غیر آریاؤں یعنی دونوں کو ہی ایک دوسرے سے بغل گیر کرنا چاہا تھا۔ ایک بار پھر آریائی سماج میں شستریوں نے ان برہمنوں کے خلاف جنگ لڑی جنہوں نے مذہبی رسم پرستی کی حمایت کی تھی۔ بہرکیف شستریوں نے ہمارا سماج ترقی کے ہر مدارج پر درمخالف طاقتوں کے تضادوں اور تنازعوں کے ذریعہ اتحاد کے مقصد کی برآوری کے لئے سرگرم رہا ہے اور ہر قدم پر ہزاروں برسوں اور ہزاروں ہزاروں برس کے درمیان بہتیرے اقدام ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ہندوستانی سماج اور تاریخ کے مرکزی دھارے کی تشکیل کرتے ہیں۔

اپنے پُر مغز مقالہ بعنوان "ہندوستان کی تواریخ کی ایک تصویر" میں ربندر ناتھ" کے مطالعہ و مشاہدہ کے مطابق زندگی ہندوؤں کی مسلسل ترتیب کو لے کر حرکت کرتی ہے لہٰذا

ہندوستان کی تواریخ اس مشین کے تعمیری جذبہ کے درمیان جدوجہد کی تواریخ رہی ہے جو سماجی تنظیم میں ترتیب مطابقت کی لے کی متلاشی ہے اور انسان کے اس تخلیقی جذبہ کی بھی متلاشی ہے جو بذات خود اپنے اظہار کے لئے آزادی اور پیار کا خواہاں ہے۔

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ یہ بالکل عیاں ہے کہ مذہبی رسم پرستی کا مسلک جسے برہمنوں کی حمایت حاصل تھی، پیار کا مذہب، مثالی تصور جسے شستریوں کی حمایت حاصل تھی کے درمیان ایک جدوجہد کا دور بھی گذرا ہے اور اس دور میں ان شستریوں نے برہمنیت نظام کی سخت مخالفت کی تھی۔ ربندر ناتھ کے مطابق شستریوں کی مثالی تصور کا اظہار بھگوت گیتا میں ملتا ہے۔ یہ بات شستریوں کے پیغامبر کرشن نے شستریوں کے ہیرو ارجن سے کہی تھی۔

(۳) شستریوں کے پیغامبر نے برہمنوں کے مسلکوں کی خلوت پسندی کو

نظرانداز کیا تھا۔ انھوں نے آریاؤں اور غیر آریاؤں یعنی یکساں طور پر ہر طبقہ کے لوگوں کو دعوت پیغام دیا۔ ایک بار پھر گڈریا قبائل کے ساتھ ان کی قریبی رشتہ داری کی اس کہانی نے اس نظریہ کی حمایت کی کہ وہ مذہب جس کی تبلیغ کرشن نے کی تھی، موجودہ ہندوستانی آبادی کی نچلی ذاتوں اور پست ذاتوں کی عظیم پناہ کا باعث بنا (۴) شاعر ربندر ناتھ اس امر کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ رامائن کے دور میں بھی رام چندر جو شتریوں کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، نے گوہا کا نام نہاد پست ذات کو اپنے دوست اور ساتھی کی حیثیت سے گلے لگایا تھا۔

ربندر ناتھ کا خیال تھا کہ کورکشتر کی جنگ جس کا تذکرہ مہابھارت میں ملتا ہے، ایک روشن خیال مذہبی تحریک تھی جو کرشن کو مذکورہ مذہب کا پیغامبر تسلیم کرتی تھی۔ رشی گو ہماری توجہ اس امر کی جانب بھی مبذول کرواتے ہیں کہ ہندوستان کی دو عظیم جنگوں سے تعلق رکھنے والے واقعات کی تواریخ سے گہری وابستگی رہی ہے، کی وقوع پذیری کے وقت بالکل علیحدہ رہے ہیں۔ ایک بار پھر شاعر کہتا ہے کہ ہم لوگوں کو یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ پراسرا ماہ شتریوں کا ایک برا دشمن جس نے دونوں ہی عظیم جنگوں میں نمایاں کردار نبھایا ہے۔ برہمنوں کی طویل عرصہ سے جاری شتریا دشمن تحریک کی نمائندگی کرتا ہے۔ برہمنوں اور شتریوں کے تنازعہ جس میں رام اور کرشن جو بالآخر فتحیاب ہوئے، میں چند ایسی باتیں مشترک تھیں جن میں اعلان و فروغ کے لئے سعی و جہد کی ایک طویل مدت بھی مضمر تھی۔ ربندر ناتھ کی رائے میں دو متضاد نظریوں نے ایسے سیاسی ادارے کے دو مختلف کاموں کی نمائندگی کی ہے جو اگرچہ بظاہر مخالفت کے مظہر معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل انھوں نے ہندوستانی تواریخ کی نشو و نما اور ارتقا میں تعاون دیا ہے۔

ربندر ناتھ دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ "تواریخ ایک ایسا سارق ہے جو بار بار اپنی ہی آئیڈیلس کی ہی چوری کرتا ہے" لہٰذا بعد ازیں دور ملک کی عظیم شخصیتوں نے اپنے آبا و اجداد کی گذرگاہوں (نقش قدم) پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے گوتم بدھ اور مہاویر جیسے پیش روان کی طرح رام اور کرشن نے مذہبی عقائد اور رسوم اور صحیفائی تعلیمات کے خلاف اپنی قوت کو کام میں لایا تھا۔ ان دو مذہبی رہنماؤں نے انسان اور انسان کے درمیان تمیز و فرق کی دیوار کھڑی کرنے کی مخالفت کی تھی۔ ان لوگوں نے یہ تبلیغ

کیا کہ ایک جانب رسوماتی پیچیدگیوں اور دوسری جانب مافوق العادہ قیاس آرائی کی موشگافیوں کے درمیان سہل سچ کو نظر انداز کیا گیا تھا کہ مذہبی عقائد و رسوم خود ان کی زندگی میں کوئی اہم مقام نہیں رکھتے تھے۔ انسانی رفاہ ہی ایک ایسا مقصد تھا جس کے لیے جوش و ولولہ کو ابھارنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

ماضی بعید کے دور میں ہندوستان نے ہندوؤں کی مسلسل ترتیب کے ذریعہ آئیڈیل کا کچھ اتحاد حاصل کیا تھا۔ بہرکیف ابتدائی قرون وسطیٰ کے دوران مذکورہ آئیڈیل کے اتحاد کی حصولی کا یہی کام بہت مشکل ہو گیا کیونکہ اس دور میں ہندوستان مختلف نسلی تناؤ و تنازعوں کی سرزمین بن چکا تھا۔ یہ مختلف نسلیں آریا، غیر آریا، سینتھیان، ہنس، پٹھان اور مغل وغیرہ تھیں۔ اس کے باوجود بھی ہندوستان نے ہندوؤں کی ترتیب کی شاندار روایت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا اور کثرت میں وحدت کی راہ قائم کی۔ مادر وطن کے نام اپنی نظم میں شاعر ہندوستان کی تصویر کو آنکھوں سے نہارتا ہے۔

کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں سے اور کس کی پکار پر امنڈتا ہوا بنا رکے اور تھکے انسانوں کا سیلاب جنونی طور پر اپنے وجود کو سمندر میں گم کرنے آگے بڑھا۔

آریا اور غیر آریا، دراوڑ اور چینی، سیتھین، ہنس، پٹھان اور مغل سب کے سب ایک ہی مادی وجود میں حل، ضم اور گم ہو جاتے ہیں (۵)

دراصل یہ ہندوستان ہے جہاں مختلف اور گوناگوں قبائل یا نسلیں اس ملک کی ثقافت و حیات کے ایک دھارے میں ضم ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ پٹھان اور مغل جیسے طاقتور حملہ آور بھی جنہوں نے پہلے پہل اس پرانی تہذیب کو تلوار کے ذریعہ زیر کیا تھا، ہندوستانی سماج کی عزلت گزیدہ وجود میں بکھراؤ لانے میں ناکام رہے لہٰذا ان طاقتور فاتح قوموں کو مجبوراً اپنے طمطراق فوجی کامیابی کی جولان سے راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ربندر ناتھ کے مشاہدہ کے مطابق ہندوستان کی سچی تواریخ شہروں، تختوں اور اختیارات کے عروج و زوال کی دستاویزوں میں نہیں مل پائے گی۔

ایک بار پھر یہ پٹھان اور مغل کے درمیان ہونے والے ہوس پرست اختیار کے لیے جھگڑے کا ایک ایسا واقعہ بھی نہیں ہے جس نے پورے ملک میں گھن گرج کے ساتھ طوفان برپا کیا اور پژمردہ ہتیوں کی فتحیابی کے پرچم

لہرائے۔ اپنے تصور میں شاعر یہ دیکھتا ہے کہ فتح کی حسارت آمیز رفتار کے ساتھ فتح کی رتھ کے چکے کی حرکت اپنے پیچھے کوئی مستقل نقش چھوڑنے میں ناکام رہی ہے۔

حکومت کے تعبور کے پیٹھاں وارد ہوئے

اور مغل

فتح کی رتھ کے چکے

دھول کے نقش و نگار بناتے ہوئے

جیت کے پرچم لہرائے گئے؟

خالی راستہ پر میں دیکھتا ہوں

ان کے باقیات کا آج کوئی نشان بھی نہیں

(ننذمہ یں/۱۲۱)

شاعر اس امر کا بھی تذکرہ کرتا ہے کہ فتوحات وسطی کے اس دور میں مقدس آزادی اور انسانی اتحاد کو اس فرقہ کے غیر مانوس طبقوں سے بے دریغ طور پر زد حاصل ہوا۔ شاعر مزید فرماتا ہے ——— کہ یہ اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں برہمن رامانند پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے اتحاد کی ہمدردی جو ہندوستان کی اپنی پکار تھی اور نتیجہ کے طور پر انھیں حیثیت برہمن کے سارے معزز اعزازات سے ہاتھ دھونا پڑا۔ تاہم یہ کم اہم بات نہیں ہے کہ اس دور کے بیشتر ہمارے عظیم سادھو اور درست شخصوں نے اپنی زندگی تعلیمات اور اپنے نغموں میں اسی پکار کو پیش کیا ہے، جیسے شعور سے آتے تھے۔ ان میں سے ایک موچی تھے اور ایک مسلمان جلاہے تھے اور دیگر کئی سماج کے ان طبقوں سے تھا جن کی قیمتوں کو اس لئے اعلیٰ ذات کے محترم ہندوؤں کے پینے کے پانی نجس ہو جاتے تھے اور اس طرح ہندوستان کی یہ جیتی جاگتی آواز ہمیشہ اپنے واسطے سے ہم آہنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ ہمارے زوال کے تاریک ترین دور میں بھی یہ اپنے واسطے سے ہمکنار رہی۔ ... (۶)۔

لہذا بلاوجہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ ان بڑے تیرہ دنوں میں کبیر، نانک، چیتنیہ، تکارام جیسے لوگوں کی سرگرمیوں نے ہمارے ملک کی صحیح تواریخ کو تشکیل دیا ہے

ان ہستیوں نے ہندوستانی تہذیب کے داخلی اصول کو زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ان لوگوں نے ہر ممکن سماجی اور مذہبی

لغویات اور تضادات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ مذہب اور سماج سے متعلق اپنے فرقہ پرست نظریہ کو جھٹک کر پھینک دینے کے لیے ان کی پکار ہماری مخلوط تہذیب کی اہم ترین اور لازمی ضرورت بن گئی۔ اس سلسلہ میں رابندر ناتھ ٹیگور لکھتے ہیں ———

”مجھے یقین ہے کہ ہم لوگوں کے پاس اس حقیقت پر فخر کرنے کا سبب ہے کہ سنگین تناسبوں، مہملات سے لدی اشیاء اور لغو حقائق کے تغیرات سے مرتب، طویل اور مسلسل صدیوں سے آج تک ہندوستان نے تضادوں کے طوفانی تھپیڑوں اور دھول کی کشش ثقل کے خلاف اپنی ہی تہذیب کے داخلی اصول کو زندہ رکھا ہے“ (۷)

ٹیگور کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہندوستان کی تواریخ و تہذیب کے مغربی نقاد برتری کے طنز آمیز احساسات کے ساتھ ہمیں جانچنے اور پرکھنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے ہیں۔ شاعر کے خیال کے مطابق ان نقادوں نے تب تب انھیں نظر انداز کر دیا ہے جب جب بھی یہ لوگ غیر مغربی نسلوں کے قریب آئے ہیں تو ایسی صورت حال میں ان لوگوں نے مادی طاقت کا استعمال کیا ہے اور کالی نسلوں کے خلاف ذات پات کی عصبیت بے رحمانہ طور پر جارحانہ اور نفرت انگیز رہی ہے۔ یہیں ہندوستان اور مغرب کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ شاعر کی رائے میں ”ہندوستان دنیا میں ایسا ایک ملک ہے جہاں ان لوگوں کے ساتھ آریائی کو لونیاں بنانے والوں کو راسخ سماجی سمجھوتہ بنائے رکھنا پڑتا تھا جو ان لوگوں پر بڑی تعداد میں ہونے کی وجہ سے غالب آگئے؛ اگرچہ وہ لوگ ان لوگوں کے لئے نسلی، جسمانی اور ذہنی اعتبار سے ان سے بالکل مختلف تھے۔ علاوہ ازیں یہ لوگ حملہ آوروں کے مقابلہ میں بیشتر نمایاں طور پر کمزور اور کمتر رہے تھے۔ بعد کے ادوار میں بھی رواداری اور سمجھوتہ کا یہی آئیڈیل سرگرم عمل رہا اور ہندوستان مخلوط ثقافت اور سماج کا ایک ملک بن گیا اور

انسانیت کے اس بیکراں سمندر کے ساحل سے

جو ہندوستان ہے

کسی کو بھی بھاگنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اور وہ سمندر ساتھ اس بات پر یقین کرتے تھے کہ ملک کی تواریخ

اور تہذیب ان حضرات و خواتین کی روزمرہ کی سرگرمیوں میں زندہ رہتی ہے جن کے نام تواریخ میں درج نہیں ہوتے ہیں۔ یہی لوگ تواریخ اور تہذیب کے اصل معمار ہیں۔ جب آپ اس زمین پر اپنی نظریں ڈالتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ انسانوں کا عظیم امنڈتا ہوا ہجوم روز بروز اور عہد بہ عہد اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

پتوار کا رخ موڑے رکھے
یہ لوگ ہمیشہ پتوار چلاتے رہتے ہیں
بیج بوتے ہیں، غلہ کاٹتے ہیں
یہ لوگ کام کئے جاتے ہیں
شاہی عتاب نہیں ٹوٹتے ہیں
نقارہ جنگ اب سنائی نہیں دیتا ہے
فتح یابی کے ستون
اپنے ہی مفہوم کی بے وقوفانہ تغافل شعاری پر
حیرت و استعجاب کا اظہار کر رہے ہیں
خون آلود ہتھیار
خون سے بھری آنکھیں
اور سرخ چہرے
اپنے تواریخی واقعات کو
بچوں کی کہانیوں کی کتاب میں
چھپائے ہوئے ہیں
یہ لوگ اپنا کام کئے جا رہے ہیں

مصیبتوں اور ہنگاموں خونریزی دیتے ہوئے لوگ سرگرم مصروف جنگ ہیں اور ابدیت کے نقارے کی گونج راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو عبور کر کے آگے بڑھنے کی تلقین کر رہی ہے۔

(۱) نظم سن ۳۷ (۲) رابندر ناتھ ٹیگور، اے ویژن آف انڈینز ہسٹری، وشوا بھارتی، ۱۹۵۱ صفحہ ۱
(۲) مذکورہ بالا تصنیف میں، صفحہ ۱۵
(۳) " " " " ۲۱ (۵) انگلش ٹرانسلیشن آف ون ہنڈریڈ ... وشوا بھارتی، (۶) دی ویژن آف انڈیا ۱۳۱ تا ۱۴۲
(۷) مذکورہ بالا تصنیف میں صفحات ۴۳ تا ۴۴

بقیہ: رابندرا سنگیت

گیت لکھوں ...... میں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ایسی بھکتی کا میں قائل نہیں ہوں اور میرے لئے ایسا کرنا ناانصافی ہوگی۔"

بہرحال ٹھاکر کے گیت ان کے کئی مجموعۂ کلام میں بھی شامل ہیں اور کئی ڈراموں میں بھی گیت ہیں لیکن "گیتانجلی، گیت مالیہ اور گیتالی" جو ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء کے درمیان شائع ہوئے ان کے گیتوں کے تین اہم مجموعے ہیں اور ان تینوں کا موضوع بھی یکساں ہے یعنی یہ سب بھکتی گیت ہیں۔ ٹھاکر نے مختلف موسموں سے متعلق بھی گیت لکھے اور ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے لئے بھی گیت لکھے۔ غالباً ٹھاکر کے علاوہ آج تک کسی اور فنکار نے بچوں کے گانے کے لائق گیت نہیں لکھے۔ ان کے یہ گیت نہایت آسان زبان میں ہیں جو بچے آسانی سے ادا کر سکتے ہیں حالانکہ انھوں نے کہا ہے کہ:-

"تم مجھے سہل لکھنا کہتے ہو
سہل لکھنا سہل کام نہیں"

مختصر یہ، بنگال کے لوگ جو گیتوں کے دلدادہ ہیں ان کو ٹھاکر نے سینکڑوں گیت دیے اور پہلی بار کلاسیکی سنگیت جو صرف راجاؤں یا رئیسوں کے درباروں یا محفلوں تک محدود تھا۔ ان کو بنگال کے لوگ تک رسائی ملا کر رابندر ناتھ نے عوام کے لئے گیت رکھے۔ اور ان گیتوں کو میسر کر کے ہندوستانی سنگیت میں قابل قدر اضافہ کیا۔ رابندر سنگیت ٹھاکر کی زندگی ہی میں مقبول ہو گئے تھے۔ صرف بنگال میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر دیگر ممالک میں بھی۔ انگریزی میں ترجمہ ہو کر رابندر سنگیت یورپی ممالک میں پہنچ گئے اور رابندر سنگیت کے فن کو جاننے کے لئے غیر ممالک سے کئی لوگ شانتی نکیتن میں بنگلہ زبان کی تعلیم حاصل کرنے بھی آتے رہے اس سلسلے میں آرنالڈ بیک (Arnold A. Bake) کا نام خاص طور پر لینا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ مزید (G. K. Prazzu) وہ فنکار ہیں جنہوں نے کئی رابندر سنگیت کا انگریزی ترجمہ کیا اور ان گیتوں کو نشر دیا۔ اس سلسلے میں مس یسر چیپین لولز اور مس وکٹوریہ لنگسلی کے نام بھی اہم ہیں جو عرصہ تک شانتی نکیتن میں رابندر سنگیت کی تعلیم پاتے رہے۔

رابندر ناتھ کی تحریروں میں کلکتہ

مشتاق احمد، ہوڑہ

بین الاقوامی نوبل انعام یافتہ (۱۹۱۳ء برائے گیتانجلی) رابندر ناتھ نے اپنی ۸۱ سالہ زندگی (۱۸۶۱ء تا ۱۹۴۱ء) میں بنگلہ زبان و ادب کو جس معراج پر پہنچا دیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انھوں نے نظموں گیتوں، ناولوں، ڈراموں اور مختصر کہانیوں کے ذخیرے سے بنگلہ ادب کو مالا مال ہی نہیں بلکہ اسے دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے روبرو لا کھڑا کیا

کلکتہ کے جوڑا سانکو میں پیدا ہونے والے اور شانتی نکیتن کی پرسکون فضا میں علم و آگہی کا پرچم لہرانے والے رابندر ناتھ اپنے ملک میں رہے ہوں یا ولایت میں، کلکتہ ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا شہر کلکتہ کی خوشبو سے جب دہلی اور لکھنؤ والے جھوم جھوم اٹھے تو ٹیگور یہاں کے ہو کر اس سے کیسے بچ سکتے تھے۔ غالب کلکتے کے ذکر پر ہائے ہائے کرتے تھے داغ پٹنے میں بیٹھ کر یہاں کی بارش کی چھینٹوں کے منتظر رہا کرتے تھے لیکن رابندر ناتھ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں کلکتہ سے اندھی عقیدت کبھی نہیں رہی۔ انھوں نے یہاں کے منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ اس نقطہ نظر سے ان کی تخلیقات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

(۱) ناول (۲) نظمیں (۳) مختصر کہانیاں

(۱) **ناول**: رابندر ناتھ کے لکھے ہوئے ناولوں کی فہرست یوں ہے:

(۱) چوکھیر بالی (۲) نوکا ڈوبی (۳) پرجا پتیر نربندھ (۴) گورا (۵) گھورے بائیرے (۶) چتورنگ (۷) جوگا جوگ (۸) شیش کویتا (۹) دوئی بون (۱۰) مالنچ (۱۱) چار ادھیائے (۱۲) کرونا (۱۳) بوؤ ٹھاکرانی ہاٹ (۱۴) راجا رشی

آخر الذکر دو ناولوں کو چھوڑ کر بقیہ درجن بھر ناولوں میں کہیں نہ کہیں کلکتے کی جھلک نظر آتی ہے۔ کبھی کرداروں کے ذریعہ، کبھی قدرتی منظر کشی کی بدولت۔ آئیے سلسلہ وار رابندر ناتھ کے ناولوں میں

کلکتہ کی تہذیب و تمدن، یہاں کی سڑکوں، گاڑیوں، گلیوں، باغات اور موسموں کے اتار چڑھاؤ کا حال ملاحظہ کریں۔

چوکھیر بالی ـــــ اس ناول میں سرزمین کلکتہ کو بنیاد بنا کر مصنف قارئین کو باراسات، بالی کاشی جیسی جگہوں کی سیر کراتا ہے لیکن بہت جلد کلکتہ لوٹ آتا ہے۔ ناول کا ہیرو مہیندر کلکتہ میں رہتا ہے۔ وہ میڈیکل کالج کا طالب علم ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں کلکتہ کے اوسط درجے کا بنگالی معاشرہ کیسا تھا اس کا جائزہ اس ناول میں موجود ہے۔ صفحہ ۳۰۸ پر کلکتہ میں موسم بہار کی چاندنی راتوں کا تذکرہ بھی مصنف نے حسین پیرائے میں کیا ہے۔ صفحہ ۲۳۲ پر نیو مارکٹ کا ذکر ہے۔

نوکا ڈوبی ـــــ یہ ٹیگور کا معروف ناول ہے۔ اس میں اصل واقعہ ہر چند کلکتہ سے دور واقع ہوتا ہے لیکن ناول کا آغاز اور درمیانی حصہ کلکتے سے منسوب ہے، کہانی کا ہیرو رمیش کولوٹولہ کے ایک

مکاں میں رہتا ہے۔ پڑوس کے آنند بابو کی لڑکی ہیمونلنی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ کہانی میں کملا وارد ہوتی ہے اور ایک عجیب و غریب اتار چڑھاؤ کی صورت قائم کر دیتی ہے۔ اس طرح ایک مثلث بن جاتا ہے جو کلکتہ کی سرزمین پر کھنچتا اور ہٹتا ہے۔ صفحہ ۵۵۳ پر اکتوبر کی دوپہر کا اور صفحہ ۲-۶۰۱ پر نومبر کی شام کو بدن میں گدگدی کرنے والی ہواؤں کا خوبصورت انداز میں بیان ہے۔ صفحہ ۵۶۴ پر کلکتہ کے سیالدہ اسٹیشن کا بھی ذکر آیا ہے۔

پرجاپتیر نربندھ ــــــ یہ کلکتہ کے ماحول میں جنم لینے والی کہانی ہے اس کے کرداروں کے رکھ رکھاؤ، بول چال اور شب و روز کی زندگی میں کلکتہ کی خوشبو رچی بسی ہے۔ صفحہ ۳۹۵ پر شہر کلکتہ کے ایک مخصوص علاقے کمار ٹولی کا ذکر ہے۔

گورا ــــــ ربندر ناتھ کا شہرت یافتہ ناول ہے۔ مرکزی کردار گورا انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جینے والا ایک انسان ہے۔ کبھی کبھی وہ کلکتے سے باہر بھی جاتا ہے لیکن دنیا گول ہے کے مصداق کلکتہ لوٹ آتا ہے۔ اس ناول میں کلکتہ میں انیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں شروع ہونے والی سماجی، سیاسی اور مذہبی تحریکوں اور ان سے پیدا ہونے والی گوناگوں تبدیلیوں کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحہ ۴ پر موسم برسات کی صبح کا تذکرہ یوں ہے:

"ساون کے مہینے کی ایک صبح۔ بادل برس کر کھل گیا ہے اور نرم دھوپ کلکتہ کے افق پر بکھر گئی ہے۔ گھوڑا گاڑی اور پھیری والے سڑک پر نمودار ہو چکے ہیں آفس کالج اور کچہری جانے والوں کے گھروں میں مچھلی ترکاریاں تیار کرنے کے لیے باورچی خانے میں جلائے ہوئے چولہوں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ ہر سو بھاگم بھاگ کی فضا قائم ہے تاہم کلکتہ کی سڑکوں اور ننھی ننھی گلیوں میں سورج کی سنہری کرنیں اپنی جوانی لٹا رہی ہیں۔"

اسی طرح صفحہ نمبر ۴۱ پر موسم برسات کی ایک شام کا بیان ہے۔ علاوہ اریں اپر اسٹریٹ اور گوڑے ماٹھ کا ذکر بالترتیب صفحہ ۲۸ اور ۸۷ پر موجود ہے۔

گھورے بائیرے ــــــ ربندر ناتھ کے اس شہرت یافتہ ناول کا پس منظر کلکتہ نہیں ہے لیکن کہانی کے ہیرو نکھلیش کے شہر کلکتہ سے تعلق کا دو بار ذکر آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انیسویں صدی کے آخر میں کلکتہ کی سرزمین پر زندگی گذارنے والا آدمی ہے۔

چتورنگ ــــــ اس ناول میں کچھ واقعات کلکتہ سے باہر کے ہیں لیکن کہانی کا آغاز اور اختتام کلکتے پر ہوتا ہے۔ ناول کا پھیلاؤ انیسویں صدی کی ابتدا سے انتہا تک ہے۔ زیر نظر ناول میں کلکتہ میں خصوصاً اور بنگال میں عموماً ہندو سماج میں پیدا ہونے والی اندھی عقیدت مندی اور بنیاد پرستی کے خلاف مدلل اور بھرپور آواز اٹھائی گئی ہے۔ ہیرو سچیش کلکتہ کا باشندہ ہے اور وہ اس تحریک میں شدت پیدا کر دیتا ہے اسی ناول کے صفحہ نمبر ۳۵۳ پر گول دِگھی کا بھی ذکر ملتا ہے۔

جوگا جوگ ــــــ یہ گھوشال اور چٹرجی خاندانوں کی کہانی ہے جس میں نور نگر اور رجب پور کا بیان ملتا ہے لیکن زیادہ تر حصہ کلکتہ سے منسوب ہے ہیرو مدھوسُدن رجب پور سے کاروبار سمیٹ کر کلکتہ آتا ہے اور ایک پرانے مکان میں قیام کرتا ہے اسی طرح ہیروئن کمدنی باپ کی موت کے بعد مالی پریشانیوں سے تنگ آکر کلکتہ کے باغ بازار میں آبستی ہے اور یہیں مدھوسُدن سے بیاہ کر لیتی ہے۔

اس ناول میں صفحہ ۵۶۶ پر کلکتہ کی ایک صبح کی منظر کشی یوں ہے:

"ستمبر کلکتہ کی ایک صبح، کوے کی کائیں کائیں اور کوڑے گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ سن کر رات کی تاریکی غائب ہو گئی۔ دور کہیں سے اسٹیمر کی کہیں سے تیل کے کارخانے سے سیٹی کی آواز ابھری .... گاڑی واں خالی گاڑی لئے بیلوں کو ہانکتا ہوا تیزی سے گذرا۔ نل پر پانی بھرنے آتی ہوئی ہندو لڑکی سے اڑیا برہمن کی تو تو میں میں شروع ہو گئی۔"

صفحہ نمبر ۵۹۹ پر موسم سرما کی ایک رات کا بیان ملاحظہ ہو۔

"کلکتہ میں کپکپاتی ہوئی سردی کی ایک رات۔ دھواں اور کہاسے سے آسمان دھندلایا ہوا ستاروں کی روشنی بیٹھے ہوئے گلے سے نکلنے والی آواز جیسی... "

شیشیر کو بیتا ــــــ یہ ناول کلکتہ سے شروع ہو کر کلکتے پر ختم ہوتا ہے۔ درمیان میں شیلانگ پہاڑ اپنی خوبصورتی بکھیرتا ہے لیکن وہاں کی پر کیف فضا میں بھی امیت اور اس کی محبوبہ کے تصور میں کلکتہ ڈوبتا ابھرتا رہتا ہے۔ صفحہ ۸۲۷ پر امیت کی محبوبہ کے لیے کلکتہ سے منگائی گئی انگوٹھی کا ذکر آیا ہے۔

دوئی بون ــــــ اس ناول کا سارا ماحول کلکتوی ہے۔ ہیرو شعانک جنوبی کلکتہ کے بھوانی پور کا رہنے والا ہے زیر نظر ناول میں کلکتے کی ایک شام کی منظر کشی خوبصورت پیرائے میں کی گئی ہے۔

"سہ پہر کی تیز روشنی آہستہ آہستہ دھیمی ہوتی جا رہی ہے۔ شہر کی چھوٹی بڑی عمارتوں کے پیچھے سورج گنگا میں تیرتے ہوئے جہازوں کے بادبانوں سے نیچے اتر

رہا ہے۔ بادل کی لمبی لمبی لکیریں دن کی سرحد بندی کررہی ہیں۔۔۔۔
آہستہ آہستہ یہ لکیریں غائب ہونے لگیں۔ اب چاند گرجا کے مینار وں
سے روشنی چھینک رہا ہے۔ سارا شہر لنڑالوں کی نگری جیسا لگ رہا ہے۔

مالینچ ـــــــ اس کہانی کا سیٹ گراؤنڈ بلاشبہ کلکتہ شہر نہیں بلکہ اس کے آس پاس کی کوئی جگہ ہے یہاں ناول کے ہیرو آدتیہ کا باغ ہے جہاں سے روزانہ کلکتہ کے نیو مارکٹ کے لئے پھول بھیجا جاتا ہے۔ اس ناول میں صفحہ ۱۱۸ پر کلکتہ کے مشہور علاقے ٹک تلہ کا ذکر ہے۔

چار ادھیائے ـــــــ کہانی کا آغاز گرچہ کلکتہ سے باہر ہوتا ہے لیکن بہت جلد حالات پلٹا کھاتے ہیں۔ ہیروئن ایلا تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کلکتے آتی ہے اور اسطرح کہانی کا ملبا حصہ بہیں کے ماحول میں گھومتا رہتا ہے تعلیمی زندگی کے ساتھ ہی ایلا یہاں سے چلی جاتی ہے لیکن اندرناتھ کی معرفت کلکتہ کے نرائنی ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹریس کے عہدے پر بحال ہوتی ہے بعد ازاں کلکتے کے دہشت پسندوں کے گروہ میں شامل ہونے کے بعد اتیندر سے متعارف ہوتی ہے۔

کرونا ـــــــ ناول کا ہیرو مہیندر ناتھ انیسویں صدی کے اوائل میں سانس لینے والا ایک رنگین مزاج بنگالی بابو ہے۔ وہ بظاہر سماجی اصلاح کار ہونے کا ڈھونگ رچاتا ہے مگر اصل میں اس کے کرتوت اتنے ہی کالے ہیں۔ وہ بنگالی معاشرے کے ایسے گروپ سے تعلق رکھتا ہے جو دن کے اجالے میں رام نام کی مالا جپتے ہیں اور شام کی تاریکی اترتے ہی سنارٹ کمار کی محفلیں سجا لیتے ہیں۔ مہیندر کا کردار اس دور میں کلکتہ میں بسنے والے بنگالیوں کے ایک خاص طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ زیر نظر ناول میں ہی کلکتہ کے دو خاص علاقے باغ بازار اور کاشی پور کا ذکر ملتا ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رابندر ناتھ کے ایک درجن ناولوں میں ۱۹ ویں صدی کا کلکتہ اپنے تمام تر حسن و قبح کے ساتھ زندہ نظر آتا ہے۔ ایسا قصداً ہوا ہے یا لاشعوری طور پر اس سے قطع نظر ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ بالا ناولوں کی تخلیق کے دوران رابندر ناتھ کا ذہن اکثر کلکتہ اور اسکی فضاؤں میں بھٹکتا رہا ہے رابندر ناتھ کی بعض نظموں اور گیتوں میں بھی کلکتہ ہنستا اور رلاتا نظر آتا ہے۔ نظم "پائیکا" میں کلکتہ کی زندگی میں پیش آنے والی مسرتوں کا ذکر ہے اور غم و الم کا بیان بھی۔ "منکتی" میں ایک نوسالہ لڑکی کا ذکر ہے جو شادی کر کے کلکتے لائی جاتی ہے اور بائیس برس کی عمر میں ہی اس شہر نے اس کا شباب چھین لیا ـــــ "مائیر سمان" میں کلکتہ کے اشرافیہ کا بیان ہے۔ "موئنورے کی گیا چھو بھرلے" ایک ایسی نظم ہے جس میں کلکتہ میں رہتے ہوئے بچپن کی ایک دوست منورما کی دیہی زندگی کی یادوں کا خوبصورت شعری بیان ہے۔ "ساتھی" میں شہر کلکتہ سے جڑی ہوئی یادوں کا تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں چیترا کا "فذیر جھونتری" کے ایک حصے میں کلکتہ کی ایک شام کی خوبصورت لفظی تصویر ملتی ہے یہاں رابندر ناتھ کا معروف نظم "کمیلیا" کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے کمیلیا کے عادات و اطوار ثابت کرتے ہیں کہ وہ کلکتے کی لڑکی ہے۔ نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

اس کے کھاتے پر لکھا دیکھا ہے
اس کا نام کملا
وہ سوار ہوئی ہے ٹرام گاڑی میں
چلی ہے کالج کی جانب
اپنے بھائی کو لئے

کہیں کہیں رابندر ناتھ نے کلکتہ کی شہری زندگی پر اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار بھی کیا ہے "مانسیر بدھو" کی نگاہوں میں کلکتہ کی چمک دمک بے رونق نظر آتی ہے۔ اس نظم میں شہری زندگی میں مادہ پرستی کی تیز و تند ہواؤں کے خلاف بیزاری کا اظہار ملتا ہے۔

افسوس راجدھانی
تو سنگدل ہے کتنی
مٹھی میں بھیس ڈالا
اک مضمحل سی لڑکی
اور رحم بھی نہ آیا

رابندر ناتھ کی مختصر کہانیوں میں "چھوٹی، دیدی" اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اس کہانی میں شہری زندگی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے والی مادہ پرستی کا مظاہرہ دیا گیا ہے۔ "ماں بنجن" ایک الگ تھلگ کہانی ہے اس میں شہر لیڈر میں عدم مساوات سے بیزاری کو موضوع بنایا گیا ہے اور "ماسٹر مشائے" اس معاملے میں اس وجہ سے اہم ہے کہ یہاں کلکتہ کی ایک رات کو بڑی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔

المختصر رابندر ناتھ کی تحریروں سے شہر کلکتہ کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ ہاں آنیوالی دہائیوں میں یہ ہو سکتا ہے کہ جدید کلکتے کا عکس صاف صاف ان تحریروں میں نظر نہ آئے لیکن انیسویں صدی کا جیتا جاگتا کلکتہ بنگلہ ادب کی تاریخ میں رابندر ناتھ کی تخلیقات کے سہارے ہمیشہ زندہ رہے گا۔! (بشکریہ روح ادب، کلکتہ)

وہی ایک شانتی نکیتن

آنند شنکر رائے

اتراکن شانتی نکیتن :

شانتی نکیتن دراصل ایک مہمان خانہ کا نام تھا۔ اسے مہارشی دیبندر ناتھ ٹیگور نے برہمو سماج کے اراکین یا حمایتیوں کے لئے تعمیر کروایا تھا۔ مذکورہ سماج کے وہ خود بھی ایک رہنما تھے۔ اس سماج کا ہیڈکوارٹر کلکتہ میں واقع تھا۔ سیتا پرنی درختوں کے ایک سنسان کنج میں شہر سے تقریباً ایک سو میل کی دوری پر واقع تھا۔ وہ لوگ جو شہری زندگی کی پریشانیوں سے اوب جاتے تھے اور دھیان گیان اور سکون کے متلاشی تھے یہاں آکر ایک یا دو ہفتے پرسکون زندگی کی دولت سے مالا مال ہوتے تھے اور یہ نکیتن ان سے اپنی انمول خدمات کے عوض کچھ بھی نہیں لیتا تھا یعنی رہائش و آسائش مفت تھی۔ یہ علاقہ کسی درویش کی خانقاہ کی طرح تھا۔ یہاں صرف چند نوکروں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا اور یہ نوکر مہمانوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہیں بھی وہاں سے کچھ ہی فاصلہ پر تھیں جہاں وہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یہ مہمان خانہ صرف مردوں کی رہائش کے لئے ہی مخصوص تھا۔ مردوں میں لڑکوں کا شمار نہیں ہوتا تھا کیونکہ لڑکے شور مچاتے ہیں اور دھیان یا غور و فکر کے لئے سکون اور خاموشی نہایت ہی لازمی عناصر ہیں۔

کچھ عرصہ بعد برہمو طرز یا جماعت عبادت اور بالغمات واعظ و نصیحت کے لئے ایک عبادت خانہ کی تشکیل ہوئی۔ بولپور کے قرب و جوار کے افراد بنا کسی روک ٹوک کے ہر بدھ کی صبح کو وہاں ہونے والی عبادت میں شریک ہوتے تھے۔ اس عبادت خانے میں کہیں کوئی مورتی نہیں رکھی ہوئی تھی۔ اس پوری خانقاہ میں بت پرستی پر سختی سے ممانعت عائد تھی۔ یہاں شراب، مچھلی اور گوشت کے کھانے اور لانے پر پوری ممانعت تھی شانتی

نکیتن اپنی قومی وراثت کے ایسے عدم تشدد کے ساتھ زہد خشک کی ایک مثال تھا جو برہمو سے زائد تھا۔

مذہب پر غور و فکر کے تقریباً چالیس سال کے بعد ایک نئے دور کا آغاز رابندر ناتھ کی سرپرستی میں ہوا۔ آپ اس مقام پر اپنی بیوی اور بچوں بشمول لڑکے اور لڑکیوں کے رہنے لگے۔ ان کے ذہن میں تعلیم سے متعلق بہت سے خیالات رقص کر رہے تھے اور آپ انہیں پورے طور پر ایک رہائشی حالتی درسگاہ کے اندر روبہ عمل لانے کے خواہاں تھے۔ بلاشبہ آپ لڑکوں کے لئے ہی اسکول قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی لڑکیوں کو بھی اس میں داخلہ کے سخت خلاف تھے اس کا نام برہمچاریہ آشرم رکھا گیا اور ایسا سوچا گیا کہ یہ لڑکے اپنی طویل تعلیمی میعاد کے دوران نوجوان راہبوں کے جیسا برتاؤ روا رکھیں گے۔

رابندر ناتھ نے موسیقی اور ناٹک اور کھیل کود اور دیگر تفریحی عوامل کو نصاب میں شامل کیا۔ لہٰذا زندگی اب پرمسرت بن گئی تھی۔ اگرچہ اب مراقبوں اور عبادتوں پر مرکوزیت کے دن ہوا ہو گئے تھے تاہم اس کے لئے بھی چند مخصوص وقت رکھا گیا تھا۔

چونکہ اساتذہ بھی قریب ہی اپنی بیوی اور دختروں کے ساتھ رہتے تھے اس لئے یہ صرف مردوں کی اقامت گاہ نہیں تھی اور راہبی یہاں صرف رسمی طور پر رہا کرتے تھے۔ غیر رسمی طور دل کے کھانوں کے لئے آشرم کے احاطے سے باہر ایک خانہ طعام تعمیر کیا گیا تھا۔

بحیثیت ڈرامہ نگار رابندر ناتھ نے ان لڑکیوں کی عدم دستیابی کے باعث خود کو معذور محسوس کیا جنہیں عورتوں کی کردار نگاری کی ادائیگی کرنی تھی اسی طرح کی کمی آپ نے کبھی بھی جوڑاسانکو میں محسوس نہیں کی تھی کیونکہ وہاں خاندان کے بیچ ہونے والے ناٹکوں میں ایک محدود ناظرین کے سامنے ٹیگور خاندان کی لڑکیاں کام کرتی تھیں لیکن شانتی نکیتن میں لڑکوں کے برہمچاریہ آشرم میں لڑکیوں کو لانا ایک نہایت ہی انقلابی بات تھی گرچہ یہاں کے بیشتر اساتذہ کی دختریں غیر شادی شدہ تھیں تعلیم کے فائدہ سے انہیں کس طرح مستفیض کیا جائے یہ بھی ایک ناقابل حل مسئلہ تھا کیا بغیر تعلیم کے ہی ان کی شادی کروا دی جائے گی جبکہ ان کے بھائی صرف لڑکا ہونے کے ناطے اس زیور تعلیم سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ایک جدید تعلیمی مرکز میں اس طرح کا بھید بھاؤ بے معنی نظر آتا ہے

جبکہ یہ مرکز اپنی مثال آپ سمجھا جاتا ہے۔

برائے ادب غیر متوقع نوبل پرائز شانتی نکیتن کے اساتذہ اور طلباء کے چھوٹے سے حلقہ کے لئے ایک تاریخی امتیاز بن گیا۔ شانتی نکیتن ایک نئی مہم بنام وشوابھارتی جہاں دنیا ایک آشیانہ بن جاتی ہے، کا ایک مقام بن گیا تھا۔ برہمچاریہ آشرم کو پاٹھا بھون کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اساتذہ کے خاندانوں کی لڑکیاں یہاں داخل ہوئیں

دیر پا سو پر اعلیٰ تعلیمات کے لئے ودیا بھون آرٹس اور کرافٹس کے لئے کلا بھون، موسیقی و رقص کے لئے سنگیت بھون، ہیومانٹیز اور سائنس کی انٹرمیڈیٹ کلاسوں کے لئے سکشا بھون، چینی علوم کے لئے چینی بھون، ہندی کا درس و تدریس کے لئے ہندی بھون کے قیام عمل میں آئے۔ پورے ہندوستان اور غیر ممالک سے آنے والی لڑکیوں کے لئے ایک ہوسٹل بنام سری بھون کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ہر بھون میں مخلوط تعلیم کا رواج عام کیا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ غیر ملکی پروفیسروں کو شانتی نکیتن میں آنے کی دعوت بھی دی گئی اور وشوابھارتی میں کلاس لینے کی بھی ان سے گذارش کی گئی! ور ہندوستانی پروفیسروں کی زیر نگرانی مطالعہ یا تحقیق کے لئے غیر ملکی طلباء کو کچھ عرصہ رہنے پر خوش آمدید کہا گیا۔ اگرچہ مہارشی کی توجہ مذہبی بیداری پر مرکوز تھی تاہم شاعر کی توجہ کا مرکز مشرق و مغرب کا ثقافتی ملاپ تھا یعنی وہ تمام باتیں تھیں جو انسانی ذہن کو اعلیٰ قدروں کے بلند زمینوں پر لے جائیں۔ آپ نے سوادیشی اور بدیشی کے درمیان کوئی تمیز پیدا نہیں کی۔ اسکولی لڑکے رومیں رولینڈ جیسے ملک الشعراء کے بارے میں بات چیت کرتے سنے گئے۔ ان کی ذہنی بالیدگی کو وسعت ملی شانتی نکیتن ایک بین الاقوامی نام بن گیا۔

رابندر ناتھ نے بین الاقوامی اور قومی وسائل سے چندے حاصل کئے مگر حکومت سے اس خوف کے تحت اس سلسلہ میں رجوع نہیں کیا کیونکہ اس کے عوض وہ مداخلت کرے گی اور شاعر کے انتقال کے بعد ہوا بھی بالکل وہی۔ عوامی چندے کی حصول کی رفتار دھیمی پڑ گئی۔ پہلے جو بھی چندے غیر ممالک سے آتے تھے وہ آپ کے بلند مرتبے ذاتی تعلقات پر آتے تھے۔ اب وہ بھی آنا بند ہو گئے۔ اس طرح دس سال کا عرصہ گذر گیا اور وشوابھارتی کی حالت نہایت دگرگوں ہو گئی۔ ایسی صورت میں حکومت کا تعاون لینا پڑا نہیں تو یہ ادارہ بند ہو جاتا۔ فطری طور پر اس کے کثیر تعداد ملازموں نے بے روزگاری پر ریاست

ادراد کو ترجیح دی۔ طلباء بھی اپنے تعلیمی دور کو بیچ میں ادھورا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ کلا بھون اور سنگیت بھون کے طلباء آخر کہاں جاتے؟ اسی دوران اساتذہ کی اعلیٰ تربیت کے لئے دینا یا بھون کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور دشوا بھارتی سوسائٹی کے جنرل سکریٹری تھے۔ آپ نے جواہر لال نہرو سے ناگزیر قلاکتی سے دشوا بھارتی کو بچانے کی اپیل کی۔ نتیجے کے طور پر پارلیمنٹ کا دشوا بھارتی یونیورسٹی ایکٹ ظہور میں آیا اور اس کے تحت اس پورے ادارے کو ایک مرکزی یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا گیا جس کی مالی کفالت حکومت ہند کرتی ہے۔ اس نئے نظام کے تحت رسدر ناتھ چٹھ (۱۹۵۱) [illegible] کے لئے پہلے وائس چانسلر بنے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے — اب حکومت کی مداخلت ناگزیر تھی۔ دو برسوں کے بعد آپ نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔ وائس چانسلر شپ کا عہدہ اکاڈمک پالیٹکس کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اچھے لوگ مخالف جماعت کے رحم وکرم پر ہی منتخب کئے جاتے تھے۔ تمام فریقین ان کے ملند اور اعلیٰ قدروں کو زبانی خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

جب تک یہ شاعر زندہ رہا اس نے ہر دوسرے دن نغمے رچے اور ہر دوسرے سال ایک ڈرامہ تحریر کیا۔ اس نے ڈرامہ یا رقص کا تجربہ بھی کیا اور اس کے ان ڈراموں میں طالباؤں نے خواتین کے کردار ادا کئے۔ علاوہ ازیں موسمی تہواروں نے کل مردوں اور عورتوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لیا تھا۔ اس کی موت کے بعد نہ ہی کوئی نئے تہوار کا انعقاد ہوا اور نہ ہی کوئی نیا تجرباتی فن تعمیر وقوع پذیر ہوا۔ حکومت کی ہدایت کے مطابق تعمیر شدہ عمارتیں فنی حسن سے مبرا ہیں۔ تخلیقی جذبہ کسی حد تک صرف کلا بھون میں ہی نظر آتا ہے۔ بہر کیف ربندر سدن ایک عظیم الشان اضافہ ہے اسے ٹیگور کی میراث کے لئے ایک عجائب گھر کے طور پر رکھا گیا ہے

اس سلسلہ میں یہ پورا کمپلکس ایک شاندار عجائب گھر ہے۔ لوگ آتے ہیں اور لوگ جاتے ہیں۔ مہارشی کے آشرم اور شاعر کے اتراین کو اصلاح بنگال اور بیرون از کلکتہ کی روشن خیالی کی یادگاروں کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔ مجھے اس بات کی قوی امید ہے کہ اس خانقاہ کی اصلی صفات ہر بار درگا پوجا اور سرسوتی پوجا کے انعقاد سے معدوم نہیں ہوں گے اور یہ پُرخلوص دعا ہے کہ ربندر ناتھ خود بھی بحیثیت ٹھاکر پوجے نہیں جائیں۔ سب لوگ جو انھیں جانتے ہیں اس امر سے بھی واقف ہیں کہ وہ روز مرہ کی زندگی میں بھی ایک انسان تھے۔

انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ مجھ جیسے روشن خیال فنکار حضرات کو چاہیے کہ وہ شانتی نکیتن میں سکونت اختیار کریں اور دشوا بھارتی سے لاتعلق ہو کر اپنے کام جاری رکھیں۔ سب لوگوں میں سے چند نے ان کی صلاح پر توجہ دی۔ آج بھی وہاں چند مٹھی بھر فنکار اور بیدار مغز افراد بغیر کسی بندش کے زندگی گذار رہے ہیں۔ شانتی نکیتن کا مطلب لازمی طور پر دشوا بھارتی نہیں نکلتا ہے۔ دونوں کے تصورات بنیادی طور پر وقت کے دو مختلف موڑ پر وجود میں آئے تھے۔ شانتی نکیتن کے قیام میں آنے کے ساٹھ (۶۰) سال بعد دشوا بھارتی وجود میں آیا۔ شانتی نکیتن بڑی تیزی سے ہر سطح اور ہر فرقہ کے لوگوں کے ساتھ نشوونما پا رہا ہے۔ اس میں دکاندار، ٹھیکہ دار، ریٹائرڈ شدہ سرکاری ملازم یا کمپنی کے ایکزیکیوٹیو، ہوٹل والے، ریسٹورنٹ والے، راج مزدور، ہشیوں کے مستری، ملازمائیں وغیرہ شامل تھیں تاہم یہ دشوا بھارتی ہی ہے جو توقع کی جاتی ہے کہ مذکورہ لوگوں کو تحفظ اور طبی امداد فراہم کرے گی وہ یہ توقع بھی کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم بھی اسی ادارے میں ہوگی۔ بہر کیف وہاں چند نجی اسکول وجود میں آئے ہیں۔

سب سے زیادہ مجھے جس شے نے خوشی بخشی ہے وہ ہے پانی کی سپلائی۔ اس سے اجڑی زمینوں پر سرسبزی میں اضافہ ہوا اور اس سارے علاقے کو سرسبز بنا دیا۔ اپنے بچپن کے دنوں میں میں نے اسے بنجر اور خشک دیکھا تھا۔ آج جب میں اپنے اس جوانی کے دور میں اسے پھلتا پھولتا پا رہا ہوں۔ آج کا ماحول پہلے کی بنسبت ہر لحاظ سے بہت بہتر ہے۔ ترقی کے لئے سرکاری عطیات کا شکر گذار ہوں۔

اگرچہ آج یہاں غیر ملکی علماء کی تعداد میں کافی کمی واقع ہو گئی ہے تاہم کچھ لوگ ایسے آج بھی موجود ہیں جو اپنے طور پر زندگی گذار رہے ہیں اور نصاب کی بندشوں سے باہر علم کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بنگالیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور بنگلہ زبان بولتے ہیں۔ آج بھی شانتی نکیتن کی طرح ان لوگوں کے لئے کوئی دوسرا مقام نہیں ہے جو فن اور موسیقی اور قدرتی مناظر اور دوستانہ ماحول کے قدرداں ہیں۔ یہاں ہر شخص ہر بزرگ شخص کو دادا یا دیدی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ درجے عہدے

اور منصب سے یہاں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ننھے منے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے رقص در نائٹ رکھی جاتی تھے اور انداد لیوی بی بی دی تھیں۔

غیر رسمی بھائی چارہ کا جذبہ شانتی نکیتن میں موجودہ صدی کی گذشتہ تین نسلوں سے چلا آرہا ہے۔ یہ مقام اپنے آپ میں یکتا ہے اور تعلیمی سیاست کے باوجود مذکورہ بالا جذبہ کی جڑیں بڑی دور تک اندر گئی ہیں۔

لیکن مشرق و مغرب کے رہائشی ساجھیداری کا جذبہ وشوابھارتی میں ٹیگور اور اینڈریوز کے ساتھ رفتہ رفتہ معدوم ہوگیا۔ ٹیگور اس امر سے واقف تھے کہ مغرب کے پروفیسر حضرات اس گرم ملک میں بغیر جدید آسائشوں کے نہیں رہ پائیں گے۔ رتن ٹاٹا کی سخاوت اور فیاضی سے مغرب سے آنے والے مہمانوں کے لئے ایک نیا مہمان خانہ تعمیر کیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں جب میں پہلی بار شانتی نکیتن گیا تھا تو اس وقت پرانے مہمان خانے کے ایک کمرے میں جہاں میں ٹھہرا تھا ایک اور صاحب جناب گریگ ایک مشہور گاندھی کے عقیدت مند پہلے سے رہ رہے تھے۔ آپ کھادی کی دھوتی اور بنگالی پہنا کرتے تھے اور ننگے پیر رہا کرتے تھے۔ آپ مچھر دانی کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ امریکہ لوٹ جانے کے بعد آپ نے عدم تشدد پر ایک کتاب تصنیف کی۔

اپنی دوسری آمد پر میں یہاں ملک ہنگری کی ایک خاتون سے ملا۔ وہ یہاں اپنی ایک کم عمر بیٹی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ یہ لوگ بھی ننگے پیر چلا کرتے تھے اور سنیاسی تھے پھر بھی یہاں بہت سارے مغرب کے لوگ رہا کرتے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایسی آرام اور آسائش کی زندگی یہاں گذارا کرتے تھے جس اونچی طرز کی زندگی وہ اپنے ملک میں بسر کیا کرتے تھے۔ ٹیگور نے لوگوں کو دونوں طرز کی زندگی جینے کی اجازت دے رکھی تھی گرچہ ان کے اندر کا انسان ان کے اس دوہری طرز کا منافی تھا۔ اگرچہ ان کے پاس ان کا اپنا ایک بڑا سا پیانو تھا، متعدد مغربی گرام فون ریکارڈس تھے۔ کنڈنسکی اور دیگر مغربی مصوروں کی تصویریں تھیں۔ نندلال بوس نے کلاسوں میں مغربی فن کے داخلے میں پابندی عائد کردی تھی کہ کہیں ان کی موجودگی سے ہندوستانی فن اپنی پاکیزگی اور اصلیت کھو نہ بیٹھے۔ سنگیت بھون میں مغربی موسیقی کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔ جب وشوابھارتی ایک مرکزی یونیورسٹی بنی تو یورپی اور پھر امریکی طالب علموں کی ایک اچھی خاصی تعداد ہندوستانی حکومت کے

وظیفہ پر وشوابھارتی آئی۔ ان لوگوں نے ٹیگور کے مغربی گرام فون ریکارڈس کا ایک مجموعہ دریافت کیا اور انھیں پرانے مہمان خانہ کے ایک کمرہ میں بجایا۔ اس دوران وہاں ایک شور بلند ہوا کہ "مہارشی کے آشرم کی پاکیزگی مجروح ہوئی"۔ متعلقہ حکام نے ان ریکارڈ کو ضبط کرلیا۔

اس شور و غل کے پس پشت یہ حقیقت کارفرما تھی کہ غیر ملکیوں کو ان کے ہندوستانی ساتھی طلباء کے مقابلے مع مزید پیسے بلند تر طرز رہائش کی سہولتیں مہیا ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ لوگ ہندوستانی ماحول میں اپنے حسب معمول سہولتوں کے بغیر کچھ نہیں کرپاتے ہیں۔ اس تنازعہ کا بنیادی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت ہند نے مذکورہ مغربی علماؤں کو دیگر یونیورسٹیوں میں بھیج دیا۔ اب وشوابھارتی کسی طور پر یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں دنیا سمٹ کر ایک محور پر آجاتی ہے۔

بہرکیف آج کل بنگلہ دیش سے بنگلہ مسلمان طلباء جس میں طالباؤں کی تعداد زیادہ ہے، کثیر تعداد میں وشوابھارتی آرہے ہیں۔ انھیں وہ تمام سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں جو ان کے بنگالی ہندو ساتھی طلباء کو مل رہی ہیں۔ ان ہی کے ساتھ یہ لوگ رہ رہے ہیں۔ بلاشبہ ان کے ساتھ یہ لوگ مل جل کر ناچ اور گا رہے ہیں جب وہ لوگ اپنے وطن واپس جائیں گے تو ان حسین یادوں کو اپنے ساتھ لیتے جائیں گے۔ نتیجہ کے طور پر رابندر سنگیت اور ڈانس ڈرامہ بنگلہ دیش یعنی ٹیگور کے اپنے ملک میں اپنی حیات میں ہی کافی مقبول ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی بھی انھیں غیر ملکی نہیں تسلیم کرتا ہے۔ وشوابھارتی بنگلہ دیش کے عوام کے ذہن و تصور پر قابض ہو چکا ہے۔ سابق طلباء اکثر اعلیٰ سندیں حاصل کرنے کے لئے دوبارہ آتے ہیں۔

بدقسمتی سے کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو گرودیو کے تعصب سے مبرا انسانیت پرست نظریوں پر اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ اگر ان کا یہی خیال ہے تو انھیں مسلم، عیسائی اور غیر ملکی جیسے عناصر سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیئے۔ دوسری جانب کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بورژوا، زمیندارانہ نظام اور طبقۂ امرا کے دشمن ہیں۔ ان کی نظر میں ٹیگور سماج کے اس خاص بلند اور امیر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وشوابھارتی کی تباہی سے غریبوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔

وہ لوگ جو شانتی نکیتن کو نقشہ میں ایک مقام سیاحت دکھا کر دور دراز سے سیاحوں سے بھرے بھرے ٹرک لاتے ہیں اس کے

کیمپس کے ماحول کو کثیف بنانے کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ یہ لوگ درختوں کے پیچھے ہوتے والے کلاسوں میں خلل ڈالتے ہیں اور یہاں وہاں گندگی پھیلاتے ہیں۔ یہاں کے حکام ان کے ساتھ سختی سے بھی پیش نہیں آسکتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ربانی تیرتھ کے جاتری ہیں۔ تعلیمی مسائل سے پرے یہاں بہتیرے انتظامی مسائل بھی درپیش ہیں۔ یہاں کے وائس چانسلر یہاں کے پروفیسر حضرات ہی ہوتے ہیں اور ان میں انتظامی توجہ اور تجربہ کا فقدان پایا جاتا ہے۔ دوسری جانب سیول سروس سے آئے انتظام کار بہایت ہی حرز علماء و اساتذہ پر ٹھیک طور سے قابو نہیں رکھ پائیں گے۔ کوئی بھی جو ایک ٹیگور کی سی ذاتی عظمت نہیں رکھتا ہے اس بیت الخیر میں امن و امان بحال نہیں رکھ سکتا۔
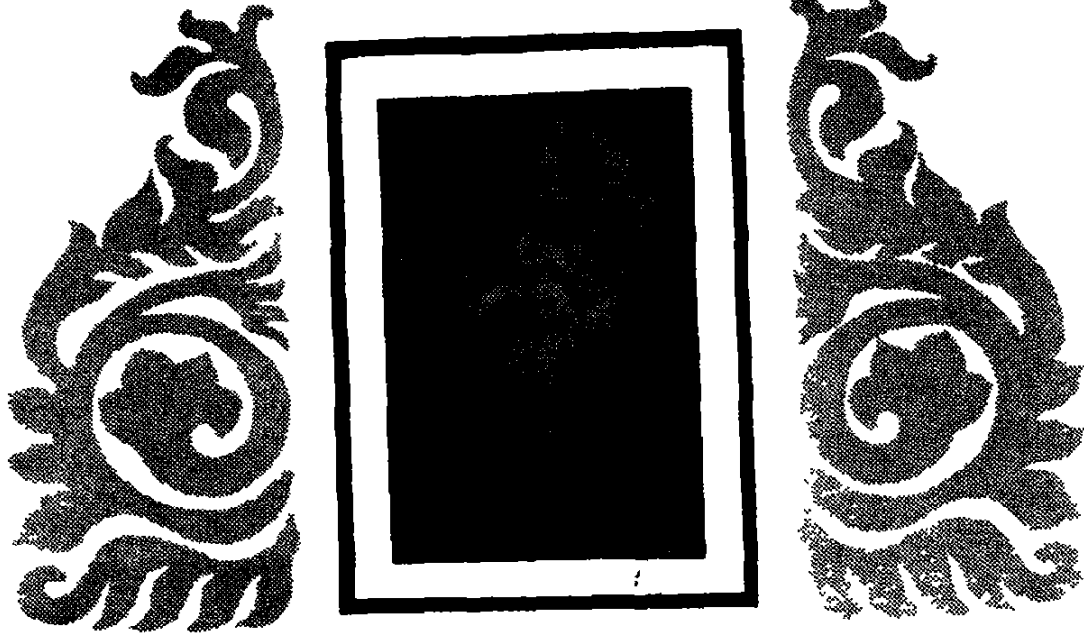
[فرانس کی ایک عظیم جنگ کے پیش نظر لکھی گئی ایک نظم سے اقتباس]

ربندرناتھ ٹیگور

ایک نظر میں

پورا نام : رسدرناتھ ٹھاکر
عرفیت : روبی / ٹیگور
دادا کا نام : دوارکا ناتھ ٹھاکر
والد کا نام : دیبندرناتھ ٹھاکر
والدہ کا نام : ساروداد یوی
جائے ولادت : کلکتہ
تاریخ ولادت : ۷ مئی ۱۸۶۱ء مطابق ۲۵ بیساکھ سکلا سال ۱۲۶۸
تاریخ وفات : ۷ اگست ۱۹۴۱ء مطابق ۲۲ ساون سکلا سال ۱۳۴۸
اہلیہ کا نام : مرینالینی دیوی
بیٹوں کے نام : رتیندرناتھ، سمندرناتھ
بیٹیوں کے نام : مادھوری لتا، میرا دیوی رینوکا
بھائیوں کے نام : دیجندرناتھ، ستندرناتھ، سریندرناتھ، جوتندرناتھ، گگیندرناتھ، اوبانیندرناتھ (کل ۱۴ بھائی بہن)
تعلیم : اسکول اور کالج کی سطح پر نامکمل
سنہ شادی : ۹ دسمبر ۱۸۸۳ء
مشغلہ : شاعری، ناول نگاری، موسیقی، رقص، ڈراما، ڈرامانگاری، اداکاری، مصوری، درس و تدریس وغیرہ
سیاحت و سفر : انگلینڈ، کناڈا، روس، جرمنی، امریکہ، اٹلی، ایران، چین، عراق، جاپان وغیرہ

مشہور تصانیف :

شاعری : بھانوسنگھ پداولی، سندھیا گیت، پربھات سنگیت، کوڑی و کومل، وشند ھرا، کبی کا، پوربی، مہوا، سنجوتی، چھوبی، دگان، سونار توری، سیشو بھولاناتھ، چترا، چیتالی، کلپنا، کاہینی، نوئے دیگھ، کھیا، گیتانجلی، گیتا مالو، گیتانجلی، بلاکا، اروگیہ، پلاتکا، مانسی، آکاش، دیپ، شانائی، جنمے دینے، سیشو لیکھا وغیرہ
ناول : گورا، چوکھیر بالی، نوکا ڈوبی، چتورنگ، شیشیر کو بیتا، گھورے بائیرے، جوگا جوگ، چار ادھیائے، دوئی بون وغیرہ
افسانے : کابلی والا، چھوٹی، گیت دھن، پوسٹ ماسٹر وغیرہ
ڈرامہ : رور چنڈا، کال مرگیہ، پرکرتیر پرتیشودھ، بشرجن، راجا، ڈاک گھر، مکتا دھارا، رکت ربی، راجا و رانی
رقص ڈرامہ : چترانگدا، والمیکی پرتیبھا، شیاما، چنڈالیکا، شاپ موچن، بسنت پوجا
دیگر : یورپ پرباشیر پترا، روس کے خطوط، یورپ کے سفر کی ڈائری، جیون سمرتی، لوک ساہتیہ وغیرہ
تعمیری خدمات : شانتی نکیتن، سری نکیتن کو چالو کیا، مہاجتی سدن (کلکتہ) کا سنگ بنیاد رکھا، راکھی تہوار کا رواج قائم کیا، جدوجہد آزادی میں حصہ لیا وغیرہ وغیرہ
انعامات و اعزازات : نوبل پرائز (۱۹۱۳ء)، کلکتہ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ کی ڈگری (۱۹۱۳ء)، بنارس یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری (۱۹۳۵ء)، آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری (۱۹۴۰ء)، تریپورہ کے راجا کی طرف سے بھارت بھاسکر کا خطاب (۱۹۴۱ء) اور حکومت ہند کی طرف سے "سر" کا خطاب دیگر الفونس جلیانوالہ باغ کے دلدوز واقعہ کے خلاف اسے احتجاجاً واپس کر دیا۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳ ■ یکم جون تا یکم جولائی ۱۹۹۶ء ■ شمارہ نمبر ۱۱ تا ۱۳

انتخابات نمبر ۱۹۹۶ء

اس شمارے میں

کتابت : محمد اصغر علی انصاری

مدیر اعلیٰ:۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون:۔ محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: دس روپے ● نصف سالانہ: ۵ روپے

فی شمارہ کی قیمت :۔ ۵۰ پیسے

اس شمارہ کی قیمت :۔ ۲/۰۰ روپے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر:

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

ناشر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون :۔ 25-5601/3371 Ext: 710

● سرورق ـ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو گذشتہ ۲۰ مئی کو گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی سے اپنے عہدے اور رازداری کا حلف لیتے ہوئے ـ

Pix 1st cover by Sumanta Patranabis
2nd & 3rd cover by Ajit Das
4th cover by Madhusudan Ghosh

عام انتخابات ۱۹۹۶ء میں بائیں محاذ کی نمایاں کامیابی سے

عوام کی متواتر حمایت نے ہماری ذمہ داریاں مزید بڑھا دی ہیں ـ شری جیوتی باسو

ہندوستان کی پارلیمانی جمہوریت کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ کسی ریاست کے عوام نے تقریباً دو دہائیوں سے کسی ایک پارٹی یا مخلوط محاذ کو مسلسل [illegible] ہو اور ریاست میں متواتر عرصوں سے اس کے حق میں [illegible] کیا ہو۔ لیکن ایسا کچھ گزشتہ [illegible] انتخابات سے مغربی بنگال میں ہوا ہے جو [illegible] ایک سیاسی مخلوط محاذ کے لئے ایک [illegible] مثال ہے۔

[illegible] ایسے [illegible] لڑنے [illegible] ۱۹ برسوں سے اس نے عوام کی [illegible] کے ساتھ اپنے کو ہم آہنگ کیا ہے۔ اس بار بائیں محاذ کی حمایت میں کثیر تعداد میں عوام کی رائے کو قومی سیاسی سیاق و سباق میں خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ کسی بھی تنہا پارٹی یا مخلوط محاذ کو مرکز میں حکومت بنانے کے لئے حسب ضرورت اکثریت حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ملی ہے۔

لیکن بائیں محاذ کو دو تہائی سے بھی زیادہ اکثریت حاصل ہوئی ہے اور تنہا سی پی آئی (ایم) نے ۲۹۴ نشستوں میں سے ۱۵۰ نشستیں جیت کر مکمل اکثریت حاصل کی ہے جسے امسال کے انتخابات کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت کہا جاتا ہے، مزید برآں اس بار کے انتخابات میں مغربی بنگال میں کانگریس کی پوزیشن میں بالمقابل قدرے بہتری آئی ہے اور اس نے اسمبلی کے لئے سابقہ ۴۲ نشستوں کی بجائے ۸۲ نشستیں حاصل کی ہیں جبکہ لوک سبھا کے لئے بھی ۱۹۹۱ء کی حاصل کردہ نشستوں میں ۲ نشستوں کا اضافہ کیا ہے۔ اس بہتری کے باوجود کانگریس دوسرے مقام کی دوڑ میں ہی اپنی پوزیشن کو برقرار رکھ سکی ہے۔

جہاں تک بی جے پی کی کارکردگی کا سوال ہے، وہ صفر ہے۔ اگرچہ اس کے امیدواروں نے مغربی بنگال میں اسمبلی اور لوک سبھا کے سبھی حلقوں سے چناؤ لڑا لیکن پارٹی کو ایک نشست بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس انتخاب میں سابقہ انتخابات، ۱۹۹۱ء کے مقابلہ میں اس کے حق میں ڈالے گئے ووٹ میں کمی آئی ہے اور مغربی بنگال میں اس کی پوزیشن تیسرے مقام پر ہی رہی۔

حزب مخالف پارٹیوں اور پریس کے ایک طبقہ کی طرف سے یہ پروپگنڈہ کیا جا رہا تھا کہ دو مرحلوں میں ہونے والے انتخابات میں بڑے پیمانے کا تشدد کے واقعات رونما ہوں گے لیکن حسب روایت مغربی بنگال میں لوک سبھا اور اسمبلی کے انتخابات ۲ اور ۷ مئی ۱۹۹۶ء کو اکّا دکّا واقعات کے علاوہ بالکل پرامن گزرے۔ حسب پروگرام ان دنوں رائے دہندگان کی ایک بڑی تعداد لوک سبھا کے ۳۹۷ امیدواروں اور اسمبلی کے ۲۰۳۵ امیدواروں میں سے بالترتیب ۴۲ ایم پی اور ۲۹۴ ایم ایل اے کو منتخب کرنے کے لئے باہر آ گئے اور انہوں نے پرامن ماحول میں آزادانہ طور پر اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کیا۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ کی نمایاں کامیابی نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ ریاست میں بائیں محاذ پر عوام کا بھرپور اعتماد بدستور برقرار ہے۔

ریاستی حکومت کی جانب سے پرامن اور منصفانہ رائے دہندگی کے لئے سخت سیکورٹی کے مناسب انتظامات کئے گئے تھے۔ الیکشن کے خاتمہ کے فوراً بعد وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مغربی بنگال میں حسب روایت پرامن انتخابات کے لئے عوام، ریاستی انتظامیہ اور پولس کو مبارک باد دی۔

مغربی بنگال اسمبلی کے ۱۲ویں عام انتخابات میں بائیں محاذ کی نمایاں کامیابی کے پیش نظر ۴۸ ممبروں پر مشتمل بائیں محاذ کی نئی وزارت نے شری جیوتی باسو کی قیادت میں ۲۰ اور ۲۷ مئی کو راج بھون میں گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی سے حلف لینے کے بعد اپنے عہدے

کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں ۔

راج بھون کے کشادہ دالان میں لگے شامیانے میں گورنر کے وی رگھوناتھ ریڈی نے ۲۰ رمئی ۹۶ء کو حلف برداری کے پہلے مرحلے میں شری جیوتی باسو اور ان کے ۲۶ رفقاء کو ان کے عہدے اور رازداری کا حلف دلایا۔ ۲۷ رمئی کو حلف برداری کے دوسرے مرحلے میں دیگر ۲۱ وزراء کی ایک جماعت نے گورنر سے حلف لیا۔

انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے بعد بائیں محاذ کمیٹی کی میٹنگ میں شری جیوتی باسو کو اتفاق رائے سے بائیں محاذ قانون ساز پارٹی کے رہنما کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

پہلے مرحلے میں رسم حلف برداری کے بعد سیدھو کانو ڈاہر میں گذشتہ ۲۰ رمئی کو بائیں محاذ کے جشن فتح کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی اس بات کو دوبارہ دہرایا کہ ہم وزراء اور افسران کے ذریعہ صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس سے سرکار نہیں چلاتے ہیں۔ اس حکومت کی گذشتہ ۱۹ برسوں کے دوران تمام عملی مقاصد کے تحت دیہاتوں میں پنچایتی اداروں کی نچلی سطح تک توسیع کی گئی ہے۔ ہم آج دیکھتے ہیں کہ یہ اصول کارگر ثابت ہوا ہے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ موجودہ سیاسی ڈھانچہ میں کوئی بھی ریاستی حکومت کماحقہ حالات میں Radical تبدیلیاں لا نہیں سکتی ہے۔ لیکن اپنی گنجائش کے اندر رہ کر کئی مثبت اقدامات کئے گئے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ ۱۹ برسوں کے دوران وہ سب کچھ کیا جو ان کے محدود وسائل کے اندر ممکن تھا جن لوگوں نے پانچویں بار ریکارڈ قائم کرنے کیلئے ہمیں ووٹ دیئے وہ یقیناً اس بات کو مانتے ہیں کہ ہم جھوٹے وعدے نہیں کرتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے پریس کے ایک طبقہ کے کردار پہ افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے یہ اخبارات ہماری فتح کو معمولی ڈھنگ سے پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم تنقید کو برا نہیں مانتے لیکن جو کچھ ایسے اخبارات میں شائع ہو رہا ہے وہ یا تو فتنہ پرور جھوٹ ہے یا آدھا سچ۔ یہ آدھا سچ زیادہ خطرناک ہے، لیکن ہم نے ان تمام باتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔

اس بار کی ہماری یہ فتح نہ صرف بی جے پی اور کانگریس کے خلاف نمایاں کامیابی ہے بلکہ ایسے اخبارات کے خلاف بھی ایک عظیم فتح ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ ابتدائی اندازہ کے مطابق ۱۴ لاکھ مزید ووٹروں نے ہمارے امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈالے ہیں۔ اگرچہ ووٹوں کا مجموعی فیصد ہمارے حق میں غیر متغیر رہا۔ بی جے پی کے حق میں ووٹ گیارہ فیصد سے گھٹ کر پانچ فیصد ہو گئے۔ کانگریس کو زیادہ تر بی جے پی کے نقصان سے فائدہ پہنچا ہے۔ اس کے کچھ امیدوار جنھیں ان کی پارٹی کے لوگوں نے خود سماج دشمن کا چھاپ دیا، کامیاب ہوئے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ایسے امیدواروں کو ووٹ دینے والے تمام لوگ ان کے حمایتی ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ کانگریس انھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ یہ پارٹی جو اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے بالکل مفلوج ہو گئی تھی مشکل سے کچھ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں عوام کے پاس جانا ہے اور گذشتہ کئی برسوں سے کانگریس نے جو کردار ادا کیا ہے اس کو عوام کے سامنے پیش کرنا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ ہمیں ان کے سمجھنے کے لئے جواز پیش کرنا ہوگا۔ ہمیں ان میں سیاست کی گراں قدروں کا احساس پیدا کرنا ہوگا۔ ••

رسم حلف برداری کے فوراً بعد ریاستی کو آرڈی نیشن کمیٹی، جوئنٹ کاؤنسل، ۱۲ رجولائی کمیٹی اور ریاستی اور مرکزی سرکاری ملازمین کی تنظیموں کی جانب سے رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ کے سامنے دیئے گئے استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی تقریر میں بتایا کہ چونکہ عوام نے پانچویں متواتر بار بائیں محاذ حکومت کو برسر اقتدار لایا ہے اس لئے اس کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔

اس تقریب میں وزیر اعلیٰ کے علاوہ ان کے کئی رفقائے کابینہ بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ نئی وزارت کو استقبالیہ دینے کیلئے سرکاری ملازمین کی ایک بڑی تعداد رائٹرس بلڈنگس کے سامنے پہلے سے موجود تھی۔ ••

مغربی بنگال کے اسمبلی انتخابات : ۱۹۹۶ - ایک جائزہ

۱۔ کل آبادی — ۶۷۹۸۲۷۳۲
مرد — ۳۵۴۶۱۸۹۸
عورت — ۳۵۵۲۰۸۳۴
(۱۹۹۱ کی مردم شماری کے مطابق)

۲۔ علاقائی حلقہ

نوع	کل نشستیں	مخصوص
اسمبلی	۲۹۴	شیڈولڈ کاسٹ - شیڈولڈ ٹرائب
		۵۹ - ۱۷

۳۔ رائے دہندگان کی کل تعداد : ۴۵۶۱۹۴۴۳

۴۔ پولنگ اسٹیشنوں کی تعداد : ۶۱۲۸۸

۵۔ انتخابات کے پروگرام :

(i) نوٹی فکیشن جاری کرنے کی تاریخ — ۲۷ مارچ ۱۹۹۶ء
(ii) پرچہ نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ — ۳ اپریل ۱۹۹۶ء
(iii) نامزدگی کی جانچ کی آخری تاریخ — ۴ اپریل ۱۹۹۶ء
(iv) امیدواری واپس لینے کی آخری تاریخ — ۶ اپریل ۱۹۹۶ء
(v) پولنگ کی تاریخ اور — ۲ مئی اور ۷ مئی ۱۹۹۶ء
(vi) وقت — ۷ بجے صبح تا ۵ بجے شام

۶۔ اس حلقہ انتخابات کا نام جہاں سب سے زیادہ امیدواروں نے چناؤ لڑا — ۴۳ امیدوار
۱۴۲۔ جوڑا بگان اسمبلی حلقہ انتخابات

۷۔ ان حلقہ ہائے انتخابات کا نام جہاں سب سے کم امیدواروں نے چناؤ لڑا — ۳ امیدوار : ۷۷۔ نوادیپ، ۹۹۔ مینا گل گنج (ایس سی)، ۱۳۶۔ کرہٹی، ۱۸۵۔ تارکیشور، ۱۹۱۔ دھنیاکھالی (ایس سی)، ۱۹۶۔ چندرا کونا، ۱۹۸۔ داس پور، ۲۰۹۔ کھجوری (ایس سی)، ۲۴۴۔ گنگا جل گھاٹی (ایس سی)، ۲۵۵۔ اندس (ایس سی)، ۲۶۶۔ کنکسا (ایس سی)، ۲۷۲۔ کھاند گھوش (ایس سی) اور ۲۷۷۔ رائنا اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات

۸۔ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار — بدھادیب بھٹاچاریہ، سی پی آئی (ایم) ۱۰۸۵۴۸
۱۰۸۔ جادوپور اسمبلی حلقہ انتخابات

۹۔ سب سے زیادہ ووٹ کے فرق سے جیتنے والے امیدوار — عبدالرزاق ملا، سی پی آئی (ایم) ۶۶۷۹۵
کیننگ (مشرق) اسمبلی حلقہ انتخابات

۱۰۔ سب سے کم ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار — سریش کار مرکھے، آزاد — ۰۷
۱۴۳۔ جوڑا سانکو اسمبلی حلقہ انتخابات

۱۱۔ سب سے کم ووٹ کے فرق سے جیتنے والے امیدوار — مرنیال کانتی رائے، سی پی آئی (ایم) — ۵۰
۱۲۲۔ رام نگر اسمبلی حلقہ انتخابات

مغربی بنگال کے اسمبلی انتخابات ۱۹۹۱ء — ایک جائزہ

۱۔ کل آبادی : ۶۷،۹۸۲،۷۳۲

(۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق)

مرد — ۳۵،۴۶۱،۸۹۸

عورت — ۳۲،۵۲۰،۸۳۴

۲۔ علاقائی حلقہ :

نوع	کل نشستیں	مخصوص
اسمبلی	۲۹۴	شیڈولڈ کاسٹ۔ شیڈولڈ ٹرائبس
		۵۹ — ۱۷

۳۔ رائے دھندگان کی کل تعداد : ۴۱،۳۸۷،۵۴۵

۴۔ پولنگ اسٹیشنوں کی تعداد : ۴۹،۲۸۸

۵۔ انتخابات کے پروگرام

(i) نوٹی فیکیشن جاری کرنے کی تاریخ : ۱۹ر اپریل ۱۹۹۱ء

(ii) نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ : ۲۶ر اپریل ۱۹۹۱ء

(iii) نامزدگی کی جانچ کی آخری تاریخ : ۲۷ر اپریل ۱۹۹۱ء

(iv) امیدواری واپس لینے کی آخری تاریخ : ۲۹ر اپریل ۱۹۹۱ء

(v) چناؤ کی تاریخ اور اوقات : ۲۰ر مئی ۱۹۹۱ء صبح ۷ بجے سے ۵ بجے شام تک

۶۔ جہاں سب سے زیادہ امیدواروں نے چناؤ لڑا : ۲۲ر امیدوار؛ بڑا بازار اسمبلی حلقہ انتخابات

۷۔ ان حلقہ ہائے انتخابات کے نام جہاں سب سے کم امیدواروں نے چناؤ لڑا : ۳ر امیدوار:

۷۷۔ نوادیپ، ۹۱۔ راج ہاٹ (ایس سی)، ۶۷۔ ہاروا (ایس سی)، ۱۹۱۔ دھنیاکھالی (ایس سی) ۱۹۵۔ گنوگھاٹا (ایس سی)، ۲۱۸۔ دیبرا، ۲۱۹۔ کیشپور (ایس سی)، ۲۵۴۔ کوٹل پور، ۲۵۵۔ اندس (ایس سی) ۲۵۶۔ سونامکھی (ایس سی)، ۲۷۲۔ کھاندا گھوش (ایس سی) ۲۸۳۔ نانور (ایس سی) ۲۹۰۔ میورلیشور (ایس سی) اسمبلی حلقہ ہائے انتخابات

۸۔ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار : سبھاش چکرورتی، سی پی آئی (ایم) ۷۸۵۱۰، ۱۳۹۔ بیلگچھیا مشرق اسمبلی حلقۂ انتخابات

۹۔ سب سے زیادہ ووٹ کے فرق سے جیتنے والے امیدوار : عبدالرزاق ملاّ، سی پی آئی (ایم) ۴۹۵۱۸، ۱۰۶۔ کیننگ (مشرق) اسمبلی حلقہ انتخابات

۱۰۔ سب سے کم ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار : سنتان سنگھ، آزاد — ۸، ۱۴۴۔ بڑا بازار اسمبلی حلقۂ انتخابات

۱۱۔ سب سے کم ووٹ کے فرق سے جیتنے والے امیدوار : پرسانتا کمار سور، سی پی آئی (ایم) ۳۲۲، ۱۵۰۔ ٹالی گنج اسمبلی حلقۂ انتخابات

مغربی بنگال اسمبلی انتخابات ۱۹۹۶ء

پارٹی وار پوزیشن اور ضلع وار نشستوں کی تعداد

پارٹی کے نام	نشستیں
سی پی آئی (ایم)	۱۵۰
فارورڈ بلاک	۲۱
آر ایس پی	۱۸
سی پی آئی	۶
★ ایس یو سی	۳
★ فارورڈ بلاک مارکسی	۲
★ ڈی ایس پی	۲
پی ڈی سی (آزاد)	۱
بائیں محاذ کل	۲۰۳

نوٹ:-
★ سی پی آئی (ایم) کے نشان پر مقابلہ کیا

پارٹی کے نام	نشستیں
آئی این سی	۸۲
جی این ایل ایف	۳
ایس یو سی آئی (آزاد)	۲
آزاد: ڈاکٹر فضل الحق	۱
آزاد: مظہر حسین	۱
جے پی (ایس)	۱
یو ڈی (ایس)	۱
کل نشستیں	۲۹۴

مغربی بنگال میں پانچویں مجلسِ وزارت

وزراء

جیوتی باسو
وزیر اعلیٰ
امور داخلہ (پولس چھوڑکر)
پہاڑی امور
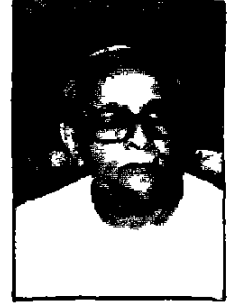
ڈاکٹر شنکر سین
توانائی، سائنس اور
ٹکنالوجی

بدھادیب بھٹاچارجی
داخلہ (پولس)
اطلاعات وثقافتی امور
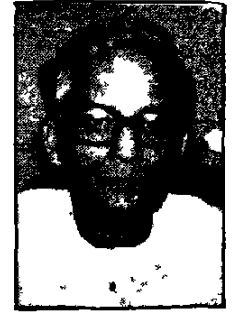
شانتی رنجن گھٹک
محنت (روزگار اور ای ایس آئی چھوڑکر)

ڈاکٹر سوریہ کانتا مشرا
اصلاحاتِ آراضی، دیہی ترقیات
اور پنچایت

سبھاش چکرورتی
نقل وحمل اور اسپورٹس

ڈاکٹر اسیم کمار داس گپتا
ترقیات و منصوبہ بندی اور اکسائز

محمد امین
اقلیتی امور، وقف، حج
اور اردو اکاڈمی

کانتی بسواس

اسکولی تعلیم، مدرسہ اور

راحت کاری وبحالی مہاجرین

عبدالرزاق ملّا

فوڈ پروسیسنگ، باغبانی اور

سندربن امور
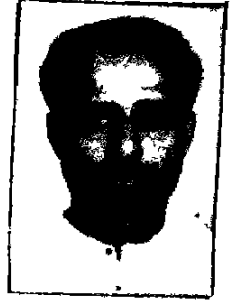
گوتم دیب

کامات صحت عامہ انجینئرنگ

دینیش چندر ڈاکوا

شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب اور

پسماندہ طبقات کی رفاہ

پارتھا دے

صحت اور خاندانی رفاہ

چھایا بیرا

افزائش خود روزگار پروگرام (شہری)

ایمپلائمنٹ ایکسچینج اور ای ایس آئی

بدّوت گانگولی

صنعت وتجارت
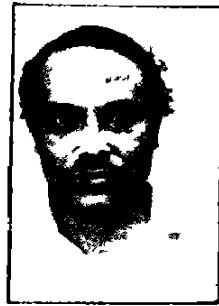
اشوک بھٹاچاریہ

بلدیاتی امور، شہری ترقیات،

ہگلی ندی پل کمیشن اور شہری و

دیہی ترقیات

ستیہ سادھن چکرورتی

اعلیٰ تعلیم

مناہندر مکھرجی

خدمات نوجوان، سیاحت اور ماحولیات

بھکتی بھوشن منڈل

امداد باہمی

کرن موئے نندا

ماہی پروری

نورین دے

زراعت (باغبانی کو چھوڑ کر)

پرابودھ چندرا سنہا

پارلیمانی امور

دیبابرتو بندھوپادھیہ

آبپاشی اور آبی آمد و رفت

مرینال بندھوپادھیہ

سرکاری اداروں اور صنعتی تعمیر نو

کھیتی گوسوامی

محکمہ تعمیرات عامہ
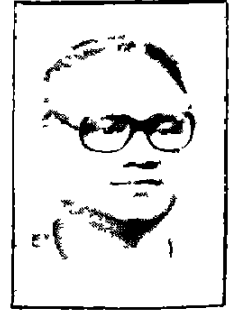
پرلائے تعلقدار

گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت

نندا گوپال بھٹاچاریہ

آبی تحقیقات و ترقیات

بنگشو گوپال چودھری

ٹکنکی تعلیم و تربیت

انیس الرحمٰن

حیوانی وسائل ترقیات

ستیہ رنجن مہاتو

راحت کاری

نشیتھ ادھیکاری

محکمۂ قانون وغدلیہ

بشوا ناتھ چودھری

جیل اور سماجی رفاہ

وزرائے مملکت

جوگیش چندر برمن

جنگلات

انجو کار

عوامی توسیع تعلیم

کلیم الدین شمس

خوراک و رسد

مہیشور مُرمو

خصوصی قبائلی علاقوں کی ترقیات
مع جھاڑگرام امور
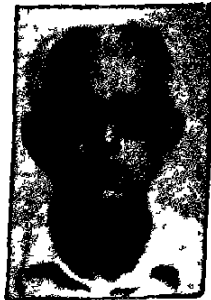
بریندر کمار مائترا

زراعتی مارکیٹنگ

نیمائی مال

لائبریری خدمات

وزرائے مملکت

اوپن کسکو
شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب
اور پسماندہ طبقوں کی رفاہ
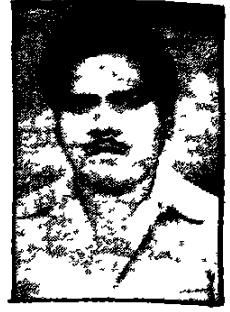
میناتی گھوش

صحت و خاندانی رفاہ

پراتیم چیٹرجی

فائر بریگیڈ

بیلاسی بالا ساہس

جنگلات
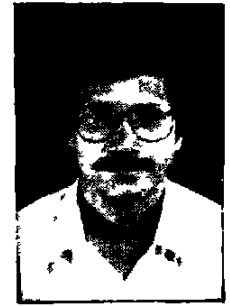
شری کمار مکھرجی

شہری دفاع

گنیش منڈل

آبپاشی اور آبی نقل و حمل

کمالیندو سانیال

آراضی و محصول آراضی
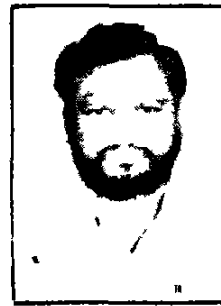
منوہر ترکی

محکمہ تعمیراتِ عامہ

سوشانتا گھوش

نقل و حمل

دھیرین سین

اکسائز

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی انتخابات ۱۹۹۶ء میں منتخب خواتین امیدواروں کی فہرست

مغربی بنگال کے گذشتہ اسمبلی انتخابات ۱۹۹۱ء میں خواتین امیدواروں کی کل تعداد ۲۱ تھی جن میں سی پی آئی (ایم) کی خواتین امیدواروں کی تعداد ۱۷، فارورڈ بلاک، فارورڈ بلاک (مارکسی) کی ایک ایک اور آئی این سی کی ۲ تھی ــــ امسال یہ تعداد قدرے گھٹ کر ۲۰ ہوگئی ہے۔ ذیل میں منتخب خواتین امیدواروں کی فہرست پارٹی وار پیش کی جارہی ہے:

کامیاب خواتین امیدوار :	۲۰
سی پی آئی (ایم) :	۱۶
آئی این سی :	۳
جی این ایل ایف :	۱

امیدواروں کے نام	پارٹی	حلقۂ انتخاب	مندرجہ ذیل ووٹوں کے فرق سے کامیاب ہوئیں
۱۔ [illegible]	جی این ایل ایف	کرسیانگ	۱۸۹۶۱
۲۔ سیوتی لگھو تیس	سی پی آئی (ایم)	گنگارام پور	۲۲۳۳۷
۳۔ ست تری مهترا	آئی این سی	ازائی ڈانگا	۴۶۷۷
۴۔ [illegible]	آئی این سی	ستجاع پور	۳۳۱۵۳
۵۔ مایا رانی پال	آئی این سی	بہسرام پور	۱۹۲۹۳
۶۔ میلی ہیرا	سی پی آئی (ایم)	ہرن گھاٹا	۱۷۹۹۹
۷۔ کم کم چکرورتی	سی پی آئی (ایم)	بہالا (مشرق)	۹۱۳۴
۹۔ [illegible]	سی پی آئی (ایم)	کولپی (مخصوص)	۲۲۱۳
۱۰۔ [illegible]	سی پی آئی (ایم)	بیچ پور	۱۳۴۴۶
۱۔ ڈاکٹر تپتی ساہا	سی پی آئی (ایم)	تالتلہ (مخصوص)	۱۴۴۹۶
۱۱۔ کوبیکا کا کولی	سی پی آئی (ایم)	بالی	۱۵۶۲۷
۱۲۔ ایبھی دے	سی پی آئی (ایم)	جنگی پاڑہ	۸۰۹۸
۱۳۔ چھایا بیرا	سی پی آئی (ایم)	سندن پور	۴۰۵۷
۱۴۔ [illegible] رانی دل	سی پی آئی (ایم)	کیش پور (مخصوص)	۴۳۴۷۰
۱۵۔ نمت مکھرجی	سی پی آئی (ایم)	پردلیا	۳۸۲
۱۶۔ سیلاسی بالا ساہس	سی پی آئی (ایم)	پاڑا (مخصوص)	۴۴۴۸۵
۱۷۔ دیپ لینا ہیمرم	سی پی آئی (ایم)	رانی بندھ (مخصوص)	۳۲۴۰۹
۱۸۔ سوسمیتا بسواس	سی پی آئی (ایم)	بڑجوڑا	۱۳۷۲۱
۱۹۔ انجو کور	سی پی آئی (ایم)	کالنا	۱۴۵۰۴
۲۰۔ سادھنا ملک	سی پی آئی (ایم)	منگل کوٹ	۲۰۴۹۱

مغربی بنگال اسمبلی کیلئے انتخابات ۱۹۵۲ تا ۱۹۹۶ء

سیاسی پارٹیوں کا تقابلی جائزہ

سال	۱۹۵۲	۱۹۵۷	۱۹۶۲	۱۹۶۷	۱۹۶۹	۱۹۷۱	۱۹۷۲	۱۹۷۷	۱۹۸۲	۱۹۸۷	۱۹۹۱	۱۹۹۶
کُل نشستوں کی تعداد	۲۳۸	۲۵۲	۲۵۲	۲۸۰	۲۸۰	۲۸۰	۲۸۰	۲۹۴	۲۹۴	۲۹۴	۲۹۴	۲۹۴
۱۔ کانگریس	۱۵۰	۱۵۲	۱۵۷	۱۲۷	۵۵	-	۲۱۶	۲۰	-	-	-	-
۲۔ کانگریس (آر)	-	-	-	-	-	۱۰۵	-	-	-	-	-	-
۳۔ کانگریس (او)	-	-	-	-	-	۲	۲	-	-	-	-	-
۴۔ آئی این سی	-	-	-	-	-	-	-	-	۴۹	۴۰	۴۳	۸۲
۵۔ کانگریس (ایس)	-	-	-	-	-	-	-	-	۴	-	-	-
۶۔ بنگلہ کانگریس (بی سی)	-	-	-	۳۴	۳۳	۵	-	-	-	-	-	-
۷۔ سی پی آئی (غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی ۱۹۶۲ تک)	۲۸	۴۶	۴۹	۱۶	۳۰	۱۳	۳۵	۲	۷	۱۱	۶	۶
۸۔ سی پی آئی (ایم)	-	-	-	۴۳	۸۰	۱۱۳	۱۴	۱۷۸	۱۷۴	۱۸۷	۱۸۸	۱۵۰
۹۔ کے۔ ایم۔ پی۔ پی*	۱۵	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
۱۰۔ پی ایس پی	-	۲۱	۵	۷	۵	۳	-	-	-	-	-	-
۱۱۔ فارورڈ بلاک	۱۴	۸	۱۳	۱۲	۲۱	۳	-	۲۶	۲۸	۲۶	۲۹	۲۱
۱۲۔ ایم ایف بی	-	۲	۱	۱	۱	۲	-	۳	۲	۲	۱	۲
۱۳۔ آر ایس پی	-	۳	۹	۶	۱۲	۳	۳	۲۰	۱۹	۱۸	۱۸	۱۸
۱۴۔ آر سی پی آئی	-	-	۲	-	۲	۳	-	۳	۲	۱	۱	-
۱۵۔ ڈبلو پی آئی	-	-	-	۲	۲	۲	۱	-	-	-	-	-
۱۶۔ پی بی سی	-	-	-	-	-	۲	-	۱	-	-	-	۱
۱۷۔ ڈبلیو بی ایس پی	-	-	-	-	-	-	-	-	۳	۴	-	-
۱۸۔ ڈی ایس پی	-	-	-	-	-	-	-	-	۳	۲	۱	۲
۱۹۔ جنتا	-	-	-	-	-	-	-	۲۹	-	-	۱	-

* کے ایم پی پی اور سوشلسٹ پارٹی نے اس میں ضم ہو کر ۱۹۵۳ء میں پی ایس پی کی شکل اختیار کر لی۔

۲۰۔ جے ایل	-	۱	۲	۲	۴	۲	۲	۲	۱	-	-	-
۲۱۔ ایس۔ایس۔پی	-	-	-	۷	۹	۱	-	-	-	-	-	-
۲۲۔ ایس۔یو۔سی	۱	۲	-	۴	۷	۷	۱	۴	۲	۲	۲	۲
۲۳ مسلم لیگ	-	-	-	-	-	۷	۱	۱	-	۱	-	-
۲۴۔ پی ایم ایل	-	-	-	-	۳	-	-	-	-	-	-	-
۲۵۔ سی پی آئی (ایم۔ایل)	-	-	-	-	-	-	-	۱	-	-	-	-
۲۶۔ جھارکھنڈ پارٹی	-	-	-	-	-	۲	-	-	-	-	۱	۱
۲۷۔ جن سنگھ	۹	-	-	۱	-	۱	-	-	-	-	-	-
۲۸۔ ہندو مہاسبھا	۴	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
۲۹۔ سواتنترا	-	-	-	۱	-	-	-	-	-	-	-	-
۳۰۔ آئی این ڈی ایف	-	-	-	-	۱	-	-	-	-	-	-	-
۳۱۔ ایس آر پی	۱	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	
۳۲۔ ایل ایس ایس	-	۷	۴	۵	۴	-	-	-	-	-	-	-
۳۳۔ مارورڈ بلاک (آر)	۱	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
۳۴۔ جی این ایل ایف	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	۲	۳
۳۵۔ ایس پی	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	۳
۳۶۔ ایف بی (ایس)	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	۱
۳۷۔ آزاد و دیگر	۵	۱	۱	۹	۲	۳	۵	۴	-	-	۱	۲

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی
۱۹۵۲ تا ۱۹۹۶ء ایک جائزہ

سال	نشستوں کی تعداد	کُل ووٹ	ڈالے گئے ووٹ	فیصد
۱۹۵۲	۲۳۸	۱۲۴۸۹۲۷۰	۷۴۴۴۲۲۵	۵۹٫۶
۱۹۵۷	۲۵۲	۱۵۲۱۶۵۳۲	۱ ۴۶۹۸۰۳	۶۸٫۸۰
۱۹۶۲	۲۵۲	۱۸۰۰۵۶۳۵	۱۰۰۰۲۷۸۶	۵۵٫۵۵
۱۹۶۷	۲۸	۲۰۳۴۰۰۹۸	۱۳۳۷۸۴۲۸	۶۶٫۱
۱۹۶۹	۲۸	۲۰۶۸۵۳۱۰	۱۳۷۵۸۰۷۲	۶۶٫۵
۱۹۷۱	۲۸	۲۲۳ ۴۸۳۸	۱۳۶۴۱۵۳۵	۶۱٫۹
۱۹۷۲	۲۸	۲۲۵۵۴۲۷۶	۱۳۷۱۸۵۳۵	۶۰٫۸
۱۹۷۷	۲۹۴	۲۶۰۳۲۹۷۴	۱۴۵۹۱۵۴۶	۵۶٫۱
۱۹۸۲	۲۹۴	۲۹۸۹۷۶۱۹	۲۲۹۸۴۶۸۵	۷۹٫۹
۱۹۸۷	۲۹۴	۳۵۳۴۴ ۴۹	۲۶۷۴۲۵۶۳	۷۵٫۶۶
۱۹۹۱	۲۹۴	۴۱۳۸۷۵۴۵	۳۱۷۸۲۴۵۴	۷۶٫۷۹
۱۹۹۶	۲۹۴	۴۵۶۱۹۴۴۳	۳۶۷۸۸۱۵۳	۸۰٫۶۴

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے عام انتخابات ۱۹۹۱ کے پارٹی وار

مقابلہ پر ایک نظر

کل نشستیں: ۲۹۴، کل ووٹروں کی تعداد: ۴۱۳۸۷۵۴۵، کل ڈالے گئے ووٹ: ۳۱۷۸۲۴۵۴ (۷۶٫۷۹ فیصد)

جائز ووٹ —— : ۳۰۹۹۸۴۲۹ (۹۷٫۸۹ فیصد)، کل رد کردہ ووٹ: ۷۸۴۰۲۵ (۲٫۴۷ فیصد)

پارٹیوں کے نام اور امیدواروں کی تعداد	کامیاب ہوئے	ووٹ حاصل کئے (فیصد)	پارٹیوں کے نام اور امیدواروں کی تعداد	کامیاب ہوئے	ووٹ حاصل کئے (فیصد)
(الف) قومی پارٹی			اے بی جے ایس ۵	۰	۱۴۸۵ (۰٫۰۰۵)
بی جے پی ۲۹۲	۰	۳۵۳۷۶۴۲ (۱۱٫۴۱)	اے آئی ڈی ایم ایم ایس ایم ۲	۰	۹۸۸ (۰٫۰۳)
سی پی آئی ۱۲	۶	۵۴۲۹۹۴ (۱٫۷۵)	بی ڈی ۲	۰	۲۹۵ (۰٫۰۰۱)
سی پی آئی (ایم) ۲۱۳	۱۸۸	۱۱۴۱۳۱۱۲ (۳۶٫۸۲)	بی پی آئی ۱	۰	۳۳۵ (۰٫۰۰۹)
آئی سی ایس (ایس سی ایس) ۱	۰	۸۷۶ (۰٫۰۰۳)	سی پی آئی (ایم ایل) ۱۷	۰	۴۱۵۷۶ (۰٫۱۳)
آئی این سی ۲۸۴	۴۳	۱۰۸۶۳۴۷۹ (۳۵٫۰۴)	ڈی پی ۲۶	۰	۴۹۷۹ (۰٫۰۲)
جے ڈی ۸	۱	۲۰۹۰۵۱ (۰٫۶۷)	ڈی ایس پی (پی سی) ۲	۱	۵۱۴۰۲ (۰٫۱۷)
جے پی ۷۸	۰	۵۰۰۳۷ (۰٫۱۶)	جی این ایل ایف ۲	۲	۹۸۲۰۹ (۰٫۳۲)
لوک دل ۱	۰	۱۲۱ (۰٫۰۰۴)	ایچ جے ایچ پی ۳	۰	۹۲۳۹ (۰٫۰۳)
(ب) ریاستی پارٹی			آئی این سی (او) اے ایم جی ۵	۰	۱۳۰۹ (۰٫۰۴)
اے آئی ایف بی ۳۴	۲۹	۱۷۰۷۶۷۶ (۵٫۵۱)	آئی پی ایف ۲۵	۰	۳۹۸۷۲ (۰٫۱۳)
آر ایس پی ۲۳	۱۸	۱۰۳۴۰۷۰ (۳٫۳۴)	جھارکھنڈ پارٹی ۶	۱	۱۴۰۳۹۱ (۰٫۴۵)
(ج) کیرالا کی ریاستی پارٹی			جے ایم ایم ۲۲	۰	۹۳۳۷۰ (۰٫۳۰)
ایم ایل ۳۰	۰	۲۸۱۵۶ (۰٫۰۹)	ایس سی پی آئی (ایس ایس ایس) ۶	۰	۴۰۵۶ (۰٫۰۱)
(د) یوپی اور پنجاب کی ریاستی پارٹی			آر سی پی آئی (جی ایس) ۱	۰	۹۸۳ (۰٫۰۰۳)
			آر سی پی آئی (آر بی) ۲	۱	۹۲۵۴۴ (۰٫۳۰)
بی ایس پی ۹۵	۰	۸۸۴۳۱ (۰٫۲۹)	شیو سینا ۱	۰	۸۸۰ (۰٫۰۰۳)
(ہ) آزاد			یو سی پی آئی ۱	۰	۴۰۸۰۶ (۰٫۱۳)
آزاد ۶۳۴	۴	۸۳۱۰۷۸ (۲٫۶۸)	ڈبلیو پی آئی ۶	۰	۱۰۶۷۰ (۰٫۰۳)
(و) رجسٹرڈ پارٹی			بائیں محاذ کی جانب سے		
اے بی ۵۹	۰	۲۴۴۴۸ (۰٫۰۸)	حاصل کردہ کل ووٹ: ——		۱۵۱۱۰۸۳۷ (۴۸٫۷۵)
اے بی جی ایل ۱	۰	۳۵۴۸۹ (۰٫۱۱)	انڈین نیشنل کانگریس اور اسکی		
اے بی ایچ ایم ۵	۰	۱۵۵۳ (۰٫۰۰۵)	اشتراکی پارٹیوں کی جانب سے حاصل کردہ ووٹ:		۱۱۲۷۸۱۶۲ (۳۶٫۳۸)

مغربی بنگال اسمبلی انتخابات ۱۹۹۶ء

ضلع کے نام اور ان کی نشستوں کی تعداد	کل ووٹ	جائز ووٹ	رد کردہ ووٹ	سی پی آئی (ایم)	آر ایس پی	آل انڈیا فارورڈ بلاک	سی پی آئی	سمتا پارٹی	ڈی ایس
کوچ بہار ـ ۹	۱۳۴۹۸۵۳	۱۱۷۴۸۴۳	۳۶۱۰۷	۲۶۳۳۰۲		۲۴۲۴۰۱			
جلپائی گوڑی ـ ۱۲	۱۷۸۱ ۷۸	۱۴۵۶۸۷۹	۵۸۵۴۶	۴۱۵۱۵۹	۲۹۹۴۶۵	۴۴۸۸۹			
دارجلنگ ـ ۵	۹۱۹۹ ۵	۶۶۳۲۹۰	۳۴۶۳۴	۲۵۸۶۱۵			۸۲۴۲		
شمالی دیناجپور ـ ۷	۱۱۳۶۹۷۴	۸۶۹۹۵	۳۸۵۵۵	۲۱ ۳۴۹		۱۱۲۴۹	۵۹۲۸۰		
جنوبی دیناجپور ـ ۵	۷۶۱۷۶۳	۶۴۸۵۸	۲۰۸ ۶	۸۴۲۱۸	۲۴۲۳۱۷				
مالدہ ـ ۱۱	۱۵۷۹۵۲۶	۱۲۲۹۵۶۷	۳۸۴۳۲	۴۹۸۲۱۸		۵۶۴۲۹			
مرشد آباد ـ ۱۹	۳۴۵۱ ۳	۲۵ ۲۴۱۹	۶۹۱۷۶	۶۰۵۴۶۰	۴۲۷۰۵۴	۴۴۷۷۱	۵۹۳۵۴		
ندیا ـ ۱۵	۲۵۳۵۴۲۲	۲۱۳۹ ۲	۵۰۶۷	۸۸۸۸۷۰	۴۹۲۹۱				
۲۴ پرگنہ (شمال) ـ ۲۸	۴۸۱۴۶۲۹	۳۹۶۶۲۹۳	۹۹۳۹۷	۱۵۴۹۶۲۸	۸۴۷۸۵	۲۸۴۵۱۴			
۲۴ پرگنہ (جنوب) ـ ۲۵	۳۹۵۵۷۴۶	۳۲۶ ۸۲۵	۸۰۸۸۴	۱۴۶۷۹۴۲	۱۲۴۱۴۶				
کلکتہ ـ ۲۳	۳۳۴۱۲۱	۲۳۳۶۷ ۲	۵۶۳۱۸	۷۸۰۲۲۹	۸۸۷۱۴	۷۷۸۱۴	۱۲۹۸۵		
ہوڑہ ـ ۱۶	۲۷۰۳۵۱۵	۲۰۷۳۶۱۱	۵۷۴۴۹	۶۹۰۴۲۲		۲۵۸۲۵۵			
ہگلی ـ ۱۹	۳۰۹۴۶۳۸	۲۵۳۴۷۳۷	۵۷۵۶۶	۱۰۱۲۸۳۷		۲۳۴۹۸۱			
مدناپور ـ ۳۷	۵۲۱۱۶۹۹	۴۴۹۹۴۹۹	۹۸۳۶۴	۱۶۶۷۰۹۹			۳۶۵۶۲۶	۱۹۴۰۶۰	۹۳۶۷
پرولیا ـ ۱۱	۱۵ ۳۰۹	۱۱۳۶۸۷۲	۳۶۲۳۳	۴۴۸۸۷۵		۱۴۳۰۰۴			
بانکوڑا ـ ۱۳	۱۹ ۶۵۹۳	۱۵۲۱۸۷۹	۵۲۶۷۰	۶۹۰۶۳۱	۴۹۳۶۲	۶۸۰۷۰	۶۰۴۸۲		
بردوان ـ ۲۶	۴۸۳۲۹۳	۳۳۳۷۱۱۷	۹۵۰۹۴	۱۵۷۶۴۳۱		۱۲۰۰۹۴			
بیربھوم ـ ۱۲	۱۶۸۸۴۹۶	۱۳۳۵۹۹۳	۵۶۲۱۸	۳۶۲۰۶۱	۶۵۱۲۱	۲۲۴۶۱۲			
کل ـ ۲۹۴	۴۵۴۱۹۴۳۳	۳۴۷۸۸۵۳	۱۰۳۷۱۹۱	۱۱۴۹۰۳۴۶	۱۴۳۰۲۵۵	۱۹۱۲۱۸۳	۵۶۵۹۴۹	۱۹۴۰۶۰	۹۳۶۷

کے ضلع اور پارٹی وار نتائج

[مار]کسی [فار]ورڈ بلاک	آئی این سی	جی این ایل ایف	بی جے پی	دیگر رجسٹرڈ پارٹیاں	آزاد	پارٹی وار پوزیشن
	۳۷۲۳۷۲		۸۹۵۶۴	۱۲۲۳۹۱	۸۴۸۱۳	سی پی آئی (ایم)۔۴، فارورڈ بلاک ۔۲، فارورڈ بلاک (ایس)۔ ۱ آئی این سی ۔۱ ، آزاد ۔ ۱
	۵۲۷۸۱۱		۱۱۷۸۲۶	۱۳۵۱۱	۳۸۲۱۸	سی پی آئی (ایم)۔۶، آر ایس پی ۔ ۵، آئی این سی ۔ ۱
	۱۱۹۲۲۸	۱۶۱۴۹۸	۲۸۷۵۴	۴۹۶۹۷	۳۷۰۵۶	سی پی آئی (ایم)۔۲ ، جی این ایل ایف ۔ ۳
	۳۴۸۷۳۶		۱ ۳۳۳۰	۲۳۲۸۰	۱۲۷۲۶	سی پی آئی (ایم)۔۱، فارورڈ بلاک ۔۲، سی پی آئی ۔۱، آئی این سی ۔ ۳
	۱۸۳۱۴۵		۱۱۹۵۸۲	۶۶۵	۱۸۶۵۳	سی پی آئی (ایم)۔ ۲ ، آر ایس پی ۔ ۳
	۶۰۶۳۶۸		۱۳۹۴۱۷	۴۷۸۵	۲۴۳۵۰	سی پی آئی (ایم)۔ ۲ ، فارورڈ بلاک ۔ ۱ ، آئی این سی ۔ ۸
	۱۱۴۳۸۵		۱۴۰۹۹۹	۱۴۷۵۰	۱۰۵۷۱۶	سی پی آئی (ایم)۔۵ ، آر ایس پی۔۴، آئی این سی۔۹ ، آزاد ۔ ۱
	۹۰۰۵۵۳		۱۷۲۳۱۵	۱۰۴۹۷۲	۲۳۰۱۹	سی پی آئی (ایم)۔۱۰ ، آئی این سی ۔ ۵
	۱۶۸۵۷۱۳		۲۵۱۶۱۲	۷۴۷۷۴	۴۲۲۹۴	سی پی آئی (ایم)۔۲۱، فارورڈ بلاک۔۲، آر ایس پی۔۱ ، آئی این سی ۔ ۴
	۱۳۴۹۵۰۳		۱۳۲۸۴۴	۸۸۷۶	۱۷۷۵۱۴	سی پی آئی (ایم)۔۴، آر ایس پی۔۲ ، آئی این سی۔۷ ، آزاد ۔ ۲
	۱۱۳۸۶۱۴		۱۴۷۹۵۴	۶۳۲۹۲	۲۷۱۰۰	سی پی آئی (ایم)۔۷ ، فارورڈ بلاک۔۱، آر ایس پی۔۱ ، آئی این سی۔ ۱۵
	۹۵۳۵۶۰		۱۱۴۷۴۲	۳۴۸۶۲	۲۱۶۷۷	سی پی آئی (ایم)۔۷ ، فارورڈ بلاک ۔ ۱ ، آئی این سی۔۸
۷۰۱۲…	۱۰۷۱۱۸۲		۱۱۳۳۶۱	۱۴۰۹۸	۱۸۱۵۱	سی پی آئی (ایم)۔۱۰، فارورڈ بلاک ۔ ۳ ، مارکسی فارورڈ بلاک ۔۱، آئی این سی ۔۵
	۱۶۷۲۰		۱۷۰۲۴۷	۱۲۱۶۹۸	۱۷۹۴۰۲	سی پی آئی (ایم)۔۱۸، سی پی آئی۔۴، سمتا پارٹی۔۳، ڈی ایس پی۔۲ بی بی سی۔۱ آئی این سی ۔ ۸ ، جھارکھنڈ (نارائن) ۔ ۱
	۳۷۰۸۰۴		۲۵۲۹۷	۱۰۷۰۲۸	۴۱۸۶۴	سی پی آئی (ایم)۔ ۸ ، فارورڈ بلاک ۔ ۲ ، آئی این سی ۔ ۱
	۴۵۸۶۳۴		۱۱۰۵۴۴	۵۶۸۳۰	۲۷۳۲۶	سی پی آئی (ایم)۔۱۰، سی پی آئی ۔۱، آر ایس پی ۔ ۱، فارورڈ بلاک ۔ ۱
۷۹۵۷…	۱۲۰۱۳۳۲		۲۴۹۴۲۵	۵۲۶۲۰	۵۷۲۴۳	سی پی آئی (ایم)۱۹، فارورڈ بلاک۔۲، مارکسی فارورڈ بلاک ۔۱، آئی این سی ۔۴
	۴۵۹۸۲۴		۱۴۴۸۹۷	۴۳۰۷۷	۳۶۴۳۱	سی پی آئی (ایم)۔۴، فارورڈ بلاک ۔۴، آر ایس پی ۔۱، آئی این سی ۔۳
۱۵۰۹…	۱۴۵۲۳۹۹۴	۱۶۱۴۹۸	۲۳۷۳۹۸۰	۸۸۴۱۷۹	۹۷۳۵۵۳	

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کیل

اضلاع کے نام	رائے دہندگان	ڈالے گئے جائز ووٹ	رد کردہ ووٹ	سی پی آئی (ایم)	آئی این سی	بی جے پی
کوچ بہار	۱۲۴۴۱۴۵	۱۰۳۰۲۰۲ (۸۲٫۸۰)	۲۴۳۵۹ (۲٫۳۱)	۲۲۹۱۲۴ (۲۲٫۱۴)	۳۳۸۰۱۵ (۳۲٫۸۱)	۳۶۷۷۱ (۱۳٫۲۸)
جلپائی گوڑی	۱۶۰۵۵۲۰	۱۲۲۰۲۶۹ (۷۶٫۰۰)	۳۹۰۲۴ (۳٫۱۰)	۳۸۷۳۸۷ (۳۱٫۷۵)	۴۰۴۰۶۵ (۳۳٫۱۱)	۱۳۹۸۷۰ (۱۱٫۴۶)
دارجلنگ	۸۳۰۳۱۵	۵۴۰۴۹۲ (۶۵٫۱۱)	۲۰۸۱۷ (۳٫۷۱)	۱۷۰۲۹۳ (۳۱٫۵۰)	۱۱۳۴۵۳ (۲۰٫۹۸)	۳۶۷۹۳ (۶٫۸۱)
دیناجپور (مغرب)	۱۷۱۸۹۵۵	۱۲۹۳۰۷۹ (۷۵٫۲۲)	۳۸۴۹۳ (۲٫۸۹)	۲۸۳۷۴۴ (۲۱٫۹۴)	۴۸۱۴۸۳ (۳۷٫۲۴)	۲۲۸۹۵۰ (۱۷٫۷۱)
مالدہ	۱۴۵۴۶۲۲	۱۱۲۰۵۷۲ (۷۷٫۰۴)	۲۷۹۵۴ (۲٫۴۳)	۴۳۳۱۳۵ (۳۸٫۶۵)	۴۲۲۰۷۷ (۳۷٫۶۶)	۸۳۷۶۸ (۱۶٫۴۰)
مرشد آباد	۲۷۳۱۱۵۵	۲۰۷۲۲۸۳ (۷۵٫۸۷)	۵۳۹۱۱ (۲٫۵۴)	۵۰۰۴۳۵ (۲۴٫۱۵)	۷۵۴۷۷۰ (۳۶٫۴۲)	۱۳۹۳۴ (۱۵٫۱۵)
ندیا	۲۱۶۲۱۳۱	۱۷۵۲۹۵۸ (۸۱٫۰۷)	۳۸۲۴۴ (۲٫۱۳)	۷۰۹۲۶۴ (۴۰٫۴۶)	۶۲۹۹۹۷ (۳۵٫۹۴)	۶۲۳۴۷ (۱۵٫۰۲)
۲۴ پرگنہ (شمال)	۳۹۹۸۲۳۷	۳۱۰۷۸۱۲ (۷۷٫۷۳)	۷۱۹۷۸ (۲٫۲۶)	۱۱۲۴۰۵۷ (۳۶٫۱۷)	۱۱۴۰۳۵۱ (۳۶٫۷۰)	۱۸۴۵۲ (۱۳٫۴۶)
۲۴ پرگنہ (جنوب)	۴۰۲۳۸۶۹	۳۰۷۵۴۸۸ (۷۶٫۴۳)	۶۶۸۸۲ (۲٫۱۳)	۱۳۸۰۹۶۰ (۴۴٫۹۰)	۱۱۵۹۰۴۶ (۳۷٫۴۹)	۲۶۲۶۱۰ (۹٫۵۴)
کلکتہ	۲۸۲۶۶۶۲	۱۷۷۷۶۹۰ (۶۲٫۸۹)	۴۲۴۹۱ (۲٫۳۳)	۵۳۵۱۵۵ (۳۰٫۱۰)	۷۴۸۸۱۸ (۴۲٫۱۲)	۲۱۸۲۱۲ (۱۲٫۲۸)
ہوڑہ	۲۴۶۰۴۱۰	۱۷۴۹۸۸۲ (۷۱٫۱۲)	۳۷۹۸۴ (۲٫۱۲)	۶۰۱۷۱۵ (۳۴٫۳۹)	۷۱۲۰۱۵ (۴۰٫۶۹)	۱۳۶۳۷ (۹٫۳۵)
ہگلی	۲۸۱۴۷۷۱	۲۱۵۷۶۸۷ (۷۶٫۶۶)	۴۴۷۳۶ (۲٫۰۳)	۸۲۸۷۹۹ (۳۸٫۴۱)	۸۴۹۲۶۱ (۳۹٫۳۶)	۱۷۲۵۷۰ (۸٫۰۰)
مدناپور	۴۷۹۴۸۴۶	۳۷۵۸۵۲۸ (۷۸٫۳۹)	۸۳۸۴۱ (۲٫۱۸)	۱۵۰۵۳۰۷ (۴۰٫۰۵)	۱۲۷۱۸۸۵ (۳۳٫۸۲)	۲۲۴۰۵۱ (۵٫۹۶)
پرولیا	۱۴۲۴۴۸۰	۱۰۰۲۰۷۵ (۷۰٫۲۵)	۳۴۴۱۹ (۳٫۴۲)	۴۱۵۹۶۰ (۴۱٫۵۱)	۲۸۵۶۸۵ (۲۸٫۵۱)	۵۴۹۱۵ (۵٫۴۸)
بانکوڑہ	۱۷۷۰۱۵۸	۱۳۲۰۱۴۱ (۷۴٫۵۸)	۳۹۷۱۶ (۲٫۹۲)	۵۹۳۷۸۵ (۴۴٫۹۸)	۳۷۶۰۷۷ (۲۸٫۴۹)	۹۹۶۴۸ (۷٫۵۵)
بردوان	۳۹۵۶۱۲۰	۲۸۶۶۵۲۶ (۷۲٫۴۶)	۷۴۸۱۴ (۲٫۵۴)	۱۴۰۵۵۲۱ (۴۹٫۰۳)	۸۵۳۴۷۸ (۲۹٫۷۷)	۲۰۱۱۵۵ (۷٫۰۱)
بیربھوم	۱۵۷۱۰۴۹	۱۱۵۲۵۴۵ (۷۳٫۳۶)	۴۴۳۶۲ (۳٫۷۱)	۳۰۸۴۷۵ (۲۶٫۷۶)	۳۱۳۰۰۳ (۲۷٫۱۶)	۹۸۴۵۹ (۸٫۹۵)
کل	۴۱۳۸۷۵۴۵	۳۰۹۹۸۴۲۹ (۷۴٫۸۹)	۷۸۴۰۲۵ (۲٫۵۴)	۱۱۴۱۳۱۱۲ (۳۶٫۸۲)	۱۰۸۶۳۴۷۹ (۳۵٫۰۴)	۳۷۶۴۲ (۱۱٫۴۱)

ـام انتخابات ۱۹۹۱ء کے ضلع وار نتائج

آئی	جنتا پارٹی	جنتا دل	لوک دل / آئی سی ایس	آل انڈیا فارورڈ بلاک	آر ایس پی	مسلم لیگ	رجسٹرڈ پارٹیاں	آزاد
–	–	–	–	۳۰۲۰۷۶ (۲۹٫۳۲)	–	–	۱۷۰۳۹ (۱٫۶۵)	۷۱۰۷ (۰٫۷۰)
۱۶ (۳	–	–	–	۴۰۴۹۲ (۳٫۳۲)	۲۰۱۳۹۶ (۱۶٫۵۱)	–	۱۵۲۸۵ (۱٫۲۵)	۳۱۷۷۴ (۲٫۹۰)
(۳٫۰۲	–	–	–	–	–	–	۱۳۵۸۴۷ (۲۵٫۱۲)	۶۷۹۰۰ (۱۳٫۵۶)
۴۳۷ (۳٫۳	۱۳۷۹ (۰٫۱۰)	–	–	۷۳۳۲۳ (۵٫۶۶)	۱۵۰۲۰۷ (۱۱٫۶۲)	۱۰۰ (۰٫۰۱)	۹۳۶۷ (۰٫۷۲)	۲۰۷۳۸ (۱٫۶۹)
–	–	–	–	۴۶۲۷۳ (۴٫۱۳)	–	۴۹۱۸ (۰٫۴۴)	۱۳۷۱۷ (۱٫۲۲)	۶۶۸۴ (۱٫۶۰)
۴۸۷ (۳٫۳	۸۴۲۷ (۰٫۴۱)	–	–	۵۸۴۲۳ (۲٫۸۲)	۳۱۴۰۸۸ (۱۵٫۱۶)	۴۰۳۴ (۰٫۱۹)	۱۲۷۱۰ (۰٫۶۱)	۵۶۷۱۲ (۲٫۷۴)
–	۴۶۹۴ (۰٫۲۷)	–	–	–	۳۵۴۶۷ (۲٫۰۲)	–	۸۰۴۰۹ (۴٫۵۹)	۲۹۷۸۰ (۱٫۷۰)
–	۸۵۷۹ (۰٫۲۷)	۴۲۵۳۳ (۱٫۳۷)	–	۲۱۸۳۲۹ (۷٫۰۲)	۶۶۳۹۷ (۲٫۱۴)	۱۲۸۳۰ (۰٫۴۱)	۳۲۵۹۵ (۱٫۰۵)	۴۳۶۹۲ (۱٫۴۱)
–	۱۸۳۰ (۰٫۰۶)	–	–	–	۱۰۲۸۵۴ (۲٫۳۴)	۲۶۶۳ (۰٫۰۹)	۲۰۷۲ (۰٫۰۷)	۱۶۳۴۵۳ (۵٫۳۱)
۱۲۰۱ (۰٫۶	۳۶۳۵ (۰٫۲۰)	۴۱۲۵۲ (۲٫۳۲)	۱۲۱ (۰٫۰۱)	۸۴۳۱۲ (۴٫۷۴)	۷۳۳۹۳ (۴٫۱۳)	–	۴۵۵۱ (۰٫۲۶)	۵۶۲۲۰ (۳٫۱۶)
–	۳۳۰۷ (۷٫۱۹)	۲۴۷۶۰ (۱٫۴۱)	۸۷۶ (۰٫۰۵)	۲۲۳۴۰۰ (۱۲٫۷۷)	–	–	۷۴۰۷ (۰٫۴۲)	۱۲۷۶۵ (۰٫۷۳)
–	–	۲۸۳۶۳ (۱٫۳۰)	–	۱۹۴۵۵۰ (۹٫۰۲)	–	–	۹۴۹۹ (۰٫۴۵)	۷۴۴۴۵ (۳٫۴۶)
۳۶۶۴۳ (۹٫۷۵	۴۹۷۸ (۰٫۱۳)	۴۱۸۳۴ (۱٫۱۱)	–	–	–	۱۱۶۳ (۰٫۰۳)	۲۹۳۶۴۳ (۷٫۰۲)	۷۹۳۳۲ (۲٫۱۱)
–	۲۸۴۴ (۰٫۲۸)	–	–	۱۲۳۹۰۲ (۱۲٫۳۶)	–	–	۸۸۴۷۳ (۸٫۸۳)	۳۰۲۹۶ (۳٫۰۳)
۵۵۵۶ (۴٫۲۱	۲۶۶۵ (۰٫۲۰)	–	–	۶۲۳۴۸ (۴٫۷۳)	۴۲۲۸۰ (۳٫۲۰)	–	۶۹۸۵ (۰٫۵۳)	۸۰۷۵۲ (۶٫۱۱)
–	۵۰۱۵ (۰٫۱۷)	۳۰۳۰۹ (۱٫۰۶)	–	۱۰۲۵۴۷ (۳٫۵۸)	–	–	۳۵۷۰۶ (۱٫۲۵)	۳۲۲۹۵ (۱٫۱۳)
–	۲۶۸۷ (۰٫۲۴)	–	–	۱۷۷۶۶۴ (۱۵٫۴۱)	۴۷۹۸۸ (۴٫۱۴)	۲۴۴۸ (۰٫۲۱)	۴۷۸۰۵ (۴٫۱۵)	۳۴۰۲۰ (۲٫۹۹)
۵۴۲۹۶ (۱٫۷۵)	۵۰۰۳۷ (۰٫۱۶)	۲۰۹۰۵۱ (۰٫۶۷)	۱۲۱ (۰٫۰۰۳) / ۸۷۶ (۰٫۰۰۹)	۱۷۰۷۶۷۶ (۵٫۵۱)	۱۰۳۴۰۷۰ (۳٫۳۴)	۲۸۱۵۶ (۰٫۰۹)	۷۸۳۳۱۰ (۲٫۵۳)	۸۲۷۹۳۵ (۲٫۶۷)

مغربی بنگال میں

اسمبلی انتخابات کے نتائج برائے ۱۹۹۱ و ۱۹۹۶ء

ایک خاکہ
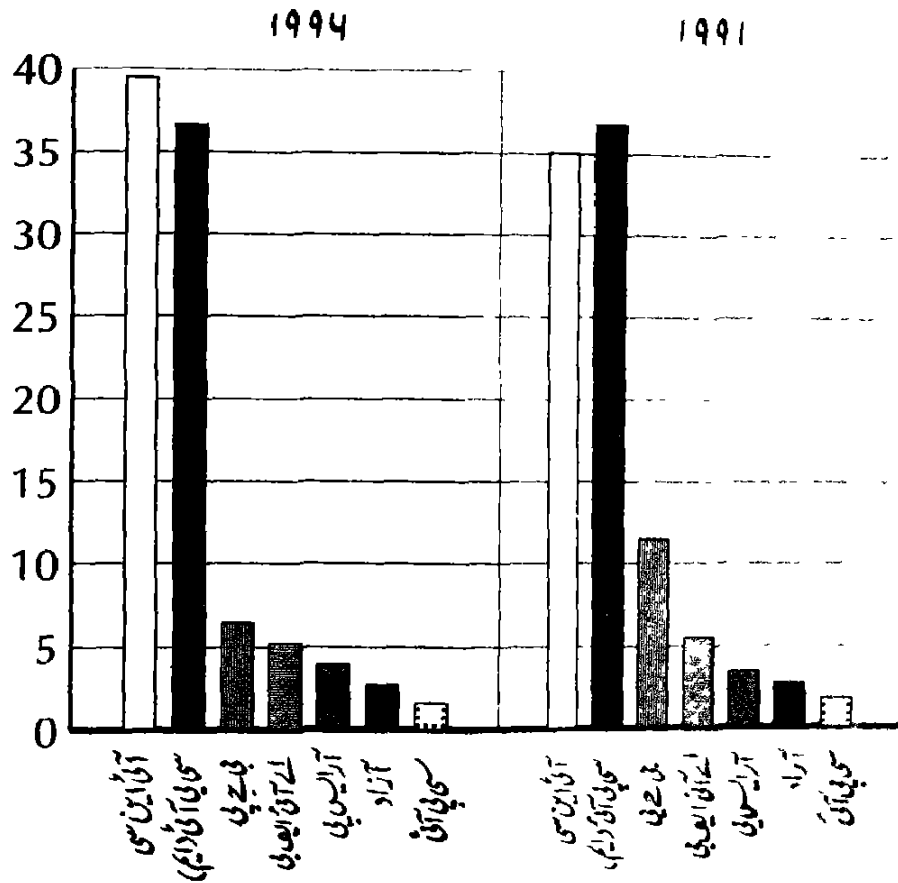
سال	آئی این سی	سی پی آئی (ایم)	بی جے پی	اے آئی ایف بی	آر ایس پی	آزاد	سی پی آئی
۱۹۹۶	۳۹٫۴۸	۳۶٫۶۷	۶٫۴۵	۵٫۲۰	۳٫۸۹	۲٫۶۴	۱٫۵۴
۱۹۹۱	۳۵٫۰۴	۳۶٫۸۲	۱۱٫۴۱	۵٫۵۱	۳٫۳۴	۲٫۶۷	۱٫۷۵

مغربی بنگال اسمبلی انتخابات ۱۹۹۶ء کے مفصّل نتائج

۱- میکھلی گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۴۸۷۰
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۳۵۲۶ (۹۱.۹۰ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۶۴۱۳
۱- پریش ادھیکاری - ایف بی (ایس) ۲۷۶۴۴
۲- انل رائے، بی ایس پی۔ ۲۵۰۸
۳- ایرام رائے، آزاد۔ ۱۸۳۹
۴- بارائی چندر برمن، آمرا بنگالی۔ ۲۳۳۲
۵*- رمیش رائے، اے آئی ایف بی۔ ۴۰۹۸۲
۶- ستیش چندر رائے، بی جے پی۔ ۱۲۱۰۹
۷- سنیل چندر رائے، آئی این سی۔ ۳۸۹۹۹

۲- شیتل کوچی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۴۳۱۱
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۳۳۰۲ (۹۲.۴۴ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۹۴۸۹
۱- نریندر نارائن برما، آئی این سی ۴۲۲۲۷
۲- سودھار نجن رائے، ایف بی (ایس)۔ ۱۶۲۸
۳*- سدھیر پرامانک، سی پی آئی (ایم) ۷۴۹۸۴
۴- سوبودھ برمن، آمرا بنگالی ۵۲۳
۵- ہیم چندر برمن، بی جے پی ۱۰۱۲۷

۳- ماتھابھانگا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۲۰۸۴
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۶۶۱۲ (۸۹.۰۹ فیصد) ۱- اشوک داس، آزاد۔ ۹۸

جائز ووٹ :- ۱۲۲۸۸۸
۱- ہری پد ادھیکاری، ایف بی (ایس) ۵۲۸
۲- ابیناس سنہا، بی جے پی۔ ۱۰۶۲۴
۳*- دنیش چندر ڈاکوا، سی پی آئی (ایم) ۶۴۰۵۲
۴- جاتیندر ناتھ برمن، آئی این سی۔ ۴۶۷۳۱
۵- سچندر ناتھ برمن، آمرا بنگالی۔ ۹۵۳

۴- کوچ بہار (شمال)

کل ووٹ :- ۱۴۸۹۷۹
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۸۳۶۴ (۸۶.۱۶)
جائز ووٹ :- ۱۲۵۶۶۵
۱- اپراجیتا گوپی، اے آئی ایف بی ۵۲۵۱۱
۲- نیرپندر پرساد کارجی، آمرا بنگالی۔ ۲۳۸
۳- پاپیا برمن، بی ایس پی۔ ۱۲۶۸
۴- بادل رائے، آزاد ۳۲۸
۵- بمل کانتی باسو، ایف بی (ایس) ۱۷۳
۶*- مہیر گوسوامی - آئی این سی ۵۹۲۷۵
۷- سبھاش چکرورتی، آزاد۔ ۱۷۲
۸- ہری پدا پال، بی جے پی ۱۰۰۷۰

۵- کوچ بہار (مغرب)

کل ووٹ :- ۱۶۱۱۷۴
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۳۸۷۱ (۸۹.۲۶)
جائز ووٹ :- ۱۴۰۷۷۵

۲- عبدالجلیل احمد آئی این سی۔ ۵۳۹۵۰
۳- نریپن کارجی، آزاد۔ ۸۴۲
۴- مانک چندر داس، ایف بی (ایس) ۶۵۱۴
۵- شیام چرن سرکار، بی جے پی۔ ۱۱۵۴۴
۶*- سومندرا چندر داس، اے آئی ایف بی۔ ۶۷۶۸۶
۷- ہری بالا رائے، آمرا بنگالی۔ ۱۴۱

۶- سیتائی

کل ووٹ :- ۱۶۵۱۲۶
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۹۹۳۲ (۹۰.۸۰)
جائز ووٹ :- ۱۴۵۸۵۱
۱- اشوک منڈل، آئی این سی۔ ۱۳۴۳۶
۲- چوہترا رائے سرکار، آزاد۔ ۴۰۹
۳- دینیش رائے، بی ایس پی۔ ۱۲۴۱
۴- نریندر ناتھ رائے، اے آئی ایف بی۔ ۳۷۰۲۴
۵- پراسندر ناتھ چکرورتی، بی جے پی ۷۱۵۱
۶*- ڈاکٹر محمد فضل حق، آزاد ۷۹۹۱۲

۷- دین ہاٹا

کل ووٹ :- ۱۶۷۰۸۳
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۶۱۱۵ (۸۷.۵۴ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۴۲۲۷۰
۱*- کمل گوہا، ایف بی (ایس) ۷۰۵۳۱
۲- کمل دے سرکار، آئی این سی۔ ۲۹۸۹۹
۳- محمد بشیر بیوپاری، آزاد۔ ۴۵۴
۴- دیپک سین گپتا، اے آئی ایف بی ۳۷۵۲۰

۵۔ جوگیش چندر رائے، بی جے پی ۔ ۳۸۰۵

۸۔ ناٹا باڑی

کل ووٹ ۔ ۱۳۶۱۰۳
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۴۷۲۹ (۹۱٫۶۴ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۱۷۲
۱۔ انیس الدین احمد، آزاد ۔ ۳۰۴
۲۔ عبدالرحمٰن، ایس یو سی آئی ۱۴۴
۳۔ دلیپ رائے، آمرا بنگالی ۱۴۹
۴۔ نارائن چندر داس، بی ایس پی ۲۱۲۶
۵۔ سریندر ناتھ گھوش، آئی این سی ۳۱۶۴۷
*۶۔ سیسمدر ناتھ چودھری، سی پی آئی (ایم) ۵۷۸۳
۷۔ رسمدر ناتھ برمن، بی جے پی ۔ ۱۰۵۵۶

۹۔ طوفان گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۳۸۱۸۴
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۴۵۶۹ (۹۰٫۱۴ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۱۳۲۰
*۱۔ تپسیا چندر داس، سی پی آئی (ایم) ۶۶۴۳۶
۲۔ سمیر ناتھ منڈل، آزاد ۲۹۵
۳۔ بیتور گائن، ایس جے پی ۔ ۵۶۴
۴۔ سکمار چندر داس، آئی این سی ۔ ۳۹۵۸۳
۵۔ سکھندر ناتھ سرما، بی ایس پی ۔ ۹۳۴
۶۔ مریندر ناتھ رائے کوسگر، بی جے پی ۔ ۱۳۵۰۸

۱۰۔ کمارگرام (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۱۳۵۳۳۸
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۷۲۹۷ (۸۶٫۶۷ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۱۳۰۷۴
۱۔ سمر چندر آکا، آزاد ۔ ۷۶

۲۔ کرسٹا چک ملک، آئی این سی ۔ ۴۱۵۸۰
۳۔ جارج تیسرا، آزاد ۔ ۹۵۹
۴۔ مھریا اوراؤں، آزاد ۔ ۴۳۶
۵۔ لودھا اوراؤں، بی جے پی ۔ ۱۰۳۳۷
*۶۔ سالب ٹوپو، آر ایس پی ۔ ۵۹۰۳۲
۷۔ سلاس لالا، ایس جے پی ۔ ۶۵۴

۱۱۔ کال چینی (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۱۳۷۶۳۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۰۵۰۲ (۸۰٫۲۹)
جائز ووٹ ۔ ۱ ۴۲۰۴
۱۔ ایمبرن میلوں کوجور، آزاد ۔ ۷۸۷
۲۔ کھودی رام پاہان، آئی این سی ۔ ۴۵۲۸۷
۳۔ تیتاری اوراؤں، آزاد ۔ ۳۵۷۰
۴۔ بابر حسین اوراؤں، آزاد ۔ ۲۱۲۹
*۵۔ منوہر ترکی، آر ایس پی ۴۸۱۴۱
۶۔ رسیدر کمار ریما، بی جے پی ۔ ۳۹۳۵
۷۔ لال من لاما، آزاد ۳۵۵

۱۲۔ علی پور دوار

کل ووٹ ۔ ۱۵۹۸۵۸
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۴۱۸۳ (۸۳٫۹۴ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۳۰۶۳۲
۱۔ کیتش سکدر، بی جے پی ۔ ۸۸۵۲
۲۔ پکھل چندر رائے بیر، آزاد ۔ ۵۲۳
*۳۔ نرمل داس، آر ایس پی ۔ ۶۸۴۷۶
۴۔ پربھا ادھیکاری، آمرا بنگالی ۔ ۴۴۴
۵۔ سندر لال رکھشت، آئی این سی ۔ ۵۱۶۸۵
۶۔ شانتو کرمکار، آزاد ۳۵۲

۱۳۔ فالاکاٹا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۴۳۰۴۳
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۶۰۱۲
جائز ووٹ ۔ ۱۲۲۷۴۳ (۸۸٫۰۹ فیصد)
۱۔ گوبندر ناتھ برمن، آئی این سی ۔ ۴۷۳۲۷
۲۔ نریش چندر برمن، آمرا بنگالی ۔ ۵۸۴
*۳۔ جوگیش چندر برمن، سی پی آئی (ایم) ۶۴۷۵۶
۴۔ راجن ادھیکاری، بی جے پی ۔ ۹۴۰۶

۱۴۔ مداری ہاٹ (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۱۳۲۹۲۹
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۲۱۷۹ (۸۴٫۳۹ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۰۵۹۶۸
۱۔ گوپال اوراؤں، آزاد ۔ ۸۹۷
۲۔ پدما گھیسنگ، بی جے پی ۔ ۶۸۹۹
۳۔ پشپا رانی لیلی کیدو، آئی این سی ۔ ۳۳۰۸۵
۴۔ بلکان بارا، آزاد ۔ ۳۵۰۲
۵۔ جوزف زالکو، آزاد ۔ ۳۸۵۲
*۶۔ سوشیل کوجور، آر ایس پی ۵۷۶۶۳

۱۵۔ دھوپ گوڑی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۳۵۹۳۷
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۹۴۷۷ (۸۷٫۸۹)
جائز ووٹ ۔ ۱۱۶۵۷۸
۱۔ آنند موہن رائے، آزاد ۔ ۱۰۲۷
۲۔ کھوکا رام رائے پرمانک، آزاد ۔ ۱۸۰۱
۳۔ گوبندا رائے، فارورڈ بلاک (ایس) ۲۷۰
۴۔ جگدانند رائے، آزاد ۔ ۴۲۷
۵۔ نریندر ناتھ رائے، آئی این سی ۔ ۲۵۶۷۹
*۶۔ منومالی رائے، سی پی آئی (ایم) ۵۷۷۱۴
۷۔ وشنو پدا رائے، بی جے پی ۔ ۲۰۷۸۴

۸۔ رائے چرن سدھیا، آزاد، ۳۶۴
۹۔ ہری پدا مجمدار، آزاد۔ ۱۳۳

۱۶۔ ناگراکاٹا (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :۔ ۱۵۳۶۷۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۰۵۷۳ (۹۷ء۸۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۱۸
*۱۔ جیتن منڈا، سی پی آئی (ایم)، ۲۔ ۷۱۲۷
۲۔ دسرتھ اوراؤں، آزاد۔ ۲۱۳۳
۳۔ بسنت اوراؤں، آزاد۔ ۵۹۸۵
۴۔ مادم سنتھال، بی جے پی۔ ۶۰۱۱
۵۔ دکڑ لاکرا، آئی این سی۔ ۳۶۴۰۰

۱۷۔ مینا گوڑی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔۔ ۱۴۴۴۵۱
ڈالے گئے ووٹ: ۱۲۶۶۹۵ (۸۷ء۷۱ فیصد)
جائز ووٹ ۔۔ ۱۲۱۹۸۷
۱۔ گووندا رائے، فارورڈ بلاک (والیس) ۲۹۵
۲۔ چکرادھر رائے، آزاد۔ ۳۳۴
۳۔ سریندرا ناتھ برمن، آزاد۔ ۴۰۲
۴۔ نارائن چندر رائے، بی جے پی۔ ۱۱۴۲۲
*۵۔ بچھاؤ سن رائے، آر ایس پی ۶۶۱۵۳
۶۔ مدھو سودن رائے، آزاد۔ ۲۵۵
۷۔ سی متھا رائے باسونیہ، آئی این سی۔ ۴۲۴۶۸
۸۔ سنت چندر رائے، آمرا بنگالی۔ ۲۸۷
۹۔ سرلتی چندر رائے، آزاد ۳۷۱

۱۸۔ مال (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :۔ ۱۳۶۶۷۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۶۱۵۴ (۸۴ء۹۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۰۵۲۴
*۱۔ جگن ناتھ اوراؤں، سی پی آئی (ایم) ۶۰۵۵۹
۲۔ توری کوے منڈا، آئی این سی۔ ۴۴۵۵۰
۳۔ چھیندرا لال متسدی، بی جے پی۔ ۳۶۷۲
۴۔ مہابیر اوراؤں، آزاد ۱۷۴۳

۱۹۔ کرانتی

کل ووٹ :۔ ۱۲۸۴۳۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۳۷۵۶ (۸۸ء۵۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۰۷۷۹
۱۔ کلیپ دیو شرما، بی جے پی۔ ۶۸۳۵
۲۔ چندر شیکھر چودھری، آزاد۔ ۱۹۴
۳۔ رمانی موہن رائے، آزاد۔ ۴۱۹
*۴۔ سدھن راہا، سی پی آئی (ایم) ۶۱۸۰۳
۵۔ سبرتو اوراؤں، آزاد۔ ۱۷۵۴
۶۔ سبھاش داس، آئی این سی۔ ۳۹۷۷۴

۲۰۔ جلپائی گوڑی

کل ووٹ :۔ ۱۳۳۹۸۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۴۰۷۵ (۸۵ء۱۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۰۸۲۳
*۱۔ انوپم سین، آئی این سی ۴۸۵۹۷
۲۔ امیت موئترا، آزاد۔ ۵۳۳
۳۔ کھیتیش چندر منڈل، بی ایس پی، ۲۱۴۰
۴۔ تیرتھا دیب رائے، آزاد۔ ۲۸۲
۵۔ مکلیش چندر سانیال، فارورڈ بلاک (والیس) ۵۴۳۳
۶۔ ربندرا نارائن چودھری (نارو چودھری)، بی جے پی۔ ۴۶۸۹
۷۔ شنکر داس، سی پی آئی (ایم ایل) ۹۳۷
۸۔ سدھانشو مجمدار، اے آئی ایف بی ۴۴۸۸۹
۹۔ سبراتو دتہ گپتا، آزاد ۱۱۱۸

۲۱۔ راج گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۲۳۹۱۳۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۹۴۵۲۲ (۸۱ء۳۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۸۸۴۳۴
۱۔ ابھیت کمار رائے، آئی این سی۔ ۶۱۰۷۹
۲۔ کالی چرن رائے، آزاد۔ ۱۸۸۶
۳۔ کھیتیش ساہا، فارورڈ بلاک (والیس) ۸۵۵
۴۔ کھودی رام برمن، آزاد۔ ۱۱۷۰
*۵۔ جتیندر ناتھ رائے، سی پی آئی (ایم) ۹۹۰۵۳
۶۔ جوگیندر ناتھ رائے، بی جے پی۔ ۲۲۷۷۹
۷۔ شانتی کمار سرکار، بی ایس پی۔ ۱۲۱۱
۸۔ ہریندر ناتھ رائے، آمرا بنگالی۔ ۴۰۱

۲۲۔ کالمپونگ

کل ووٹ :۔ ۱۳۹۳۵۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۴۰۹ (۷۲ء۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۹۱۳۴۷
۱۔ اشوک رائے، آزاد۔ ۳۸۶
۲۔ گرجیمان سنگھ ستوری، آزاد۔ ۳۱۴
*۳۔ گولام لیپچا، جی این ایل ایف۔ ۵۰۳۶۲
۴۔ نوردن لاما، اے بی جی ایل۔ ۱۷۱۲۱
۵۔ یاسنگ سادا، آزاد۔ ۲۱۱
۶۔ پورن لوہار، بی جے پی۔ ۲۱۱۴
۷۔ بنوئے کھاتی، آزاد۔ ۵۱۲
۸۔ این ٹی مکتان، آزاد۔ ۹۶۸۳
۹۔ موہن سنگھ رائی، سی پی آئی (ایم) (موہن ڈکھن) ۸۲۴۲
۱۰۔ لیسرلی چاٹر، آزاد۔ ۹۰۵
۱۱۔ سورین کھاتی، آزاد ۱۴۹۷

۲۳۔ دارجلنگ

کل ووٹ :۔ ۱۵۲۴۰۹

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۰۴۳ (۷۰٫۲۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۱۲۰۳

۱۔ احمد منصور، مسلم لیگ۔ ۳۱۶

۲۔ کملا شنکر تیواری، سی پی آئی (ایم) ۲۶۰۴۴ ★

۳۔ نر بہادر چھیتری، جی این ایل ایف۔ ۵۱۵۰۱

۴۔ پرسود تمنگ، آزاد۔ ۶۹

۵۔ پرملاد پرساد گپتا، بی جے پی، ۲۶۰۲

۶۔ جوشیا پیما شیرنگ لاما، آزاد ۳۸۶

۷۔ مدن کمار رائی (سنتوش)، ایس یو سی آئی۔ ۱۹۵۳

۸۔ راجہ رائی، اے آئی آئی سی، تیواری۔ ۱۱۸۱

۲۴۔ کرسیانگ

کل ووٹ ۔ ۱۵۱۸۹۸

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۳ ۱۱۵۷ (۷۶٫۱۲ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۰۹۹۳

۱۔ تلسی بھنڈاری، سی پی آئی (ایم) ۴۰۶۴

۲۔ پارتی پردھان (پاروتی)، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۲۷

۳۔ منوج دیوان، اے بی ایل۔ ۶۳۷

۴۔ شانتا چھیتری، جی این ایل ایف۔ ۵۹۶۳۵ ★

۲۵۔ سلی گوڑی

کل ووٹ ۔ ۲۶۴۴۶۵

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۹۹۲۱۷ (۷۵٫۳۳ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۹۱۷۲۹

۱۔ امر بہادر تھاپا، آزاد ۱۲۳۴۵

۲۔ ارون پرساد سرکار، ایس یو سی آئی ۹۴۱

۳۔ اشوک بھٹاچاریہ، سی پی آئی (ایم)، ۱۰۶۰۹۲ ★

۴۔ دسرتھ کرمکار، آزاد ۶۱۳

۵۔ بشوا مصر ڈالمیا، آزاد ۱۲۶۱

۶۔ پریندرا ناتھ رائے، آزاد۔ ۱۴۷۳

۷۔ مال سنگھ رائی، آزاد۔ ۲۵۷۵

۸۔ ڈاکٹر ایم پی ٹھکر، بی جے پی۔ ۱۴۴۷۹

۹۔ سنکر مالا کار، آئی این سی۔ ۵۱۹۸۹

۲۶۔ پھانسی دیوا (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۲۱۱۷۰۵

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۲۔ ۱۷۵۵ (۸۲٫۹ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۶۹۰۲۹

۱۔ ایشا سریندرا ناتھ، آزاد۔ ۲۷۹

۲۔ جیوری لال منج، آئی این سی۔ ۶۷۴۳۹

۳۔ پرکاش منج، سی پی آئی (ایم) ۸۵۸۴۵ ★

۴۔ رتن کمار ہنسدا، بی جے پی ۱۵۵۹

۵۔ رادھا سدا، ایس یو سی آئی۔ ۱۳۷۹

۶۔ رام گیتش چک بارائک، آزاد۔ ۳۹۳۶

۷۔ ریگنا ریز، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) (لالو) ۵۹۲

۲۷۔ چوپڑا

کل ووٹ ۔ ۱۳۶۷۹۴

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۹۸۲۸ (۸۷٫۶۰ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۶۶۸۵

۱۔ آلوس سنگھا، آزاد۔ ۱۷۰

۲۔ برستا دتا، بی جے پی۔ ۶۵۰۴

۳۔ منصور عالم، آزاد ۱۶۰۲

۴۔ محمود الدین، سی پی آئی (ایم) ۵۶۹۵۳ ★

۵۔ محمد فاروق اعظم، آزاد۔ ۳۳۶

۶۔ حمید الرحمٰن، آئی این سی۔ ۵۳۵۶۰

۲۸۔ اسلام پور

کل ووٹ ۔ ۱۵۶۷۳۳

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۸۵۱۵ (۷۵٫۶۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۴۵۲۸

۱۔ ابھی جیت دے، آزاد ۱۹۲

۲۔ چودھری عبدالکریم، آئی این سی۔ ۵۰۳۴۳ ★

۳۔ نتیہ نندا منڈل، بی ایس پی۔ ۸۰۱

۴۔ پٹیل کمل ملک، آزاد۔ ۳۶۴

۵۔ محمد افضل حسین، آزاد۔ ۴۳۵

۶۔ محمد فاروق اعظم، سی پی آئی (ایم) ۴۸۹۳۹

۷۔ رنجن ہالدار، بی جے پی ۱۱۸۲۳

۸۔ سبل شرما، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۱۳۴۱

۹۔ شعیب الرحمٰن، مسلم لیگ۔ ۲۹۹

۲۹۔ گوال پوکھر

کل ووٹ :۔ ۱۷۱۷۸۵

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۴۷۳ ۱۱ (۳۱٫۴۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۲۸۲۸

۱۔ پورن مل بھیتسوری، بی جے پی۔ ۱۷۹۰۵

۲۔ محمد شہاب الدین اشرف، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۳۶۹۳

۳۔ محمد مصطفیٰ، آئی این سی۔ ۲۳۹۳۵

۴۔ شمس الدین، مسلم لیگ۔ ۱۲۹۷

۵۔ حفیظ عالم سیرانی، اے آئی ایف بی۔ ۵۵۹۹۸ ★

۳۰۔ کرن دیگھی

کل ووٹ :۔ ۱۸۹۵۷۴

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۶۴۰۲ (۷۷٫۲۳ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۷۳۱۰

۱۔ الوپ کمار لعگت، بی جے پی۔ ۲۲۰۸۵

۲۔ گوکیل سنگھا، آزاد۔ ۱۲۳۱

۳۔ کمل گرہا، شیو سینا۔ ۳۲۱۳

۴۔ دینیش چندر سنہا، آزاد۔ ۹۳۹

۵۔ ساکار سنگھا، آزاد۔ ۸۷۳

۶۔ فاروق عادل، مسلم لیگ۔ ۸۰۰

۷۔ مختار احمد، آزاد۔ ۱۴۳۸

۸۔ سریش چندر سنگھا، اے آئی ایف بی۔ ۵۶۲۵۱ *

۹۔ حاجی سجاد حسین، آئی این سی۔ ۵۰۴۸۰

۳۱۔ رائے گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۷۷۹۳۳

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۸۶۷۹ (۸۳٫۵۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۴۳۵۴۲

۱۔ اجیت داس، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۴۴۳۶۳

۲۔ کھگندر ناتھ سنہا، سی پی آئی (ایم) ۵۳۶۱۳

۳۔ گرجا موہن رائے، بی ایس پی۔ ۸۸۴

۴۔ دلیپ کار داس، آئی این سی۔ ۵۶۲۰۳ *

۵۔ مکھن برمن، آزاد۔ ۵۵۳

۶۔ لادھو برمن، آمرا بنگالی۔ ۴۵۶

۷۔ مدن ساہا، آزاد۔ ۹۵۹

۸۔ سریش چندر داس، بی جے پی۔ ۲۴۱۴۰

۳۲۔ کالیا گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۵۰۷۸

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۴۳۱۲ (۸۶٫۶۱ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۹۰۷۲

۱۔ کورسری برمن، آمرا بنگالی۔ ۳۳۶

۲۔ جیتن چوہان، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۳۱۰۴

۳۔ پانچو دیو سرما، آزاد۔ ۶۷۸ *

۴۔ پرماتھا ناتھ رائے، آئی این سی۔ ۵۵۵۰۰

۵۔ دشنو پد برمن، آزاد۔ ۱۴۶۰

۶۔ رمانی کانت دیو شرما، سی پی آئی (ایم) ۵۰۵۴۵

۷۔ رمیندر رائے موقعے، بی جے پی۔ ۱۷۴۴۹

۳۳۔ کشمنڈی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۹۳۷۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۸۱۷۵ (۸۵٫۸۱ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۵۳۱۸

۱۔ اتول برمن، آزاد۔ ۲۴۸

۲۔ ادیناش چندر سرکار، بی جے پی۔ ۱۴۶۲۶

۳۔ کرشنا چندر سرکار، آئی این سی۔ ۴۹۲۳۲

۴۔ جیتن رائے سہا، آزاد ۶۲۲

۵۔ راجا موہن رائے، آزاد۔ ۱۲۵۴

۶۔ کھوبیندر ناتھ برمن، آزاد۔ ۱۶۰

۷۔ نرمدا چندر رائے، آر ایس پی ۵۹۱۷۶ *

۳۴۔ اٹاہار

کل ووٹ :۔ ۱۴۹۰۷۷

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۰۲۹۶ (۸۰٫۲۰ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۶۰۷۵

۱۔ اشکتی پد اچارجی، بی جے پی۔ ۵۸۶۳

۲۔ ڈاکٹر زین العابدین، آئی این سی۔ ۵۱۷۲۴

۳۔ عین الدین احمد، آزاد۔ ۳۹۵

۴۔ شیام نارائن گھوش، آمرا بنگالی۔ ۲۰۵

۵۔ منصور علی، آزاد۔ ۴۵۳

۶۔ مصلح الدین ملا، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۵۰۷

۷۔ سری کمار مکھرجی، سی پی آئی۔ ۵۹۲۸۰ *

۸۔ شری پرکاش ساہا مجمدار، آزاد۔ ۵۳۱

۹۔ سوبل رودی داس، آزاد۔ ۱۱۷

۳۵۔ گنگا رام پور

کل ووٹ :۔ ۱۸۲۷۳۷

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۹۰۴۷ (۸۷٫۰۴ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۵۱۴۱۶

۱۔ اشیم باگچی، اے آئی آئی سی (دیتوارن) ۶۶۵

۲۔ اشیتش مجمدار، بی جے پی ۱۸۸۱۶

۳۔ کالی پدو داس، آزاد۔ ۳۴۵

۴۔ چندن سین گپتا، آزاد۔ ۱۱۶۱

۵۔ جیبن جیکرورتی، آزاد۔ ۳۱۴۶

۶۔ مینوتی گھوش، سی پی آئی (ایم) ۸۴۲۱۸ *

۳۶۔ تپن (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :۔ ۱۴۰۸۳۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۳۳۵۱ (۸۷٫۵۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۰۸۲۷

۱۔ سورین کھارا، آر ایس پی۔ ۶۵۱۴۲ *

۲۔ نالس مرمو، آزاد ۵۶۵

۳۔ بنجالی اوراؤں، بی جے پی۔ ۱۲۵۹۴

۴۔ بہار مانی ہیمرم، آزاد۔ ۳۷۸

۵۔ لکشمی رام ہیمرم، آئی این سی۔ ۳۹۷۴۵

۶۔ ستو کار ایکا، آزاد۔ ۸۱۲

۷۔ سوم ناتھ ہانسدا، آزاد۔ ۱۵۹۱

۳۷۔ کمار گنج

کل ووٹ :۔ ۱۶۲۲۸۶

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۱۰۷۵ (۸۶٫۹۳ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۵۸۹۸

۱۔ انیل مسرا، بی جے پی۔ ۱۸۵۱۷

۲۔ دلیپ کمار سورین، آزاد۔ ۲۲۶۲

۳۔ دبیش چندر رائے، آزاد۔ ۳۲۷

۴۔ دویکندر ناتھ رائے، آزاد۔ ۵۲۹

۵۔ پرینیتا سنگھ رائے، آئی این سی۔ ۴۷۶۰۶

۶۔ پروبنیش چودھری، آزاد۔ ۷۷۱

۷۔ باہیتی شیر بارائن، آزاد۔ ۱۶۷

۸۔ بدوت گھوش، آزاد۔ ۱۵۴۶
۹۔ دیویکا نندسرکار، آزاد۔ ۸۰۴
۱۰۔ دشوارنجن داس، آزاد۔ ۲۲
۱۱۔منیرالدین سرکار، آزاد۔ ۲۸۸
*۱۲۔محمد ابو حسین، آزاد۔ ۳۴۵
۱۳۔ دریحیدر ناتھ رائے، آئی آئی ایم ۶۲۸۱۹

۳۸- بالورگھاٹ

کل ووٹ ۱۳۳۵۳۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۰۳۸ (۱۰ء۱ ۹ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۱۵۱۲۱
۱۔استوک کار محمدار، آزاد۔ ۹۴
۲۔سیلس حان، آئی این سی، ۴۶۵۶۲
*۳۔دشوانا تھ چودھری، آر ایس پی۔ ۵۵۱۸۳
۴۔دھیریندر ناتھ سنگھ، آزاد ۲۳۸
۵۔ بارائن چندر مرتی، آزاد ۲۸۹
۶۔پرفلودھ کارمس، آزاد۔ ۲۶۱
۷۔ مہابیر پرساد سارڈا گنی جی پی۔ ۱۱۹۶۴
۸۔ سین مردی، آزاد ۵۳۰

۳۹جبیب پور (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۱۲۸۰۷۶
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۸۱۷۲ (۸۸ء۸۵ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۱۵۱۹۵
۱۔ جیٹھا ہیمبرم، جے پی۔ ۲۰۵۳۲
*۲۔ جادو ہیمبرم، سی پی آئی (ایم) ۵۵۲۸۸
۳۔ رائل ٹوڈو، آزاد۔ ۴۸۶
۴۔ لوکاس ہانسدا، آئی این سی۔ ۳۷۳۹۵
۵۔ شیوانند اسورین، آزاد۔ ۳۵۰

۶۔ ہوینا مردی، آزاد۔ ۱۱۴۴

۴۰- گاجول (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ ۔ ۱۴۳۹۳۰
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۲۳۱۴۴ (۵۶ء۸۵ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۱۷۲۴۳
۱۔ داتل مردی، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۳۰۷
*۲۔ دیبناتھ مرمو، سی پی آئی (ایم) ۵۵۸۱۹
۳۔ سحاسن ہیمبرم، آئی این سی۔ ۴۰۶۶۰
۴۔ منگلو مرمو، آزاد۔ ۲۸۷
۵۔ ستیام مرمو، جے پی۔ ۱۸۷۷۸
۶۔ ہوینا سورین، آزاد ۹۹۶

۴۱-کھربا

کل ووٹ ۔ ۱۴۵۶۰۳
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۲۹۴۷۱ (۹۲ء۸۸ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۶۸۹۹
۱۔ کبیرالدین احمد، آزاد۔ ۲۳۰
۲۔ عظم الحق، سی پی آئی (ایم) ۵۳۰۷۷
۳۔ بدرل، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۲۰۳۱
۴۔ سیدیہ ناتھ داس، آزاد۔ ۲۸۷
*۵۔ محبوب الحق، آئی این سی۔ ۵۹۸۰۷
۶۔شفیق الاسلام، آزاد۔ ۴۵۵
۷۔ سبھاش کرشنا اگروال، بی جے پی۔ ۱۰۸۱۲

۴۲- ہرکشن چندرپور

کل ووٹ ۔ ۱۴۴۴۳۲
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۵۷۹۵ (۱۷ء۸۷ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۰۰۷۳
۱۔مشتاق عالم، آئی این سی۔ ۵۳۹۴۰
۲۔ کاشی داس، آزاد۔ ۲۲۵۶
۳۔جینتی جھا، آزاد۔ ۱۱۲۵
۴۔ پابن اگروالا، آزاد۔ ۷۴۴
*۵۔ بریندر کمار مائترا، اے آئی ایف بی۔ ۵۶۴۲۹
۶۔ رگھوناتھ رام، بی جے پی ۴۶۳۰
۷۔ رتیندر ناتھ پال، آزاد۔ ۹۴۱
۸۔ ساہا دیب منڈل، ایف بی (ایس) ۱۷۳
۹۔ستار، آزاد۔ ۱۳۲

۴۳۔ رتوا

کل ووٹ :- ۱۳۲۷۲۳
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۱۳۴۶۸ (۹ء۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۰۸۴۲
۱۔ مرمل حق، سی پی آئی (ایم) ۵۰۳۸۱
۲۔شیو پرساد ساہا، بی جے پی۔ ۴۱۰۹
*۳۔ سمر مکھرجی، آئی این سی۔ ۵۳۳۴۷
۴۔ سادھن مشرا، آزاد۔ ۲۸۰
۵۔ سیتارام، آزاد۔ ۱۰۱۰
۶۔ سلیمان، آزاد۔ ۱۷۱۵

۴۴۔ اڑائی ڈانگہ

کل ووٹ :- ۱۲۶۵۰۹
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۲۸۵۳ (۲۱ء۸۹ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۰۰۵۷
۱۔عبدالحنان، آزاد۔ ۳۶۳
۲۔ آشا چودھری، آزاد۔ ۸۷
۳۔ پاریش چندر منڈل، آزاد۔ ۲۴۷
۴۔ منظور علی، آزاد۔ ۱۲۱۳
۵۔شیبندر شیکھر رائے، بی جے پی ۴۲۱۲
*۶۔ سادھری مترا، آئی این سی۔ ۵۵۳۰۶

ا بیگم، سی پی آئی (ایم) ۴۸۶۲۹

مالدہ (شیڈولڈ کاسٹ)

ٹ :- ۱۶۵۰۵۱

گئے ووٹ:- ۱۴۲۰۷۴ (۸۶٫۰۸ فیصد)

ووٹ :- ۱۳۸۸۶۲

ریہ ساہا، آزاد - ۱۳۱

ن سرکار، آزاد - ۱۱۸۵

رینڈرا چودھری، بی جے پی - ۲۰۰۰۵

ا نکوش رائے، آئی این سی - ۶۲۰۴۰

یدر چودھری، سی پی آئی (ایم) ۵۵۵۰۱

انگلش بازار

ٹ : ۱۵۶۰۹۴

گئے ووٹ :- ۱۳۴۴۵۱ (۸۵٫۴۹ فیصد)

ووٹ :- ۱۳۰۱۱۸

دل ھٹاچاریہ، سی پی آئی (ایم) ۴۲۹۹۲

م جکرورتی، آئی این سی - ۵۳۶۵۳

ا سکدر، بی جے پی - ۳۱۹۶۵

ری دھر منڈل، آزاد - ۲۵۱

ل کار کنڈو، آزاد - ۲۴۰

اکشر باسب بنرجی، آزاد - ۸۵۳

مد حسن علی، آزاد - ۶۴

۱- مانک چوک

ا ووٹ :- ۱۳۴۵۵

لے گئے ووٹ:- ۱۱۰۰۱۸ (۸۳٫۶۹ فیصد)

ائز ووٹ :- ۱۰۷۴۸۵

پراسین سرکار، آزاد - ۸۴

پھول کمار گھوش، بی جے پی - ۵۰۰۶

*٣- رام پرایش منڈل، آئی این سی - ۵۵۹۴۴

۴- سیتارام سنگھا، آزاد - ۲۴۹

۵- سودھ چودھری، سی پی آئی (ایم) ۴۵۷۶۶

۶- شیخ سیف الدین، آزاد - ۹۲

۷- شیخ صدیق، آزاد - ۳۳۱

۴۸- سجاع پور

کل ووٹ :- ۱۳۱۹۵۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۴۴۳۶ (۸۸٫۳۹ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۴۲۲۰

۱- اناد ی ساہا، بی جے پی - ۳۲۴۷

۲- عبد الرؤف، سی پی آئی (ایم) ۳۶۶۷۳

۳- علی نور محمد، آزاد - ۳۲۰

۴- محمد فاروق حسین، آزاد - ۱۷۲۷

*۵- ردبا نور، آئی این سی - ۶۹۸۲۶

۶- لطف الرحمٰن، آزاد - ۱۹۵۴

۷- محمد شمس الحق، آزاد - ۴۷۳

۴۹- کالی چوک

کل ووٹ :- ۱۶۳۶۹۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۲۹۱۹ (۸۷٫۳۱ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۳۸۵۷۳

*۱- ابو ہاشم خان چودھری، آئی این سی - ۶۴۴۴۰

۲- عبد السلام، آزاد - ۹۱۹

۳- ضیاء الحق، آزاد - ۲۵۰

۴- گھنشیام منڈل، بی جے پی - ۱۱۱۶۱

۵- دھریندر ناتھ سرکار، سی پی آئی (ایم ایل) (دایاں) ۱۸۷۸

۶- نریش منڈل، آزاد - ۳۵۵

۷- دشوا ناتھ گھوش، سی پی آئی (ایم) ۵۴۰۹۲

۸- مدن موہن منڈل، آزاد - ۱۷۴

۹- جادو ناتھ منڈل، آزاد - ۳۴۷

۵۰- فرخا

کل ووٹ :- ۱۲۹۶۷۴

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۸۴۲۰ (۸۷٫۸۲ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۵۱۵۸

۱- امل کار بسواس، آزاد - ۱۳۱۱

۲- عطاء الرحمٰن، آزاد - ۸۳۱

۳- ابو الحسنات خان، سی پی آئی (ایم) ۴۵۹۱۷

۴- عبد المالک، مسلم لیگ - ۵۲۴

۵- خیر العالم، بی ایس پی - ۸۹۳

۶- نور النبی، آزاد - ۴۸۴

۷- پرتیک داس گپتا، آزاد - ۱۸۶۳

*۸- معین الحق، آئی این سی - ۵۳۴۸۰

۹- ساستی چرن گھوش، بی جے پی - ۱۱۰۳۵

۵۱- اورنگ آباد

کل ووٹ :- ۱۵۲۱۴۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۷۴۱۱ (۸۳٫۷۴ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۳۵۰۹

۱- اشوک کار داس، بی جے پی - ۵۰۷

۲- آفاج الدین، آزاد - ۶۹۶

۳- اسماعیل بسواس، آزاد - ۳۰۰

۴- قابل بھارتیہ ماسور یٹیر سرکت اہا سنگھ ۱۲۲۰

۵- خیر البشر، آزاد - ۳۲۵

۶- ذاکر حسین، آزاد - ۳۷۶

۷- طیب علی، سی پی آئی (ایم) ۵۲۸۴۲

۸- پربھات کمار داس، آزاد - ۱۳۹

۹- دوار کا ناتھ داس، آزاد - ۱۷۴۳

۱۰- بدیا پتی ہلدار، آزاد - ۱۸۷

۱۱- مشتاق احمد، آزاد - ۱۰۰۷

۱۲- اشتر د گھسر ربی داس، آزاد - ۱۸۴

*۱۳- ہمایوں رضا، آئی این سی - ۵۷۴۸۵

۵۲-سوتی

کل ووٹ :- ۱۵۷۸۹۹
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۲۵۴۵ (۷۷ر۶۱ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۶۲۹۶

۱- چنا ٹھاکر، بی جے پی- ۲۱۰۷۸
۲- تلک داس، آزاد- ۵۱۱
۳- محمد سہراب، آئی این سی- ۴۶۸۰۰ *
۴- شیث محمد، آر ایس پی- ۴۶۳۴۹
۵- سوکمار سرکار، آزاد- ۸۵۰
۶- شیخ واجد، آزاد- ۱۹۴
۷- شیخ طوطا، آزاد- ۴۸۰

۵۳-ساگر دیگھی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۳۰۰۴
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۷۲۳۰ (۸۱ر۵۷ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۴۱۰۸
۱- گنیش ملدار، ایس آئی سی (تیراری)، ۲۵۷
۲- پرتیس ناتھ داس، سی پی آئی (ایم)، ۵۸۲۵۹ *
۳- ہری سبھا کار منڈل، آئی این سی- ۵۱۵۶۲
۴- سرتو بھارا، بی جے پی ۴۰۳

۵۴-جنگی پور

کل ووٹ - ۱۴۷۳۶۹
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۰۲۴۵ (۸۱ر۳۲ فیصد)
جائز ووٹ - ۱۲۵۵۰۹
۱- ابو راد ھا دسرتھ منڈل، آزاد- ۲۸۹۵
۲- عبد الحق، آر ایس پی- ۵۷۴۹۰
۳- قاسم علی، آزاد- ۵۰۶
۴- نجم الحق، آزاد- ۳۲۲
۵- سوکمار سین، آزاد- ۳۷۱

۶- حبیب الرحمٰن، آئی این سی- ۵۸۱۸۱ *
۷- ہری رنجن سرکار، بی جے پی- ۵۷۴۴

۵۵-لال گولا

کل ووٹ :- ۱۴۹۰۹۹
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۳۰۵۵۸ (۸۷ر۵۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۷۶۰۷
۱- امرو جلیتا سنگھا، آزاد- ۲۹۵
۲- الرحمٰن، آئی این سی- ۶۴۳۳۷ *
۳- احمد معراج، آزاد- ۲۸۹
۴- کنان گوپال سرجی، آزاد- ۲۹۶
۵- خیر العالم، آزاد- ۳۱۳
۶- ضو حق علی، سی پی آئی (ایم)- ۵۵۶۵۰
۷- شیلندر نارائن چکرورتی، آزاد- ۲۱۹
۸- سوکمار سرکار، بی جے پی- ۶۲۰۸

۵۶-بھگوان گولا

کل ووٹ :- ۱۴۳۳۰۷
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۵۰۹۳ (۸۷ر۲۹ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۲۵۷۸
۱- آنند مکھرجی، بی جے پی- ۱۸۷۴
۲- عبد الغنی، آزاد- ۱۰۶۴
۳- ابو صفیان سرکار، آئی این سی- ۵۸۸۶۵ *
۴- احمد کاظم الدین، آزاد- ۲۹۳
۵- نواب جانی مرزا، سی پی آئی (ایم)- ۵۸۰۱۲
۶- سادھن رے، آزاد- ۲۴۷۰

۵۷-نبا گرام

کل ووٹ :- ۱۵۵۸۷۵
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۴۰۳۷۹ (۹۰ر۰۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۳۷۶۳۰
۱- ادھیر رنجن چودھری، آئی این سی- ۶۸۵۲۷ *
۲- اتھو بندھو داس، شیو سینا- ۸۹۸
۳- شیخ علاؤ الدین، بی جے پی- ۲۶۷۱
۴- بنکم چندر گھوش، آزاد- ۲۰۸
۵- سوبین داس، آزاد- ۴۷۸
۶- مظفر حسین، سی پی آئی (ایم)- ۵۶۵۲۳

۵۸-مرشد آباد

کل ووٹ :- ۱۸۳۴۸۰
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۶۱۱۵۶ (۸۷ر۸۳ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۵۳۷۹۱
۱- اروپ رائے، ایف بی (ایس) ۸۷
۲- محمد اجمل حق، آزاد- ۱۸۶
۳- عبد الوہاب منڈل، آئی این سی- ۵۶۳۷۴
۴- عبد الجبار سرکار، آزاد- ۹۳۵
۵- عبد المطلب، بی ایس پی- ۱۶۹۵
۶- چھایا گھوش، اے آئی ایف بی- ۴۴۷۷۱
۷- جیوتسنا کمار دتا، بی جے پی- ۵۸۵۰
۸- ترون کانتی سرکار (باگھا) آزاد- ۱۰۳
۹- مزمل حق، آزاد- ۵۴۰۴۹ *
۱۰- رضوان الحق، آزاد- ۱۳۳
۱۱- شنکر ساہا، آزاد- ۱۳۷
۱۲- شیکھر گھوش، آزاد- ۱۲۷
۱۳- شیر علی سرکار، آزاد- ۸۱

۵۹-جالنگی

کل ووٹ :- ۱۶۸۹۹۷
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۵۱۱۰۲ (۸۹ر۴۱ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۴۸۸۲۳

۱۔ عبدالمتین، مسلم لیگ۔ ۳۶۶
۲۔ یونس سرکار، سی پی آئی (ایم) ۷۹۲۴۸ *
۳۔ یحییٰ منڈل، آزاد۔ ۱۶۹۷
۴۔ فضل الحق، نکھیم بنگالراجیہ مسلم لیگ، ۹۰۴
۵۔ جہارنجن سرکار، بی جے پی۔ ۷۴۹۵
۶۔ مادھب کمار سردار، آمرا بنگالی۔ ۳۰۳
۷۔ شمس الضحیٰ بسواس، آئی این سی۔ ۵۸۱۷۴
۸۔ سودھو منڈل، آزاد۔ ۵۳۶

۶۰۔ دمکل

کل ووٹ :۔ ۱۷۰۶۴۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۵۱۹۳۰ (۸۶٫۰۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۸۹۵۲
۱۔ انیس الرحمٰن، سی پی آئی (ایم) ۷۷۷۳۶ *
۲۔ اصحاب علی انصاری، مسلم لیگ ۶۸۸
۳۔ پرودیوت کمار پال، بی جے پی۔ ۲۹۷۷
۴۔ بی حسین، آزاد۔ ۱۷۱۵
۵۔ صادر علی منڈل، آزاد۔ ۲۰۴۹
۶۔ صادق رضا، آئی این سی۔ ۶۲۸۹۶
۷۔ شیخ محمد عبدالرشید، بی آر ایم ایل۔ ۵۹۳

۶۱۔ ناؤدا

کل ووٹ :۔ ۱۷۰۳۸۳
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۴۵۶۲ (۸۴٫۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۱۸۴۰
۱۔ دیبیش ادھیکاری، بی جے پی۔ ۷۴۸۳
۲۔ کاشی ناتھ دتہ، آزاد۔ ۳۶۹
۳۔ جینتا کمار بسواس، آر ایس پی۔ ۷۵۲۶۸ *
۴۔ نصیر الدین خان، آئی این سی۔ ۵۸۴۶۲
۵۔ عین الحق منڈل، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۵۸

۶۲۔ ہری ہر پاڑہ

کل ووٹ :۔ ۱۶۲۶۵۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۱۳۸۳ (۸۶٫۹۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۸۳۹۱
۱۔ انوپ بسواس، آزاد۔ ۲۷۶
۲۔ ایم حسین انصاری، آزاد۔ ۱۴۴
۳۔ عبدالباری، نکھیم بنگالراجیہ مسلم لیگ۔ ۱۸۹۲
۴۔ شیخ عبداللطیف، آزاد۔ ۱۹۶
۵۔ گوپال لال برجی، بی جے پی۔ ۶۰۱۳
۶۔ مدن سرکار، آزاد۔ ۱۴۲۹۵
۷۔ افاج الدین منڈل، آزاد۔ ۴۸
۸۔ منان حسین، آئی این سی۔ ۵۴۰۱۸
۹۔ مرجان حسین منڈل، آزاد۔ ۶۳۱
۱۰۔ جمل حق، سی پی آئی (ایم) ۵۹۸۰۴ *
۱۱۔ ربیع الاسلام، مسلم لیگ۔ ۲۴۹
۱۲۔ شیخ صائم، آزاد۔ ۵۵۰
۱۳۔ شمس الحق، بی ایس پی۔ ۲۷۵

۶۳۔ برہم پور

کل ووٹ :۔ ۲۱۰۳۴۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۹۴۷۶۵ (۹۲٫۲۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۹۳۲۷۲
۱۔ الوک جیوتی منڈل، آزاد۔ ۲۴۷
۲۔ کلیان اکشے گھوش، آزاد۔ ۲۸۸
۳۔ کنان کمار ساہا، آزاد۔ ۲۶۱
۴۔ تردن کمار گھوش، آزاد۔ ۲۸۶
۵۔ پرانب بنرجی، بی جے پی۔ ۱۷۲۰۸
۶۔ بسواناتھ بنرجی، آر ایس پی۔ ۶۲۱۵۹
۷۔ مایا رانی پال، آئی این سی۔ ۸۱۴۵۲ *
۸۔ شریف البسواس، نکھیم بنگالراجیہ مسلم لیگ، ۸۴۱
۹۔ سنیت کمار سرکار، آزاد۔ ۲۴۳
۱۰۔ سبرتا چکرورتی، آزاد۔ ۲۸۷

۶۴۔ بیل ڈانگا

کل ووٹ :۔ ۱۷۰۴۴۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۹۵۷۱ (۸۱٫۸۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۷۰۸۳
۱۔ زاہد الاسلام چودھری، آزاد۔ ۱۵۵
۲۔ تمومئے چیٹرجی، بی جے پی۔ ۹۸۰
۳۔ تمیر برن بھادوری، آر ایس پی۔ ۶۷۹۶۵ *
۴۔ نورالاسلام، آئی این سی۔ ۵۹۸۵۴
۵۔ شیخ محمد حسن، نکھیم بنگالراجیہ مسلم لیگ۔ ۱۱۲۹

۶۵۔ کاندی

کل ووٹ :۔ ۱۶۶۶۲۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۹۱۷۲ (۸۳٫۵۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۳۳۸۴
۱۔ اتیش چندر سنہا، آئی این سی۔ ۶۵۴۹۰ *
۲۔ اتل دوبے، آزاد۔ ۱۸۲۵
۳۔ تارا چند شیخ، آزاد۔ ۶۴۹
۴۔ پرامل کانتی سنگھا رائے، بی جے پی۔ ۴۹۴۳
۵۔ پرالودھ گھوش، آزاد۔ ۲۳۵
۶۔ بالارام بارال، آزاد۔ ۲۶۷
۷۔ منور حسین، آزاد۔ ۶۰۱
۸۔ سید واحد رضا، سی پی آئی۔ ۵۹۳۵۴

۶۶۔ کھارگرام (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۷۱۴۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۱۲۹۰ (۸۳٫۵۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۷۹۶۶

۱۔ آسا دلوئی، ایف بی (ایس) ۲۴۵

* ۲۔ بسوا ناتھ منڈل، سی پی آئی (ایم) ۶۱۳۶۹

۳۔ مادھب چندر مرجیت، آئی این سی ۵۷۵۴۵

۴۔ شری کانتا منڈل، آزاد۔ ۴۰۶

۵۔ ستندرا ناتھ منڈل، بی جے پی۔ ۳۴۷

۶۔ سادھن مرجیت، سی پی آئی (ایم ایل) ایل، ۱۰۵۴

۶۷۔ سروان

کل ووٹ: ۱۵۲۳۱۳

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۰۷۷۵ (۷۹٫۲۹ فیصد)

جائز ووٹ:۔ ۱۱۷۷۳۱

۱۔ علی حسین منڈل، آئی این سی ۴۹۲۳۵

۲۔ ستیندرا ناتھ گھوش، بی جے پی۔ ۸۱۲

* ۳۔ دیبا برتا سرجی، آر ایس پی۔ ۵۹۵۳۷

۴۔ محفوظہ خاتون، سمتا پارٹی۔ ۲۹۹

۵۔ ساتی چرن پال، آزاد۔ ۳۶۰

۶۔ سمیت کار گھوش، آمرا بنگالی۔ ۸۰

۶۸۔ بھرت پور

کل ووٹ:۔ ۱۴۹۳۷۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۲۰۷۸ (۷۵٫۰۳ فیصد)

جائز ووٹ:۔ ۱۰۹۱۵۹

* ۱۔ عید محمد، آر ایس پی۔ ۵۸۲۴۴

۲۔ نورالہدیٰ، آزاد۔ ۲۸

۳۔ رتن شا چارجی، آزاد۔ ۲۶۷

۴۔ ستیہ نارائن سرجی، آزاد۔ ۴۳۹۶۰

۵۔ ہارادھن چکرورتی، بی جے پی۔ ۵۱۳۸

۶۹۔ کریم پور

کل ووٹ:۔ ۱۵۹۱۴۷

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۸۷۵۸ (۸۷٫۱۹ فیصد)

جائز ووٹ:۔ ۱۳۵۷۵۴

۱۔ آسوتوش پال، آزاد۔ ۱۱۸۱

۲۔ ایمان منڈل، آزاد۔ ۳۴۲

* ۳۔ چترنجن بسواس، سی پی آئی (ایم)، ۶۴۵۹۱

۴۔ چیرارنجن منڈل، آئی این سی۔ ۴۴۲۱۵

۵۔ تپتیش پال، اے آئی آئی سی (تیواری)، ۲۹۱

۶۔ سا کمار منڈل، بی جے پی۔ ۲۴۸۶۵

۷۔ سودھنگشو کمار بسواس، آزاد۔ ۲۹۹

۷۰۔ پلاشی پاڑہ

کل ووٹ:۔ ۱۶۰۸۱۳

ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۴۰۸۲۱ (۸۷٫۵۷ فیصد)

جائز ووٹ: ۱۳۸۱۰۰

۱۔ امل کرشنا ملدار، آزاد ۴۲

۲۔ ارابندا بسواس، بی ایس پی، ۸۴۴

۳۔ دھن راج اگروال، بی جے پی۔ ۱۲۳۷۹

۴۔ اچل بسواس، آئی این سی۔ ۵۳۳۸۲

* ۵۔ کمالیندو سانیال (ساتھی) سی پی آئی (ایم) ۶۵۳۰۶

۶۔ شیخ قدوس، اے آئی آئی سی (تیواری) ۳۲۲

۷۔ لہیریں بسواس، آزاد۔ ۷۴

۹۔ مصباح الدین منڈل (آزاد) ۴۹۲۸

۹۔ ستی ناتھ بیراگی، آزاد۔ ۱۹۰

۱۰۔ سوپن منڈل، آمرا بنگالی۔ ۱۵۹

۱۱۔ ہراموہن سرکار، آزاد ۴۷۴

۷۱۔ نقاشی پاڑہ

کل ووٹ:۔ ۱۵۰۲۲۲

ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۲۷۹۳۷ (۸۵٫۱۷ فیصد)

جائز ووٹ:۔ ۱۲۴۸۰۵

۱۔ اُمیش چندر سرکار، آزاد۔ ۱۴۳

۲۔ گورنگا بلو، بی جے پی۔ ۹۱۶۹

۳۔ دھرو جیوتی گھوش، آئی این سی۔ ۵۳۱۳۵

۴۔ نانی گوپال داس، شیوسینا۔ ۲۲۴۱

۵۔ بیمان بسواس، سی پی آئی (ایم ایل۔ ایل) ۲۴۳۱

۶۔ ریکھا لوس، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۱۶

۷۔ سودھنگشو منڈل، بی ایس پی۔ ۳۶۰

۸۔ میلن مجمدار، آزاد۔ ۱۴۶۴

۹۔ شاہ جہاں ملک، آزاد۔ ۸۶۷

۱۰۔ سنیل بسواس، آمرا بنگالی۔ ۱۷۹

* ۱۱۔ شیخ خیرالدین احمد، سی پی آئی (ایم) ۵۴۶۰۰

۷۲۔ کالی گنج

کل ووٹ:۔ ۱۵۵۹۳۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۴۲۷۷ (۷۹٫۶۹ فیصد)

جائز ووٹ:۔ ۱۱۸۷۴۴

۱۔ ادھیر کمار بسواس، شیوسینا۔ ۸۵۸

۲۔ امل مجمدار، اے آئی آئی سی (تیواری) ۱۸۸

* ۳۔ عبدالسلام منشی، اے آئی این سی۔ ۵۰۴۴۵

۴۔ شیخ الطاف حسین، سی پی آئی (ایم ایل۔ ایل) ۱۷۷۸

۵۔ حبیب الرحمن خان، بی ایس پی۔ ۳۳۳

۶۔ دھننجئے مودک، آر ایس پی۔ ۴۹۲۹۱

۷۔ ظفر اللہ ملا، انڈین نیشنل لیگ۔ ۵۲۲

۸۔ سراج منڈل، سمتا پارٹی۔ ۱۲۶

۹۔ سوبل چندر سرکار، بی جے پی۔ ۱۳۰۲۶

۱۰۔ شیخ رحمت اللہ، مسلم لیگ۔ ۹۸۸

۱۱۔ ایچ علی شیخ، آزاد۔ ۹۶۹

۷۳۔ چاپڑا

کل ووٹ:۔ ۱۵۵۳۵۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۹۹۴۲ (۸۶٫۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۲۰۵۶

۱۔ سجن گھوش، بی جے پی ۔ ۸۰۳۶

۲۔ ذوالفقار خان، آئی این سی ۔ ۵۲۵۵۸

۳۔ بیپل پرا مانک سی پی آئی (ایم ایل ۔ ل) ۲۳۳۳

۴۔ محمد بسواس، بی ایس پی ۱۳۱۵

*۵۔ میر قاسم منڈل، سی پی آئی (ایم) ۶۵۸۵۴

۶۔ شیر سرکار، شیو سینا، ۱۳۱۸

۷۔ شیخ انارل، آزاد ۔ ۳۸۲

۸۔ شیخ جیلانی، مسلم لیگ ۔ ۲۴

۷۴۔ کرشنا گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۳۴۱۶

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۷۵۸۱ (۹۶٫ ۸۸ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۴۸۳۳

۱۔ ارن منڈل، آمرا بنگالی ۔ ۱۶۸

۲۔ محمد بسواس، اے آئی آئی سی (تیواری) ۱۹۶

۳۔ تارا پدو ماجھی، بی ایس پی ۔ ۷۹۱

۴۔ مدھان چندر پودار، آئی این سی ۔ ۵۱۷۰

۵۔ سوج کمار بسواس، آزاد ۲۳۰۴

۶۔ سبودھ بسواس، بی جے پی ۔ ۵۲۰۸

۷۔ سبھاش چودھری، آزاد ۔ ۱۲۹

*۸۔ سوشیل بسواس، سی پی آئی (ایم) ۵۸۸۶۸

۷۵۔ کرشنا نگر مشرق

کل ووٹ :۔ ۱۶۷۵۰۹

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۸۳۳۷ (۸۲٫۵۸ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۴۵۱۳

۱۔ اعولیا چکرورتی، آزاد ۔ ۲۶۷

۲۔ گل دتہ، آزاد ۷۷۰

۳۔ چنار نجن بھومک، شیو سینا ۔ ۱۴۵۵

۴۔ دیپ داس ملدار، آمرا بنگالی ۔ ۱۵۴

۵۔ سردجن گھوش، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۳۴

۶۔ منیکا بسواس، بی جے پی ۔ ۸۶۴۵

۷۔ مدھو سودن رائے، سمتا پارٹی ۔ ۱۶۹

۸۔ رادھا ناتھ بسواس، سی پی آئی (ایم) ۵۹۱۸۱

*۹۔ شیب داس مکھرجی، آئی این سی ۔ ۶۲۰۶۶

۱۰۔ سمیر بنرجی، سی پی آئی (ایم ایل ۔ ایل) ۵۸۴

۱۱۔ سبرتا کمار بسواس، آزاد ۲۹۳

۷۶۔ کرشنا نگر مغرب

کل ووٹ :۔ ۱۳۶۷۳۷

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۸۵۳۸ (۶۹٫ ۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۵۴۹۰

۱۔ امرندرا مجمدار، آزاد ۔ ۷۳

۲۔ ابوالقاسم، آزاد ۔ ۵۳۹

۳۔ گدادھر گھوش، بی جے پی ۔ ۱۱۶۴۴

۴۔ بنود بہاری سکدر، بی ایس پی ۔ ۶۲۷

*۵۔ بسواروپ مکھرجی، آئی این سی ۔ ۳۹۶۵۳

۶۔ ریکھا رائے، شیو سینا ۔ ۱۳۵۱

*۷۔ سنیل کمار گھوش، سی پی آئی (ایم) ۵۸۳۸۶

۸۔ سوبھیل سین گپتا، سی پی آئی (ایم ایل ۔ ایل) ۳۲۱۷

۷۷۔ نبادیپ

کل ووٹ ۔ ۱۴۴۰۰۶

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۸۰۵۸ (۹۸٫ ۸۱ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۵۱۸۱

۱۔ اتانو بنرجی، بی جے پی ۔ ۱۷۷۴۸

۲۔ کارتک چٹرجی، آئی این سی ۔ ۴۷۳۹

*۳۔ بسواناتھ مترا، سی پی آئی (ایم) ۵۴۷۰۴

۷۸۔ شانتی پور

کل ووٹ :۔ ۱۸۳۶۲۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۶۳۷۹۷ (۲۰٫ ۱۵ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۵۸۹۱۸

*۱۔ اجوئے دے، آئی این سی ۔ ۷۸۱۶۳

۲۔ بمل آنند مکھرجی، آر سی پی آئی (آر بی) ۴۷۹۳

۳۔ منموہن سرکار، آزاد ۔ ۸۲۹

۴۔ ملائے کمار پرامانک، بی جے پی ۔ ۱۱۶۲۲

۵۔ سچندرا ناتھ بھٹا چاریہ، آزاد ۔ ۲۱۱

۷۹۔ ہنس کھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۸۲۳۳۴

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۶۱۰۵۲ (۳۳٫ ۸۸ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۵۸۵۸۷

۱۔ نین سرکار، سی پی آئی (ایم) ۷۲۷۸۹

*۲۔ ششانکا شیکھر بسواس، آئی این سی ۔ ۷۸۶۶۲

۳۔ منور نجن پنڈت، آزاد ۔ ۱۵۶۶

۴۔ سمر چندر رائے، بی ایس پی ۔ ۲۵۸۵

۵۔ سپرابھات بسواس، بی جے پی ۲۹۸۵

---

۸۰ ۔ راناگھاٹ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۲۰۱۱۴۰

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۷۴۲۸۶ (۶۵٫ ۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۷۰۹۲۴

۱۔ اکھیل کمار مجمدار، آئی این سی ۔ ۷۱۷۰۵

۲۔ آنندا منڈل، آزاد ۔ ۴۱۹

۳۔ دیپک سرکار، آزاد ۔ ۲۸۵

۴۔ دھیمن بسواس، بی ایس پی ۔ ۲۴۶۵

۵۔ بجتر بسواس، آزاد ۔ ۱۹۸

*۶۔ ننوئے کرشنا بسواس، سی پی آئی (ایم) ۸۲۶۷۸

۷۔ سندر ناتھ بالا، بی جے پی۔ ۱۳۱۷۴

۸۱۔ راناگھاٹ مغرب

کل ووٹ :۔ ۱۷۸۱۸۱
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۷۷۴۹ (۸۸٫۵۳ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۵۴۷۳۶
۱۔ ابانی گھوش مترا، آزاد۔ ۱۳۴۴
۲۔ امل کرشن رائے، بی ایس پی۔ ۵۸۰
۳۔ دلیپ چٹوپادھیائے، بی جے پی۔ ۷۹۵۴
۴۔ سوبھندو ناتھ ملک، سی پی آئی (ایم)۔ ۷۰۲۳۸
★ ۵۔ شنکر سنگھ، آئی این سی۔ ۷۴۳۶۰
۶۔ سمیل بسواس، آزاد۔ ۱۲۷۱
۷۔ سوپن گھوش، آزاد۔ ۱۹۹

۸۲۔ چاکدہ

کل ووٹ ۔۔ ۲۲۳۱۴۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۹۲۳۷۱ (۸۶٫۲۱ فیصد)
جائز ووٹ ۔۔ ۱۸۸۶۲۹
۱۔ اُمیش سنگھ، آزاد۔ ۱۸۴
۲۔ پرس کار چیترو، بی جے پی۔ ۱۰۴۵۸
۳۔ ملائی حیدر منڈل، آزاد۔ ۴۹۱
۴۔ رمانی موہن سرکار، بی ایس پی۔ ۳۲۸۸
★ ۵۔ ستیہ سادھن چکرورتی، سی پی آئی (ایم) ۹۷۴۵۴
۶۔ سوکانتا کار، آئی این سی۔ ۷۵۸۳۸
۷۔ سکمار کمل کتا، آزاد ۹۱۶

۸۳۔ ہرن گھاٹا

کل ووٹ ۔ ۱۹۳۸۶۳
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۷۱۱۸۶ (۸۸٫۳۰ فیصد)
جائز ووٹ ۔۔ ۱۶۸۰۵۰
۱۔ بجوئے ساہا، آزاد۔ ۷۸۵
★ ۲۔ ننی ہیرا، سی پی آئی (ایم) ۸۴۲۵۱
۳۔ رتن گھوش، آئی این سی۔ ۶۶۲۵۲
۴۔ ستیامل ماسر، بی ایس پی۔ ۱۵۵۸
۵۔ سوم دھیان، بی جے پی۔ ۱۵۹۰۲

۸۴۔ باگدہ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۴۲۱۴۸
ڈالے گئے ووٹ ۔۔ ۱۲۸۰۳۰ (۹۰٫۰۷ فیصد)
جائز ووٹ : ۱۲۶۲۷۸
۱۔ اسیم بسواس، آمرا بنگالی۔ ۷۱
★ ۲۔ کمالکشمی بسواس، اے آئی ایف بی۔ ۶۹۵۸۸
۳۔ کالیداس ادھیکاری، آئی این سی۔ ۵۶۹۸۸
۴۔ کشتور بسواس، بی جے پی۔ ۱۶۶
۵۔ گورنگا مالا، بی ایس پی۔ ۱۸۸۳
۶۔ گیانندرا ناتھ بسواس، آزاد۔ ۴۳۶
۷۔ تارا شنکر کرتانیہ، آزاد۔ ۱۱۶

۸۵۔ بنگاؤں

کل ووٹ ۔۔ ۱۶۵۲۷۶
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۴۷۲۰۹ (۸۹٫۰۷ فیصد)
جائز ووٹ ۔۔ ۱۴۲۷۰۳
۱۔ اجوئے گھوش، بی جے پی۔ ۴۶۳۹
★ ۲۔ پنکج گھوش، سی پی آئی (ایم) ۶۸۲۵۱
۳۔ مسندرا ناتھ سکدر، بی ایس پی۔ ۲۸۷۴
۴۔ بستو دیبو منڈل، آمرا بنگالی۔ ۳۵۶
۵۔ بھوپیندر ناتھ سیٹھ، آئی این سی۔ ۶۶۵۸۳

۸۶۔ گائے گھاٹا

کل ووٹ ۔۔ ۱۷۶۶۷۵
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۸۴۱۵ (۸۹٫۶۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۵۴۲۳۵
۱۔ ارابندا بسواس، بی جے پی۔ ۶۹۶۱
۲۔ کرشنا پدا داس، آزاد۔ ۴۳۵
۳۔ دیبا پریہ مجمدار (دیبو) آزاد۔ ۱۶۱
۴۔ پیرابیر بنرجی، آئی این سی۔ ۶۸۹۲۵
۵۔ پلاش بسواس، آمرا بنگالی۔ ۲۷۵
★ ۶۔ مہاتارائے، سی پی آئی (ایم) ۷۴۰۲۲
۷۔ سندرا ناتھ بسواس، بی ایس پی۔ ۲۸۴۱
۸۔ رتن بسواس، آزاد۔ ۳۳۳
۹۔ شکتی کاستاگری، آزاد۔ ۵۸۲

۸۷۔ ہابڑا

کل ووٹ ۔۔ ۱۷۵۲۲۰
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۳۹۱۰ (۸۷٫۸۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۹۴۴۰
۱۔ عطا سہراب الدین، آزاد۔ ۱۶۳
۲۔ عبدالحمید منڈل، آئی این سی۔ ۴۴۳۱۱
۳۔ تپن ساہا، شیو سینا۔ ۱۱۳۴
۴۔ پردلوتی بسواس، بی ایس پی۔ ۲۷۲۲
★ ۵۔ پارین باسو، سی پی آئی (ایم) ۶۵۲۵۴
۶۔ بسواجیت داس، آزاد۔ ۲۶۷
۷۔ شنکر گھوش، آزاد۔ ۱۳۴۶
۸۔ سمریندرا چکرورتی، بی جے پی۔ ۱۴۰۴۶
۹۔ سراج الحق، مسلم لیگ۔ ۱۹۷

۸۸۔ اشوک نگر

کل ووٹ :۔ ۱۶۳۳۹۴
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۲۳۸۱ (۸۷٫۱۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۶۹۸۴

۱۔ انیما باسو، شیوسینا۔ ۳۱۵
۲۔ انگستومالی برائی، بی ایس پی۔ ۱۷۷۶
۳۔ کیشب بھٹا چاریہ، آزاد۔ ۱۸۴۰۸
۴۔ دیپک کمار دیب ناتھ، آزاد۔ ۵۴۲
۵۔ دھیمن رائے، آئی این سی۔ ۴۳۲۸۰
*۶۔ نردو رائے چودھری، سی پی آئی (ایم) ۶۱۷۸۹
۷۔ باسودیب چندا، بی جے پی۔ ۹۶۷۰
۸۔ سبواجیت چکرورتی، آزاد۔ ۹۳
۹۔ ربیندرا داس، آزاد۔ ۱۵۰
۱۰۔ رتن سادھو خاں، آزاد۔ ۱۳۴
۱۱۔ برن پدا گھوش، آزاد۔ ۴۳۹
۱۲۔ ہیرن موئے مکھرجی، آزاد۔ ۱۹۰

۸۹۔ آم ڈانگہ

کل ووٹ :۔ ۱۶۲۷۹۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۶۲۷۵ (۸۵ء۸۹فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۳۶۷۵

۱۔ بالائی باسو، بی جے پی۔ ۶۰۸۳
۲۔ مہیر چٹرجی، آزاد۔ ۹۷۴
*۳۔ محمد رفیق الحق، آئی این سی۔ ۶۵۱۷۲
۴۔ ہاشم عبدالحلیم، سی پی آئی (ایم) ۷۱۹۴۱

۹۰۔ باراسات

کل ووٹ :۔ ۲۷۶۵۱۹
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۲۳۲۳۰۰ (۰۱ء۸۴فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۲۲۷۱۱۰

*۱۔ اشوک کمار جبا گوپال، آئی این سی۔ ۱۰۶۴۷۱
۲۔ اتپل چودھری، شیوسینا۔ ۸۴۹
۳۔ ستیشور سرکار، بی ایس پی۔ ۲۷۴۶
۴۔ بسرل دیب، اے آئی ایف بی۔ ۱۰۴۶۳۳

۵۔ سپن پال، بی جے پی۔ ۱۲۰۷۷
۶۔ ہریندرا پودار، آزاد۔ ۳۱۴

۹۱۔ راجر ہاٹ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۲۴۶۱۹۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۲۰۸۰۱۸ (۹۴ء۸۴فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۲۰۲۳۸۵

۱۔ اندراجیت پرامانک، شیوسینا ۱۱۲۶
۲۔ تنموئے منڈل، آئی این سی۔ ۸۹۹۵۶
۳۔ پرفلا چندر راموئنگ، بی ایس پی۔ ۱۰۳۵
۴۔ ڈاکٹر بالو چندرا بالا، بی جے پی ۱۳۶۲۱
*۵۔ ربیندرا ناتھ منڈل، سی پی آئی (ایم) ۹۶۹۴۷

۹۲۔ دیگنگا

کل ووٹ :۔ ۱۴۲۶۳۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۵۷۱۸ (۱۴ء۸۸فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۶۶۵

۱۔ ابوالقاسم، آزاد۔ ۵۲۳
۲۔ ادریس علی، آئی این سی ۴۷۱۷۴
*۳۔ محمد یعقوب، اے آئی ایف بی۔ ۶۰۸۷۶
۴۔ پردیپ برجی، بی جے پی۔ ۶۱۹۵
۵۔ محمد لیاقت علی، آزاد۔ ۱۸۵
۶۔ شیخ محمد حفیظ الاسلام، بی ایس پی ۱۳۹۸
۷۔ اے کے ایم حسن الزماں، مسلم لیگ۔ ۶۳۶۱

۹۳۔ سروپ نگر

کل ووٹ :۔ ۱۴۵۳۳۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۹۶۷۶ (۲۲ء۸۹فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۷۶۲۲

۱۔ ابوعالم، آزاد۔ ۵۱۴

۲۔ جینتا ساہا، آزاد۔ ۱۰۴۴
۳۔ دیپتی جابا، آئی این سی۔ ۵۵۳۵۷
۴۔ جگدیش چکرورتی، آمرا بنگالی۔ ۲۶۱
*۵۔ مصطفیٰ بن قاسم، سی پی آئی (ایم) ۶۱۲۷۹
۶۔ رام کرشنا دے، بی جے پی۔ ۹۱۶۷

۹۴۔ بدوریا

کل ووٹ :۔ ۱۳۸۲۱۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۵۱۹۸ (۵۶ء۹۰فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۳۲۵۹

۱۔ اکھیل چکرورتی، آزاد۔ ۵۷۰
۲۔ محمد اشرف علی، آزاد۔ ۲۰۸
*۳۔ قاضی عبدالغفار، آئی این سی۔ ۵۸۹۶۷
۴۔ دیپک کمار سرکار، آمرا بنگالی۔ ۲۱۷
۵۔ بپلب چودھری، بی جے پی۔ ۹۱۲۱
۶۔ شفیق الصوحاحی، آزاد۔ ۵۱۲
۷۔ محمد سلیم، سی پی آئی (ایم)، ۵۳۶۶۴

۹۵۔ بشیر ہاٹ

کل ووٹ :۔ ۱۷۰۵۳۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۵۰۷۶۱ (۴۰ء۸۸فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۸۱۷۱

۱۔ آنندیہ گوپال مترا، بی جے پی۔ ۱۲۷۳۹
۲۔ امل کمار برجی، آزاد۔ ۲۲۳
۳۔ امیتیش دے، آزاد۔ ۲۳۷
۴۔ اسیت مجمدار، آئی این سی۔ ۶۶۱۴۸
*۵۔ نارائن مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۶۶۳۲۹
۶۔ نور بخش منڈل، آزاد۔ ۲۴۷
۷۔ ظفر اللہ ملاّ، آزاد۔ ۲۲۴۸

۹۶۔ حسن آباد

کل ووٹ :- ۱۲۹۰۴۷

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۶۱۴۴ (۰۰، ۹۰ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۳۷۳۶

۱۔ اسد الزماں منڈل، آزاد۔ ۲۰۰

*۲۔ گوتم دیب، سی پی آئی (ایم) ۵۵۹۵۶

۳۔ یومکیش بسواس، آزاد۔ ۴۹۸

۴۔ رفیق الاسلام منڈل، آئی این سی۔ ۵۱۷۶۲

۵۔ شکر علی منڈل، آزاد۔ ۲۸۲

۶۔ شوکت علی دلال، آزاد۔ ۲۵۰

۷۔ کندن ہالدار، آزاد۔ ۱۴۹

۸۔ دیبا برتا ہالدار، بی جے پی۔ ۴۶۳۹

۹۷۔ ہاروا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۵۴۹۳۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۹۰۳۲ (۳، ۸۹ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۳۵۲۹۸

*۱۔ کھیتی رنجن منڈل، سی پی آئی (ایم) ۵۶۶۸۷

۲۔ بلکتی کانتا منڈل، آئی این سی ۴۸۷۲۶

۳۔ اردیب سرکار، آزاد۔ ۹۱۹

۴۔ سجیت مائتی، بی جے پی۔ ۹۹۸۵

۹۸۔ سندیش کھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۴۱۶۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۴۲۲۹ (۲۴، ۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۹۸۲۸

۱۔ اجئے داس، آزاد۔ ۱۶۵۵

*۲۔ کانتی بسواس، سی پی آئی (ایم) ۶۵۴۶۷

۳۔ دینا بندھو گائن، بی جے پی۔ ۸۲۰۵

۴۔ رکھیت کار داس، آئی این سی۔ ۴۳۵۸۹

۵۔ رادھا شیام دیر، آزاد۔ ۹۱۲

۹۹۔ سنگل گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۳۴۵۰۱

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۷۳۲۲ (۲۳، ۸۷ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۴۸۰۸

۱۔ ندوت کائیل، آئی این سی۔ ۴۴۰۲۴

*۲۔ نرین گائن، سی پی آئی (ایم) ۶۲۸۶۴

۳۔ ہراری لال سرکار، بی جے پی۔ ۷۹۱۶

۱۰۰۔ گوسابا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۲۹۴۸۷

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۸۴۹۱ (۷۹، ۸۳ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۰۵۴۹۹

*۱۔ گنیش منڈل، آر ایس پی۔ ۵۴۳۱۲

۲۔ نرمل سرکار، آزاد۔ ۲۲۷۵

۳۔ پرساد منڈل، آزاد۔ ۳۴۲

۴۔ سوکمار منڈل، بی جے پی۔ ۵۰۴۴

۵۔ سمیت پرامانک، آئی این سی۔ ۴۲۲۶

۱۰۱۔ بسنتی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۶۹۳۵۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۹۷۸۵ (۵۴، ۸۲ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۳۶۴۴۲

۱۔ ارندو ہالدار، بی جے پی۔ ۴۶۵۵

۲۔ کمل کرشنا منڈل، آزاد۔ ۱۵۶

۳۔ جیتو ناسکر، آئی این سی۔ ۶۰۲۷۲

۴۔ سیدیہ ناتھ بار، آزاد۔ ۱۴۲۵

*۵۔ سبھاش ناسکر، آر ایس پی۔ ۶۹۸۳۴

۱۰۲۔ کلتالی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۵۴۳۰۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۲۲۲۴ (۶۹، ۸۵ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۷۹۷۹

۱۔ گوپال ماجھی، آئی این سی۔ ۱۰۵۷۷

*۲۔ پرابودھ پرکائت، آزاد۔ ۶۲۴۵۳

۳۔ بیدناتھ ہالدار، بی جے پی۔ ۲۷۸۶

۴۔ رام شنکر ہالدار، سی پی آئی (ایم) ۵۲۱۶۰

۱۰۳۔ جیئے نگر

کل ووٹ :- ۱۵۳۶۸۷

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۵۷۷۶ (۸۴، ۸۱ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۱۴۴۵

۱۔ جلیل الرحمٰن مُلّا، مسلم لیگ۔ ۱۹۸۴

۲۔ غازی جلال الدین، آزاد۔ ۱۹۷

۳۔ گوڑ ہالدار، آزاد۔ ۶۲۶

۴۔ دیباتوش اچاریہ، بی جے پی۔ ۱۲۷۲۹

*۵۔ دیبا پرساد سرکار، ایس یو سی ۵۲۷۱۸

۶۔ مرتیونجے مودک، آئی این سی۔ ۲۵۹۶۷

۷۔ رسدرا ناتھ باسو (رای)، سی پی آئی (ایم) ۲۷۲۲۴

۱۰۴۔ برئی پور

کل ووٹ :- ۱۸۳۵۸۷

ڈالے گئے ووٹ ۱۵۶۴۳۸۶ (۱۸، ۸۵ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۵۳۲۰۴

۱۔ قاضی عبدالحلیم، آزاد ۳۷۳

۲۔ دیباسش چندرا، آزاد۔ ۲۵۰

۳۔ پرادیوت چکرورتی، آزاد۔ ۴۵۶

۴۔ وشواسکر، آزاد۔ ۱۷۲

*۵۔ سوبھن دیب چٹوپادھیائے، آئی این سی۔ ۷۵۳۱۴

۶۔ سوجن چکرورتی، سی پی آئی (ایم) ۷۳۷۸۸

۷۔ ہاشی سنہا رائے، بی جے پی۔ ۲۸۵۱

۱۰۵۔ کیننگ مغرب (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۱۷۵۳۸۸

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۶۳۶۴ (۸۳.۴۵ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۴۰۲۳۵

۱۔ گوبند چندر النسکر، آئی این سی۔ ۵۹۰۳۸

۲۔ دلیپ سواس، بی جے پی۔ ۵۷۴۵

*۳۔ بمل مستری، سی پی آئی (ایم) ۶۴۵۴۳

۴۔ ستوش کمار لسکر، آزاد۔ ۱۰۹۰۹

۱۰۶۔ کیننگ مشرق

کل ووٹ :۔ ۱۳۷۸۵۹

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۰۵۷۲ (۸۷.۴۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۶۹۰۱

۱۔ اکرم لسکر، آئی این سی۔ ۲۲۲۹۷

۲۔ عبدالرحمٰن جمعدار، آزاد۔ ۱۱۷۷

*۳۔ عبدالرزاق مُلّا، سی پی آئی (ایم) ۸۹۰۶۲

۴۔ عبدالستار مُلّا، آزاد۔ ۴۵۲

۵۔ ابراہیم مُلّا، آزاد۔ ۹۱۸

۶۔ بھانو پدا منڈل، بی جے پی۔ ۲۹۹۵

۱۰۷۔ بھانگوڑ

کل ووٹ :۔ ۱۵۰۶۰۳

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۳۶۳۲ (۸۸.۷۳ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۹۹۶۸

۱۔ عجیب الرحمٰن، آئی این سی۔ ۴۳۱۲۰

۲۔ کارتک گھوش، بی جے پی۔ ۴۵۵۷

۳۔ چیتا رنجن لسکر، آزاد۔ ۷۱۶

۴۔ نذرالاسلام، آزاد۔ ۳۹۵

*۵۔ بادل جمعدار، سی پی آئی (ایم) ۸۱۱۸۰

۱۰۸۔ جادب پور

کل ووٹ :۔ ۲۴۵۴۸۵

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۹۹۱۴۴ (۸۱.۱۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۹۵۳۱۸

۱۔ ڈاکٹر کاکولی گھوش دستی دار، آئی این سی۔ ۷۲۳۶۴

۲۔ دیبو سمیتا دے، آزاد۔ ۳۴۴

۳۔ دھیریش گوسوامی، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۷۴۰

*۴۔ بدھا دیب بھٹاچاریہ، سی پی آئی (ایم) ۱۰۸۵۴۸

۵۔ بھوشن منڈل، آزاد۔ ۴۴۰

۶۔ رجت رائے، بی جے پی۔ ۱۱۵۳۱

۷۔ سندھیا منڈل، بی ایس پی۔ ۱۱۳۰

۸۔ مرادعن سرکار، آزاد۔ ۲۲۱

۱۰۹۔ سونارپور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۲۴۴۹۶۷

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۲۰۲۲۹۸ (۸۲.۵۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۹۷۴۴۹

۱۔ چینموئے جوتدار، آزاد۔ ۲۲۷

۲۔ دیپک سردار، اے آئی اے سی (تیواری) ۵۹۸

۳۔ نرمل منڈل، آئی این سی۔ ۸۹۷۰۶

۴۔ پریمل بردئی، بی جے پی۔ ۷۱۸۳

*۵۔ مدھو ریشور منڈل، سی پی آئی (ایم) ۹۸۷۶۵

۶۔ مونندر رام ردھا، آزاد۔ ۹۷۰

۱۱۰۔ وشنوپور مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۲۷۸۷۱

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۰۹۴۲۱ (۸۵.۵۷ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۶۴۳۷

*۱۔ آنند کمار سواس، سی پی آئی (ایم) ۵۲۳۷۴

۲۔ مہادیب سکر، آئی این سی ۴۸۸۶۳

۳۔ سمر سواس، آزاد۔ ۴۵۵

۴۔ سشیل سردار، بی جے پی ۴۷۴۵

۱۱۱۔ وشنوپور مغرب

کل ووٹ :۔ ۱۵۰۲۲۲

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۵۸۳۷ (۸۳.۷۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۴۴۶

۱۔ ارون گھوش دستی دار، آئی این سی۔ ۵۴۲۹۴

۲۔ کروناموئے گھوش، بی جے پی۔ ۶۹۱۸

۳۔ گنیش منڈل، آزاد۔ ۶۴۲

۴۔ رگھوناتھ رائے، آزاد۔ ۱۱۵

۵۔ ویویکانند اکر، آزاد۔ ۱۶۴

۶۔ رام چندرا دے سرکار، آزاد۔ ۲۰۳

*۷۔ شنکر سرین لسکر، سی پی آئی (ایم) ۵۹۴۳۱

۸۔ شمس الدین مستری، آزاد۔ ۲۷۰

۹۔ شجاعس منّا، مسلم لیگ۔ ۴۰۹

۱۱۲۔ بہالا مشرق

کل ووٹ :۔ ۲۴۸۷۹۶

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۲۰۱۲۵۲ (۸۰.۸۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۹۷۵۷۵

۱۔ ایلا چکرورتی، آزاد۔ ۳۴۹

*۲۔ کم کم چکرورتی، سی پی آئی (ایم) ۹۸۵۹۳

۳۔ کرشنا دھر چکرورتی، بی جے پی۔ ۸۵۰۰

۴۔ بیلب ہالدار، شیوسینا۔ ۶۷۴

۵۔ سونالی گوہا، آئی این سی۔ ۸۹۴۵۹

۱۱۳۔ بہالا مغرب

کل ووٹ :۔ ۲۲۳۳۴۸

ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۸۳۳۵۵ (۸۲.۰۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۸۰۱۱۸

۱۔ محمد بھٹاچاریہ، آئی این سی ۱۳۰۹۲۴

۲۔ گیتا داس، سی پی آئی (ایم ایل) ۸۱۱۶

۳۔ جینجیل ہوئی، آزاد ۶۰۶

۴۔ دیباترتو مکھوپادھیائے، پی یو سی آئی ۴۲۲۴

۵۔ ٹھوکٹ رما، آزاد۔ ۲۸۲

۶۔ نرمل مکھوپادھیہ، سی پی آئی (ایم) ۵۶۹۶۵۱ *

۷۔ یاتیو گوپال کھرجی، آزاد۔ ۶۱۶

۸۔ ستے وکل سنگھ، آزاد۔ ۳۰۹

۹۔ سہرن کرسٹلا، بی جے پی۔ ۱۸۵۰

۱۱۴۔ گارڈن ریچ

کل ووٹ ۔ ۱۰۱۶۰۵

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۴۰۰۱۲۸ (۴۴٫۳۴ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۵۰۱

۱۔ ایس۔ ایم ظفر اللہ، آئی آئی سی (تیواری) ۹۳۰

۲۔ فیصل عظیم ملا، آئی این سی۔ ۵۱۹۲۸

۳۔ بدھلر باسوتیا، بی جے پی۔ ۵۱۰

۴۔ فتح امین، سی پی آئی (ایم) ۶۴۶۶ *

۵۔ معین الحق چودھری، آزاد۔ ۹۶۴

۶۔ رمیش دت، آزاد۔ ۱۳۶

۷۔ محمد علی ملا، آزاد۔ ۲۲۰

۱۱۵۔ مہیش تلہ

ووٹ ۔ ۱۰۷۸۱۱

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۱۱۳۴ (۸۰٫۹۴ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۷۹۵۰۹

۱۔ ڈاکٹر گورنگا کھرجی، آئی این سی۔ ۳۹۴۳۵۸

۲۔ پھول دیوی کمار، آزاد۔ ۳۲۲

۳۔ مسلیس ملا، سی پی آئی (ایم) ۳۷۲۲۷ *

۴۔ سومن داس، بی جے پی ۴۷۱۷

۵۔ سلیمان خان، مسلم لیگ۔ ۱۳۴۶

۱۱۶۔ بج بج

کل ووٹ ۔ ۱۵۶۰۱۴

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۰۵۰۹ (۸۳٫۶۵ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۲۷۵۸۴

۱۔ اشوک کماردیب، آئی این سی۔ ۶۶۵۵۳ *

۲۔ اشوک بھٹاچاریہ، بی جے پی۔ ۴۶۹۹

۳۔ اسماعیل ملک، مسلم لیگ۔ ۷۸۲

۴۔ دیپک مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۵۵۱۹۲

۵۔ سیر بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۳۵۸

۱۱۷۔ ست گچھیا

کل ووٹ ۔ ۱۴۷۰۹۸

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۳۶۵۴ (۸۴٫۰۶ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۲۰۳۴۷

۱۔ ڈاکٹر اصیت کھوش، آزاد۔ ۱۴۹

۲۔ ڈاکٹر عبدالعزیز، مسلم لیگ۔ ۸۱۶

۳۔ تیمیر برکھوس، آزاد۔ ۱۸۶۲

۴۔ جیوتی باسو، سی پی آئی (ایم) ۵۸۵۹۷ *

۵۔ جیتن راگ، آئی این سی۔ ۴۷۸۷

۶۔ مدن موہن داس، شیوسینا۔ ۱۰۴

۷۔ مظفر خان، بی جے پی۔ ۱۰۶۸۴

۸۔ ستیا پال داس، آزاد۔ ۹۵

۹۔ سیس دے، آزاد۔ ۲۴۵

۱۱۸۔ والتا

کل ووٹ :۔ ۱۲۹۷۵۲

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۲۹۳ (۸۲٫۶۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۴۸۱۷

۱۔ عین الدین ملک، آزاد۔ ۱۵۸

۲۔ آرتی داس گپتا، سی پی آئی (ایم) ۴۶۹۰۹

۳۔ عرفات علی لاسکر، سمتا پارٹی۔ ۹۷

۴۔ غفور ملک، آزاد۔ ۱۷۷

۵۔ منور بخش کائل، بی جے پی۔ ۴۵۶۷

۶۔ ایم اے ستار لاسکر، آزاد۔ ۶۲۳

۷۔ بدھیر بھٹاچاریہ، آئی این سی۔ ۵۱۵۵۸ *

۸۔ شنیرمل کائل، آزاد۔ ۴۹۸

۹۔ حسیب الرحمان، آزاد۔ ۲۳۰

۱۱۹۔ ڈائمنڈ ہاربر

کل ووٹ ۔ ۱۶۱۷۵۴

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۴۳۴۷ (۸۳٫۰۶ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۳۱۳۷۵

۱۔ احیت منڈل، بی جے پی۔ ۱۱۶۹۷

۲۔ عبدالقیوم ملا، سی پی آئی (ایم) ۵۵۶۳۴

۳۔ حیات الدین ملا، آزاد۔ ۸۸۹

۴۔ پربیر داس گپتا، آزاد۔ ۲۷۴

۵۔ راماکرشنا مستری، آزاد۔ ۱۷۴

۶۔ محمد محبوب الرحمٰن منڈل، آزاد۔ ۲۳۶

۷۔ شیخ دولت علی، آئی این سی۔ ۶۱۷۴۴ *

۸۔ بستری گوپال داس، آزاد ۵۶۵

۱۲۰۔ مگرا ہاٹ (مغرب)

کل ووٹ :۔ ۱۴۶۹۵۹

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۱۳۹۰ (۸۲٫۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۸۵۷۶

۱۔ انور ادھا پتانڈا، سی پی آئی (ایم) ۵۴۸۲۵

۲۔ عبدالرزاق لاسکر، آزاد۔ ۶۷۷

۳۔ ابو صدیق لاسکر، آزاد۔ ۱۵۵

*۴۔ ابوالبشر لاسکر، آئی این سی۔ ۵۴۸۹۸
۵۔ عبدالرؤف بیدیہ، آزاد۔ ۱۸۷۶
۶۔ امام علی ہالدار، آزاد۔ ۶۴
۷۔ کمار کرشنا منڈل، بی جے پی۔ ۳۶۵۷
۸۔ سرورالدین خان، آزاد۔ ۲۳۸
۹۔ فیروز حسین، آزاد۔ ۶۰۰
۱۰۔ عبدالسلام ملاّ، اے آئی سی سی (تیواری) ۳۴۷
۱۱۔ لکھندر منڈل، آزاد۔ ۱۴۱
۱۲۔ ریاض الحق لاسکر، آزاد۔ ۴۷۵
۱۳۔ شیخ غلام مصطفیٰ، آزاد۔ ۸۳

۱۲۱۔ مگراہاٹ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۹۴۰۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۷۴۳۰ (۸۵٫۲۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۴۷۹۷
۱۔ الوکل بار، آزاد۔ ۳۶۷
۲۔ تپن کمار گھرائی، آزاد۔ ۱۹۹
۳۔ نمیتا ساہا، آئی این سی۔ ۵۷۹۱۸
*۴۔ ڈاکٹر نرمل سنہا، سی پی آئی (ایم) ۶۲۰۴۵
۵۔ پردیپ سکر، بی جے پی۔ ۴۲۶۸

۱۲۲۔ مندر بازار (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۷۴۹۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۶۶۰۵ (۸۵٫۸۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۸۹۴
۱۔ جیتنیہ موہن جالوا، بی جے پی۔ ۳۱۸۷
۲۔ ڈاکٹر تپن سردار، آئی این سی۔ ۵۵۹۲۷
*۳۔ سکنجا بیک، سی پی آئی (ایم) ۵۷۸۰۵
۴۔ ریوید و ہالدار، آزاد۔ ۵۹۷۵

۱۲۳۔ متھرا پور

کل ووٹ :۔ ۱۶۱۸۳۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۲۵۰۰ (۸۸٫۰۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۰۲۶۵
۱۔ انادی لسکر، بی جے پی۔ ۲۶۷۶
*۲۔ کانتی بھوشن گنگوپادھیائے، سی پی آئی (ایم) ۶۱۲۹۷
۳۔ پردیمن لسکر، آزاد۔ ۱۴۹
۴۔ ستیہ رنجن باپولی، آئی این سی۔ ۶۳۹۵۲
۵۔ ساہا دیب لسکر، آزاد۔ ۱۲۱۷۱

۱۲۴۔ کلپی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۳۳۲۶۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۰۷۴۸ (۸۳٫۱۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۸۷۱۵
۱۔ کرتی ماس سردار، آئی این سی۔ ۵۱۵۶۶
۲۔ دھنجوئے ہالدار، آزاد۔ ۱۱۴
۳۔ بھولاناتھ منڈل، آزاد۔ ۸۷۵
۴۔ جوگ رنجن ہالدار، آزاد۔ ۳۱۵
*۵۔ شکنتلا پائیک، سی پی آئی (ایم) ۵۳۷۷۹
۶۔ سبھاش ساہا، بی جے پی۔ ۱۷۶۹

۱۲۵۔ پاتھر پرتیما

کل ووٹ :۔ ۱۳۵۵۷۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۷۵۷۵ (۸۶٫۷۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۵۸۳۱
۱۔ کمار پرساد باردئی، بی جے پی۔ ۲۶۹۰
*۲۔ گوپال کرشنا دے، آئی این سی۔ ۵۴۹۹۵
۳۔ جنمے جے منّا، سی پی آئی (ایم) ۵۴۸۵۴
۴۔ بھوبن بھوشن گوجات، آزاد۔ ۳۲۹۲

۱۲۶۔ کاکدیپ

کل ووٹ :۔ ۱۳۷۳۳۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۰۴۵۰ (۸۷٫۷۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۸۰۹۰
۱۔ امیہ شاسمل، آزاد۔ ۳۰۲
*۲۔ اشوک گیری، سی پی آئی (ایم)، ۵۸۳۶۲
۳۔ چترنجن ساہو، آزاد۔ ۲۵۶
۴۔ منٹورام پاکھیرا، آئی این سی۔ ۵۶۱۳۰
۵۔ ستانتی داس، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۲۱۷
۶۔ ستیہ مائتی، بی جے پی۔ ۲۵۳۴
۷۔ سو دلیش مائتی، آزاد۔ ۱۵۹
۸۔ ہرادھن بیرا، آزاد۔ ۱۳۰

۱۲۷۔ ساگر

کل ووٹ :۔ ۱۵۰۱۰۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۶۱۶۸ (۹۰٫۷۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۴۶۳۵
۱۔ استوتی داس، بی جے پی، ۱۵۰۱
۲۔ دلیپ پرمانک، آزاد۔ ۱۴۸
۳۔ نارائن داس، آزاد۔ ۳۱۴
۴۔ پرتیبھا مشرا، آزاد۔ ۵۱۳
*۵۔ پربھنجن منڈل، سی پی آئی (ایم) ۶۹۲۸۵
۶۔ ہری پد داس، آئی این سی۔ ۶۲۸۷۴

۱۲۸۔ بیج پور

کل ووٹ :۔ ۱۴۹۶۱۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۲۷۲۳ (۸۰٫۰۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۰۳۳۳
*۱۔ کمل سین گپتا (باسو)، سی پی آئی (ایم) ۶۴۸۰۰
۲۔ جگدیشور سنگھ، بی جے پی۔ ۲۹۹۱
۳۔ بیلا دوبے، آزاد ۳۵۱

۴۔مرِ ماں کانتی سنگھا رائے، آئی این سی۔ ۵۱۳۳۴
۵۔شیبا پدا بسواس، بی ایس پی۔ ۸۵۷

۱۲۹۔ نئی ہٹی

کل ووٹ :۔ ۱۵۵۹۴۱
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۹۹۸۲ (۸۳٫۳۵ فیصد)
جائز ووٹ : ۱۲۰۰۲۹
۱۔ تسرون ادھیکاری، آئی این سی۔ ۵۰۷۵۱
۲۔ آشوتوش باؤل، بی جے پی۔ ۵۸۸۱
۳۔ میسا پال، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۱۵۶۳
۴۔ موتی چند پرساد، آزاد۔ ۳۶
۵۔ رنجیت کنڈو، سی پی آئی (ایم) ★ ۶۶۵۲۲
۶۔ رام چندر منڈل، بی ایس پی ۱۰۰

۱۳۰۔ بھاٹ پاڑہ

کل ووٹ :۔ ۱۳۸۹۶۳
ڈالے گئے ووٹ۔ ۷۸ ۱۰ (۷۲٫۳ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۹۷۲۲۳
۱۔ ارجن چوہان، آزاد۔ ۱۳۶
۲۔ اوما شنکر سنگھ، بی جے پی۔ ۱۱۷۱۱
۳۔ اتواری داس، آزاد۔ ۷۴۴
۴۔ کرشنا ساؤ، آزاد۔ ۱۲۷
۵۔ دھرم پال گپتا، آئی این سی۔ ۳۴۵۹۲
۶۔ ندوت گانگولی، سی پی آئی (ایم) ★ ۲۳۲ ۴۸
۷۔ روپالی کیوت، آزاد۔ ۲۸
۸۔ شیفالی سرکار، بی ایس پی ۱۷۷

۱۳۱۔ جگت دل

کل ووٹ :۔ ۱۹۲۳۴۹
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۳۴۸۹۱ (۷۰٫۰۸ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۰۶۵۵
۱۔ الوئے گوپال سنہا، آئی این سی۔ ★ ۵۹۵۳۴
۲۔ چھایا لا مجمدار، بی ایس پی۔ ۲۰۰۶
۳۔ دلیپ چکرورتی، آزاد۔ ۲۱۵
۴۔ بہار باسو، اے آئی ایف بی۔ ۵۹۴۱۷
۵۔ پریش دے، آزاد۔ ۲۴۸
۶۔ بادل گھوش، آمرا بنگالی۔ ۴۰۰
۷۔ دلرو کمار ساہا، آزاد۔ ۱۳۷۶
۸۔ رحمت کمار چکرورتی، بی جے پی ۶۵۷۶
۹۔ ستیہ بالائی گپتا، آزاد۔ ۸۸۳

۱۳۲۔ ناوا پاڑہ

کل ووٹ :۔ ۱۲۲۲۴۲
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۰۱۷۴۱ (۸۳٫۲۳ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۹۹۴۷۸
۱۔ سریندر ناتھ بیدیا، بی ایس پی۔ ۹۳۵
۲۔ ماتیہ سدھ داس، بی جے پی۔ ۵۹۴۷
۳۔ مدن موہن ناتھ، سی پی آئی (ایم) ★ ۴۸۳۹۴
۴۔ سریش داس، آئی این سی۔ ۴۴۳۰
۵۔ سپن رائے، آزاد۔ ۱۷۲

۱۳۳۔ ٹیٹا گڑھ

کل ووٹ :۔ ۱۲۲۱
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۹۰۸۱۷ (۷۵٫۵۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۸۸۱۴۸
۱۔ اشوک شکلا، آئی این سی ۴۱۳۵۹
۲۔ اسحاق انصاری، آزاد ۳۹۶
۳۔ پرادیپ کمار ساؤ، سی پی آئی (ایم) ★ ۴۱۹۰۶
۴۔ سارسی پرشاد، آزاد۔ ۵۵۹
۵۔ شمبھو ناتھ گپتا، بی جے پی۔ ۳۹۲۸

۱۳۴۔ کھردہ

کل ووٹ :۔ ۱۹۸۵۰۲
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۶۷۴۱۱ (۸۴٫۳۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۶۳۴۳۶
۱۔ اسیم داس گپتا، سی پی آئی (ایم) ★ ۸۵۵۱۷
۲۔ کالی داس رائے، بی ایس پی۔ ۴۳۲
۳۔ جینموئے چٹرجی، آئی این سی۔ ۶۴۹۸۸
۴۔ ششی شیکھر چٹرجی، بی جے پی۔ ۱۰۵۹۱

۱۳۵۔ پانی ہٹی

کل ووٹ :۔ ۱۹۶۲۱۶
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۶۱۱۳۷ (۸۲٫۱۳ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۵۷۱۶۷
۱۔ تپن چکرورتی، ایس یو سی۔ ۲۸۴
۲۔ تانیہ چکرورتی (باسو)، سی پی آئی (ایم) ★ ۷۱۰۳
۳۔ نرمل کانتی سرکار، بی ایس پی۔ ۱۷۴
۴۔ نرمل گھوش، آئی این سی۔ ۲۵۷۲
۵۔ مہادیو بساک، بی جے پی ۱۱۳۴۴
۶۔ سوکمار بسواس، آزاد۔ ۲۹۰

۱۳۶۔ کمر ہٹی

کل ووٹ :۔ ۱۷۲۱۲۲
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۲۶۹۲ (۷۷٫۰۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۸۸۳۶
۱۔ مترا برجی، بی جے پی۔ ۱۰۲۲۴
۲۔ سمبھوناتھ دتہ، آئی این سی۔ ۵۲۹۲۱
۳۔ شانتی گھٹک، سی پی آئی (ایم) ★ ۶۵۶۹۱

۱۳۷۔ بارا نگر

کل ووٹ :۔ ۲۲۳۳۲۱

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۷۹۰۲۱ (۸۰٫۱۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۷۴۷۷۴

*۱۔ ارچودھری، آر ایس پی۔ ۸۴۷۸۵

۲۔ اردن سکدر، ایس یو سی۔ ۷۶۶

۳۔ سیدیہ ناتھ بسواس، آزاد۔ ۸۵۸

۴۔ رائے پرن دیب ناتھ، بی جے پی۔ ۱۱۴۷۰

۵۔ سی بھدرا دتہ، آئی این سی۔ ۷۶۸۹۵

۱۳۸۔ دمدم

کل ووٹ :۔ ۲۱۵۸۱۲

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۷۷۲۷۴ (۸۲٫۱۴ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۷۳۱۳۳

۱۔ امیتا کھدے، آزاد۔ ۱۲۷

۲۔ کمل لوچن چٹرجی، آزاد۔ ۱۰۹۴

۳۔ کیشور تیواری، بی جے پی۔ ۱۴۸۶۴

۴۔ کشور چرن لاؤ، آزاد۔ ۳۹۷

۵۔ ستائی گھوش، آئی این سی۔ ۶۲۵۵۵

۶۔ موئے کمار منڈل، بی ایس پی۔ ۱۹۹۴

*۷۔ شنکر سین، سی پی آئی (ایم)۔ ۹۲۱۰۲

۱۳۹۔ بیلگچھیا مشرق

کل ووٹ :۔ ۲۹۱۷۳۱

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۲۲۳۲۳۰ (۷۶٫۵۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۲۱۷۹۱۴

۱۔ اصیمیت گوما، بی جے پی۔ ۱۳۸۵۵

۲۔ اردمالبھا گھوش، آئی این سی۔ ۹۶۳۸۸

۳۔ کمال کمار مجمدار، آزاد۔ ۳۱۵

۴۔ دیریندر موہلے، آئی آئی سی (تیواری)۔ ۵۷۴

۵۔ سوکانتی دتہ، آزاد۔ ۳۳۵

۶۔ سیل بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۹۰۱

*۷۔ سبھاش چکرورتی، سی پی آئی (ایم)۔ ۱۰۵۳۲۸

۸۔ ہیرالال بسواس، آزاد۔ ۳۱۷

۱۴۰۔ کاشی پور

کل ووٹ :۔ ۱۰۲۷۶۷

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۷۴۷۱۲ (۷۲٫۷۰ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۷۳۱۱۴

۱۔ اصیمیت چودھری، آزاد۔ ۶۳

۲۔ انوپ داس، سی پی آئی (ایم)۔ ۳۳۳۳۷

۳۔ انوپم داس، آزاد۔ ۳۲۲

*۴۔ سدیپ ادھیائے تارک، آئی این سی۔ ۳۳۷۹۹

۵۔ جاگیہ دھر باگ، آزاد۔ ۶۷

۶۔ چندر موہن گپتا، آزاد۔ ۱۰۶

۷۔ گنگا دھر پانڈا، آزاد۔ ۳۰

۸۔ جونتو سنہا، آزاد۔ ۱۰۵

۹۔ پریمل کنڈو، آزاد۔ ۲۵

۱۰۔ پربھاکر تیواری، بی جے پی۔ ۴۷۴۳

۱۱۔ پرنب باگچی، آزاد۔ ۴۹

۱۲۔ پریاگ بھگت، آزاد۔ ۲۰۵

۱۳۔ رنجیت کمار لودھ، آزاد۔ ۱۳۰

۱۴۔ سرتو بنرجی، آزاد۔ ۲۶

۱۵۔ تپتی داس، آزاد۔ ۴۶

۱۶۔ ادین چندر پال، آزاد۔ ۸۱

۱۴۱۔ شیام پوکھر

کل ووٹ :۔ ۸۸۴۱۹

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۶۵۶۹۱ (۷۴٫۵۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۶۴۰۱۰

۱۔ آستا ادھیا لے، آئی آئی سی (تیواری)۔ ۷۷

۲۔ اشوک دتہ، آزاد۔ ۴۵۸

۳۔ چندن گھوشال، آزاد۔ ۱۶۷

۴۔ گرو پرشاد بسواس، بی جے پی۔ ۴۰۸۸

۵۔ ہیمر چٹرجی، آزاد۔ ۱۹۴

۶۔ شیلندر ورکھشت، آزاد۔ ۸۹

۷۔ سمیر چکرورتی، آئی این سی۔ ۲۸۱۲۴

*۸۔ شانتی رنجن گنگولی، اے آئی ایف بی۔ ۳۰۷۵۹

۹۔ سومیا بنرجی، آزاد۔ ۵۴

۱۴۲۔ جوڑا بگان

کل ووٹ ۹۶۳۳۸۰

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۵۸۳۰۴ (۶۰٫۵۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۵۷۰۶۶

۱۔ اشوک چوبے، آزاد۔ ۲۵

۲۔ اشوک پانڈے، آزاد۔ ۴۷

۳۔ بدری پرساد دوبے، آزاد۔ ۱۵

۴۔ سیین کمار بنرجی، آزاد۔ ۴۹

۵۔ وشوا ماسو مکھرجی، آزاد۔ ۱۶

۶۔ نارائن چٹرجی، آزاد۔ ۲۸

۷۔ دینیش کمار رتیریہ، آزاد۔ ۳۳

۸۔ شانتی لال جین، بی جے پی۔ ۱۴۳۱۰

۹۔ جے پرکاش پانڈے، سماج وادی پارٹی۔ ۳۷

۱۰۔ کیلاش پرساد شکر، آزاد۔ ۱۲۰

۱۱۔ مدھوسودن گوئنکا، آزاد۔ ۱۱۷

۱۲۔ شکتی پرساد سریا، آزاد۔ ۶۱

۱۳۔ پدماوتی سونی، آزاد۔ ۱۱۶

۱۴۔ راجیو شرما، آزاد۔ ۲۵

۱۵۔ رماکانت کیڈیا، آزاد۔ ۲۳۳

۱۶۔ رتی ماہیشور پرساد، آزاد۔ ۲۱

*۱۷۔ سنجے بخشی، آئی این سی۔ ۲۱۵۵۲

۱۸۔ سرلا مہیشوری، سی پی آئی (ایم)۔ ۱۹۸۴۴

۱۹۔سدیپان سین، آزاد۔ ۸۵
۲۰۔سنیہ لتا مہیشوری، آزاد۔ ۵۸
۲۱۔سنیل رائے، اے آئی آئی سی (تیواری) ۳۹
۲۲۔تارا ناتھ پرساد راؤ، آزاد۔ ۳۹
۲۳۔اُمیش چوبے، آزاد۔ ۱۲۳

۱۴۳۔ جوڑاسانکو

کل ووٹ ۔۔ ۹۱۳۴۔
ڈالے گئے ووٹ ۴۹۰۳۹ (۰۹ر۴۱ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۴۷۸۲۴
۱۔الیکشن سنکر رائے، آزاد۔ ۵۹
۲۔اختر عالم، آزاد۔ ۴۶
۳۔بھولا ناتھ گپتا (متا)، آزاد۔ ۳۴
★۴۔دلیپ سین پوددار، آئی این سی ۲۳۷۰۸
۵۔سریش کمار گپتا، اے آئی آئی سی (تیواری) ۴۹
۶۔چندر ناتھ پارل، آزاد۔ ۳۲
۷۔کسانی چندر پال، آزاد۔ ۲۱۴
۸۔کیدار ناتھ، جنتا پارٹی۔ ۵۵
۹۔کرشن کمار شرما، آزاد۔ ۵۴
۱۰۔لال بہادر وہاب، آزاد ۲۶
۱۱۔مسعود احمد، آزاد۔ ۵۹۳
۱۲۔سدن لال سکھانیا، بی جے پی۔ ۶۲۹۷
۱۳۔نرلیش چندر شرما، آزاد۔ ۷۷
۱۴۔نرمل کمار بھارتیہ، آزاد۔ ۳۹
۱۵۔راجندر سونکر، آزاد۔ ۱۱۳
۱۶۔رتن سیوا سنگھ، آزاد۔ ۱۲
۱۷۔شمبھو ناتھ گنگولی، ایچ ایم ایس۔ ۶۸
۱۸۔تیش دیاس، ایس یو سی۔ ۴۹
۱۹۔ستیہ نارائن بجاج، اے آئی ایف بی۔ ۱۶۰۷۳
۲۰۔شیام سندر شرما، آزاد۔ ۴۶

۲۱۔سریش کمار مرگانی، آزاد۔ ۷
۲۲۔دلود شرما، آزاد۔ ۹۴

۱۴۴۔ بڑا بازار

کل ووٹ ۔ ۸۴۵۱۲
ڈالے گئے ووٹ۔ ۴۶۲۶۶ (۹۰ر۵۴ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۴۵۲۵۶
۱۔اوبناش اودھا، آزاد۔ ۲۰
۲۔دلود شرما، آزاد۔ ۸۰
۳۔چندر کیش سنگھانی، آزاد۔ ۶۳
۴۔دیپتیش تیواری، آزاد۔ ۸۶
۵۔گائتری سنہا لئے، آزاد۔ ۶۴
۶۔ہری کرشنا منڈن، بی جے پی۔ ۱۰۷۱۰
۷۔اقبال احمد، آزاد۔ ۹۳
۸۔محمد نصیر الدین، جنتا دل۔ ۱۵۹۱۱
۹۔محمد ساجد علی، آزاد۔ ۳۸۰
۱۰۔نریش کمار سنگھ، آزاد۔ ۷۲
۱۱۔ستیہ نرائن پانڈے، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۳۳
۱۲۔اسلام پتیا ٹھک، آزاد۔ ۳۴
★۱۳۔راجیش کھیتان، آئی این سی ۱۶۷۴۸
۱۴۔راجہ ملک، ایف بی (ایس) ۱۷۳
۱۵۔ستیہ نارائن شرما، آزاد۔ ۳۴
۱۶۔شوکت رحمانی، آزاد۔ ۲۰۳
۱۷۔شیام کمار سنگھ، جنتا پارٹی۔ ۲۷۷
۱۸۔سید محمد حسین، آزاد۔ ۴۴
۱۹۔عابد حسین تنڈا والا، آزاد۔ ۳۶
۲۰۔اُمیش سنگھ، آزاد۔ ۱۳

۱۴۵۔ بہو بازار

کل ووٹ :۔ ۱۱۱۶۳۸

ڈالے گئے ووٹ : ۶۳۲۵۱ (۶۶ر۵۶ فیصد)
جائز ووٹ : ۶۱۶۱۶
۱۔دیویکا نندیال، آزاد۔ ۱۰۸
۲۔راجندر سکر، اے آئی آئی سی (تیواری) ۳۶۴
۳۔برندابن چندر دے، آزاد۔ ۶۳
۴۔گوتم داس گپتا، آزاد۔ ۹۰
۵۔پال مکھرجی تارک، آزاد ۲۰۷
۶۔یورپ رو راریو، آزاد۔ ۲۸۴
۷۔کمل کمار رائے، آزاد۔ ۴۲
۸۔محمد قاسم، آزاد۔ ۱۸۸
۹۔ایس۔ ایم۔ مصطفیٰ، جنتا پارٹی۔ ۷۱
۱۰۔نارائن چندر گھوش، آزاد۔ ۳۸
۱۱۔محمد سیف الدین، آزاد۔ ۳۶
۱۲۔پینا کی داس، آزاد۔ ۲۲۷
۱۳۔راجندر کمار گپتا، بی جے پی۔ ۵۴۸۶
۱۴۔سربھ بھٹاچاریہ، ایس یو سی آئی (ایم) ۱۱۰
۱۵۔اجیت کمار دت، آزاد۔ ۵۴۲
★۱۶۔سدیپ بندوپادھیائے، آئی این سی۔ ۴۶۵۷۹
۱۷۔سجیت منڈل، جنتا دل۔ ۱۰۱۸۱

۱۴۶۔ چورنگی

کل ووٹ ۱۳۵۷۹۰
ڈالے گئے ووٹ : ۸۲۶۰۷ (۸۳ر۶۰ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۸۲۵۴
۱۔محمد آصف حسین، مسلم لیگ۔ ۱۳۷
۲۔ایم ای جاوید، بی ایم ایس ایم — ۲۸
۳۔مرنال کانتی داس، بی جے پی۔ ۱۵۵۱
۴۔ منتوش پال، جنتا دل۔ ۸ ۱۹۹۶
۵۔رمندر پانڈے، آزاد۔
۶۔شکل دیو شرما، آزاد۔ ۷۱
۴۰

۷۔ سرتو مکھرجی، آئی این سی۔ ۴۸۶۴۸ ★
۸۔ دیے کنڈو، آزاد۔ ۱۸۱

۱۴۷۔ کوی تیرتھ

کل ووٹ :- ۱۷۲۱۵۰
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۰۵۸۰۱ (۶۱٫۴۶)
جائز ووٹ :- ۱ ۲۱۲۵
۱۔ بھولا جہاتو، آزاد۔ ۳۱۲
۲۔ بھولا پرساد جیسوارہ، آزاد۔ ۲۲۶
۳۔ بجوئے کمار چودھری، شیوسینا۔ ۵۱۰
۴۔ جے پرکاش یادو، آزاد۔ ۳۴۶
۵۔ محمد اسلم، آزاد۔ ۳۲۵
۶۔ معین الدین شمس، اے آئی ایف بی۔ ۳۰۹۸۲
۷۔ رمدر سنگھ، آزاد۔ ۱۴۱
۸۔ رما شنکر شرما، آزاد۔ ۸۷
۹۔ رام چندر جیسوال، بی جے پی۔ ۵۳۸۶
۱۰۔ رام پیارے رام، آئی این سی۔ ۶۲۹۲۳ ★
۱۱۔ بست کمار ساہا، آزاد۔ ۱۶۰
۱۲۔ ستیش مونیا، آزاد۔ ۱۰۸
۱۳۔ اودے سنگھ، آزاد۔ ۴۴۸
۱۴۔ ودے نارائن کیسری، آزاد۔ ۷۱

۱۴۸۔ علی پور

کل ووٹ :- ۱۳۱۲۱۵
ڈالے گئے ووٹ:- ۸۹۷۹۰ (۶۸٫۴۳ فیصد)
جائز ووٹ :- ۸۷۸۷۷
۱۔ چنڈی چرن داس، آزاد۔ ۱۰۴
۲۔ پارتیش چکرورتی، آزاد۔ ۸۹
۳۔ رام کرشنا بسواس، آزاد۔ ۱۲۵
۴۔ رتھندرا ناتھ رائے چودھری، سی پی آئی (ایم) ۳۰۸۷۹

۵۔ رتنا دتہ، آزاد۔ ۱۹۱
۶۔ سوگتا رائے، آئی این سی۔ ۵۱۵۹۰
۷۔ سنیل کمار گپتا، آزاد۔ ۳۱۸
۸۔ تپن دھر، بی جے پی۔ ۴۵۱۱
۹۔ تریتی داس، آزاد۔ ۷۰

۱۴۹۔ راش بہاری

کل ووٹ :- ۱۱۹۸۶۸
ڈالے گئے ووٹ:- ۸۳۵۵۸ (۶۹٫۷۱ فیصد)
جائز ووٹ :- ۸۱۸۳۲
۱۔ ڈی بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۹۵
۲۔ بولائی چٹرجی، آزاد۔ ۱۶۲
۳۔ ہری نارائن دے، آزاد۔ ۱۸۰
۴۔ ہرشیمی باسو، آئی این سی۔ ۴۸۲۵۳ ★
۵۔ پولاک مکھرجی، آزاد۔ ۱۶۲
۶۔ پرشوتم کمار، بی جے پی۔ ۵۱۶۲
۷۔ رام کرشنا بسواس، آزاد۔ ۱۹۳
۸۔ رکھن بنرجی، سی پی آئی (ایم) ۲۷۶۲۵

۱۵۰۔ ٹالی گنج

کل ووٹ :- ۱۴۷۴۳۶
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۴۰۸۶ (۷۷٫۳۸ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۱۷۹۷
۱۔ استیش نایک، آزاد۔ ۲۸۶
۲۔ استیش رائے، سی پی آئی (ایم) ۵۱۱۸۹
۳۔ ڈاکٹر گوتم بسواس، بی جے پی۔ ۶۴۵۱
۴۔ پنکج برجی، آئی این سی۔ ۵۳۸۷۱ ★

۱۵۱۔ ڈھاکوریا

کل ووٹ :- ۱۷۹۷۴۲
ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۸۸۱۶ (۷۷٫۲۳ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۳۵۴۹۱
۱۔ دیبابرات مجمدار، بی جے پی۔ ۸۳۵۵
۲۔ کشیتی گوسوامی، آر ایس پی۔ ۶۶۵۹۳ ★
۳۔ ساکھی سین، اے آئی سی سی (تیواری) ۶۲۸
۴۔ سکھیندو شیکھر رائے، آئی این سی ۵۹۵۴۲
۵۔ سوکمار برجی، آزاد۔ ۳۷۳

۱۵۲۔ بالی گنج

کل ووٹ :- ۲۰۹۰۵۱
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۴۸۹۷۵ (۷۱٫۲۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۴۵۶۱۳
۱۔ امیتابھ چودھری، آزاد۔ ۱۴۷
۲۔ بجوئے دتہ، آزاد۔ ۱۹۴
۳۔ دیبید بسواس، آئی این سی۔ ۶۷۷۰۴
۴۔ دیپک کمار گھوش، آزاد۔ ۱۹۹
۵۔ گوری چودھری، بی جے پی۔ ۶۴۳۳
۶۔ مہیشور داس، بی ایس پی۔ ۱۴۴۳
۷۔ رومن دیب، سی پی آئی (ایم) ۶۹۱۸۵ ★
۸۔ رنجیت کمار دے، آزاد۔ ۳۰۸

۱۵۳۔ انٹالی

کل ووٹ :- ۱۴۸۶۰۴
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۰۰۷۷۹ (۶۷٫۸۲ فیصد)
جائز ووٹ :- ۹۷۹۹۳
۱۔ فتح چند اگروال، بی جے پی۔ ۴۰۸۵
۲۔ ارون بسواس، اے آئی سی ڈی اینڈ بی پی ۳۹۲
۳۔ اشوک دے، آزاد۔ ۱۶۵
۴۔ فیروز احمد، بی ایس پی۔ ۴۵۷
۵۔ عشرت نظیر آزاد، آزاد۔ ۱۳۹

۴۱

۶۔میراصغرعلی، آزاد۔ ۱۹۲
۷۔میرا چکرورتی، سماجوادی پارٹی۔ ۱۱۸
۸۔پردیپ گھارائے، آزاد۔ ۹۳
۹۔ریاض الدین، آزاد۔ ۲۸۸
۱۰۔ساجدہ اسد، آزاد۔ ۸۸
۱۱۔محمد ساجد علی، آزاد۔ ۳۱۹
۱۲۔شفیع لت ط، لہ آئی آئی سی (ترلوک) ۲۳۵
★۱۳۔سلطان احمد، آئی، ایں سی۔ ۴۸۴۳۴
۱۴۔شیتا اگروال، آزاد۔ ۸۱
۱۵۔ظہیر الدین حاں، آزاد۔ ۱۱۳
۱۶۔ضیاء الدین احمد، سی پی آئی (ایم) ۴۲۷۹۴

۱۵۴۔تالتلہ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ .. ۱۳۱۱۴۴
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۹۵۹۱۵ (۷۳ء۱۴ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۹۲۷۹۶
۱۔نکل داس، آزاد۔ ۸۔
۲۔بیرل داس، آزاد۔ ۸۶
۳۔سیر سیدر پرساد، آزاد۔ ۳۶۷
۴۔کرشنا پد و مجمدار، بی جے پی۔ ۴۷۶۲
۵۔شمبھو ناتھ کاؤ، آئی این سی۔ ۳۷۲۵۵
۶۔سدھیر کمار سخرام، آزاد۔ ۷۷
۷۔سوکمار منڈل، آزاد۔ ۴۳۰
★۸۔ڈاکٹر تپتی ساہا، سی پی آئی (ایم) ۴۹۷۵۱

۱۵۵۔بلیا گھٹہ

کل ووٹ : ۱۴۴۹۷۸
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۲۱۹۰ (۷۷ء۳۸ فیصد)
جائز ووٹ ۱۰۹۵۵۰
۱۔گیتا بھوئے کمار، آزاد۔ ۸۳

۲۔حسا کندو، بی جے پی۔ ۴۵۹۰
۳۔کرشنا دیب ناتھ، آئی این سی۔ ۴۷۰۲۲
★۴۔منبیدر مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۵۶۶۸۱
۵۔سبے بوس۔ آزاد۔ ۱۴
۶۔پیرلال مجمدار، آزاد۔ ۳۷۲
۷۔سبرتو چٹرجی، آزاد۔ ۴۱۴
۸۔شکھور نجن دتہ، آزاد۔ ۱۵۴
۹۔شیو کمار ملک، آزاد۔ ۹۴

۱۵۶۔سیالدہ

کل ووٹ .. ۸۳۶۶۴
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۵۲۷۸۶ (۶۳ء۰۹ فیصد)
جائز ووٹ .. ۵۱۳۱۶
۱۔اردن پرکاش چٹرجی، سی پی آئی۔ ۱۲۹۸۵
۲۔اردن کمار داس، آزاد۔ ۱۰۷
۳۔اردیپ سرجی، آزاد۔ ۱۲۳
۴۔گور ساہا، بی جے پی۔ ۳۶۴۱
۵۔ہیجل چٹرجی، آزاد۔ ۱۴۳
۶۔میتھو لون، آزاد۔ ۳۱۶
★۷۔سومیدرا ناتھ مترا، آئی این سی۔ ۳۳۹۵۰
۸۔سدرشن ھنا چاریہ۔ آزاد۔ ۵۱

۱۵۷۔ودیا ساگر

کل ووٹ :۔ ۱۱۶۴۳۴
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۷۶۷۵۱ (۶۵ء۹۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۷۴۸۲۸
۱۔ابیرلال مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۳۱۵۷۱
۲۔استا حانا، آزاد۔ ۱۲۴
۳۔بیلب دھر، آزاد۔ ۸۵
۴۔کمال انصاری، بی ایس پی ۷۸۱

۵۔لکشمی منڈل، آزاد۔ ۱۵۹
۶۔محمد شوکت علی، آزاد۔ ۳۱۴
۷۔محمد زاہد حسین، آزاد۔ ۸۹
۸۔شانتی ناتھ گھوش، بی جے پی۔ ۳۶۴۰
★۹۔تاپش رائے، آئی این سی۔ ۳۸۰۶۵

۱۵۸۔بڑتلہ

کل ووٹ : ۱۱۳۲۵۱
ڈالے گئے ووٹ: ۸۱۴۲۷ (۷۱ء۷۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۷۹۰۶۷
۱۔دھیر اشیل، آزاد۔ ۲۸۱
۲۔جن برتا چندا، بی جے پی۔ ۵۰۸۵
۳۔پریمل روتھ، آر ایس پی۔ ۲۲۱۲۱
۴۔پرولائے گوہا، آزاد۔ ۱۳۲
۵۔پرسانتا کمار گھوش، آزاد۔ ۶۸۷
۶۔رومیش مترا، آزاد۔ ۲۰۵
★۷۔ساڈھن پانڈے، آئی این سی۔ ۵۰۳۶۸
۸۔سنجے کمار بھوٹیکا، آزاد۔ ۱۱۹
۹۔سودیو ادھیکاری، آزاد۔ ۶۹

۱۵۹۔مانک تلہ

کل ووٹ : ۱۶۶۱۳۶
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۱۲۰۴ (۷۸ء۹۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۸۸۹۴
۱۔امرناتھ ساؤ، آزاد۔ ۶۹
۲۔ایس چکرورتی، آزاد۔ ۲۰۳
۳۔ایس چکرورتی، آزاد۔ ۴۵۴
★۴۔پارتھ پال، آئی این سی۔ ۶۲۰۸۸
۵۔راکھیل دے، بی جے پی۔ ۴۳۶۲
۶۔شیامل چکرورتی، سی پی آئی (ایم) ۶۱۵۸۱

۷۔ سیر بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۱۳۰۷

۱۶۰۔ بیلگچھیا مغرب

کل ووٹ :۔ ۱۳۳۹۸۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۹۹۵ (۸۰٫۶۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۵۶۸۰

۱۔ نتھے خان، آزاد۔ ۳۷۸
۲۔ دلیپ پرساد، آزاد۔ ۱۸۱
۳۔ گھوستال مادھوی، آزاد۔ ۲۶۴
۴۔ گوتم بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۳۰۸
۵۔ محمد عزیز ملا، آزاد۔ ۲۲۰
۶۔ نیتاجی کوئج، آزاد۔ ۱۹۸
★ ۷۔ راج دیو گوالا، سی پی آئی (ایم) ۵۵۴۹۸
۸۔ راجندر پرساد ساؤ، بی جے پی۔ ۵۵۲۱
۹۔ سادھن داس، آئی این سی ۴۳۱۱۲

۱۶۱۔ بالی

کل ووٹ :۔ ۱۵۷۸۵۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۱۶۸۶ (۷۰٫۷۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۸۸۱۴

★ ۱۔ کانیکا گنگولی، سی پی آئی (ایم) ۵۴۹۹۶
۲۔ گوتم مجدار، آزاد۔ ۲۲۰
۳۔ تپس بھومک، آزاد۔ ۳۶۰
۴۔ دیپش داس، آزاد۔ ۱۵۳
۵۔ نارائن بھدرا، آزاد۔ ۲۳۰
۶۔ ملئی کمار سنگھا، آئی این سی۔ ۳۹۳۶۹
۷۔ مریدل چیٹرجی، آزاد۔ ۲۸۳
۸۔ راکھل داس، بی جے پی۔ ۱۲۹۰۳
۹۔ شمبھو دے، آزاد۔ ۱۲۱
۱۰۔ سلیندر چودھری، آزاد۔ ۱۷۹

۱۶۲۔ ہوڑہ شمال

کل ووٹ :۔ ۱۸۴۴۲۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۷۹۴۴ (۶۹٫۳۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۳۹۴۲

۱۔ انیل کمار سنگھ، آزاد۔ ۹۱
۲۔ اشوک گھوش، آئی این سی۔ ۴۱۷۷۴
۳۔ پارس ناتھ ورما، آزاد۔ ۴۰۱
۴۔ محمد نسیم، آزاد۔ ۱۸۷
۵۔ یدوبیندرا مشرا، آزاد۔ ۱۸۷
۶۔ رائے بہادر سنگھ، بی جے پی۔ ۶۶۴۵
۷۔ رام ماتھ رام، آزاد۔ ۱۵۶
۸۔ رام نیواس گپتا، آزاد۔ ۱۲۹
★ ۹۔ لگن دیو سنگھ، سی پی آئی (ایم) ۶۸۴۳۲

۱۶۳۔ ہوڑہ (مرکزی)

کل ووٹ :۔ ۱۳۸۴۴۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۹۹۵۳۲ (۷۱٫۸۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۹۵۹۳۱

★ ۱۔ امبیکا بنرجی، آئی این سی۔ ۵۶۷۶۳
۲۔ عبدالموحد، اے آئی آئی سی (دیتواری) ۹۵۲
۳۔ دیباشیش چکرورتی، آزاد۔ ۲۰۶۰
۴۔ راجیش کمار کھترا، آزاد۔ ۲۹۱
۵۔ ستیام سندر سریستھا، بی جے پی۔ ۷۵۲۳
۶۔ ستیا پرساد مکھرجی (ایو) آزاد۔ ۷۲۳
۷۔ سوریشور دتہ۔ جنتا دل۔ ۲۶۷۶۴
۸۔ سوشیل پروہت، آزاد۔ ۴۹۳
۹۔ حیدر علی، آزاد۔ ۳۵۹

۱۶۴۔ ہوڑہ جنوب

کل ووٹ :۔ ۱۵۴۰۲۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۲۰۱ (۶۹٫۶۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۳۸۶۱

۱۔ امبوج شرما، بی جے پی ۱۰۲۳۷
۲۔ اروپ رائے، آئی این سی ۴۴۶۶۲
۳۔ عبدالقیوم، بی ایس پی۔ ۷۶۰
۴۔ ٹھاکر رام لکھن، آزاد۔ ۱۵۸
★ ۵۔ پرالے تعلقدار، سی پی آئی (ایم) ۴۶۹۱۵
۶۔ رنجیت چٹرجی، آزاد۔ ۸۶
۷۔ راجیش لکھوٹیا، آزاد۔ ۶۱
۸۔ رام شنکر دوبے، اے آئی آئی سی (دیتواری) ۳۴۲
۹۔ سچیب داس، آزاد۔ ۱۶۹
۱۰۔ سبرتا مکھرجی، آزاد۔ ۲۲۳
۱۱۔ سوامی ناتھ پرساد، آزاد۔ ۲۴۸

۱۶۵۔ شیب پور

کل ووٹ :۔ ۲۷۳۸۵۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۲۱۰۴۶۶ (۷۶٫۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۲۰۳۴۴۱

★ ۱۔ جٹو لاہیری، آئی این سی۔ ۱۰۲۹۸۵
۲۔ پرابیر کمار بنرجی (دکھا) آئی ایف بی۔ ۸۸۱۱۱
۳۔ سیبن پانڈے، آزاد۔ ۷۵۶
۴۔ لکشمی نارائن ملک، بی جے پی۔ ۱۰۹۹۳
۵۔ پرامیشور پرساد سنگھ، آزاد۔ ۴۱۶
۶۔ سبرتا پال، آزاد۔ ۴۸۰

۱۶۶۔ ڈومجور

کل ووٹ :۔ ۲۳۲۸۳۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۸۸۴۷۱ (۸۰٫۹۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۸۳۹۸۹

۱۔ کنشولائے ہائٹ، آزاد۔ ۲۲۱

۲۔ ڈاکٹر گوپال گھوش، آزاد۔ ۲۴۰
★۳۔ پدماندھی دھر، سی پی آئی (ایم) ۹۵۳۱۹
۴۔ بھبانی پرساد دیبتا چاریہ، آئی این سی۔ ۸۲۶۴۹
۵۔ منجو شری دے، بی جے پی۔ ۵۴۰۵
۶۔ سید بشور مکھرجی، آمرا بنگالی۔ ۱۵۵

۱۶۷۔ جگت بلبھ پور

کل ووٹ :۔ ۱۷۳۸۰۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۲۶۹۲ (۸۲٫۵۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۹۴۳۲
۱۔ اصغر احانا، آزاد۔ ۴۱۸
★۲۔ ایم انصار الدین، سی پی آئی (ایم) ۶۹۰۵۶
۳۔ کاشی ناتھ پاک، بی جے پی۔ ۶۳۸۷
۴۔ ستیہ نند امانتی، آئی این سی۔ ۶۳۱۱۹
۵۔ سگالی ستریا، آزاد۔ ۱۸۵
۶۔ میر ادریس علی، آزاد۔ ۳۶۷

۱۶۸۔ پانچلا

کل ووٹ :۔ ۱۶۶۱۱۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۵۹۴۶ (۸۱٫۸۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۱۷۴۱
۱۔ گلستاں ملک، آئی این سی۔ ۶۵۰۹۱
۲۔ رکن پال، بی جے پی۔ ۷۹۶۱
۳۔ سیلی منڈل، اے آئی ایف بی۔ ۵۶۷۷۷
۴۔ سنتوش کمار داس، ایف بی (ایس) ۱۹۱۲

۱۶۹۔ سنکرایل (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۷۹۸۲۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۲۹۱۴ (۷۹٫۴۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۹۴۵۰
۱۔ اجیت منڈل، بی ایس پی۔ ۵۱۴
۲۔ سفال چندر پرساد، آزاد۔ ۲۳۱
۳۔ باسودیب ڈھالی، سی پی آئی (ایم) ۶۰۶۱۱
۴۔ رمیش چندر سردار، بی جے پی۔ ۱۲۴۹۵
★۵۔ شیتل کمار سردار، آئی این سی۔ ۶۵۵۹۹

۱۷۰۔ الوبیڑیا (شیڈولڈ کاسٹ) شمال

کل ووٹ :۔ ۱۶۲۹۰۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۸۹۷۶ (۷۹٫۱۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۶۰۷۰
۱۔ الیو رسالال مجمدار، ایس یو سی آئی (کمیونسٹ) ۸۶۵
۲۔ استادا س، سی پی آئی (ایم) ۵۴۰۰۱
۳۔ پردیوت کر، بی جے پی۔ ۹۴۳۰
۴۔ مدن موہن دلوئی، آزاد۔ ۲۱۴
۵۔ رام جنم ماکھی، آئی این سی۔ ۶۱۵۶۰

۱۷۱۔ الوبیڑیا جنوب

کل ووٹ :۔ ۱۵۶۰۵۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۵۴۳۹ (۸۰٫۳۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۸۶۳۶
۱۔ اکن مجمدار، آزاد۔ ۷۳
۲۔ عبدالخالق خان، آمرا بنگالی۔ ۲۲۰
★۳۔ رویندرا گھوش، اے آئی ایف بی۔ ۵۷۹۱۳
۴۔ تپن کمار رائے، بی جے پی۔ ۸۱۰۹
۵۔ نرمل داس، شیو سینا۔ ۱۳۵۶
۶۔ پولک رائے، آئی این سی۔ ۴۸۵۵۳
۷۔ رگھوناتھ کائل، آزاد۔ ۲۷۰
۸۔ شیخ زین العابدین، آزاد۔ ۱۷۳۷
۹۔ شیخ ذوالفقار علی، آزاد۔ ۴۵

۱۷۲۔ شیام پور

کل ووٹ :۔ ۱۴۸۵۳۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۵۲۰۹ (۸۴٫۳۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۱۷۱۳
۱۔ جل دھر سامنتا، اے آئی ایف بی۔ ۵۵۵۵۴
۲۔ گیان رنجن سامنتا، آزاد۔ ۳۴۲
۳۔ نکھل کبیراج، آزاد۔ ۳۸۰
۴۔ باسودیب منڈل، آزاد۔ ۵۸۶
۵۔ منورنجن مجمدار، شیو سینا۔ ۱۲۸
۶۔ ملا جہانگیر، آئی ڈی بی پی۔ ۲۷۶
★۷۔ شیخیر کمار داس، آئی این سی۔ ۵۹۰۸۱
۸۔ شیخ عبدالکلام، آزاد۔ ۲۵۹
۹۔ سومیندو کھانڈرا، بی جے پی۔ ۵۰۹۷

۱۷۳۔ باگنان

کل ووٹ :۔ ۱۵۶۴۳۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۱۷۴۰ (۸۴٫۲۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۹۲۹۹
۱۔ نروپما چٹرجی، سی پی آئی (ایم) ۶۰۰۷۵
۲۔ باسودیب داس، آزاد۔ ۱۶۱
★۳۔ سروج دتہ، آئی این سی۔ ۶۲۸۰۵
۴۔ پروفیسر سرجیت مہاپترا، بی جے پی۔ ۵۶۱۴
۵۔ شیخ محمد حنیف، آزاد۔ ۴۵۹
۶۔ ڈاکٹر سید شاہ عالم، آزاد۔ ۱۸۵

۱۷۴۔ کلیان پور

کل ووٹ :۔ ۱۳۵۳۶۳

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۴۱۵۶ (۳۳ر۴۸فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۲۵۷

۱۔ اشوک منّا، آزاد۔ ۱۱۰

★ ۲۔ اسیت مترا، آئی این سی۔ ۵۵۷۱

۳۔ جے دیوکنار، آمرا بنگالی۔ ۱۲۴

۴۔ لولائی چندراناسو، بی جے پی۔ ۲۴۱۵

۵۔ مقصود احمد، سی پی آئی (ایم)۔ ۵۴۰۹۱

۶۔ شیخ محیب الرحمٰن، آزاد۔ ۹۶

۱۷۵۔ آمتا

کل ووٹ :- ۱۴۲۵۱۱

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۷۸۶۰ (۸۲ر۷۰ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۵۹۶۳

۱۔ تپس دھارا، بی جے پی۔ ۱۹۰۲

★ ۲۔ پراتیوش مکھرجی، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۲۰۰۱

۳۔ پراس باکولی، آئی این سی۔ ۵۱۸۰۷

۴۔ موراری کرار، آمرا بنگالی۔ ۲۵۳

۱۷۶۔ اُدے نرائن پور

کل ووٹ :- ۱۴۱۵۳۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۰۸۶۱ (۸۵ر۳۹ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۸۸۲۹

۱۔ کنائی لال مائتی، آزاد۔ ۵۶۱۷

★ ۲۔ نالی گوپال چودھری، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۴۵۵۹

۳۔ رنجیت کولے، آمرا بنگالی۔ ۲۲۹

۴۔ شیامل رنجن کنار، آئی این سی۔ ۴۶۱۰۲

۵۔ سنت ہاجرا، بی جے پی۔ ۱۹۲۶

۱۷۷۔ جنگی پاڑہ

کل ووٹ :- ۱۵۳۳۲۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۰۵۵۶ (۸۵ر۱۵ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۸۲۳۴

★ ۱۔ ابھا دے، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۵۲۴۹

۲۔ کنہائی لال مالدار، بی جے پی۔ ۵۵۱۸

۳۔ جے دیو جیو پادھیائے، آزاد۔ ۲۷۶

۴۔ دیپن مکھرجی، آئی این سی۔ ۵۷۱۷۱

۱۷۸۔ چنڈی تلہ

کل ووٹ :- ۱۸۶۶۵۰

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۵۲۲۲۰ (۸۱ر۵۴ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۴۸۵۹۵

★ ۱۔ اکبر علی خندوکار، آئی این سی۔ ۷۲۳۹۰

۲۔ مالیں گھوش، سی پی آئی (ایم)۔ ۷۰۳۷۶

۳۔ ملن داس، آزاد۔ ۴۶۲

۴۔ روپن گھوش، بی جے پی۔ ۵۲۶۷

۱۷۹۔ اُتر پاڑہ

کل ووٹ :- ۲۰۱۴۰۴

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۵۹۰۴۷ (۷۸ر۹۷ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۵۴۹۵۳

★ ۱۔ جیوتی کرشنا چٹو پادھیائے، سی پی آئی (ایم)۔ ۷۵۶۸۰

۲۔ پورن کمار گپتا، آئی این سی۔ ۶۹۹۲۹

۳۔ پردیپ کنڈو، آزاد۔ ۷۲۸

۴۔ رادھا بھومک، بی جے پی۔ ۸۲۹۸

۵۔ سریندر پرساد، آزاد۔ ۳۱۸

۱۸۰۔ سری رام پور

کل ووٹ :- ۱۶۲۷۸۶

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۴۸۸۵ (۷۰ر۵۸ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۲۲۶۴

★ ۱۔ سمیش گوسوامی، سی پی آئی (ایم)۔ ۴۰۰۱۱

۲۔ اشوک کہار، آزاد۔ ۱۲۳

۳۔ دلال چندر چٹرجی، آزاد۔ ۱۳۹

★ ۴۔ جیوتی چودھری، آئی این سی۔ ۵۵۹۲۳

۵۔ دار وغہ رائے، آزاد۔ ۳۴۴

۶۔ رنجیت چٹرجی، آزاد۔ ۲۶۹

۷۔ شیو مورتی ترپاٹھی، بی جے پی۔ ۸۲۵۷

۸۔ شیتس ناتھ ٹھاکر، آزاد۔ ۶۷۵

۹۔ پروفیسر سوراج مکھوپادھیائے، ایس یو سی آئی (کمیونسٹ)۔ ۴۵۲

۱۸۱۔ چاپدانی

کل ووٹ :- ۲۰۵۲۹۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۵۷۸۱۳ (۷۶ر۸۷ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۵۴۱۰۱

۱۔ اشوک چندا، آزاد۔ ۷۸

★ ۲۔ عبدالمنان، آئی این سی۔ ۷۴۲۳۳

۳۔ پرکاش چندرا رائے، آزاد۔ ۴۸۴

۴۔ رمیش کمار گپتا، بی جے پی۔ ۱۲۰۵۰

۵۔ رام ناتھ ماجھی، آزاد۔ ۴۳۸

۶۔ سمر رائے، آزاد۔ ۶۲۹

۷۔ سنیل سرکار، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۵۲۳۱

۸۔ پروفیسر سوراج مکھوپادھیائے، ایس یو سی آئی (کمیونسٹ)۔ ۱۰۱۲

۱۸۲۔ چندر نگر

کل ووٹ :- ۱۷۷۷۰۹

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۲۶۰۴ (۸۰ر۲۵ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۳۹۳۲۰

★ ۱۔ کمل مکھرجی، آئی این سی۔ ۶۹۵۶۵

۲۔ تندرا بھٹاچاریہ، بی جے پی۔ ۵۲۲۳

۳۔ دیبیندو گوہا، آزاد۔ ۳۸۹

۴۔ دیپ کمار شیل، آزاد ۔ ۲۴۸
۵۔ ننی گوپال بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۴۲۳
۶۔ مدن موہن رائے، آزاد۔ ۱۶۰
۷۔ شمبھو داس، شیو سینا۔ ۷۴۵
۸۔ سدھیا چندر پادھیائے، سی پی آئی (ایم) ۶۲۵۳۱

۱۸۳۔ سینگور

کل ووٹ ۔ ۱۵۸۰۷۶
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۳۳۷۱ (۸۲٫۳۷ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۳۱۰۷۰
۱۔ ترالی چندر داس، آزاد۔ ۱۲۳
★ ۲۔ بدیوت کمار داس، سی پی آئی (ایم) ۶۶۴۴۵
۳۔ درگا پرساد بھٹاچاریہ، آئی این سی۔ ۵۸۷۳۹
۴۔ سالندر ناتھ رائے، آزاد۔ ۳۳۴
۵۔ ستیہ نارائن پاسوان، آزاد۔ ۱۸۲
۶۔ لیلھا ملک، آزاد۔ ۲۶۷
۷۔ سوسیر چٹرجی، بی جے پی۔ ۴۹۸۰

۱۸۴۔ ہری پال

کل ووٹ ۔ ۱۴۲۷۴۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۲۶۵ (۸۶٫۱ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۹۶۳
★ ۱۔ کالی پرساد بسواس، سی پی آئی (ایم) ۶۳۶۹۸
۲۔ گوردھن کرمکار، بی جے پی۔ ۳۱۱۰
۳۔ مدن ماتا پادھیائے، آزاد۔ ۲۹
۴۔ سمیرن مترا، آئی این سی۔ ۵۳۹۱
۵۔ سرجیت دیب ناتھ۔ آزاد۔ ۵۵۵

۱۸۵۔ تارکیشور

کل ووٹ ۔ ۱۴۰۵۰۹

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۴۲۶۱ (۸۸٫۴۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۰۴۳
۱۔ اجیت کمار گھوش، آئی این سی۔ ۴۸۶۰۸
★ ۲۔ پرتیم چٹرجی، سی پی آئی (ایم) ۷۰۱۲۷
۳۔ سوکمار کھاڑا، بی جے پی۔ ۳۳۰۸

۱۸۶۔ چنسورہ

کل ووٹ ۱۷۶۹۷۴
ڈالے گئے ووٹ ۱۴۹۳۰۹ (۸۲٫۲۷ فیصد)
جائز ووٹ ۱۴۴۶۵۰
۱۔ ارونابھا بھٹاچاریہ، آزاد۔ ۴۳۲
۲۔ جگدیش ساد، آزاد۔ ۱۳۵
۳۔ بیر داس گپتا، آئی این سی۔ ۶۶۹۹۸
★ ۴۔ نارن دے، اے آئی ایف بی۔ ۶۸۲۸۱
۵۔ گوکل چندر ورتی، شیو سینا۔ ۶۱۱
۶۔ کملیندو چکرورتی، بی جے پی۔ ۶۹۲۱
۷۔ ستیا نارائن ساؤ، آزاد۔ ۲۰۸
۸۔ بترن دھر چکرورتی، آزاد۔ ۱۷۰
۹۔ سرتو سرکار، آزاد۔ ۳۲۹

۱۸۷۔ بانسبیڑیا

کل ووٹ ۔ ۱۵۳۰۸۵
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۹۳۹۴ (۸۴٫۵۲ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۶۹۵۴
۱۔ کالی پرساد بیٹوا، آزاد۔ ۶۷
۲۔ پردیپ کمار باسو، آزاد۔ ۲۴۵
۳۔ پردیپ کمار ساہا، آزاد۔ ۶۵
۴۔ پردیپ سین گپتا، سی پی آئی (ایم) ۵۹۲۸۱
۵۔ دکاش کمار کار، شیو سینا۔ ۲۲۷
۶۔ رگھو لال سونکار، آزاد۔ ۲۸۴

★ ۷۔ روس مکھرجی، آئی این سی۔ ۶۲۵۲۸
۸۔ ربتا مکھرجی، بی جے پی۔ ۳۵۱۰
۹۔ شنکر ہیمرم، جے ایم ایم۔ ۷۴۷

۱۸۸۔ بالاگڑھ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۸۲۹۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۹۴۱۰ (۸۷٫۲۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۶۵۲۴
۱۔ کرشنا چندر لوہار (بی جے پی) ۷۶۲۱
★ ۲۔ دیپا کاستا، سی پی آئی (ایم) ۶۶۱۸۲
۳۔ وشواناتھ ملک، آئی این سی۔ ۵۱۲۳۱
۴۔ شکتی چندر ملک، آزاد۔ ۱۴۹۰

۱۸۹۔ پنڈوا

کل ووٹ :۔ ۱۶۹۹۱۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۴۵۳۰ (۸۵٫۵۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۲۲۹۳
۱۔ انصار علی، آزاد۔ ۲۰۲
★ ۲۔ علی شیخ ماجد، سی پی آئی (ایم) ۷۷۹۱۱
۳۔ گوپال گھوش، سی پی آئی (ایم ایل) ۱۲۴۲
۴۔ سید رزیر مالک، بی جے پی۔ ۷۳۱۴
۵۔ مدن موہن ہانسدا، آزاد۔ ۵۴۶
۶۔ مدھو سودن سرجی، آئی این سی۔ ۵۲۸۰۱
۷۔ لکشمی نارائن باؤل داس، بی ایس پی۔ ۵۷۵
۸۔ شیخ منیر الدین، آزاد۔ ۱۷۰۲

۱۹۰۔ پولبا

کل ووٹ :۔ ۱۴۳۰۷۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۶۴۸۷ (۸۸٫۴۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۴۶۷۳

۱۔ حالادھر چکرورتی، بی جے پی۔ ۲۴۴۵
۲۔ معین الحق، آئی این سی۔ ۵۷۸۷۲
۳۔ روسن داس، شیوسینا۔ ۹۷۶
۴۔ رسندراناتھ چٹوپادھیائے، ایف بی (ایس) ۲۹۰
★ ۵۔ بنکتی پدو کھاترا، سی پی آئی (ایم) ۶۲۹۸۵
۶۔ تستکاری چٹوپادھیائے، آئی ڈی پی پی ۸۵

۱۹۱۔ دھنیاکھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۴۲۹۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۸۸۹۹ (۸۹٫۳۳ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۵۹۱۷
۱۔ استیما پترا، آئی این سی۔ ۴۴۴۷۴
★ ۲۔ کرپاسندھو ساہا، آئی ایف بی۔ ۷۶۴۱۲
۳۔ سورریہ ساہا، بی جے پی۔ ۵۰۳۱

۱۹۲۔ پرسورہ

کل ووٹ :۔ ۱۴۱۲۵۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۳۴۹۵ (۸۷٫۴۳ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۱۶۳۸
۱۔ موہن مائتی گور، آئی این سی۔ ۴۶۲۳۷
★ ۲۔ سائی کمال، سی پی آئی (ایم) ۷۱۸۰۲
۳۔ سمعید مکھرجی، بی جے پی۔ ۳۴۲۵
۴۔ سوکمار گوجیت، آمرا بنگالی۔ ۱۷۴

۱۹۳۔ کھاناکل (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۷۲۲۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۵۰۹۳ (۸۵٫۹۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۲۷۰۷
۱۔ ترون ساہا، بی جے پی ۴۷۰۷
★ ۲۔ بسس بدل مانترا، سی پی آئی (ایم) ۷۳۱۹۶
۳۔ باسودیو باجرا، آئی این سی۔ ۵۴۴۷۸
۴۔ شانتی رائے، آمرا بنگالی۔ ۳۲۶

۱۹۴۔ آرام باغ

کل ووٹ :۔ ۱۷۵۸۶۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۵۰۰۸۰ (۸۵٫۳۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۷۲۷۲
۱۔ ڈاکٹر اناتھ بندھو دے، بی جے پی۔ ۷۲۲۰
۲۔ عبدالشکور، آئی این سی۔ ۴۷۸۳۹
★ ۳۔ بنوئے دتہ، سی پی آئی (ایم) ۹۱۹۳۹
۴۔ سدانند پال، آزاد۔ ۲۷۴

۱۹۵۔ گنوگھاٹ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۶۱۵۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۴۲۰۴ (۸۶٫۷۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۰۵۶۶
۱۔ ڈاکٹر نالو رام رائے، آزاد۔ ۵۲۹
۲۔ بن مالی کٹاری، آزاد۔ ۳۶۳۸
۳۔ مہادیو سانترا، بی جے پی۔ ۹۱۳۶
۴۔ لکشمی چرن کانری، آئی این سی۔ ۲۶۹۷۵
★ ۵۔ شیو پرساد ملک، اے آئی ایف بی۔ ۹۰۲۸۸

۱۹۶۔ چندرکونا

کل ووٹ :۔ ۱۵۱۲۵۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۶۴۱۱ (۹۰٫۱۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۴۰۱۶
★ ۱۔ گروپد دتہ، سی پی آئی (ایم) ۷۹۰۱۷
۲۔ منگلا چرن دیندار، بی جے پی۔ ۷۳۰۳
۳۔ طائے بھٹاچاریہ، آئی این سی۔ ۴۷۶۹۶

۱۹۷۔ گھاٹال (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۵۲۷۹
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۴۳۹۰ (۸۵٫۶۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۶۵۲
★ ۱۔ ابھی رام دولوئی، بی جے پی۔ ۱۸۹۶
۲۔ رجنی کانتا دولوئی، آئی این سی۔ ۵۱۱۵۸
★ ۳۔ رتن پکھیرا، سی پی آئی (ایم) ۶۹۳۴۲
۴۔ شیاما پد دولوئی، آمرا بنگالی۔ ۲۵۶

۱۹۸۔ داسپور

کل ووٹ :۔ ۱۳۲۷۸۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۱۴۰۵ (۸۳٫۹۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۹۴۲۷
۱۔ جگن ناتھ گوسوامی، آئی این سی۔ ۵۰۷۷۰
۲۔ بیریندر پال، بی جے پی۔ ۲۰۹۷
★ ۳۔ چتو رنجن مکھوپادھیائے، سی پی آئی (ایم) ۵۶۵۶۰

۱۹۹۔ نندن پور

کل ووٹ :۔ ۱۲۵۵۶۳
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۱۵۶۹ (۸۸٫۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۹۵۵۴
۱۔ گور ہری گیری، بی جے پی ۱۶۳۱
★ ۲۔ چھایا بیرا، سی پی آئی (ایم) ۵۵۸۲۶
۳۔ نرمل مائتی، آئی این سی۔ ۵۱۷۶۹
۴۔ سوکمار مائتی، آزاد۔ ۳۲۸

۲۰۰۔ پانسکوڑہ مغرب

کل ووٹ :۔ ۱۴۱۹۸۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۴۷۶۱ (۸۷٫۸۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۵۷۲
۱۔ اجیت بھوک، آزاد ۴۸۲۶

۲ ذکی الرحمان خان، آئی این سی ۵۴۱۹
★۳۔ چترنجن داس ٹھاکر، سی پی آئی ۵۷۶۴۴
۴۔ یشیت مائتی، آزاد۔ ۱۹۹
۵۔ وشنوپد رکوئٹی، بی جے پی۔ ۵۵۳۰
۶۔ یسادھن پٹنائک، آمرا سگالی، ۱۸۳

۲۰۱۔ پانسکوڑہ مشرق

کل ووٹ : ۱۵۰۴۲۵

ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۳۳۰۴۴ (۴۳ء۸۸ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۳۱۱۵۱

۱۔ توشار کانتی داس، بی جے پی۔ ۲۷۲۴

★۲۔ سیلے رائے چودھری، آئی این سی۔ ۶۲۴۹۶

۳۔ ملک حیدر، آزاد۔ ۱۲۵

۴۔ ستیش سرکار، سی پی آئی (ایم) ۶۲۲۵۹

۵۔ ہری پدو پرمانک، آزاد۔ ۲۳۶۷

۲۰۲۔ تاملوک

کل ووٹ ۔ ۱۴۸۴۵۱

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۳۷۶۷ (۱۱ء۹۰ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۳۰۶۷۸

★۱۔ انیل مودی، آئی این سی۔ ۶۱۴۰۹

۲۔ ترن دلیپتس پرمانک، آزاد۔ ۹

۳۔ موتی لال کھنوا، بی جے پی۔ ۲۳۴۶

۴۔ ماس بیرا، آزاد۔ ۴۴۸۸

۵۔ سدھیر رکس ادھیکاری، آزاد۔ ۲۶۶

۶۔ سرجیت باگچی، سی پی آئی ۶۱۰۷۹

۲۰۳۔ موئنا

کل ووٹ ۔ ۱۴۴۳۰۳

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۱۲۲۹ (۴۹ء۹۰ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۹۵۸۶

۱۔ اشوک کمار منڈل، شیوسینا۔ ۲۱۰

★۲۔ دیپک بیرا، سی پی آئی (ایم) ۶۳۴۲۰

۳۔ نِکل چندر راجا، آزاد۔ ۱۲۴

۴۔ مانک بھومک، آئی این سی ۔ ۶۳۳۲۴

۵۔ سبھاش داس گپتا مہاپاترا، بی جے پی۔ ۱۳۹۲

۲۰۴۔ مہیشادل

کل ووٹ ۔ ۱۲۸۸۴۶

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۷۱۸۲ (۱۵ء۹۰ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۵۵۸۷

۱۔ جکرورتی سوریا، سی پی آئی (ایم) ۵۲۴۶۴

۲۔ سیرا داس چیرتی، سی پی آئی (ایم ایل۔ ایل) ۱۲۴

۳۔ تپس مائتی، آزاد۔ ۳۶۸

۴۔ شیتل پرساد ماگ، بی جے پی۔ ۳۵۸۹

★۵۔ سوکمار داس، آئی این سی ۔ ۵۸۷۵۴

۲۰۵۔ سوتا ہاٹا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۸۱۵۸۶

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۶۲۳۳۷ (۴ء۸۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۶۰۳۳۶

۱۔ کالی پدو داس، بی جے پی۔ ۲۱۵۶

★۲۔ توستار کانتی منڈل، آئی این سی۔ ۸۱۴۶۱

۳۔ ستیہ سدا بیرا، سی پی آئی (ایم) ۷۶۲۳۸

۴۔ سری کرشن چندرا پرمانک، آزاد۔ ۱۸۴

۲۰۶۔ نندی گرام

کل ووٹ :۔ ۱۴۶۵۸۱

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۸۱۶۰ (۴۳ء۸۷ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۲۵۷۰۸

۱۔ جے دیو ستیہ پتی، بی جے پی۔ ۱۵۰۸

★۲۔ دیوی شنکر پانڈا، آئی این سی۔ ۶۱۸۸۵

۳۔ نرملندو پہاڑی، آزاد۔ ۱۱۸

۴۔ کھوالی پرساد داس، آزاد۔ ۵۰۴

۵۔ شکتی بل، سی پی آئی ۔ ۶۱۷۴۷

۲۰۷۔ نرگھاٹ

کل ووٹ :۔ ۱۴۷۰۸۱

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۴۰۶۳ (۱۵ء۱۱ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۳۱۱۲۶

۱۔ تپس کر، بی جے پی۔ ۲۳۴۲

★۲۔ برہماموئے نندا، سی پی آئی (ایم) ۶۸۴۴۰

۳۔ رنجیت کھنتیا، شیوسینا۔ ۷۵۳

۴۔ سوردیندو کماربیج، آئی این سی۔ ۶۲۹۵

۵۔ سوادیش منا، آزاد۔ ۱۲۶

۲۰۸۔ بھگوان پور

کل ووٹ :۔ ۱۲۰۵۸۰

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۸۹۴۴ (۴۰ء۹۰ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۰۷۴۲۰

۱۔ انل رائے، بی جے پی۔ ۳۳۱۷

★۲۔ کھاٹرا جیت، آئی این سی ۔ ۵۱۵۵۶

۳۔ نارائن داس چندرا، آزاد۔ ۷۶۳

۴۔ لولی گوپال بیرا، آزاد۔ ۵۲۱

۵۔ پردھان پرساتا کمار، سی پی آئی (ایم) ۵۱۲۶۳

۲۰۹۔ کھجوری (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۲۲۰۵۰

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۰۰۴۴ (۱۶ء۹۰ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۸۶۱۵

۱۔ گردھاری منڈل، بی جے پی۔ ۲۶۱۷

٭۲۔ رام چندر امنڈل، سی پی آئی (ایم) ۶۰۲۸۹
۳۔ سورل بیگ، آئی این سی۔ ۴۵۷۰۹

۲۱۰۔ کنٹائی شمال

کل ووٹ :۔ ۱۳۱۰۳۲
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۸۴۰۱ (۹۰،۳۶ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۱۶۳۴۳
۱۔ کالی پدو مائتی، آزاد۔ ۵۰
٭۲۔ چرودھر میشکپ، سی پی آئی (ایم) ۵۵۸۰۷
۳۔ جگن ناتھ داس، آزاد۔ ۴۹۰
۴۔ وشویشور پانڈا، بی جے پی۔ ۳۴۳۴
۵۔ مکل وکاش مائتی، آئی این سی۔ ۵۴۵۷۴
۶۔ رردیپ کار کائل، آزاد۔ ۵۴۴
۷۔ سوکار جانا، آزاد۔ ۵۲۲

۲۱۱۔ کنٹائی جنوب

کل ووٹ :۔ ۱۳۶۲۴۶
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۵۶۴۵ (۸۴،۸۸ فیصد)
حائز ووٹ:۔ ۱۱۲۱۹۵
۱۔ ابیل جیت جانا، آزاد۔ ۳۹
۲۔ ارون داس، آزاد۔ ۲۳۹
۳۔ اشرن راج کرن، آزاد۔ ۹۰۳
۴۔ پرتکھات پلب بیرا اس، بی جے پی۔ ۷۱۵۹
٭۵۔ ستیلا کا کار داس، آئی این سی۔ ۵۴۴۶۶
۶۔ سکھندو مائتی، سی پی آئی ۴۶۶۶۵
۷۔ سید ضیاء الرحمن بخش، آزاد۔ ۱۱۳
۸۔ ہرپیا کار داس، آزاد۔ ۲۵۸۱

۲۱۲۔ رام نگر

کل ووٹ :۔ ۱۵۱۹۹۵
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۳۵۰۳ (۸۷،۸۳ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۳۱۴۹۹
۱۔ انیل برن باجرا، بی جے پی۔ ۳۲۱۲
۲۔ دیپک کار داس، آئی این سی، ۶۳۴۸۸
٭۳۔ مرنال کانتی رائے، سی پی آئی (ایم) ۶۳۵۳۸
۴۔ شیخ محمد مشیرالدین، آزاد۔ ۱۶۳
۵۔ ستیہ رنجن داس، آزاد۔ ۱۰۹۸

۲۱۳۔ ایگرا

کل ووٹ :۔ ۱۴۰۲۷۵
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۳۶۹۲ (۸۸،۱۸ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۲۱۱۸۵
۱۔ بنوئے پہاڑی، بی جے پی۔ ۷۶۳۶
۲۔ رام شنکر جانا، آزاد۔ ۹۷۵
٭۳۔ پرلودھ چندر اسنہا، سی پی آئی (ایم) ۶۲۱۴۴
۴۔ سیموس تیوتی مائتی، آئی این سی۔ ۵۰۴۳۰

۲۱۴۔ مگبیٹریا

کل ووٹ :۔ ۱۲۹۰۵۲
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۷۹۸۴ (۹۱،۴۲ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۱۶۲۳۹
٭۱۔ کرن موئے نندا، سی پی آئی (ایم) ۶۵۳۳۱
۲۔ نریندر داس، آزاد۔ ۳۲۰
۳۔ سارائن مکھرجی، آئی این سی۔ ۴۶۳۰۶
۴۔ پربھاش مائتی، آزاد۔ ۱۱۲۰
۵۔ سدانندا دے، بی جے پی۔ ۳۱۶۲

۲۱۵۔ پٹاسپور

کل ووٹ :۔ ۱۳۸۰۸۳
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۷۹۸۸ (۹۲،۶۹ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۲۶۴۷۹
۱۔ انیل گوسوامی، بی جے پی۔ ۳۳۱۳
٭۲۔ سکھیا نندن داس مہاپاترا، سی پی آئی ۶۵۴۸۳
۳۔ داس اجل کمار، آزاد۔ ۲۰۴
۴۔ پرکش چندر بھوئیاں، آئی این سی۔ ۵۷۰۰۹
۵۔ پرملا کار کر، آزاد۔ ۲۰۶
۶۔ ششھر اکانتی سامنتا، آزاد۔ ۱۹۱
۷۔ ستیا مایدرا، آزاد۔ ۷۳

۲۱۶۔ سبنگ

کل ووٹ :۔ ۱۲۶۴۴۲
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۲۲۹۳ (۹۶،۵۱ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۲۱۱۲۸
۱۔ ناگیندر ناتھ جانا، بی جے پی۔ ۵۹۴
٭۲۔ ڈاکٹر مکھن لال بنگال، آزاد۔ ۶۰۴۵۳
۳۔ بھبوتوش منڈل، آزاد۔ ۴۵۳
۴۔ ڈاکٹر مانس بھوئیاں، آئی این سی۔ ۵۹۶۲۸

۲۱۷۔ پنگلا

کل ووٹ :۔ ۱۳۱۲۷۷
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۰۴۱۴ (۹۱،۷۳ فیصد)
حائز ووٹ :۔ ۱۱۸۴۲۵
۱۔ انیل جانا، آزاد۔ ۷۵۹
٭۲۔ رام پدو سامنتا، سی پی آئی (ایم) ۶۷۲۲۳
۳۔ سنوکیش مائتی، بی جے پی۔ ۲۵۵۲
۴۔ سیس دوبے، آئی این سی۔ ۴۷۸۹۱

۲۱۸۔ دیبرا

کل ووٹ :۔ ۱۳۹۱۹۳
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۷۰۵۱ (۹۱،۲۸ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۴۵۲۰

۱۔ اردن کارداس، آزاد۔ ۸۲۴۲

۲۔ پردیوت سانترا، بی جے پی۔ ۲۵۷۶

۳۔ رسندرا ناتھ سیرا، آئی این سی۔ ۴۲۲۲۴

★ ۴۔ شیخ جہانگیر کریم، سی پی آئی (ایم)، ۷۱۴۷۸

۲۱۹۔ کیشی پور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۳۵۴۱

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۱۸۶۰ (۹۱٫۸۰ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۸۸۶

★ ۱۔ نندا رانی دل، سی پی آئی (ایم) ۸۳۸۴۶

۲۔ نندرام بھوئیاں، بی جے پی۔ ۳۲۳۲

۳۔ لکشمی کانت ماتی، آزاد۔ ۱۴۰۶

۴۔ سنیاسی دلوئی، آئی این سی۔ ۴۰۳۷۶

۲۲۰۔ گاربیٹا مشرق

کل ووٹ :- ۱۳۲۲۳۱

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۰۷۷۱ (۹۱٫۳۳ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۱۸۱۲۷

★ ۱۔ سستا گھوش، سی پی آئی (ایم) ۷۸۷۳۹

۲۔ جوہر لال سموئی، جے ایم ایم۔ ۳۱۶۴

۳۔ تپس چکرورتی، آئی این سی۔ ۲۷۳۶۳

۴۔ رتھندرا ناتھ چکرورتی، بی جے پی۔ ۸۸۶۱

۲۲۱۔ گاربیٹا مغرب (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۳۷۶۸۸

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۴۴۲۱ (۹۰٫۳۶ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۱۲۵۳

★ ۱۔ کرشنا پرساد دولے، سی پی آئی (ایم) ۷۵۵۷۳

۲۔ تپس شکاری، جے ایم ایم۔ ۹۷۵۳

۳۔ ترون منڈل، بی جے پی۔ ۹۱۵۰

۴۔ سدھارتا بسائی، آئی این سی۔ ۲۶۷۷۷

۲۲۲۔ سالبونی

کل ووٹ :- ۱۲۷۹۰۳

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۲۹۶۵ (۸۸٫۳۲ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۰۸۰۷۰

۱۔ اردن گھوش، بی جے پی۔ ۶۳۵۱

۲۔ دلیپ اچاریہ، جھارکھنڈ پارٹی۔ ۱۵۲۳

★ ۳۔ سکھندرا ناتھ مہاتا، سی پی آئی (ایم) ۶۵۰۷۳

۴۔ معارف حسین حدکار، شیو سینا۔ ۲۹۸

۵۔ ستیش داس، جھارکھنڈ (نارین) ۲۵۴۵۹

۶۔ بستی مہاتا، آزاد۔ ۲۷۷۲

۷۔ چھتردھر مہاتا، آزاد۔ ۶۱۲۰

۸۔ گشتا ستا ساہو، آزاد۔ ۴۷۴

۲۲۳۔ مدناپور

کل ووٹ :- ۱۷۵۶۲۹

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۴۷۰۴۴ (۸۳٫۷۲ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۴۳۷۳۰

۱۔ اجیت کمار چٹرجی، بی جے پی۔ ۶۲۱۸

۲۔ اپرنا دتہ، آمرا بنگالی۔ ۲۹۰

۳۔ جیوتر موئے دے، آزاد۔ ۲۰۱

۴۔ دینس رائے، آئی این سی۔ ۵۷۱۱۲

۵۔ کمائی چندر پال، آزاد۔ ۱۵۷

★ ۶۔ پرسدو سین گپتا، سی پی آئی۔ ۷۳۰۰۸

۷۔ ادار سنگھ، انڈین ڈیموکریٹک پیپلز پارٹی۔ ۴۱۵

۸۔ منورنجن ماجھی، آزاد۔ ۲۵۰

۹۔ مکیتس گھوش، شیو سینا۔ ۲۳۵

۱۰۔ اسیٹال ہانسدا، جھارکھنڈ (نارین) ۴۸۱۱

۱۱۔ اسرا بونی باگ، آزاد۔ ۸۸

۱۲۔ شیخ ڈاکٹر عبد الحنان، مسلم لیگ، ۱۲۰۶

۲۲۴۔ کھڑگپور (شہر)

کل ووٹ :- ۱۴۲۰۷۶

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۰۶۵۳ (۷۰٫۸۴ فیصد)

جائز ووٹ :- ۹۴۹۰۷

۱۔ کالی داس مانک، سی پی آئی (ایم) ۲۴۸۵۹

۲۔ گوتم چوبے، آزاد۔ ۱۰۴۲۸

★ ۳۔ گیان سنگھ سوہن پال، آئی این سی۔ ۳۹۹۸۳

۴۔ دیبندو دتہ (آزاد) ۱۴۳

۵۔ ماگرادن (آزاد) ۲۰۰

۶۔ پردیپ کمار پٹنائک، بی جے پی۔ ۵۹۳۴

۷۔ سواجیت سین گپتا، آزاد۔ ۱۱۸

۸۔ محمد حنیف، جے ایم ایم، ۳۹۶

۹۔ ستھریندو مکھرجی، شیو سینا۔ ۲۹۲

۱۰۔ ستیہ دیو شرما، آزاد۔ ۱۲۵۵۴

۲۲۵۔ کھڑگپور (گاؤں)

کل ووٹ :- ۱۶۰۰۸۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۳۱۹۷۸ (۸۲٫۴۴ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۷۷۵۶

۱۔ الوک کارکر، آزاد۔ ۱۱۵۴

۲۔ ادک گائن، مسلم لیگ۔ ۱۹۶

۳۔ انور حسین، آزاد۔ ۶۶۷

۴۔ رنجیت باسو، آئی این سی، ۴۳۸۸۰

۵۔ رام چندر سارین، سمتا پارٹی۔ ۳۳۵

۶۔ سستانکا پاترا، بی جے پی۔ ۸۴۲۷

★ ۷۔ نجم الحق، سی پی آئی (ایم) ۷۳۰۹۷

۲۲۶۔ کیشیاری (شیڈولڈ ٹرائب)

50

کل ووٹ :- ۱۴۲۳۷۱
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۶۴۹۸ (۸۸٫۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۳۰۱۷
۱۔ گوری ٹوڈو، آئی این سی۔ ۳۱۰۳۵
۲۔ سنگل ماسکے، آمرا بنگالی۔ ۷۲۶
۳۔ من متھا ناتھ سنگھ، بی جے پی۔ ۸۸۹۰
★ ۴۔ مہیشور مرمو، سی پی آئی (ایم) ۸۲۳۶۶

۲۲۷۔ نارائن گڑھ

کل ووٹ :- ۱۴۹۴۹۳
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۳۳۶۷۹ (۸۹٫۴۲ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۳۰۸۹۶
۱۔ دلیپ کمار پاترا، بی جے پی۔ ۶۵۲۶
۲۔ درگیش شرا، آئی این سی۔ ۳۹۹۱۱
۳۔ بیجن بیردھان، آزاد۔ ۴۸۹۴
★ ۴۔ سوریہ کانتا مشرا، سی پی آئی (ایم) ۷۹۵۶۵

۲۲۸۔ ڈانتن

کل ووٹ :- ۱۴۴۱۱۷
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۳۶۸۲ (۸۵٫۸۲ فیصد)
جائز ووٹ:- ۱۲۰۷۰۳
۱۔ ادیناتس داس، بی جے پی۔ ۱۴۶۱۴
★ ۲۔ نند گوپال بھٹاچاریہ، سی پی آئی۔ ۷۷۰۲۴
۳۔ بیریندر ناتھ کھٹوا، آزاد۔ ۴۲۶
۴۔ سنیل برن گری، آئی این سی۔ ۲۸۶۳۹

۲۲۹۔ نیا گرام (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۲۱۷۶۵
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۰۳۲۷۱ (۸۱٫۴۸ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۰۰۰۸۶
۱۔ کمل ساورین، ہل جھارکھنڈ۔ ۹۸۳
۲۔ جگیشور ہانسدا، جھارکھنڈ پارٹی (نارین) ۱۳۵۵۴
۳۔ پریم چند ٹوڈو، بی جے پی۔ ۵۱۷۶
۴۔ مدھوسدن ساورین، آئی این سی۔ ۱۷۹۸۷
۵۔ روپائی ہیمبرم، جے ایم ایم۔ ۴۴۳۲
★ ۶۔ سبھاش چندر ہانسدا، سی پی آئی (ایم) ۵۷۹۵۴

۲۳۰۔ گوپی بلبھ پور

کل ووٹ :- ۱۳۴۱۵۱
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۹۳۲۴ (۸۸٫۹۵ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۶۰۱۱
۱۔ انیرودھ گھڑائی، آزاد۔ ۶۸۸۸
★ ۲۔ راناسکتی، سی پی آئی (ایم) ۷۳۳۰۸
۳۔ ریکھا رانی مہاتو، آئی این سی۔ ۲۰۵۰۴
۴۔ سدھانگشو شیکھر گھڑائی، بی جے پی۔ ۲۷۵۱
۵۔ سوشیل مہاتو، جھارکھنڈ پارٹی (نارین) ۱۲۵۶۰

۲۳۱۔ جھاڑ گرام

کل ووٹ :- ۱۵۷۸۵۰
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۳۵۵۸۲ (۸۵٫۹ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۳۲۲۹۲
۱۔ کارتک مہانتا، جھارکھنڈ پارٹی (نارین) ۱۴۵۸۴
۲۔ شکتی گیتا رانی داس، آزاد۔ ۳۵۹
۳۔ گن دھر مہاتا، جھارکھنڈ پارٹی۔ ۳۲۴
۴۔ گروپد مہاتا، ہل جھارکھنڈ۔ ۲۳۲۶
۵۔ جیتیہ مرمو، آئی این سی۔ ۱۹۹۷۵
۶۔ پشوپتی ساہو، آزاد۔ ۶۹۹
★ ۷۔ بدھادیو بھگت، سی پی آئی (ایم) ۸۷۸۸۶
۸۔ رنجیت مہاتا، جے ایم ایم۔ ۱۶۰۵
۹۔ سریندر ناتھ مہاتا، بی جے پی۔ ۴۴۲۶

۲۳۲۔ بین پور (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۳۲۴۱۷
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۱۸۳۳ (۸۴٫۴۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۰۶۵۹۳
۱۔ امرت ساورین، آزاد۔ ۳۰۱
۲۔ آکیل مرمو، بی جے پی۔ ۳۶۹۶
۳۔ درگا ٹوڈو، سی پی آئی (ایم) ۵۰۴۹۷
★ ۴۔ نارین ہانسدا، جے کے پی (نارین) ۵۰۹۸۱
۵۔ رام چندر ساورین، جے ایم ایم۔ ۱۱۱۸

۲۳۳۔ بندوان (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۲۵۶۸۱
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۰۰۱۵۲ (۷۹٫۶۹ فیصد)
جائز ووٹ :- ۹۵۵۲۷
۱۔ اجیت کمار ہانسدا، جے ایم ایم (ایم) ۲۸۰۹
۲۔ کملا کانتا باسکے، آزاد۔ ۱۷۴۴
۳۔ نیرنجن سورین، آمرا بنگالی۔ ۴۶۰
۴۔ جوگیشور مرمو، جھارکھنڈ پارٹی۔ ۷۸۲
۵۔ راما کانائی کسکو، آزاد۔ ۶۰۵
۶۔ شیتل چندر ہمبرم، آئی این سی۔ ۱۸۰۹۷
★ ۷۔ لکھی رام کسکو، سی پی آئی (ایم) ۵۳۶۸۰
۸۔ سریندر کسکو، بی جے پی۔ ۱۶۶۴

۲۳۴۔ مان بازار

کل ووٹ :- ۱۳۴۸۲۳
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۱۷۱۳ (۸۲٫۸۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱ ۷۹۴۲
★ ۱۔ کملا کانتا مہاتا، سی پی آئی (ایم) ۵۳۱۵۵
۲۔ سیل کمل مہاتا، بی جے پی۔ ۱۳۶۴۴
۳۔ پرکاش چندر مہاتا، آزاد۔ ۷۹۱

۴۔ بالاسری مرمو، جے ایم ایم (ایم) ۱۰۳۰۴
۵۔ رام چندرا مہاتا، جے ایم ایم ۔ ۷۱۷
۶۔ سیتارام مہاتا، آئی این سی ۔ ۱۴۵۷۴

۲۳۵ - بلرام پور (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :۔ ۱۲۵۰۹۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۰۷۹۲ (۸۰۵۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۹۶۰۱۵
۱۔ امبر سنگھ لایا، آزاد ۔ ۲۰۴۰
۲۔ دلال منڈی، آئی این سی ۱۹۸۷۶
۳۔ دلودسنگھ سردار، آزاد ۔ ۱۱۰۶۵
۴۔ بیبھوتی سارن، بی جے پی ۳۳۲۹
★ ۵۔ صدد ماجھی، سی پی آئی (ایم) ۶۱۴۰۵

۲۳۶ - ارشا

کل ووٹ :۔ ۱۳۹۶۲۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۶۹۹۶ (۶۱۶۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۲۰۸۰
۱۔ اجیت پرساد مہاتا، جے کے ایم ایم ۱۱۹۸۷
۲۔ الوک کار سرکار، آزاد ۔ ۱۷۵
۳۔ اشوک کار جیوتیادھیہ، آزاد ۔ ۹۴
۴۔ کرم چند مہاتا، آزاد ۔ ۴۵۶
۵۔ لکھیہ پرساد سنگھ دیو آئی این سی ۔ ۳۸۰۳۰
۶۔ دھیریندرناتھ کمار، بی جے پی ۔ ۱۷۹۵
★ ۷۔ بیتس کاستا مہتہ، اے آئی ایف بی ۴۱۶۹۴
۸۔ بستی کرشن مہاتا، آزاد ۔ ۳۶۵
۹۔ ستیہ نارائن ماجھی، آزاد ۔ ۱۸۲
۱۰۔ سورسا کار، آزاد ۔ ۱۸۸۹
۱۱۔ سوسانتا مہاتا، آزاد ۔ ۱۹۳

۲۳۷ - جھالدا

کل ووٹ ۔ ۱۳۹۷۸۳
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۸۸۵۳ (۷۷۸۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۴۵۸
۱۔ کومد مہاتو، آزاد ۔ ۳۲۴
۲۔ دبراج مہاتو، بی جے پی ۲۲۴۰
۳۔ دھیرن چندر مہاتو، آزاد ۔ ۱۰۷۴
۴۔ یشوریق مہاتو، آمرا بنگالی ۔ ۵۸۴
۵۔ مرالی دھر مہاتو، آزاد ۔ ۷۴۲۱
★ ۶۔ ستیہ رنجن مہاتو، اے آئی ایف بی ۔ ۴۸۰۳۰
۷۔ سبھاش مہاتو، آئی این سی ۔ ۴۴۸۳۵

۲۳۸ - جے پور

کل ووٹ ۔ ۱۴۱۶۸۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۰۴۵۶ (۷۷۹۶ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۶۵۸۳
۱۔ اولیہ مہاتو، آمرا بنگالی ۔ ۶۶۴
۲۔ اسلم الدین سوداگر، آزاد ۔ ۲۲۹
۳۔ کمھاکر مہاتو، جے ایم ایم (ایم) ۱۵۵
★ ۴۔ دھنارام مہاتو، بی جے پی ۔ ۲۱۹۸
۵۔ سدیستور مہاتو، اے آئی ایف بی ۔ ۴۸۰۶۰
۶۔ شمبھوناتھ ستر ادھر، آزاد ۔ ۱۱۵
★ ۷۔ شانتی رام مہاتو، آئی این سی ۔ ۵۲۵۱۹
۸۔ ستیش چندرا مہاتو، جے ایم ایم ۔ ۲۵۳۷

۲۳۹ - پرولیا

کل ووٹ ۔ ۱۶۰۶۲۱
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۷۱۷۹ (۷۹۱۸ فیصد)
جائز ووٹ ۔ ۱۲۳۰۲۵
۱۔ دھیرن راحک، جھارکھنڈ پارٹی ۔ ۲۴۳
۲۔ نور محمد، جے ایم ایم (مردی) ۱۵۱
۳۔ پراناتھو مہاتو، بی جے پی ۔ ۲۴۱۶
۴۔ سمیت بسواس، آزاد ۔ ۳۱۴
★ ۵۔ ممتا مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۵۹۱۲۰
۶۔ مہادیو مہاتا، جے ایم ایم ۔ ۲۹۹۷
۷۔ مائیکل ناگ، آزاد ۔ ۱۳۹
۸۔ رسدراناتھ پرامانک، آزاد ۔ ۴۲۱
۹۔ بستادھر مہاتو، آزاد ۔ ۱۵۷
۱۰۔ ساگر مہاتو، آزاد ۔ ۱۲۸
۱۱۔ ڈاکٹر سوکمار رائے، آئی این سی ۔ ۵۶۷۳۸

۲۴۰ - پارا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۷۲۵۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۳۲۴۳ (۷۶۹۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۸۹۲۷
۱۔ گوردھن باگتی، جے ایم ایم ۔ ۲۰۳۵۲
۲۔ یورلیش باؤڑی، آزاد ۔ ۳۴۷۸
۳۔ سہادیو باؤڑی، آزاد ۔ ۷۳۸
★ ۴۔ بیلاسی بالا سہاسی، سی پی آئی (ایم) ۶۴۸۳۷
۵۔ میرا باؤڑی، آئی این سی ۔ ۱۹۵۲۲

۲۴۱ - رگھوناتھ پور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۲۸۱۶۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۰۰۹۲ (۷۸۱۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۹۶۷۰۷
★ ۱۔ ناٹوبر باگدی، سی پی آئی (ایم) ۴۷۷۰۱
۲۔ لوبا کمار باؤڑی، آئی این سی ۔ ۳۲۲۳۵
۳۔ بورن باؤڑی، جے ایم ایم ۔ ۵۱۰۴
۴۔ بیجوئے باؤڑی، آزاد ۔ ۸۰۴۷
۵۔ سدھیر لوہار، بی جے پی ۔ ۳۶۲۰

۲۴۲ - کاشی پور (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۲۷۷۰۶

ڈالے گئے ووٹ :- ۹۹۲۵۵(۷۷٫۷۲ فیصد)

جائز ووٹ :- ۹۵۷۱۵

۱۔ دیوسرن ہانسدا، جے ایم ایم ۔ ۳۳۔۷۶۳۳

۲۔ پارسبھاش چندرا، آئی این سی ۔ ۲۸۳۷۳

۳۔ بھودیب ہیمبرم، آزاد ۔ ۱۴۷۸

۴۔ رسندرا ناتھ ہیمبرم، سی پی آئی (ایم) ۵۴۴۸۷ ★

۵۔ رمیتور ماجھی، بی جے پی ۔ ۳۶۴۴

۲۴۳۔ ہورا

کل ووٹ :- ۱۳۲۵۸۶

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۳۶۴۰ (۷۸٫۱۰ فیصد)

جائز ووٹ :- ۹۹۸۳۳

۱۔ انادی پرساد ماجھی، آزاد ۔ ۱۳۷۶

۲۔ ابیناس مہاتو، سی پی آئی (ایم) ۵۴۴۹۰ ★

۳۔ اردھا مبزجی، بی جے پی ۔ ۲۸۴۷

۴۔ نگھمبر مہاتو، جے ایم ایم ۔ ۲۳۶۰۶

۵۔ ڈاکٹر بھیرب چندرا مہاتو، آئی این سی ۔ ۱۳۰۶۵

۶۔ جوگیندرا ناتھ ہانسدا، جے ایم ایم (ہردی) ۴۱۷۷

۷۔ یکشمی کانتا مہاتو، آمرا بنگالی ۔ ۲۹۲

۲۴۴۔ تال ڈانگرا

کل ووٹ :- ۱۴۹۳۳۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۸۸۹۲ (۸۶٫۳۱ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۶۰۳۸

۱۔ ایشور ٹوڈو، جے ایم ایم ۔ ۴۳۶۲

۲۔ کیمن ہانسدا، آزاد ۔ ۵۲۶

۳۔ دیبا پرساد سنگھا برا ٹھاکر، آئی این سی ۔ ۳۱۷۸۱

۴۔ دھیرن لائیک، آزاد ۔ ۶۷۴

۵۔ موہن پاترا، سی پی آئی (ایم) ۷۶۸۱۰ ★

۶۔ مہادیب حال، بی جے پی ۔ ۱۱۸۸۵

۲۴۵۔ رائے پور (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۴۹۱۶۷

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۲۶۲۹۵ (۸۴٫۶۷ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۲۱۹۸۵

۱۔ انیل کائیدا، آزاد ۔ ۱۸۴

۲۔ ادتیہ کسکو، جے پی (نارائن) ۱۵۹۴۷

۳۔ اوپین کسکو، سی پی آئی (ایم) ۶۷۷۵۴ ★

۴۔ رودی ناتھ منڈی، جے ایم ایم ۔ ۵۹۴۰

۵۔ رام کرشنا مرمو، بی جے پی ۲۷۷۴

۶۔ سکھ چند سرن، آزاد ۔ ۵۵۸

۷۔ سکھ چند منڈی، جھارکھنڈ، ۵۵۲

۸۔ ستیرتی ریکھا کسکو، آئی این سی ۔ ۲۶۲۷۸

۲۴۶۔ رانی باندھ (شیڈولڈ ٹرائب)

کل ووٹ :- ۱۳۹۰۱۳

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۸۴۰۱ (۷۷٫۹۸ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۰۴۶۸۱

۱۔ انیل ہانسدا، آئی این سی ۔ ۲۶۰۶۵

۲۔ جگن ناتھ ٹوڈو، جے پی (نارائن) ۷۶۰۷

۳۔ میلن ٹوڈو، جے ایم ایم ۔ ۷۲۶۳

۴۔ دیب لینا ہیمبرم، سی پی آئی (ایم) ۵۸۴۷۴ ★

۵۔ باسن ہانسدا، بی جے پی ۔ ۵۰۹۸

۶۔ رگھو ناتھ ٹوڈو، آزاد ۔ ۱۷۴

۲۴۷۔ اندپور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۰۷۹۶

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۷۵۱۹ (۷۶٫۳۷ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۰۲۱۳۱

۱۔ کیرتی باگدی، سی پی آئی ۔ ۶۰۴۸۲ ★

۲۔ گوپال چندرا راجک، آزاد ۔ ۳۳۱

۳۔ جینتو منڈل، بی جے پی ۔ ۱۳۰۳۷

۴۔ درگا پدو باوڑی، جے ایم ایم ۔ ۲۷۸۲

۵۔ بلرام باوڑی، آزاد ۔ ۴۸۵۲

۶۔ موہن چندرا منڈل، آزاد ۔ ۳۴۹

۷۔ لائنگ ویویکا نند، آئی این سی ۔ ۱۵۹۶۶

۸۔ گوڑ چندر لوہار، آزاد ۔ ۳۸۱۵

۹۔ سیلا باوڑی، آزاد ۔ ۵۱۷

۲۴۸۔ چھتنا

کل ووٹ :- ۱۳۶۴۲۷

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۰۱۰۳۷ (۷۴٫۱۸ فیصد)

جائز ووٹ :- ۹۵۷۲۴

۱۔ اشوک میٹر، بی جے پی ۳۶۳۰

۲۔ کسائی منڈل، آزاد ۔ ۱۴۸۰

۳۔ بھوت ناتھ کسکو، آزاد ۔ ۲۵۹۳

۴۔ کرشنا چندرا مرمو، آزاد ۔ ۷۶۴

۵۔ گوپال بنرجی، آزاد ۔ ۴۱۲

۶۔ سبھاش گوسوامی، آر ایس پی ۴۹۳۶۲ ★

۷۔ دھن جوئے رکشت، آزاد ۔ ۳۶۳

۸۔ پربھات رنجن مکھرجی، ایس پی ۳۶۰

۹۔ سوہن منڈل، آئی این سی ۔ ۳۶۸۶۰

۲۴۹۔ گنگا جل گھاٹی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۱۴۲۱۵۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۱۱۱۳۵۷ (۷۸٫۳۳ فیصد)

جائز ووٹ :- ۱۰۷۶۰۹

۱۔ انگل باوڑی، سی پی آئی (ایم) ۶۳۹۴۹ ★

۲۔ گوئی رام ماجھی، آئی این سی ۔ ۴۰۳۴۶

۲۔ رنجیت منڈل، بی جے پی۔ ۳۴۳۱۳

۲۵۰۔ بڑجورا

کل ووٹ ۔۔ ۱۵۷۱۳۵

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۲۴۷۷ (۸۴٫۳۱ فیصد)

جائز ووٹ ۔۔ ۱۲۸۶۳۰

۱۔ کارتک گھوش، آزاد۔ ۸۳۱

۲۔ تاپوتی سرخی، آئی این سی۔ ۵۳۱۲۱

۳۔ پریہ ناتھ کار، بی جے پی ۵۰۳۷

۴۔ بلشمن دے، شیوسینا۔ ۲۴۰۳

۵۔ سیل سرکار، آزاد۔ ۳۹۶

★ ۶۔ سوسمیتا بسواس، سی پی آئی (ایم) ۶۶۸۴۲

۲۵۱۔ بانکوڑہ

کل ووٹ ۔ ۱۶۴۳۹۸

ڈالے گئے ووٹ ۔۔ ۱۳۶۴۵۹ (۸۲٫۹۱ فیصد)

جائز ووٹ ۔۔ ۱۲۶۳۴۷

۱۔ ادھوریہ جیسٹدرن، بی جے پی۔ ۹۳۶۷

۲۔ اسیتش جیر درتی، آئی این سی۔ ۴۹۴۴۹

۳۔ گریدھاری کشترا، آزاد۔ ۱۹۶

۴۔ گوبردھن تیت، آزاد۔ ۱۱۴۰

۵۔ موتی لال مربو، جے ایم ایم۔ ۱۱۹۹

★ ۶۔ پارتھو دے، سی پی آئی (ایم) ۶۴۳۲۵

۷۔ بستیل رائے، آزاد۔ ۴۱۲

۸۔ سودام دتہ، شیوسینا۔ ۲۵۹

۲۵۲۔ اوندا

کل ووٹ ۔ ۱۵۸۳۲۰

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۹۰۹۲ (۸۱٫۵۴ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۲۱۲۱۰

۱۔ اجیت تریویدی، سی پی آئی (ایم ایل) لبریشن ۷۷۸

★ ۲۔ انیل ٹھاکر، اے آئی ایف بی۔ ۶۸۰۷۰

۳۔ اروپ خان، آئی این سی۔ ۳۳۷۴۲

۴۔ عبدالحیٰ ملک، جے ایم ایم۔ ۴۵۷۹

۵۔ اسیتش پاترا، شیوسینا۔ ۴۹۶

۶۔ کرشنا پرساد گوسوامی، آزاد۔ ۱۷۹

۷۔ کوڑ سکو سوامی، آزاد۔ ۱۴۱۴

۸۔ حنارحن ٹھاکر، آزاد۔ ۱۰۴۹

۹۔ بیجر دے، بی جے پی۔ ۹۵۰۵

۱۰۔ ستکر جیتیا دھیلڑے۔ آزاد۔ ۴۹۱

۱۱۔ منڈل، سمتا پارٹی۔ ۹۰۷

۲۵۳۔ وشنوپور

کل ووٹ ۔۔ ۱۴۱۳۸۶

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۲۴۹۷ (۸۶٫۶۴ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۹۳۷۳

۱۔ آستس ریتسور، شیوسینا۔ ۱۳۹۶

★ ۲۔ جیتو جیر دھرن، سی پی آئی (ایم) ۶۷۰۰۰

۳۔ دھیر پیدرا ناتھ دتہ، بی جے پی۔ ۸۲۲۷

۴۔ بدھادیب ٹھکرجی، آئی این سی۔ ۴۲۷۵۰

۲۵۴۔ کوتل پور

کل ووٹ ۔ ۱۴۹۷۸۸

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۳۴۴۳۹ (۸۹٫۷۵ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۳۲۰۵۰

★ ۱۔ گورن پدا دتہ، سی پی آئی (ایم) ۸۴۲۵۰

۲۔ بکھیل بوس، آئی این سی۔ ۳۶۴۳۴

۳۔ باسودیب پال، آزاد۔ ۵۲۳

۴۔ ستکتی دھردے، بی جے پی۔ ۱۰۸۴۳

۲۵۵۔ اِندس (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۴۲۳۴۵

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۲۴۱۱۶ (۸۷٫۱۹ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۲۱۵۷۰

۱۔ ڈیگر باسودیب، بی جے پی۔ ۱۸۷۶۱

★ ۲۔ نند دلال ماجھی، سی پی آئی (ایم) ۷۶۸۵۱

۳۔ موہا کمار راجک، آئی این سی۔ ۲۵۹۵۸

۲۵۶۔ سونا مکھی (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۳۷۰۳۸

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۸۲۶۸ (۸۶٫۳ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۴۵۳۱

۱۔ استوپی کار رائے، آزاد۔ ۹۹

۲۔ تورالی رائے، آزاد۔ ۳۱۴

۳۔ پولا کیتس ساہا، آئی این سی۔ ۳۹۸۱۴

۴۔ ہری سادھن لوہار، بی جے پی۔ ۷۰۶۸

★ ۵۔ ہرادھن باؤڑی، سی پی آئی (ایم) ۶۴۳۷۶

۲۵۷۔ کلٹی

کل ووٹ ۔ ۱۷۳۸۹۱

ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۹۶۴۳ (۶۸٫۸۱ فیصد)

جائز ووٹ ۔ ۱۱۳۲۲۱

۱۔ اجیت کمار گھٹک (مولوی) آئی این سی ۴۷۹۸۴

۲۔ انیتا ہالدار، آزاد۔ ۳۲۰

★ ۳۔ اچاریہ مانک لال، اے آئی ایف بی۔ ۴۹۸۵۲

۴۔ اشیش کمار آچاریہ، آمرا بنگالی۔ ۳۴۷

۵۔ ایشور لال پاسوان، آزاد۔ ۴۴۷

۶۔ پربھاکر ماجھی، آزاد۔ ۳۲۵

۷۔ بھارت پرساد گپتا، آزاد۔ ۱۵۱

۸۔ راجیو دے، آزاد۔ ۱۶۴

۹۔ روکمینی پرساد، آزاد۔ ۱۳۲۶

۱۰۔ سکر لوئنیہ، آزاد۔ ۱۱۲۱
۱۱۔ سوکھو کورلی، آزاد۔ ۱۵۹
۱۲۔ ریکھی کیشس بوئیتامدی، بی جے پی۔ ۱۱۰۲۲

۲۵۸- بارہ بنی

کل ووٹ :- ۱۶۶۰۶۳
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۵۱۱۶ (۷۵٫۳۴ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۲۱۴۷۶
۱۔ ایکل سورین۔ آزاد۔ ۱۲۴۹
۲۔ کنائی داس، آزاد۔ ۲۴۴
۳۔ جگدیش راهک، آزاد۔ ۱۰۵۱
۴۔ حق راجوار، بی جے پی۔ ۵۷۲
۵۔ یودیش ماجھی سی پی آئی (ایم) ۵۱۹۵۹
۶۔ مدن سنگھ، آزاد۔ ۲۴۶
*۷۔ مالک ایادھیہ، آئی این سی۔ ۶۱۲۲۵
۸۔ سبن داس، آزاد۔ ۴۳۰

۲۵۹- ہیراپور

کل ووٹ :- ۱۴۸۲۹۵
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۰۱۴۹۰ (۶۸٫۴۴ فیصد)
جائز ووٹ :- ۹۹۰۲۳
۱۔ اکلی تر ڈو، آزاد۔ ۱۰۸۳
۲۔ آستیش ٹھکرجی، آزاد۔ ۱۶۰
۳۔ جونتسا ماجھی، آزاد۔ ۱۸۱
۴۔ دیپک ٹھکرجی، آزاد۔ ۳۷۱
۵۔ دیپالی منڈل، آزاد۔ ۶۸۹
۶۔ ناڈو گوپال رائے، امرا بنگالی۔ ۵۵۳
۷۔ بیتالی پدا برس، آزاد۔ ۶۵۷
۸۔ یورلیش دتہ، بی جے پی۔ ۲۳۴۴۳
۹۔ برتاپ سنگھ، آزاد۔ ۴۱۷

۱۰۔ بلبیدر سنگھ، آزاد۔ ۳۱۱
۱۱۔ بھگوت کمار ملک، آزاد۔ ۱۶۱
۱۲۔ ممتاز حسین، جنتا دل۔ ۲۵۸۷۳
۱۳۔ محمد سہراب علی، آزاد۔ ۹۶۴۲
۱۴۔ میٹھائی لال راجبھر، آزاد۔ ۱۷۱
۱۵۔ شکیل احمد، اے آئی سی (تیواری) ۴۳۰
*۱۶۔ شیاما داس بنرجی، آئی این سی۔ ۳۱۸۱۳
۱۷۔ سمیر کمار دے، آزاد۔ ۱۶۱

۲۶۰- آسنسول

کل ووٹ :- ۱۷۴۸۸۳
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۲۱۴۹۹ (۶۹٫۴۷ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۷۵۴۳
۱۔ اوم پرکاش سنگھ، آزاد۔ ۶۸
۲۔ گوتم رائے چودھری، سی پی آئی (ایم) ۴۷۲۱۱
۳۔ جتین لوئی دتہ، آزاد۔ ۳۰۵
*۴۔ تاپوش بنرجی، آئی این سی۔ ۵۸۸۴۵
۵۔ ڈاکٹر تریپتی ترشدہ دتہ، بی جے پی۔ ۹۶۴۹
۶۔ دیپالی منڈل، آزاد۔ ۳۷۳
۷۔ ڈنک بائن، امرا بنگالی۔ ۳۲۱
۸۔ مہیر کمار سکھوپادھیہ، آزاد۔ ۱۶۴
۹۔ لکشمی چکرورتی، آزاد۔ ۶۸۹
۱۰۔ سوکمار سرکار، آزاد۔ ۳۰۶

۲۶۱- رانی گنج

کل ووٹ :- ۱۶۰۱۰۳
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۱۷۰۹۹ (۷۳٫۱۴ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۱۳۵۷۰
*۱۔ بنسا گوپال چودھری، سی پی آئی (ایم) ۷۱۳۳۷
۲۔ جگابندھو بنرجی، بی جے پی۔ ۵۰۴۳

۳۔ دھیراج گوالا، آزاد۔ ۵۸۲
۴۔ دھیریندا پرتاپ سنگھ، آزاد۔ ۶۵۲
۵۔ راجیش ساؤ، آزاد۔ ۲۶۷
۶۔ سبینا پتی منڈل، آئی این سی۔ ۳۵۶۸۹

۲۶۲- جموریا

کل ووٹ :- ۱۵۵۵۱۴
ڈالے گئے ووٹ: ۱۲۴۶۴۳ (۸۰٫۲۵ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۰۹۰۳۷
۱۔ سنتوش ادھیکاری، آئی این سی ۳۲۹۳۶
۲۔ اشیشور سنگھ، آزاد۔ ۲۸۹
۳۔ گیرامرمو، آزاد۔ ۲۵۸۶
*۴۔ پلّب کبی، سی پی آئی (ایم) ۶۸۷۵۸
۵۔ لکشمن باوڑی، بی جے پی۔ ۳۰۷۴
۶۔ سچیدانند مشرا، آزاد۔ ۲۳۵
۷۔ سوامی ناتھ ہرنجن، آزاد۔ ۱۱۵۹

۲۶۳- اکھرا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۲۳۰۵۵۴
ڈالے گئے ووٹ:- ۱۴۴۳۲۳ (۶۲٫۵۶ فیصد)
جائز ووٹ :- ۱۳۹۵۸۲
۱۔ گھن شیام رام، بی جے پی۔ ۶۸۷۱
۲۔ جیٹھو رام، آئی این سی۔ ۵۸۷۲۲
۳۔ سہاس باوڑی، اے آئی سی (تیواری) ۲۰۷
۴۔ نول کشور پاسوان، آزاد۔ ۱۹۳۴
*۵۔ لکھن باگدی، سی پی آئی (ایم) ۶۷۲۹۸
۶۔ شانتی رنجن داس، آزاد۔ ۱۰۹۲
۷۔ مرادھن بیدیہ کار، آزاد۔ ۴۷

۲۶۴- درگاپور-I

کل ووٹ :۔ ۱۵۶۴۸۳
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۷۹۴۴ (۷۶٫۳۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۵۰۴۳
۱۔ اکھیل منڈل، بی جے پی۔ ۷۱۹۶
۲۔ کانن مرجی، آزاد۔ ۲۴۶
۳۔ برہم دیوگپتا، آزاد۔ ۲۳۲
۴۔ مدھوسدن مرجی، آزاد۔ ۲۰۰
۵۔ مدھوسدن بسمبا، آزاد۔ ۲۶۴۸
۶۔ مکل سمنتا، امرا بنگالی۔ ۲۷۱
۷۔ مرگیندرا ناتھ پال، آئی این سی۔ ۴۲۶۳۵
*۸۔ مرنال مرجی، سی پی آئی (ایم) ۵۹۶۴۳
۹۔ رودن سیس تودو، آزاد۔ ۹۴۱
۱۰۔ لکشمی نارائن راٹھور، آزاد۔ ۲۲۴

۲۶۵۔ درگاپور-II

کل ووٹ ۔ ۲۵۳۳۸۸
ڈالے گئے ووٹ۔۔ ۲۱۹۳۱۹ (۸۶/۲۵ فیصد)
جائز ووٹ ۔۔ ۱۸۷۶۷۸
۱۔ انوپ دتہ، آزاد۔ ۶۸۴
۲۔ جمار داوراج، آزاد۔ ۱۷۰۸
۳۔ دیپ کمار دتہ، آزاد۔ ۵۷۸
*۴۔ دیبا برتا مرجی، سی پی آئی (ایم) ۹۵۲۹۸
۵۔ دیبیندرا پرساد گپتا، آزاد۔ ۱
۶۔ مولونیہ کانتی دتہ، آئی این سی، ۶۷۹۰۶
۷۔ رون شنکر سنگھ، آزاد۔ ۳۶۷
۹۔ ساستری منڈی، امرا بنگالی۔ ۶۱۳۷
۹۔ سومناتھ مرجی، بی جے پی۔ ۱۹۸۴۲
۱۰۔ ہریندرا ناتھ کتا، آزاد۔ ۲۵۸

۲۶۶۔ کانکسا (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۰۸۶۸
ڈالے گئے ووٹ۔۔ ۱۲۳۷۶۶ (۸۲٫۰۴ فیصد)
جائز ووٹ۔۔ ۱۲۰۴۱۷
*۱۔ انکو اسورلیش، سی پی آئی (ایم) ۷۴۲۴۲
۲۔ لکشمی نارائن ساہا، بی جے پی۔ ۱۵۴۲۱
۳۔ سبیا مکتو منڈل، آئی این سی۔ ۳۰۷۵۴

۲۶۷۔ اوس گرام (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔۔ ۱۴۶۳۳۴
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۵۷۵۷ (۸۵٫۹۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۷۹۷
۱۔ اشوک ماجھی، شیوسینا۔ ۸۵۰
*۲۔ کارتک چندرا باگ، سی پی آئی (ایم) ۸۱۲۷۸
۳۔ سنیل جمدار، بی جے پی۔ ۷۵۸۸
۴۔ سری دھر ماجھی، آزاد۔ ۲۸۴
۵۔ سوکمار ساہا، آئی این سی ۳۲۷۹۷

۲۶۸۔ بھاتار

کل ووٹ ۔۔ ۱۴۲۹۱۸
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۲۲۱۱ (۸۵٫۵۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۹۲۴۸
۱۔ سوروپ گرسوانی، بی جے پی۔ ۶۹۲۹
۲۔ پراتول چندرا دھیبر، آزاد۔ ۱۸۴
۳۔ محبوب عالم، آزاد۔ ۳۰۹
۴۔ ستیہ لال سورین، شیوسینا۔ ۱۲۸۱
۵۔ ستری کانت رانا، سی پی آئی (ایم ایل-ایل) ۳۷۷
۶۔ ستری پت ہرجن، آزاد۔ ۱۳۲
*۷۔ سبھاش منڈل، سی پی آئی (ایم) ۷۰۳۴۰
۸۔ سورنا گھوش، آئی این سی۔ ۳۹۳۳۶

۲۶۹۔ گلسی

کل ووٹ ۔۔ ۱۴۲۴۲۰
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۰۶۱۳ (۸۴٫۶۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۵۴۹۴
*۱۔ ادریس منڈل، اے آئی ایف بی۔ ۶۰۲۴۲
۲۔ بنل مادھب منڈل، بی جے پی۔ ۱۱۰۰۷
۳۔ شیب شنکر برمن، آزاد۔ ۸۰۵۰
۴۔ سوپن مکھوپادھیہ، ایف بی (ایس) ۲۶۸
۵۔ سید امداد علی، آئی این سی۔ ۳۱۳۲۷

۲۷۰۔ بردوان شمال

کل ووٹ ۔۔ ۱۷۶۳۴۱
ڈالے گئے ووٹ۔۔ ۱۵۳۲۸۵ (۸۶٫۹۳ فیصد)
جائز ووٹ۔۔ ۱۴۹۸۴۲
*۱۔ نشیت ادھیکاری، سی پی آئی (ایم) ۹۳۶۱۷
۲۔ آنند ابھتاچاریہ، سی پی آئی (ایم ایل-ایل) ۳۷۰
۳۔ جگن ناتھ کونار، آزاد۔ ۲۰۳۴
۴۔ رائے موہن داس، آئی این سی۔ ۴۶۰۹۱
۵۔ رمیندر ناتھ سنگھ، آزاد۔ ۲۶۴
۶۔ لکشمی کانتا داس، بی جے پی۔ ۵۰۴۸
۷۔ لالن شیخ، آزاد۔ ۳۶۱

۲۷۱۔ بردوان جنوب

کل ووٹ ۔۔ ۲۰۱۸۵۸
ڈالے گئے ووٹ۔۔ ۱۶۷۵۰۵ (۸۲٫۹۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۶۳۴۳۱
۱۔ کنائی لال چودھری، بی جے پی۔ ۱۰۱۳۸
۲۔ سادھن کمار گھوش، آئی این سی۔ ۶۸۳۷۷
۳۔ دیپک داس، شیوسینا۔ ۶۴۳
*۴۔ نرشیاما پرساد بوس، سی پی آئی (ایم) ۸۲۶۶۷
۵۔ شیخ سراج الدین، آزاد۔ ۳۵۵

۶۔ ہری تندل رام، آزاد۔ ۲۵۱

۲۷۲۔ کھاندا گھوش (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۳۷۴۸۸
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۱۸۵۰۶ (۱۹ء۸۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۶۱۴۳
*۱۔ ستیہ پرساد دلوئی، سی پی آئی (ایم) ۷۷۱۰۲
۲۔ باسودیب منڈل، آئی این سی۔ ۳۲۰۴۱
۳۔ بیتٹرن سالما، بی جے پی۔ ۷۰۰۰

۲۷۳۔ راینا

کل ووٹ :۔ ۱۴۵۹۷۱
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۴۵۹۳ (۳۵ء۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۲۰۹۴
۱۔ ارسد ابھٹاچاریہ، آئی این سی۔ ۳۴۰۵۵
۲۔ اشوک ساسترا، بی جے پی۔ ۸۳۷۵
*۳۔ ستیہ ماپرساد یال، سی پی آئی (ایم) ۷۹۴۴۳

۲۷۴۔ جمال پور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۵۷۳۶۶
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۹۲۲۰ (۴۶ء۸۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۶۳۵۲
۱۔ بولک گھروئی، آزاد۔ ۴۵۹
۲۔ برساتا پاترا، بی جے پی۔ ۷۱۸۳
۳۔ سیدیہ ناتھ داس، آئی این سی، ۴۵۲۴۷
۴۔ سوتیل سانترا، جے ایم ایم۔ ۳۴۹۱
*۵۔ سمر پاترا، سی پی آئی (ایم) ۷۹۹۷۲

۲۷۵۔ میماری

کل ووٹ :۔ ۱۸۲۲۴۹
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۹۴۲۳ (۴۸ء۸۷ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۵۶۷۷۴
*۱۔ تاپس چٹوپادھیہ، سی پی آئی (ایم) ۹۴۶۳۹
۲۔ نیا کمار چٹرجی، آئی این سی۔ ۴۹۸۲۶
۳۔ بھیشما دیب بھٹاچاریہ، بی جے پی۔ ۹۴۰۹
۴۔ مکندا سورین، جے ایم ایم۔ ۲۳۱۷
۵۔ سمیر کمار پوددار، آزاد۔ ۳۱۲
۶۔ مہردے نندا ہالدار، شیوسینا۔ ۲۷۴

۲۷۶۔ کالنا

کل ووٹ :۔ ۱۵۸۱۸۷
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۰۶۹۶ (۹۴ء۸۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۸۰۳۹
*۱۔ انجو کار، سی پی آئی (ایم) ۷۲۳۲۹
۲۔ جگن ناتھ منڈل، سی پی آئی (ایم ایل۔ ایل) ۷۲۹
۳۔ سوکلنت پال، آزاد۔ ۱۶۳
۴۔ وشوا ناتھ گھوش، بی جے پی۔ ۶۴۰۰
۵۔ سیدیہ ناتھ مرمو، جے ایم ایم۔ ۲۲۰۱
۶۔ رہندرا ناتھ ہالدار، آزاد۔ ۲۲۵
۷۔ راکو گولدار، آزاد۔ ۱۶۷
۸۔ لکشمن کمار رائے، آئی این سی۔ ۵۵۸۲۵

۲۷۷۔ نادن گھاٹ

کل ووٹ :۔ ۱۷۰۴۷۰
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۵۱۷۹۱ (۰۴ء۸۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۴۸۳۷۹
۱۔ الوک مکھرجی، آزاد۔ ۱۳۶
۲۔ شیخ عبدالمنان، آزاد۔ ۳۳۲
۳۔ دکھی رام ہیمبرم، جے ایم ایم۔ ۱۹۹۲
*۴۔ بیرین گھوش، سی پی آئی (ایم) ۶۹۷۷۰
۵۔ بھیم چندرا باگ، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۱۵۲۰
۶۔ سوکھاموئے ناتھ، بی جے پی۔ ۱۵۸۲۷
۷۔ سوپن دیب ناتھ، آئی این سی۔ ۵۸۸۰۲

۲۷۸۔ منتیشور

کل ووٹ :۔ ۱۴۵۶۱۹
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۲۰۳۴۵ (۶۴ء۸۲ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۷۸۱۲
*۱۔ ابو عیش منڈل، سی پی آئی (ایم) ۶۷۷۵۷
۲۔ دیباسرتا رائے، آئی این سی۔ ۴۴۴۵۱
۳۔ سیاساچی چودھری، بی جے پی۔ ۵۱۹۸
۴۔ حفیظ الرحمن منڈل، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۴۰۶

۲۷۹۔ پوربا استھالی

کل ووٹ :۔ ۱۵۶۸۵۷
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۳۱۸۱۳ (۰۳ء۸۴ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۲۸۵۱۰
۱۔ انصار منڈل، آئی این سی ۴۱۲۳۳
۲۔ کرپا ناتھ رائے، سمتا پارٹی، ۳۱۴
۳۔ جیون کرشنا داس، آزاد۔ ۳۱۸
*۴۔ ہیمانگشو دتہ، سی پی آئی (ایم) ۶۱۰۷۶
۵۔ سودھا مجمدار، سی پی آئی (ایم ایل ایل) ۲۰۱۶
۶۔ سوپن بھٹاچاریہ، بی جے پی۔ ۲۳۵۵۳

۲۸۰۔ کٹوا

کل ووٹ :۔ ۱۶۵۷۹۰
ڈالے گئے ووٹ:۔ ۱۴۳۱۱۹ (۳۳ء۸۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۹۸۵۹
۱۔ انجن چٹرجی، سی پی آئی (ایم) ۶۳۱۷۲
۲۔ آتم مجری دال، آزاد۔ ۲۰۹۴

٣۔ ربیدرا ناتھ چٹرجی، آئی این سی۔ ۵۱۷۰ *
٤۔ ستیہ گوپال گانگولی، بی جے پی۔ ۴۷۰۴

۲۸۱۔ منگل کوٹ

کل ووٹ :۔ ۱۳۵۹۹۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۳۴۶۵ (۸۳٫۴۸ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۱۱۶۴
۱۔ الوک ترنگا گوسوامی، بی جے پی۔ ۹۰۰۷
۲۔ السر نوٹال منڈل، آئی این سی۔ ۴۸۱۸۴
٣۔ پرکاش نارائن چودھری، آزاد۔ ۲۲۲
٤۔ بجے چندر سرکار، آزاد۔ ۱۸۸۵
۵۔ منشی سیف الرحمان، آزاد۔ ۲۲۵
٦۔ راکھا ہری داس، آزاد۔ ۹۶۰
۷۔ سادھن ملک، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۰۴۷۷ *

۲۸۲۔ کیتوگرام (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۷۴۱۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۲۶۵۱ (۸۳٫۲۰ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۱۷۶۹۰
۱۔ چاند کمار ساہا، بی جے پی۔ ۷۴۳۷
۲۔ نارائن چندر پورار، آئی این سی۔ ۴۷۲۱۹
٣۔ تمال ماجھی، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۶۲۱۳ *
٤۔ سبیتا دلوئی، آزاد۔ ۸۴۰

۲۸۳۔ نانور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۱۵۵۴
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۳۰۲۴ (۷۹٫۸۵ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۹۸۷۵
۱۔ آسد گوپال داس، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۲۲۵۲ *
۲۔ جٹادھاری دھیبر، بی جے پی۔ ۴۳۹۸

٣۔ شیو شنکر ساہا، آئی این سی۔ ۴۱۰۲۹
٤۔ سماج داس، آزاد۔ ۱۹۶

۲۸۴۔ بولپور

کل ووٹ :۔ ۱۳۲۶۴۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۱۹۱۵ (۸۴٫۴۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۹۴۲۱
۱۔ تپن ہور، آر ایس پی۔ ۶۵۱۲۱ *
۲۔ سندر لال ہومک، آزاد۔ ۲۷۰۱
٣۔ بنسی دھر سنگھ، آزاد۔ ۱۱۲
٤۔ محمد عالمگیر، آزاد۔ ۳۳۹
۵۔ شمبھو ناتھ گڑائی، آزاد۔ ۱۱۶۹
٦۔ شیو شنکر سرجی، آئی این سی۔ ۲۴۰۳۱
۷۔ ستیا مل چندر بھومک، آزاد۔ ۲۴۹
۸۔ سوشیل سوا اسی، بی جے پی۔ ۱۴۶۹۹

۲۸۵۔ لابھ پور

کل ووٹ :۔ ۱۳۱۰۴۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۹۱۴۰ (۸۳٫۲۹ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۶۴۵۷
۱۔ دیبی رنجن ٹکھوپادھیائے، آئی این سی۔ ۲۵۱۵۵
۲۔ سمالی سیل، آزاد۔ ۲۱۴
٣۔ گنپتی منڈل، آزاد۔ ۴۴۳
٤۔ ربیدرا ناتھ منڈل، ایس یو سی۔ ۲۲۵
۵۔ مانک چندر منڈل، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۴۳۸۳ *
٦۔ شمبھو ناتھ دبینگشی، بی جے پی۔ ۶۰۳۷

۲۸۶۔ دوبراج پور

کل ووٹ :۔ ۱۴۴۲۲۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۲۷۵۲ (۸۳٫۹۵ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۶۲۹۵
۱۔ اروِن کمار چکرورتی، آئی این سی۔ ۳۴۵۳۸
۲۔ ابرار خان، آزاد۔ ۷۸۱
٣۔ اتم کمار گھرجی، آزاد۔ ۱۹۸
٤۔ گرادھر منڈل، بی جے پی۔ ۴۸۲۵
۵۔ گڑائی رام جیون، آزاد۔ ۲۷۶
٦۔ بھکتی بھوشن منڈل، اے آئی ایف بی۔ ۶۶۳۱۲ *
۷۔ محمد جعفر، آزاد۔ ۳۸۵۲
۸۔ محمد محسن، آزاد۔ ۸۴
۷۔ سوکمار داس، بی جے پی۔ ۴۰۶۳

۲۸۷۔ راج نگر (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۴۰۶۰۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۸۵۵۹ (۷۷٫۲۱ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۰۱۶۸۴
۱۔ اشیش منڈل، آئی این سی۔ ۲۷۹۲۶
۲۔ پنچس بیدیہ کر، بی جے پی۔ ۱۰۹۱۰
٣۔ فاٹک بدیہ کر، آزاد۔ ۷۰۸۸
٤۔ دھجے باگدی، اے آئی ایف بی۔ ۵۵۷۶۰ *

۲۸۸۔ سیوڑی

کل ووٹ :۔ ۱۶۱۲۳۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۳۷۹۴۸ (۸۵٫۵۶ فیصد)
جائز ووٹ :۔ ۱۳۴۸۰۹
۱۔ اینتا گھرجی، آزاد۔ ۱۱۱۷
۲۔ آسد گوپال گوسوامی، آزاد۔ ۶۸
٣۔ تپن رائے، سی پی آئی (ایم)۔ ۶۰۴۸۸
٤۔ تارکیشور یادو، آزاد۔ ۱۸۳
۵۔ اشیش دے، آزاد۔ ۱۱۴۶
٦۔ مدثر حسین، آزاد۔ ۵۱۷

۸۔ سیتی جیٹوراج، آئی این سی، ۶۷۷۲۷*

۲۸۹۔ محمد بازار

کل ووٹ :۔ ۱۵۱۲۵۴

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۰۳۸۴ (۵۹ء۷۹ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۶۶۷۷

۱۔ قدوس علی، آزاد۔ ۷۶۶

۲۔ کالی شنکر گھوش، آزاد۔ ۲۰۲

۳۔ چندریکا یادو، آزاد۔ ۳۰۲

۴۔ چندرادھر پال، آزاد۔ ۵۱۷

۵۔ چترکن ہانسدا، آزاد۔ ۲۵۴

۶۔ دلال چندرا منڈل، آزاد۔ ۵۴

۷۔ دیب کن رائے، آزاد۔ ۷۹

۸۔ دھیرن سین، سی پی آئی (ایم)، ۶۵۸۱۲*

۹۔ ست کار دلائی، جے ایم ایم۔ ۲۱۲۶

۱۰۔ نرمل چندرا منڈل، بی جے پی۔ ۷۷۸۳

۱۱۔ راجہ رام گھوش، آئی این سی۔ ۳۸۶۷۱

۱۲۔ ڈاکٹر سبھاش چندر مکھرجی، آزاد۔ ۱۱۱

۲۹۰۔ میور یشور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۳۱۰۱۰

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۶۱۱۹ (۰۰ء۸۱ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۲۷۰۳

۱۔ انیما ہوتی مالی، آئی این سی ۱۹۰۱۵

۲۔ ارجن سنہا، بی جے پی۔ ۲۵۲۷۳

۳۔ گل دولائی، آزاد۔ ۶۲۴

۴۔ دھیرن لیٹ، سی پی آئی (ایم) ۵۷۷۹۱*

۲۹۱۔ رامپور ہاٹ

کل ووٹ :۔ ۱۴۶۱۶۴

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۰۰۸۵ (۱۶ء۸۲ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۴۲۱۶

۱۔ اشوک داؤں، آزاد۔ ۷۲۳

۲۔ تپن بوس، آزاد۔ ۸۶

۳۔ ترید یو بھٹا چاریہ، آئی این سی۔ ۱۸۶۴۵

۴۔ بلرام منڈل، آمرا بنگالی۔ ۳۵۳

۵۔ بیچارام (بیچو) سرکار، آزاد۔ ۹۶۳

۶۔ محمد حسان، اے آئی ایف بی۔ ۵۱۱۳۹*

۷۔ ستیں داس، بی جے پی۔ ۴۰۹۱۶

۸۔ سدھارت رائے، ایف بی (ایس) ۱۰۱۴

۹۔ حسنات خورشید لیسین، آزاد۔ ۳۷۷

۲۹۲۔ ہسن (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۲۹۳۴۹

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۱۴۵۲ (۱۶ء۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۶۱۲۵

۱۔ اشیت کمال، آئی این سی۔ ۵۵۲۵۶*

۲۔ پریش مال، بی جے پی۔ ۸۶۸۴

۳۔ بیدیہ ناتھ مل، آزاد۔ ۲۳۱۸

۴۔ تری لوچن داس مال ۲۰۰۹

۵۔ مہیر بائن، آر سی پی آئی (آر بھٹ) ۳۷۵۷۳

۶۔ رنجیت کمار مال، آمرا بنگالی۔ ۲۱۸

۷۔ شو کمار منڈل، آزاد۔ ۶۷

۲۹۳۔ نل ہٹی

کل ووٹ :۔ ۱۳۱۷۴۸

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۲۹۵۲ (۷۳ء۸۵ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۰۶۰۴۰

۱۔ علی عہد، آزاد۔ ۱۲۰۷

۲۔ کلیم الدین شمس، اے آئی ایف بی۔ ۵۱۴۰۱*

۳۔ دکاری ساہا، آئی این ایل۔ ۲۳۰

۴۔ بھوانی چٹرجی، ایف بی (ایس) ۱۰۸۷

۵۔ محبوب علی، آزاد۔ ۹۵۱

۶۔ رام گوپال بھنڈار، بی جے پی۔ ۹۵۹۸

۷۔ شریف حسین (ڈالم ماسٹر)، آئی این سی۔ ۳۹۷۱۵

۸۔ سناتن بھول مالی، آزاد ۱۶۴

۹۔ سدھیر کمار پال، آزاد۔ ۲۹۶

۱۰۔ سبھاش گھوش (سبول) آزاد۔ ۱۱۴۰

۱۱۔ شیخ صغیر، آئی یو ایم ایل۔ ۴۵۱

۲۹۴۔ مورارائی

کل ووٹ :۔ ۱۳۵۶۷۱

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۱۷۸۸۱ (۸۹ء۸۶ فیصد)

جائز ووٹ :۔ ۱۱۴۶۹۱

۱۔ بیدیہ ناتھ دتہ، بی جے پی۔ ۴۲۵۲

۲۔ ڈاکٹر مطہر حسین، آئی این سی۔ ۵۶۶۱۶*

۳۔ معظم حسین، سی پی آئی (ایم) ۵۱۳۳۵

۴۔ رفیق الحسن، آزاد۔ ۲۴۸۸

اعلان

رسالہ مغربی بنگال کے اس انتخابات نمبر میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ اسمبلی اور لوک سبھا انتخابات کے نتائج کی تفاصیل مکمل اور صحیح ہوں پھر بھی کہیں غلطی رہ گئی ہو تو اسکی نشاندہی ضروری ہے تاکہ آئندہ قریب میں اسکی تصحیح کی جاسکے ———— ادارہ

۱۹۹۶ء کے عام انتخابات میں

مغربی بنگال سے لوک سبھا کیلئے منتخب امیدوار

نام	پارٹی	حلقۂ انتخاب
۱۔ شری امررائے پردھان	فارورڈ بلاک	کوچ بہار (مخصوص)
۲۔ شری جواکیم باکسلا	آر ایس پی	علی پور دوار (ایس ٹی)
۳۔ شری جتندر ناتھ داس	سی پی آئی (ایم)	جلپائی گوڑی
۴۔ شری رتن بہادر رائی	سی پی آئی (ایم)	دارجلنگ
۵۔ شری سبرتا مکھرجی	سی پی آئی (ایم)	رائے گنج
۶۔ شری رانین برمن	آر ایس پی	بالور گھاٹ
۷۔ اے بی اے غنی خان چودھری	آئی این سی	مالدہ
۸۔ محمد ادریس علی	آئی این سی	جنگی پور
۹۔ سید مسعود الحسن	سی پی آئی (ایم)	مرشد آباد
۱۰۔ شری پراموتیش مکھرجی	آر ایس پی	برہمپور
۱۱۔ شری اجئے مکھوپادھیائے	سی پی آئی (ایم)	کرشنا نگر
۱۲۔ شری اسیم بالا	سی پی آئی (ایم)	نوادیپ (ایس سی)
۱۳۔ شری چتّا باسو	فارورڈ بلاک	باراسات
۱۴۔ شری اجئے چکرورتی	سی پی آئی	بشیرہاٹ
۱۵۔ شری سنت کمار منڈل	آر ایس پی	جے نگر (ایس سی)
۱۶۔ شریمتی رادھیکا رنجن پرامانک	سی پی آئی (ایم)	متھرا پور (ایس سی)
۱۷۔ شری سامک لاہیری	سی پی آئی (ایم)	ڈائمنڈ ہاربر
۱۸۔ شریمتی کرشنا بوس	آئی این سی	جادب پور
۱۹۔ شری ترت برن تپدار	سی پی آئی (ایم)	بارکپور
۲۰۔ شری نرمل کانتی چٹرجی	سی پی آئی (ایم)	دمدم
۲۱۔ شری دیبی پرشاد پال	آئی این سی	کلکتہ شمال مغرب
۲۲۔ شری اجیت کمار پانجہ	آئی این سی	کلکتہ شمال مشرق
۲۳۔ شریمتی ممتا بنرجی	آئی این سی	کلکتہ جنوب
۲۴۔ شری پریہ رنجن داس منشی	آئی این سی	ہوڑہ
۲۵۔ شری حنان ملا	سی پی آئی (ایم)	البیڑیا
۲۶۔ شری پردیپ بھٹاچاریہ	آئی این سی	شری رامپور
۲۷۔ شری روپ چند پال	سی پی آئی (ایم)	ہگلی
۲۸۔ شری انیل باسو	سی پی آئی (ایم)	آرام باغ
۲۹۔ شریمتی گیتا مکھرجی	سی پی آئی	پانسکوڑہ
۳۰۔ شری جینتو بھٹاچاریہ	آئی این سی	تاملوک
۳۱۔ شری سدھیر گیری	سی پی آئی (ایم)	کنٹائی
۳۲۔ شری اندرجیت گپتا	سی پی آئی	مدنا پور
۳۳۔ شری روپ چند مرمو	سی پی آئی (ایم)	جھاڑگرام (ایس ٹی)
۳۴۔ شری بیر سنگھ مہاتو	فارورڈ بلاک	پرولیا
۳۵۔ شری باسودیب اچاریہ	سی پی آئی (ایم)	بانکوڑا
۳۶۔ شریمتی سندھیا باوڑی	سی پی آئی (ایم)	وشنو پور (ایس سی)
۳۷۔ شری سنیل خان	سی پی آئی (ایم)	درگار پور (ایس سی)
۳۸۔ ہرادھن رائے	سی پی آئی (ایم)	آسنسول
۳۹۔ شری بلائی رائے	سی پی آئی (ایم)	بردوان
۴۰۔ شری محبوب زاہدی	سی پی آئی (ایم)	کٹوا
۴۱۔ شری سومناتھ چٹرجی	سی پی آئی (ایم)	بولپور
۴۲۔ شری رام چندر ڈوم	سی پی آئی (ایم)	بیربھوم (ایس سی)

لوک سبھا انتخابات ۱۹۵۲ ـ ۱۹۹۶ء

مغربی بنگال کی سیاسی پارٹیوں کا تقابلی جائزہ

سال	۱۹۵۲	۱۹۵۷	۱۹۶۲	۱۹۶۷	۱۹۷۱	۱۹۷۷	۱۹۸۰	۱۹۸۴	۱۹۸۹	۱۹۹۱	۱۹۹۶
کل نشستیں	۳۴	۳۶	۳۶	۴۰	۴۰	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲
کانگریس	۲۴	۲۳	۲۲	۱۴	-	۳	-	-	-	-	-
کانگریس (آر)	-	-	-	-	۱۳	-	-	-	-	-	-
آئی این سی	-	-	-	-	-	-	۴	۱۶	۴	۵	۹
سی پی آئی (غیر منقسم ۱۹۶۴ تک	۵	۶	۹	۵	۳	-	۳	۳	۳	۳	۳
سی پی آئی (ایم)	-	-	-	۵	۲۰	۱۷	۲۸	۱۸	۲۷	۲۷	۲۳
آر ایس پی	۱	۱	۱	۱	۱	۳	۴	۳	۴	۴	۴
اے آئی ایف بی	-	۲	۱	۲	-	۳	۳	۲	۳	۳	۳
بنگلہ کانگریس	-	-	-	۵	۱	-	-	-	-	-	-
جنتا	-	-	-	-	-	۱۵	-	-	-	-	-
پی ایس پی	-	۲	-	۱	۱	-	-	-	-	-	-
ایس ایس پی	-	-	-	۱	-	-	-	-	-	-	-
ایل ایس ایس	-	۱	۱	۱	-	-	-	-	-	-	-
ایس یو سی	-	-	-	۱	-	-	-	-	-	-	-
جے ایس	۲	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
ایچ ایم	۱	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
آزاد و دیگر	۱	۱	۲	۴	۱	۱	-	-	۱	-	-

مغربی بنگال میں لوک سبھا کے عام انتخابات ۱۹۹۱ کے پارٹی وار مقابلہ پر ایک نظر

کل نشستیں: ۴۲

کل ووٹروں کی تعداد: ۴۱۳۸۷۵۴۵ (۷۶٫۶۸٪)

ڈالے گئے ووٹوں کی کل تعداد: ۳۱۰۳۷۲۷۵ (۷۴٫۶۸٪)

ردکردہ ووٹوں کی تعداد: ۶۷۰۰۸۵ (۲٫۱۱٪)

پارٹیوں کے نام اور امیدواروں کی تعداد		کامیاب ہوئے	ووٹ حاصل کئے (فیصد)
الف۔ قومی پارٹی			
بی جے پی	۴۲	۰	۳۶۲۴۱۵۶ (۱۱٫۶۷)
سی پی آئی	۳	۳	۱۱۴۵۳۶۴ (۳٫۶۹)
سی پی آئی (ایم)	۳۰	۲۷	۱۰۹۳۱۱۸۶ (۳۵٫۱۹)
آئی این سی	۴۱	۵	۱۱۲۴۹۶۰۵ (۳۶٫۲۱)
جے ڈی	۲	-	۳۳۹۳۵۱ (۱٫۰۹)
جے پی	۲۰	۰	۷۱۹۱۴ (۰٫۲۳)
لوک دل	۲		۱۹۶۴ (۰۱)
ب۔ ریاستی پارٹی			
اے آئی ایف بی	۳	۳	۱۱۳۳۰۳۸ (۳٫۶۵)
آر ایس پی	۴	۴	۱۴۰۲۶۱۵ (۴٫۵۱)
ج۔ کیرالا کی ریاستی پارٹی			
مسلم لیگ	۸	۰	۳۰۲۱۵ (۰٫۱۰)
د۔ یوپی اور پنجاب کی ریاستی پارٹی			
بی ایس پی	۲۷	۰	۱۱۶۱۴۳ (۰٫۳۷)
ہ۔ آزاد			
آزاد	۱۵۲	۰	۵۸۸۴۱۵ (۱٫۸۹)
و۔ رجسٹرڈ پارٹی			
بی کے یو ایس	۱	۰	۶۹۴ (۰٫۰۲)
اے بی	۱	۰	۲۷۶۹ (۰٫۱)
اے بی ایچ ایم	۳	۰	۳۱۵۱ (۰٫۱)
اے بی ایچ ایس	۱	۰	۳۸۴ (۰٫۰۲)
اے بی جے ایس	۴	۰	۱۲۱۰۵ (۰٫۰۳)
اے آئی ڈی ایم ایم ایس ایم	۱	۰	۱۹۵۴ (۰٫۰۱)
اے آئی ایم ای ای ایم	۱	۰	۲۰۷۷ (۰٫۰۱)
سی پی آئی (ایم ایل)	۳	۰	۲۱۶۵۷ (۰٫۰۷)
ڈی پی	۲۶	۰	۴۳۳۶۴ (۰٫۱۴)
ایچ جے پی	۲	۰	۱۱۶۱۵ (۰٫۰۴)
ایچ ایس ایس	۵	۰	۵۳۲۵ (۰٫۰۲)
آئی پی ایف	۱	۰	۱۵۵۸۷ (۰٫۰۵)
جس پارٹی	۱	۰	۱۷۴۶ (۰٫۰۰۵)
جے ایچ پی	۲	۰	۲۲۵۵۱۹ (۰٫۰۳)
جے ایم ایم	۴	۰	۷۹۴۰۵ (۰٫۲۵)
ایم سی پی آئی (ایس ایس ایس)	۱	۰	۳۲۰۸ (۰٫۰۱)
ڈبلیو پی آئی	۱	۰	۱۷۸۱ (۰٫۱)
ایس پی	۱	۰	۲۱۶ (۰٫۰۱)

بائیں محاذ کی جانب سے حاصل کردہ ووٹ: ——
۱۴۹۵۱۷۵۴ (۴۸٫۱۳ فیصد)

آئی این سی اور اس کی اشتراکی پارٹیوں کی جانب سے حاصل کردہ ووٹ:۔
۱۱۴۷۳۰۵۸ (۳۶٫۹۳ فیصد)

لوک سبھا انتخابات، ۱۹۹۶

ریاست مغربی بنگال

بالورگھاٹ (مخصوص)

ل ووٹ :- ۱۰۶۷۷۷۱
لے گئے ووٹ :- ۹۲۶۴۲۷
ئز ووٹ :- ۸۹۸۲۰۷
د کردہ ووٹ :- ۲۸۲۲۰

ور رمن، آزاد، ۸۹۴۵
چترنجن رس، آزاد، ۲۱۹۳
۔ نریپن رمن، آزاد، ۲۶۸۵
۴۔ رانن رمن، آر ایس پی ۳۲۸۳۴۴
۔ من موہن لائے، بی جے پی ۔ ۱۴۵۲۵۷
۔ حتیندرا ناتھ رمن، آزاد ۔ ۲۲۶۸
۔ ستیندرا ناتھ رائے، آئی این سی۔ ۲۹۶۵۷۶

۷۔ مالدہ

ل ووٹ۔ ۱۲۸۳۴۸) ، ڈالے گئے ووٹ ۸۷۶۲۵۳
جائز ووٹ ۸۵۵۶۶۴، رد کردہ ووٹ: ۲۰۵۸۹

۱۔ عین ال ، آزاد ۔ ۷۹۷
۲۔ عبدالصمد چودھری، آزاد ۔ ۲۲۳۱
۳۔ ابو نصر خاں چودھری، آزاد۔ ۳۳۱۷
★ ۴۔ ابو برکات عطاء الغنی خان چودھری، آئی این سی۔ ۴۱۷۴۲۷
۵۔ امیس الاسلام، آزاد ۔ ۲۷۲۸
۶۔ علی صابر، آزاد ۔ ۱۲۳۹
۷۔ ریتش چندرا لستی، آزاد ۔ ۶۶۴
۸۔ نرمل داس، آزاد ۔ ۳۹۱
۹۔ محمد نعیم الدین، آزاد ۔ ۲۰۲۴
۱۰۔ سنت کمار باسو، آزاد ۔ ۶۶۵۷
۱۱۔ سومئے سرکار، بی جے پی ۔ ۸۹۲۵۵
۱۲۔ بریندرا ناتھ بسواس، آزاد ۔ ۱۳۲۹
۱۳۔ سیلین سرکار، سی پی آئی (ایم) ۳۲۷۹۰۵

۸۔ جنگی پور

کل ووٹ :- ۱۰۴۷۲۱۳
ڈالے گئے ووٹ :- ۸۸۷۵۸۹
جائز ووٹ :- ۸۶۲۵۰۱
رد کردہ ووٹ :- ۲۵۰۸۸

۱۔ انیس الرحمٰن، سمتا پارٹی ۔ ۷۴۷
۲۔ زین العابدین، سی پی آئی (ایم) ۔ ۳۷۹۸۲۰
۳۔ عبدالحنان، پی بی آر ایم ایل ۔ ۱۵۴۵
۴۔ عبدالسعید، آزاد ۔ ۸۲۵۵
★ ۵۔ محمد ادریس علی، آئی این سی ۔ ۳۹۲۹۴۲
۶۔ محمد اسرائیل، مسلم لیگ ۔ ۱۷۳۵
۷۔ ذاکر حسین، بی ایم ایس ایم ۔ ۲۸۳۴
۸۔ مسماۃ ظاہرہ بیگم، آزاد ۔ ۵۱۳۷
۹۔ دلیپ داس، آزاد ۔ ۱۹۸۶
۱۰۔ دبیا برتو گپتا، آزاد ۔ ۱۴۰۵
۱۱۔ شیامل گپتا، بی جے پی ۔ ۶۶۰۹۵

۹۔ مرشد آباد

کل ووٹ :- ۱۱۳۷۳۳۰
ڈالے گئے ووٹ :- ۹۹۶۵۴۹
جائز ووٹ :- ۹۷۲۵۴۳
رد کردہ ووٹ :- ۲۴۰۰۶

۱۔ امولیہ منڈل، بی جے پی ۔ ۶۰۳۳۹
۲۔ انصاری محمد علی، پی بی آر ایم ایل ۔ ۵۱۵۳
۳۔ انام الحسین خان، آئی این سی۔ ۴۱۵۰۸۸
۴۔ عبدالسلام، آزاد ۔ ۲۸۷۳۴
۵۔ عباس علی، مسلم لیگ ۔ ۲۳۶۳
۶۔ زین العابدین، آزاد ۔ ۵۳۷
۷۔ نریندر ناتھ بسواس، آزاد ۔ ۱۳۷۹
★ ۸۔ سید مسعود الحسین، سی پی آئی (ایم)۔ ۴۵۲۲۳۷
۹۔ سکتا رائے، آزاد ۔ ۳۱۱۸
۱۰۔ گوپی ناتھ سرکار۔ آزاد۔ ۸۵۵۹

۱۰۔ برہمپور

کل ووٹ :- ۱۱۶۷۱۲۵
ڈالے گئے ووٹ :- ۹۴۵۱۶۶
جائز ووٹ :- ۹۲۲۰۷۶
رد کردہ ووٹ :- ۲۳۰۹۰

۱۔ حاجی محمد ادریس ڈبلیو ایس ایم ایل ۔ ۱۹۲۶
۲۔ کاجل گوں، آزاد ۔ ۸۱۳
۳۔ گوپال داس، آزاد ۔ ۲۲۲۵
۴۔ چترنجن سرکار، آزاد ۔ ۱۲۶۶
۵۔ ڈاکٹر نعیم الحق، آزاد ۔ ۲۸۸۶
★ ۶۔ پراموتیش مکھرجی، آر ایس پی ۔ ۴۴۹۶۵۶
۷۔ بدر الدین احمد، مسلم لیگ ۔ ۱۹۳۲
۸۔ سیندو بسواس، بی جے پی ۔ ۵۶۰۷۳
۹۔ سدھارت شنکر رائے، آئی این سی۔ ۴۵۲۹۹

۱۱۔ کرشنا نگر

کل ووٹ :- ۱۰۴۹۹۸۵
ڈالے گئے ووٹ :- ۹۱۱۶۱۶
جائز ووٹ :- ۸۸۹۰۲۶
رد کردہ ووٹ :- ۲۲۵۹۰

★ ۱۔ اجئے مکھو پادھیہ، سی پی آئی (ایم) ۴۰۸۳۸۹
۲۔ ارجیت مترا، سی پی آئی (ایم ایل) (لبریشن) ۱۰۹۶۸
۳۔ عبدالقیوم، آزاد ۔ ۲۵۷۳

۴۔ شیخ خدا بخش، آزاد۔ ۱۰۱۰۸
۵۔ چنی لال دتہ ۔ بی جے پی، ۱۲۸۹۷
۶ جیوترموئے بھٹاچاریہ، آئی این سی ۔ ۹۷۴۹۶۴
۷۔ رگھوناتھ بنرجی، شیوسینا۔ ۶۴۲۲
۸۔ رنجیت کمار بوس، اے آئی آئی سی۔ (تیواری) ۹۷۵
۹۔ سرسکانتا مجمدار، بی ایس پی ۔ ۳۲۷۴
۱۰۔ دھیریندرناتھ سرکار، آزاد۔ ۶۶۷
۱۱۔ شیخ رحیم (رحمٰن)، مسلم لیگ ، ۲۲۱۵
۱۲۔ شیخ سکھ چند، سماج پارٹی ۔ ۹۸۴
۱۳ سوہن پاترا، آزاد ۔ ۱۶۸۳

۱۲۔ نوادیپ (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۳۰۶۲۹۰
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۳۵۰۴
جائز ووٹ ۔ ۱۱۱۳۸۵
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۳۶۱۹

۱۔ ایر بالال مجمدار، آزاد ۔ ۹۱۴
*۲۔ اشیم بالا، سی پی آئی (ایم) ۵۲۲۱۵۱
۳۔ ندیار چند منڈل، آزاد ۔ ۱۹۱۴
۴۔ پرتاپ کانتی رائے، آئی این سی۔ ۱۸۳۱۳۴
۵۔ کمل چندر ادھیکاری، آزاد ۔ ۸۲۵۳
۶۔ سریندرناتھ بیدار، بی کے ایس ۔ ۱۵۵۲
۷۔ ریکھا الوس، اے آئی آئی سی (تیواری) ۲۲۹۹
۸۔ ستیش چندر اسواس، بی ایس پی۔ ۱۰۹۲۱
۹۔ ہری پدابسواس، بی جے پی ۸۰۲۹۸

۱۳۔ باراسات

کل ووٹ : ۱۲۴۱۸۹۸

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۲۰۹
جائز ووٹ :۔ ۱۰۴۷۸۴۰
ردکردہ ووٹ ۲۴۱۶۹
۱۔ اچیوت چیٹرجی، شیوسینا۔ ۵۰۴۰
۲۔ ارون ماجھی ، آزاد ۔ ۷۹۸۶
۳۔ اشوک مکھرجی، آزاد ۔ ۴۷۹۹
۴۔ عبدالغفار ، آزاد ۔ ۱۸۵۵
*۵۔ چتا باسو، فارورڈ بلاک۔ ۴۷۴۴۸۴
۶۔ سومائی داس، آزاد ۔ ۷۱۹
۷۔ سروج مالدار، بی ایس پی ۔ ۲۰۸۱۴
۸۔ مخلوق الرحمٰن، مسلم لیگ ۔ ۷۳۰۴
۹۔ جتندرناتھ بسواس، بی جے پی۔ ۶۵۷۲۲
۱۰۔ رنجیت کمار پانجہ، آئی این سی۔ ۲۴۹۱۲۷

۱۴۔ بشیرہاٹ

کل ووٹ :۔ ۱۰۲۳۱۷۸
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۱۲۵۷۴
جائز ووٹ :۔ ۸۹۴۹۳۲
ردکردہ ووٹ :۔ ۱۷۶۴۲
*۱۔ اجے چکرورتی، سی پی آئی۔ ۴۵۳۱۲۶
۲۔ الحاج عبدالسلام، مسلم لیگ ۔ ۱۸۴۳
۳۔ دلیپ مجمدار ، آئی این سی۔ ۳۴۷۱۱۰
۴۔ دیا پرساد بھانجا چودھری، آزاد۔ ۴۵۸۵
۵۔ اے کے ایم نصیر الدین، آزاد۔ ۴۵۳۰
۶۔ رمیندر کمار بھٹاچاریہ، بی جے پی ۶۲۶۲۰
۷۔ لیاقت منڈل، بی کے ایس ۔ ۱۱۱۸

۱۵۔ جے نگر (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۰۶۴۲۵۲

ڈالے گئے ووٹ :۔ ۸۹۴۵۹۲
جائز ووٹ :۔ ۸۶۸۵۲۱
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۶۰۷۱
۱۔ چندر کانتا سرکار، بی جے پی۔ ۴۲۳۰۰
۲۔ ترون کانتی لشکر، آزاد ۔ ۱۳۰۵۷
۳۔ جوگیش رائے، آئی این سی۔ ۲۷۴۴۴۶
۴۔ شکتی کمار سرکار، آر پی آئی ۔ ۲۸۳۱
*۵۔ سند کمار منڈل، آر ایس پی۔ ۴۱۸۳۷۳

۱۶۔ متھوراپور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :۔ ۱۰۱۵۰۰۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۸۷۵۴۰۴
جائز ووٹ :۔ ۸۵۲۶۲۹
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۲۷۷۵
۱۔ گدادھر داس، بی جے پی۔ ۲۲۳۵۶
۲۔ بدّرت پرکیت، شیوسینا۔ ۱۶۶۴
*۳۔ رادھیکا رنجن پرامانک، سی پی آئی (ایم) ۴۱۰۱۱۰
۴۔ شکتی کمار سرکار، آزاد ۔ ۱۳۹۴
۵۔ سدھیر شیکھر نیا، آزاد ۔ ۲۳۰۶۳
۶۔ سجیت پٹواری، آئی این سی۔ ۳۹۴۰۴۲

۱۷۔ ڈائمنڈ ہاربر

کل ووٹ ۔ :۱۰۹۴۲۵۶
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۸۸۹۷۳۵
جائز ووٹ :۔ ۸۶۹۵۱۱
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۰۲۲۴
۱۔ امجد علی سردار، آئی این سی۔ ۳۸۹۳۱۸
۲۔ جوہر بسواس، آزاد ۔ ۲۱۳۹

۳۔ دلال چودھری، بی جے پی ۔ ۵۵۵۱۸
۴۔ سکھونی رائے، آزاد ۔ ۹۳۶
۵۔ نیمائی لسکر، آزاد ۔ ۲۰۱۰
۶۔ روح الامین ملک، مسلم لیگ ۔ ۴۳۶۵
۷۔ سنجیب چٹرجی، شیوسینا ۔ ۳۳۸۱
*۸۔ سمک لاہیری، سی پی آئی (ایم) ۔ ۴۱۱۸۴۴

۱۸۔ جادب پور

کل ووٹ ۔ ۱۳۴۷۷۳۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۰۷۵۳۱۵
جائز ووٹ :۔ ۱۰۵۳۱۲۷
رد کردہ ووٹ :۔ ۲۲۱۸۸
۱۔ انوپ چٹرجی، آزاد ۔ ۷۷۷
۲۔ اردسعد حسین، شیوسینا ۔ ۵۲۰۳
۳۔ عبدالصمد سردار، آزاد ۔ ۲۳۰۹
۴۔ اتم باسو، بی جے پی ۔ ۵۲۴۷۰
*۵۔ کرشنا بوس، آئی این سی ۴۹۹۲۵۴
۶۔ گھرامی یوسف، آزاد ۱۹۱۰
۷۔ مالنی بھٹاچاریہ، سی پی آئی (ایم) ۴۸۶۲۱۶
۸۔ مرارن موہن لسکر، آزاد ۔ ۶۶۰
۹۔ رنجیت دتہ، آزاد ۔ ۱۶۷۸
۱۰۔ رام ساگر رائے، آزاد ۔ ۸۶۰
۱۱۔ سنیل گوہا، آزاد ۔ ۱۷۹۰

۱۹۔ باری کپور

کل ووٹ ۱۰۱۲۱۲۶ ڈالے گئے ووٹ: ۸۲۵۲۹۸
جائز ووٹ ۸۰۴۳۶۷، رد کردہ ووٹ :۔ ۱۱۸۹۳۱
۱۔ اشیس رنجن داس، بی جے پی ۔ ۴۷۸۸۴
۲۔ دیبی گھوشال، آئی این سی ۔ ۳۴۸۵۷۲
۳۔ تپن کوسلے، آزاد ۔ ۳۴۹۱

*۴۔ تورت رن توپدار، سی پی آئی (ایم) ۳۹۹۴۶۶
۵۔ نارائن کمار سرکار، آزاد ۔ ۱۰۲۰
۶۔ پرمیشور منڈل، آزاد ۔ ۱۱۲۱
۷۔ سچندرا ناتھ داس، آزاد ۔ ۱۵۳۸
۸۔ ستیواجی گھوش، آزاد ۔ ۱۷۱۵
۹۔ ستیہ نارائن سرکار، آزاد ۔ ۱۰۹۱
۱۰۔ ستیہ نارائن سنگھ، آزاد ۔ ۴۶۹

۲۰۔ دم دم

کل ووٹ ۔ ۱۵۴۳۸۹۵
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۱۲۵۲۴۲۹
جائز ووٹ ۱۲۲۴۷۲۱
رد کردہ ووٹ :۔ ۲۷۷۰۸
۱۔ اشوک دیب چودھری، آزاد ۔ ۴۸۵۸
۲۔ آسوتوش لاہا، آئی این سی ۔ ۵۲۲۱۶۴
۳۔ چھوٹون رائے، آزاد ۔ ۱۰۶۸
۴۔ ڈاکٹر دیباکر کنڈو، بی جے پی ۔ ۱۰۷۵۰۱
*۵۔ نرمل کانتی چٹرجی، سی پی آئی (ایم) ۵۸۰۴۵۵
۶۔ ملن کانتی چودھری، آزاد ۔ ۲۲۱۸
۷۔ سریندر ناتھ بسواس، بی ایس پی ۔ ۴۴۵۷

۲۱۔ کلکتہ شمال مغرب

کل ووٹ :۔ ۶۱۳۹۵۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۴۵۲۷۵۷
جائز ووٹ :۔ ۴۴۰۱۲۴
رد کردہ ووٹ :۔ ۱۲۶۳۳
۱۔ اجل دتہ، بی جے پی ۔ ۵۹۳۹۵
۲۔ برون گوسوامی، آزاد ۔ ۶۲۱

۳۔ بہاری لال تھالیا، آزاد ۔ ۳۳۹
۴۔ بمل کمار بیلوتیا، آزاد ۔ ۹۵۱
*۵۔ دیبی پرشاد پال، آئی این سی ۔ ۲۱۲۶۳۷
۶۔ ہیادری عوشن کالی، آزاد ۔ ۴۳۷۴
۷۔ کالی ناتھ سنگھ، آزاد ۔ ۴۶۰
۸۔ کانا رام، آزاد ۔ ۱۹۰۳
۹۔ کشن لال سنگانیریا، آزاد ۔ ۵۳۱
۱۰۔ لکشمی نارائن میمانی، آزاد ۔ ۶۰۳
۱۱۔ محمد منیر الدین طالب، آزاد ۔ ۵۳۵
۱۲۔ نرمل رائے، آزاد ۔ ۶۱۰
۱۳۔ رام چھیلا ساہی، آزاد ۔ ۴۲۸
۱۴۔ رمیندلپانٹ، آزاد ۔ ۴۵۵
۱۵۔ رمیش سنگھ، آزاد ۔ ۲۳۳
۱۶۔ رنجیت کمار رائے، سمتا پارٹی ۔ ۶۸۴
۱۷۔ رینا گھوش، آزاد ۔ ۱۱۷۱
۱۸۔ سدا سد سرما، آزاد ۔ ۹۶۷
۱۹۔ سجل بردھن، آزاد ۔ ۷۱۰
۲۰۔ سمیر کمار سرکار، آزاد ۔ ۳۶۰
۲۱۔ سنجیب کرمکار، آزاد ۔ ۴۰۲
۲۲۔ صراف لوک ناتھ، آزاد ۔ ۲۸۴
۲۳۔ سسنکا ساہا، آزاد ۔ ۱۰۶۱
۲۴۔ شیامل بھٹاچاریہ، جنتا دل ۔ ۱۴۷۸۶۶
۲۵۔ تپن سیل، آزاد ۔ ۱۶۹۱
۲۶۔ تارک بھٹاچاریہ، آزاد ۔ ۳۰۵
۲۷۔ تیرتھ شنکر چودھری، آزاد ۱۰۲
۲۸۔ ودیا ساگر تیواری، اے آئی آئی سی (تیواری) ۶۲۳

۲۲۔ کلکتہ شمال مشرق

کل ووٹ :۔ ۹۰۷۲۴۸
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۶۶۰۴۱۳

۱۔ گوراچاند اوڈی ۔ آزاد ۔ ۱۲۶۰
۲۔ گوتم داس ۔ آزاد ۔ ۵۵۴
۳۔ گوری شنکر سرجی، آئی این سی ۔ ۴۱۳۸۵۶
۴۔ وشواناتھ گھوش ۔ بی جے پی ۔ ۳۷۸۱۲
۵۔ بیدیہ ناتھ ٹوڈو ۔ جے ایم ایم ۔ ۶۶۴۶
۶۔ منتو دیب ناتھ ۔ شیوسینا ۔ ۲۳۸۹
۷۔ مرتنجوئے ملک، آزاد ۔ ۱۴۶۴
۸۔ رام مالی سنگھ، آزاد ۔ ۱۱۲۶
★۹۔ روپ چند پال، سی پی آئی (ایم) ۴۵۲۲۵۳

۲۸۔ آرام باغ

کل ووٹ :- ۱۰۶۷۵۴۱
ڈالے گئے ووٹ :- ۹۳۱۶۵۳
جائز ووٹ :- ۹۱۳۶۹۴
رد کردہ ووٹ :- ۱۷۹۵۹
★۱۔ انیل باسو، سی پی آئی (ایم) ۵۴۴۲۸۹
۲۔ گوپی ناتھ ڈے، بی جے پی ۔ ۴۲۷۷۹
۳۔ بالورام رائے، آزاد ۔ ۶۲۷۶
۴۔ لکھی جانا، آزاد ۔ ۲۳۹۴
۵۔ منورنجن ہاجرا، آئی این سی ۔ ۳۱۷۹۵۶

۲۹۔ پانسکوڑہ

کل ووٹ :- ۹۴۰۷۸۲
ڈالے گئے ووٹ :- ۸۴۵۵۲۹
جائز ووٹ :- ۸۳۰۷۰۷
رد کردہ ووٹ :- ۱۴۸۲۲
۱۔ امیتا بھومک ۔ بی جے پی ۔ ۱۵۵۶۳
۲۔ ایادھیائے پرشوتم، آزاد ۔ ۹۳
★۳۔ گیتا مکھرجی ۔ سی پی آئی ۔ ۴۵۵۴۱۴
۴۔ گھوش رنندا کمار ۔ آزاد ۔ ۳۷۹۴
۵۔ درگا پدا پاسوا ۔ آزاد ۔ ۹۲۶۵
۶۔ پدما حستنگیر، آئی این سی ۔ ۳۴۴۰۲۶
۷۔ سبھاش پرکاش پال، آزاد ۔ ۸۹۱
۸۔ شیخ منو نلئے علی، مسلم لیگ ۔ ۸۲۴

۳۰۔ تاملوک

کل ووٹ :- ۱۰۴۷۲۹۳
ڈالے گئے ووٹ :- ۹۳۸۸۸۹
جائز ووٹ :- ۹۲۵۵۱۵
رد کردہ ووٹ :- ۱۳۳۷۴
۱۔ اننت کمار داس، آزاد ۔ ۱۰۲۹
۲۔ آسوتوش سامنتا ۔ آزاد ۔ ۱۳۳۰
★۳۔ جینتو بھٹاچاریہ، آئی این سی ۔ ۴۵۰۴۷۳
۴۔ مکتی ناتھ باگ، آزاد ۔ ۹۷۶
۵۔ ساسوتی باگ، بی جے پی ۔ ۱۹۴۷۵
۶۔ شیتر کمار پانڈے، آزاد ۔ ۶۶۹
۷۔ سیٹھ لکشمن چندرا، سی پی آئی (ایم) ۴۴۲۵۶۳

۳۱۔ کنتھائی

کل ووٹ :- ۹۳۱۲۳۲
ڈالے گئے ووٹ :- ۸۲۹۰۷۴
جائز ووٹ :- ۸۱۵۱۰۶
رد کردہ ووٹ :- ۱۳۹۶۸
۱۔ ادھر نہال، آزاد ۔ ۷۷۲
۲۔ املیش مسرا، بی جے پی ۔ ۳۲۹۲۴
۳۔ گوتم بہاری، آزاد ۔ ۶۳۷
۴۔ جیوتیرموئے مائتی، آزاد ۔ ۳۴۴۲
۵۔ نکھلیش کار سندا، آزاد ۔ ۷۳۶۷
۶۔ ڈاکٹر نتیش سین گپتا، آئی این سی ۔ ۳۷۲۹۸۶
★۷۔ سدھیر گیری، سی پی آئی (ایم) ۳۹۷۰۲۸

۳۲۔ مدناپور

کل ووٹ :- ۱۰۵۱۸۵۴
ڈالے گئے ووٹ :- ۸۸۹۱۸۸
جائز ووٹ :- ۸۶۷۹۳۶
رد کردہ ووٹ :- ۲۱۲۵۲
۱۔ اجیت کار مائتی، آزاد ۔ ۷۷۲
★۲۔ اندرجیت گپتا، سی پی آئی ۔ ۴۸۸۵۶۹
۳۔ دلیپ مائتی، آزاد ۔ ۷۲۸۶
۴۔ دیپا ستیش کینار، آزاد ۔ ۲۳۱۳
۵۔ شا کمار ساؤ، آزاد ۔ ۷۸۲۸
۶۔ پدما لوچن رائے، سمتا پارٹی ۔ ۱۰۴۶
۷۔ پربھاکر مہاتو، جھارکھنڈ پارٹی ۱۷۲۱
۸۔ ولوک کمار سادیریا، آزاد ۷۴۲
۹۔ منورنجن دتہ، بی جے پی ۔ ۵۸۷۵۱
۱۰۔ چتن پراتیہار، جھارکھنڈ (نورین) ۷۰۰۸
۱۱۔ ڈاکٹر ڈی۔ بی۔ رائے، آئی این سی ۔ ۲۷۷۹۲۰
۱۲۔ سجن مہاتو، آل جھارکھنڈ ۔ ۲۳۰۵
۱۳۔ شریف ملک، مسلم لیگ ۱۸۳۱
۱۴۔ ستیہ نارائن کوتھیلیا ۔ آزاد، ۲۶۰
۱۵۔ سدیپ سن پراستھی ۔ آزاد ۔ ۹۲۹
۱۶۔ سشیل کمار ۔ آزاد ۔ ۲۹۴

۳۳۔ جھاڑگرام

کل ووٹ :- ۹۴۴۰۰۵
ڈالے گئے ووٹ :- ۸۲۷۹۶۲
جائز ووٹ :- ۸۰۵۳۴۳
رد کردہ ووٹ :- ۲۲۶۱۹
۱۔ ستیہ سداہمرا، جھارکھنڈ (نرین) ۸۷۶۴۷
۲۔ بیجنس ہانسدا، بی جے پی ۔ ۴۰۷۷۸
۳۔ منگل ماسکے، آزاد ۔ ۲۱۵۹

۴۔ موتی لال باسمدا، جھارکھنڈ مکتی مورچہ ۲۹۳۲۱
۵۔ رمیش سنگھ منڈا، جھارکھنڈ پارٹی ۔ ۲۱۷۰۶
★ ۶۔ روپ چند مرمو، سی پی آئی (ایم) ۴۸۵۴۹۱
۷۔ سولودھ باسمدا، آئی این سی ۔ ۱۳۸۲۳۴

۳۴ - پرولیا

کل ووٹ ۔ ۹۶۷۳۰۰
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۷۶۵۵۳
جائز ووٹ ۔ ۷۳۶۱۰۶
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۹۷۲۷
۱۔ گوسدا مکھرجی، آئی این سی ۲۶۵۶۸۹
۲۔ گوستھا پرساد سورین، جھارکھنڈ پارٹی ۔ ۲۵۴۴
★ ۳۔ بیر سنگھ مہاتو، فارورڈ بلاک ۔ ۳۷۵۵۵۹
۴۔ بھوتس مہاتو، آزاد ، ۴۷۲۷
۵۔ سوریہ نارائن مہاتو، جے ایم ایم ۔ ۶۴۱۴
۶۔ موہن لال چوبے، بی جے پی ۔ ۱۷۸۳۹
۷۔ سرسیت کا جیکر ورتی، آزاد ۔ ۲۰۱۶
۸۔ سوکمار داس، آزاد ۔ ۱۵۷۲
۹۔ سیل کمار مہاتو، جے کے ایم ایم (اے) ۲۰۱۹

۳۵ - بانکوڑا

کل ووٹ ۔ ۹۹۴۱۴۴
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۷۷۴۹۱۶
جائز ووٹ ۔ ۷۴۷۵۰۳
ردکردہ ووٹ ۔ ۲۷۴۱۳
۱۔ اجیتا ساگر مہاتو، آزاد ۔ ۷۸۳
۲۔ اسیم گوسوامی، آزاد ۔ ۵۸۳
★ ۳۔ اچاریہ باسودیب، سی پی آئی (ایم) ۴۰۲۰۲۴
۴۔ کلیان مکھرجی، شیوسینا ۔ ۲۶۶۸
۵۔ منڈا لال کسکو، جے کے ایم ایم (ایم) ۲۰۳۹
۶۔ گن موئے چٹوپادھیائے، بی جے پی ۔ ۲۱۳۴
۷۔ گوری شنکر دے، آئی این سی ۔ ۱۹۱۴۱۵

۸۔ سیلام چندر مرمو، جے کے ایم ایم ۔ ۵۹۳۷۲
۹۔ چھدن رام، آزاد ۔ ۴۴۵۸
۱۰۔ سدر ابھاسکر، آزاد ۔ ۱۹۱۹۱
۱۱۔ شکتی پد انکھو پادھیہ، آزاد ۔ ۵۲۵
۱۲۔ رام لال جادب، آزاد ۔ ۶۳۴

۳۶ - وشنوپور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۱۰۱۱۸۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۵۱۲۵۷
جائز ووٹ :۔ ۸۲۶۹۶۵
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۴۲۹۲
۱۔ اسوینی دولے، آزاد ۔ ۱۹۳۷
۲۔ اتیس راحک، آئی این سی ۔ ۲۱۴۹۳۱
۳۔ پردھاکر منڈل، بی جے پی ۔ ۷۹۳۵۷
۴۔ رجیت سامنتہ، آزاد ۔ ۳۱۰
۵۔ پرسنتا ملک، آزاد ۔ ۲۹۷۶۳
★ ۶۔ سدھیا باوری، سی پی آئی (ایم) ۴۸۰۷۷۷

۳۷ - درگاپور (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ ۔ ۱۱۳۹۴۸۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۹۱۷۹۷۰
جائز ووٹ :۔ ۸۹۱۲۴۲
ردکردہ ووٹ :۔ ۲۶۷۲۸
★ ۱۔ سیل جان، سی پی آئی (ایم) ۴۹۶۲۵۰
۲۔ چترکس پرامانک، آئی این سی ۳۱۴۵۳۷
۳۔ ڈاکٹر پریتس ناتھ دھیر، آزاد ۔ ۴۳۹۰
۴۔ رام شنکر رودی داس، بی جے پی ۔ ۷۳۵۹۹
۵۔ ہکتا داس منڈل، آزاد ۔ ۲۴۶۶

۳۸ - آسنسول

کل ووٹ :۔ ۱۲۰۹۲۷۲
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۸۴۲۷۳۶
جائز ووٹ :۔ ۸۱۲۵۲۵
ردکردہ ووٹ ۔ ۲۹۴۱۱
۱۔ اجیت سورین، جے کے ایم ایم ۔ ۸۴۶۷
۲۔ کستولحیشر جیا آئے آئی آئی سی (تیواری)۔ ۲۷۳۷
۳۔ گنیش پال، آزاد ۔ ۱۱۵۵۶
۴۔ گھانتا مانک، آمرا سنگالی ۔ ۳۲۰۵
۵۔ سوکمار بدھو پادھیہ، آئی این سی ۳۲۹۸۵۶
۶۔ سرلاسا دیوارام، آزاد ۔ ۶۲۱۵
۷۔ بھابیتوش مکھرجی، آزاد ۔ ۸۹۱
۸۔ جگناتھ شرما، آزاد ۔ ۱۱۹۶
۹۔ سریندر ناتھ لومبا، بی جے پی ۔ ۶۹۷۳۷
۱۰۔ ہریش چندرا راج بھر، آزاد ۱۸۶۹
★ ۱۱۔ ہرادھن رائے، سی پی آئی (ایم) ۴۷۶۸۰۶

۳۹ - بردوان

کل ووٹ ۔ ۱۱۴۴۱۹۱
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۹۱۳۵۱۵
جائز ووٹ :۔ ۹۶۵۱۱۱
ردکردہ ووٹ :۔ ۱۸۴۴
۱۔ قاضی مسور حسین، آزاد ۔ ۲۸۸۴
۲۔ سیل دھالی، آزاد ۔ ۱۸۲۷
۳۔ مرالی دھر تیواری، آزاد ۔ ۵۸۹
۴۔ رتی لال ہانسدا، جے کے ایم ایم ۔ ۱۰۰۱۵
★ ۵۔ ملائی رائے، سی پی آئی (ایم) ۵۷۸۲۷۹
۶۔ رتیش کاردتہ، آئی این سی ۔ ۳۱۵۵۶۵
۷۔ ستیو رام محمدار، آزاد ۔ ۱۳۵
۸۔ ستیندر نارائن رائے، بی جے پی ۔ ۵۴۹۱۷

۴۰ - کٹوا

کل ووٹ :۔ ۱۱۵۱۷
ڈالے گئے ووٹ :۔ ۹۷۹۱۶
جائز ووٹ :۔ ۹۴۸۰۱

ردکردہ ووٹ :- ۱۹۱۱۵

۱۔ نورالاسلام، آئی این سی۔ ۳۶۹۰۹۲

۲۔ گوپی ناتھ باسکے، جے کے ایم ایم۔ ۹۰۷۸

۳۔ گوپی ناتھ منڈی، آزاد ۔ ۱۹۶۲

۴۔ محبوب زاہدی، سی پی آئی (ایم) ★ ۴۵۲۶۴۷۴

۵۔ یورلیش سرجی، سی پی آئی (ایم ایل) (ایل) ۷۷۶۲

۶۔ رام دیونارائن سنگھ آزاد ۔ ۱۳۵۶

۔ شیوا پرسادرائے، بی جے پی۔ ۷۷۳۳۸

۔ شیخ یونس رحمٰن، آزاد ۔ ۱۴۶۴

---

۴۱ ۔ بول پور

کل ووٹ = ۹۷۴۸۰۱

ڈالے گئے ووٹ :- ۸۰۲۲۹۸

جائز ووٹ :- ۷۷۸۸۰۱

ردکردہ ووٹ :- ۲۳۴۹۰

۱۔ مرزا ابوطاہر، آزاد ۶۶۹

۲۔ سوماتھ چیٹرجی، سی پی آئی (ایم) ★ ۴۷۱۵۴۹

۳۔ تارا پرستا سنگھ، بی جے پی ۔ ۷۶۵۴۸

۴۔ مدثر حسین، آزاد ۔ ۸۶۷۰

۵۔ محمد صداقت، آزاد ۔ ۱۹۸۷

۶۔ مہاراج مستری، آزاد ۔ ۱۴۸۲

۷۔ پروفیسر سنیل داس، آئی این سی ۔ ۲۱۷۹۰۳

---

۴۲ ۔ بیر بھوم (شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ :- ۹۹۶۰۲۵

ڈالے گئے ووٹ :- ۸۲۷۳۶۶

جائز ووٹ :- ۸۰۰۱۱۵

ردکردہ ووٹ :- ۲۷۲۵۱

۱۔ اسیم ساہا، آزاد ۔ ۹۳۷۰

۲۔ او مکر رو بی داس، آزاد ۔ ۵۷۵۹

۳۔ رام چندر ڈوم، سی پی آئی (ایم) ★ ۴۰۲۸۹۳

۴۔ پرکاش منڈل، آزاد ۔ ۱۸۷۷

۵۔ بسواناتھ منڈل، بی جے پی ۔ ۸۸۳۴۳

۶۔ ممتا ساہا، آئی این سی ۔ ۲۹۱۸۷۳

••   ••

لوک سبھا کے کل ہند نتائج: ایک نظر میں

بی جے پی اور اس کی حلیف پارٹیاں

پارٹی	نشستیں
بی جے پی	۱۶۱
شیو سینا	۱۵
سمتا پارٹی	۸
ایچ وی پی	۳
کل	۱۸۷

آئی این سی اور اسکی حلیف پارٹیاں

پارٹی	نشستیں
آئی این سی	۱۴۰
اے ڈی ایم کے	۰۰
کل	۱۴۰

نیشنل فرنٹ، بایاں محاذ اور انکی حلیف پارٹیاں

پارٹی	نشستیں
جنتا دل	۴۶
ایس پی	۱۷
سی پی آئی (ایم)	۳۲
سی پی آئی	۱۲
ایف بی	۳
آر ایس پی	۵
کل	۱۱۵

ڈی ایم کے، ٹی ایم سی اور اسکی حلیف پارٹیاں

پارٹی	نشستیں
ڈی ایم کے	۱۷
ٹی ایم سی	۲۰
کل	۳۷

دیگر اور آزاد

پارٹی	نشستیں
کانگریس (تی)	۴
ٹی ڈی پی	۱۶
اکالی دل	۸
بی ایس پی	۱۱
آسام گن پریشد	۵
کرالا کانگریس (مانی)	۱
ایم آئی ایم	۱
ایم جی پی	۱
یو جی ڈی پی	۱
ایم یو ایل	۲
ایس ڈی ایف	۱
کے سی پی	۱
ایم پی وی سی	۲
جے ایم ایم (ایس)	۱
اے ایس ڈی سی	۱
آزاد	۸
کل	۶۴
کل نشستیں	۵۴۳

ریاست اور پارٹی وار لوک سبھا انتخابات کے نتائج، ۱۹۹۶ء

ریاست اور حلقوں کی تعداد	آئی این سی	بی جے پی	جنتا دل	سی پی آئی (ایم)	سی پی آئی	دیگر
آندھرا پردیش۔ ۴۲	۲۲	صفر	صفر	۱	۲	ٹی ڈی پی (این) ۱۶ ۔ ایم آئی ایم ۔ ۱
اروناچل پردیش ۔ ۲	صفر	صفر	صفر	صفر	صفر	آزاد ۔ ۲
آسام ۔ ۱۴	۵	۱	صفر	۱	صفر	اے جی پی ۔ ۵، اے ایس ڈی سی ۔ ۱، آزاد ۔ ۱
بہار ۔ ۵۴	۲	۱۸	۲۲	صفر	۳	سمتا ۔ ۶، ایس پی ۔ ۱، آزاد ۔ ۱، ...ایم ایم (ایس) ۱
گوا ۔ ۲	صفر	صفر	صفر	صفر	صفر	یو جی ڈی پی ۔ ۱ ۔ ایم جی پی ۔ ۱
گجرات ۔ ۲۶	۱	۱۶	صفر	صفر	صفر	
ہریانہ ۔ ۱۰	۲	۴	صفر	صفر	صفر	ایچ وی پی ۔ ۳، آزاد ۔ ۱
ہماچل پردیش ۔ ۴	۴	صفر	صفر	صفر	صفر	
جموں اور کشمیر ۔ ۶	۴	۱	۱	صفر	صفر	
کرناٹک ۔ ۲۸	۵	۶	۱۶	صفر	صفر	کے سی پی ۔ ۱
کیرالا ۔ ۲۰	۷	صفر	۱	۵	۲	آئی یو ایم ایل ۲ ۔ آر ایس پی ۱، آزاد ۱، کیرالا کانگریس (ایم) ۱
مدھیہ پردیش ۔ ۴۰	۸	۲۷	صفر	صفر	صفر	ایم پی وی سی ۲، بی ایس پی ۲، کانگریس (ٹی) ۱
مہاراشٹر ۔ ۴۸	۱۵	۱۸	صفر	صفر	صفر	شیوسینا ۔ ۱۵
منی پور ۔ ۲	۲	صفر	صفر	صفر	صفر	
میزورم ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
میگھالیہ ۔ ۲	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	آزاد ۔ ۱
ناگالینڈ ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
اڑیسہ ۔ ۲۱	۱۶	صفر	۴	صفر	صفر	سمتا ۔ ۱
پنجاب ۔ ۱۳	۲	صفر	صفر	صفر	صفر	ایس اے ڈی (بی) ۔ ۸ ۔ بی ایس پی ۳
راجستھان ۔ ۲۵	۱۲	۱۲	صفر	صفر	صفر	کانگریس (ٹی) ۔ ۱
سکم ۔ ۱	صفر	صفر	ـ	صفر	صفر	ایس ڈی ایف ۔ ۱
تامل ناڈو ۔ ۳۹	صفر	صفر	صفر	صفر	۲	ٹی ایم سی (ایم) ۲۰، ڈی ایم کے ۱۷
تریپورہ ۔ ۲	صفر	صفر	صفر	۲	صفر	
اتر پردیش ۔ ۸۵	۵	۵۲	۲	صفر	صفر	ایس پی ۔ ۱۶، بی ایس پی ۔ ۶، کانگریس (تی) ۲، سمتا ۔ ۱، آزاد ۔ ۱
مغربی بنگال ۔ ۴۲	۹	صفر	صفر	۲۳	۳	ایف بی ۳ ۔ آر ایس پی ۴
انڈمان اور نکوبار ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
چنڈی گڑھ ۔ ۱	صفر	۱	صفر	صفر	صفر	
دادر و ناگر حویلی ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
دمن اور دیو ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
دہلی ۔ ۷	۲	۵	صفر	صفر	صفر	
لکشدیپ ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
پانڈیچری ۔ ۱	۱	صفر	صفر	صفر	صفر	
میزان ۔ ۵۴۳	۱۴۰	۱۶۱	۴۶	۳۲	۱۲	۱۵۲

۷۲

پندرہ روزہ
کلکتہ
مغربی بنگال
جلد نمبر ۴۳ ★ ۱۵ر جولائی و یکم اگست ۹۶ء ★ شمارہ نمبر ۱۴ و ۱۵

خصوصی شمارہ

نذرِ علامہ رضا علی وحشت

ولادت: کلکتہ ۱۸ر نومبر ۱۸۸۱ء
وفات: ڈھاکہ ۲۰ جولائی ۱۹۵۶ء

مدیر اعلیٰ: ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون: محمد مصطفیٰ

تقسیم کار
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۔ ۱۰۰۰۰۱
فون: 221-4295

دفترِ ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۔ ۱
رائٹرس بلڈنگس
کلکتہ ۔ ۱۰۰۰۰۱
فون: 25-5601/
3371, Ext 710

اس خصوصی شمارے کی قیمت: پانچ روپیے
سالانہ: دس روپئے ۔ نصف سالانہ: پانچ روپئے ۔ فی شمارہ کی قیمت ۵۰ پیسے

ترتیب و تزئین: مصطفیٰ اکبر
کتابت: محمد اصغر علی انصاری

مشمولات

اداریہ

مغربی بنگال میں بایاں محاذ حکومت بنگلہ اور دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کی بھی ترقی و ترویج کے لئے ہمیشہ کوشاں رہی ہے۔ امام الشعراء اور طوطئ بنگالہ علامہ رضا علی وحشت کی ۴۰ ویں برسی کے موقع پر مغربی بنگال کا یہ خصوصی شمارہ اسی خلوص کی ایک کڑی ہے۔

حضرت رضا علی وحشت ان مجاہدین اردو میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے وقف کردی۔ انھوں نے بنگال میں اردو شعر و ادب کا جو چراغ روشن کیا تھا اس کی لو سے ہزاروں چراغ روشن ہوئے۔ اور روشنی کے اس سفر کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آج ان چراغوں کی روشنی سے اردو کا ایک وسیع حلقہ مستفید ہو رہا ہے۔

حضرت وحشت بنگال نژاد شاعر ہونے کے باوجود اردو کے مسلم الثبوت استادِ سخن ہوئے۔ ان کے تلامذہ میں آصف بنارسی، شاکر کلکتوی، جمیل مظہری، عباس علی خاں بیخود، قمر صدیقی، سلیم اللہ فہمی، ابو جعفر کشفی، ظفر ہاشمی، احسن احمد اشک، شرقی اور عابد دانا پوری بذات خود باکمال شاعر ہوئے اور آج بھی انکے شاگردوں کے الگ الگ حلقے اردو شعر و ادب کی بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آج انھیں 'وحشت اسکول' یا 'دبستانِ وحشت' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت وحشت کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے بنگال میں اردو شعر و ادب کو عالیشان مکانوں میں پروردہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اربابِ سخن کے زمرہ خاص کے علاوہ محنت کش عوام کے ایک طبقہ کے درمیان بھی عام کیا۔ اب شعر و ادب پر صرف صاحب ذی وقار اعلیٰ التعلیم یافتہ طبقہ کی اجارہ داری نہیں رہی اس پر غریب و مزدور طبقہ کا بھی حق مسلط ہوگیا۔ حضرت طاہر علی شاکر کا تعلق بھی اسی مزدور طبقے سے تھا اور ان کے شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ مزدور طبقہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ وہ کم خواندہ غریب صفت نومشق شاعر جن کی رسائی اعلیٰ طبقہ سے متعلق اساتذہ سخن تک مشکل تھی حضرت وحشت تک با آسانی ہو جاتی تھی۔ اگر حضرت وحشت نہیں ہوتے تو شاید بنگال کے علم و فن، شعر و ادب کا ماحول کچھ اور ہوتا، یقیناً غیر یقینی سا۔

ہم حضرت وحشت کی ۴۰ ویں برسی کے موقع پر اس عظیم المرتبت مجاہد اردو کو اس خصوصی شمارے کے ذریعہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

اس شمارے کے مشمولات زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں۔ وحشت صاحب پر لکھے گئے بکھرے مضامین کو یکجا کرنے کی غرض سے کچھ مطبوعہ مضامین کو شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اور جن مضامین کو کسی وجہ سے شمارے میں شامل نہیں کیا گیا ان کی ایک فہرست اربابِ نقد و نظر کے دوق مطالعہ کے لئے شریک اشاعت کرلی گئی ہے۔ انتخابِ کلام میں بیشتر غزلیں وہ ہیں جو کلکتہ یونیورسیٹی کے تحت بی۔ اے اور ایم۔ اے کے نصاب میں شامل ہیں اس سے اردو کے طالب علم یقیناً مستفید ہوں گے۔
کچھ اہم شاعروں کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ منظومات کی دستیابی کے باوجود انھیں شاملِ اشاعت نہیں کیا جاسکا جس کا ہمیں افسوس ہے۔

اس شمارے کے مشمولات میں جو خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ مصنف کے اپنے ہیں ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
اس شمارے میں اگر کوئی کسر رہ گئی ہو تو اسکی نشاندہی ضرور کی جائے، ادارہ مشکور رہوگا۔

محمد مصطفےٰ (اکبر)

وحشت کے خودنوشت سوانح عمری

[ماہنامہ کائنات لاہور کیلئے علامہ وحشت سے ایک خودنوشت سوانح عمری کی طلب کی گئی تھی۔ وحشت صاحب نے اپنے متعلق چند سطور رقم فرماکر انھیں کائنات کے حوالے کردیا تھا لیکن کسی سبب سے یہ رسالہ بند ہوگیا اور یہ شائع نہیں ہوسکا۔ بعد میں ادبی دنیا لاہور کے وحشت نمبر ۱۹۷۳ء میں اِسے شاملِ اشاعت کیا گیا مضامین وحشت میں اسی خودنوشت حالات کو وحشت بزبانِ خود کے عنوان سے شامل کیا گیا۔ یہ صفحہ اسی کتاب سے منقول ہے۔ ادارہ]

مُجھ سے مختصر خودنوشت سوانح حیات پیش کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ حیراں ہوں کہ کیا لکھوں۔ کوئی کرنے کے قابل کام زندگی میں کیا ہوتا تو ذکر کرتا۔ یہاں تو بقول غالب سے

بے صرفہ گذرتی ہے گرچہ ہو عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

بہر حال امتثال امر کے خیال سے چند سطور رقم کرتا ہوں۔ میں ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء میں شہر کلکتہ میں پیدا ہوا میرے والد مولوی شمشاد علی ہوگلی کے رہنے والے تھے۔ والدہ باشندہ کلکتہ تھیں۔ دادا حکیم غالب متوطن دہلی تھے۔ جنھوں نے ہوگلی میں سکونت اختیار کی۔ میں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم شعروسخن سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور اساتذہ کا کلام کیا فارسی کیا اردو برابر زیر مطالعہ رہتا تھا۔ نظیری، عرفی، ظہوری، صائب، محتشم، ہلالی اور حزیں کے کلام سے خاص طور پر لطف اندوز ہوتا تھا اور اسی طرح اردو میں میر، غالب اور مومن کا کلام برابر پیش نظر رہا کیا۔ زمانہ طالب علمی میں حضرت شمس کلکتوی کے خلف الرشید حضرت ناسخ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ غالب کے کلام سے مجھے ایک عشق تھا اور اس کا رنگ میں نے اختیار کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ نظیری کے ایک مصرع کی تضمین کرتے ہوئے میں نے خود کہا۔ سے

سخن آموخت غالب از نظیری وحشت از غالب
چراغ راکہ دودے ہست از سر زود در گیرد

۱۹۱۰ء میں دیوانِ وحشت شائع ہوا تھا جس کے متعلق مولانا حالی، علامہ شبلی، ڈاکٹر اقبال اور دیگر اکابر عصر نے نہایت حوصلہ افزا الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

گذر اوقات کے لئے ملازمت کی پہلے گورنمنٹ آف انڈیا امپیریل ریکارڈ ڈپارٹمنٹ میں میرا تقرر ہوا جہاں عرصے تک میں اس دفتر کے صیغہ فارسی میں چیف مولوی کا کام انجام دیتا رہا اور جب اسلامیہ کالج کلکتہ قائم ہوا تو میں اردو کا پروفیسر مقرر ہوا۔ وہاں ایک سالانہ مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جس نے شہرت حاصل کی اور توسیع اردو میں بڑا حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں میری خدمت کے صلے میں گورنمنٹ نے مجھے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ پنشن ہو جانے کے بعد کوئی چار سال تک لیڈی برابورن کالج کلکتہ میں اردو فارسی کا درس دیا۔ ۱۹۵۰ء میں حالات نے مجھے مشرقی پاکستان کا مہاجر بننے پر مجبور کردیا اور ڈھاکہ میں آکر مقیم ہوا لیکن زندگی کا لطف جاتا رہا۔ سرزمین ڈھاکہ نے کی قلب پر افسردگی طاری

ہوا خلوت نشیں میں اور شوق انجمن چھوٹا
وطن اور وہ بھی کلکتہ غضب تھا چھوٹنا اس کا
قیامت ہوگئی وحشت سے وحشت کا وطن چھوٹا

ہاں ڈھاکہ میں پہنچ کر ایک کام کیا کہ وہ کلام جو دیوان وحشت کے بعد جمع ہوا تھا اس کو ترانۂ وحشت کے نام سے چھپوایا۔ مکتبہ جدید لاہور اس کا ناشر ہے۔

•(ڈھاکہ ستمبر ۱۹۵۴ء)•

علامہ رضا علی وحشت

پروفیسر اقبال عظیم

جن حضرات نے مولانا کو ذرا قریب سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا اس حیثیت سے اس عہد کی یادگار ہیں جس میں کمالِ فن کی ایک شان کسر نفسی بھی سمجھی جاتی تھی۔ خلوت ہو یا جلوت، احباب کی مخصوص نشست ہو یا محفلِ عام، مولانا اپنے ملنے والوں میں سے ہر ایک سے خواہ وہ کسی درجہ کا انسان ہو، انتہائی محبت اور خلوص سے پیش آتے ہیں، اور ہمیشہ اپنے کمال کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چھوٹا ہو یا بڑا، کسی کے خلاف ان کی زبان سے کبھی کسی نے کوئی بات نہیں سنی کہ ان کے مزاج کی افتاد ہی کچھ اور ہے۔ کسی سے متعلق بھی ان سے ان کی رائے بھی دریافت کیجئے تو برائی نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یا تو چپ رہیں گے یا ہنس کر ٹال دیں گے۔ ان کے کردار کی یہی خصوصیت ان کی شخصیت کے وقار اور ان کے فن کی عظمت کو اور بھی بلند کر دیتی ہے اور ہر شخص ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ انسان پہلے ہیں اور صاحبِ کمال بعد میں۔

کشیدہ قامت، بھاری بھرکم، بایں ہمہ ماشاء اللہ بھرا بھرا چہرہ، عارض ریش سے صاف، پورے لب پر کتری ہوئی مونچھیں۔ آنکھوں پر تکلف سے خالی چشمہ، سر پر عنابی رنگ کی مخملی ہوم کیپ، جو مولانا کے گذرے ہوئے بانکپن کی صاف چغلی کھاتی ہے، بدن پر صوفیانہ رنگ کی گہری شیروانی، جس کی بائیں جیب سے شانے کے کاج تک پھیلی ہوئی گھڑی کی روپہلی زنجیر دور سے چمکتی ہے، ٹخنوں سے اوپر تک کم و بیش علیگڈھ کٹ پائجامہ اور گہرے رنگ کے جوتے پہنے ہوئے جس وقت مولانا کسی مشاعرہ کی مسندِ صدارت پر رونق افروز ہوتے ہیں تو ساری محفل میں ان کی شخصیت، سب سے الگ ایک خاص توجہ کی طالب ہوتی ہے۔ ان کی محبت بھری نگاہیں ہر نئے آنے والے سے گویا یوں مخاطب ہوتی ہیں کہ "بھئی میں کیا کروں، سب نے مل کر زبردستی یہاں بٹھا دیا ہے، ورنہ من آنم کہ من دانم"۔ گھٹنوں کا یہ عالم ہے کہ جب کہیں ایک دفعہ بیٹھ جاتے ہیں تو کسی کا سہارا لئے بغیر پھر کھڑے نہیں ہو سکتے، لیکن اپنی وضع اور حسنِ اخلاق سے اس درجہ مجبور ہیں کہ ہر شخص کے استقبال کے لئے ایک دفعہ اٹھنے کی کوشش ضرور کریں گے، یہ اور بات ہے کہ انھیں اٹھنے نہ دیا جائے۔

مولانا کے گھر چلے جائیے، صبح ہو یا شام، دوپہر ہو یا سہ پہر، آپ کی دستک کے ساتھ ہی مولانا دروازے پر ہوں گے، فوراً پردہ کرائیں گے، اور آپ کو بڑی محبت سے اندر لے جائیں گے، بڑے صوفے پر آپ کو بٹھائیں گے اور خود ایک چھوٹی سی کرسی پر ایک گوشے میں بیٹھ جائیں گے۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہ گذرنے پائیں گے کہ چائے اور عمدہ قسم کے بسکٹ آپ کے سامنے ہوں گے، اس وقت آپ کا جی چاہے یا نہ چاہے یہ تبرک اس معصوم انداز میں پیش کیا جائے گا کہ انکار کی جرأت ناممکن! وقت کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ کسی تقریب یا مشاعرے کا جو وقت آپ انھیں دیں گے اس سے آدھ گھنٹہ پیشتر وہ ملبوس ہو کر سراپا انتظار بیٹھ جائیں گے، پیروں کی مجبوری نہ ہوتی اور شہر کے جغرافیہ سے بھی بخوبی واقف ہوتے تو شاید سواری کا انتظار کئے بغیر معین وقت پر آپکے ہاں پہنچ جاتے اور آپکو ندامت ہوتی۔ خط وکتابت کا بھی یہی حال ہے، ادھر کسی کا خط پہنچا، ادھر جواب تیار، اگر ریڈیو کا کوئی خط آگیا جس کا جواب کسی خاص تاریخ کو جانا ہے تو جواب لفافے میں بند کر کے پہلے ہی سے رکھ دیا جائیگا اور اسکی پشت پر وہ تاریخ درج کر دی جائیگی جب اسے ڈاک کے حوالے کرنا ہی ہے، غرض یہ ہے مولانا کی زندگی کا ایک خاص نظام ہے جس کی پابندی اس حد تک کی جاتی ہے جس حد تک انکا اخلاق اجازت دیتا ہے۔ ■■

(ماخوذ از مشرقی بنگال میں اردو، مطبوعہ ۱۹۵۴ء)

سید رضا علی وحشت

پروفیسر فخرالدین اثر صدیقی

نام رضا علی، تخلص وحشت خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے آپ کے پرکھوں میں ذوالفقار علی خان دورِ اورنگ زیب میں عہدۂ ہفت ہزاری پر مامور تھا۔ اول تو یہ عہدہ شہزادگانِ مغلیہ تک محدود رہتا تھا لیکن عوام الناس میں سے اگر کسی کی قسمت یاوری کرتی تو کوئی بات کا ضرور لحاظ کیا جاتا۔ ایک تو خاندانی حیثیت اونچی ہو اور ذاتی طور پر قابلیت اور صلاحیت کے ایسے جوہر پائے جائیں جو اس عظیم عہدے کے شایانِ شان ہوں دوم بادشاہ کو ایسی شخصیت پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ ہوتا اور اس کی وفاداری اور جانثاری پر ذرہ برابر بھی شک اور احتمال کی گنجائش نہ ہوتی۔ چنانچہ ذوالفقار کا اس عہدے پر فائز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خاندانی حیثیت کے علاوہ ذاتی حیثیت بھی کچھ کم نہ تھی۔ جب سلطنت مغلیہ کا آفتابِ اقبال نصف النہار سے شامِ زوال کی جانب چلنے لگا تو کیا عوام اور کیا خواص سبھوں کا حال دگرگوں ہو گیا۔ لاکھوں کے لٹانے والے نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے پھر پہلی جنگِ آزادی جس کو فرنگی مورخوں نے غدر سے موسوم کیا ہے ایک قیامت کی شکل میں جلوہ گر ہوئی۔ انگریزوں کے مظالم کی انتہا نہ رہی اور جس سے جہاں جائے امن سمجھا روانہ ہو گیا۔ جن لوگوں نے مغربی بنگال کی طرف مراجعت کی وہ زیادہ تر ہگلی اور بینڈوا میں آباد ہوئے۔ چنانچہ غالب علی خاں نے جو ایک نامور طبیب تھے ہگلی کو پسند کیا اور آباد ہو گئے۔ یہیں انھوں نے ایک بنگالی خاتون سے شادی کر لی تھی اور صاحب اولاد بھی ہوئے۔ شمشاد علی خاں یہیں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ تعلیم سے فراغت پاکر انھیں پولس میں ملازمت مل گئی اور کلکتے کا رخ کرنا پڑا۔ انگریزوں کے زمانے میں پولس اور ظلم ہم معنی الفاظ تھے۔ آدمی نرم طبیعت کے تھے بستی جور و حیف نہ کر سکے چنانچہ خانہ نشین ہو گئے۔ انھوں نے بھی ایک بنگالی خاتون سے شادی کر لی تھی اور ان کے بیٹے حضرت وحشت اسی کلکتے میں پیدا ہوئے۔ بعض حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بھی ہگلی ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب ضرور ہے لیکن حضرت وحشت نے ہر جگہ کلکتے ہی کو جائے پیدائش بتایا ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں جناب نیاز فتحپوری نے اپنے گراں قدر ماہنامہ نگار کا مشاعرہ نمبر شائع کیا تھا۔ اس وقت کے مشاہیر شعراء کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان کے کلام کا انتخاب بھی شائع کیا تھا۔ اور التزام یہ تھا کہ خود شاعر اپنے حالاتِ زندگی لکھیں اور کلام کا انتخاب کریں کہ دو تین سو اشعار سے زیادہ نہ ہوں۔ اس پرچے میں حضرت وحشت نے جو اپنے حالات بھیجے تھے وہ چند جملوں پر مشتمل تھے جس میں کلکتہ کو اپنا مولود مسکن بتایا تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کلکتہ کے کس علاقے میں آپ پیدا ہوئے مگر آپ کا عنفوانِ شباب کلکتہ کے ایک مشہور علاقہ جان نگر روڈ میں گذرا۔ ویسے کلکتہ سے آپ کو خاص محبت رہی۔

بچپن میں گھریلو تعلیم ہوئی پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شعبۂ انگریزی میں داخلہ لیا اور انٹرنس کا امتحان پاس کیا مالی پریشانی نے اعلیٰ تعلیم کی اجازت نہ دی۔ زندگی گذارنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے آپ اوّل اوّل ایک ڈاکٹر خانہ میں کیو نڈر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ ذہانت اور طباعی بلا کی تھی اور کچھ ہی دنوں میں امپیریل ریکارڈ حکومت ہند میں جگہ مل گئی اور زندگی قدرے فارغ البالی سے گذرنے لگی جہاں انھوں نے چیف مولوی کے عہدے تک ترقی پائی چنانچہ نمبر ۲/۱/۲ ڈلکشا اسٹریٹ میں دو منزلہ مکان بھی بنوایا یا خریدا تھا۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں اسلامیہ کالج قائم ہوا تو فضل الحق مرحوم کو جو بعد میں بنگال کے وزیر اعلیٰ ہوتے تھے فکر ہوئی کہ بہتر سے بہتر پروفیسر اس کالج میں جمع ہوں۔ حساب کے لئے پروفیسر عبدالصمد پنجاب سے بلائے گئے جغرافیہ کے لئے نفیس احمد علی گڑھ سے، فلسفہ کے لئے پروفیسر

عبدالباقی۔ تاریخ کیلئے پروفیسر ابو حسام عربی کیلئے مولوی عبدالقادر اور اردو کیلئے حضرت وحشت کا تقرر ہوا۔ آپ کا عہدے پر والز ہونا تھا کہ کالج کے سالانہ مشاعرے کی بنیاد پڑی۔ کلکتہ میں اس سے پہلے بھی مشاعرے ہوتے تھے لیکن مخصوص کالج کے مشاعرے بے مثل ڈال دی مشاعرہ ٹھیک رات کو ترتیب اور آٹھ نو یا کبھی کبھی دس بجے

دن کو اختتام پذیر ہوتا۔ اردو کی ترویج و اشاعت کا یہ بھی ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔ اور نو مشقوں کی بھی ہمت افزائی ہونے لگی۔ عمائدین کا ہجوم عوام کی بھیڑ جو جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا مشاعرہ کیا ہوتا تھا میلا لگتا تھا۔ کالج کے احاطے میں چائے اور پان کی دکانیں لگتی تھیں۔

آپ کی علمی خدمتوں کے صلے میں حکومت برطانیہ نے سنہ ۱۹۳۱ء میں "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں وظیفہ لے کر خانہ نشین ہو گئے مگر حکومت آپ کو کیوں بیٹھنے دیتی۔ انھیں ایام میں لیڈی برابورن کالج قائم ہوا اور اردو فارسی کے لئے کوئی خاتون پروفیسر مل سکیں۔ پھر نظر انتخاب آپ پر پڑی، کئی برس تک اس کالج سے بھی منسلک رہے اسی دوران پیرانہ سالی کے علاوہ سب سے بڑی دقت یہ آ پڑی کہ آنکھوں میں سخت تکلیف لاحق ہوئی وظیفوں کو اوجل ہونے کا کمال ہو چلا تھا مگر خدائے تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور انھیں وہاں سے سبکدوش ہونا پڑا۔ سنہ ۱۹۴۶ء سے فسادات نے ایسا سر اٹھایا اور اہل وطن کو جو یہ دیکھنا تھا دیکھنا پڑا بلکہ آج تک دیکھنا پڑتا ہے۔ اس سے وہ خود بھی بہت متاثر ہوئے۔ ان کا ایک شعر ہے

حدال فرقہ پرستاں سے خون ہوتا ہے
زمینِ ہند ہیں رشک آسماں نہ ہے

آخر سنہ ۱۹۵۰ء میں ترک وطن کرنا پڑا۔ ... وطن چھوٹنے کا آپکو بہت صدمہ ہوا اور ہونے کی بات بھی تھی۔ جو لوگ سال دو سال ہی کلکتہ میں رہ پڑتے ہیں ان سے اس شہر کا چھوٹنا ایک سانحہ ہوتا ہے اور وہ جس نے جنم لیا ہو اور پوری زندگی گذار دی ہو کیا حال ہوا ہوگا۔ حضرت غالب کا حال دو ہی سال میں بے حال ہو گیا اور انھیں کہنا پڑا ؎

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشیں
اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

حضرت وحشت ایک خط میں یوں رقم طراز ہیں "وہ خلوص جو مجھے کلکتہ کے محبانِ عزیز میں ملتا تھا ان کا یہاں (ڈھاکے میں) فقدان ہے۔ تکلف کی ملاقاتیں دل کو راحت نہیں پہنچاتیں۔ کلکتہ کی بات کلکتہ کے ساتھ گئی۔"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں "کلکتہ کے مشاعروں کا ذکر سنکر ایک حسرت آمیز خیال دل میں آیا۔ کلکتہ میں باہر کے شعراء آکر شریک ہوں اور وحشت وہاں موجود نہ ہو۔" ایک اور خط میں وہ یوں لکھتے ہیں "رسمی ملاقاتوں میں مجھے مزا نہیں آتا۔ جن سے ملنا میری دلی مسرت کا باعث ہوتا تھا انھیں تو کلکتہ میں چھوڑ آیا ہوں۔"

پروفیسر بیخود نے ایک بار انھیں شرکت مشاعرہ کی دعوت دی اس کا جواب یوں دیتے ہیں "اگر کالج (سنٹرل کالج موجودہ مولانا آزاد کالج) کے مشاعرے کی صدارت کے لئے نامزد نہ کیا جاؤں تو بہتر ہے۔ یہ میں اپنے دل پر جبر کر کے لکھتا ہوں۔"

قیام کلکتہ کے زمانے کے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں!

عزیز ہے مجھے کلکتہ اور اس کا سواد
بہل ہی جاتا ہے جس میں مرا دلِ ناشاد
یہ وہ قفس ہے کہ جس پر ہو آشیاں قرباں
خوشی سے اس میں گرفتار رہتے ہیں آزاد

لیکن جب کلکتہ چھوٹا تو ان کی افسردگی دیکھئے:-

زمینِ ڈھاکہ نے کی قلب پر افسردگی طاری
ہوا خلوت نشیں میں اور شوقِ انجمن چھوٹا
وطن اور وہ بھی کلکتہ غضب کا چھوٹنا اس کا
قیامت ہو گئی وحشت سے وحشت کا وطن چھوٹا

آپ کی عادت تھی کہ کسی کو تم سے مخاطب نہ کرتے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں اکثر ان کے مکان پر جایا کرتا تھا کہ اس وقت میری عمر آٹھ نو برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ گفتگو کرتے تو آپ سے خطاب کرتے۔ کھانے کا وقت آتا تو ضرور کھانے میں شریک کرتے۔ کھانا چھری کانٹے سے کھاتے۔ آدمی دراز قد تھے پائجامہ علی گڑھ کٹ ٹخنوں سے کافی اونچا ہوتا مگر موزے بہت قیمتی پہنتے۔ دیکھنے والے ہنستے ہوئے کہتے

کہ خان بہادر صاحب میں اگر نمائش کا جذبہ ہے تو
موزوں ہی کے دکھانے میں بلکہ موزے تو اتنے قیمتی ہوتے
تھے کہ جوتوں پر سبقت لے جاتے تھے۔

احباب کا بہت خیال رہتا تھا لیکن شاگردوں سے بڑی
محبت سے پیش آتے تھے۔ زمرۂ تلامذہ میں اگر کوئی صاحب بے روزگار
ہو جاتے تو باوجود ہزاروں پریشانی اور مالی دقتوں کے ضرور خبر گیری
کرتے۔ میرے بڑے بھائی حضرت قمر صدیقی کی ملازمت علالت کی
بنا پر لا مارٹینیرز کالج سے جاتی رہی تو پندرہ روپے ماہانہ سرکار وحشت
سے وظیفہ ملنے لگا۔ دوسرے شاگردوں کی بھی اسی طرح اعانت کرتے
اور صیغۂ راز میں رکھتے۔

حضرت قمر صدیقی کا ڈھاکے میں حرکت قلب بند ہو جانے کی
وجہ سے جو سانحہ ہوا وہ میرے لئے سانحۂ عظیم تھا۔ جب میں ڈھاکہ
پہنچا اور حضرت وحشت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی رو پڑے
وہ میری تسلی کیا کرتے میں ہی تلقین صبر کرنے لگا۔ فرمایا آپ
جنازے میں شریک نہ ہو سکے۔ عجب شان سے جنازہ نکلا تھا۔
پھر نظیر کا مصرع پڑھنے لگے "عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے نکلے"

نہ تو وہ پان کھاتے تھے نہ سگریٹ بیڑی سے شوق تھا۔ اگر
کوئی لت تھا تو کراس ورڈ کے معمے کا تھا۔ یہ شوق کیا تھا ایک لت تھا۔
خود اپنے نام سے بھیجتے کبھی کبھی دوسروں کے نام سے بھی بھیجتے تھے۔
ایک بار میرے بھائی صاحب کے نام سے بھیجا اور پانچ ہزار کی رقم اول
انعام میں ملی ساتھ ہی ایک گھڑی بھی آئی۔ رقم تو خود لی ہاتھ گھڑی
بھائی صاحب کو مرحمت فرمائی۔۔۔۔۔

ان کا بڑا صاحبزادہ علی حیدر مرض جنون میں مبتلا تھا۔ تین
بار اسے لیکر رانچی اسپتال گئے۔ بہار کے کسی خانقاہ میں اسے لیکر
ایک ماہ قیام کیا مگر وہ "نہ بلا ٹلی دعا سے نہ مرض گیا دوا سے"۔ جب
جنون کی کیفیت زور پکڑتی تو یہ مجنوں صفت پورے گھر کو سر پر
اٹھا لیتا اثاث البیت توڑتا، کتابیں پھاڑتا، لوگوں کو زد و کوب کرتا۔
ان غیر مستحسن کارناموں کو دیکھ کر مولانا وحشت نے اس کے پاؤں
میں اپنے ہاتھوں سے بیڑی ڈال دی۔ تھا تو دیوانہ مگر دیوانہ بکار خویش
ہوشیار جب انھوں نے کہا تمہاری یہی سزا ہے تو ان کا شعر خاص
لحن سے پڑھنے لگا۔

ہمارے پاؤں میں تم نے تو زنجیر وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا

شعر کے سنتے ہی حضرت وحشت دھاڑیں مار کر رونے لگے۔
جب بزرگ خاندان کا یہ حال ہو تو پورے کنبے نے شور مچانا شروع
کر دیا ہمسائے کی خواتین آگئیں کہ کیا حادثہ ہے۔ آکر دیکھتی ہیں
کہ معاملہ دیگر ہے بلکہ دگرگوں۔ آخر کار دیوانے کی زنجیر کھول دی گئی۔

حضرت وحشت نے ایسے وقت میں زلف عروس سخن کو سنوارنا
شروع کیا کہ سرسید تحریک اپنا فرض ادا کر چکی تھی۔ لوگوں کے خیالات
میں سیاسی، معاشرتی اور ادبی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ پھر مولانا حالی
کے دیوان کے مقدمے نے ایک ہلچل ڈال دی پرانی روش سے بیزاری
پھیل گئی۔ دوسری طرف داغ، امیر اور جلال کی شاعری نے زبان کو تو
ضرور بالا کیا، ہر اعتبار سے اس میں صفائی پیدا کی اور تمام زور زبان
کی چاشنی اور چٹخارے پر صرف کیا مگر علوئے تخیل کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔
لوگ افراط کے شکار ہوئے یا تفریط کے۔ جن لوگوں نے داغ اور امیر
کی پیروی اختیار کی بہت حد تک ان کے کلام میں رکاکت پیدا ہو چلی
تھی۔ ایسے وقت میں سلامت روی کی چال چلنا دشوار ہو گیا تھا۔
ادھر حسرت موہانی اور ادھر وحشت کلکتوی ایسی راہ پر گامزن ہوئے جس نے
غزل کی آبرو رکھ لی۔ جب ۱۹۱۰ء میں حضرت وحشت کا دیوان اول
شائع ہوا اور مولانا حالی کی نگاہ پڑی تو بے ساختہ اقرار کرنا پڑا
" تکلف برطرف اگر مرزا صاحب کے ان بلند اور اچھوتے خیالات
کو جن میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز ہیں مستثنیٰ کر لیا جائے
تو آپ کے اردو دیوان کو بے شائبہ تصنع ان کے کلام کا نمونہ قرار دینا
ہرگز داخل مبالغہ نہیں ہو سکتا"۔ آگے چل کر فرماتے ہیں "کیا اردو
کیا فارسی دونوں زبانوں میں ایسے دیوانوں کے شائع ہونے
کی بہت ہی کم امید ہے۔ خدائے تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے"۔

اگر مولانا کی پیرانہ سالی کا دورہ نہ ہوتا تو امکان تھا کہ وہ اپنے
مقدمے کے بیانات میں تبدیلی لاتے۔ اس سے تتبع غالب چھن جانے
کا افسوس تو ہوا مگر مسرت کے ساتھ خوشی ہوئی کہ سواد ہند میں
ایک چھوٹی ٹولی سہی مگر غالب کے مشن کو پورا کر رہی ہے پھر بھی
ے

ہم لوگوں کو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے اور بغیر اعتراف کئے چارہ بھی نہیں کہ حضرت وحشت نے مرزا غالب کی ترکیبوں اور اظہار خیال کی تو ضرور پیروی کی لیکن علوئے تخیل اور بلندئ فکر کی پیروی نہ ہوسکی۔ اس کمی سے شاعر کی شاعرانہ صلاحیت پر حرف نہیں آتا مگر یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ نے صرف پیروی کا دامن پکڑ رکھا تھا بلکہ ایک خاص رنگ بھی آپ کی غزلوں میں جھلکتا ہے جو آپ کا انفرادی رنگ ہے، ملاحظہ ہو:-

اے حسن! بوالہوسی ہے ہوس ہمرکابِ عشق
تجھ سے امید یک نگہِ امتیاز ہے

جسارت پر مجھے حیرت ہے اپنے دیدۂ ترکی
کہ تیرے جور کی اس نے شکایت کی تو کیونکر کی

مکتوب حالی بنام وحشت بحوالہ مشرقی بنگال میں اردو، اقبال عظیم

مکتوب اقبال بنام وحشت بحوالہ مشرقی بنگال میں اردو، اقبال عظیم

مزے سے زندگی امید پر اپنی گزرتی ہے
ہوئے ہیں منفعل ہم ان سے عرض مدعا کرکے

ابھی ہیں قوتیں ناآزمودہ حسن والفت کے
جو تم کھینچتے تو ہم بھی جذبِ دل کا امتحاں کرتے

کہتے بھی ہیں حکایتِ دل فرطِ شوق میں
روتے بھی جاتے ہیں اخرِ داستاں سے ہم

جفا کے بعد وہ آمادہ ہیں وفا کے لئے
اک اور ظلم سہی جانِ مبتلا کے لئے

دل ایذا طلب کی بات بنی
راہِ الفت کو پُرخطر دیکھا

(بشکریہ سوغات، مرتبہ اسد الزماں اسد، ۱۹۸۱ء)
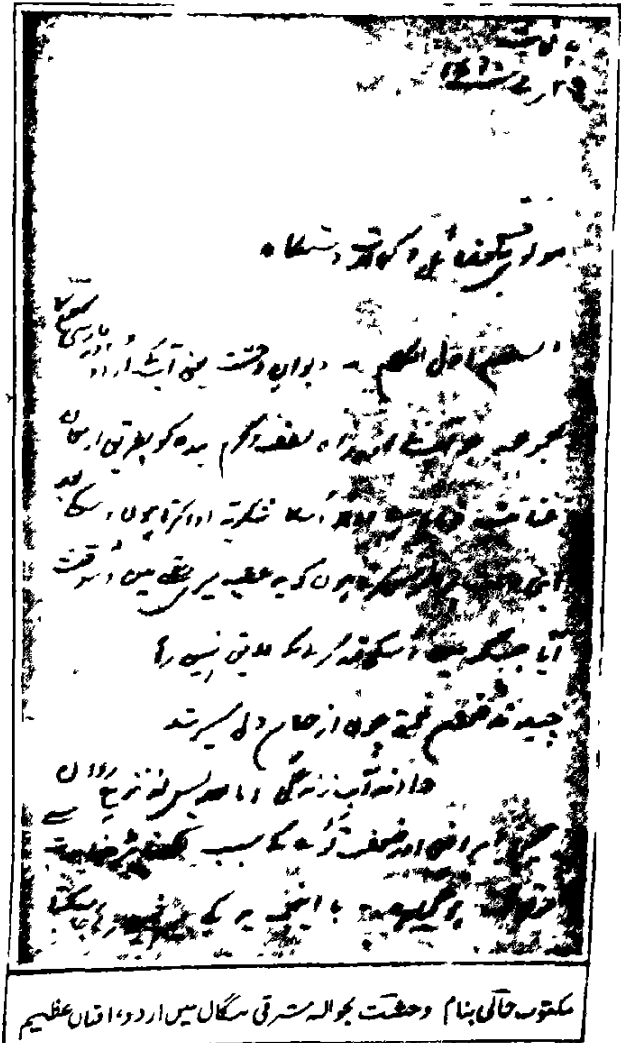
وحشت اور تتبعِ غالب

پروفیسر عباس علی خاں بیخود

غور سے دیکھا جائے تو اردو کیا ہر زبان میں عام طور سے شعراء کے تین طبقے ملیں گے۔ ایک وہ جن کا کلام عام پسند ہے وہ ملک میں بہت بڑی شہرت کے مالک ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ شعراء جن کا کلام عام و خاص میں یکساں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انھیں شہرت کے ساتھ عزت بھی نصیب ہوتی ہے۔ تیسرے طبقے میں وہ شعراء ہیں جو صرف خاص اہلِ ذوق کے لئے مخصوص ہیں اور عوام کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ اگرچہ انھیں عوام بہت کم جانتے ہیں لیکن ان کا کلام دیرپا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کے معاصرین کے نام تک لوگ فراموش کر جاتے ہیں تو وہی اپنے دور کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی کبھی کبھی کوئی ایسا شاعر نکل آتا ہے جس کو مندرجہ بالا طبقات میں سے کسی میں بھی نہیں رکھا جا سکتا اور جہاں اس کا نام لیا جائے وہاں مجموعی حیثیت سے کسی زمانہ کا کوئی شاعر بھی اس کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ فنِ شاعری کا معیار ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں لیکن کوئی بھی اس تک نہیں پہنچتا۔ ہاں جو جس قدر زیادہ اس کی تقلید میں کامیاب ہوتا ہے اسی قدر قابلِ ستائش و تعریف سمجھا جاتا ہے۔ ہماری دنیائے اردو میں مرزا غالب ایسے شاعر ہیں جو اپنے متقدمین، معاصرین اور متاخرین سے الگ اور بلند ہیں۔ متاخرین نے ان کی تقلید کی کوشش میں ادبِ اردو کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا لیکن غالب نہ ہو سکے۔ بعض نے تو یہاں تک مشق بہم پہنچائی کہ ان کے کلام میں غالب کے کلام کا لطف آتا ہے لیکن جب سامنے غالب کا کلام رکھا جاتا ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ غالب غالب ہے۔

یوں تو غالب کی خصوصیتوں میں نازک خیالی، معنی آفرینی، جدتِ ترکیب، فارسی بندشوں کی چستی، سنجیدگی، متانت، قادر الکلامی، بلند پروازی، وسیع خیالات و اختصار، جذبات نگاری، تناسبِ الفاظ، فلسفیانہ استدلال، حقیقت طرازی، کلام میں شوخی اور ظرافت کی چاشنی وغیرہ وغیرہ بہت سے اوصاف پائے جاتے ہیں اور ان کے متتبعین میں بھی بعض ان خصوصیات میں بہت کامیاب رہے ہیں لیکن فرداً فرداً نازک خیالی اور معنی آفرینی کا نام غالبیت ہے نہ فارسی کی غیر مانوس ترکیبوں کا اور جذبات نگاری کا بلکہ جو خصوصیت ان کو شعراء کے طبقوں سے علیٰحدہ کرتی ہے وہ اس کی طرزِ ادا یعنی اندازِ بیان میں تیکھا پن ہے جیسا کہ حالی مرحوم ان کے مرثیہ میں فرماتے ہیں:

دل میں چبھتا تھا وہ اگر یہ مثل
دل کو کہتا تھا دن اور رات کو رات

یا خود مرزا غالب فرماتے ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اکثر لوگوں نے مرزا غالب مرحوم کے تتبع کی کوشش کی جن میں بہتوں نے فارسی کی غریب ترکیبوں اور نامانوس الفاظ پر اکتفا کی اور ان میں بھی جنھیں فارسی پر قدرت نہ تھی مہمل بکنے لگے۔ چند حضرات جنھوں نے غالب کو سمجھا اور سمجھ کر ان کی تقلید کرنی چاہی ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن اس پر قائم نہ رہ سکے اور بعد کو انھوں نے الگ اپنا رنگ اختیار کر لیا۔ جو اردو ادب میں رنگِ جدید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا انھوں نے تقلیدِ غالب میں اردو ادب میں انقلاب پیدا کر دیا لیکن غالب نہ بن سکے۔ ملک کے تعلیم یافتہ اور اہلِ ذوق حضرات واقف ہیں کہ خاں بہادر مولانا رضا علی وحشت مرحوم ہی یکہ و تنہا غالب کے رنگ کو اپنا شعار بنائے رہے۔ آج سے ساٹھ سال قبل جب آپ کی شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا آپ نے غالب مرحوم کے تتبع میں شعر کہنا شروع کیا اور اخیر تک اسی پر قائم رہے۔ عہدِ جوانی میں تو آپ کو تتبعِ غالب میں اتنا غلو تھا کہ غالب مرحوم کے غریب الفاظ و نامانوس بندشوں تک میں فرق نہ آنے دیتے تھے جیسا کہ دیوان سے ظاہر ہے ؎

نکتہ پردازی میں وحشت پیروِ غالب ہوں میں
سرمہ کو کہتا ہوں دردِ شعلۂ آواز ہے

9

وحشتؔ ہمیں تتبع غالبؔ کی آرزو
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

آخر میں یہ ہو گیا تھا کہ غالبؔ کے نامانوس اور غریب ترکیبوں کا استعمال نہیں فرماتے تھے اور رنگِ خاص کو ایسا نکھارا کہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا نے اپنے کلام پر نظرِ ثانی کی ہے۔

آج سے ساٹھ سال قبل جب کہ وحشتؔ نے تتبع غالبؔ میں طبع آزمائی شروع کی تھی۔ فرماتے ہیں:

تیرے اندازِ سخن سے ہے یہ ظاہر وحشتؔ
کہ مقدر ہے ترا غالبِؔ دوراں ہونا

ایک جگہ فرماتے ہیں

سنا تازہ غزل کوئی نظیرِ میرزا غالبؔ
کہ یہ بزمِ سخن خالی نہیں وحشتؔ سخنور سے

۱۹۱۰ء میں جب آپ کا دیوان پہلی بار شائع ہوا تو حضرت وفا رامپوری، حضرت نظم طباطبائی، حضرت ظہیرؔ دہلوی، حضرت اکبر الہ آبادی، حضرت شادؔ عظیم آبادی، جناب صفیؔ لکھنوی، جناب آزاد عظیم آبادی، مولانا حسرتؔ موہانی، حضرت عزیزؔ لکھنوی، جناب محشرؔ لکھنوی، جناب شفق عماد پوری، جناب بسمل عالمپوری، مولانا حالیؔ و علامہ شبلیؔ نعمانی، جناب شوق قدوائی لکھنوی، مولوی ظفر علی خاں صاحب، جناب ثاقبؔ لکھنوی، منشی نظرؔ لکھنوی، منشی دیانرائن نگم اور علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ جیسے ماہرانِ فن و نقادانِ سخن حضرات نے متفقہ طور پر اس خیال کا اظہار فرمایا کہ آپ نے غالبؔ مرحوم کا صحیح تتبع فرمایا ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ طوالت کے خیال سے ذیل میں مختصر طور پر چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن میں تتبع غالبؔ کی طرف اشارہ ہے

مولانا صفیؔ لکھنوی۔ بر روشِ غالبؔ و میرؔ آمدہ
شاعرِ بے مثل و نظیر آمدہ
از اثرِ طبعِ سخن گوئے او
فارسیش غازۂ اردوئے او

مولانا حسرتؔ موہانی نے دیوان کی تاریخ کہی۔ "جوابِ میرؔ و غالبؔ ہے چھپا"

حضرت عزیزؔ لکھنوی:- ہے کہیں فلسفۂ غالبؔ اعجاز بیاں
میرؔ کے درد کی لذت ہے کہیں

جناب ممتازؔ منگلوری:- اور جو دیوان ہیں ان میں یہ باتیں کہاں
مومنؔ و غالبؔ کا رنگ لطفِ زبانِ میرؔ

جناب حسرتؔ کلکتوی:- ہے طرزِ میرؔ کہیں اور کہیں ہے شیوۂ غالبؔ
نوازنانِ سخن! لیجئے پیامِ فصاحت

علامہ شبلیؔ نعمانی:- "غالبؔ اور مومنؔ کی ترکیبیں اور طرزِ ادا آپ سے خوب بن پڑتی ہیں"

حضرت ظہیرؔ دہلوی یادگارِ ذوقؔ:- "غالبِؔ ثانی ہونے میں کوئی کلام نہیں"

حضرت شوق قدوائی لکھنوی:- (مخزن ماہ مئی ۱۹۱۰ء) "آج کل ہندوستان میں حضرت غالبؔ اور حضرت میرؔ کی تقلید کرنے والے زبان کے دعوے سے تو اکثر پائے جاتے ہیں مگر کلام کے رنگ سے کم۔ میں کم کا لفظ اس بناء پر لکھا کہ پوری تقلید حضرت غالبؔ کے رنگ کی حضرت وحشتؔ ہی نے کی ہے اور ان کی ذات "واحد کم" ہی کے لفظ کی مصداق ہو سکتی ہے"

حضرت محشرؔ لکھنوی:- (معیار لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۱۰ء) "تقلید مرزا غالبؔ مرحوم میں جس قدر مشق کی ہے اس کی خوبصورت اور حسین تصویریں صفحاتِ دیوان پر جا بجا پائی جاتی ہیں۔ فارسی ترکیبوں کے صرف کرنے میں خداداد طبیعت کو سلیقہ خاص عطا ہوا ہے۔ سب سے بالاتر اور لائقِ تحسین یہ امر ہے بلکہ اس کو مشقِ کمال یا کمالِ مشق کہنا چاہئے کہ فارسی بندشوں میں ادائے خیال کے وقت کسی مقام میں کہیں الجھن نہیں جو مضمون ہے موتی کی طرح صاف۔ جو تخیل ہے وہ بالکل پاک و پاکیزہ۔ یہی طریقہ بلاغت کی جان اور یہی انداز فصاحت کی روح ہے"

منشی دیانرائن نگم:- (زمانہ کانپور جون ۱۹۱۰ء) "سخن سرائی میں غالبؔ مرحوم کے پیرو ہیں اور واقعی اکثر اشعار میں غالبؔ کا رنگ موجود ہے"

اس ضمن میں میرے خیال میں مولانا حالیؔ مرحوم کی رائے کو مرزا غالبؔ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے خاص اہمیت ہے۔ انھوں نے مرزا غالبؔ اور اہلِ کلکتہ کے ناگوار واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے لیکن انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔
فرماتے ہیں:-

"جب مرزا غالبؔ مرحوم اپنی موروثی پنشن کے متعلق گورنمنٹ ہند میں استغاثہ کرنے کی غرض سے کلکتہ گئے ہیں اس وقت اہلِ کلکتہ نے ان کے کلام فارسی پر اعتراض کئے تھے۔ مگر آپ نے مرزا کے تتبع کا پورا پورا حق ادا کر کے ثابت کر دیا کہ سچائی کا مقابلہ کیسی ہی سختی کے ساتھ کیا جائے

آخر کار اپنے نقش لوگوں کے دلوں پر جمائے بغیر نہیں رہتے اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا در حقیقت ہم لوگوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا یہ حق ہم سے چھین لیا۔ سچ ہے دوراں باخبر در حضور و نزدیکاں بے بصر دور۔ تکلف برطرف اگر مرزا صاحب کے ان بلند اور اچھوتے خیالات کو جن میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے۔ مستثنیٰ کر لیا جائے تو آپ کے اردو دیوان کو بے ستائش تصنع ان کے کلام کا نمونہ قرار دینا ہرگز داخل مبالغہ نہیں ہو سکتا۔"

اب ذیل میں مرزا غالب مرحوم اور رحان بہادر مولینا وحشت کے کچھ اشعار پیش کرتا ہوں جن سے اہل ذوق بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت وحشت کا کلام تتبع غالب میں کیا مرتبہ رکھتا ہے:

جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا۔ غالب

ستم سے ان کے ہم مرتے ہیں اور وہ کشمکش میں ہیں
نہ وقت آنکھیں چرانے کا نہ موقع منہ دکھلانے کا۔ وحشت

مرزا کے شعر میں جو شوخی ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا لیکن دوسرے شعر میں کشمکش کا عالم ہے وہ عجیب و غریب ہے اور مرزا کے تتبع کے بعد ہی یہ مضمون ذہن میں آسکتا ہے۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے۔ غالب

دیدۂ یار سے جب تک نہ ٹپکے آنسو
ہم کو تسلیم نہیں شبنم کا گریاں ہونا۔ وحشت

ایسے رونے پہ مجھے آئے نہ رونا کیونکر
پارۂ دل کوئی زیب سر مژگان نہ ہوا۔ وحشت

مولینا وحشت کے پہلے شعر میں مضمون کی گہرائی اور دوسرے میں دل کے اخلاص نے انھیں صحیح طور پر "نقش ثانی" بنا دیا ہے۔

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے۔ غالب

بنے چشم و چراغ رہ نوردان بلا وحشت
کرے وحشت جنوں گر کسب ویرانی مرے گھر سے۔ وحشت

مولینا وحشت مرحوم کا شعر حضرت غالب مرحوم کے شعر کی تشریح کرتا ہے مگر "بنے چشم و چراغ رہ نوردان بلا"، نے جو لطف دیا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا۔ غالب

مجبور ہم ہیں اور فرشتوں کو دیکھئے
فہرست لکھ رہے ہیں عذاب و ثواب کی وحشت

اگرچہ دوسرے شعر میں پہلے شعر کی شوخی نہیں، لیکن مسئلہ جبر کی اس سے بہتر تصویر نہیں ہو سکتی۔ یہاں شوخی کی جگہ طنز نے لے لی ہے اور لطف مضمون کو ذرا آگے بڑھا دیا ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں۔ غالب

کیا کہتے ہو وحشت کہ وہ بت دشمن دیں ہے
کچھ پاس تو تم بھی دل و دیں کا نہیں کرتے وحشت

دونوں میں معشوق کی طرفداری کی گئی ہے۔ پہلے میں لوگوں کے خلاف اور دوسرے میں اپنے خلاف۔ غالب مرحوم کے شعر میں بڑی جھنجھلاہٹ ہے لیکن جو شوخی اور متانت "کچھ پاس تو تم بھی دل و دیں کا نہیں کرتے" میں ہے، قابل غور ہے یعنی وہی بت تمہارا دین و ایمان ہے، اگر وہ دشمن دیں ہے تو تمہارا بھی اس کے خلاف کچھ کہنا دین کے خلاف کہنا ہے:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔ غالب

قائل ہوں خوش کلامیٔ واعظ کا میں ولے
پیر مغاں سے مجھ کو عقیدت ہے کیا کروں وحشت

دوسرے شعر میں مختلف طرز بیان کے علاوہ "کیا کروں"، نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا غالب

امٹے داغ وفا دل سے گوارا ہو نہیں سکتا
مریض عشق اچھا ہے جو اچھا ہو نہیں سکتا۔ وحشت

"درد منت کش دوا نہ ہوا"، کی نرالی ادا غالب مرحوم ہی کی نازک خیالی سے ممکن ہے لیکن دوسرے شعر میں پہلے مصرعہ کے مضمون نے بہت کچھ تغزل پیدا کر دیا ہے:-

جلتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور۔ غالب

مبارک ہو مجھے موقع فریب تازہ کھانے کا
کیا پھر مرے پیماں شکن نے وعدہ آنے کا ۔ وحشت

غالب مرحوم نے ایک لفظ قیامت سے قیامت کا مضمون پیدا کیا ہے لیکن طرز بیان اور تغزل کے اعتبار سے مولینا وحشت نے بھی برابر کا لطف دیا ہے۔ "مبارک ہو مجھے موقع فریب تازہ کھانے کا" میں کس قدر تغزل ہے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

کس کو خبر نہیں ہے کہ دیتا ہے وہ فریب
مجھ کو فریب کھانے کی عادت ہے کیا کروں

مرزا کا شعر ہے: وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو ۔ غالب

میں سبک سر بن کے یوں گرتا نہ قدموں پر ترے
مجھ کو کیا معلوم تھا تو سرگراں ہو جائے گا ۔ وحشت

دونوں شعر میں اسہاب کا لطف ہے۔ فرق اتنا ہے کہ غالب مرحوم کے شعر میں خودداری کا جذبہ نمایاں ہے اور مولینا وحشت نے شعر میں سپاس داری عشق و انکسار محبت ۔ وہ کیسی لہاں عاشق جب سر چھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو ۔ غالب

سما سکتا سیاں پھر کیوں تسمہ اٹھئے یہاں کی
مرے زخم جگر کا گر مداوا ہو نہیں سکتا ۔ وحشت

مرزا کے شعر میں جو جھلاہٹ اور مایوسی ہے وہ ان کی خصوصیت ہے لیکن مولینا کے شعر میں نرمی، لجاجت اور تغزل قابل توجہ ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ۔ غالب

خاک میں مل گئے دلے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہ ناز کا ۔ وحشت

کیوں کٹ نہ گئی اپنی زباں ذکر وفا پر
شرمندگی یاد سے شرمندہ کیا ہے ۔ وحشت

مرزا نے دو لفظ "جان" اور "حق" سے جو کام لیا ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا لیکن مولینا کا شعر تغزل کے لحاظ سے ایک خاص مزہ رکھتا ہے اور دوسرا شعر تو عجیب چیز ہے: چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے ۔ غالب

دل کی کیا تاب کرے عشق کا تیرے دعویٰ
ہاں غریب آنہ مگر رخ پہ فدا ہوتا ہے ۔ وحشت

مولینا کے شعر میں جو افتادگی عشق ہے وہ اسے مرزا کی خوش طبعی سے ممتاز کرتی ہے:۔ کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں ۔ غالب

زباں کو آشنا کر آج ذوق آتش تر سے
کہ لذت یاب ہونا ہے تجھے کل آب کوثر سے ۔ وحشت

مرزا کی پیچیدگی اور مضمون آرائی جس قدر کیف افزا ہے اسی قدر مولینا کا طرز بیان اور صفائی قابل داد ہے بلکہ مولینا نے جس طریقے سے جواز مئے نوشی کا رد اور فتویٰ صادر فرمایا ہے، ان کا حصہ ہے:۔

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے ۔ غالب

دیکھ لے گر تو مسرت خاطر اغیار کی
تجھ پہ کھل جائے جو حالت ہے دل بیمار کی ۔ وحشت

مضمون ایک ہے لیکن وحشت نے طرز بیان علٰحدہ کر دیا ہے اور دونوں شعر اپنی جگہ داد چاہتے ہیں:

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر ۔ غالب

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم مرے لئے ہوتے ۔ غالب

کوئی نظر مرے دل پر بھی یار ہو جائے
تری بلا سے اگر بے قرار ہو جائے ۔ وحشت

ہزار بار سہیں ہم فراق کے صدمے
ترا وصال اگر ایک بار ہو جائے ۔ وحشت

اے کاش مرے قتل کا مژدہ ہی وہ ہوتا
آتا کسی صورت سے تو پیغام تمہارا

مرزا کے دونوں شعر عجیب و غریب ہیں اور انھیں کے غیر معمولی دماغ کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ ان اشعار میں جو مزہ ہے صرف دل ہی محسوس کر سکتا ہے زبان بیان نہیں کر سکتی۔ پھر بھی مولینا نے اپنے طرز بیان سے ایک تنوع پیدا کر دیا ہے اور بہت صاف کہا ہے۔ خاص کر تیسرا شعر تو معلوم ہوتا ہے کہ

زور بیاں میں خاص مرزا کا ہے۔

اے کاش مرے قتل کا مژدہ ہی وہ ہوتا
آتا کسی صورت سے تو پیغام تمہارا

ایک جگہ اسی مضمون کو اس قدر ترقی دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے فرماتے ہیں:۔

اللہ اللہ یہ کافر نظری کا عالم
زیب دیتا ہے تجھے دشمن ایماں ہونا

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی ۔ غالب

نہ رکھ نظارے کی اس کم نصیب پر تہمت
جو تجھ کو دیکھ کے بے اختیار ہو جائے ۔ وحشت

پہلے شعر میں "مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی" اور دوسرے شعر میں "نہ رکھ نظارے کی اس کم نصیب پر تہمت" میں کس قدر ندرت بیانی ہے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو ۔ غالب

غرض از صدق کچھ مطلب نہیں ہے کفر و ایماں سے
دلوں سے کام ہے اسکو کہ ہندو و مسلماں سے ۔ وحشت

مرزا کے یہاں "وفاداری بشرط استواری" اپنی مثال آپ ہے لیکن مولینا کے یہاں "دلوں سے کام ہے اس کو" عجیب و غریب ہے جو غالب کی غرابت کم کر کے اسے نقش ثانی بنا دیتا ہے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔ غالب

گئے مدینے مجھے یاد آئے وحشت
خجل سا رہ گیا میں ہاتھ اٹھا کے ۔ وحشت

دونوں شعر میں اس قدر مزہ اور یک رنگی ہے کہ فرق کرنا مشکل ہے معلوم ہوتا ہے ایک ہی شخص کا کلام ہے:

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا ۔ غالب

دامنِ ناصحِ ناداں کی خبر لوں وحشت
پوچھتا ہے سبب چاکِ گریباں مجھ سے ۔ وحشت

دونوں شعر میں جو لطف بیان ہے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مولینا کے یہاں شوریدگی زیادہ ہے بلکہ یوں کہیئے کہ مرزا ہی کا جنون ہے جو ترقی کر کے اس حد کو پہنچ گیا ہے۔

بندگی میں وہ آزاد و خود بیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا ۔ غالب

مجال ترک محبت نہ ایک بار ہوئی
خیال ترک محبت تو بار بار آیا۔ وحشت

دونوں اشعار میں جو فرق ہے ظاہر ہے پہلے میں خودداری اور دوسرے میں تغزل کی انتہا ہے۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھکو زباں اور ۔ غالب

اسی کا ہیوفا دل کاش اس کافر کو سمجھا دے
سمجھ میں اس کے آتی ہی نہیں یارب زبانِ دل ۔ وحشت

مولینا کے یہاں کتنا گہرا تغزل ہے اہل دل سے پوشیدہ نہیں "اسی کا بیوفا دل کاش اس کافر کو سمجھا دے"

مولینا وحشت کا کلام انتخاب نہ ہونے پر بھی اسی قسم کے نوادر سے بھرا پڑا ہے۔ مولانا ظفر علی خان صاحب فرماتے ہیں "مولانا کے دیوان میں سے نمونہ کے طور پر کسی حصہ کا انتخاب کرنا بوجہ اس کے حشو و زوائد سے پاک ہیکے ویسا ہی مشکل ہے جیسا دیوان حافظ کا انتخاب کرنا"

مرزا غالب مرحوم کے یہاں شاید ہی کوئی ایسا مضمون ہوگا جو مولینا وحشت کے یہاں مختلف طریقوں پر نہ بندھا ہو۔ اپنی ندرت بیانی اور طرز کلام کی وجہ سے کہیں بھی پھیکا معلوم نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہ صفائی و گہرائی میں مرزا کا نقش ثانی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے۔ میرے خیال میں جو مرزا مرحوم کے کلام کی شرحیں لکھی گئی ہیں ان میں طویل و بسیط شرح کے عوض مولینا وحشت کا ایک شعر لکھ دینا کافی ہے جو مرزا کی تمام گتھیاں سلجھا کے رکھ دیتا ہے۔ ایسی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سر گشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا ۔ غالب

بے خبر منزل سے ہیں وہ سالکانِ راہِ عشق
جو قدم رکھتے ہیں راہ و رسم منزل دیکھ کر ۔ وحشت

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں ۔ غالب

تعجب ہے اگر میں منزل مقصود تک پہونچوں
نہ میں رہبر کو پہچانوں نہ جانوں شکل رہزن کی ۔ وحشت

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا ۔ غالب

ہے تلوّن ان کے ضمیر میں مجھے اعتماد ہو ان پہ کیا
جو عدو سے ان کی بگڑ گئی تو میں ہوا ایسی خبر سے خوش ۔ وحشت

وہ ہوا ہے حال میرا کہ جہاں کو ہوگی عبرت
تری دوستی بہ دشمن نہ کرے کا ناز ہرگز ۔ "

نہ الفت دوستوں سے ہے نہ دشمن سے عداوت ہے
نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی ۔ "

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں ۔ غالب

نقش ہے دل پر مرے ظالم ترا انداز جور
زخم اک تصویر ہے گویا تری تلوار کی ۔ وحشت

کب بھلا ہم گلۂ زخم جگر کرتے ہیں
وصف نیرنگئ پیکاں نظر کرتے ہیں ۔ "

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں ۔ غالب

مری مایوسیوں نے دی کہ مجھے تسلیم گستاخی
کہ بیٹھا رہ گزر پر میں اٹھایا جب مجھے در سے ۔ وحشت

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا ۔ غالب

دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا ۔ وحشت

دل شکستہ نہیں اب بقید محسوسات
نہ شکر لطف ہے مجھکو نہ شکوۂ بیداد

رات کے وقت مئے پئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں ۔ غالب

نہ دیکھے کوئی یارب دوست کو دشمن کی صحبت میں
یہ ایسی سیر ہے جس کا تماشا ہو نہیں سکتا ۔ وحشت

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا ۔ غالب

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں ۔ "

دل رفتہ رفتہ خوگر آزار ہو گیا
غم تھا بہت مجھے وہی غمخوار ہو گیا ۔ وحشت

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا ۔ غالب

منہ دکھایا ہی نہیں سامنے آیا ہی نہیں
ہائے ظالم کا جفاؤں سے پشیماں ہونا ۔ وحشت

مرزا غالب مرحوم کی شوخی مشہور زمانہ ہے اور یہیں متبعین کی گاڑی اٹکتی ہے لیکن مولانا وحشت کے کلام میں یہ رنگ نمایاں ہے ۔ ان کی سنجیدہ شوخی میں ایک خاص لطف ہے ۔ اور یہاں بھی ہم کہیں گے کہ غالب کی شوخی نے، جو کبھی کبھی گر جاتی ہے متانت کا رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ اس ضمن میں چند اشعار درج کئے جاتے ہیں :-

دست رندانِ خرابات میں آیا ہوتا
تھا جو واعظ کے گریباں کو گریباں ہوتا

ہے آپ کا تو دوست ہمارا عدو سہی
کیونکر کہیں کہ آتے ہیں دشمن کے گھر سے آپ

کسی عنوان سے ہو پر ذکر تو ہے شاہد مے کا
مزہ آتا ہے لے واعظ مجھے تیری نصیحت میں

چارہ گر کا چاہئے کرنا علاج
اس کو بھی اپنا سا دیوانہ کریں

مجھے تو لائی ہے شامت عدو کی محفل میں
کوئی تو ان سے یہ پوچھے کہ تم یہاں کیوں ہو

دامن ناصح ہاد اس کی خبر لوں وحشت
پوچھتا ہے سبب چاک گریباں مجھ سے

ذیل میں ادھر ادھر سے چند ایسے اشعار درج کرتے ہیں کہ اگر انھیں دیوان غالب میں رکھ دیا جائے تو صرف یہ کہ ان کا پہچاننا دشوار

ہو بلکہ یہ مرزا کے کلام میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

بہ گراں مائگی خواہش و بہ کمظرفی دھر
میں ہوں وہ جنس کوئی جس کا خریدار نہیں

مطلب ہے سیر باغ سے افزائش جنوں
ورنہ دھرا ہی کیا ہے نسیم بہار میں

ہنگامۂ تراوشِ لختِ جگر کہاں
ناداریوں سے اب مژہ خونبار بھی نہیں

بے جرم جان کر نہ دیا قتل گہ میں بار
ظالم ہے اور بے سبب آزار بھی نہیں

توجہ کے کبھی قابل تھی اپنی پارسائی بھی
کبھی ہمکو بھی ملتی تھی جگہ ساقی کی محفل میں

محو ہو جائیں تصور میں ترے
ہم بھی اپنے قطرے کو دریا کریں

شمار اگر وہ کرے اپنے جورِ پنہاں کا
تو میرے داغ جگر کا شمار ہو جائے

کب نظر ہوتی ہے ہم حیرت زدوں کے حال پر
آئینہ ترا ہمراز ہے سرو رتیرا دوست

جب کہا کشتۂ اداہوں میں
اک ادا سے کہا ادا کیا ہے

شمع پروانہ وار جلتی ہے
دل خوباں مہ لقا کیا ہے

صبح محشر وعدۂ دیدار ہے
سو چکے زیر لحد ہم سو چکے

موقوف حشر ہی پہ جو دیدار یار ہو
سامان حشر ساز دل بیقرار ہو

جان دینے سے مجھے داد وفا تھی مطلوب
بیوفا چار گھڑی بھی تو پشیماں نہ رہا

کون جانے کہ کاغذ نظر کس کی ہے
خبر اتنی ہے کہ ثابت مرا ایماں نہ رہا

حریف دیدۂ دیدار جو کیا ہو حجاب اس کا
نگاہِ آشنا ہے مجھکو ہر تار نقاب اس کا

تیرے ہی ذوق جلوہ سے وا ہو گئی ہے چشم
یاں ورنہ امتیازِ وجود و عدم نہ تھا

رہِ سیلاب بھی پنبہ سے کوئی بند ہوتی ہے
اٹھا لو اپنا دامن تم ہمارے دیدۂ تر سے

اے رستخیز اٹھ کہ تماشے کا وقت ہے
اس شوخ نے بنائی ہے صورت عتاب کی

جب تھا ستم رقیب پہ بندے کا غم نہ تھا
کب اس ستم رسیدہ پہ صاحب ستم نہ تھا

سنگِ طفلاں فدائے سر نہ ہوا
آج اس کوچہ میں گذر نہ ہوا

قدر دانی کی کیفیت معلوم
عیب کیا ہے اگر ہنر نہ ہوا

گھر کے آنے ہی سے ہے ابر کا گریاں ہونا
جمع ہونا ہی ہے خاطر کا پریشاں ہونا

جہان ظلم میں ہے پاس کس کو حق و باطل کا
کہ بسمل لوٹتا ہے خلق منہ تکتی ہے قاتل کا

شرمندہ کیا جوہر بالغ نظری نے
اس جنس کو بازار میں پوچھا نہ کسی نے

ہماری دور بینی تھی ہمارے امن کی دشمن
نہ ہوتی فکر مستقبل تو عیش جاوداں کرتے

میری حیرت نے چھین آئینہ دست حنائی سے
وہ بھولے اپنی آرائش کو عالم دیکھ کر میرا

ان تمام خصوصیات کی روشنی میں یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ مرزا غالب مرحوم کے تتبع میں جناب وحشت مرحوم یہاں تک کامیاب ہیں کہ صفائی بیان اور ہمواری ترکیب کے لحاظ سے ان کا کلام عصرِ جدید کے غالب کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی فرق نظر آئے گا تو صرف زمانہ کا۔ نہ صرف کلام بلکہ دونوں اساتذہ کے واقعاتِ زندگی میں اس قدر مماثلت ہے کہ مسئلہ تناسخ پر ایمان لانے کو جی چاہتا ہے۔

[مطبوعہ جدید اردو (بنگال نمبر) کلکتہ، جنوری، ۱۹۴۰ء]

کلامِ وحشت کا ترقی پسندانہ پہلو

لے احمد اکبرآبادی

.... وحشت" کے لئے مضمون لکھتے وقت ذہن اس طرف منتقل ہوجاتا ہے کہ اپنے قومی ہیرو اور جوہر قابل کی قدر و منزلت کرنا زندہ قوموں کی خصوصیت ہے۔ بحمد اللہ کہ ہماری قوم کے اندر زندگی کے آثار نظر آتے ہیں لیکن معاً دوسرا خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ مردہ قومیں مردہ پرست بن جاتی ہیں۔ زندگی میں اپنی قوم کے جوہر قابل کو یا تو قابل اعتناء نہیں سمجھتیں یا مسترد کر دیتی ہیں اور مر جانے کے بعد مزار بنا دیتی ہیں۔ سالانہ عرس کرتی اور اسے علیہ الرحمۃ لکھنے لگتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے حق میں تاریخ ہی فیصلہ دیگی۔

بحمد اللہ کہ وحشت اپنی زندگی میں مسترد تو نہیں کئے گئے لیکن ان کی قرار واقعی منزلت بھی نہیں ہوئی۔ وحشت کو تا دمِ آخر پنشن کے سہارے جینا پڑا حالانکہ رواں صدی کے اندر کسی شاعر کا مجموعہ کلام اس درجہ مقبول نہیں ہوا جتنا کہ وحشت کا ہوا۔ حالی و اقبال جیسی ہستیوں نے ان کے جوہر قابل کی کماحقہٗ توصیف و ثنا کی مگر اردو بولنے والی پبلک نے دیوان وحشت خرید کر انھیں معاش کی طرف سے بے سہارا نہیں کر دیا۔ زندہ قوموں کے شاعر یا ادیب کی ایک تصنیف مقبول ہو جائے تو اسے عمر بھر فکر معاش نہیں ستاتی ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ ان کے دیوان کی اشاعت کے بعد ان کی بے عدیم المثال مقبولیت کے ساتھ اگر ان کی پوری قدر و منزلت کی جاتی تو ان کے کلام کی اشاعت اس درجہ ہوتی کہ فکر معاش سے آزاد ہو کر ملازمت سے دستبردار ہوسکتے تو ان کا جوہر کمال جو ستارہ بن کر رہ گیا آفتاب بن کر چمکتا۔

ذکر وحشت میں ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے کہ کلچرل ترقی اور ثقافت کاری میں دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بنگال بہت آگے اور روشن خیال ہے لیکن اس فرزند بنگالہ کا کلام بنگلہ زبان میں منتقل نہیں ہوا اور حقیقت حال اس لئے زیادہ قابل افسوس ہے کہ جناب وحشت کے تلامذہ میں جمیل مظہری، بیخود صاحب اور رجاب شاکر کلکتوی جیسی ممتاز ہستیاں شامل ہیں جن کا فرض تھا کہ اس طرف توجہ کرتے۔ مجھے یقین ہے کہ بنگلہ ادب اگر جناب وحشت کے کلام سے روشناس ہوتا تو ان کے جشن صدی کے اجتماع کی شکل اور نوعیت دوسری ہوتی۔

حافظے میں وہ سنہ تو محفوظ نہیں رہا لیکن دیوان وحشت شائع ہوا تو پیکٹ اس وقت پہونچا جب میرے پاس بعض شاعر و ادیب دوست بھی موجود تھے۔ پیکٹ کھولا گیا اور حبیبی حاسی نے پہلی غزل باواز بلند پڑھنا شروع کر کے مطلع کو پڑھا ؎

پایہ بہت کیا بلند اس نے حریم ناز کا
تا نہ پہونچ سکے غبار رہگذر نیاز کا

تو ہم سب پر خموشی طاری ہوگئی تھی، گردنیں جھک گئی تھیں۔ اور ہم سب شاید وہاں جا پہونچے تھے جس مقام پر پہونچ کر جناب وحشت نے یہ شعر نظم کیا تھا۔

جس کسی کو ذوق سلیم کا بہرہ ملا ہے اس کا سر نیاز شاعر کی ادبی عظمت کے سامنے جھک جائے گا۔ یہی حالت و کیفیت اس وقت ہم لوگوں کی تھی۔

مجھے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت ہے لیکن اس وقت سن لینے کے بعد یہ شعر حافظے سے کبھی محو نہیں ہوا بلکہ کبھی نشست الفاظ میں بھی مغالطہ نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ شعر متصوفانہ ہے اور مغربی ذہنوں کے لئے آسانی سے قابل فہم نہ ہوگا ورنہ یہ شعر دنیا کے منتخبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ مجموعہ اشعار شاید بالاستیعاب مطالعہ کئے جانے کی چیز ہے بھی نہیں۔ بہرحال مجھے یہ موقع نصیب نہیں ہوا کہ کلام وحشت کا تفصیلی مطالعہ کر سکتا۔ لیکن ذہن و خیال میں جو ادبی عظمت قائم ہوچکی

تھی اس کی بنا پر جب میں [illegible] میں پہلی بار کلکتہ آیا تو جناب وحشت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض نیاز کرنا بھی ضروری معلوم ہوا۔ وہ اس وقت برسر ملازمت تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ملاقات مختصر ہی ہو سکتی تھی لیکن میں جب اس مختصر ملاقات کے بعد پلٹا تو وحشت کی ادبی عظمت کے ساتھ ان کی انسانی عظمت کا بھی گہرا اثر لیکر پلٹا۔

اس موقع پر جناب وحشت کی شاعری پر اظہار خیال کرتے کے لئے میں رواروی میں ان کے دوسرے مجموعہ کلام پر نظر ڈال سکا ہوں۔ اور اسی وجہ سے ان کے کمال فن پر سنجیدہ بات کہنے کا تو اہل نہیں بن سکتا تھا البتہ عاجلانہ ورق گردانی سے جو اثرات مرتب ہوئے وہی پیش کرسکوں گا۔

میرا پہلا تاثر یہ ہے کہ اتباع غالب پر جناب وحشت کو جو فخر و ابتہاج تھا وہ خالی خولی شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار تھا۔ اس میدان میں اترنے والوں کی تعداد کم نہ تھی جو چند قدم چل چل کر بے حال ہی ہو گئے مگر جناب وحشت یہی نہیں کہ کامیاب ہوئے بلکہ منفرد بھی تھے۔ غالب کو طرز بیدل میں ریختہ کہنا قیامت نظر آیا تھا مگر وحشت نے طرز بیدل کی تکمیل کردی "پایہ بہت بلند کیا اس نے حریم ناز کا" قسم کے اشعار طرز بیدل کا عمدہ نمونہ ہیں۔ جن شعراء نے اتباع غالب کی ناکام کوششیں کیں انھوں نے صرف فارسی ترکیبوں کے استعمال کو غالب سمجھ لیا تھا اس نکتے کو صرف وحشت نے سمجھا کہ غالب کی خصوصیت حکیمانہ انداز فکر ہے نہ کہ فارسی ترکیبوں کا استعمال۔ چنانچہ وحشت کا انداز فکر تفلسف کے سانچے میں ڈھل گیا تھا اور اس کی یہ خصوصیت ان کے مجموعہ اشعار کے ہر صفحہ پر بکھری نظر آتی ہے۔ اتباع غالب میں وحشت کی کامیابی کا راز یہی ہے۔

جناب وحشت نے قدما کی روایات شعری کو بجنسہ قائم رکھتے ہوئے موضوعات غزل کو اپنے انداز بیان و اظہار سے سنجیدگی بخشنے کے ساتھ تغزل کی خصوصیات کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے اور اس اعتبار سے وہ قدامت پرست ہیں اور اس پر مفتخر بھی کہتے ہیں۔

جدت پسندیوں کی طرف رُخ کروں گا کیا
اترا نہیں ہے نشۂ جام کہن ابھی

لیکن روایتی غزل اور حکیمانہ تفکر کے ساتھ وحشت کے یہاں ایک بالکل نئی چیز بھی نظر آتی ہے جو اساتذہ متقدمین کے یہاں مفقود ہونے کے برابر ہے یعنی اگر کسی کے یہاں نظر آ بھی جاتی ہے تو وہ غیر ارادی یا غیر محسوس شدہ ہے۔ وحشت کے کلام میں دوسری تمام خصوصیات اور شعری محاسن کے ساتھ فکر و خیال کا ترقی پسندانہ پہلو ملتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت ان کی شاعری کا شباب تھا شعر و ادب کے باب میں ترقی پسندی کی اصطلاح وضع کرنے کا خیال بھی کسی دماغ میں نہیں آیا تھا۔ اس اعتبار سے وحشت کو اگر اردو شعر میں ترقی پسندی کا امام کہا جائے تو بالکل حق بجانب ہوگا۔

شعر وحشت کا جزو غالب تغزل ہے۔ واردات حسن و عشق دہرائی گئی ہیں مگر یہ سب کچھ تو اردو شعر میں پہلے سے موجود تھا۔

میری نظر میں جو چیز وحشت کو ممتاز بنا دیتی ہے وہ ان کے فکر و خیال کی ترقی پسندانہ خصوصیت ہی ہے۔ مادی فلسفہ میں ہر فرد سے تخلیقی مشقت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ روحانیت کے معلموں نے عمل صالح کو راہ نجات کہا ہے اور اس میں مادیت اور روحانیت کے فلسفے ہم زبان ہو جاتے ہیں۔ وحشت دور جدید کی مادی ترقیاں دیکھ رہے تھے اور ان ترقیات کے مخالف و معاند بھی نہیں تھے لیکن میری نظر میں ان کے خیال و تصور کی ترقی پسندی مذہبی تعلیم کی صحیح فہم و ادراک کا نتیجہ تھی۔ وحشت نے سب سے زیادہ فکر تلقین عمل پر صرف کی ہے۔

ایک مسافر و راہرو کو ایک رفیق سفر کی آرزو ہونا ایک فطری بات ہے اور وہ رفیق سفر اگر واقف منزل بھی ہو تو دگونہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مگر وحشت کی خودداری و خود اعتمادی دیکھئے رفیق سفر تو درکنار کسی راہبر کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے وہ واقف منزل راہبر نہ پاکر مایوس نہیں ہو جاتے بلکہ خوش ہیں کہ اب راہ نوردی زیادہ پُر لطف ہوگی۔

خود اعتمادی کی یہ شاعرانہ توجیہہ ندرت سے خالی نہیں۔ کہتے ہیں۔

نہ کیوں خوش ہوں کہ بڑھ جائیگا لطف دشت پیمائی
کوئی رہبر کہ جو ہو واقف منزل، نہیں ملتا

اردو اور فارسی شاعری میں حقیقت و مجاز کے موضوع پر کتنا کچھ کہا جا چکا ہے اور مجاز ہی کو حقیقت ماننے والے بھی ہو گذرے ہیں۔ لیکن وحشت اس فرسودہ مضمون میں تفلسف کا رنگ دیکر قدرت بیان کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

نکل سکا نہ کبھی حلقہ مجاز سے میں اگرچہ مجھ کو حقیقت نما مجاز ملا

راہِ عمل میں پائے طلب بڑھانا ہی کلیدی کامیابی ہے اور پائے
طلب کا اٹھنا ہمت و حوصلہ پر منحصر ہے۔ وحشت اس خیال کو تکمیل کے
درجے پر پہنچا کر لکھتے ہیں ؎

مژدہ اے پائے طلب ہمت کا پیغام آگیا
اٹھ کہ فرمانِ طلب ایدل ترے نام آگیا

وحشت کے مسلک میں سعیٔ باطل ایک مہمل لفظ ہے وہ محنت
برباد پر متاسف نہیں ہوتے۔ گرم عمل شعر کی یہی ہے اور السعی و منی کا مفہوم
بھی اسے سرگرم عمل کی معراج کہتا ہے۔

لطف بھی آتا رہا ہر سعیٔ باطل میں مجھے
ہے یہاں افسوس کس کو محنت برباد کا

وحشت کا عقیدہ ہے کہ سعی مشکل ... سعی کامل قضا و
قدر کو شکست دے سکتی ہے۔

راہِ الفت میں قضا حیراں ہو کر رہ گئی
راہ رو کی سرعت قطع منازل دیکھ کر

دعا و التجا وحشت کے مسلک میں روا نہیں ہیں کیونکہ اعتمادِ نفس
کے منافی ہیں اور دستگیری اگر چاہتے ہیں تو ہمت مردانہ کی۔

بس اب اے ہمت مردانہ آ کر دستگیری کر
ہوائے التجا کب تک، تقاضائے دعا کب تک

اور پھر محرومی سے خودداری کا سبق لیتے ہیں ؎

مجھے محرومیوں نے بھی نہ دی تعلیم خودداری
ہوس تاثیر کی لے میری آہِ نارسا کب تک

وحشت کے مذہب میں زندگی نام ہے جہدِ مسلسل کا ساحل سے ٹکرا
کر منجدھار میں لوٹ جانا ہی جانِ عمل ہے۔

جستجو کے ولولوں کو عافیت سے کام کیا
بار ہا ٹکرا کے پھر پھر آ گئے ساحل سے ہم

قوت بازوئے انساں ہی رازِ سعادت ہے اور وحشت اسے
سال ہا سال کی توہم پرستی سے افضل مانتے ہیں۔ علوئے خیال اور تکمیل موضوع
کے اعتبار سے اس شعر کی بلندی اور خاص کر رازِ سعادت کی ترکیب بے ساز
تحسین ہے۔

ہے قوت بازو میں تری رازِ سعادت   تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے اسے سال ہا میں

زمانے کی نامساعدت کا احساس ہے یعنی خطر پسندی سے بھی
واقف ہیں مگر اس کے باوجود وحشت کو حیرت ہے کہ یہ بارِ حیات ان سے اٹھایا
کیسے جا سکا!! اس شعر کو اگر فضیلتِ انسان کا قصیدہ کہا جائے تو مطلق مبالغہ
نہ ہوگا۔

زمانہ بھی مجھ سے نامساعد میں آپ بھی دشمن سلامت
تعجب اس کا ہے بوجھ کیونکر میں زندگی کا اٹھا رہا ہوں

شکایت روزگار حد سے زیادہ پامال مضمون اور شکست خوردگی کا ثبوت
ہے وحشت اس سے درسِ محبت یعنی درسِ انسانیت لیتے ہیں

؎ تو کسی کا ہو کے دیکھ اے شکوہ سنجِ روزگار
کیوں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں مرا کوئی نہیں

اور دنیا بہ امید قائم ہے کی تعبیر اس طرح فرماتے ہیں۔

ہمارے عقدۂ مشکل کے حل ہونے کا ایما ہے
پس از تاریکیِ شب جلوۂ نورِ سحر ہم کو

حرکت میں حیات ہے اور سکون کے معنی ہے موت!! اس نکتے کو وحشت
اس طرح واضح کرتے ہیں۔

؎ نشانِ زندگیِ دل ہے بیقراریٔ دل
ہے اس کی موت اگر چین آگیا دل کو

اوپر کی سطروں میں کہا جا چکا ہے کہ وحشت کے عقیدے میں سعی
نامختتم ہے۔ انھوں نے اس خیال کو متنوع پیرایوں میں نظم کیا ہے۔

؎ وہ کام میرا نہیں جس کا نیک ہو انجام
وہ راہ میری نہیں جو گئی ہو منزل کو

تھک کر کام چھوڑ دینے سے راحت نہیں ملتی بلکہ راحت سعی و جہد ہی کے
اندر ہوتی ہے کیونکہ انسان کی مشقت پر دنیا کی آسائش کا انحصار ہے۔ اس
علوی جذبے کی داد تحسین کیا دی جا سکتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ محنت ہی پہ موقوف ہے آسائشِ گیتی
کھوئی میری راحت میری راحت طلبی نے

ایک مسلّم قول ہے کہ آرزو یعنی طلب صادق میں الوہیت ہے۔ انسان کی خواہش
اگر کمالِ صدق کے ساتھ ہے تو ضرور پوری ہوگی۔ اس لئے وحشت اپنی حسرت کے
بنائے عشرت خانہ امید رکھتے ہیں ؎

پڑ گئی بنیادِ عشرت خانۂ امید کی   دل کے ویرانے میں کیا کیا حسرت تعمیر ہے

نامرادی پر وحشت دل تو دکھتے ہیں لیکن شوق بہاراں میں جان دے
دینے کو شوق کی معراج بھی باور کرتے ہیں۔

؎ دی جان عندلیب نے شوق بہار میں
دیکھی نہ بدنصیب نے آمد بہار کی

وحشت کا مسلک زیست رجائی ہے۔ بے بال و پری کو مجبوری
کہتے ہیں مگر اس کو وجہ یاس نہیں بننے دیتے۔ بال و پر کی خواہش ہے
تو بال و پر ضرور ملیں گے۔ کہتے ہیں۔

؎ مجبور ہے مگر نہیں مایوس دل مرا
بے بال و پر ابھی ہوس بال و پر میں ہے

بحالت نامرادی آہ و فغاں کرنا وحشت کی نظر میں فعل عبث
ہے۔ وہ نامرادی کو مرادمندی میں بدل دینے کے لئے زور بازو سے کام لینے
کا نسخہ تجویز کرتے ہیں۔

؎ کام جو نکلا ہے زور بازوئے فرہاد سے
وہ نکلتا کیا فغاں و نالۂ و فریاد سے

اپنے رجائی مسلک کی تائید و جواز کے لئے جناب وحشت جو مستحکم
اور نازک دلیلیں تلاش کرتے ہیں وہ رجائیت کے فلسفے کے شاہکار کا
درجہ رکھتی ہیں اور اس گھر کی رونق اس بنا پر ہے کہ اس سے چشم بصیرت
کو نوید ترقی ملتی ہے۔

؎ دیتی ہے چشم بصیرت کو نوید خرمی
وہ اداسی جو ہماری رونق کاشانہ ہے

عافیت ساحل کو ٹھکرا کر موجوں سے مقابل ہو جانا ہی راز زندگی ہے۔
کہتے ہیں ؎ کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

وحشت کے عقیدے میں عشق کا حاصل ذوق عشق کے سوا اور
کچھ نہیں ہے مگر حسن اس راز کو نہیں جانتا اس لئے بے مقصدی کو
سعی لاحاصل سمجھتا ہے۔

؎ مدعائے عشق میرا کچھ نہیں جز ذوق عشق
حسن کو حیرت کہ یہ کس سعی بے حاصل میں ہے

وحشت انساں کے علوئے ظرف کا رتبہ اس کے کام کی دشواری
سے قائم کرتے ہیں۔

؎ ہے شاید امتحاں منظور میرے ظرف عالی کا
فلک دیتا ہے مجھکو کام جو دشوار ہوتا ہے

صبح عشرت کی امید میں شب غم بسر کر دینے ہی کو وحشت حقیقی
عیش مانتے ہیں۔

؎ نہ ہو اندوہ سے اندوہگیں ہے عیش گر مقصد
امید صبح عشرت میں شب غم کو بسر کر دے

انسانی زندگی وحشت کے عقیدے میں کسی خاص مقصد کے لئے
ملی ہے اور وہ اسے رائیگاں کر دینے کو حرام باور کرتے ہیں۔

؎ ہے اک مخصوص مقصد زندگی کا، یہ نہیں غافل
کہ اپنی عمر کو تو جس طرح چاہے بسر کر دے

گورکی نے عظمت انسان کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔
"انساں" اس لفظ میں کیسی گونج ہے! اس لفظ کی صدا کیسی گونجتی
ہے۔ مگر وحشت نے اس خیال کو کمال شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے
اور ان دونوں کے خیال میں صرف مغربیت اور مشرقیت کا فرق ہے ——
وحشت کہتے ہیں۔

؎ مری ہستی کی کیا ہستی مگر اے دیدۂ بینش
ذرا رنگینیاں تو دیکھنا اس نقش باطل کی

مشکل آتی ہے تو حل ہونے ہی کے لئے آتی ہے۔ حل مشکل خود مشکل
کے اندر مستور ہوتا ہے۔ اس خیال کو جناب وحشت نے ایک سادہ سی
دلیل سے سمجھایا ہے۔

؎ کلید عقدۂ مشکل اسی عقدے میں پنہاں ہے
محرک تیز گامی کیلئے خود بعد منزل ہے

سعی و جہد وظیفۂ فطرت ہے۔ وحشت کی حقیقت بینی کائنات کے
ہر ذرے کو مقصد حیات کی تکمیل یعنی جد و جہد میں مصروف دیکھتی ہے۔
فرماتے ہیں ؎ نہیں اک ذرہ بھی عالم میں جد و جہد سے خالی
کشاکش سعی پیہم کی ہے گویا سب کو سودا ہے

انساں کی زندگی میں حق و فرض لازم و ملزوم ہیں۔ استقرار حق کے
لئے ادائے فرض ناگزیر ہے اور فرض ادا کر دینے کے بعد حق از خود قائم ہو جاتا
ہے اور ادائے فرض کے لئے عمل مستلزم ہے اس بناء پر فرض ادا کر دینے کے
بعد حق قائم کرانے میں کسی خوش خلقی کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ جناب

وحشت کی یہ تعلیم و تلقین انسانی وقار کو کس درجہ بلند کردیتی ہے۔ یعنی مانگنا خودداری کی نفی ہے۔

ؔ اسی کا حق ہے جو ثابت کرے حق زور بازو سے
یہ نقلا پُرفریب خلق معنی سے مبرا ہے

اپنا غم و الم دوسروں کو سناتے پھرنا وقار و خودداری سے گری ہوئی بات ہے۔ اس لئے محل مذموم ہے۔ اس بنا پر کوئی بھی کسی دوسرے کے دکھ درد میں شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ یا ہوتا نہیں ہے اور جب حقیقت امر یہ ہے تو ایک عمر دہ دوسروں کو غمگین بھی کیوں بنائے لکھتے ہیں

ؔ کوئی ہمدرد بھی دیکھا کوئی غمخوار بھی پایا
سنائی تو سمجھ ناکوار درد و غم کی داستاں تو نے

مشکل نے وقت انسان امتحان میں پڑجاتا ہے اس وقت پست ہمت ہو جانا اور ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا امتحان میں فیل ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ صورت انسان کے شایان شان نہیں فرماتے ہیں۔

ؔ مصیبت کیا پڑی تجھ پر کہ گویا دست و پا ٹوٹے
دکھاں ہمت مگر دل کو وقت امتحاں تو نے

انسان کا شوق شور انگیز ہونا چاہیئے کیونکہ زندگی کا کوئی لمحہ ضائع ہو جانا تقاضائے عمل دوسرے لفظوں میں تقاضائے زیست کے خلاف سمجھتے ہیں۔

ؔ شوق شور انگیز نے دم بھر نہ دم لینے دیا
عمر بھر مصروف ہم قطع منازل میں رہے

عمل و مسائل کے لئے وحشت کے یہاں ہمت بیہم کا فرمان یہ ہے کہ توقف دم بھر نہ کیا جائے۔

ؔ کر گذر بے خوف اگر کرنے کے قابل کام ہے
رو نہ کر اے دل لیے، ہمت کا یہ پیغام ہے

وحشت جبر و قدر کی کشمکش کو فریب کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے عقیدے میں عالم انسان جہان کار ہے اور بس فرماتے ہیں۔

ؔ جہاں کار ہے یہ اور تو دل ناداں
فریب مسئلۂ جبر و اختیار میں ہے

اب چونکہ یہ انسانی دنیا جہانِ کار ہے۔ وحشت کے عقیدے میں آسائش تن کی آرزو جہل و نادانی ہے اس لئے کہ یہاں تو تشدد کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ؔ یہاں تو تشدد ہی درکار ہے اور حیف اے غافل
جہانِ کار میں مطلوب آسانی تجھے تن کی

کام بگاڑتا آدمی خود ہے اور الزام دیتا ہے مقدر کو۔ وحشت اس حقیقت کو پہچان کر کہتے ہیں۔

ؔ جب اپنے ہاتھوں میں نے بگاڑے ہوں اپنے کام
پھر کیا محل رہا گلۂ روزگار کا

انسان اپنے ہر اچھے بُرے فعل میں دنیا سے موافقت کا طلبگار ہوتا ہے۔ مگر وحشت کا فیصلہ یہ ہے کہ آدمی کا دشمن خود آدمی ہے۔ کہتے ہیں

ؔ موافقت کی توقع ہے مجھکو عالم سے نہیں ہے دہر میں میرے سوا عدو میرا

حیات موت پر غالب و منظور ہے۔ وحشت نے اس بات کو کتنے حسین استعارے کے بیان کیا ہے: ؔ

رہ جائے گا فسانۂ رنگینیِ چمن
زائل خزاں سے رنگ نہ ہوگا بہار کا

اسی تفصیل کے ذیل کچھ اشعار اور سنئے: آسان مٹانا اسکا نہیں مٹتے ہی مٹے گا نقش اپنا

کل پھر وہ بنایا جائیگا جو آج مٹایا جاتا ہے
عجب کیا ہے جو چکنا چور ہو ٹکرا کے ساحل سے
مری کشتی جو اب نزدیک ساحل ڈوبی جاتی ہے
اگرچہ ہے تیرگی ہر سو کہیں تو کچھ روشنی ملے گی
رہی تری جستجو جو قائم۔ تو راہ اک دن کھلی ملے گی

یہ عالم ہر لحظہ منقلب ہے اس لئے ہر انقلاب سے ایک نیا پیغام حاصل کرنا چاہئے۔ فرماتے ہیں

چاہتا ہوں میں کہ جب ہر لحظہ ہے اک انقلاب اک نیا پیغام آئے دم بدم میرے لئے

اردو شاعری میں عاشق اکثر ناکام و نامراد رکھا جاتا ہے یا روایتاً اسے نامراد رہنا ہے۔ مگر وحشت کی شاعری میں وہ اسلئے نامراد نہیں رہتا کہ اسکی تو مراد ہی نامرادی ہے کہتے ہیں

میں انکی بزم سے کچھ نامراد بھی نہ پھرا بقدر شوق اگر بامراد آ نہ سکا
خدا جانے ملا کیا مجھ کو جا کر انکی محفل میں کہ باصد نامرادی بھی وہاں سے بامراد آیا

میں نہیں کہہ سکتا کہ جناب وحشت کی شاعری کے اس مختصر پہلو کے متعلق میں اپنے خیالات و تاثرات آپ تک پہنچا سکا ہوں یا نہیں لیکن اپنے مکرم جناب رضا کاظمی صاحب کا شکر گذار ہوں کہ اگر وہ اصرار نہ فرماتے تو میں جناب وحشت کے کلام میں اس خصوصی پہلو سے بے خبر رہتا۔

(بشکریہ مجلہ یادگار وحشت، پیش کردہ ڈاکٹر محمد بلال) ■■

سیّد رضا علی وحشت

۱۸۸۱ء تا ۱۹۵۶ء

سالک لکھنوی

میں آج آپ کے سامنے اس جنس کا تذکرہ لے کر آیا ہوں جسے
بازار میں کسی نے نہیں پوچھا ؎

شرمندہ کیا جوہر بالغ نظری نے
اس جنس کو بازار میں پوچھا نہ کسی نے (وحشت)

کوئی پوچھتا بھی کیسے۔ جوہری موتیوں کے خریداروں کے سامنے اس نے ترشے ہوئے ہیرے پیش کئے تھے۔ رنگ برنگی شیشوں سے کھیلنے والے بے عیب ہیروں کی قدر کیا کرتے ؎

میں بھی تھا جوہر گراں مایہ پر کوئی صاحب نظر نہ ہوا

لیکن ایک عظیم المرتبت ہیرے تراشنے ہم جنس کو پہچان لیا۔ مولانا حالی کی نظر خورد سے خورد تر کی تلاش میں وحشت پر جا کر ٹھہر گئی۔ انھوں نے کہا ہے

"جو کام ہم سے نہ ہوسکا اسے وحشت نے کر دکھایا۔ غالب کا تتبع ہم لوگوں کا فرض تھا۔ وحشت نے یہ حق ہم سے چھین لیا۔"

حالی نے جو کچھ کہا وہ وحشت کا پہلا دیوان (۱۹۰۹ء) دیکھ کر کہا، دوسرا مجموعۂ کلام "ترانۂ وحشت" (۱۹۵۰ء) لاہور سے شائع ہوا تو نیاز فتحپوری نے کہا "وحشت کا کلام روح کو سربسجدہ کر دیتا ہے!"

وحشت کا پہلا دیوان اس وقت طبع ہوا جب میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا لیکن مجھے ناز ہے کہ میں نے وحشت کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اس دربار میں حاضری دی ہے۔ حاضری کو سعادت سمجھا ہے۔ تقریباً ہر اتوار کو وحشت کے ادب کدے پر دوستوں، ہم مرتبہ شاعروں، شاگردوں اور اہل ذوق حضرات کی نشست ہوا کرتی تھی۔ مجھ جیسا بے بضاعت بھی کچھ حاصل کرنے اور بزرگوں کی گفت گو سننے کے لئے کبھی کبھی ایسی نشستوں میں شریک ہونے کا فخر حاصل کر لیتا تھا۔ حضرت سید محمود رضوی طرزی کی گل افشانیاں بھی وہیں دیکھیں۔ حضرت ناطق لکھنوی کے سامنے سر نیاز خم کرنے کا اعزاز بھی وہیں نصیب ہوا۔ ابراہیم ہوش اور شمس عظیم آبادی کے ساتھ ایک کونے میں دبک رہنے کا گر بھی وہیں سیکھا۔

حکومت نے وحشت کو "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ یہ خان بہادری کا اعزاز تھا۔ شاید حکومت یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اس کے "خان بہادروں" میں ایک نام وحشت کا بھی ہے۔ ورنہ اس کے پرستاروں اور تلامذہ میں تو کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو سیکڑوں خان بہادروں سے زیادہ مشہور و معزز ہیں۔ خان بہادر کا خطاب ملا تو سیکڑوں مبارکبادیاں اس کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ میں نے بھی حاضری دی۔ اطلاع ہوئی۔ ذرا دیر بعد مشرف باریابی حاصل ہوا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے قدم رکھا کیوں کہ "خان بہادروں" سے واقف تھا لیکن مجھ سے کسی خان بہادر نے نہیں، وحشت نے ہاتھ ملایا۔ وہی تبسم، وہی شفقت، وہی انداز کریمانہ۔

میرا ایمان ہے کہ وحشت پہلے ایک عظیم انسان اور پھر ایک عظیم شاعر تھا۔ عظیم انسان پر لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ شاعر پر اظہار خیال آسان ہے۔ حالانکہ "جسے آسان سمجھا ہے بڑی مشکل ہے وہ منزل"۔

وحشت کی شاعری کی ابتدا بیسوی صدی کے افتتاحی زمانے میں ہوئی۔ یہ ایک ایسا عبوری دور تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قوم پر ایک ذہنی افلاس طاری تھا۔ قافلے رواں تھے لیکن شعور منزل سے بیگانہ تھے۔ رہبروں کے سامنے مختلف راہیں تھیں۔ کچھ پختہ لیکن تنگ و تاریک گرد و غبار سے اٹی ہوئی، جگہ جگہ سے شکستہ۔ کچھ نئی زیر تعمیر تھیں اور ابھی منزل نمائی کے قابل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ کچھ جلد بازوں نے ان پر چلنا شروع کر دیا۔ پرانی راہوں کی منزل بھی پرانی تھی جسے اب راہ منزل کے ایک نشاں کے سوا کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ نئی راہیں بھی جو ذاتی مختصر تھیں کہ ان سے کسی "منزل" تک پہونچانے کی تمنا بے سود تھی۔

یہ وہ دور تھا جب مغرب و مشرق کے تصادم سے ایشیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ایک نیا طرز فکر جنم لے رہا تھا۔ ایک تہذیب مٹ

رہی تھی۔ ایک تہذیب پیدا ہو رہی تھی۔ نئی اور پرانی قدروں کا ٹکراؤ تھا اور زندگی ایک ایسے تذبذب میں تھی جہاں اسے کوئی صحیح رہبر نہیں مل رہا تھا جو منزل نمائی کر سکے۔ یہ بڑا نازک دور تھا۔

ذہنوں کی یہ کشمکش اردو شعر و ادب کو متاثر کئے ہوئے تھی اور ایسا ہونا ناگزیر تھا جب کسی ملک پر کوئی ہنگامی وقت آتا ہے تو اس ملک کا شعر و ادب اس ہنگامی کیفیت کے اثرات سے بچ ہی نہیں سکتا ہے۔ اسے علیحدہ اور علیحدہ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے

انیسویں صدی کی ابتدا سے اس کے زمانہ اختتام تک اگر ہم اسی "تہذیب نو" اردو تہذیب" کے نام سے پکاریں تو غلط نہ ہوگا۔ اردو تہذیب ۱۸۵۷ء کے بعد ایک ایسے طوفان کی نذر ہو گئی کہ قوم و وطن کا سفینہ لب ساحل ڈوب گیا بادباں کے پرچے اڑ گئے اخلاص و مروت اور شجاعت کے دامن کی دھجیاں فضائے خود غرضی میں چاروں طرف منتشر ہو گئیں۔ اخلاقی طور پر قوم دیوالیہ ہو گئی جو ذہنوں نے ایسی ناکام کوشش انقلاب کے لئے لفظ "غدر" قبول کر لیا۔

اس دیوالیہ دور کے شعر و ادب سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ارتقائے مستقبل کے لئے سرمایہ بن سکے گا لیکن یہ خوف تاریخی اسباب و حالات کی بنا پر غلط ثابت ہوا اور اس دور میں شعر و ادب کے آسمان پر چند وہ ہستیاں ابھریں جنھوں نے ذوقِ نغمہ کی لمیانی پر معالجے کا کام کیا اور حسن کی خدی حوالی نے محل کی گرانی کا احساس کم کر دیا

یہ ایک عجیب دور تھا اگر ایک طرف داغ جلی کٹی سنانے اور وعدۂ وصل کے لئے قیامت کی تکرار پر تلے ہوئے تھے اور دل دینے کو بھی ایسا نقصان سمجھتے تھے تو دوسری طرف امیر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ وعدۂ وصل، فرقت یار کے جھگڑوں کے درمیان ملل کی کوتاہی ہمت کو بھی تاڑ چکے تھے۔ جانتے تھے کہ اس طرح میکدۂ بے خودی میں کسی کو کسی کی خبر نہیں۔

نفسی نفسی کا یہ دور دیکھئے اور داغ کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ بوسہ لے کر دل دیا ہے اور پھر نالاں ہیں داغ
کوئی جانے مفت میں حضرت کا نقصان ہو گیا

۲۔ وعدے پہ مرے ان کے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج

۳۔ وہ میرا چھیڑنا آغاز الفت میں شکایت سے
وہ رکھ کر ہاتھ کانوں پر ترا کہنا کہ بھر پایا

اگر داغ کی یہ شوخی وقت کے جذبۂ فرار کی غماز ہے تو امیر کے یہاں وہ اداسی ملتی ہے جو ان کے دور کی آئینہ دار ہے:

۱۔ نہ کر اے یاس یوں برباد میرے خانۂ دل کو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

۲۔ دنیا ہے طرفہ میکدۂ بے خودی امیر
سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

۳۔ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

۴۔ نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

اور جہاں داغ و امیر کے نغموں سے خزاں رسیدہ گلستاں گونج رہا تھا اور عنادل بے بال و پر ان نغموں پر جھوم رہے تھے وہاں اچانک ایک تلخ آواز سنائی دی:- "پھر اٹھے ہو جس گھر کو نہیں دیا روان کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو!
نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ"

یہ حالی کی زبانی وقت کی آواز تھی۔

اور شبلی کے کلام میں ایک جلال تھا۔

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
کہاں تک ہم سے لوگے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک
یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا ان کا امتحاں کب تک

اور داغ کی انھیں شوخیوں، امیر کی انھیں اداسیوں حالی کی اسی آواز اور شبلی کے اسی عالم میں وحشت کی شاعری جوانی کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ وحشت کی ابتدائی جوانی کی شاعری نے داغ کا ایک ہلکا سا اثر قبول کیا اور کچھ اسی قسم کے اشعار ان کے لب قلم پر آ گئے۔

۱۔ گر جلانے کو بہت ملتے ہیں دل
تو مرے دل کا جلانا چھوڑ دے

۲۔ عبث ذکر وصال غیر پہ شرما گئے صاحب
مرے ہی سر کی تو قسمیں ہیں بے باکی سے کھالینا

۳۔ خط اسے لکھنے میں جب آیا خیال القاب کا
بے تکلف میرے خامے نے ستم گر لکھ دیا

۴۔ جب کہا کشتۂ ادا ہوں
اک ادا سے کہا ادا کیا ہے؟

لیکن وحشت کا انسانیت پسند دل زیادہ دیر تک اس رنگ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا وحشت نے میرزا غالب کی وسیع دنیا میں پناہ لی اور اپنی ایک الگ دنیا قائم کر لی۔

حسن آفریں ہوا ہے تصور جمال کا
دل کو ہوائے گل نے گلستاں بنا دیا (وحشت)

وحشت کی شاعری اردو غزل میں ایک خاص مقام کی مالک ہے۔ آپ "ترانۂ وحشت" دیکھ جائیے آپ کو احساس ہوگا کہ قدیم و جدید تغزل کے درمیان جو ایک دیوار ہے وہ کسی نے توڑ دی ہے جیسے ایک مسافر ایک سرحد سے دوسری سرحد تک پہونچ جائے لیکن یہ احساس نہ رہا ہو کہ سرحد پار ہو گئی۔ وحشت کا جو خاص رنگ ہے وہ قدیم ہے نہ جدید۔ دل کی کیفیتیں قدیم و جدید میں تقسیم نہیں کی جاسکتیں۔ امنگوں اور آرزوں، کامرانی و ناکامی، امید و یاس کی عمر نہیں ہوا کرتی۔ وحشت کی شاعری انہیں کیفیات سے عبارت ہے اس لئے اس میں عمر کی تلاش بے سود ہوگی۔ الفاظ رائج و متروک ہو سکتے ہیں۔ انداز بیان میں زمانہ تلاش کیا جاسکتا ہے لیکن وحشت کے کلام پر اس لحاظ سے بھی نگاہ تنقید واپس آئے گی۔ اردو زبان وادب پر جس عبور کا ثبوت کلام وحشت سے ملتا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زبان کسی کی جاگیر نہیں اور جو لوگ اردو کو لکھنؤ اور دلی کی چار دیواری میں بند رکھنا چاہتے ہیں ان سے گذارش ہے کہ حقائق سے زیادہ دنوں تک آنکھیں چرانے کی کوشش نہ کریں اور زبان اردو کے ان قید خانوں کی عبث رکھوالی سے باز آئیں کیوں کہ دیوار زنداں میں اہل جنوں نے روزن کر دیئے ہیں ؎

کتنے صحرا ابھی بنیں گے چمن
گر سلامت ہے آبلہ پائی

وحشت نے بجا یہ دعویٰ کیا ہے کہ ؎

نکتہ پردازی میں وحشت پیرو غالب ہوں میں

اس لئے میں کچھ وہ اشعار پیش کرنا چاہتا ہوں جہاں غالب و وحشت تقریباً ہم رنگ و ہم خیال ہیں۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا (غالب)

مٹے داغ وفا دل سے گوارہ ہو نہیں سکتا
مریض عشق اچھا ہے جو اچھا ہو نہیں سکتا (وحشت)

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی (غالب)

گنہ میرے مجھے یاد آئے وحشت
خجل سا رہ گیا میں ہاتھ اٹھا کر (وحشت)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے (غالب)

رکھو نہ ہم پہ تہمت نظارۂ جمال
تم آکے بیٹھے بزم میں پھر ہم کہاں رہے (وحشت)

وحشت نے یہ بھی کہا ہے کہ

"کلام عرفی شیراز ہے تقلید کے قابل" اور وحشت کے پہلے دیوان میں ایک فارسی قصیدہ در نعت سید المرسلین اس پایہ کا ملتا ہے اگر عرفی کے قصیدہ در مدح جانجاناں کے ساتھ عرفی کے دیوان میں شامل کر لیا جائے تو پیوند بھی محسوس نہ ہو۔ ملاحظہ ہو۔

تو سلطانی غیوری در کمند نفس بد گوھر
بکش زاں بیشتر خود را کہ جور از آسماں بینی (عرفی)

تو کرنا واقفی ہا عیش خود را جاوداں بینی
ہمی ترسم از آں ساعت کہ جور از آسماں بینی (وحشت)

فغاں را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر می خواں کہ محمل را گراں بینی (عرفی)

فغاں را گرم تر برکش چو سوز دل خنک یابی
قدم را تیز تر می نہ چو بار غم گراں بینی (وحشت)

من از گل باغ می جویم تو گل از باغ می جوئی
من آتش از دخان بینم تو از آتش دخاں بینی (عرفی)

من از خس آشیاں جویم تو خس از آشیاں جوئی
من از خاک آستاں بینم تو خاک از آستاں بینی (وحشت)

بر آ از پردۂ صورت قدم راہ معنی زن
کہ در ہر منزلے سرّے ز اسرار نہاں بینی (عرفی)

ازیں بالا ترک پرواز کن اے طائر ہمت
بگو تا چند خود را در ہوائے آب و ناں بینی (وحشت)

عرفی کا قصیدہ ۷۵ اشعار کا ہے وحشت کے قصیدے میں ۹۰ اشعار ہیں۔ دونوں قصیدے پڑھتے چلے جائیے یہ محسوس ہو گا کہ یا تو وحشت کا قصیدہ عرفی کا کلام ہے یا پھر ناشر کی غلطی سے وحشت کا قصیدہ عرفی کے کلام میں شامل ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وحشت کا قصیدہ عرفی کے قصیدہ کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اور اکثر مقامات پر خیال و بیان کے لحاظ سے عرفی کا عکس ہے لیکن مجھے اس مثال سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر کہیں وحشت، اقبال کی طرح فارسی کی جانب بھی مائل ہو جاتے تو جامی کے بعد جو ایک سناٹا سا محسوس ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا۔

روایتی غزل کے لوازمات ہیں حسن و عشق، وصل و ہجر، امید و یاس کامرانی و ناکامی وغیرہ۔ وحشت نے بھی ان تمام لوازمات کو اپنے کلام میں بدرجہ اتم برتا ہے لیکن جہاں ان کی غزل روایتی غزل کی ڈگر سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہے وہ ان لوازمات کا معنوی حسن ہے۔ غالب کا شعر ہے ؎

پیمانہ بر آں رند حرام است کہ غالب
در بے خودی اندازۂ گفتار نداند

وحشت کا عشق :-

وحشت کا عشق اپنی انتہائی سرمستی و بے خودی میں اپنے وقار و انداز گفتار کو پست نہیں کرتا۔ داغ کا عشق ایک ہوس عشق ہے جسے جسمانی تلذذ کی خواہش ہے۔ داغ کی محرومی اس جسمانی تلذذ سے دوری کا ماتم ہے برخلاف اس کے وحشت کا عشق ایک بے ریا بے غرض سرمدی عشق ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر ہوتی ضرورت ہمکو اظہار تمنا کی تو ہم عاجز نہ تھے اپنی خموشی کو زباں کرتے

اے حسن ہو چلی ہے ہوس ہم رکاب عشق
تجھ سے امید یک نگہِ امتیاز ہے

اللہ رے دل فریبیٔ انداز ضبط عشق
اک موج خوں تھی دل میں اور آنکھوں میں نم نہ تھا

میں اس دنیا سے عاجز ہوں کہ جس کا یہ طریقہ ہے
کسی کا مدعا سنئے کسی سے مدعا کہئے

طوالت کے لحاظ سے زیادہ مثالیں پیش نہیں کرتا ورنہ ایسے اشعار سے دیوان معمور ہے۔

وحشت کی مایوسی

کوشش کے بعد جب ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے یا گردش زمانہ کے ہاتھوں توقعات و نظریات کے محل زمیں بوس ہو جائیں تو احساس مایوسی ایک فطری امر ہے اور اس کی کیفیت سے کوئی ذی ہوش بالغ نظر نہیں بچ سکتا۔ وحشت کی زندگی کو بھی متواتر مایوسیوں سے سابقہ پڑا۔ زمانہ کی ناقدری دوستوں کی بے وفائی اولاد کی طوطا چشمی، مالی مشکلات، غم اور بیماری وحشت کی حیات روزانہ پر سبھوں کے حملے ہوئے۔ سبھوں کو اس نے برداشت کیا لیکن کبھی مایوسی کی اس شکل کو دل میں جگہ نہیں دی۔ جو کائنات کی ہر شئے کو تاریک کر ڈالے۔ وہ فانی کی طرح نہ اپنے وجود سے مایوس ہوا نہ زندگی کی قدروں سے۔ فانی کی یاس تو ایک ایسی منزل میں ہے جہاں عکس امید کے بھی پر جلتے ہیں۔

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں در زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہونچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا (فانی)

لیکن وحشت کی مایوسی میں بھی ایک شان خودداری اور وقار حیات ہے۔

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

معاذاللہ اتنی ناامیدی
کہے گی وہ نگاہ آشنا کیا

اے باد سحر کس لئے ہے شمع کے درپے
بجھ جائے گی یہ سوختہ جاں وقت سحر آپ

سراپا آرزو تھا ایک دن اس کی سزا یہ ہے
مرقع یاس کا ہوں داستان حسرت دل ہوں

وحشت کا رنگ: لیکن جہاں وحشت بے پناہ ہے وہ اس کا اپنا رنگ ہے جس میں کوئی اس کا حریف نہیں۔

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

حریفِ قعرِ دریا ہے بلندی میری ہمت کی
نہیں میرے لئے کوئی کشش آغوشِ ساحل میں

بہارِ گل متقاضی ہے خونِ بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیئے رنگینیٔ چمن کے لئے

پابندیٔ رسوم کو سمجھا ہے بندگی
زنار چھین لیں گے ابھی برہمن سے ہم

وہ ابتدا کی چشمِ کرم بھولتی نہیں
گو بعد اس کے مجھ پہ ستم بارہا ہوئے

پھر نوازش آپ کی حد سے زیادہ ہو گئی
پھر دل آفت رسیدہ بدگماں ہونے لگا

حضرت وحشت کی رہائش گاہ نمبر ۱۴ ویلسلی سیکنڈ لین، کلکتہ

مقام وحشت، سوغات دانا ستر مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا سرورق

اپنا بھی وہی حال ہوا راہِ وفا میں
جو حال ہوا کرتا ہے اربابِ وفا کا

کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وحشت کے اس شعر نے فیض کو بھی متاثر کیا اور وہ اپنے مخصوص رنگ میں یوں گویا ہوئے؎

اس راہ میں جو سب پہ گذرتی ہے وہ گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار ا (فیض)

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اور تشنہ ہے۔ کلام وحشت کا تجزیہ چند صفحات اور چند لمحوں میں نہیں ہو سکتا۔ ایجاز و اختصار کا کمال عمیق معنویت کی بلندی، انداز بیان کی گیرائی اور گہرائی۔ زبان کی سلاست و روانی شعر بہ شعر دامن تھام لیتی ہے اور نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

جی چاہتا ہے کہ لکھتے جایئے جو دیکھا ہے دکھایئے جو سمجھا ہے سمجھایئے تاکہ لوگ چیخ اٹھیں۔ جنوں کا کارواں تنہا نہیں ہے۔

(بشکریہ: خصوصی شمارہ آبشار کلکتہ ۱۹۹۵ء)

علامہ وحشتؔ ذولسانین شاعر

مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی

عہد مغلیہ کے آخری دور میں جب سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا دلی کے کتنے ہی خاندان تتر بتر ہو گئے۔ جس کا سینگ جدھر سمایا، ادھر روانہ ہو گیا علامہ رضا علی وحشتؔ (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۵۶ء) کے بزرگوں نے بھی دہلی کو خیرباد کہا، اور بنگالہ کا رخ کیا۔ بظاہر انتخاب ہوگلی پر پڑی۔ یہیں طرح اقامت ڈالی۔ یہ لوگ، نیا ماحول، مگر کچھ سوچ سمجھ کر آئے تھے، جس اخلاق کے پیکر اور علم و ادب سے آراستہ بھی تھے۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، گھل مل کر رہنے سہنے لگے۔ اجنبیت کب تک دور نہ ہوتی، آخر رشتے ناتے یہیں طے ہونے لگے اور پورا کنبہ پھولنے پھلنے لگا۔ پھر ایک وقت آیا جب کلکتہ کی کشش غالب آئی اور خاندان کی رہائش کلکتہ میں شروع ہوئی

علامہ وحشتؔ کی پیدائش سے، بہت پہلے برطانوی سامراج کا سورج سمت الراس پر پہنچ کر انگارے برسا رہا تھا۔ لارڈ بینٹنک نے ایکٹ نمبر ۲۹ بابت ۱۸۳۷ء کا اعلان کیا، اس کی رو سے دیوانی اور فوجداری عدالتوں سے فارسی سدا کے لئے خارج کر دی گئی۔ اس پر بے دردیانہ احتجاج کرنے کے سوا چارہ کار نہ تھا، عرضیاں حکام بالا کو پیش کی گئیں لیکن ایکٹ کی منظوری کا بے کو کرتی، ایک معمولی نتیجہ ضرور نکلا کہ وہ خاص حد جس میں مشرقی علوم کی درسگاہوں پر ترجیح کی موقوفی اور وظائف کی منسوخی کا صریح ذکر تھا، اس میں یوں ترمیم کر دی گئی کہ قدیمی درس گاہوں میں مشرقی علوم کی حوصلہ افزائی باقی رہے گی اس ترمیم کا اعلان نومبر ۱۸۳۹ء کو کیا گیا (دیکھئے ایجوکیشنل پروسیڈنگس اپریل ۱۸۶۱ء) نیز مولانا عبدالستار، تاریخ مدرسہ عالیہ ج اص ۱۰۱ و ما سبق) ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا ترمیم کی شکل میں معمولی سی

اشک شوئی اگرچہ بھی کی جاتی، تو سامراج کا کوئی کیا بگاڑ لیتا۔ اس کے بعد فارسی زبان و ادب ہی نہیں بلکہ دیگر مشرقی علوم سے بھی ہمارا تعلق "ضرورت" کی سطح سے نیچے اتر کر "روایت" کے حلقے میں داخل ہو گیا۔

اصل روح قبض کی جا چکی تھی پھر بھی بدلتے ہوئے ظروف و احوال میں "روایت دوستی" کا کالبد جب تک گرم رہا صرف حرارت غریزی کا فیض تھا جو دھیرے دھیرے نابود ہو جاتا ہے تاہم انیسویں صدی کے آخر تک روایت کے ساتھ وابستگی کا جو عالم تھا اس پر بیسویں صدی میں نئے نئے انقلابات کی زد میں پڑتی چلی گئی۔

یہی وہ دور تھا جس میں علامہ وحشتؔ کی نشو و نما ہوئی۔ گھر کی چہار دیواری میں ان کو شائستہ و عالمانہ گہوارہ تو ملا ہی تھا گھر سے باہر کے تعلیمی و تربیتی ماحول میں بھی تہذیب و شائستگی کے تقاضوں کو بنیادی اقدار کی جگہ حاصل تھی۔ لازمی و اختیاری مضامین کے پڑھنے پڑھانے میں عموماً طلبہ کا اشتیاق بے ہمتی یا انتشار کا شکار بہت کم ہوتا تھا۔ خود اساتذوں کا خلوص ضرب المثل اور خام ذہنوں کی تعمیر میں ان کا انہماک بے بدل تھا ان کی رہنمائی ہوشمند طالب علم کے ذہن و طبیعت کو بالیدگی بخشنے میں اکسیر کا کام کرتی تھی۔

کہتے ہیں کہ علامہ وحشتؔ کے پدر بزرگوار حکیم شمشاد علی خود بھی اردو، فارسی زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ افسوس کہ ان کی سخن سنجی کا کوئی نمونہ اب تک ہاتھ نہیں آیا۔ (دیکھئے وفا راشدی، بنگال میں اردو، (۱۹۵۵ء۔ ص ۹۹) اس قول کی بنا پر شعر و شاعری سے علامہ وحشتؔ کی مناسبت موروثی قرار پاتی ہے۔ ویسے اصل چیز وہ ذاتی جوہر ہے جس کے بغیر کسی

شاعر کے رنگ و آہنگ کو مرتبۂ اعتبار نہیں ملتا۔ اور علامہ وحشت کا کمال فن اس امتیازی جوہر سے کل ہند سطح پر معمور قرار دیا جا چکا ہے [تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کا مضمون "علامہ وحشت کی شاعری اور ان کے آثار پر ایک نظر"، مشمولہ "سوغات" (مغربی بنگال اردو اکیڈمی) مطبوعہ ۱۹۸۱ء ص ۲۰۰ ۔ ۲۲۷]

وحشت تخلص رکھنے والے شعرا کی بڑی تعداد ہے۔ کم از کم سخن شعراء، مولفہ عبدالغفور نساخ سے رجوع کیجئے تو دو چار نہیں پورے دس شاعر ملیں گے جن کا تخلص وحشت تھا (دیکھئے سخن شعراء از نساخ) ص ص ۳۴۳ ۵ ۔ ۵۴۸) لطف یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر ذولسانین، یا اردو، فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرنے پر قادر تھے اور ایک آدھ تو سہ لسانی شاعر تھے مثلاً علامہ رشید النبی وحشت (متوفی ۱۲۷۴ ھجری) یہ ہوگلی میں منصب افتاء پر فائز تھے اور کلکتہ سے ہوگلی تک ان کا فیض الگ جاری تھا۔ نساخ کے اساتذہ میں بھی سر فہرست تھے۔

علامہ رضا علی وحشت کی طبیعت میں پوشیدہ شاعر تھی ـــ دو زبانوں (اردو، فارسی) میں طلاقت لسانی سے پوری طرح آراستہ تھا۔ شعرائے ذولسانین کی صف میں ان کا مقام بلند بنظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی علامہ وحشت کی طباعی و قادر الکلامی کو اہل نظر بھانپ رہے تھے مختلف رسائل و مجلات میں ان کے فن پاروں کی اشاعت وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی ۱۹۱۰ء میں علامہ کا دیوان پہلی بار چھپا۔ اس کے آخری حصے کا تعلق فارسی کلام سے ہے۔ دیوان کا چھپنا تھا کہ طبقۂ علیا کے نقادان سخن اور جوہر شناسان علم و فن کی باچھیں کھل گئیں جیسے ان کی دیرینہ آرزو بر آئی ہو اور صبر آزما انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئی ہوں کل ہند سطح پر جو اساطین علم و ادب اس وقت حیات سے تھے بشمول خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، علامہ اقبال، حسرت موہانی، نظم طباطبائی، ظفر علی خاں، علامہ صفی وغیرہ سب نے علامہ وحشت کی زبان دانی و جادو بیانی کے علاوہ معنی آفرینی و ابلاغی و ترسیلی طلسمات کی خوب سیر کی، داد دینے اور نقد و تبصرہ کرنے میں بھی شایان شان حق شناسی و راست گوئی سے کام لیا اور علامہ کے زور طبع کو اردو کے ماسوا فارسی کے باب میں بھی سراہا۔ بے تکلف برطرف بات کہنے کی یہ ہے کہ ایسی سند قبولیت علامہ وحشت سے پہلے بنگالہ کے کسی اور شاعر کو کبھی نہیں ملی تھی۔

سر دست ہم علامہ کی فارسی شاعری کی بابت علامہ اقبال، علامہ صفی لکھنوی اور ظفر علی خاں کے درج ذیل نقوں پر اکتفا کریں گے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں: "فارسی کلام بھی آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے" [دیکھئے ترانۂ وحشت کے ملحقہ صفحات ص ۶]

ظفر علی خاں: "زمیندار کے شمارہ ۲۴ اپریل ۱۹۱۵ء میں بضمن تبصرہ رقمطراز ہیں:

"مولانا وحشت ریختہ گوئی ہی کے حق میں ید طولیٰ نہیں رکھتے بلکہ آپ کا فارسی کلام بھی استادانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے" الخ (ایضاً ترانۂ وحشت، ملحقہ صفحات، ص ۷-۸)۔

علامہ سید علی نقی، صفی لکھنوی نے دیوان وحشت پر تبصرہ ایک خوبصورت فارسی مثنوی کی شکل میں پیش فرمایا۔ اس کا درج ذیل شعر آپ بھی سن لیجئے:

از اثر طبع سخن گوئے او — فارسیش غازۂ ابروئے او

(دیکھئے نقوش و آثار، ص ۱۰۲)۔

علامہ وحشت کے طبع زاد فارسی کلام سے قطع نظر، اردو کی آرائش کے لئے علامہ نے جو فارسی غازہ فراہم کیا اس کا کسی قدر اندازہ ذیل کے نمونوں سے کیا جاسکتا ہے:-

(۱) بگرانمائگی خویش و بکم ظرفی دہر
ہوں میں وہ جنس کوئی جس کا خریدار نہیں (ترانۂ وحشت ص ۲۱)
پہلا مصرعہ پوری طرح فارسی ہے۔

(۲) "ہوں گل فروش جلوۂ صبح وطن ہنوز" (منم کی جگہ "ہوں"، بتقاضائے وزن رکھا گیا) [ترانۂ وحشت ص ۲۱۲]

(۳) ہنگامۂ تراوش لخت جگر کہاں
(یہاں "کجا" بجائے کہاں پڑھ کر دیکھئے) [ایضاً ترانہ ص ۲۱۳]

(۴) مدعا عام محال اور پائے طاقت منقطع ـــ "ز اور" کی جگہ "و" پڑھئے

تو مصرعہ فارسی کا ہو جاتا ہے (ایضاً ص۲۱۵)

(۵) جان نذر لذت خلش تیر یار ہو
(ہو کی بجائے 'شد' پڑھ سکتے ہیں) (ترانۂ وحشت ص۲۱۶)

(۶) سامان حشر ساز، دل بیقرار ہو
('ہو' کی بجائے 'شد' پڑھیں تو مصرعہ فارسی کا ہو گیا (ایضاً ترانۂ وحشت ص۲۱۶)

(۷) حریف یک دو خس و خار گلستاں کیوں ہو
(کیوں ہو کی جگہ 'چرا شد' مصرعہ کو فارسی فقرہ بناتا ہے (ایضاً ترانۂ ص۲۱۷)

(۸) خیال کلفت ہجراں بلائے جاں کیوں ہو
(فارسی فقرہ بن جاتا ہے حسب سابق) (ایضاً ترانۂ ص۲۱۷)

(۹) فغاں ہے شیوۂ آزردہ خاطراں اے دل
('ہے' نے مصرعہ کو موزوں کر دیا) (ایضاً ترانۂ ص۲۱۸)

(۱) سرگرم دل آزاری ارباب وفا ہے
('ہے' کی جگہ 'است' یا 'ہست' پڑھ سکتے ہیں) (ایضاً ترانۂ ص۲۲۰)

علامہ کا فارسی کلام دیوان طبع اول کے علاوہ ترانۂ وحشت میں بھی جا بجا ملتا ہے۔ بلکہ نقوش و آثار کے صفحات بھی کچھ ایسے فارسی اشعار پر مشتمل ہیں جو ترانہ میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ علامہ کے فارسی کلام کا قدرے قلیل حصہ ان مذکورہ ماخذوں سے خارج رہ گیا ہے۔ میرے خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ کلکتہ کا شہرۂ آفاق ادارہ ایران سوسائٹی نے علامہ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی (۳۶۲ھ/۹۷۳ء - ۴۴۲ھ/۱۰۴۸ء) جو خود طبقۂ علما کا دولسا میں مصنف بھی تھا، کے جشن ہزار سالہ کے سلسلہ میں جو یادگار مجموعۂ مقالات بین الاقوامی سطح پر سنہ ۱۹۵۱ء میں شائع کیا تھا۔ اس کی ابتداء خان بہادر رضا علی وحشت کے ایک فارسی قطعہ سے ہوتی ہے۔ یہ قطعہ 'ترانۂ وحشت' اور 'نقوش و آثار' کے صفحات میں جگہ نہیں پا سکا ہے۔ راقم اسے اپنے اس مختصر مضمون کا "ختامہ مسک" قرار دیتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

یاد البیرونی

زالبیرونی امشب داستان گو
بہر جا داستانِ باستان گو
وجودش مایۂ صد ناز ایران
چراغِ ہند از نورش فروزان
خوشا ذکری کہ از ہندوستان کرد
نہان بود آنچہ از ہر کس، عیان کرد
ز ہر علم جہان او باخبر بود
میان اہل عالم با اثر بود
جہان روشن ز علم و حکمت او
بہر خاطر خیال حرمت او
علوم مشرقیہ جاری از وی
خوشا کیفی بدلہا طاری از وی
الٰہی رحمتی بر خاک او کن
کرامت ہا بجانِ پاک او کن

ان اشعار کا ترجمہ بھی سن لیجئے:

۱۔ آج کی رات البیرونی کی کتھا سنائیے ہر جگہ
پراچین کہانی کا چرچا کیجئے۔
۲۔ اس کے وجود پر ایران کو طرح طرح سے ناز کرنے کا حق ہے۔
اسکی روشن ضمیری نے پراچین بھارت کا دیا جلا۔
۳۔ کیا خوب ذکر ہندوستان کا اس نے چھیڑا ہے،
جو باتیں پوشیدہ ہو چکی تھیں، انھیں چشم دید بنا دیا ہے۔
۴۔ اسکو دنیا بھر کے علوم کی خبر تھی،
اقوام عالم پر اس کا اثر قائم ہے۔
۵۔ اس کی دانائی و حکمت سے دنیا روشن ہے،
ہر دھڑکتے دل میں اس کا احترام ہے۔
۶۔ اس کی کاوش سے مشرقی علوم ٹھاٹھیں مارنے لگے،
اس نے دلوں پر اک کیف کا عالم طاری کر دیا ہے۔
۷۔ بارالٰہا: اس کی تربت پر رحمت کے پھول برسا
اس کی پاک جان کو انعامات سے نواز دے۔"

(دیکھئے: Al-Biruni Commemoration Volume, (Iran Society, Calcutta, p.V)

وحشت کی محرومی

رئیس الدین فریدی

علامہ رضا علی وحشت کو اگرچہ طوطی بنگال اور فخر کلکتہ کہا جاتا ہے اور ان کو خود بھی ان نسبتوں پر ناز رہا ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو وہ ان حدوں سے بالاتر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے دور میں کلکتے اور بنگال میں بہت جانے پہچانے اور مانے جاتے تھے مگر ان کی شاعری پورے ملک کی معیاری شاعری کے مقابلے میں اعتماد کے ساتھ رکھی جا سکتی ہے۔ عشقیہ شاعری کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

تمہاری خاطر نازک پہ مجھ کو رحم آتا ہے
تماشا دیکھتے ہو تم مرے آنسو بہانے کا

ملی وحشت کو داد آخر شرار سنگ طفلاں سے
ہوئی راحت مرے تن کو مزا پایا جراحت کا

کہتے بھی ہیں حکایت دل فرط شوق سے
روتے بھی جاتے ہیں اثر داستاں سے ہم

شکر خدا کہ رہ گئی ایماں کی آبرو
بالیں پہ وقت نزع وہ کافر صنم نہ تھا

اس قسم کے اشعار ان کے کلام میں سیکڑوں پائے جاتے ہیں اور ان کی عاشقانہ طبیعت اور قادر الکلامی کو پایہ ثبوت تک پہونچاتے ہیں۔

ان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ساری زندگی طرز قدیم ہی کے رسیا رہے مگر یہ اعتراض اس وقت رد ہو جاتا ہے جب ان کے سیاسی یا ملی نوعیت کے کلام کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ اس میں اگرچہ جدلیت نہیں مگر درد دل اور حالات زمانہ کی رفتار سے ان کی واقفیت کا ثبوت ضرور مل جاتا ہے۔ وہ اگرچہ سرکاری وظیفہ یاب تھے اور اکبر الہ آبادی کی طرح طنز کے نشتر چلانے کی ہمت سے بھی محروم تھے پھر بھی انھوں نے زمانے کی کج ادائی، گرتے ہوئے سیاسی و سماجی اخلاق خصوصاً مسلمانوں کی خستہ حالی کا ماتم ضرور کیا۔ اگرچہ سامان ابلاغ کی کمی کی وجہ سے ان کی آواز زیادہ دور تک نہ جا سکی اور وہ حالی کے معتقد کہلانے کے مستحق نہ ہو سکے۔

آزادی کی تحریک کی حمایت میں انھوں نے دبے لب و لہجے میں کہا۔

بہار گل متقاضی ہے خون بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیے رنگینیٔ چمن کیلئے

ترے غمزے لڑا دیں گے مسلماں کو مسلماں سے
ترے عشوے بھڑا دیں گے برہمن کو برہمن سے

انگریزوں کی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

جگر لاؤں کہاں سے جو تاراج خزاں دیکھوں
انھیں آنکھوں نے کل رنگینیاں دیکھی ہیں گلشن کی

آزادی سے پہلے اور بعد کی حالت یہ دیکھنے کے بعد وہ بھی حالات کا مرثیہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ چند مثالیں:۔

ہائے وہ تنکے کہ جن کو آشیاں سمجھا تھا میں
برق سے ان کے تعلق کو کہاں سمجھا تھا میں

موت سے بدتر مجھے ثابت ہوئی وہ زندگی
جس کو اک رنگین دلکش داستاں سمجھا تھا میں

قوم کی حالت کا دردناک نقشہ بھی جگہ جگہ کھینچا ہے۔

اپنی بربادی کا نقشہ ہے مشہور جہاں
محفل دشمن میں زیب داستاں ہوتے ہیں ہم

مرنے کی زندگی ہے وقت بے کاری میں کٹتا ہر
نہ فکر امروز کی کچھ ہے نہ ہے اندیشۂ فردا

• • •

پھر ہمہ گیر رنج و مصیبت سے تڑپ کر کہتے ہیں:

عزیزوں کو نہ راحت ہو تو ہم کو کیسے راحت ہو
خوشی کیوں کر ہو جب قوم اپنی محصورِ مصیبت ہو

ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ طرزِ قدیم کے محض غزل گو ہی نہ تھے بلکہ زمانے کے نشیب و فراز بھی ان کو متاثر کرتے تھے۔ ممکن ہے اگر ان کو غمِ دوراں سے کچھ فرصت اور نئے حالات کے عمیق مطالعہ کا موقع ملتا تو وہ بھی ترقی پسند شاعروں سے زیادہ دور نہ رہتے۔ ویسے اپنے عزیز ہم عصر پرویز شاہدی سے تو وہ ذہنی، فکری اور سماجی طور پر وہ بہت قریب اور ان کے قدرداں ہی رہے۔ ترقی پسند شاعری سے اگر ان کو کچھ انقباض تھا تو محض رموز و نکات سے بے پروائی کا جس سے پرویز شاہدؔ کا دامن پاک رہا۔

حضرت وحشتؔ نے خود کو متبع غالب، غالب کا مقلد یا خوشہ چیں ضرور کہا ہے اور فخر کے ساتھ کہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کچھ نئے خیالات پیش کرنے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ یہ دونوں دعوے غلو سے خالی ہیں۔ انھوں نے غالب کا رنگ ضرور اختیار کیا جسے اس زمانے میں معیاری کہا جاتا تھا مگر وہ غالب سے آگے بڑھنا تو درکنار مستقل ان کے دامن تک پہونچ کر رہ گئے کیونکہ غالب کا رنگ اختیار کرنا ان کے بعد کسی کے بس کی بات نہیں رہا۔ وہ غالب کا رنگ اس حد تک ہی اختیار کر سکے کہ فارسی اور عربی اردو سے زیادہ کام لیا۔ غالب کے علوئے تخیل اور بے ساختگی ان کی پہنچ سے بالاتر ہی رہے۔ بدقسمتی سے اب تک ان کا مکمل مجموعۂ کلام بھی شائع نہیں ہوا ہے جو کچھ ہے اور جو کچھ جمع ہو جائے اس کے گہرے مطالعہ سے ثابت ہے اور مزید ثابت ہو سکتا ہے کہ غالب کے کلام میں جس پائے کے سیکڑوں اشعار ہیں اس پائے کے وحشتؔ کے کلام میں شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں لہٰذا ان کو غالب کا مقلد یا تابع کہنا صحیح نہیں ہے۔ چاہے یہ بات مولانا حالیؔ اور مولانا شبلیؔ ہی کیوں نہ کہیں۔ انھوں نے اساتذہ اردو خصوصاً دہلی کے اساتذہ کے کلام کا بڑی عقیدت سے ضرور مطالعہ کیا ہوگا جس کا ان کو خود بھی اعتراف ہے۔ لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ ان کا کلام صرف غالب کے رنگ تک محدود رہے۔ اس میں میرؔ، ذوقؔ اور مومنؔ بھی ہیں، ہے استاد شمسؔ کلکتوی کی نسبت سے جو داغؔ کے شاگرد تھے۔ داغؔ کا رنگ بھی موجود ہے اور وہ اس طرح مکمل اور مستند شاعر نظر آتے ہیں۔ یہ اعتراض ضرور وزنی ہے کہ بیرون کلکتہ یا بیرون بنگال ان

کو وہ شہرت اور عظمت حاصل نہ ہوئی جس کے وہ حقدار ہیں۔ اس میں کچھ تو ان کا ذاتی قصور ہے اور کچھ ان کے شاگردوں اور مداحوں کا۔ ان کا قصور یہ ہے کہ وہ خود کو کلکتے تک محدود رکھنے کو ہی کافی سمجھتے رہے اور دوسرے شہروں کے شاعروں تک پہونچنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو شہرت اور مقبولیت کا زینہ تھے اور ہیں۔ ان کے شاگردوں اور مداحوں سے اب تک یہ بھی نہ ہوا کہ ان کا مجموعۂ کلام ہی شائع کر دیتے جو استاد کی بیرون بنگال ناقدری کے شکوے سے زیادہ ضروری ہے اور اس پر تنقید کا کام انجام دیتے جو کسی شاعر کو منزلِ شہرت و مقبولیت تک پہونچانے کے لئے ضروری ہے۔ سیمابؔ، جوشؔ، فانیؔ، اصغرؔ، جگرؔ اور حسرتؔ کو جو شہرت ملی وہ وحشتؔ کے حصہ میں بھی آ سکتی ہے مگر ہاتھ پیر ہلائے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ پُرمصائب زندگی، عدم فرصت یا عزلت گزینی کی عادت کی وجہ سے استاد کچھ نہ کر سکے تو شاگردوں کا فرض ساقط نہیں ہو جاتا۔

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمعِ انجمن کے لئے

وہ چلتے چلتے اتنا کام ضرور کر گئے کہ ایسا جانشیں ایک مزدور نما اور مسکیں طبع شاگرد طاہر علی شاکر کلکتوی کو بنا گئے جس سے اردو شاعری کا مزدوروں کے حلقوں اور متوسط طبقوں میں بھی کافی چلن ہوا اور بہت سے نئے لوگ جو بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کے پاس جانے سے جھجکتے تھے میدانِ شاعری میں آئے مگر افسوس کہ موصوف کے قصیدہ خوانوں نے جو ایسے استاد کے ساتھ کیا تھا کچھ ویسا ہی شاکر کے ساتھ بھی ہوا۔ نہ اِن کا کوئی مکمل مجموعۂ کلام ہے نہ اُن کا۔ پھر باہر والوں کی شکایت بے جا بھی ہے اور بے نتیجہ بھی۔ کاش کلکتے سے اس بے حسی کا خاتمہ ہو اور سارے ملک اور ساری دنیا کے سامنے اپنے کھرے مال کو فخر کے ساتھ پیش کر کے اس کی قدر کرنے کا سامان فراہم کر دیں۔

یہ سطریں عدمِ فرصت کی حالت میں حضرت وحشتؔ کے حقیقی چند تاثرات پیش کرنے کی نسبت سے قلم بند کر دی گئی ہیں ورنہ ان کی زندگی اور باقیات صالحات پر مکمل روشنی ڈالنے کے لئے تو یہی حال ہے کہ

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

وحشت کا تنقیدی شعور

ڈاکٹر عبد الرؤف

مولانا شبلی نے شعر کی ماہیت سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ "شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہیں" اس لحاظ سے شاعر سے مراد وہ شخص ہے جو سماج کے دیگر افراد کے مقابلے میں زیادہ باشعور ہو۔ شاعر بینائے قوم ہوتا ہے وہ سوسائٹی کے صرف ظاہری خد و خال کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظریں روح کی پہنائیوں تک پہنچتی ہیں چشم دل سے وہ ان چیزوں کو بھی دیکھ لیتا ہے جو انسانی ذہن کے کسی نہ دیکھے جانے والے گوشے میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایسے روشنی طبع تو برمن بلا شدی کے مصداق اسے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے جہاں دوسروں کا گذر نہیں ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

سماج کے سب سے زیادہ باشعور فرد کی حیثیت سے اسے ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے جو سماج کی اصلاح کرنے والے سیاسی رہنماؤں، فلسفیوں، موسیقاروں، مصوروں اور عوامی ذہن کی تشکیل کرنے والوں پر عائد ہوتی ہیں شاعر ضمیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب فکر گمراہ ہوتی ہے تو اسے ٹوکتا ہے وہ زندگی کی تنقید کرتا ہے اور کھرے کھوٹے کو پرکھنے کے بعد خاموش نہیں ہو بیٹھتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ حقائق کی تلخیوں کو کس طرح شیریں بنایا جائے۔ وہ حال کی تفسیر لکھتا ہے اور مستقبل کی بشارت بھی دیتا ہے۔

شعر کیا ہے اس کی ماہیت کیا ہے؟ انسانی جذبات و شعور سے اس کا کیا تعلق ہے، طبیعاتی مابعد الطبیعاتی اور روحانی عالم کے درمیان کس طرح شعر رشتے قائم کرتا ہے شاعری کس طرح سماجی، سیاسی اور معاشی حالات سے متاثر ہوتی ہے اور بذات خود کس طرح مختلف نظام ہائے فکر کو متاثر کرتی ہے وہ کس حد تک اپنے ماحول کی پیداوار اور ترجمان اور کس حد تک اپنے ماحول کی خالق اور اس کی رہنما ہوتی ہے ماضی حال اور مستقبل کے درمیان کیا رشتے ہیں۔ شاعری کس طرح ماضی کی روایتوں اور قدروں سے استفادہ کرتے ہوئے حال کو سیراب کرتی ہے اور مستقبل کے لئے کیا سرمایہ یا میراث چھوڑتی ہے۔ ماضی حال کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے لیکن فکر نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور اب یہ سوچا جانے لگا ہے آیا حال ماضی کو متاثر کر سکتا ہے۔ چنانچہ دور حاضر کے عظیم نقاد ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ فرماتے ہیں۔

"The Past should be altered by the present as much as the present is directed by the past and the poet who is aware of this will be aware of great difficulties and responsibilities"

مذکورہ نکات فن شاعری سے متعلق تھے۔ دور حاضر کے نقاد صرف فن شعر کی تنقید ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ہمیں یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ شاعر یعنی خالق فن پر کن عنوانات سے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ شاعر کی ذات سے سماج اور ماحول کیا طلب کرتا ہے۔ زبان اور ہیئت شاعری اس سے کن چیزوں کا تقاضہ کرتی ہے۔ اب تک جس خاص ہیئت کو وہ صنف شاعری سمجھتا رہا ہے کیا اس کے علاوہ دیگر ہیئتیں شاعری نہیں بن سکتیں، کیا نثر میں شاعری ممکن نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

فن تنقید کا آغاز اگرچہ ارسطو کے ہاتھوں ہوا (اس کا عہد ۳۸۴ ق۔م تا ۳۲۲ ق۔م ہے) لیکن صدیوں تک یورپ اس خاص صنف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ دیگر اسباب کے علاوہ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ اہل مغرب یونانی علوم و حکمت سے براہ راست متاثر نہیں ہوئے بلکہ بارہویں صدی

میں قرطبہ اور قسطنطنیہ کی راہ سے افلاطون اور ارسطو کی تصانیف کے عربی ترجمے اور تبصرے یورپ پہنچے انھیں دوبارہ لاطینی میں ترجمہ کیا گیا اور پھر یورپ کی دیگر زبانوں میں ارسطو کی تصانیف کے مترجم اور مفسر کی حیثیت سے ابن الرشد کو خاص اہمیت نصیب ہوئی۔ جس کے نام سے یورپ میں ایک مکتبۂ فکر قائم کیا گیا جو سولہویں صدی تک قائم رہا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) اس طرح یورپ ابن الرشد کی معرفت ارسطو سے متعارف ہوا اس کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں موجودہ فن تنقید کی بنیاد پڑتی ہے۔

انیسویں صدی نے عظیم سائنسدانوں کو جنم دیا جن کے انکشافات اور ایجادات کی مثالیں پچھلی صدیوں میں نہیں ملتیں۔ اس صدی میں سائنس کے علاوہ دیگر علوم کی بھی از سرِ نو تنظیم کی گئی جن میں ایک فن تنقید بھی ہے۔ ہماری زبان میں فن تنقید کا آغاز انیسویں صدی کے وسط سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے فارسی زبان میں تذکرے لکھے گئے جن میں صرف شاعروں کے نام تخلص اور حالات سے متعلق چند فقرے لکھ دیئے جاتے تھے۔ شاعری کے بارے میں اول تو کوئی رائے نہیں ملتی اور ملتی بھی ہے تو رسمی اور غیر واضح۔ اس کے باوجود یہ تذکرے ہمارے ادب کی تاریخ کی بنیاد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعتقادیات کا جو سرمایہ ہمیں نصیب ہے وہ متقدمین شعرائے اردو یا فارسی کی دسترس سے باہر تھا لیکن اس کے باوجود اگر ہم قدیم دواوین کا مطالعہ کرتے وقت اس نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھیں آیا قدما کے نزدیک معیار سخن کیا تھا اچھا شعر وہ کسے سمجھتے تھے شاعری کے اصول و لوازمات کے بارے میں ان کا نظریہ کیا تھا تو ہمیں خاصی تعداد میں ایسے اشعار مل جائیں گے جن کی روشنی میں ہم ان کے قائم کردہ معیار سخن کا پتہ چلا سکیں گے۔

قدیم دکنی دور یعنی پندرہویں صدی کے آغاز سے لے کر شعرا کے جتنے دیوان اور کلام کے مجموعے مرتب ہوئے ہیں سب میں کچھ نہ کچھ اشعار ضرور ایسے ملتے ہیں جو فن شعر اور اس کے محاسن اور معائب کی طرف واضح اشارے کرتے ہیں۔ عصر حاضر کے شعراء میں اقبال، حسرت اور وحشت کے یہاں یہ رجحان سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ فارسی اور اردو شعراء نے اپنے کلام میں شعر و فن کے متعلق شاعرانہ انداز میں جن اصولوں اور کلیوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر انھیں عہد حاضر کے انتقادی ادب کے بالمقابل رکھا جائے تو شاید آج کا انتقادی ادب سوائے چند اجنبی اور بھاری بھرکم اصطلاحوں کے کوئی نئی چیز پیش نہیں کرسکے گا لیکن یہ امر صرف اصول اور کلیے سے متعلق ہے۔ شاعری کی تفصیلات سے نہیں۔ نفسِ مضمون کی وضاحت کے لئے اساتذۂ متقدمین کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں جو فن شعر اور معیار سخن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

حسن بیان یہ ہے کہ محبوب کی باتیں دوسروں کی داستان میں بیان کی جائیں۔ مولانا کے اس شعر نے جو شہرت و آفاقیت حاصل کی وہ محتاج بیان نہیں اور کیوں نہ ہو اس میں وہ نقطہ مضمر ہے جو شعر و ادب کی روح کا پتہ دیتا ہے۔

حافظ نے بتایا ہے کہ شعروں کی بندش میں چستی اور سلاست پیدا کرنے کے بعد ہی قبول عام کی توقع کی جاسکتی ہے۔

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

ایک دوسرے شعر میں انھوں نے بتایا ہے کہ ایک کامیاب فنکار اور شاعر بننے کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ ادبی شہ پاروں کا مطالعہ کیا جائے چنانچہ اپنے ایک کامیاب شاعر بننے کی توضیح وہ اس طرح کرتے ہیں۔

گر بہ دیوان غزل صدر نشینم چہ عجب
سالہا پیروی صاحب دیوان کردم

(ایوان غزل میں اگر مجھے صدر کی جگہ مل جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیونکہ میں نے مدتوں صاحب دیواں شعراء کی پیروی کی ہے)

ایرانی شعراء کی تقلید میں اردو کے اساتذہ نے بھی اس ضمن میں بہت کچھ کہا ہے۔ شعر کیا ہے اور شاعر کے فرائض کیا ہیں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مُلّا وجہی اپنی مثنوی قطب مشتری کے آغاز میں فرماتے ہیں ؎

کہتا ہوں تجے پند کی ایک بات
کہ ہے فائدہ اس منے دھات دھات

(میں تجھ سے نصیحت کی ایک بات کرتا ہوں جس میں طرح طرح کے فائدے ہیں)

جو بے ربط بولے تو بیتاں پچیس
بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس

(پچیس بے ربط اشعار کہنے سے ایک سلیس شعر کہنا بہتر ہے) یعنی کلام کو مربوط ہونا چاہئے

سلاست نہیں جس کیرے بات میں
پڑھیا جائے کیوں جو لیکر ہات میں
(جس کے کلام میں سلاست نہ ہو اس کی کتاب ہاتھ میں لے کر کیوں پڑھی جائے)

جسے بات کے ربط کا فام نہیں
اسے شعر کہنے سوں کچ کام نہیں
(جسے کلام کے ربط کی سمجھ نہ ہو اسے شعر کہنے سے کیا فائدہ ؟)

نکو کرلئی بولنے کا ہوس
اگر خوب بولے تو یک بیت بس
(زیادہ شعر کہنے کی ہوس نہ کرو، اگر ایک بھی اچھا شعر کہہ دیا تو کافی ہے)

دو کچ شعر کے فن میں مشکل اچھے
کہ لفظ اور معنی یو سب مل اچھے
(لفظ اور معنی کو ہم آہنگ کر دینا ایک مشکل فن ہے)

اسی لفظ کو شعر میں لیائیں توں
کر لیایا ہے استاد جس لفظ کوں
(اشعار میں انھیں لفظوں کو لاؤ جنھیں اساتذہ استعمال کر چکے ہوں)

اگر فام ہے شعر کا تجکو چھند
چنے لفظ لیا ہور معنی بلند
(اگر تمہیں شعر کی کچھ سمجھ ہے تو منتخب الفاظ اور بلند معنی لاؤ)

اگر خوب محبوب جیوں سور ہے سنوارے سوں لوز اعلیٰ نور ہے
(اگر محبوب سورج کی طرح خوبرو ہو لیکن سنوارا جائے تو نور علیٰ نور ہے)

ابی حلاوت بیان اور شیرینیٔ سخن کا ذکر کرتے ہوئے ولی کہتا ہے سے

ولی شیریں بیانی کی نہیں ہے چاشنی سب کو
حلاوت فہم کو میرا سخن شہد و شکر دستا
(دستا بھی دکھائی دیتا)

دوسرے مقام پر ایک مستزاد میں کہتا ہے:

فرہاد کی آتی ہے صدا روح صبا ہو
شعر کو سننے
مذکور ہے ازبسکہ ولی میرے سخن میں
شیریں بچناں کا

چونکہ میرے کلام میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے بول میٹھے تھے، لہذا

فرہاد کی روح صبا بن کر میرے کلام کو سننے آتی ہے۔

شاعر کا کلام اس کی بقا کا ضامن ہوتا ہے، بقول سودا

اکثر نشاں بنے ہیں عالم میں نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشاں بنایا

اور میر کیا کہتے ہیں سنئے:

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

شعر و سخن کی قدروں کے متعلق غالب کے اشعار انقلاب انگیز اور حکیمانہ ہیں:

بقدر ذوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ذکر عشق خوں ریز و دل گداز ہوتا ہے۔

ہر بن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خوں ناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

شعر میں معنوی خوبیوں کے علاوہ لفظی خوبیوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔

نہیں گر سر و برگ ادراک معنی
تماشائے نیرنگ صورت سلامت

اس عنوان کے تحت حالی فرماتے ہیں۔

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی
بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

آیئے اب ہم معلوم کریں کہ وحشت نے اردو اور فارسی شاعری کی اس عظیم روایت کو کس طرح برتا اور فن شعر کے متعلق کیا کیا نکات واضح کئے۔

اختصار اور جامعیت کا شمار حسن شاعری میں ہوتا ہے۔ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں غزلوں میں اختصار اور جامعیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ غزل کا ہر شعر انسان کے مختلف جذبات کا ایک مکمل نقش ایک مکمل نظام فکر ایک مکمل فلسفہ حیات ہوتا ہے۔ حضرت وحشت نے اپنے کلام میں شعوری طور پر اختصار برتا ہے اور مختلف اشعار میں اس کی افادیت پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سے

وحشت خصوصیت جو تری ہے برت اسے ہاں ہاں غزل میں شان ہے اختصار کی

احتصار سے معنی میں تشنگی نہیں بلکہ لطف پیدا ہوتا ہے ؎

زنہار بار خاطر اہل سخن نہ ہو
وحشت غزل میں لطف یہ ہے اختصار کا

طوالت سے شعر کے اثر پر حرف آتا ہے ؎

گراں ہوتا ہے طبع شعر کو طول سخن وحشت
اگر پر لطف رکھنا ہے غزل کو مختصر کر دے

اہل نظر کو طول سخن کی نہیں بلکہ حسن مضمون کی طلب ہوتی ہے ؎

ہمیں طول سخن سے کام کیا وحشت تغزل میں
کہ ہیں اہل نظر تو حسن مضمون دیکھنے والے

اشعار کے معنی مبہم نہ ہوں پیچیدگی اور تعقید لفظی سے معنی خبط ہو جاتے
ہیں اور شعر کا لطف جاتا رہتا ہے ؎

پیچیدگی سے پاک رکھا اپنے کلام کو
وحشت سخن میں چاہیئے لطف زباں بھی
کلید عقدۂ خاطر نہیں مضمون پیچیدہ
سخن میں جب حلاوت آ گئی وحشت سخن بگڑا

کلام میں لطف معنی کے علاوہ لطف بیاں کا ہونا بھی ضروری ہے۔
اکثر شاعر کی تمام کاوشیں مضامین کی رسائی تک محدود رہتی ہوں اور
وہ فصاحت بلاغت اور شاعری کے دیگر لوازمات کی طرف متوجہ نہ ہو
تو اسے شعر کا عیب سمجھا جائے گا۔ اچھے شعر کی تعریف یہ ہے کہ وہ معنی
و بیاں سے آراستہ ہو۔ چنانچہ حضرت وحشت نے اس کی طرف بھی
اشارے کئے ہیں، ؎

وحشت کمال شعر فصاحت کا نام ہے
مضموں کے خیال میں لطف بیاں نہ چھوڑ

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

وحشت مری نظر میں مکمل نہیں وہ شعر
جس میں کہ حسن معنی و لطف بیاں نہ ہو

حق تو یہ ہے کہ وحشت نے معنی و بیاں کی ہم آہنگی کی تکمیل میں عمر صرف کر دی
جس کا ایک گہرا اور پائیدار نقش ان کے کلام میں نظر آتا ہے ؎

فروغ طبع خدا داد اگر چہ تھا وحشت
ریاضت کم نہ کیا ہم نے کسب فن کے لئے

کلام اور انداز بیان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

وحشت مری زباں کو تو اہل زباں سے پوچھ
ماہر زباں کے ہوں فقط اہل زباں غلط
کیا تھا روح غالب سے تو میں نے کسب فن وحشت
سخن ور سیکھتے ہیں آج انداز بیاں مجھ سے

کسب فن کے لئے وحشت نے جو ریاضت کی اس کی روشنی
میں ان کا دعویٰ سخن محض تعلی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس کی شہادت
ان کی غزلوں میں موجود ہے اور جس کا اعتراف عصر حاضر کے فن کاروں اور
شاعروں نے بھی کیا ہے۔ وحشت کی شاعری کے اس خاص پہلو یعنی
(فصاحت اور بلاغت کو مدنظر رکھتے ہوئے پرویز شاہدی نے ان کی
وفات پر نہایت ہی پُر درد لہجے میں کہا تھا ؎

ماتمی قوت نظم ست عجز کلک فکر
ہم بلاغت محو خواب و ہم فصاحت محو خواب

(جانئے فکر اس بات پر ماتم کر رہا ہے کہ اس میں قوت نظم یعنی شعر و
شاعری کی طاقت باقی نہیں رہی کیونکہ وحشت کی موت کے بعد فصاحت
و بلاغت کو گویا نیند آ گئی) ؎

اساتذہ کے کلام سے وحشت نے جس طرح استفادہ کیا اس
کی مثال اس دور میں حسرت کے سوا کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں ملتی
اس لحاظ سے ان کا کلام نئی پود کے لئے روشنی کا مینارہ ہے جو اسے
گمراہی سے بچا سکتا ہے۔ وحشت نے اساتذہ فن کو جو داد سخن دی ہے
خود ان ہی کی زباں سے سنیئے ؎

سخن سے تیرے وحشت طرز غالب آشکارا ہے
تلمذ ہے اسی استاد سے طبع سخنداں کو
میں تو ہوں معتقد داغ غزل میں وحشت
جس کی ہر بات ہم آہنگ اثر ہوتی ہے

میر اور غالب کی مدح میں انہوں نے جو نظمیں لکھی ہیں وہ ان کی تنقیدی
شعور کا نہایت شگفتہ اور دلآویز نمونہ ہے میر کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

وفا و مہر کا ایسا نہ ہوگا راز داں ہرگز
لکھے گا یوں نہ کوئی درد و غم کی داستاں ہرگز

نہ آئی ہے نہ آئے گی کسی کو یہ زباں ہرگز
میسر ہو نہیں سکتا یہ اندازِ بیاں ہرگز

جو اس کا رنگ ہے وہ کسی سے حاصل نہیں ہوتا
الم پروردہ اس کا سا کسی کا دل نہیں ہوتا

نہ گذرا وادیٔ الفت کا ایسا رہنما کوئی
دلوں کے راز سے نکلا نہ اتنا آشنا کوئی
حریف اس کا بیاں عشق میں وحشت نہ تھا کوئی
زمینِ ہند کیا، ایران میں بھی کب ہوا کوئی
ہوا تغیرِ رنگ اک ایک کی شیوہ بیانی کا
ہلالی کا ضمیری کا شفائی کا فغانی کا

حضرت غالب کو وہ اس طرح دادِ سخن دیتے ہیں ؎

عبارت تیری کیا ہے سرمۂ تسخیر ہے گویا
کلام جانفزا اعجاز کی تقریر ہے گویا
سخن تیرا ہے کیا اک درد کی تصویر ہے گویا
جو تیرا نالہ ہے وہ نالے کی تاثیر ہے گویا
حکایت ہے تیرے لب پر غم جاں سوزِ ہجراں کی
اڑائی تیرے خامے نے ادا دلہائے نالاں کی
نسیم صبح گاہی ہے کلام جانفزا تیرا
دلوں کو جوش میں لاتا ہے رنگ آشنا تیرا
بہارستانِ مضموں ہے خیالِ نکتہ زا تیرا
فروغِ طبع کی معراج ہے فکرِ رسا تیرا
تیرا دیوان غالب دفترِ نازک خیالی ہے
تیرا پایۂ سخن دانانِ ہندوستاں میں عالی ہے

. . . .

ہماری طبع جب ہوتی ہے جدت آفریں وحشت
نیا اندازِ فنِ شعر میں ایجاد ہوتا ہے

وحشت فن میں نئے انداز، ایجاد اور جدت آفرینی کے موید تھے لیکن محض ہیئت پرستی کو جس کا شعریت و معنویت سے کوئی تعلق نہ ہو تو غارت گرِ سخن سمجھتے تھے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

کئے کیا کیا تصرف شعر میں جدت پرستوں نے ہے وحشت مدعا ان کا یہ فن برباد ہو جائے

ہے مجھے وحشت تصرف ہائے بے جا کا گلہ
کس قدر ہے ان دنوں اردو زباں بدلی ہوئی

غزل کا ایک مخصوص مزاج، ایک مخصوص لہجہ ایک مخصوص اندازِ بیان ہوتا ہے جسے محض جدت پرستی کے زعم میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں وہ قدماء کی تقلید کو زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک حکیمانہ انداز سے جس سے ان کے عزم و استقلال کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

غزل کا لطف ہے وابستۂ طرزِ کہن وحشت
خیالِ خاطرِ احباب جدت آشنا کب تک؟

کلام وحشت کی جاذبیت اور رنگینیٔ لفظوں کی حسین ترتیب، فکر و معنی کی شگفتگی اور تنقیدی شعور کی پختگی کے دو اہم اسباب ہیں۔ اول یہ کہ انھوں نے فارسی اور انگریزی ادبیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور دوسرے یہ کہ متقدمین کے کلام کے مطالعہ اور اس سے اکتسابِ فیض کرنے میں عمر بسر کر دی۔ صرف یہی نہیں کہ انھوں نے اپنے کاوشیں اردو اور فارسی کی کلاسیکی شاعری تک محدود رکھیں بلکہ اپنے ہمعصر شعرا کے کلام کا بھی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے رہے اور انھیں دادِ سخن دیتے رہے ؎

طبع وحشت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

•

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا مطالعہ کلاسکی شاعری کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ میر نے اپنے بارے میں کہا تھا ؎

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے
درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

حضرت وحشت سے وابستہ رہنے والی ہستیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ درد و غم کا کتنا حصہ انھیں نصیب ہوا تھا اور انھوں نے اس حصے سے کیا کام کیا۔

ہمارا دور نئی قدروں کو متعین کئے بغیر پرانی قدروں کو مسمار کرنے پر تلا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم کو یہ سوچنا ہے کہ کلام وحشت اور ان ہی کی صف کے دیگر اساتذہ کے کلام کی روشنی میں کس طرح ہم نئی سمتیں متعین کر سکتے ہیں۔

■■

وحشت کی شاعرانہ عظمت

ڈاکٹر جاوید نہال

سید رضا علی وحشت کو کلکتہ سے والہانہ الفت تھی لہٰذا اپنے نام کے ساتھ کلکتوی لکھنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ علامہ وحشت کلکتوی کا خاندان دہلی سے ہجرت کرکے بنگال آیا تھا۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ ان کے دادا حلیم غالب علی صاحب نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ایک بنگالی خاتون سے شادی کرلی تھی جن کے بطن سے شمشاد علی صاحب پیدا ہوئے۔ شمشاد علی صاحب نے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ کئی چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنے کے بعد انہیں جنرل پوسٹ آفس کلکتہ میں مستقل ملازمت ملی اور مختلف ڈاک خانوں میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی شادی مولوی رحیم بخش کی صاحبزادی سے ہوئی جو اردو کا اچھا ذوق رکھتی تھیں۔ مولوی رحیم بخش کی صاحبزادی سے ان کی پہلی اولاد وحشت صاحب تھے۔ وحشت صاحب کے والد شمشاد علی صاحب کلکتہ میں ملازمت کے باعث تلجلا کے علاقے میں بس گئے تھے۔ یہیں وحشت صاحب ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ وحشت صاحب نے مدرسہ عالیہ کلکتہ (شعبۂ انگریزی و فارسی) میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۸ء یعنی ۱۷ سال کی عمر میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ آگے پڑھنے کی خواہش اور تڑپ کے باوجود سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا وہ جانفشانی سے گھر پر ہی علم کی تشنگی بجھاتے رہے۔ فارسی اور اردو میں دستگاہ کامل حاصل کی۔ انگریزی کا عمیق مطالعہ کیا اور ان کا شمار بہترین انگریزی دانوں میں ہوتا تھا اور ان کی علمی صلاحیت اور شاعری میں ناموری کی وجہ سے ۱۹۲۶ء میں جب اسلامیہ کالج کلکتہ قائم ہوا تو انھیں شعبہ اردو کا استاد مقرر کیا گیا یہ ان کے لئے اعزاز تھا کیونکہ ایم اے ہونے کی قید صرف علامہ وحشت کے لئے اٹھالی گئی تھی وحشت صاحب کی اولادیں ہوئیں اور اب سب لوگ پاکستان میں ہیں، وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی ہے۔ وحشت صاحب کا انتقال ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں ۱۹۵۶ء میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

اردو شاعری بالخصوص غزل کی اپنی روایات ہیں۔ اردو غزل آج بھی ان ہی روایات اور خطوط پر چل رہی ہے۔ بنگال میں کئی اچھے غزل گو شاعر ہوئے۔ نساخ اور شمس ایسی شخصیتیں ہیں جو مغتنم تصور کی جاتی ہیں۔ ابوالقاسم شمس صاحب دیوان شاعر ہوئے۔ وہ حضرت داغ دہلوی کے ثقہ اور اچھے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی استاد فن شاعر کے تلمیذ خاص حضرت سید رضا علی وحشت تھے جو یقیناً بنگال میں اردو غزل کی آبرو مانے جاتے ہیں نساخ، راسخ اور شمس اپنے عہد کے نمائندہ شاعر تسلیم کئے گئے مگر ان شاعروں کو شاعر کی حیثیت سے شہرت نصیب نہ ہوئی۔ نساخ کی شہرت ان کے مشہور تذکرہ "سخن شعراء" سے وابستہ رہی۔ راسخ، ناسخ کے ساتھ چپقلش اور ادبی بحث اور معرکہ آرائی کے لئے مشہور ہوئے اور ابوالقاسم شمس کو اردو ادب نے تقریباً فراموش کردیا اور ان کی شہرت چند تذکروں کے اوراق تک ہی محدود رہ گئی۔ ان ہی شمس کے شاگرد عزیز علامہ وحشت تھے۔ ان کے بعد افق شاعری پر یہ تابندہ ستارہ جگمگایا تھا اور ان کی شہرت سے شمس کی شہرت بھی وابستہ رہی۔ ابوالقاسم شمس نے داغ دہلوی سے ایسا رشتہ ناتہ جوڑا تھا۔ داغ کی شاعری کا رنگ شمس کی شاعری میں بھی جھلکتا ہے۔ داغ کی شوخیاں ان کے یہاں بھی ملتی ہیں مگر وحشت کی فکر ان سے الگ تھی۔ روایات سے وحشت نے انحراف کیا اور اپنا ذہنی رشتہ غالب سے جوڑا۔ وحشت بنگال کے شعراء سے بالکل الگ رہے لیکن مشرقی تہذیب اور قدروں کا احترام اسی طرح کرتے رہے جس طرح ان کے اسلاف کرتے آئے تھے۔

اس میں دو رائے نہیں کہ وحشت نہ ہوتے تو بنگال میں اردو شاعری کا دبستان بھی قائم نہ ہوتا۔ ان کی شاعری بنگال کی اردو شاعری کی آبرو بنی۔ ان کے ہم عصر مشہور شاعر اور نقاد ولوں نے بھی ان کا نام احترام سے لیا ہے۔ حالی ہوں، شبلی یا اقبال ہوں سبھوں نے وحشت کی مدحت سرائی کی ہے، ان کی شاعری کو خراج عقیدت پیش کیا ہے مگر حیرت ہے کہ ان بڑے شاعروں کی مدحت کے باوجود ان کے بعد کے ناقدین نے وحشت کی شاعری کو بنظر استحسان نہیں دیکھا

حاشیہ ۱: وحشت کڑبا روڈ میں پیدا ہوئے دیکھئے حیات وحشت از وفا راشدی ص۱۴ اور راسخ سے وحشت تک از لطیف الرحمٰن ص۱۹۲

۳۶

ان کا محاکمہ و محاسبہ نہیں کیا بلکہ ان کے فروتر عصر شعراء کے ساتھ بھی ان کا نام لینے سے اجتناب کیا۔

وحشت کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ خطۂ بنگال میں پیدا ہوئے، اردو شاعری کی اپنے خون جگر سے نموکی اور غالب کی شاعری کا فلسفیانہ انداز اپنا کر فکری شاعری کی آبرو رکھی۔ حضرت وحشت صرف بنگال ہی کے نہیں بلکہ ہندوستان کے اساتذہ کی صف میں رکھے جاسکتے ہیں۔ وحشت مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ تھے۔ ان کی شاعری روایتی قدروں کے عین مطابق رہی۔ ان ہی خطوط اور نہج پر چلتی رہی جو ان کے سامنے تھے اور میر و غالب، مومن اور ذوق کی روایات کو انھوں نے سینے سے لگائے رکھا۔ جس عہد میں وحشت کی شاعری کو فروغ و کمال نصیب ہوا وہ عہد انقلابی طوفان کے گذر جانے کے بعد پرسکون ہوچکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی کے ساتھ عظیم روایات اور مشترکہ تہذیب کی بساط تہہ ہوچکی تھی اور محکومی و غلامی ہندوستان کا مقدر بن چکی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستانی قوم کی شکست کے بعد مشرقی تہذیب، ثقافت اور اقدار کی بھی شکست و ریخت کا عمل جاری رہا۔ مغربی تہذیبی قدریں دھیرے دھیرے ہندوستانی معاشرے پر اپنا رنگ و روغن چڑھاتی جارہی تھیں۔ نئے اذہان نے انسانی فطرت اور عوامی تقاضوں سے مجبور ہوکر نئی تشکیلی اقدار کو اپنی گود میں سمیٹ لیا اور بدیشی حکومت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہوئیں۔

یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ بدیشی گوری سلطنت کی بنیاد کی پہلی اینٹ بنگال کی باغی سرزمین پر رکھی گئی تھی لہٰذا مغربی تہذیب کی پرچھائیں سب سے پہلے بنگال کی سرزمین پر پڑی تھی اور سب سے پہلے اس کا گہرا اثر بھی یہاں کی سماجی زندگی نے قبول کیا تھا اور رفتہ رفتہ یہ نئی تہذیبی قدریں سارے ہندوستان پر محیط ہوگئیں۔

مغربی تہذیبی قدروں کے پھیلاؤ کی وجہ سے مشرقی روایتی قدریں پس منظر میں چلی گئیں تھیں مگر اپنی دیرینہ روایات کے مطابق نئی بدیشی قدروں کی مسلسل یلغار و یورش کے باوجود یہ قدریں بالکل مٹ نہیں گئی تھیں اور اپنی انفرادیت کے ساتھ اپنے وجود کو محفوظ رکھ سکی تھیں گو یہ کمزور ہوچکی تھیں۔

ایسے ہی ایک بدلے ہوئے سماج اور ملی جلی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر علامہ وحشت کی شاعری کا شروع ہوئی۔ مغربی تہذیب اور قدروں کے حصار میں محبوس مشرقی تہذیب، ثقافتی روایات کے "منڈھال ماحول" میں پروان

چڑھتی رہی اور روایات سے انحراف نہیں کرسکی۔ یہی وجہ ہے کہ بدلی ہوئی قدریں اور زندگی کی تلخ حقیقتیں وحشت کی شاعری پر براہ راست اثر نہیں ڈال سکیں بلکہ یہ مشرقی تہذیب اور روایتی قدروں کی آئینہ دار بنی رہی۔

شاعری کے متعلق مشہور شاعر و نقاد ایڈگر ایلن پو کی رائے ہے کہ

"دلکش اسلوب، خوبصورت تخیل، شدید جذباتیت
اور لطیف حسیات کے امتزاج سے حسن شاعری کی تخلیق
ہوتی ہے اس کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ شاعری کا مقصد
یہی ہے خواہ یہ قدیم رنگ کی ہو یا جدید انداز فکر کی۔"

ایڈگر ایلن پو کی یہ رائے اپنے اندر وزن رکھتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار دشوار ہے کہ شاعری کی افادیت و اہمیت اور عظمت کا انحصار اس پر نہیں کہ شاعر نے کیا کہا ہے بلکہ اس پر ہے کہ اس نے کس انداز یا پیرائے میں اپنے محسوسات و مطالب کا اظہار کیا ہے۔ "غالب کا ہے انداز بیاں اور" ہی غالب کو ایک عظیم مثالی و منفرد شاعر بناتا ہے۔

غالب کی طرح ہر بڑا شاعر اپنی شاعری کیلئے نئی جہت کی جستجو کرتا رہا ہے بعض کو کامیابیاں نصیب ہوئیں اور بعض آدھے راستے ہی سے لوٹ گئے۔ وحشت بھی نئی جہت کی جستجو کرتے رہے مگر تتبع غالب کی دھن میں وہ بھول بھلیوں میں بھٹک گئے۔ نئی جہت کی طرف پیش رفت نہیں ہوئی مگر محض اس لئے کہ اس استاد فن شاعر کی شاعرانہ عظمت رد نہیں کی جاسکتی۔

اردو کے ناقدین کی نظریں بنگال کے عظیم سے عظیم تر فنکاروں پر بڑی مشکل سے پڑتی ہیں۔ آج کے جدید ناقدین کی نگاہیں وحشت کی شاعری کے دریا کی تہہ میں اتر کر آبدار موتی تلاش نہیں کرسکیں۔ ناقدین کی بے توجہی کے باوجود وحشت اپنے عہد کے ایک عظیم شاعر ہیں اپنے ہمعصروں میں نمایاں اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور انھوں نے حسرت، اصغر، جگر، وزیر (خواجہ) ناطق، سیماب اور آرزو کی طرح غزل جیسی "مدنیم وحشی صنف" کو اپنا تازہ لہو پلا کر توانا، مہذب اور دلنواز بنایا۔

وحشت کے بار احسان سے بنگال کی اردو شاعری ہمیشہ جھکی رہے گی۔ نساخ، راسخ اور شمس نے اردو شاعری کے ننھے ننھے چراغ انیسویں صدی میں جلائے تھے۔ ان چراغوں سے روشنی لیکر وحشت نے اردو شاعری کا ایک ایسا چراغ جلایا جس کی روشنی کی لہریں دریائے ہگلی سے مل کر گنگا اور جمنا تک پھیل گئیں۔ اس چراغ کی تیز روشنی میں بنگال کے اردو شاعروں نے شاعری کے نئے خد و خال

کو پہچانا۔ اس کے رموز و علائم اور باریک نکات کی جستجو شروع کی۔ اب بھی جستجو جاری ہے۔ انہیں بھی منزل یقیناً ملے گی جلد یا بدیر۔

وحشت کا حلقہ تلامذہ وسیع تھا۔ کلکتہ کا ہر شاعر دبستانِ وحشت سے وابستہ ہے۔ اس دبستان کے شعراء بنگال میں اردو شاعری کی ترقی و ترویج میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں لیتے رہیں گے، ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ "دبستانِ وحشت کی اہمیت سے کوئی کافر ہی منکر ہوگا۔ اس دبستان سے یہاں کے بیشتر چھوٹے بڑے شعراء کی بلاواسطہ یا بالواسطہ وابستگی رہی"

علامہ وحشت کے مشہور شاگرد علامہ جمیل مظہری، پرویز شاہدی، ساکر کلکتوی، آصف بنارسی، یجود کلکتوی، رضا مظہری، محمد صدیقی کی شاعری کو اسی دبستان نے جلا بخشی۔ پرویز شاہدی بنگال کے سب سے بڑے ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان کا وحشت سے براہ راست تعلق نہیں تھا مگر پرویز شاہدی نے اکثر اس کا اعتراف کیا ہے کہ "انھوں نے وحشت صاحب سے کسب فیض کیا، ان سے بہت کچھ سیکھا۔"

عرض کیا جا چکا ہے کہ وحشت کی شاعری ایسے عہد میں پھلی پھولی جو غلامی کا عہد تھا۔ دلی کے لٹنے کے ساتھ سارے ہندوستان کا نقشہ بدل چکا تھا۔ بنگال کے انقلابیوں نے غلامی کی آہنی زنجیروں کو کاٹنے کی کوشش شروع کی اور غلامی کے خلاف آوازیں تیز ہوئیں۔ آزادی کی لہر دریائے ہگلی میں ہلچل مچا رہی تھی مگر انقلاب آفریں سرزمین کی بدلتی ہوئی آہٹ وحشت سن نہ سکے اور نہ ہی آوازاں پر اثر انداز ہو سکی۔ وحشت کا پہلا دیوان سنہ ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ پہلے دیوان کی اکثر غزلوں میں شمس کا ملک کا رنگ نظر آتا ہے مگر غالب کی شاعری کا دلدادہ شاعر اپنے استاد شمس کے انداز تغزل کا فریفتہ نہ ہو سکا۔ مکتبۂ داغ کی شاعری لکھنوی آداب و اخلاق اور بوس و کنار کے گورکھ دھندوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ وحشت نے داغ سے رشتہ توڑ لیا اور اپنا ذہنی رشتہ غالب سے جوڑ لیا۔ وحشت نے غالب کا انداز اپنانے کی جان توڑ کوشش کی۔ وحشت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ بھول ہوئی۔ علامہ اقبال کی طرح وہ خلاق اور ذہین نہ تھے ورنہ وحشت بھی غزل میں غالب کی تقلید اور پیروی نہ کرتے اور علامہ اقبال کی طرح اپنی شاعری کیلئے کوئی نئی راہ یقیناً ڈھونڈ لیتے۔

وحشت کی غالب کے ساتھ ذہنی وابستگی والہانہ انداز میں قائم ہوئی تھی۔ تتبع غالب اور غالب دوراں بننے کی تڑپ نے ان سے اپنا رنگ، اپنی انفرادیت، اور شعری اسلوب چھین لیا تھا۔ ان کی یہ بدنصیبی تھی کہ دلی ارادت و عقیدت کی

وجہ سے کسی نے ان کے کلام کا محاکمہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بزرگوں کی شاعری کا تنقیدی احتساب بری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ معیوب بات تھی لہٰذا وحشت کی شاعری کے محاسن و عیوب پر کوئی بحث نہیں ہوئی۔ باہر کی دنیا ان کی شاعری کی روح سے ہی واقف نہ ہو سکی۔

وحشت کے ہمعصر ادباء کو کم سے کم اتنی مروت تھی کہ بنگال میں وحشت کی ذات کو غنیمت سمجھتے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی کی یہ سرسری رائے تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے کہ " **آپ نے غالب کا تتبع کرکے ہمارا حق چھین لیا**"۔

حالی غالب کے چہیتے اور عقیدت مند شاگرد تھے بڑے ادیب نقاد تھے۔ غالب سے بڑی قربت کے باوجود انھوں نے تتبع نہیں کیا۔ کسی بھی شاعر کی غالب کے جہانِ شاعری تک جو ستاروں سے آگے جا چکا تھا رسائی ممکن نہیں۔ حالی اور اقبال دونوں ہی نے بڑی ہوشیاری سے اپنے دامن کو کانٹوں میں الجھنے سے بچا لیا اور ان کے فن کی انفرادیت لہولہان ہونے سے محفوظ رہی۔

ہر شاعر کے اپنے معتقدات اور نظریات ہوتے ہیں۔ وحشت کے بھی تھے۔ وحشت کے سامنے رابندر ناتھ ٹیگور کی روحانی آفاقی شاعری تھی اور شاعر آتش نوا قاضی نذر الاسلام کی انقلابی نظمیں تھیں لیکن اشاعتِ عالم، مشرقی تہذیبی قدریں اور ان کے رکھ رکھاؤ نے انقلابی تحریکوں سے وحشت کو دور رکھا ہے۔ وحشت نے بنگال کے ان عظیم شاعروں کی اثر انگیز لے ضرور سنی تھی مگر عمداً مشرقی اقدار میں گھرے ہوئے ماحول کے اثرات کے تحت ان کی اس انقلاب آفریں اور جوش دلا دینے والی شاعری پر توجہ نہیں دی جو عصری تقاضوں اور آگہی کی دین تھی۔ ایسی شاعری کہ میں وحشت نے بنگال کے سماجی، معاشی اور سیاسی تحریکات و عوامل کو سمونے کی کوشش نہیں کی اور دبستان دہلی اور لکھنؤ کے ارد گرد چکر کاٹتے رہے۔

وحشت ایک عظیم فنکار اور عظیم شاعر تھے۔ غالب کی تقلید کو انھوں نے اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ غالب کا تتبع نہایت خلوص سے کیا اور ان کا دعویٰ غلط نہیں کہ وہ "غالب دوراں" ہیں۔ غالب جیسے دقت پسند شاعر کے رنگ میں شاعری کرنا جوئے شیر لانے سے کم مشکل کام نہیں۔ وحشت غالب کی پیروی میں یقیناً کامیاب ہوئے مگر ان کی شاعری اس لئے دب گئی کہ غالب نے اردو شاعری کو اس نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا جہاں کوئی دوسرا شاعر پہنچ نہیں پایا۔ وحشت کی شاعری قطعی رد نہیں کی جا سکتی۔ ان کی شاعری نے اقبال اور حالی کو بھی چونکا دیا تھا۔

وحشت کے "ترانۂ وحشت" میں ایسی غزلیں ملتی ہیں جو اردو غزل کی آبرو کہی جائیں گی بہ شرطیکہ وحشت کے فن کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ یہ بھی تلخ حقیقت

ہے کہ وحشت کی شاعری سے انصاف نہیں برتا گیا۔ مستند نقادوں نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیا۔ وحشت کے عہد کے بیباک مگر جذباتی نقاد نیاز فتح پوری نے وحشت کے دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے بس یہ حکم لگایا تھا کہ

"وحشت کی ذات بنگال کے لئے ہے"۔

نیاز فتح پوری نے عمداً وحشت کی شاعری کو بنگال کی سرحدوں کے اندر بند رکھنے کی کوشش کی۔ نیاز فتح پوری ہی کیا بلکہ اردو کے بیشتر ناقدین وحشت کی شاعری کو نظر انداز کرتے رہے، ان کے دیوان کو الماری کی زینت بنانے کا مشورہ دیتے رہے۔ یہ عصبیتی ذہنیت کا بیّن ثبوت ہے۔

وحشت کی شاعری یقیناً وقیع ہے ان کے اشعار میں یقیناً درد ہے تاثیر حسن بھی، نکھار اور رچاؤ بھی ہے اور ان کی شاعری ایڈگر ایلن پو کی تنقیدی میزان پر پوری اترتی ہے۔ کاش بنگال کی سرزمین تنقیدی ادب کے لئے زرخیز ثابت ہوتی اور کوئی بڑا اور بیباک نقاد پیدا ہوتا تو آج اردو ادب میں وحشت کا مقام ان کے کسی ہمعصر شاعر سے ہرگز فروتر نہ ہوتا۔

وحشت کی ایک بدنصیبی یہ بھی ہے کہ ان کے ارد گرد ایسے لوگوں کا اجتماع رہا جنھوں نے مشرقی تہذیب کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ وحشت کے دبستان سے جنھوں کا رشتہ ناتہ تھا۔ وہ استاذ کی شاعری کو متبرک سمجھتے رہے، ہلکی سی تنقید بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ وحشت کو غالب کی طرح کوئی مفتی صدرالدین یا شیفتہ نہیں ملا جو ان کی شاعری کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتا۔ ان کی شاعری کا محاکمہ کر کے اس کا مقام متعین کرتا۔ دراصل وحشت کی شاعری واہ واہ کی صداؤں میں گم ہو کر رہ گئی اور اردو ادب میں اپنی شناخت نہ کرا سکی۔

بنگال کے اردو طبقہ نے ان کی پذیرائی ضرور کی لیکن صحیح معنوں میں ان کی قدر و منزلت نہیں کی جس کا احساس وحشت کو ہمیشہ کو رہا ؂

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

"ترانۂ وحشت" میں بعض غزلیں انفرادی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ وحشت کا اصل رنگ یہی ہے۔ ان غزلوں میں بے ساختگی، شوخی، اور برجستگی ملتی ہے۔ جس شاعر نے اردو ادب کو ایسے اشعار دیئے ہوں اس کی اہمیت سے کون منکر ہو سکتا ہے ؂

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھ کو یہ حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھاتا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

یا پھر ــــــــــ

حالِ چمن خزاں میں بھی ایسا کبھی ہوا نہ تھا
اپنا جو حال ہو گیا رنگ بہار دیکھ کر

●

تلاطم تھا بہت موجیں بہا کر لے گئیں مجھ کو
وگرنہ آرزو تھی کس خرد دشمن کو ساحل کی

●

وحشت کی شاعری میں ہمیں بڑے شاعروں کی بعض خصوصیات اور خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے ہاں محاکاتی اور اساطیری شاعری کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ نادر تشبیہات و استعارے اور کنائے ملتے ہیں اور تلمیحات بھی جو انھیں اساتذہ کی صف میں نمایاں جگہ دلاتی ہیں۔ "ترانۂ وحشت" کے مطالعہ کے بعد نیاز فتح پوری نے بھی وحشت کی عظمت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا:

"ان کی جوانی کی شاعری کے سامنے لوگوں کا صرف سر جھکتا تھا لیکن اب ان کے اس رنگ کے سامنے روح دو زانو ہو جاتی ہے"

وحشت کے کلام میں ایسے اثر انگیز معنی آفریں اور فکر انگیز اشعار کی کمی نہیں جن کے آگے روح بے اختیار دو زانو ہو جاتی ہے۔ محاسن بہت، کمزوریاں کم ہیں۔ اردو شعری ادب میں وحشت کا مقام متعین کرتے وقت ناقدین کو اپنا عصبی عینک اتار کر ان کے فن کا بالاستیعاب مطالعہ اور محاسبہ کرنا ہوگا اور یہ فرض بنگال کے ناقدین ہی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ (مقالۂ ادبیات) ■■

عبدالمجید حسرت

طوطئ بنگالہ علامہ رضا علی وحشت

جہانِ شعر میں روشن ہے نام وحشت کا
مثالِ شمس و قمر ہے کلام وحشت کا
رموزِ فن کو جو حسرت یہاں سمجھتے ہیں
ضرور کرتے ہیں وہ احترام وحشت کا

علامہ سید رضا علی وحشت

پروفیسر اعزاز افضل

شخصیتیں بھی کتنی پُرفریب ہوتی ہیں، کسی نے اپنے ہونٹوں پر مونالیزا کی سی پُراسرار مسکراہٹ کی قوسِ قزح بکھیری اور ہمارا دل اس کی رنگارنگی پر فریفتہ ہوگیا۔ کسی نے اپنے چہرے پر ابوالہول کی طرح رعب و جلال کا پردہ ڈالا اور ہم مارے خوف کے سرنگوں ہوگئے۔ کسی نے بے حد جلال پر تقدس و برگزیدگی کی ملمع سازی کی اور ہم اس کے قدموں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے لگے۔

وحشت کی شخصیت نہ مونالیزا کی طرح پُراسرار ہے، نہ ابوالہول کی طرح رعب و جلال کا مجسمہ، نہ گوتم کی طرح تقدس و برگزیدگی کی تصویر، اس کے باوجود ہم ان کے لئے اپنے دل میں محبت، احترام اور عقیدت کا جذبہ پاتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے نقوش تیکھے نہ سہی اپنے اندر ایک انفرادی شان ضرور رکھتے ہیں۔ پُروقار ادبی شخصیتوں کی بھیڑ میں ایک بار ہی سہی ہماری نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کی صلاحیت ان میں موجود تھی۔

وحشت کاروانِ عہدِ رفتہ کے مقلد بھی تھے اور عصرِ نو کے قافلہ سالار بھی۔ ان کی وضع احتیاط نے شمس کی شاگردی کے باوجود داغ کے سوقیانہ پن کو منہ نہ لگایا وہ شاہراہِ عام سے ہٹ کر ایک ایسے راستے پر گامزن ہوئے جہاں ہر نقشِ پا دیوار کی طرح بلند تھا۔

غالب کے جادۂ فکر سے سلامت روی کے ساتھ گزرنا کچھ وحشت ہی کا کام تھا۔ ان کے شعورِ سفر اور توازنِ رفتار نے دوسرے مسافرانِ ادب کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اس دشوار گزار وادی میں آج قافلوں کی جو بھیڑ نظر آتی ہے ان کی رہنمائی کا سہرا وحشت ہی کے سر ہے۔

تکلف برطرف بہتوں نے مسابقت کی ٹھانی مگر کوئی بھی اس دوڑ میں وحشت کی گرد کو نہ پا سکا۔ عزیز لکھنوی کی فکر کا ڈانڈا غالب کی سرحدِ ادراک سے اتنا قریب نہیں جتنا وحشت کا جادۂ تخیل۔

وحشت کی سی تہہ بہ تہہ شخصیتیں اردو ادب میں خال خال ہی نظر آئی ہیں۔ فارسی پر عبور، انگریزی پر قدرت، اردو پر حکومت، ایک طرف خان بہادر۔ دوسری طرف عجز و انکسار کا پتلا۔ حکام رس۔ مگر احباب کی دادرسی پر ہمہ وقت آمادہ۔

شاگردوں کے اشعار کی اصلاح تو سب کرتے ہیں لیکن شاگردوں کے ذہن کی اصلاح کرنا کچھ وحشت ہی کا کام تھا۔ ان کے فیضِ تربیت نے اردو ادب کو کئی ممتاز شاعر دیئے ہیں۔

۱۹۱۰ء میں ان کا پہلا دیوان شائع ہوا تھا تو بزرگانِ ادب نے اس کا کھلے دل سے استقبال کیا تھا مگر نئی نسل کے حافظے نے وحشت پر ایسے سب دروازے بند کر دیئے ہیں اور ایک وحشت ہی پر کیا منحصر ہے ان کے ہمعصر اساتذہ عزیز لکھنوی، صفی، بیخود، سائل، نوح، ان میں سے کس غریب کو آج داخلے کی اجازت ملتی ہے؟ اور تو اور آرزو اور جگر کے نام بھی بے داخلی کا نوٹس جاری کیا جا رہا ہے۔ سب شاعر پاس یگانہ چنگیزی کی طرح ڈھیٹ کہاں ہیں کہ دھکے کھائیں اور اڑے رہیں۔ صدر دروازہ نہ سہی، چور دروازہ سہی، کمندیں ڈالنا، سیندھ لگانا بھلے مانسوں کا شیوہ نہیں۔ وحشت اور ان کے نامور معاصرین کا مسلک "یگانہ آرٹ" نہیں تھا۔ نستعلیق اور خوددار لوگ تھے کیا کرتے؟

اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

نئے حافظے میں رہائش کا مسئلہ ہر دور میں پیچیدہ رہا ہے۔ "قدیم باشندے" بے گھر نہ ہوں تو تازہ "واردانِ بساطِ ہوائے دل" کہاں کھپائے جائیں۔ وحشت تو یوں بھی پردیسی تھے۔

اک ہمصفیر نے بھی نہ پوچھا کہاں چلے؟

خان بہادر سید رضا علی صاحب کے پرستار بہت تھے بے چارے وحشت کلکتوی کا پرسانِ حال کوئی نہ تھا۔ اترا شحنہ مردک نام۔
شخصیت جب فن کو سہارا دیتی ہے تو اس سے اپنا حقِ خدمت

وصول کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ یہ ٹیکس بہتوں کی طرح وحشت کو بھی ادا کرنا پڑا۔

ستر سال کی عمر میں تلوے کھجلائے اور فکر مستقبل نے رخت سفر بندھوایا تو وطنی رواداری بھی خدا حافظ کہنے پر مجبور ہو گئی۔ ہمارے شاعر نے اس وقت ترک وطن کی ٹھانی جب لوگ سفر آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وحشت ہندوستانی شہریت سے خود دست بردار ہوئے تھے۔ حالات نے کلام وحشت کے شہری حقوق بھی چھین لئے۔ غریب ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔ سچ ہے کرے کوئی، بھرے کوئی۔

کراچی سے ان کی صاحب زادی لکھتی ہیں کہ "ترانۂ وحشت" کی پانچ سو جلدیں آج تک اپنی قسمت کو رو رہی ہیں۔" محترمہ چاہتی ہیں کہ مغربی بنگال اردو اکیڈمی تعاون کا ہاتھ بڑھائے پیش کش سر آنکھوں پر ——— مگر

خانۂ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

صورت خاک میں پنہاں۔ کلام گرد مہ و سال میں گم۔ دیکھا ہو تو "چشم ما روشن، دل ما شاد" کہیں۔ پڑھا ہو تو اٹھتے بیٹھتے کلمہ پڑھیں۔ نیا قلم شخصیت پر کیا لکھے؟ فن پر کیوں کر لکھے؟ بزرگوں نے وحشت کے بارے میں حالی، شبلی اور صفی لکھنوی وغیرہ کے کلمات خیر پر قناعت کر لی۔ کسی کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ وحشت کے کارنامے جملے نہیں تفصیل چاہتے ہیں، اور تفصیل کا میدان "آہ اور واہ" کے پاؤں سے طے نہیں ہوتا۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ زبان جب قلم کا ہاتھ پکڑ کر چلنے سے انکار کر دیتی ہے تو منہ کے بل گر پڑتی ہے اور توصیفی کلمات جب کاغذی لباس پہننے سے گریز کرتے ہیں تو ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ کوتاہ قلمی اور زبان درازی کے بادل گرجتے تو بہت ہیں، برستے کبھی نہیں۔

دنیا جانتی ہے کہ وحشت کے ارشد تلامذہ میں کئی حضرات ملک کی اعلیٰ درسگاہوں سے وابستہ تھے۔ تھوڑی سی توجہ فرماتے تو اپنی نگرانی میں استاد پر تحقیقی مقالہ لکھوا سکتے تھے۔ بدنصیب وحشت ان کی نظر التفات سے بھی دور رہے۔

دیکھا جو مڑ کے میں نے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

خواجہ تاشوں کی کچھ لاج رکھی تو مولانا ساکر کلکتوی نے رکھی۔ مرحوم تھے تو نادار لیکن آدمی تھے کردار کے۔ کمر باندھ کر اٹھے تھے کہ کچھ کر گزریں گے مگر مفلسی "کالی بلی" بن کر راستہ کاٹ گئی۔

مکاتیب وحشت کی ترتیب و اشاعت اسی مرد قلندر کے خلوص عمل کا نتیجہ ہے۔ یہ پتلی سی کتاب علامہ کی وہ تصنیف ہے جو دیوان اول کی طباعت کے پچپن سال بعد ان کے وطن عزیز (کلکتہ) سے اشاعت پذیر ہوئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ——

اب مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے "مضامین وحشت" شائع کی ہے۔ یہ ایک نیا شگون ہے لیکن۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

غالب کا مقلد، کوئی ادبی اچھوت نہ تھا کہ اس کے سائے سے بھی دور رہا جاتا ہے

جہاں وہ تھا وہاں دار و رسن کی آزمائش تھی

داغ اور ان کے ان گنت ہواخواہوں کے بھیس میں رکاکت و ابتذال کی ایسی آندھی اٹھی تھی کہ الاماں والحفیظ! حیرۂ غزل کی ریشمی طنابیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ شرافت جذبات اور متانت افکار کے قدم زمین شعر سے اکھڑنے ہی والے تھے کہ وحشت نے غالب کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا اور آخری سانس تک تھامے رکھا۔ شاعر تو بہت ہیں۔ سب کی مٹھیاں کھول کر دیکھئے کس کی ہتھیلیوں پر نیل پڑے ہیں۔

غالب کا تتبع وحشت کا عیب نہیں، ہنر ہے۔ وحشت نے غالب کا منہ نہیں چڑایا تھا کہ "زبان بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا!" کہہ کر ان کا مذاق اڑایا جائے۔ علامہ نے غالب کے سنجیدہ اور پر وقار لہجے میں گفتگو کرنے کا فن سیکھا تھا۔ اور خلوص اور لگن سے سیکھا تھا کہ سنئے تو لگے غالب بول رہے ہیں۔ بات جب "یک جان دو قالب" کے مرحلے سے گزر کر "من تو شدم تو من شدی" کی منزل تک پہنچ جائے تو من و تو کے درمیان فاصلہ کہاں باقی رہ جاتا ہے؟

غالب کے فن نے کلام وحشت کے قالب میں دوسرا جنم لیا تو اس میں ہنسی کی کون سی بات ہوئی؟ اردو کی شعری دنیا میں "آواگون" کا عمل تو صدیوں سے جاری ہے۔ میر، مصحفی کے قالب میں سودا، ذوق کے قالب میں بیدل، غالب کے قالب میں پہلے ہی جنم لے چکے تھے۔ انیس کو چکبست کے قالب میں حلول کرتے کس نے نہیں دیکھا؟ داغ کے اوتار

تو گلی گلی ڈھول رمائے بیٹھے تھے۔ بعض پاک روحیں یہ دعویٰ بھی کرتی ہیں کہ

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ایم

ادب میں تقلید جرم ہے تو اس کے مجرم دہلی اور لکھنؤ میں بھی دندناتے پھرتے ہیں، کلکتے والے وحشت تنہا کو کالا پانی کیوں کاٹیں؟ عدالتِ لقدس کو انڈمان کیوں بھیج دیتی ہے؟

سورج سے مستعار ہے تو ہوا کرے، چاند کی روشنی بھی اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ چاندنی کو دھوپ کون کہے گا؟ تقلید غالب کے باوجود کلام وحشت کی ایک تاریخی حیثیت ہے اور رہے گی۔ سورج اپنا خراج وصول کر چکا ہے۔ اب چاند کا قرض ہم کو چکانا ہے سود نہ سہی اصل ہی سہی — (بشکریہ ہفتہ وار اجالا کلکتہ) ■■

وحشت کی ایک نایاب نظم

حاجی محمد محسن کے خراجِ عقیدت میں

یہ نظم حضرت وحشت کی ان نایاب [illegible] میں سے ایک ہے جو ان کے مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہے [illegible] مولوی بدر الزماں بدر بابت دسمبر [illegible] کے ساتھ شائع ہوئی تھی جو حاجی محمد محسن کی [illegible] کے موقع پر منعقدہ ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھائی گئی تھی۔ یہ نظم اپنے تسلسل، تہذیب اور ضرورِ بیان کے لئے بھی اہم ہے ——— ادارہ

نظم مندرجہ ذیل مولوی رضا علی صاحب وحشت کی جودت طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے مولوی صاحب موصوف کے مذاق شعر و سخن کی تعریف میں اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ ہندوستان کے مستند علمی رسالوں میں ان کے کلام اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں یہ نظم مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھی گئی جو فاتحہ صد سالہ حاجی محمد محسن مرحوم کی یادگار میں بصدارت عالیجناب نواب بہادر خواجہ سلیم اللہ سی۔ ایس۔ آئی نواب ڈھاکہ منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم حاجی محمد محسن مرحوم کی اس دریادلی کا سچا نقشہ ہے جس کے سرچشمہ سے بنگالے کے تشنگانِ علوم اس وقت تک سیراب ہو رہے ہیں۔ (ایڈیٹر شمس کلکتہ)

ہے بزمِ اہلِ دانش میں پھر آہنگ سخن مجھ کو نگاہِ شوق سے پھر دیکھتی ہے انجمن مجھ کو
لئے جاتا ہے کھینچے شوق نسرین و سمن مجھ کو چمن کا آشنا ہوں ڈھونڈھتا ہے پھر چمن مجھ کو

گلستانِ محبت راز دیرین عندلیبانم
بگوش غنچہ گستاخ ست گلبانگ پریشانم

مجھے منظور اک حاتم سخا کی ہے ثنا خوانی نہیں کچھ نا مناسب جس کو کہنا حاتم ثانی
عطا ہر عالم کی قلت اور شادی کی فراوانی وہ تھا ابر کرم اور کام تھا اس کا زر افشانی

ہر اک بے خانماں کے سر پہ سایہ اس کے داماں کا
کہاں پہنچا نہیں سیلاب اس دریائے احساں کا

وہ تھا حامی دغا اور قوم کے تھا جان نثاروں میں رفیق اہلِ دیں تھا اور ان کے غمگساروں میں
اسی کا ذکر اسی کا شہرہ کوچوں میں دیاروں میں ہزاروں میں وہ اک ہی تھا نہیں کچھ ہم ہزاروں میں

زمانے میں کہاں پیدا ہیں اربابِ صفا ایسے
کہیں سننے میں بھی آتے ہیں اب اہلِ سخا ایسے

جو محسن نام تھا مجموعہ تھا اجزائے احساں کا گل رنگیں ادا تھا وہ مروت کے گلستاں کا
شکوہ و شوکت و حلم و حیا و دین و ایماں کا سراپا تھا وہ گویا اک مرقع عظمتِ شاں کا

اسی کا دیکھنا منظور چشمِ اہلِ بینش کو
اسی کی ذات سے رونق بہار آفرینش کو

کسی کے کام آئے اس کے دل کا یہ تقاضا تھا محب قوم تھا یعنی وطن کو دوست رکھتا تھا
بھلائی کس طرح لوگوں کی ہو یہ سر میں سودا تھا مسلماں علم سیکھیں بس خیال اسکو اسی کا تھا

ہماں طور کز دیدی طریقِ اہلِ دیں باشد
طریقِ اہلِ دیں را گر ہمی جوئی ہمیں باشد

اسے معلوم تھا مذہب عاجزوں کی غمگساری کا وہ اچھا جانتا تھا قاعدہ الفت شعاری کا
بیاں کیا کیجئے اس نیک دل کی خیر جاری کا عبث ہے ذکر لوئے نافۂ مشکِ تتاری کا

اسی کے فیض سے ہے اب مدارس کی جو رونق ہے
سخاوت پیشگی اسکی بجا ہے راست ہے حق ہے

صدی گذری ولیکن نام ہے اسکا ابھی باقی وہی خیر جاری سخاوت کا وہی ذکر خوش اخلاقی
تقاضائے سرود و نغمہ ہے آئین مشتاقی ادر کاساً و ناولہا الا یا ایہا الساقی

بیادِ محسنِ ما طرح عیشے ریختن باید
دمے از جوششِ دل محشرے انگیختن باید

ہما تا بخت مسلم انسٹیٹیوٹ ما جواں باشد کہ نواب سلیم اللہ بہادر صدرِ آں باشد
زمیں آستانِ او برفعت آسماں باشد بامراو زمین باشد بحکم او زماں باشد

زہے نواب ما بنگالہ را صد افتخار از وے
دریں جا گلبن از وے گلستاں از وے بہار از وے [پروفیسر شاہ مقبول احمد]

علامہ رضا علی وحشت
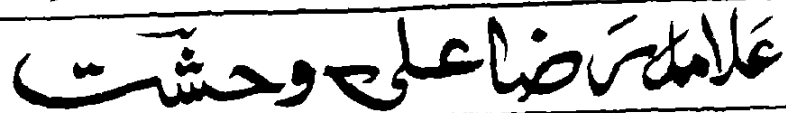
پروفیسر اظہر قادری

مولانا وحشت کے بارے میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں زندگی کے نشیب و فراز سے گزرے ہیں انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اسکو اسکے ہر رنگ میں دیکھا ہے جہاں انھوں نے زندگی کے بڑے خوشگوار دن گذارے ہیں وہاں انکو حالات نے بڑے کٹھن دور سے گزرنے پر بھی مجبور کیا ہے لیکن آفریں ہے انکی ہمت اور مستقل مزاجی پر کہ دل پر ہزاروں قسم کے غم کھاتے رہے لیکن جبیں پر شکن نہ آنے دی۔ احباب میں جب بیٹھے تو چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی اور انکے دل کی صحیح حالت سے کوئی بھی واقف نہ ہو سکا۔ البتہ اسکے لئے انھوں نے شاعری کا سہارا لیا اور شعر کے پردے میں سب کچھ کہہ گئے اور اسطرح کم سے کم دل کی بھڑاس تو نکال لی وہ شخص جسنے وحشت صاحب کو قریب سے دیکھا ہے ان کے حسب ذیل اشعار سے انکی زندگی کے ایک پہلو کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتا ہے۔

طور دیکھے ہیں زمانے کے ہمارے دل نے — اب کہاں اسمیں تمنا کا گزر ہوتا ہے
شکل کچھ ایسی بدل دی یاس نے امید کی — آرزو میں بھی نہیں ہوتا گمان آرزو
کوئی کس طرح مصیبت سے بچے دنیا میں — مرحلے اور بھی ہیں عشق کا سودا نہ سہی
جہاں میں چھوڑ جاتا میں المناک ایک افسانہ — اگر مجھ سے مری رودادِ غم تحریر ہو جاتی
مجھے صد ہزار اپنی فلاح سو نہیں فائدہ مرا مدعا — ہے ضرر ہی سے مجھے واسطہ مرا نفع جیسے ضرر کی

یہ لیجئے اس قسم کے اشعار وحشت صاحب کے دیوان بھرے پڑے ہیں جنکو ترتیب دیکر ہم اگر چاہیں تو انکی سوانح حیات تیار کر سکتے ہیں لیکن اسکے لئے ہمیں انکی پچھلی زندگی سے واقفیت کی ضرورت ہے جیسا کہ اوپر میں لکھ چکا ہوں عمر کی وجہ سے مولانا اب نہایت نحیف و کمزور ہو گئے ہیں باہر آنا جانا انکے لئے ایک امر دشوار ہے با وجود اس کے جب لوگ بہت مصر ہوتے تو خاص کسی صحبت میں وہ ضرور شریک ہو جاتے ہیں۔

غزل ایک مجھے پڑھتے ہی بنے گی وحشت — پاس احباب سہی دل کا تقاضا نہ سہی

اب وحشت صاحب شعر و سخن سے ایک طرح سے دست بردار ہو چکے ہیں۔

نہ وحشت کو بزم شعر میں تکلیف شرکت کی — کبھی کچھ کہہ لیا کرتا تھا اب اس میں رہا کیا ہے

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کسی سے اپنا حال کہنا یا اپنی تکلیف و مصیبت بیان کرنا وحشت کی خودداری طبیعت کیخلاف ہے وہ ہزاروں غم سہہ لیں گے لیکن سر ابر والے کو اسکی خبر تک نہ ہونے دینگے

کیوں سکوت اپنا بتائے سبب خاموشی
کیوں نظر حال کہے دل کی پریشانی کا

ان دنوں وحشت صاحب بہت رنجیدہ رہتے ہیں اسکا ایک سبب تو ترک وطن ہے۔ وطن کا جب ذکر آجاتا ہے تو انکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ یہ غم انکو اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔

باعثِ اندوہِ دل غربت کا ہر منظر مجھے — کاہشِ جاں کا سبب یادِ وطن میرے لئے

وطن کے چھوٹنے کے علاوہ اسوقت جو غم کھا رہا ہے وہ پچھلے زمانہ کی یاد ہے پچھلے واقعات جب انھیں یاد آتے ہیں تو باوجود سعی کے بھی انکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں پچھلے ساتھیوں کو یاد کر کے وہ کڑھتے رہتے ہیں اسوقت انکے دل کی جو حالت ہوتی ہوگی وہ اہل نظر اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اسوقت کا کلام صحیح معنوں میں انکی زندگی کا آئینہ دار ہے پوری پوری غزل ایک ہی رنگ میں ہوتی ہے وہ رنگ جس میں انکی زندگی کا رنگ جھلکتا ہے۔

جو زندگی میں ہمیں کچھ امید ہی نہ رہی — تو زندگی ہی ہماری رہی رہی نہ رہی
دل فسردہ نے یوں مجھکو بے نیاز کیا — کہ دہر میں کوئی شئے وجہِ دلکشی نہ رہی
مقام شکر ہے اک وقت ایسا آپہنچا — کہ دل کے حال سے خود دل کو آگہی نہ رہی
غلط ہے دوں جو گلستانِ دہر کو الزام — جب اپنے غنچۂ خاطر میں تازگی نہ رہی

اور آخری شعر تو بالکل انکے حسب حال ہے۔

یہ کیا ضرور ہے رووں میں عیشِ رفتہ کو — بلا ہی کیا ہے جو لب پر میرے ہنسی نہ رہی

وحشت صاحب شاعری میں صداقت کے قائل ہیں ایسے خیالات جن میں صداقت کا فقدان ہوتا ہے انکے نزدیک وقعت نہیں رکھتے وہ خود اپنے شعروں میں بھی اس کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت کرتے ہیں کہ صداقت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ جانے پائے وہ حد سے زیادہ مبالغہ کو پسند نہیں کرتے انکا کہنا ہے کہ مبالغہ جب اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر شعر شعر نہیں رہتا بلکہ معمہ بن جاتا ہے شعر میں صداقت اور بلند خیالی کے علاوہ وہ لطفِ زبان کا بھی بڑا خیال رکھتے ہیں انکا خیال ہے کہ نہ صرف موضوع کوئی چیز ہے اور نہ صرف زبان بلکہ موضوع اور زبان دونوں ملکر اپنا ایک مجموعی اثر پڑھنے والے پر چھوڑ جاتے ہیں۔

پسند آ نہیں سکتا ہے طبعِ وحشت کو — وہ شعر جس میں کہ پوشیدہ کچھ نکات نہیں

وحشت صاحب نے شعر کہنے کے علاوہ کچھ تنقیدی مقالے بھی لکھے ہیں جو آج سے بہت پہلے مختلف جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں وحشت صاحب نے مولانا حالی مرحوم کی غزل گوئی پر ایک تنقیدی مقالہ سپردِ قلم کیا تھا جب مقالہ حالی مرحوم کی نظر سے گذرا تو انھوں نے مولانا وحشت کو لکھا مولانا آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے میری غزل گوئی کی طرف توجہ دی ہے۔ ورنہ اب تک لوگ مجھے قوم کا مرثیہ گو ہی سمجھتے رہے ہیں ان باتوں سے وحشت صاحب کی نظر کی گہرائی و گیرائی اور شعور کی پختگی کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ [اقتباس، نقوش ہمہ]

وحشت کی مقالہ نگاری

■ ——— سیّد لطیف الرحمٰن

وحشت صاحب کو شاعر کی حیثیت سے دنیا جانتی ہے، لیکن ادیب کی حیثیت سے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ وحشت صاحب کا یہ خاص انتقادی مقالات بھی لکھا کرتے تھے۔ کلیات حسرت، دیوان وفی، دیوان مولانا غنیمت کنجاہی، کلام ملک الشعراء صادق حیان اختر، غالب کا انداز بیاں، سید محمود آزاد، مولانا حالی، داغ دہلوی، عبدالغفور خاں نساخ وغیرہ پر ان کے مقالات نقاد، اردوئے معلی، …ن ریویو، نگار، ماہ نو، جدید اردو کلکتہ وغیرہ رسالوں میں شائع ہو کر بہت مقبول ہوئے۔ وحشت صاحب کے صرف تین مقالات میری نظر سے گذرے۔

ایک مقالہ بعنوان "مولوی عبدالغفور نساخ" مجلہ "ماہ نو" مورخہ مارچ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ نساخ کے شاعرانہ اور ادبیانہ کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذاتی حالات کچھ بھی نہیں۔ نساخ کی تصنیفات و تالیفات پر معلومات پر تبصرہ کرنے کی جائے صرف ان کے نام گنائے ہیں۔ البتہ تذکرہ المعاصرین کے متعلق در تفصیل سے کام لیا ہے۔ نساخ کی شاعری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ناسخ و آتش کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نساخ کی نقادانہ حیثیت پر روشنی ڈالنے کے لیے "طومار اغلاط" کا ذکر چھیڑا ہے جس کے مصنف نساخ کے شاگرد عصمت اللہ السیخ تھے۔ وحشت صاحب نے بزرگوں سے سنا تھا کہ "طومار اغلاط" کے مصنف دراصل نساخ ہی تھے۔ "طومار اغلاط" سے چند اعتراضات کی بجائے "انتخاب نقص" کا ذکر ضروری تھا۔ جس کے مصنف خود نساخ تھے لیکن وحشت صاحب نے "انتخاب نقص" کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

وحشت صاحب کا دوسرا مضمون "اردو کا تعلق بنگالے سے"، ہے جو سالنامہ جدید اردو کلکتہ مورخہ ۱۹۴؁ء میں شائع ہوا مضمون بہت مختصر لیکن جامع ہے۔ اردو کا تعلق بنگالے سے بتاتے ہوئے صرف شعراء کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مغالطہ ہوتا ہے کہ بنگال میں کوئی نثار پیدا نہیں ہوا حالانکہ نساخ، سید محمد آزاد، محمود الرب، خالد بنگالی بنگال کے زبردست اہل قلم تھے۔ شعراء کا تذکرہ ابوالقاسم محمد شمس پر ختم کر دیا ہے معاصرین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

وحشت صاحب کا تیسرا مضمون "غالب کا انداز بیاں" ہے جو نقاد (آگرہ) مورخہ ۱۹۲ء میں چھپا۔ غالب پر بہت عمدہ مضمون ہے طرز نگارش دلنشیں ہے۔

وحشت صاحب کے انتقادی مقالات پڑھکر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ جس شاعر پر قلم اٹھاتے تھے اس کے محاسن شعری اجاگر کرتے تھے اور معائب دکھانے سے حتی الامکان پرہیز کرتے تھے۔ وحشت صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میرا شیوہ نکتہ چینی نہیں ہے میں کبھی کسی کے کلام پر اعتراض نہیں کرتا"۔

اسلئے وحشت کے مضامین محض تعارفی اور تحسینی ہوتے ہیں تنقیدی اور نکتہ چینی بالکل نہیں

وحشت کی مقالہ نگاری اور تین مضامین کے متعلق مذکورہ بالا خیالات میں کتاب کی اول اشاعت میں ظاہر کئے گئے تھے جبکہ انکے مضامین کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا اور نہ دیگر مضامین دستیاب ہوئے تھے ۱۹۸۲؁ء میں مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے انکے مضامین ایسے ہیں کہ جنکو مضامین وحشت کے بجائے تبرکات وحشت سمجھ کر پڑھا جائیگا۔ غالب کا انداز بیاں وحشت کا بہترین مضمون ہے جسے اس مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا۔ شاید یہ مضمون نساخ سے وحشت تک میں ایسا اہم جز بن گیا کہ وحشت کی شاعری کے تعلق سے اس مضمون کو اسی کتاب میں پڑھنا زیادہ مناسب سمجھا گیا۔ کیونکہ اس مضمون سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وحشت نے کلام غالب کی کن خوبیوں سے متاثر ہو کر غالب کا تتبع اختیار کیا تھا۔ ■

(اقتباس۔ نساخ سے وحشت تک ناشر مغربی بنگال اردو اکاڈمی)

اِصلاحِ غزل

علامہ رضا علی وحشت

جدید اردو[1] کلکتہ کے کارکنوں نے علامہ رضا علی وحشت سے اپنے سالنامہ ۱۹۴۱ء کیلئے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔ موصوف اخلاقاً جدید اردو کے مطالبہ کو رد نہ کرسکے اور انھوں نے ایک مضمون لکھنے کا وعدہ کر لیا۔ موضوع کی تلاش میں غزل موضوع بحث رہی لیکن کسی مجبوری کی بنا پر مضمون طویل نہ ہو سکا۔ انھوں نے سرسری طور پر کچھ سطریں لکھ دیں یہ مضمون مختصر سہی لیکن جامعہ ہے۔
اس مضمون میں وحشت نے غزل کا مختصر تعارف پیش کیا ہے اور اس کی اصلاح کے لئے چند نکات پیش کئے ہیں۔ اس مضمون سے علامہ وحشت کے ترقی پسند خیالات اور تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ مضمون اسی افادیت کے پیش نظر پیش خدمت ہے۔ علامہ نے تغزل میں اصلاح کی ضرورت کے تحت ایک طویل مضمون ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا جس کے مطالعہ کے بعد اس مضمون کی تشنگی تقریباً دور ہو جاتی ہے۔ (ادارہ)

اردو میں غزل فارسی کی اسی صنف پر مبنی ہے۔ قدیم شعراء جیسے خاقانی، ظہیر فارابی، انوری وغیرہ بھی غزلیں کہتے تھے لیکن بے نمک ہوتی تھیں۔ سعدی نے ان میں گھلاوٹ پیدا کی اور حافظ نے اسے معراج ترقی پر پہنچا دیا۔ اردو میں ولی نے بہت دلکش غزلیں کہیں اور میر نے تو اسے کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ پھر ناسخ اور آتش کا زمانہ آیا اور اسی زمانہ سے ایک لکھنؤ اسکول قائم ہو گیا جس میں الفاظ کی رنگینی کو بڑا دخل رہا۔ دلّی میں ذوق، مومن اور غالب نے گلستان سخن کی باغبانی کی اور اپنے کمالات کا سکہ دلوں پر بیٹھا دیا۔ پھر داغ، امیر اور جلال کا زمانہ آیا۔ ان بزرگوں نے اس فن کی خوب خوب خدمتیں کیں۔ یہ دور ابھی قائم ہی تھا کہ طبیعتیں غزل کے معائب سے متنفر ہونے لگیں اور حالی نے نمایاں طور پر اس کے خلاف آواز بلند کی اور وہ بالکل حق بجانب تھے۔ فرسودہ خیالات، اخلاق سوز الفاظ اور مقلدانہ قافیہ پیمائی کب تک دلوں کو مائل کر سکتے تھے۔ انقلابات شروع ہو گئے۔ غزل کی صورت بدل گئی اور وہ مضامین جن پر غزل کا دار و مدار تھا اب مکروہ سمجھے جانے لگے اور رفتہ رفتہ متروک ہو گئے۔

مگر افسوس ہے کہ اس میں نئی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ پہلے شعراء صاف صاف کہتے تھے۔ اگر اشعار میں کوئی حسن نہ ہوتا تو وہ مہمل بھی نہ ہوتے تھے۔ اب یہ بات نہیں ہے۔ ان دنوں بہت سے اشعار ایسے سننے میں آتے ہیں جس میں الفاظ کی تراکیب بظاہر دلکش اور رنگین نظر آتی ہیں لیکن شعر کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ اگر ہوا بھی تو یہ دیکھا گیا ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ اس قابل نہ تھی کہ نظم کی جاتی۔ کسی استاد نے کہا ہے کہ "گفتہ کہ ولے نشگفد پشیماں باش"۔ ہر شعر کا ایک مدعا ہونا چاہیئے۔ ایک مکمل مضمون ہونا چاہیئے۔ زندگی کا کوئی مسئلہ ہونا چاہیئے۔ حسن و عشق کا کوئی نکتہ ہونا چاہیئے اور ساتھ ساتھ اسلوب بیان کو شاعرانہ ہونا چاہیئے۔ ان باتوں کا فقدان ظاہر کرنے کے لئے مثال کے طور پر اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن میں اس طریقے کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ خدا کرے کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نکلے۔

[1] دیکھئے مضامین وحشت ص ۱۶۹ تا ۱۷۱ مرتبہ جمال احمد صدیقی

تغزل میں اصلاح کی ضرورت

علامہ رضا علی وحشت

اصنافِ سخن میں غزل پر شعرائے ایران و ہند کا زیادہ رجحانِ طبع اس امر پر دال ہے کہ اس کی دلفریبی میں کسی کو کلام نہیں۔ بڑی خوبی اس کی یہ ہے کہ ہر شعر میں ایک پورا مضمون ہوتا ہے اور بآسانی یاد ہو جاتا ہے۔ اربابِ سرود کو بھی غزل مرغوب ہے کیونکہ گانے کے کام کی بس یہی ایک صنف ہے۔

ایران میں سب سے پہلے سعدی نے غزل گوئی میں شہرت پیدا کی۔ ان کا تغزل اس قدر مرغوب طبائع ہوا کہ ان کا دیوانِ غزلیات "نمکدانِ شعراء" کہلانے لگا۔ خواجہ حافظ نے غزل کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اور رفتہ رفتہ تغزل کی طرف شعراء متوجہ ہو گئے۔ فغانی، وحشی، محتشم، نظیری، عرفی، طالب، اسیر، کلیم، حزیں وغیرہم نے غزل میں وہ سحر بیانیاں کیں کہ ہند و عجم محوِ حیرت رہ گئے۔

ریختہ کے موجد ولی نے غزل کہہ کر نام پیدا کیا اور میر نے تو اس صنف میں طبیعت کے وہ جوہر دکھائے کہ اس کی متاعِ سخن کا ہر کوئی خریدار ہو گیا۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ ریختہ میں غزل کی طرف شعراء کی توجہ رہی۔ قصیدہ میں سوائے سودا اور ذوق کے سخنورانِ عجم کی کوئی برابری نہ کر سکا۔ مثنویاں ایک دو سے زیادہ مقبول نہ ہو پائیں، رباعی میں کسی نے کوئی خاص شہرت پیدا نہ کی۔ غزل ہی کی گرم بازاری رہی اور اس کے خریداروں کی بھی کبھی کمی نہ تھی۔ کچھ عرصے سے اس کا رواج کم ہو چلا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ رفتہ رفتہ فراموش ہو جائے گی۔ کچھ تو زمانے کا بدلتا ہوا رنگ اور کچھ خود اس کی بگڑی ہوئی صورت نے اس کے قیام کو مشکوک کر دیا ہے وہ لوگوں کی نظر سے رفتہ رفتہ گرنے لگی ہے اور وہ دن دور نہیں ہے کہ بالکل مٹ جائے گی۔ سب سے پہلے جس نے موجودہ غزل کی خرابیوں کی طرف لوگوں کی توجہ کو پھیرا وہ مولانا حالی ہیں۔ اور خود ان کی زبردست مثال نے قدیم طرزِ غزل کے مشتاقوں کو نئی روشنی کی جھلک دکھا کر اپنا گرویدہ کر لیا۔ مولانا نے مسدس اور قومی نظمیں ایسی دلپذیر لکھیں کہ ان کی حلاوت نے غزل کی چاشنی کو پھیکا کر دیا لیکن مولانا کے متبعین اتباع کا حق ادا نہ کر سکے۔ ایک ایسی نظم نگاری کی بنیاد پڑ گئی جس نے شاعری کی رہی سہی آبرو کو خاک میں ملا دیا۔ نہ انہیں وہ طریقہ نظم لکھنے کا آیا نہ غزل ہی کی راہ پر قائم رہ سکے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

اب عام طور پر لوگوں کی توجہ ایک قسم کی ہرزہ سرائی کی جانب مائل ہو رہی ہے جسے "نیچرل شاعری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ غزل میں اگر فطری جذبات ادا کئے جائیں تو نیچرل کیوں نہ کہلائے۔ کیا نیچرل شاعری کے یہی معنی ہیں کہ درخت اور پہاڑوں کی مصنوعی اور مقلدانہ تعریف کی جائے؟ شاعری نیچرل وہی ہے جس کی بنیاد حقیقت پر ہو۔ سعدی و حافظ، نظیری و عرفی، میر و غالب کے کلام میں سینکڑوں اشعار ایسے ملیں گے جو بالکل نیچر کی تصویر ہیں اور زبان زدِ خلائق ہیں۔ برخلاف اس کے وہ نظمیں جن سے آئے دن رسالوں اور اخبارات کے صفحے سیاہ کئے جاتے ہیں۔ نہ تو عام طور پر نیچرل ہوتی ہیں اور نہ بسبب اپنی طوالت کے لوگوں کو یاد رہ سکتی ہیں۔ البتہ حضرت اقبال کا کلام مستثنیٰ ہے۔ ان کے پہلو میں شاعرانہ دل ہے اور انکی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

میرے خیال میں غزل ایک زینہ ہے جس کے طے کئے بغیر اور کسی قسم کی نظم میں دستگاہ پیدا کرنا دشوار ہے بلکہ محال۔ برسوں کی غزل گوئی کے بعد مولانا حالی اپنا مشہور مسدس لکھ سکے۔ حضرت اقبال بھی متعدد غزلیں لکھ چکے ہیں اور لسان العصر حضرت اکبر نے قدیم رنگ میں بہت سی غزلیں کہی ہیں۔

اس حقیر کی رائے یہ ہے کہ غزل کی طرف سے اہلِ سخن غافل نہ ہوں۔ البتہ اس صنف میں بہت اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے

جدت مضامین اور شستگیٔ الفاظ کا خیال رکھیں اور پیش پا افتادہ خیالات کے نظم کرنے سے پرہیز کریں۔ مقلدانہ طور پر تشبیہات سے محترز رہنا ضرور ہے۔ دلی جذبات اور حقائق کا اظہار کرنا چاہیئے۔ عاشقانہ مضامین کو غزل کا ایک جزو سمجھیں مگر جزو اعظم تصور نہ کریں۔ تہذیب موزا اشارات و کنایات سے یک قلم کلام کو پاک رکھیں۔ اگر یہ باتیں ملحوظ رکھی گئیں تو غزل میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ پھر "منیجرل نظموں"، کو لوگ بھول جائیں گے۔

غزل میں اختصار کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ تیرہ چودہ شعر کافی ہوتے ہیں۔ سترہ سے تو ہرگز متجاوز نہ ہونا چاہیئے۔ ایک غزل میں چار پانچ اچھے شعر نکلتے ہیں باقی زیادہ تر حشو و زواید سے پُر ہوتے ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ طولانی غزل سے صفحے پُر کیے جائیں۔ جن کے پڑھنے کو لوگ دردِ سر سمجھیں۔ اساتذہ عجم نے اپنی غزلیں عموماً مختصر لکھی ہیں۔ ہند میں بھی میرؔ، سوداؔ، دردؔ، مومنؔ، غالبؔ اور حالیؔ نے اسی طرز پر عمل کیا ہے۔ منشی امیر احمد مرحوم نے اپنے دلکش دیوان کو طولانی غزلوں سے بھر کر مذاق سلیم پر ظلم کیا ہے۔ اگر وہ اپنے پسندیدہ شعروں کو منتخب کر کے یکجا جمع کرتے تو اس کی دلفریبی کہیں بڑھ جاتی۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ غزل نہایت مختصر ہونی چاہیئے اور بھرتی کے شعروں سے پاک۔

گراں ہوتا ہے طبع شعر کو طول سخن وحشتؔ
اگر پُر لطف رکھنا ہے غزل کو مختصر کر دے

ایک اور بات جو غزل کی شان کو بڑھا دیتی ہے وہ اس کی زمین کا انتخاب ہے۔ پامال زمینوں میں خامہ فرسائی عبث ہے۔ جس طرح ہم کو اس کا حق نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے مضامین اپنے کلام میں نظم کریں اسی طرح ہم کو اس کا بھی اختیار نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اوروں کی زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ زمین کے انتخاب میں حسن طبع کی ضرورت ہے۔ مولانا اکبرؔ کے کلام میں ہم اس خصوصیت کو اکثر دیکھتے آئے ہیں کہ ان کی زمینیں انھیں کی ہوتی ہیں۔ اور ہمیشہ شگفتہ و سرسبز۔

مشق تغزل کے زمانے میں اساتذہ عجم کے کلام کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس سے طبیعت کو ایک خاص تحریک ہوتی اور فکر کا آئینہ گلہائے رنگا رنگ کی بوقلمونی سے عجب فیض اٹھاتا ہے (۱۹۱۲ء)۔

[منقول از۔ مضامینِ وحشتؔ مرتبہ جمال احمد صدیقی، کلکتہ، ص ۱۵۴ تا ۱۵۳]

عکسِ تحریر حضرتِ وحشتؔ بشکریہ پروفیسر عبدالسبحان

یوں ہی ماجرا دل ہوتا ہے کوئی دل شاد ہوتا ہے
نہ جانے کیا نگاہ ناز سے ارشاد ہوتا ہے

تمہیں اس کی بیاں عاشق ناشاد ہوتا ہے
اُسے برباد ہونے دو اگر برباد ہوتا ہے

وہ بسمل پر رکھتا ہے پر افشاں ذوقِ آزادی
قفس میں کشتۂ بے مہریٔ صیاد ہوتا ہے

زبانِ ناز تیرا میرے حق میں اک معما ہے
سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے کیا ارشاد ہوتا ہے

نمک افشاں ہوتے ہیں جب لب تبسم کے
دلوں زخم پر شور مبارکباد ہوتا ہے

اطاعت شیوہ دل کہتا ہے آنکھ جنبش لب پر
ترا ارشاد ہوتا ہے بجا ارشاد ہوتا ہے

عنایت کی نظر ہوتی ہے جس پر بندہ پرور کی
وہی پھر رفتہ رفتہ کشتۂ بیداد ہوتا ہے

لو ہوتی ہو اگر تم ہی رو تم ساقی لبنا ہیں
کہاں تم کو سبق مہر و وفا کا یاد ہوتا ہے

یوں ہی کوشش تو آتو گماں ہوتا ہے راحت کا
اگر نالہ کروں تو شکوۂ بیداد ہوتا ہے

ہماری طبع جب موزوں ہے جدت آفریں وحشتؔ
نیا انداز فن شعر میں ایجاد ہوتا ہے

غصہ اور اس کے نتائج

رضا علی وحشت

یہ مضمون وحشت صاحب کی نایاب و نادر نثریات میں سے ایک ہے۔ یہ مضمون اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ مضامین وحشت مرتبہ جمال صدیقی میں یہ شامل نہیں ہے نیز وحشت کی مقالہ نگاری کا جہاں کہیں بھی ذکر ہوا ہے اسکا کوئی تذکرہ نہیں آیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ شمس کلکتہ کی جلد اول، شمارہ ۳ دسمبر، ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا تھا جسے ارباب ذوق کے مطالعہ کیلئے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ اصلاحی و طبی نوعیت کا ہے لیکن اسکی ادبیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ملاحظہ ہو ــــ ادارہ

غصّہ کا مفہوم اردو میں مزاج کی اس حالت کا ذکر ہے جس سے ناراضی ظاہر کی جائے اور اس ناراضی کا طریقۂ اظہار پُردرشتی آمیز ہو۔ ضرور نہیں ہے کہ یہ اظہار لفظوں کی صورت میں ہو۔ جبیں آلود پیشانی تنتی ہوئی بھویں شعلہ خیز نگاہیں یہ سب مختلف شکلیں ہیں جس سے خفگی کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض حالتوں میں معمولی بشاشت کا چہرہ سے دور ہونا اور گفتگو سے زبان کا روک لینا کافی دلیلیں ہیں۔ فارسی میں لفظ غصّہ سے عموماً رنج و غم مراد لیتے ہیں۔ ہمیں اس مضمون میں غصّہ کے اردو مفہوم سے بحث ہے۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ غصّہ ایک نہایت مذموم عادت ہے جس سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے۔ جتنی سطریں کہ غصّہ کی بیان کی گئی ہیں فصاحت سے خالی نہیں ہمیں دکھانا صرف یہی ہے کہ غصّہ مذموم کیوں ٹھہرا یا یوں کہئے کہ غصّہ کیا کیا برے نتائج ہیں غصہ سے جو ضرر کہ پیدا ہوتا ہے تمام لوگ سے واقف نہیں ہوتے۔

غصہ سے صحت کو نقصان پہونچتا ہے۔ طرح طرح کے امراض جو دماغی محنت پر محمول کئے جاتے ہیں اگر غور کی جائے تو ظاہر ہوگا کہ ان کا وجود اس سبب سے ہے کہ ہم ان قوتوں کی ماہیت سے جن سے ہمکو سروکار رہتا ہے غافل ہیں۔ ہر قسم کی دماغی تحریک کسی قدر قوت کو زائل کرتی ہے اور چونکہ ہر شخص میں جسمانی اور دماغی قوت جسم کی ساخت کے اندازے سے ودیعت کی گئی ہے اس لئے ضرور ہے کہ ہم اس قوت کے صرف کرنے میں کفایت سے کام لیں۔ جس قدر صرف کرنا نہایت ضروری ہو اسی قدر صرف کریں اور قوت کو ضائع نہ ہونے دیں۔ دماغ کو یہ قوت حاصل ہے کہ بغیر جسم کی حرکت کے بعض کیفیتیں اور حالتیں پیدا کرے یہ صحیح ہے کہ جسمانی امراض سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور دل میں افسردگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ بھی غلط نہیں ہے کہ دماغی اندوہ و ضعف بلا کسی جسمانی مرض یا خلل اندازی کے پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی ایک خیال کے یکایک پیدا ہو جانے سے نہایت ہی جسیم اور توانا شخص نکما ہو جا سکتا ہے۔ بعضوں کی جانیں نکل گئی ہیں۔ یہ دماغی تحریک یا صحت افزا ہو یا بربادکن صحت۔ مثلاً خوشی سے صحت کو ترقی ہوتی ہے اور رنج سے ضرر۔ ہاں دماغی تحریکوں کا اثر فوراً نمایاں ہونا منحصر ہے دوسری حالتوں پر مثلاً ایک تحریک کی شدت اور اس کی مدت اور انسان کی جسمانی تندرستی اور طاقت مگر ایک کمزور آدمی کو جلد مضمحل کر دیتی ہے اور توانا شخص کو آہستہ آہستہ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ضرر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ قدرت کے قائل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہمت، حوصلہ، خوشی، خوش طبعی یہ سب موید صحت ہیں اور رنج و غم غصہ بدمزاجی یاس یہ سب مزیل صحت ہیں جسے ہمکو بحث ہے اور ہم اس کے نقصانات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ غصہ چمن زندگانی کے لئے باد خزاں ہے۔ خوشی اور مسرت کے دروازے کو بند کر دیتا ہے۔ اور چشمۂ حیات کو ایک گندہ آبشار بنا دیتا ہے۔ جس کو زندگی عزیز ہے اس کو لازم ہے کہ اس زہر قاتل سے اپنے کو دور رکھے۔ یکایک ایک بات پر شعلۂ غضب کا بھڑک اٹھنا بجلی کی سرعت کے ساتھ ایسا کام کر جاتا ہے۔ جسم کا فعل معطل ہو جاتا ہے یا اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ جسم اس کا متحمل نہیں ہوتا۔ جہاں غصہ پیدا ہوا ایک حرارت جسم میں دوڑ گئی۔ حواس ٹھکانے نہ رہے۔ بالکل جنون کی سی کیفیت ہو گئی، خون میں ایک زہریلا اثر پیدا ہو گیا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شدید غصے کی حالت میں شیر مادر زہر ہو گیا ہے۔ غصہ کی عادت ایک قسم کی خودکشی ہے۔ یہ نقصان ذاتی ہوا اور خفگی کا اظہار جس پر ہوا اس کی دل شکنی ہو گئی۔ غرض زیان ہی زیان ہے۔

غصہ اگر کسی ایسے شخص پر دکھایا گیا جو مساوات کا درجہ رکھتا ہے تو یقین ہے جواب ترکی بہ ترکی ملے گا اور بات بڑھتی جائے گی۔ عجب نہیں کہ نوبت دست و گریباں کی پہنچے اور اس سے بھی تجاوز کر جائے

اپنے سے طاقتور اور افضل درجے کے آدمی کے ساتھ غصہ کرنا ہر شخص سے نہیں ہو سکتا اور یہ انتہا درجے کی بزدلی ہے کہ ایسے شخص کی دل آزاری کی جائے جو کمزور ہے اور جو زور آور ہیں ان سے احتیاط برتی جائے تیغ زبان کے زخم ہمیشہ گہرے پڑتے ہیں۔ انکی چوٹ دلوں میں مدتوں رہتی ہے بعض لوگ ایسے بدمزاج ہوتے ہیں کہ جب دیکھئے انکی جبیں پر بل ہے اور ہر بات پر بگڑتے ہیں اور یوں اپنے جسم کے جوہر کو ضائع کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی محبت کبھی کسی کے دل میں نہیں بیٹھتی اور ہمیشہ اپنی آگ میں آپ جلتے ہیں ؎ گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

دوست نے اگر دوست پر غصہ کیا تو مدتوں کی دوستی پر پانی پھر گیا اگر تمہارا کوئی دوست ہے اور اس کے مزاج میں غصہ زیادہ ہے تو یقین رکھو دوستی ہرگز قائم نہ رہے گی۔ اگر کسی بات پر تمہارا دوست غصہ ظاہر کرے تو تم اسکی دوستی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ تحمل کی عادت ڈالنی اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔ رنجش کے اسباب کثیر ہیں کہاں تک کوئی بات بات پر غصہ کر کے اپنے کو مصیبت میں ڈالتا رہے۔ درگذر کرنے کی عادت ایک مبارک خصلت ہے اور انساں بغیر اسکے انسانیت کے اصلی مفہوم سے عاری ہے۔

اپنی عزت کا پاس ہر ذی عزت کو لازم ہے اور تحمل کے بغیر یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اپنی برہمیٔ مزاج کا تماشا اوروں کو دکھائیں تو کیا ہم کو وہ نہ دکھائیں گے ؎

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسے کہے ویسی سنے

اگر کوئی شخص تم پر غصہ کرے تو بشرط امکان درگذر کرنے کی کوشش کرو۔ ممکن ہے کہ تمہاری زبان شیریں اس کے غصہ کو زائل کر دے۔ یہ جوانمردی نہیں کہ تم اس سے لڑ پڑو اور آخر کو ذلیل ہو کیونکہ دو شخص جب آپس میں لڑنے لگتے ہیں تو دونوں ذلیل نظر آتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنی ہمت سے کام نہ لو مگر اظہار ہمت کیلئے محل اور موقع ہیں ؎ نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

ایک نکتہ جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ جو کام انسان کرتا ہے کسی غرض سے کرتا ہے۔ کچھ نہ کچھ فائدہ ہر فعل میں متصور ہے۔ غصے سے بھی کوئی فائدہ مترتب ہوتا ہے؟ اگر کسی سے کوئی کام نکالنا منظور ہو تو بھلا غصے کا اظہار سود مند ہو سکے گا؟ اپنی صحت کو بگاڑنا اور پھر دلوں کا رنجیدہ کرنا کسی طرح بھی روا ہو سکتا ہے؟

؎ نمی زیبد ترا کارے کہ از وے منفعل گردی
ببیں در شان خود تا حشر کرو بیان یبنی

تندخوئی سے آدمی آدمی کو اپنا دشمن بناتا ہے۔ یہاں امن اور آسائش کسے ہے کہ دشمن پیدا کر کے مصیبتوں میں اور اضافہ کرے ؎

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل بیار آرد
نہال دشمنی بر کن کہ رنج بے شمار آرد

غصے کو دور کر کے ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنی زندگی کے طریق کو ایسا بنائیں کہ کسی کو موقع نہ ہو کہ ہمکو خفگی دکھلائے ؎

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا ■■

وحشت کی درس گاہ
مدرسہ عالیہ کلکتہ
اس تعلیمی ادارے نے ۱۹۱۷ء میں انھیں ایک استقبالیہ دیا تھا جہاں انھوں نے ایک معرکتہ الآرا نظم سنائی تھی جس کا پہلا مصرعہ ہے
ہو گئے پھر وصل سارے سلسلے ٹوٹے ہوئے

وحشت: مکاتیب کے آئینے میں

ڈاکٹر مظفر حنفی

خطوط کو نصف ملاقات کہا گیا ہے۔ اچھے خط کی پہچان یہ ہے کہ ملاقات کی اکثر اعراض کو پورا کرے۔ خالصتاً کاروباری خطوط میں صرف متعلقہ افراد کی دلچسپی کا سامان ہوتا ہے، لیکن شب و روز کی تمام زندگی کا عکس پیش کرنے والے مکاتیب میں عام لوگوں کی دلچسپی کے اسباب بھی فراہم ہو جاتے ہیں اور اس قسم کے خطوط آپ ہی آپ توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں۔ جب ادیب و شاعر اس قسم کے خط لکھتے ہیں تو ادبیت کی آمیزش کی بنا پر ان کی دلچسپی اور افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

خطوط میں زندگی اپنے حقیقی خد و خال میں جیتی جاگتی نظر آتی ہے۔ مشاہیر کے خطوط ان کی سوانح حیات اور شخصیت کے ارتقاء سے متعلق نہایت قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں۔ یہ مواد خود نوشت سوانح عمریوں میں بھی مل سکتا ہے لیکن خود نوشت سوانح اور خطوط نگاری میں بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر کے بارے میں قطعی طور پر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ سوانح نگار نے اپنے حالات زندگی کم و کاست پیش کئے ہوں گے کیونکہ انسان اپنی فطری کمزوریوں کو منظر عام پر لانے کا عادی نہیں ہوتا اور حتی الامکان اپنے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، تصنع اور خود نمائی اس کی فطرت ہوتی ہے اس طرح خود نوشت سوانح حیات میں احتیاط، دروغ بافی، مصلحت کوشی اور خود ستائی کی آمیزش ہو جاتی ہے جبکہ نجی خطوط اس قسم کی احتیاط اور خود نمائی سے پاک ہوتے ہیں۔ بقول مولوی عبدالحق:

"خطوں کی یہی سادگی اور بے ریائی ہے جو دوسروں کو لبھاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خطوط سے انسان کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے وہ دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ خطوں میں کاتب، مکتوب الیہ سے بلکہ اکثر اوقات اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنا دل کاغذ کے ٹکڑے پر نکال کر رکھ دیتا ہے۔" (خطوط کی اہمیت۔ مولوی عبدالحق بشمولہ خطوط۔ مرتبہ: مہیش پرساد، ص ۲)

ادبی شخصیتوں کے خطوط اس لئے بھی اہم ہوتے ہیں کہ ان میں ادبی مسائل کا ذکر اور فنکاروں کے شخصی نظریات اور افکار کی جھلک بھی نظر آ جاتی ہے یا پھر افادیت، ادبیت اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ ان خطوں کے وسیلے سے فنکار کی تخلیقات اور تصنیفات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان میں بے شمار ایسے نکات شامل ہوتے ہیں جو متعلقہ فنکار کے فن کو سمجھنے سمجھانے میں معاون ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے ادب میں ایسے خطوط کو ایک قیمتی ادبی سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ یوں تو عام لوگ اور سبھی فنکار اپنی زندگی میں ہزاروں خط لکھتے ہیں لیکن ان سب کو خطوط کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ صرف ایسے فن کاروں کے خطوط ادبی اہمیت رکھتے ہیں جو حقائق کے انکشاف کے ساتھ اپنی تحریر میں دلکش اسلوب بھی اختیار کرتے ہیں۔

علامہ رضا علی وحشت کلکتوی نے اپنی زندگی میں یقیناً ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے لیکن ان کے انتقال سے غالباً چند ماہ قبل "بزم شاکری"، کلکتہ کی جانب سے شمس الدین احمد عازم کے مرتبہ اور شائع کردہ مکاتیب وحشت میں کل ایک سو بیاسی (۱۸۲) خطوط شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً تیئیس (۲۳) اشخاص کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ تمام اشخاص بہ استثنائے چند مکتوب نویس سے چھوٹے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو علامہ وحشت سے شرف تلمذ حاصل ہے اور ان کے نام مکاتیب میں ایک سنبھلی سنبھلی محتاط کیفیت پائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ عمر اور مرتبے میں بزرگانہ حیثیت رکھنے کی وجہ سے وحشت ان خطوط میں زیادہ بے تکلفی سے کام نہ لے سکتے تھے۔ وحشت کے فن پر غالب کے اثر کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے اور خود وحشت نے بھی کئی مقامات پر غالب سے اثرات قبول کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ غالب نے طرز بیدل میں ریختہ کہنے کو قیامت سے تعبیر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں طرز غالب میں ریختہ کہنا اس سے بڑی قیامت تھی جس سے علامہ وحشت کامیابی کے ساتھ گذر گئے لیکن مکاتیب وحشت کا مطالعہ اس دلچسپ حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ وحشت نے اپنے خطوط پر غالب کی مکتوب نگاری کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی۔ غالب کی طرح انھوں نے نہ تو القاب و آداب میں کوئی ندرت برتی نہ مکالماتی اسلوب سے کام لیا اور نہ ہی ظریفانہ انداز بیان اختیار کر کے اپنے خطوط کو شگفتہ بنانے کی کوشش کی۔

مکاتیب وحشت میں قدیم ترین مکتوب ۸ جنوری ۱۹۲۲ء کا ہے۔ یہ خط عبدالعلی مسند بلوی کے نام ہے۔ تاریخی اعتبار سے مجموعے کا آخری خط طاہر علی شاکر کے نام ۵ مارچ

50

۱۹۵۵ء کو لکھا گیا ہے۔ غالب کے جو خطوط تا حال دستیاب ہو سکے ہیں وہ سب کم بیش اس دور کے ہیں جب غالب پچاس سال کی عمر پار کر چکے تھے۔ چنانچہ ان مکاتیب میں امراض کی تفصیل اور قویٰ کے اضمحلال کا تذکرہ اکثر در آتا ہے۔ بایں ہمہ غالب اپنے اوپر ہنس کر ان خطوط کو گریۂ مسکین کی سطح سے بلند کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، مکاتیب وحشت کا قدیم ترین خط ۸ر جنوری ۱۹۲۲ء کا ہے اس وقت علامہ وحشت کی عمر کم و بیش چالیس سال تھی۔ اس اعتبار سے ان خطوط میں غالب کی بہ نسبت ایک زیادہ چاق و چوبند اور توانا شخصیت سے ملاقات کی توقع کی جا سکتی تھی لیکن صورت حال اس کے قطعی برعکس ہے۔ یہاں ہماری ملاقات ایک دل شکستہ پریشاں حال، گوشہ گیر اور تقریباً دائم المریض شاعر سے ہوتی ہے۔ یہ مزاجوں کا فرق ہے۔ اس تضاد کی ایک وجہ اور سمجھ میں آتی ہے۔ ہر چند کہ ابتدا میں غالب، اپنے خطوط کی اشاعت پر آمادہ نہ تھے اور احباب کو اپنے مکاتیب مرتب کر کے شائع کرنے سے منع کرتے رہتے تھے لیکن کچھ ہی عرصے بعد ان کے رویے میں ایک نمایاں اور حیرت انگیز تبدیلی نظر آتی ہے اور وہ اپنے خطوط کی اشاعت کے لئے بے قراری کا اظہار کرتے پائے جاتے ہیں میرا خیال ہے، ان دونوں صورتوں کی درمیانی مدت میں غالب نے اپنے خطوط کی نوک پلک ضرور درست کی ہوگی اور خصوصاً اس عرصے میں لکھے جانے والے خطوط کو شعوری طور پر ادبی چاشنی تو ضرور ہی عطا کی ہوگی پھر یہ بھی ہے کہ غالب کے خطوط جمع کرنے کا کام کافی پہلے سے چلتا رہا ہے اور ان کے مرتبین میں ایک سے ایک بڑا محقق موجود ہے پھر غالب کے مکتوب الیہوں اور مخاطبوں میں خورد و کلاں، ریاستوں کے حکمراں اور رؤسا، شاگرد و ہم عصر، الغرض مختلف المزاج اور مختلف العمر افراد شامل ہیں جن کے ساتھ تعلقات کی نوعیتیں بھی مختلف ہیں۔ اسلئے مکاتیب غالب میں فطری طور پر مضامین اور اسالیب کا تنوع ہونا بھی چاہیئے تھا۔ علامہ وحشت بھی اولاً اپنے مکاتیب کی تدوین و اشاعت کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ محمد عارف وامق کو ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کے خط میں لکھتے ہیں

"یہ معلوم کر کے کہ ارکان بزم شاکری کا ارادہ ہے کہ میرے مکتوبات کا مجموعہ شائع کریں۔ انکو جو عقیدت مجھ سے ہے، وہ پُرزور طریقے سے ظاہر ہوئی اگرچہ یوں بھی ظاہر تھی۔ عقیدت کے بھی تقاضے عجیب ہوتے ہیں کسی بات کا امکان یا عدم امکان قابل غور بھی نہیں سمجھا جاتا۔ میرے عزیز! کچھ بھلے برے اشعار میں نے ضرور کہے ہیں جنھیں چالیس پچاس سال ہوئے کچھ لوگوں نے پسند کیا تھا لیکن مجھے اکابرین عصر اور دیگر شعراء سے خط و کتابت کرنے کی عادت کبھی نہ تھی میں اس معاملے میں قدرتی طور پر کوتاہ قلم واقع ہوا ہوں۔ میرے پاس جتنے خط آتے ہیں میں ان کے جواب لکھنے کے بعد ان کو نذر آتش کر دیتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اور حضرات بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے۔
"بعض لوگ خطوط خوب لکھتے ہیں جن میں مزے مزے کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایسے خطوط اگر چھاپے جائیں تو مطبوع طبائع ہوں۔ میں بہت خوش ہوں گا اگر بزم شاکری اپنے ارادے کو جو قابل عمل ہے ترک کر دے۔"

(مکاتیب وحشت ص ۱۲۰-۱۲۱)

مجھے خوشی ہے کہ بزم شاکری نے ایسا ارادہ ترک نہیں کیا اور مکاتیب وحشت کی اشاعت پر اصرار کرتی رہی جس کے نتیجے میں وحشت کو سپر انداز ہو کر لکھنا پڑا:

"بزم شاکری اس پر مصر ہے کہ میرے مکتوبات شائع کئے جائیں۔ میں اب کچھ نہیں کہوں گا اگر میرے مکتوبات جو بہت کم بھی تھے اور نایاب ہیں، آپ کو مل سکیں تو اپنی خواہش پوری کیجئے۔"

(مکتوب بنام محمد عارف وامق مورخہ ۴ر نومبر ۱۹۵۲ء مکاتیب وحشت ص۱۲۲)

۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۶ء چار سال کی طویل مدت میں مرتب اور اراکین بزم شاکری وحشت کے کل ایک سو بیاسی خطوط یکجا کر سکے جس سے مکتوب نگار کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر کوتاہ قلم تھے۔ یہ کوتاہ قلمی حاصل شدہ مکاتیب میں بھی نظر آتی ہے۔ جہاں طول کلامی اور رنگینی بیانی سے گریز کرتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں اظہار مدعا کی کاوش کی گئی ہے۔ اس اختصار اور سادگی کی وجہ سے مکاتیب وحشت میں ادبیت کی بھرپور شان پیدا نہیں ہو سکی۔ ان خطوط کا دائرہ وحشت کی زندگی کے کم و بیش تینتیس ۳۳ آخری برسوں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ خطوط ہمیں ان اسباب سے بھی آگاہ کرتے ہیں جنہوں نے وحشت کی شخصیت میں افسردگی، گوشہ گیری اور بے دلی کی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کا لازمی نتیجہ کوتاہ قلمی کی شکل میں برآمد ہوا۔ ظفر ہاشمی جو غالباً کلکتہ اور ڈھاکہ سے باہر کے واحد مکتوب الیہ ہیں، کے نام اکثر خطوط میں وحشت نے اپنے بڑے بیٹے علی حیدر کے پاگل پن کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ۶ر مارچ ۱۹۲۸ء کے خط میں رقم طراز ہیں:

"میں افکار گوناگوں میں گرفتار ہوں۔ لڑکا میرا علی حیدر جس سے آپ واقف ہیں، پاگل خانے میں ہے۔ ابتدائے فروری سے اسکی حالت بگڑنی شروع ہوئی اور عید کے دن رانچی سے جہاں پر پاگل خانہ ہے، خط آیا کہ اسکی حالت بہت خراب ہے۔ میں اسی شب کو رانچی روانہ ہو گیا اور پہنچ کر دیکھا کہ بالکل مدہوش ہو بیٹھا ہے۔ مجھے پہچانا بھی نہیں۔ اسکے ناقابل علاج مرض نے دل کو مایوس کر رکھا ہے۔ یہ صدمہ تو ہے ہی، مزید برآں مالی دقتوں کا بھی سامنا ہے اور یہ دقت عموماً بہت حوصلہ فرسا ہوا کرتی ہے۔ اس پر کاموں کی وہ کثرت ہے کہ اللہ تری پناہ۔ کالج اور امتحانات کے علاوہ خطوں کے جواب، غزلوں کی اصلاح، احباب کے مراسم ان سب

کے لئے وقت نکالنا خصوصاً جب دل ٹھکانے نہ ہو، اس قدر مشکل ہے کہ میں ہی جانتا ہوں ۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو جینے کے ہاتھوں مر چلے

شعر و شاعری سے مدت ہوئی کہ دل بیزار ہے ۔ عہد شباب میں شوق تھا اور شباب کے ساتھ ہی شوق جاتا رہا ۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

افسوس ہے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کو اپنا استاد بنایا جس کا دل افسردہ آپ کے جوشِ طبیعت کی قدر کامل طور پر نہیں کر سکتا ۔" (مکاتیب وحشت ص ۷۶)

بے شک صاحب اولاد اس درد کو محسوس کر سکتا ہے جو بیٹے کے جنون کے رنج میں مبتلا ہونے کی صورت میں باپ کے دل کو تڑپ دیتا رہتا ہے ۔ ظفر ہاشمی کے نام خطوط میں علی حیدر کے اس پاگل پن کی روداد بیان کی گئی ہے مثلاً

" علی حیدر سلمہٗ کا مرض ایسا نہیں کہ آسانی علاج پذیر ہو سوائے دعا کے اور کوئی صورت نہیں ہے ۔ آخر مارچ سے کوئی خبر ہسپتال سے نہیں آئی ہے غالباً حالت اسکی بدستور خراب ہے ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۰)

دوسرے خط میں لکھتے ہیں

" عزیزم علی حیدر کا حال ہسپتال میں روز بروز خراب ہوتا گیا ۔ اس لئے کلکتے لایا گیا لیکن بقول شاعر ۔

دو کوہ رنج و عہد الست جان مجنوں را
بلائے فرقتِ لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ

پہلے جدائی سے دل کڑھتا تھا اب اس کا حال دیکھ کر دل اداس ہے دن بھر ایک ہنگامہ مچا رہتا ہے کسی کو ذرا چین نہیں ہے ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۱)

ظفر ہاشمی کے نام کچھ اور مکاتیب سے اقتباسات :

" علی حیدر سلمہٗ کا بیان کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ اسکی طبیعت میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں جس سے اندیشہ بھی ہوتا ہے ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۳)

" علی حیدر کی طبیعت پھر مائل بہ خرابی ہے ۔ وہی آثار نظر آ رہے ہیں جو میرے لئے مکرر دشمن سکون ثابت ہو چکے ہیں ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۶)

" آپ نے اضطرابی تشویش سے علی حیدر سلمہٗ کا حال بہ واپسی ڈاک لکھنے کو کہا تھا لیکن یہاں یہ حال ہے :

دی روز پریشانی خود را بتو گفتم
امروز پریشاں ترا آنم کہ تواں گفت

اس آفت زدہ کا وہی حال ہے ۔ میرا سارا دار و مدار دعا پر ہے ۔"
(مکاتیب وحشت ص ۸۶ ـ ۸۷)

" عزیزم علی حیدر سلمہٗ کا حال قابل اطمینان نہیں ہے لیکن رانچی بھجوانا بھی خالی از دقت نہیں ہے ۔ وہاں بھیجنے سے پہلے مجسٹریٹ سے حکم لینا پڑتا ہے اور یہ حکم تب ہی ملتا ہے کہ جب پوری طرح ثابت کر دیا جائے کہ یہ مجنوں خطرناک ہے ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۸)

" افسوس ہے کہ میں اس وقت انتہائی افسردگی کے عالم میں ہوں اور شعر و سخن سے یک لخت قطع تعلق ہے ۔ دماغ بالکل معطل اور حواس پریشان ۔ علی حیدر کی شوریدہ سری حد کو پہونچ گئی ہے اور آخر فوراً ہی ہسپتال بھیجنا پڑا ۔" (مکاتیب وحشت ص ۸۹)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اس عظیم کرب و اندوہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس سے وحشت اس دور میں دوچار تھے ۔ حتیٰ کہ صورت حال اس حد تک تلخ ہو گئی کہ اپنے مکتوب بنام ظفر ہاشمی مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء لکھتے ہیں :

" جب آپ کلکتہ آئے تھے اس وقت بھی میں کم پریشان نہ تھا لیکن ایک غیر معمولی کوشش سے میں نے اپنی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی ۔ میں جس حال میں ہوں اسکے متعلق مزید سوالات نہ کیجئے کیونکہ جواب دینا باعث تکلیف ہوگا ۔" (مکاتیب وحشت ص ۹۱)

۲۹ اپریل ۱۹۳۷ء کو ظفر ہاشمی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ :

" علی حیدر کے جنون میں پھر جوش آیا اور اسے پھر رانچی روانہ کیا ۔" (مکاتیب وحشت ص ۹۲)

الغرض وحشت بیٹے کے پاگل پن کا صدمہ مسلسل ۱۹۴۹ء تک جھیلتے رہے ۔ مکاتیب وحشت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے چند مرتبہ علاج کے لئے رانچی ہسپتال میں داخل کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ بہار میں ایک بزرگ کے مزار پر بھی لے جایا گیا اور بالآخر ۲ فروری ۱۹۴۹ء کے مکتوب بنام ظفر ہاشمی سے پتہ چلتا ہے :

" بڑا لڑکا علی حیدر عالم جنوں میں گھر سے نکل گیا اور تین مہینے سے مفقود الخبر ہے ۔" (مکاتیب وحشت ص ۱۰۹)

اور اس سلسلے کی آخری اطلاع، پروفیسر ارشد کاکوی کے نام خط میں ملتی ہے جو ۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو لکھا گیا ہے ۔ یہ واقعہ بھی انتہائی المناک ہے ۔ لکھتے ہیں :

" آپ نے اس شعر کو معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے جو میرے جنون

زدہ لڑکے کے پابہ زنجیر ہونے سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری ایک غزل ہے جس کا مطلع اور ایک شعر یہ ہیں ؎

نہ شوقِ میکدہ چھوٹا نہ سودائے حرم چھوٹا
ہمیں جس شغل کا چسکہ پڑا وہ ہم سے کم چھوٹا

ہمارے پاؤں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا

جب لڑکے کو زنجیر پہنائی گئی تو اس نے میری طرف دیکھا اور میرا شعر:

ہمارے پاؤں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی

جو اسے یاد تھا، مجھے پڑھ کر سنایا۔ میرے کئی احباب جو اس وقت موجود تھے، ان پر عجب اثر ہوا، یہ جنون زدہ لڑکا جو مفقود الخبر ہے، قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۹۴۹ء کے ہندو مسلم فساد میں جو عاشورۂ محرم کے دن وقوع میں آیا تھا، ہلاک ہوا۔" (مکاتیب وحشت ص ۱۲۵، ۱۲۶)

بیس برس سے زیادہ طویل مدت تک اس جلجاں میں مبتلا رہنے کے بعد غالباً ۱۹۴۹ء کے اواخر میں وحشت کو ہجرت کے المیے کا شکار ہونا پڑا کیونکہ ڈھاکہ سے ان کا پہلا خط پروفیسر عباس علی بیخود کے نام ۱۰ر جنوری ۱۹۵۰ء کو لکھا گیا۔ کلکتے کے مستقل قیام کے دوران انھوں نے آخری خط ظفر ہاشمی کے نام لکھا تھا جو ۱۳ر اپریل ۴۹ء کی تحریر ہے۔ اس کے بعد ۳۱ر اگست ۱۹۵۰ء کے مکتوب بنام ظفر ہاشمی سے ان کے مشرقی پاکستان منتقل ہو جانے کی اطلاع ملتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"خدا کا شکر ہے کہ چھوٹے ہوئے پھر ملے، اگرچہ یہ ملنا ملاقات نہیں ہے پھر بھی بہت کچھ ہے۔ محبت نامے سے معلوم ہوا کہ میری جستجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اب آپ کو نوید مسرت ملی کہ آپکا وحشت زندہ ہے۔ میں زندہ ہوں لیکن زندگی کے جو معنی ہیں ان کا صحیح اطلاق مجھ پر نہیں ہوتا۔ ضعفِ پیری مستقل ہے اور پھر اس پر حالات کی نامساعدت اضافہ۔ مہرپور میں میں اپنے لڑکے علی حسن سلمہٗ کے ساتھ ہوں جو یہاں ایس۔ ڈی۔ او (S.D.O.) ہے۔ باقی کنبہ ڈھاکہ میں ہے۔ یہاں میری صحت اچھی نہیں ہے۔ ایک مہینہ بعد ڈھاکہ واپس جانے کا ارادہ ہے۔"

(مکاتیب وحشت ص ۱۱۱)

اس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے کہ علامہ وحشت نے ۱۳ر اپریل ۱۹۴۹ء اور ۱۰ر جنوری ۱۹۵۰ء کے درمیان کبھی اپنے وطن کلکتہ سے مشرقی پاکستان کو ہجرت کی تھی۔ غالب تو دلی کے تھے اور کلکتے کے ذکر پر ان کے دل سے ہائے نکلا کرتی تھی۔ وحشت کی

کلکتہ سے ذہنی و جذباتی وابستگی کا اندازہ ان کے مکاتیب سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد لکھے جاتے والے اکثر مکاتیب میں انھوں نے اپنے اس دلی کرب کا اظہار کیا ہے اور بار بار کلکتہ کو یاد کرتے دکھائی پڑتے ہیں۔ چنانچہ بیخود صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

"ملنے والے میرے یہاں متعدد ہیں لیکن وہ خلوص جو مجھے کلکتے کے محبانِ عزیز میں ملتا تھا اس کا یہاں فقدان ہے۔ تکلف کی ملاقاتیں دل کو راحت نہیں پہونچاتیں۔ کلکتہ کی بات کلکتہ کے ساتھ گئی۔"

(مکاتیب وحشت ص ۱۲)

ڈھاکہ میں ان کی طبیعت اتنی اکتائی ہوئی رہتی ہے کہ لوگوں سے ملنے جلنے میں بھی بیزاری محسوس کرتے ہیں چنانچہ ۱۶ر جون ۱۹۵۲ء کے خط میں بیخود صاحب کو مطلع کرتے ہیں:

"رمضان کا مہینہ مبارک ہے کہ اس میں ملاقاتیں نہیں ہوتے مجھے آرام ملتا ہے۔ یہاں اس مہینے میں کم لوگ دوست احباب سے ملنے کو نکلتے ہیں اور یہ بھی میرے لئے راحت کا سبب ہے کیونکہ ان رسمی ملاقاتوں میں مجھے مزہ نہیں آتا جن سے ملنا میری دلی مسرت کا باعث ہوتا ہے انھیں تو میں کلکتہ میں چھوڑ آیا۔" (مکاتیب وحشت ص ۲۶۔۲۵)

اسی قسم کے جذبات اور احساسات کا اظہار ۱۹ر جون ۱۹۵۳ء کے مکتوب بنام بیخود میں ہے:۔ "کلکتہ پہونچ کر آپ نے اور متعلقین نے ایک خوش آئند فضا اپنے گرد دیکھی جس سے ہر قسم کا فائدہ محسوس ہوا۔ بات یہ ہے کہ کلکتہ کے رہنے والوں کے لئے کوئی خاطر خواہ جگہ نہیں ہے اور یہ میرا عقیدۂ راسخ ہے۔"

(مکاتیب وحشت ص ۳۴)

دوسرے افراد کے نام خطوط میں بھی ایسی ہی باتوں کے تذکرے جا بجا نظر آتے ہیں۔ بیخود صاحب کے نام ایک خط میں ایک قطعہ بھی ملتا ہے جس سے دیارِ غیر میں وحشت کی وحشت زدگی کا احساس ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

زمینِ ڈھاکہ نے کی قلب پر افسردگی طاری
ہوا خلوت نشیں میں اور شوقِ انجمن چھوٹا
وطن اور وہ بھی کلکتہ غضب تھا چھوڑنا اس کا
قیامت ہو گئی وحشت سے وحشت کا وطن چھوٹا

(مکاتیب وحشت: ص ۴۵-۴۶)

خطوط کے مجموعہ میں شامل بہ اعتبار تاریخ آخری مکتوب وحشت، طاہر علی شاکر کے نام ہے جو ۵ر مارچ ۱۹۵۵ء کو لکھا گیا ہے اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ۱۹۵۶ء

میں وہ اس دار فانی کو خیرباد کہہ گئے۔ ہجرت کے بعد مختلف مکتوب الیہم کے خطوط میں وحشتؔ نے لگاتار اپنے ضعف بصر، ناتوانی و لاغری، ذیابیطس کے مرض اور دوسری بیماریوں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے غمزدہ وحشتؔ جن کا دل بیٹے کے پاگل پن اور بعد ازاں اس کی شہادت سے یوں ہی چھلنی تھا، اپنے وطن سے ہجرت اور مخلص احباب کی مفارقت کی تاب نہ لا سکا اور ان کی صحت نے مستقلاً جواب دے دیا۔ یاد دلاتا چلوں گا کہ وطن سے ہجرت کے وقت وحشتؔ کی عمر کم و بیش ستر برس کی ہو چکی تھی۔ ان حالات میں مکاتیب وحشتؔ میں شگفتگی و رنگین بیانی کی تلاش و توقع میرے خیال میں نامناسب ہے۔ اپنی اس کسمپرسی اور امراض کی کثرت کے باوجود وحشتؔ نے کلکتہ آنے کے لئے کم از کم تین مواقع نکال ہی لئے۔ چنانچہ ۹ فروری ۱۹۵۳ء کو طاہر علی شاکر کو مطلع فرماتے ہیں:

"میں آج کلکتہ روانہ ہو رہا ہوں۔ محمود صاحب ۱۵ فروری کو ایک نہایت مختصر بزم سخن منعقد کریں گے جس میں آپ کی شرکت ہوگی۔ انشاء اللہ مخلصوں کی ملاقات نصیب ہوگی۔" (مکاتیب وحشت، ص ۵۷)

محمود صاحب کے نام مکتوب مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء میں بخیر و عافیت ڈھاکہ واپس ہو جانے کی اطلاع ملتی ہے۔ دوسری بار کلکتہ آمد کی خبر محمود صاحب کے نام خط میں دی گئی ہے جو ۲ نومبر ۱۹۵۳ء کا لکھا ہے۔ اسی خط میں پروفیسر محمود صاحب کے یہاں احباب کی ایک مختصر نشست ۵ نومبر ۱۹۵۳ء کو منعقد کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی گئی ہے اور مکتوب بنام پرویز شاہدی/اطہر قادری مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۵۳ء میں کلکتہ سے ڈھاکہ لوٹنے کی اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ علامہ وحشتؔ آخری بار کلکتہ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں تشریف لائے چنانچہ رضا مظہری کو ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے خط میں لکھا ہے کہ وہ ۳۰ اکتوبر کو کلکتہ پہنچ رہے ہیں اور ساتھ ہی خواہش ظاہر کی ہے کہ مخصوص احباب و اعزہ ۳۱ اکتوبر کو ان سے رضا مظہری صاحب کے مکان پر ہی ملاقات کر لیں۔ ۲۵ نومبر ۱۹۵۴ء کو طاہر علی شاکر کے نام مکتوب میں بخیر و عافیت ڈھاکہ واپس پہنچنے کی اطلاع دی گئی ہے۔

وحشتؔ کے مکاتیب میں کہیں کہیں اس قسم کے ادبی فقرے بھی جھلملاتے نظر آتے ہیں:

"ترانۂ وحشتؔ جدا جدا کن ترانوں پر مشتمل ہے کہ کوئی سن نہیں پاتا ہے۔ دیکھئے کب تک مکتبہ جدید قدم اٹھاتا ہے۔ میری ناتوانی اب روز افزوں پر ہے۔ اعصاب اپنے کام انجام نہیں دیتے اور دماغ بھی بے وفائی کرنے لگا ہے۔"

(مکتوب بنام ارشد کاکوی۔ مکاتیب وحشت ص ۱۲۷)

شاکر صاحب کے خط میں رقمطراز ہیں:

"جگر صاحب کا نسخہ خوب تھا لیکن دو چار دن سے زیادہ اس کا استعمال

نہیں ہو سکا کیونکہ کلیجے کا سینچنے والا غائب ہو گیا۔"

(مکاتیب وحشت: ص ۹۱)

لیکن جیسا عرض کر چکا ہوں ایسے مقامات ان کے خطوط میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی تھکی ہوئی افسردہ طبیعت رکھنے والے فنکار کے خطوط کس لحاظ سے اہم ہو سکتے ہیں جب کہ ان میں ادبیت اور شعریت کی چاشنی بھی کم پائی جاتی ہے لیکن جیسا کہ مضمون کی ابتداء میں عرض کر چکا ہوں مشاہیر ادب کے وہ خطوط بھی ادبی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں جو ان کی شخصیت اور سوانح حیات پر روشنی ڈالتے ہوں اس اعتبار سے مکاتیب وحشتؔ بے حد قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے نہ صرف علامہ وحشتؔ کی خانگی زندگی کے وہ حالات گوشے روشن ہوتے ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ موصوف کی شخصیت کے بہت سے نرم و نازک پہلوؤں سے بھی ہمیں آگاہی ہوتی ہے۔ عمر بھر دل پر زخم کھاتے والا یہ حساس فنکار کہیں بھی خود ترحمی اور مردم بیزاری کا شکار نظر نہیں آتا۔ اپنی بیماری کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی احباب تلامذہ کی پریشانیوں اور غموں میں برابر کا شریک بھی ہے۔ مکاتیب بنام محمود میں نہ صرف مکتوب الیہ کی بیماریوں پر اظہار تشویش و ہمدردی ہے بلکہ اکثر علاج معالجے کے سلسلے میں انہیں مفصل مشوروں سے بھی نوازا گیا ہے۔ آپریشن کہاں کرایا جائے اور دوائیں کون سی استعمال کی جائیں۔ ان مقامات پر کوتاہ قلم ہونے کے باوجود وحشتؔ تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ ایک خط میں محمود صاحب کو یہ دلچسپ مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ڈاکٹر کو بتائے بغیر وحشتؔ صاحب کی تجویز کردہ دوا استعمال کرتے رہیں۔ ظفر ہاشمی، شاکر کلکتوی وغیرہ کے نام خطوط میں بھی پریشانی کے مواقع پر ان حضرات کی تسلی و تشفی کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ امیر رضا کاظمی کو پسر کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آج اشک صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان جانکاہ حوادث کا علم ہوا جو مشیتِ ایزدی سے آپ پر گزرے۔ یہ لکھنا بے کار ہے کہ میرے دل نے کیا محسوس کیا۔

دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے

میں ایسا ہی صدمہ اٹھا چکا ہوں۔ میں اس رسم کی پابندی نہیں کروں گا کہ آپ کو تسلی دینے کی کوشش کروں۔ تسلی اور بھی دلخراش ہوگی۔

رو دیجئے اور خوب رو دیجئے:

وائے گر گریہ نیاید بہ مددگاریِ دل

میں صرف دعا کر سکتا ہوں، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا اور

میری دعا کیا۔ اے رب میرے! تو دلِ شکستہ کاظمی کو صبر کی طاقت
دے۔" (مکاتیب وحشت: ص ۱۳۲)

اپنے فن و شخصیت کے سلسلے میں خود احتسابی سے کام لینے والا اتنا منکسر المزاج ملکا دوسرا مشکل سے ملے گا۔ ارشد کاکوی کو لکھتے ہیں:

"میں تو پرانی لکیر کا فقیر ہوں اور قدیم طرزِ سخن کا دلدادہ ہوں۔ جدید طرزِ شعر کی نظموں اور غزلوں کی اصلاح دینے کی قابلیت اپنے میں نہیں پاتا. . . . اگر اصلاح لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ڈاکٹر عندلیب شادانی سے استفادہ کیجئے۔ ان سے بہتر استاد کوئی آپکو نہیں ملے گا۔ میرے دل میں ان کا بڑا احترام ہے۔"

(مکاتیب وحشت: ص ۱۲۴-۱۲۵)

ارشد کاکوی ہی کو دوسرے خط میں لکھا ہے:

"میں پرانی لکیر کا فقیر ہوں اور میری شاعری کی دنیا محدود ہے۔"

(مکاتیب وحشت: ص ۱۲۶)

خود اپنی نفی کر کے اپنے معاصرین کی صلاحیتوں کا اس کشادہ قلبی سے اعتراف کرنا وحشت کی وسیع القلبی پر دلالت ہے۔ یہ وسیع القلبی ان مقامات پر اور ابھر کر سامنے آتی ہے جب وہ اپنے قدیم شاگرد ظفر ہاشمی کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے مجموعۂ کلام پر اصلاح کے لئے طاہر علی آبادی کو رجوع کریں۔ انھیں شاکر صاحب کے بارے میں یہ اطلاع پا کر کہ انھیں ایک مشاعرے میں نامناسب مقام پر دعوتِ سخن دی گئی۔ وحشت صاحب کا دل تڑپ اٹھتا ہے لیکن ساتھ ہی ان کے نام اپنے خط مورخہ ۷ / فروری ۱۹۵۴ء میں اس طرح تشفی دیتے نظر آتے ہیں کہ وہ پروفیسر بیخود سے بدظن نہ ہونے پائیں۔ جمیل مظہری کے فن پر اعتراضات کئے جاتے ہیں تو وحشت کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے مدلل جواب دیئے جائیں۔ اکثر مکاتیب میں نہ صرف اپنے تلامذہ بلکہ معاصرین کے شاگردوں کے اچھے اشعار پر انھوں نے جس طرح کھلے دل سے داد دی ہے، وہ بھی وحشت کی وسیع النظر شخصیت کا امتیاز ہے۔ ان خطوط میں کئی مقامات پر ایسے اشارے بھی مل جاتے ہیں جن کے توسط سے ہم کلام وحشت کے کئی اچھوتے گوشوں تک پہونچ پاسکتے ہیں۔ ارشد کاکوی کے نام اپنے خط مورخہ ۵ / مارچ ۱۹۵۴ء میں لکھتے ہیں:

"آپ کا قیاس ہے کہ جہاں میں غالب کے کلام سے متاثر ہوا ہوں وہاں مومن کے کلام سے بھی ایک حد تک متاثر نظر آتا ہوں۔ یہ خیال علامہ شبلی نے بھی دیوانِ وحشت کے شائع ہونے پر ظاہر کئے ہیں۔۔۔

بات یہ ہے کہ میں لڑکپن ہی سے اساتذہ کا کلام شوق سے پڑھا کرتا تھا اور بعض اشعار کا دل پر گہرا اثر ہو جاتا تھا۔ مومن کا تغزل میرے لئے بڑی جاذبیت رکھتا تھا اور اس کا تناسب الفاظ بھی مجھے بھلا لگتا تھا۔ مثلاً:

بے روئے مثلِ ابر نہ نکلا غبارِ دل
کہتے تھے ان کو برقِ تبسم ہنسی سے ہم

میں نے اس کی تقلید نہیں کی لیکن مناسبت الفاظ کا ایک حد تک خیال رکھا۔"

(مکاتیب وحشت: ص ۱۲۸/۱۲۹)

اسی مکتوب الیہ کو ۱۶/ اگست ۱۹۵۴ء کے خط میں رقم طراز ہیں:

"میں حضرت شمس کا شاگرد ہوں اور وہ داغ کے شاگرد تھے اس تعلق کی بناء پر داغ کا احترام مجھ پر لازم ہو گیا لیکن میں نے اس کے کلام کی تقلید نہیں کی۔

غالب کی تقلید میں نے بے شک کی ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ میں کچھ اور بکھنل خیالات نہ پیش کر سکوں۔ میرے دیوان کا مطالعہ اگر گہرا ہو تو ظاہر کر دے گا کہ میں نے بھی کچھ نہ کچھ پیش کیا ہے۔ بقول غالب:

بیا ورید گر ایں جا بود سخن دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

آپ کا خیال صحیح ہے کہ میں حالی کے کلام سے بہت متاثر ہوا الخ۔ میں نے ایک مضمون لکھا تھا (شاید مخزن میں) جس میں میں نے حالی کی قدیم غزلوں سے بحث کی تھی۔ منجملہ اس کے اشعار کے ایک شعر کا میں نے خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اردو زبان کے بہترین اشعار میں اس کا شمار ہوگا۔ وہ شعر یہ ہے:

سخت مشکل میں ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

مولانا حالی کی نظر سے یہ مضمون گذرا تھا اور انھوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ تمہی ایک شخص ہو جس نے میری شاعری کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے دیکھا ہے ورنہ میں تو قوم کا ایک مرثیہ گو سمجھا گیا ہوں۔"
(مکاتیب وحشت: ص ۱۳۰/۱۳۱)

مکاتیب وحشت کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ ان میں مکتوب نگار نے اکثر فنی اور شعری نکات پر اپنے رشتے کی وضاحت کی ہے مثلاً :

"اگر اس شکست ناروا کا خیال رکھا جائے تو شعر کہنا بہت مشکل ہو جائے۔ اس سے میں خود بچتا ہوں کیونکہ پرانے اسکول کا ہوں لیکن اوروں پر جو اس کی پروا نہیں کرتے معترض نہیں ہوتا۔"

(مکاتیب وحشت: ص ۱۳۱)

ساغر کلکتوی کو لکھا ہے :

"میں غیر مانوس بحروں میں غزل نہیں کہتا اور نہ پسند کرتا ہوں جو کلام کہ کانوں کو موزوں نہ معلوم ہو وہ بے لطف ہے۔ آج کل ترقی پسند و نے اس قسم کی بحروں کو رواج دیا ہے جس میں وہ بہت ناموزوں شعر بھی کہہ جاتے ہیں۔" (مکاتیب وحشت ص ۶۶)

یٰسین منارسی کو لکھتے ہیں :

"طوفاں کرنا کوئی محاورہ نہیں ہے لیکن جس موقعہ پر اس شعر میں طوفاں کرنا لکھا گیا ہے سننے میں کچھ برا نہیں معلوم ہوتا اور اتنا تصرف جائز سمجھا جاسکتا ہے۔" (مکاتیب وحشت ص ۱۵)

"عموماً آج کل نظموں کے لکھنے کا رواج ہے اور وہ لوگ جنھوں نے فن شعر کو باقاعدہ حاصل نہیں کیا ہے، طبع آزمائی کرتے ہیں اور مہمل لکھتے ہیں نظمیں بے مزہ ہوتی ہیں، الفاظ کو معنی سے تعلق نہیں ہوتا۔ الفاظ ادائے مطلب کے لئے ہیں۔ لہٰذا ہر لفظ سوچ کر لکھنا چاہئے کہ بے ضرورت نہ ہو اور مصرعے کو مصرعے سے پورا ربط ہو۔" (مکاتیب وحشت: ص ۸)

عبدالعلی سہوڑوی کو مطلع کرتے ہیں :

"آپ نے جیک دمک کے مابہ الامتیاز کو دریافت فرمایا ہے دمک بجائے خود مستعمل ہے جیک کے ساتھ ہی اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے چال ڈھال۔" (مکاتیب وحشت: ص ۲۷)

اسی مکتوب الیہ کو دوسری جگہ لکھا ہے :

"عرصۂ مختصر اگرچہ مروج ہے اور خود میرے دیوان میں ہے لیکن قابل تقلید نہیں، شعراء نے بہت سی باتوں کو جو قابل تسلیم نہیں رواج دے دیا ہے۔" (مکاتیب وحشت ص ۲۷)

رضی الاحمد رضی اور سید محمد قاسم کے نام خطوط میں بھی اسی قسم کے کئی فنی

مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

"وحشت میں جرأت اظہار کی کمی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اساتذہ کی غلطیوں پر نگاہ پڑتی ہے تو انھیں طعنت الزام کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتے۔ مظفر حیدری کو لکھتے ہیں کہ :

"دیوان درد میں آپ اس قسم کی بہت سی رباعیاں دیکھیں گے کہ رباعی کے اوزان میں نہیں ہیں۔ ان اشعار پر لفظ قطعہ کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ قطعہ کا مصرع اول قافیہ وردیف کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔" (مکاتیب وحشت: ص ۱۴۰)

علامہ وحشت کے بعض مکاتیب نہایت دلچسپ امور سے پردہ سرکاتے ہیں۔ محمود صاحب کے نام ایک خط میں انکشاف کیا ہے :

"شاید صابر صاحب سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ میں پرانی تفریح کی طرف راجع ہو گیا ہوں یعنی السٹریٹیڈ ویکلی کا حل معمّا۔ صابر صاحب ہی کے نام سے حل بھیجا کرتا ہوں اور جہاں ایک سے زیادہ بھیجنے کی نوبت آتی ہے۔ وہاں آپ کے نام سے بھی کام لینے لگا ہوں۔ اس معاملے میں میری حیثیت شیخ چلی کی ہو جاتی ہے اور امیدوں کی فراوانی سے دل کو خوش کرتا رہتا ہوں۔ اگر کبھی معمولی کامیابی ہو گئی تو چند ضروری کاموں کی طرف توجہ دے سکوں گا۔"

(مکاتیب وحشت ص ۲۶)

مکاتیب کا یہ مجموعہ شاہد ہے کہ آمیز اور گوشہ نشین ہونے کے باوجود علامہ وحشت اپنے گرد و پیش کے ماحول سے بیگانہ نہ تھے۔ ایک خط میں ڈھاکہ میں اپنے شب و روز کے مشاغل کو اجمال کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے :

"جہاں میں رہتا ہوں وہاں سڑکیں اچھی ہیں اور دور دور تک چلی گئی ہیں۔ میں صبح سویرے سیر کو نکل جاتا ہوں منظر خوش نما بیشتر نظر ہوتا ہے۔ کوئی آدھ گھنٹہ آہستہ آہستہ چلتا ہوں۔ دن بھر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ ملنے والے اکثر شام کو آجاتے ہیں۔ قمر صاحب اکثر آتے رہتے ہیں۔ طرزی صاحب دو بار آئے۔ اشتاق صاحب دو بار آئے، ڈاکٹر شادانی ایک بار آئے، فضلی صاحب دو بار آئے، آغا طاہر شمس العلماء محمد حسین آزاد کے پوتے جو ڈھاکہ آتے ہوئے ہیں، ڈاکٹر شادانی کے ساتھ آکر ملے۔ میں خود گھر سے کم نکلتا ہوں۔ نقل و حرکت سے گھبراتا ہوں۔" (مکاتیب وحشت ص ۱۵)

علامہ وحشت کے خطوط میں ضمناً ایسی معلومات بھی شامل ہو گئی ہیں جو

یحییٰ گنج، لکھنؤ اس دیوان کا ناشر تھا۔ یہ کہ "ترانۂ وحشت" کی اشاعت کیلئے ڈھاکہ کے پروفیسر اختر حسین نے ایک بڑی رقم مخصوص کر دی تھی۔ نیز بعد ازاں مکتبہ جدید انارکلی لاہور سے "ترانۂ وحشت" کی اشاعت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۹ء تک وحشت کا قیام کلکتہ میں ۲/۱/۲۲ دلکشا اسٹریٹ میں تھا اور مشرقی پاکستان میں وہ ۲۰۵، ایل عظیم پورہ ڈاک خانہ رمنا، ڈھاکہ میں مقیم رہے۔ نیز یہ کہ عمر کے آخری حصے میں شعر گوئی کی طرف ان کی طبیعت کم ہی مائل ہوتی تھی۔ مکاتیب وحشت اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ وہ شمس کے شاگرد تھے اور خود وحشت کے تلامذہ میں پروفیسر عباس علی بیخود، قمر صدیقی، طاہر علی شاکر کلکتوی، آصف بنارسی، جمیل مظہری، واقف بہاری، پروفیسر عبدالمنان بیدل عظیم آبادی جیسے مشاہیر شامل ہیں اور ارشد کاکوی ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے خواہش مند تھے ایسی بہت سی کارآمد معلومات ان خطوط میں بکھری ہوئی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ وحشت نے اپنے عہد شباب میں جب انہیں وہ پریشانیاں اور بیماریاں لاحق نہ تھیں جن کا ذکر اس پرچے میں کیا گیا، احباب کو جو خط لکھے ہوں گے ان میں ادبیت زیادہ کارفرما رہی ہوگی لیکن المیہ یہ ہے کہ عام طور پر فن کار کو درجۂ استناد عام طور پر پختہ عمری میں ہی نصیب ہوتا ہے، تبھی خط جمع کئے جاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ان مکاتیب کے آئینے سے وحشت کی جو شخصیت ابھرتی ہے وہ ایک ایسے دل درد آشنا رکھنے والے سنجیدہ و متین، کم آمیز، وضعدار اور عزلت نشیں انسان کی جو حساس طبیعت رکھتا ہے کہ جس نے زندگی بھر روحانی اذیتیں برداشت کیں۔ بیماری اور توانائی کا تندکار بھی رہا لیکن اس طبیعت میں انسان دوستی، خلوص و بردباری، مروّت، احباب نوازی، وطن پرستی، سادگی پسندی، خودداری، خود احتسابی کشادہ قلبی اور وسیع النظری کے جوہر پوشیدہ تھے۔ یہ پہلودار شخصیت چونکہ ادب سے گہرا لگاؤ بھی رکھتی تھی اس لئے خالصتاً ذاتی نوعیت کے ان خطوط میں بھی فنی رموز اور ادبی نکات کا وافر ذخیرہ محفوظ ہو گیا ہے۔ مضامین وحشت میں شامل عندلیب شادانی کے نام خطوط سے بھی میرے اس خیال کی تصدیق ہوگی۔ مکاتیب وحشت کا مرتبہ یقیناً بلند ہے کہ یہ ان کی زندگی، ان کے فن اور ان کی دل نواز اور پہلودار شخصیت کے آئینہ دار ہیں اور انھیں نظرانداز کر کے وحشت کے کلام کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کرنا ممکن نہ ہوگا۔ [رضا علی وحشت سیمینار، کلکتہ میں پڑھا گیا] ■■

دفترِ بزمِ شاکری قائم شدہ ۱۹۳۷ء:
یہی وہ قدیم ادبی ادارہ ہے جہاں سے مکاتیبِ وحشت جیسی اہم کتاب کی اشاعت ہوئی۔ آج بھی یہ ادارہ اردو زبان و ادب کی بے لوث خدمت انجام دے رہا ہے۔ حضرت وحشت نے اس ادارے کے متعلق اپنے ایک مقطع میں کہا تھا ؎

خوب ہے بزمِ شاکری وحشت
جس کو با فیض و با اثر دیکھا

شاید آج زیادہ اہم قرار نہ پائیں لیکن مستقبل کے محققین ادب کے لئے ان کی افادیت مسلم ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر ظفر ہاشمی کے نام ایک خط میں ذکر کیا گیا ہے کہ سرکار نے انھیں ۳ جون ۱۹۳۱ء کو خان بہادر کا خطاب عطا کیا ہے اسی مکتوب الیہ کو لکھا ہے کہ ان کا پہلا دیوان ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا تھا اور مکتوب بنام ابوالمعالی شوق میں انکشاف کیا گیا ہے کہ دائرۂ ادبیہ

مکاتیبِ وحشت

عکس و آئینہ

علامہ رضا علی وحشت کے خطوط کا مجموعہ مکاتیب وحشت مزمّل شاکری کے زیر اہتمام شائع کردہ وہ اہم کتاب ہے جس کی روشنی میں وحشت صاحب کی شخصیت کا ایک وسیع پہلو کھل کر سامنے آجاتا ہے اس کی ادبیت کے پیشِ نظر اس کتاب کی اہمیت اسی قدر ہے جس طرح عود ہندی کی۔ یہاں مکاتیب وحشت کے سرورق کا عکس اور چند خطوط بطور نمونہ تحریر پیش ہیں ——— ادارہ

بنام جناب امیر رضا کاظمی ایم۔اے، بی ٹی

ڈھاکہ
۴ مارچ سنہ ۵۱ء

آج اشک صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان جانکاہ حوادث کا علم ہوا جو مشیت ایزدی سے آپ پر گزرے۔ یہ لکھنا بیکار ہے کہ میرے دل نے کیا محسوس کیا

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے

میں ایسا ہی صدمہ اٹھا چکا ہوں میں اس رسم کی پابندی نہیں کروں گا کہ آپکو تسلی دینے کی کوشش کروں تسلی اور بھی دلخراش ہوگی روئیے اور خوب روئیے۔

وائے گر گریہ نیاید بمدد گاریٔ دل

میں صرف دعا کرسکتا ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا اور میری دعا کیا۔ اے رب میرے تو دل شکستہ کاظمی کو صبر کی طاقت دے۔

آپ کا
وحشت

بنام پروفیسر عباس علی خاں بیخود صاحب کلکتہ

ڈھاکہ
۵ نومبر ۱۹۵۲ء

عزیزی و حبیبی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ آج ملا۔ مصرعۂ طرح میں نے یہ تجویز کیا

کہنا جو تھا مجھے وہ کسی سے کہا نہیں قافیہ: کہا، سنا، دوا وغیرہ

ردیف: نہیں

میرے دل میں آپ کی دعوت سے جذبات کا ایک طوفان اٹھا اور پھر مایوسی نے اس طوفان کو ایک آہ سرد میں مبدل کر دیا۔ عزیزی میں اب صرف زندہ ہوں۔ نقل و حرکت بدقت ہی ممکن ہے۔ رکشا تک کی سواری بمشکل ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز کے سفر کا کیا ذکر۔ اب ایک ہی سفر رہ گیا ہے جس کے لئے زادراہ بھی ساتھ نہیں ہے!

دعا کا طالب
وحشت
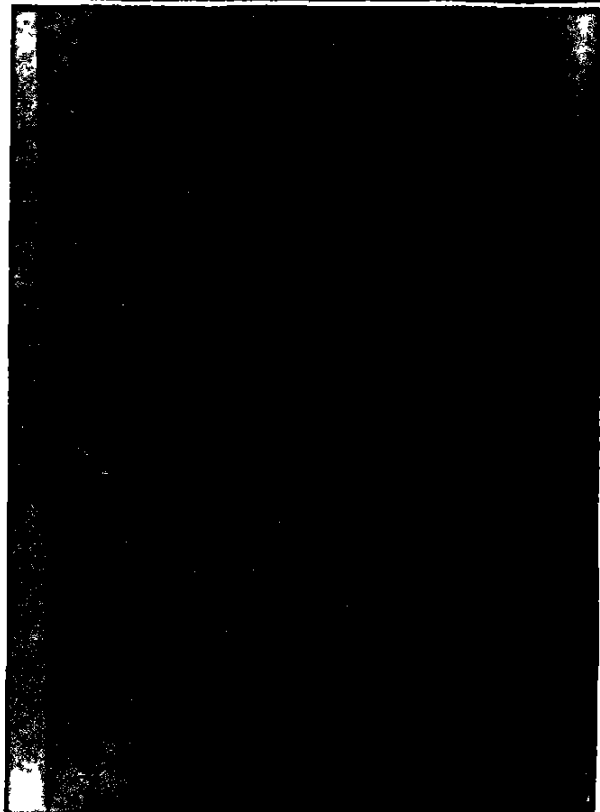
بنام جناب امیر الاسلام شرقی

کلکتہ
۲۹ مئی ۳۱ء

محبی۔ اسلام علیکم

ایک مدت کے بعد آج آپ کی بیاض واپس کرتا ہوں۔ غفلت کا ملزم نہیں ہوں۔ مشاغل کے بار سے دبا ہوا، ترددات کے دام میں پھنسا ہوا۔ میں عاجز تھا مجبور تھا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر اور خوش و خرم ہوں گے۔

بندۂ محبت
وحشت

حضرت وحشت کی اصلاحیں: ایک مختصر جائزہ

نور بخش نور کلکتوی

اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں "اصلاح" کا بڑا دخل رہا ہے کیونکہ اصلاح دیتے وقت زبان و بیان کی درستی، نوک پلک کی سنوار، محاورات و بندش کا سلیقۂ استعمال نے اردو زبان کو زیادہ شگفتہ، شائستہ، صاف ستھرا اور صحت مند بنا دیا ہے۔

اساتذۂ سخن کی اصلاحیں اگر نہیں ہوتیں تو شاید آج اردو زبان کی شکل کچھ اور ہوتی یقیناً بگڑی ہوئی۔

شعر و ادب کے ہر دور میں اساتذۂ سخن نے مبتدیوں، نومشقوں اور بعض اوقات کہنہ مشقوں کے کلام پر اصلاحیں دیکر اردو زبان و ادب پر احسان کیا ہے۔ ان کی یہ اصلاحیں اردو زبان و ادب کی تاریخ میں کافی اہمیت کی حامل ہیں لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس موضوعِ خاص پر صاحب نقد و نظر کی توجہ کم پڑی۔ تحقیق کی دشوار گذار راہوں سے اگر ہم گذرنا منظور کریں، تو کچھ تصانیف و جرائد میں اصلاحِ سخن پر چند بکھرے مضامین مل جائیں گے۔ صفدر مرزاپوری کی کتاب مشاطۂ سخن اس ضمن میں قابل قدر تصنیف ہے جس میں قدیم شعراء اردو کی اصلاحوں کی روشنی میں فن اصلاح کے رموز کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب شوق سندیلوی کی "اصلاحِ سخن" ہے جس میں ان کے کچھ کلام پر اساتذۂ وقت کی الگ الگ اصلاحیں شامل ہیں جو بالخصوص اساتذۂ سخن کے اختلاف مذاق کی غماز ہیں۔

"اصلاح سخن" میں دوسرے اساتذۂ سخن کی اصلاحوں کے درمیان علامہ وحشت کی اصلاح کے حسنِ معیار نے اصحابِ نقد و نظر کے آگے ان کی وقعت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی نے فنِ اصلاح پر حضرت وحشت کی گرفت سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ــــ "۱۹۱۰ء کے بعد ہر روز ارباب ذوق کی نظر میں وحشت کی شاعرانہ عظمت بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں جناب عبد العلی شوق سندیلوی نے اپنی کتاب اصلاحِ سخن شائع کی اور ضمناً حضرت وحشت کی گوناگوں ادبی صلاحیتوں کا ایک نیا پہلو ہمارے سامنے آگیا۔ اب تک لوگ انھیں صرف ایک خوشگوار شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اب یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ قدرت نے انھیں اصلاح و انتقاد شعر کا کتنا صحیح ذوق اور کتنا زبردست ملکہ عطا فرمایا ہے... 'اصلاحِ سخن' کے مطالعہ کے بعد میری نظر میں ساحرِ بنگالہ کی قدر و قیمت کچھ اور بڑھ گئی اور دل میں ملاقات کی آرزو پیدا ہوئی۔" (مقالہ تاثرات عندلیب شادانی مطبوعہ وحشت نمبر مہر نیم روز، کراچی ۱۹۵۷ء)

حضرت وحشت کلکتوی شعر و ادب کے اس دور میں استادِ سخن ہوئے جب استادوں کی صف میں آنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا کیونکہ اس دور میں شعر و ادب کی دنیا میں بڑے بڑے کاملینِ فن اپنی استادی

عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعا گو
وحشت

۴۸۹

عزیز محترم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپکی نظمیں ملفوف ہیں — ماشاءاللہ سب قابل تحسین ہیں
امید کہ آپ بخیر ہیں — میں الحمدللہ اچھا ہوں —
آپکا خیر طلب
وحشت

کا سہرا ان کے سر بندھا جنہوں نے پورے بنگال میں ایک ایسے دبستان شاعری کو قائم کیا جہاں سے سربرآوردہ شاعر کا کدر آسان نہیں تھا۔ حضرت وحشت، بنگال سے تنہا شاعر ہیں جو اپنے کمال فن اور قدرت بیان کی وجہ سے شعر و ادب کے اس مسند خاص پر ایسا سلسلہ قائم کر گئے۔

حضرت وحشت کے باکمال استاد فن ہونے کی بین دلیل یہ ہے کہ اکابرین ادب نے ان کے کمال فن کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور انھیں اساتذۂ سخن کی مسند پر بٹھایا۔ حضرت نیاز فتح پوری جیسے بال کی کھال نکالنے والے نقاد فرماتے ہیں۔

ان کی جوانی کی شاعری کے سامنے تو لوگوں کا سر جھکتا تھا لیکن ان کے اس استادانہ رنگ کے سامنے روح دوزانو ہوتی ہے (نگار لکھنؤ ۱۹۴۶ء)

ظہیر دہلوی اپنے خط بنام وحشت میں لکھتے ہیں "—— آپ کا کلام بلاغت نظام دیکھ کر بجز ایک آدھ کے اس شاعر کا کلام نظر میں نہیں جچتا"۔
مشمولہ دیوان وحشت ۱۹۱۰ء)

عندلیب شادانی اپنے مقالہ تاثرات میں وحشت صاحب کی اس مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:
"ساحر بنگالہ وحشت اپنی زبان دانی اور سخن سنجی کا لوہا منوا چکا تھا اور ان کی شہرت حدود بنگال سے نکل کر بہار، یوپی کو تسخیر کرتی ہوئی لکھنؤ اور دہلی سے نکلکر لاہور پہنچی"۔

ان کی اس مقبولیت کے پیش نظر کلکتہ اور ڈھاکہ سے ایک گروہ شاگردوں کا جم غفیر جمع ہو گیا بیرون بنگال سے بھی ان کے بہتیرے شاگرد ہوئے۔ ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کم خواندہ افراد دونوں شامل تھے۔ صاحب حیثیت لوگ بھی تھے، غریب و مزدور پیشہ لوگ بھی۔ ان کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔

حضرت وحشت ایک شفیق اور باکمال استاد سخن تھے۔ ان کے باکمال ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ ان کے زیر تلمذ شاگردوں میں آصف بنارسی، شاکر کلکتوی، جمیل مظہری، قمر صدیقی، عباس علی خان بیخود، ابو جعفر کسمی، واقف بہاری اور ظفر ہاشمی جیسے اردو کے قادر الکلام شاعر بھی ہوئے جن کے اسمائے گرامی آج بھی بام عروج پر سورج کی طرح روشن ہیں۔

علامہ وحشت اپنے تمام شاگردوں پر یکساں نگاہ التفات رکھتے تھے اور ان کے مزاج کے مطابق اصلاح فرماتے تھے۔ علامہ نے اصلاح دیتے وقت کبھی بھی شان اصلاح ظاہر کرنے کی غرض سے کسی شعر میں غیر ضروری قطع برید نہیں کی۔ انکی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ شاعر کے اپنے اشعار کی شناخت برقرار رہے۔ جس شعر میں سرے سے تبدیلی کی ضرورت ہوتی تھی اسے وہ عام طور پر قلم زد کر دیا کرتے تھے۔ "اصلاح سخن" میں ایسے بہت سے اشعار ملیں گے جو قلم زد ہوئے ہیں۔ حضرت وحشت نے ان میں اصلاح نہیں دی۔ زیادہ تر اشعار میں دو ایک لفظوں کے ہیر پھیر سے یا معمولی رد و بدل سے شعر میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ملاحظہ ہو چند اصلاحیں:

شوق سندیلوی

بالآخر بے زبانی پردہ دار زخم بسمل کی
زبان تیر قاتل سے صدائے آفریں نکلی

وہ مرے دل کی جلن کیا جانے — سوز غم شمع لگن کیا جانے
الطف صبح وطن و شام وطن — ہو جو آوارہ وطن کیا جانے
دل میں جب تک یا تی ہو — لذت درد و محن کیا جانے
تو کہ ہے عاشق گلہائے چمن — راہ گلہائے چمن کیا جانے
یہ شاعر آپ کو شاکر
پر کوئی حسن سخن کیا جانے

طاہر علی شاکر کلکتہ

لطف کہ سخن جانتا یا محاورہ بہتر ہے اگرچہ حسن — کا لفظ بھی خوب ہے
وحشت

اصلاحِ وحشت: ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
تیغ

شوقؔ سندیلوی: دیکھ ظالم تیرے فریادی نے وقتِ بازپرس
وہ ہوا باندھی کہ سمِ میدانِ محشر ہو گیا

اصلاحِ وحشت: ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
ضم

شوقؔ سندیلوی: ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر
ٹوٹا تھا یہ قفلِ درِ زندانِ تمنا

اصلاحِ وحشت: ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
″ ″ ″ وہ ″ ″ ″

شوقؔ سندیلوی: غضب ہوا دلِ صبر آزما نے لوٹ لیا
فریب دے کے مجھے رہنما نے لوٹ لیا

غزلیں

(۱)

دل یہ کیا کیا عرو ساتھا مجھکو | اور اُسی نے ڈبو دیا مجھکو
~~تیری بیگانگی تو تھی حائل~~ | ~~کر دیے بیگانہ و فا مجھکو~~
پاس خود داری تمنا ہے | بس تصور رالتجا مجھکو
بیخودی پردہ دار راز ہوئی | لاکھ مجھ سے چھپا لیا مجھکو
ہنسکے گریہ کو روکے جیسے ہو | زندگی ہے گراں با مجھکو
اب وہ نظریں ہیں مطمئن مجھسے | ہر طرح آزما لیا مجھکو
تھا وہ میرا ہی اک ... | ... حیراں سا دیا مجھکو
ہے یہ احساں تیری نظروں کا | عشق کرنا سکھا دیا مجھکو

دل لگانے پہ پہ کہہ ستا کر
دل لگانا ہی فرض تھا مجھکو

اصلاحِ وحشت: ″ ″ نگہِ آشنا ″ ″ ″
″ ″ ″ ″ ″ ″

حضرت وحشت کے نزدیک اصلاحِ شعر کا بنیادی اصول صرف یہ تھا کہ عیوب و اسقام دور کر دیئے جائیں۔ شعر بامحاورہ ہو، شاعر عروض و قافیہ کا پابند ہو۔ کلام علم بدیع و معانی و بیاں سے مزیّن ہو، قواعد صرف و نحو سے بہرآور ہو۔ اور ان سب کے ساتھ شاعر کے بنیادی خیال اپنی جگہ برقرار رہے۔ وہ شاگردوں کے شعروں میں کم سے کم تصرّف کے ہمیشہ قائل رہے۔ البتہ نومشق شاگردوں کی اصلاح کے موقع پر ایک دو شعر موزوں کر کے انھیں عطا کر دیتے تھے لیکن کہنہ مشق شاگردوں کے معاملہ میں انھوں نے اس عمل سے گریز کیا۔

حضرت وحشت کے خاص شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے۔ ان میں — حضرت آصف بنارسی اور حضرت طاہر علی شاکر ان کے چہیتے شاگرد تھے یہی دو شاگرد ان کی زندگی میں ہی ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت شاکر کو اپنے استاد سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ انھوں نے ۱۹۳۸ء میں علامہ وحشت سے شرف تلمذ حاصل کیا اور علامہ کو آخری دم تک وہ اپنا کلام دکھاتے رہے۔ وحشت صاحب سے زیادہ قربت نے شاکر صاحب کو فن شاعری کے نکات و رموز سے بہت جلد واقف کر دیا تھا۔ شاکر صاحب کی قادرالکلامی اور رنگِ شاعری پر وحشت صاحب کو بہت ناز تھا۔ شاکر صاحب کے متعلق وحشت صاحب اپنے ایک مقطع میں فرماتے ہیں ؎

نہیں ہے شعر میں وحشتؔ کا ہمنوا کوئی
بس ایک شاکرِ خوش فکر ہے خدا رکھے

ڈھاکہ سے بنام شاکر اپنے ایک خط مورخہ ۷؍فروری ۱۹۵۱ء میں تحریر فرماتے ہیں: "آپکے کلام سے بوئے آشنائی آتی ہے اور میں مست ہو جاتا ہوں"۔ (بحوالہ مکاتیب وحشت مرتبہ: شمس الدین عازم بزم شاکری ص۹۹) ڈھاکہ سے مورخہ ۱۷ دسمبر ۵۰ء کے

اپکی نظر پہ ہو کے مائل | ہو نہ جائے مجھکو مراد ل
~~اپنا ہوس ٹوٹ گیا دل~~ | ~~اور یہی ... کا حاصل~~
پاؤں کی لغزش کہتی ہے اے دل | آ گئی منزل آ گئی منزل
~~ہائے حسن نے ... دیکھا~~ | ~~اور ... بنتے ... مشکل~~
ہائے ایسی ہم دیکھیں کیونکر | ایسی نظریں پردہ حائل
~~اب وہ ... ظالم ... گی~~ | ~~... ایک ... گیا~~
حسن ہی ہے آٹھ وہ تاتا | جتنا معصوم اتنا قاتل
ہائے محبت وائے محبت | جیسا مشکل ویسا مشکل
~~ایک ہی ظالم ... ہے~~ | ~~حسن ہی قاتل عشق ہی حائل~~
جسکو چاہو قتل کرو تم | کون کہے گا تم کو قاتل
قتل کی تہمت آپ پہ کیوں ہو | میں ہی خود ہوں اپنا قاتل
جیسے جان و تن ہیں دونوں | ایسی ہما اور مرا دل
محو طلب ہے کیسے کوئی | حدِ طلب ہے دورتک منزل
شاکرؔ شاکر مجھ کو ... | جیسے ... درد بھرا دل

ساز غزل تو چھیڑ دو شاکر
آ جائیگی رنگ پہ محفل

شاکر ... تمام ... پسند کئے جاتے ہیں۔ شاکر آپکا خیال صحیح ہے (وحشت)

۱۱۸

۱۔ سید طاہر علی شاکر کلکتوی

شاکر: [illegible]
اور ہم اول محبت میں بدنام ہوا جاتے ہے
اصلاح: [illegible]

شاکر: [illegible]
[illegible]
اصلاح: [illegible]

شاکر: [illegible]
[illegible]
اصلاح: [illegible]

شاکر: [illegible]
[illegible]
اصلاح: [illegible]

۲۔ سید زادہ سید ظفر [illegible]

ظفر: [illegible] عشق و محبت سے
[illegible] کا اسرار کہتے ہیں

۱۱۹

اصلاح: " " " " " کیف محبت سے
اے اہل محبت شوق کا " " "

ظفر: یہ میرے واسطے تو یاس و حسرت کا خزانہ ہے
میرے مسکن کو میرے ہمنشیں ویرانہ کہتے ہیں
اصلاح: نہیں واقف کہ یہ گنجینۂ غمہائے الفت ہے
" " " " " " " "

ظفر: رم رو غنچوں نے "تیری" مسکراہٹ چھین لی
اب جہاں میں پاگئی انداز تیری چال کا
اصلاح: صبح گل سے اڑائی ہے تبسم کی ادا
" " " " "

ظفر: طبع موزوں تو ازل سے ہی سے پائی ہے ظفر
میرے خامے نے اڑا یا رنگ ہے اقبال کا
اصلاح: " " " " " " " " "
رنگ اڑایا میرے خامے نے مگر

ظفر: کیوں اڑاتے ہو میری خاک پس مرگ صبا
کچھ تو رہنے دو نشاں والو نشانی میری
اصلاح: خاک [illegible]
" " "

ظفر: زمانے کے حالات پہ کیا کہوں میں
رہوں مثل آئینہ خاموش بہتر
اصلاح: ترے حسن کی داستاں " "
" " " " " "

ایک عکس: وحشت کی اصلاحیں مشمولہ حیاتِ وحشت از وفا راشدی

ایک جگہ میں شاکر صاحب کو وہ مزید لکھتے ہیں: آپکی غزلیں مستغنی عن الاصلاح ہیں۔ انکی کیفیت اہل دل دار ارباب فن ہی محسوس کرسکتے ہیں اور یہ اب ڈھونڈنے نہیں ملتے (مکاتیب وحشت ص۲۹)

علامہ وحشت نے شاکر صاحب کو اگرچہ کلکتہ کے قیام کے دوران ہی فارغ الاصلاح کردیا تھا لیکن علامہ کے ڈھاکہ جانے کے بعد بھی شاکر صاحب انھیں از راہ عقیدت اپنا کلام برائے اصلاح بھیجا کرتے تھے اور سال میں کم از کم ایک بار ملاقات کی غرض سے ڈھاکہ جانا ضروری سمجھتے تھے۔

اور یہ سلسلہ وحشت صاحب کی آخری دم تک جاری رہا۔ زیر بحث مضمون میں شاکر صاحب کے کلام پر وحشت صاحب کی اصلاحیں جابجا پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں وحشت صاحب کے کچھ غیر مطبوعہ و مطبوعہ خطوط اور حاشیائی نوٹ بھی شامل اشاعت ہیں جو بزم شاکری کے فائیل سے حاصل کئے گئے ہیں۔ حضرت وحشت و شاکر صاحب کی یہ تحریریں یقیناً ارباب ذوق کی نظر میں ایک یادگار کی حیثیت سے مقبول ہوگی۔ ■■

اصلاحِ سخن
عکس و آئینہ

'اصلاحِ سخن' اس وقت کے تقریباً ۳۰ مشاہیر اساتذۂ سخن کی ان اصلاحوں کا آئینہ دار ہے جو شوق سندیلوی کی کل ۱۶ غزلوں پر دی گئی تھیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اساتذۂ وقت کا اختلاف مذاق سامنے آتا ہے۔ اس میں مکتوب الیہ کو لکھے خطوط بھی شامل کئے گئے ہیں۔ عبدالعلی شوق سندیلوی نے اس کتاب کو ۱۹۲۶ء میں شائع کیا تھا۔ اترپردیش اردو اکاڈمی نے اسے دوبارہ ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں وحشت صاحب کی اصلاح کی افادیت سے اہلِ ذوق کی نظر میں ان کی عظمت اور بھی بڑھ گئی۔ اسی افادیت کے پیش نظر وحشت صاحب کے چند خطوط اور ایک غزل پر دی گئی اصلاح کا عکس بطور نمونہ پیش ہے۔ یہاں اس غزل کے وہ اشعار شامل ہیں جن پر وحشت صاحب نے ص کے نشان لگائے

ادارہ

اصلاحِ سخن

محمد عبدالعلی شوق سندیلوی

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

سید رضا علی صاحب وحشت ام، آر، اے، ایس رئیس کلکتہ

(۱)

۱-۲، ۲ دلکشا اسٹریٹ پارک سرکس کلکتہ - ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۱ء

عزیز محترم السلام علیکم گرامی نامہ مع غزلوں کے موصول ہوا نہایت شرمندہ ہوتا ہوں کہ اس سے قبل رسید نہیں لکھ سکا بوجہ عدیم الفرصت رہا ہوں خدا خدا کرکے آج کچھ وقت ملا ہے اکثر احباب کے خطوط عرصہ سے آکر پڑے

ہیں اس وقت جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ کا کلام ماشاء اللہ بہت خوب اور بے ساختہ ہے مجھ جیسے کم سواد کی اصلاح کا محتاج نہیں لیکن از راہ امتثال امر میں نے کہیں کہیں ترمیم کر دی ہے جن کو رجسٹری کر کے بھیجنے کی مطلق ضرورت نہ تھی ڈاک کا انتظام یہاں پوری طرح قابل اطمینان ہے شک معلوف نہ سمجھیں چونکہ میں اس کاروبار میں بوجہ قلت فرصت آنا جانا ہے واپس کرتا ہوں امید کہ آپ بخیر ہونگے والسلام خیراندیش۔ وحشت

(۲)

کلکتہ ۲۳ جون ۱۹۲۲ء

عزیز محترم تسلیم۔ معاف فرمائیگا آپ کی غزل دیر سے روانہ کر رہا ہوں کچھ دنوں میں بیمار رہا اور جب اچھا ہوا تو دنیا کے ہمدردوں میں پھنسا۔ فرصت بالکل عنقا ہے آج خدا خدا کر کے کچھ وقت ملا تو آپ کی غزل دیکھی آپ کا کلام بہت دلکش ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میری اصلاح کا کسی طرح محتاج نہیں محض ارشاد امتثال امر کہیں کہیں کچھ ترمیم کر دیا کرتا ہوں امید ہے کہ آپ مع الخیر والعافیت ہونگے۔ خیراندیش وحشت

(۳)

کلکتہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۳ء

کرم فرمائے من تسلیم۔ چونکہ آپ کا کلام اتنا اچھا ہوتا ہے کہ میں ترمیم کر کے اسکو بگاڑنا نہیں چاہتا دونوں غزلیں بے شک ہیں اصلاح سے بالکل مستغنی افسوس ہے کہ میں نے جواب لکھنے میں بڑی دیر کی مجبور تھا میری ایک لڑکی سخت علیل تھی میں بہت پریشان تھا خدا کا فضل ہوا ہے اب اُس کی زندگی کی کچھ امید ہو چلی ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہونگے۔ نیازمند وحشت

(۴)

دلکشا اسٹریٹ کلکتہ - ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء

عزیز محترم تسلیم کیا لکھوں کچھ لکھا نہیں جاتا جس کی صحت یابی کا مژدہ سنے کے آپ منتظر تھے اُس نے اس دار فانی سے رحلت کی میں نے صبر کا پتھر چھاتی پر رکھ لیا مرضی مولیٰ ہمہ اولیٰ۔ نیازمند وحشت

(۵)

۱-۲، ۲ دلکشا اسٹریٹ کلکتہ ۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء

عزیز محترم السلام علیکم۔ آج مدت کے بعد اپنے کرم فرماؤں کی غزلیں دیکھنے بیٹھا۔ تو آپ کی بھی ایک غزل نظر

دوست ہوئی گو کہ ایک عرصہ تک طاق نسیاں پر رہی پر دگی بغرض اصلاح نظر ڈالی تو اسقام و عیوب سے پاک تھی دو جگہ تھوڑی سی ترمیم کر دی اس ڈر سے کہ کہیں آپ یہ خیال کریں کہ میں نے توجہ نہ کی بارہا گفتہ ام و بار دیگر می گویم کہ آپ کا کلام محتاج اصلاح نہیں ہے کم از کم مجھ جیسا قلیل البضاعت شخص اس پر اصلاح دینے کے قابل نہیں ہے۔ آپ اپنی غزلیں بالطبع تمام داخل نہیں کریں مشاعروں میں ترجیح آپ نے حک و دکھ کے بارہ الاعتبار کو درایت فرمایا ہے۔ دکھ بجائے خود مستعمل کم ہے چک کے ساتھ ہی اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے چال ڈھال دیکھ بھال۔ نہ ڈھال بجائے خود مستعمل ہے نہ بھال۔ امید کہ آپ مع الخیر ہونگے۔ نیازمند۔ وحشت

(۶)

۱-۲، ۲ دلکشا اسٹریٹ کلکتہ ۴ اپریل ۱۹۲۳ء

عزیز محترم۔ السلام علیکم۔ آپ کی دو غزلیں موصول۔ اصلاح کی محتاج نہیں ہیں عوضہ مختصر اگرچہ مروج ہے اور خود میرے دیوان میں ہے لیکن قابل تقلید نہیں۔ شعرا نے بہت سی باتوں کو قابل تسلیم نہیں رواج دیدیا ہے۔ تحقیق سے اب کون کام لیتا ہے زمانہ حال کے اساتذہ میں سے جس کا کلام اٹھا کر دیکھئے عیوب و اسقام سے مملو ہے۔ خاکسار، وحشت

جوہرِ بالغ نظری

علقمہ شبلی

علامہ رضا علی وحشت کے بارے میں پروفیسر اقبال عظیم کا خیال ہے کہ "وہ انسان پہلے ہیں اور شاعر بعد میں" اور رضا مظہری صاحب کی رائے میں "وہ صرف عظیم شاعر ہی نہیں بلکہ عظیم انسان بھی تھا"۔ حقیقت یہ ہے کہ وحشت صاحب بہت منکسر المزاج اور شریف النفس انسان تھے وہ ادنیٰ و اعلیٰ، غریب و امیر سے خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے اور اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی طبقہ ان کی گفتگو اور برتاؤ سے احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہو جائے لیکن ساتھ ہی انھیں اپنی "شیریں گفتاری" "نازک خیالی" اور "رنگ استادانہ" کا بھی احساس تھا۔ بعض مقطعوں میں اس کا برملا اظہار ہوا ہے ؎

کچھ خبریں بھی ہیں تجھے وحشتِ شیریں گفتار
کہ تجھے لوگ امام الشعراء کہتے ہیں

سخن سے تیرے وحشت رنگِ غالب آشکارا ہے
کہیں رنگیں بیانی ہے کہیں نازک خیالی ہے

استفادہ کرتے ہیں وحشت تمام اربابِ فن
سرمایۂ چشمِ بصیرت تیرا دیوان ہو گیا

اب کہاں وحشت مجھے فکرِ مضامین کا دماغ
اس قدر بس ہے کہ اپنا رنگ استادانہ ہے

یہ اور اس طرح کے دوسرے اشعار شاعر کے اس احساسِ خودی کی پیداوار ہیں جسے بلند کرنے کی دعوت علامہ اقبال نے دی ہے اور جو درحقیقت زندہ رہنے اور ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے ضروری ہے۔

یہ وحشت کی شخصیت کا وہ پہلو ہے جس نے ان کی غزل کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اسی کا ردِ عمل ہے کہ جب شاعر کی وہ پذیرائی نہیں ہوئی جس کا وہ مستحق تھا اور اس کا "جوہرِ بالغ نظری" لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا تو بے ساختہ نوکِ قلم پر آگیا ؎

شرمندہ کیا جوہرِ بالغ نظری نے
اس جنس کو بازار میں پوچھا نہ کسی نے

اسی قبیل کا ایک دوسرا شعر ہے ؎

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمعِ انجمن کے لئے

شاعر کو شکایت ہے کہ "جوہرِ بالغ نظری" اس کے لئے شرمندگی کا باعث ہوا کیونکہ اس جنسِ گراں مایہ کو بازارِ ادب میں کسی نے پوچھا نہیں اور انجمنِ شعر میں شمع رات بھر جلتی رہی مگر اہلِ انجمن نے ذرا بھی اس کا خیال نہ کیا۔ اسے شاعرانہ تعلّی اور احساسِ برتری تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس میں جو صداقت ہے اس سے انکار کرنا مشکل ہے۔ اردو زبان و ادب کی متعدد تاریخیں لکھی گئیں۔ تنقیدی کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں مگر علامہ رضا علی وحشت جیسے سنجیدہ شاعر کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہ ہمارے ادب کا ایک المیہ ہے۔

ادبی تخلیقات خواہ وہ نثر ہوں یا نظم، غزل ہوں یا افسانہ، ناول ہوں یا ڈرامہ، ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں۔ فنکار سوسائٹی کا ایک حساس فرد ہوتا ہے اس لئے سوسائٹی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات و واردات سے وہ صرفِ نظر نہیں کر سکتا بلکہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی تخلیقات میں حیات و کائنات کے جلووں کی رونمائی کرتا ہے۔ یہ رونمائی کہیں بے حجابانہ اور کہیں رمز و ایما کے حجاب میں ہوئی ہے۔ وحشت بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور غزل کا حسن یہ ہے کہ اس میں تفصیل سے نہیں، ایجاز سے کام لیا جائے۔ حالات کا اظہار و انکشاف انداز میں نہیں استعاروں اور کنایوں میں ہو۔ آپ بیتی کے پردے میں

جگ بیتی بیان کیجائے۔ وحشت نے ایمائی انداز میں غم دوراں کی کہانی بیاں کی
ہے اور ماضی کے قالب میں روحِ عصر ڈال کر غزل کے اشعار کو اس طرح زندۂ
جاوید کر دیا ہے کہ یہ زندگی کی راہ میں ہمارے ہمقدم نظر آتے ہیں۔ درج ذیل
اشعار سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے ؎

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

ہمیں بے فائدہ تجدید غم کی کیا ضرورت ہے
پس از بربادیٔ گلشن جو یادِ آشیاں کرتے

ہے نیازِ بندگاں سے ہی غرورِ صاحبی
عشق کی ہی رونقیں ہیں حسن کی سرکار میں

حالِ چمن خزاں میں بھی ایسا کبھی ہوا نہ تھا
اپنا جو حال ہو گیا رنگِ بہار دیکھ کر

ہماری دور بینی ہے ہمارے امن کی دشمن
نہ ہوتی فکرِ مستقبل تو عیش جاوداں کرتے

وحشت صاحب کا تعلق "دبستانِ داغ" سے ہے۔ انھیں ابوالقاسم
محمد شمس سے شرف تلمذ تھا جو داغ دہلوی کے شاگرد تھے لیکن وحشت کے
کلام میں ابتدائی دو ایک غزلوں کو چھوڑ کر کہیں داغ کا رنگ نہیں ملتا۔ وحشت
صاحب نے خود ارشد کاکوی کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

" میں حضرت شمس کا شاگرد ہوں اور وہ داغ کے شاگرد
تھے اس تعلق کی بنا پر داغ کا احترام مجھ پر لازم ہو گیا لیکن میں
نے ان کے کلام کی تقلید نہیں کی۔"

حقیقت یہ ہے کہ وحشت، غالب کے طرز کلام سے زیادہ متاثر تھے۔
اور اس رنگ میں شعر کہنے کی شعوری کوشش بھی کرتے تھے۔ "مومن کا تتبع
الفاظ بھی انھیں بھلا لگتا تھا" مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس طرف اشارہ
کرتے ہوئے وحشت کو لکھا تھا۔

" غالب و مومن کی ترکیبیں اور طرزِ ادا آپ سے خوب بن پڑتی ہیں۔"

اگر وحشت کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اسمیں جہاں اساتذہ کے رنگِ شاعری
کی جھلکیاں ملتی ہیں وہیں ان کا انفرادی رنگ بھی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جیسے
وحشت نے اپنے ایک خط میں یوں لکھا ہے۔ "میں نے بھی کچھ نہ کچھ پیش کیا ہے۔"
اور غالباً اسی لئے نیاز فتحپوری کا خیال ہے "ان (وحشت) کے یہاں یہ سب کچھ
توازن اور سلامت روی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔" "ترانۂ وحشت" میں اسی کچھ نہ کچھ
کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں جس رنگ کے سامنے روح دو زانو ہوتی ہے۔"

؎ اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھ کو حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

دیر ملا تھا راہ میں کعبے کو ہم نکل گئے
جذبۂ شوق میں دماغ کس کو ہوا امتیاز کا

نہ مجھکو امید ہے کسی سے نہ مجھ کو اندیشہ ہے کسی کا
مزے سے اپنی گذر رہی ہے بھلا ہوا اس بے تعلقی کا

مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی   خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا
کیوں وسائل کا عدم ہو استقامت شکن   کیا خدا نا خواستہ میرا خدا کوئی نہیں

وحشت کے کلام میں اس طرح کے اشعار جن میں ان کا اپنا رنگ نمایاں ہے
کم نہیں ہیں اور میرے خیال میں ایسے ہی اشعار انکی شہرت دوام کے ضامن ہیں۔
وحشت صاحب اردو کی طرح فارسی پر بھی عبور رکھتے تھے اور دورانِ تعلیم ہی سے
نظیری، عرفی، ظہوری، صائب، محتشم، ہلالی جیسے عظیم فارسی شعراء کے کلام ان کے زیرِ
مطالعہ رہا تھا اسی وجہ سے وحشت صاحب فارسی تراکیب وضع کرتے اور اس کے
استعمال میں مجتہدانہ صلاحیت رکھتے تھے۔ انکی غزلوں میں "حریفِ چشم وا" "نالۂ حسرت
فرا" "پائمالِ باغباں" "سجدہ ہائے شوق" "جلوۂ آئینہ ساز" "حریفِ محفل آرائی"
"جلوہ دلنواز" "شیوۂ عرض تمنا" "وضع داریٔ اربابِ محبت" جیسی ترکیبوں کا
استعمال نہایت فنکاری سے ہوا ہے۔ وحشت صاحب کو بھی اسکا احساس تھا ؎

ہمارے ریختے میں فارسی کی شان ہے وحشت   کہیں ترکیبِ عرفی ہے کہیں طرزِ فغانی ہے

وحشت صاحب کی عظمت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے شاعر تھے بلکہ بڑی بات
یہ ہے کہ اپنی جگہ وہ ایک انجمن تھے جہاں ذہنوں کی تربیت ہوتی تھی۔ ایک دبستان تھے،
جہاں دل و دماغ کی آبیاری کی جاتی تھی۔ انکی نگاہِ تربیت اور بے پناہ محبت سے ایک ایسی نسل تیار
ہوئی جس نے نہ صرف بنگال میں بلکہ بنگال کے باہر بھی شعر و ادب کے گل بوٹے کھلائے اور علم و فن
کی وہ شمع روشن کی جس کی لو آج بھی فروزاں ہے اور جس کی روشنی میں
کاروانِ شعر و ادب رواں دواں ہے ــــ بجا کہ بنگال اور اہل بنگال
نے حضرت وحشت کو دل و نظر میں جگہ دی۔ ان کی راہ میں آنکھیں بچھائیں
اور ان کے فن کے آگے سر عقیدت خم کیا مگر کیا ان کا قرض چکانے
کے لئے کیا یہی کافی ہے؟ کیا ان کے جوہرِ بالغ نظری کا
اعتراف یہی ہے؟

قصہ "ترانۂ وحشت" کا

پروفیسر اسدالزماں

علامہ رضا علی خاں وحشت کا دیوان ۱۹۰۹ء[1] میں مرتب ہو کر ۱۹۱۰ء[2] میں پہلی بار ستارۂ ہند پریس کلکتہ سے طبع ہوا تو وحشت صاحب ہی کے ایک مقطع

وحشت مچی ہے دھوم ہمارے کلام کی
کرتے ہیں ذکر طبع خداداد ہر طرف

کے مصداق متعدد اہل قلم نے کھلے دل سے ان کی شاعری کا اعتراف کیا۔ وحشت صاحب نے اپنے دیوان میں بڑے فخر سے اس کا دعویٰ کیا تھا کہ

تیرے انداز سخن سے ہے یہ ظاہر وحشت
کہ مقدر ہے ترا غالب دوراں ہونا

یا

وحشت نہیں تتبع غالب ہے آرزو
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

چنانچہ مولانا حالی نے لکھا کہ

"مولانا اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا درحقیقہ ہم لوگوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا یہ حق ہم سے چھین لیا"

ظہیر دہلوی نے کہا۔

"غالب ثانی ہوگئے ہیں آپ کے کوئی کلام نہیں"

اور شوق قدوائی نے اس طرح داد دی:

"پوری تقلید حضرت غالب کے رنگ کی حضرت وحشت نے کی ہے"

بہر حال ان تمام قدر شناسیوں کے باوجود وحشت صاحب کا دوسرا دیوان تقریباً ۴۲ سال کے بعد "ترانۂ وحشت" کے نام سے مکتبۂ جدید لاہور سے شائع ہوا۔ اس طویل مدت کے پیش نظر بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ نے اپنے دوسرے دیوان کی اشاعت کی طرف اتنے عرصے تک توجہ ہی نہیں دی مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ۱۹۳۱ء ہی سے اس کے لئے کوشاں تھے۔ گرچہ گوناگوں مصروفیتوں، نامساعد حالات بالخصوص بڑے لڑکے علی حیدر کی شوریدہ سری کے علاوہ خود ان کے ضعف پیری اور ناشر کی تساہلی کی وجہ سے یہ معاملہ برسوں ٹلتا رہا۔ مکاتیب وحشت کے مطالعے سے اس سلسلے میں ان کی کوششوں پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

دیوان وحشت کے دوسرے ایڈیشن کے متعلق ہمیں سب سے پہلی اطلاع ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ظفر ہاشمی کے نام مکتوب سے ملتی ہے۔ لکھتے ہیں

"دیوان اول کا دوسرا ایڈیشن معہ ضمیمہ جس میں غیر مطبوعہ کلام ہوگا زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ ۱۳۵۰ھ کے اختتام کے پہلے شائع ہو جائے گا"

پھر ۲ مئی ۱۹۳۳ء کو ظفر ہاشمی کو تحریر کرتے ہیں:

"میں ترتیب دیوان میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہوں۔ میرے ایک قدیم کرم فرما نواب نصیر حسین صاحب خیال مقدمہ لکھ رہے ہیں"

ظفر ہاشمی ہی کے نام دوسرے خط کا اقتباس بھی دیکھئے:

"علی حیدر کی شوریدہ سری حد کو پہنچ گئی ہے اور افسوس

---

[1] مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی صاحب نے اپنے گراں قدر مضمون "علامہ وحشت کی شاعری اور ان کے آثار پر ایک نظر (مطبوعہ سوغات، ناشر مغربی بنگال اردو اکاڈمی) میں ترانۂ وحشت کی تاخیر اشاعت پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔

[2] قطع در تاریخ ترتیب دیوان:

شد مرتب دفتر اشعار من
مرحبا اے طالع مسعود نظم
خواستم وحشت سن تاریخ را
گفت ہاتف "کعبۂ مقصود نظم"
۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء)

[3] در تاریخ چاپ شدن دیوان:

اینکہ دیوان من است آئینۂ حال من است
داشتم آنچہ بدل راز نہانی گفتم
گفتہ دور شباب است، کہ وحشت تاریخ
"عیش افزا سخن عہد جوانی"، گفتم
۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء)

کو رانچی ہسپتال بھیجنا پڑا۔ میرا دیوان پریس میں پڑا کا پڑا رہ گیا۔ اس کی طرف قطعی توجہ نہیں ہے کبھی اگر اطمینان نصیب ہوا (جس کی امید کم ہے) تو دیکھا جائے گا۔" (۱۸ر دسمبر ۳۴ء)

ظفر ہاشمی کے نام مکتوبات کے مذکورہ اقتباسات کے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ۱۹۳۱ء ہی سے وحشت صاحب دیوان کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے لئے کوشاں تھے۔

(۲) اس دوسرے ایڈیشن میں نیا کلام ضمیمہ کے طور پر شامل کرنا چاہتے تھے۔

(۳) اس میں نواب نصیر حسین خیال کا تحریر کردہ مقدمہ بھی شامل اشاعت ہوتا۔

(۴) یہ دیوان پریس کے حوالے کیا جا چکا تھا۔

(۵) علی حیدر کی شوریدہ سری کے باعث "دیوان پریس میں پڑا کا پڑا رہ گیا۔"

اور اس طرح ۱۹۳۳ء میں بھی دیوان کا نیا ایڈیشن مرتب ہو کر پریس کے حوالے ہونے کے باوجود اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔ آئندہ پانچ سال تک ہمیں مذکورہ دیوان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی ہے۔ آخر ۱۹۳۸ء میں ظفر ہاشمی نے پھر دیوان کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی تو ان کو لکھا:

"میرے دیوان کی اشاعت اس لئے معرض التوا میں ہے کہ مجھے بہت سے اہم کام درپیش ہیں جو متعدد دشواریاں ساتھ لئے ہوئے ہیں، ان سے فارغ ہو جاؤں تو اسے دیکھوں۔"

(۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء)

تقریباً دس سال بعد ظفر ہاشمی ہی کو رقم طراز ہیں:

"تازہ کلام کی اشاعت کے متعلق کوئی کارروائی ابتک نہیں ہوئی ہے۔ کاغذ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا ہے اور بے حد گراں ہے۔" (۱۳ر اپریل ۱۹۴۹ء)

مگر ان دو اقتباسات سے یہ نہیں واضح ہوتا کہ "دیوان" اور "تازہ کلام" سے اسی مجموعہ کی طرف اشارہ ہے جو ۱۹۳۳ء میں پریس کو دیا جا چکا تھا یا تمام کلام کی کوئی نئی تدوین مراد ہے۔ دوسرے اقتباس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ شاید بحالت مجبوری وحشت صاحب نے صرف مطبوعہ دیوان کے بعد ہی کے کلام کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

اب دوسرے خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

"میں تھوڑا وقت دیوان کی ترتیب میں صرف کیا کرتا ہوں۔ دیوان کی اشاعت اگر ہو گئی تو سمجھوں گا کہ ایک کام ہو گیا۔"

(مکتوب بنام پروفیسر بیخود، ۳ر جون ۱۹۵۰ء)

"۱۹۱۱ء[1] میں میرا دیوان چھپا تھا اب اس کا ایک نسخہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کے چھپنے کے بعد بہت سا کلام جمع ہو گیا ہے۔ ارادہ ہے کہ ایک مجموعہ شائع کر دوں اور دیوان اوّل کو ضمیمہ بناؤں اس وقت دیوان کے نقل کرنے میں مصروف ہوں۔"

(مکتوب بنام ظفر ہاشمی ۳۱ر اگست ۱۹۵۰ء)

ان اقتباسات کے درج ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

(۱) ظفر ہاشمی کے نام اول الذکر خط (مورخہ ۲۱ر اپریل ۳۸ء) میں دیوان سے مراد وہی دیوان ہے جو پریس کو دیا جا چکا تھا۔ جب کہ ۱۳ر اپریل ۴۹ء کے خط میں تازہ کلام سے مراد شاید دیوان اول کے علاوہ بعد کا تمام کلام بھی ہو۔

(۲) وہ مجموعۂ کلام جو پہلے پریس کو دیا گیا تھا اور جس میں شاید نواب نصیر حسین خیال کا تحریر کردہ مقدمہ بھی شامل تھا اسے وحشت صاحب نے یا تو خود ضائع کر دیا یا پریس میں گم ہو گیا۔

(۳) اپنے تازہ کلام کی تدوین نئے سرے سے کی۔

(۴) ضائع شدہ دیوان میں تازہ کلام ضمیمہ کے طور پر شامل تھا لیکن اب ترتیب اس کے برعکس رکھی گئی یعنی تازہ کلام کے ساتھ دیوانِ اولین بطور ضمیمہ شامل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔

اب پروفیسر بیخود صاحب کے نام ۵ر دسمبر ۵۰ ۱۹ء کا خط ملاحظہ ہو:

"دیوان کے سلسلے میں اب تک کچھ نہیں کر سکا ہوں۔ آج ہی مکتبہ جدید، لاہور کے مالک کو ایک خط لکھا ہے۔"

اگرچہ اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا یہ مجموعہ ناشر کو دیا جا چکا ہے یا اشاعت کے لئے سلسلۂ جنبانی کا آغاز کیا گیا ہے لیکن علی الترتیب پروفیسر بیخود اور شاکر کلکتوی کے نام خطوط سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دسمبر ۱۹۵۰ء اور اکتوبر ۱۹۵۱ء کے درمیان ناشر سے معاملات طے ہو گئے

---

[1] یہاں دیوان کا سنِ اشاعت لکھنے میں وحشت صاحب سے سہو ہوا ہے۔

تھے اور نئی ترتیب کے ساتھ نیا مجموعہ کلام ناشر کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ لکھتے ہیں:

"ترانۂ وحشت کے اطباع میں اہل مطبع تساہل برت رہے ہیں اور مصر ہیں کہ میں اس کا حجم کم کردوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ سہرے، قطعات، تاریخ، قصائد وغیرہ نکال دیئے جائیں۔ میں نے لکھا ہے کہ ایک حد تک ایسا کردوں گا۔" (۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"میرا دوسرا دیوان لاہور میں زیر طبع ہے ممکن ہے کہ چار پانچ مہینے میں چھپ جائے۔" (۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

لیکن آئندہ ۱½ سال تک اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ چنانچہ پروفیسر نیجود کو مطلع کرتے ہیں۔

"ترانۂ وحشت طباعت کی کس منزل میں ہے مجھے معلوم نہیں۔ مکتبہ جدید لاہور کام بہت سستی سے کر رہا ہے۔" (۱۷ر مارچ ۵۲ء)

پھر پروفیسر نیجود ہی کو ۲۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء کے خط میں تحریر کرتے ہیں

"ترانۂ وحشت خدا جانے کب چھپے گا۔ اہل مطبع تساہل سے کام لے رہے ہیں میں ٹھوکے دیئے جاتا ہوں۔"

پروفیسر نیجود کے نام دوسرے خط میں رقم طراز ہیں۔

"ترانۂ وحشت ان شاء اللہ سال رواں کے اختتام سے پہلے شائع ہو جائے گا۔" (۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۲ء)

مگر سال کے ختم ہو جانے پر بھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی تو پروفیسر ارشد کاکوی کو بڑے کرب کے ساتھ لکھتے ہیں

"ترانۂ وحشت خدا جانے کن ترالوں پر مشتمل ہے کہ کوئی سن نہیں پاتا۔ دیکھئے کب تک مکتبۂ جدید قدم اٹھاتا ہے۔" (۱۶ر اپریل ۵۳ء)

آخر خدا خدا کر کے ۱۶ر اپریل ۵۳ء اور ۶ر جون ۵۳ء کے درمیان کسی وقت ترانۂ وحشت شائع ہو گیا مگر اس حالت میں کہ

"کتابت کے متعدد اغلاط رہ گئے کیونکہ پروف مجھے نہیں دکھایا گیا۔" (مکتوب بنام پروفیسر اختر حسین ۶ر جون ۵۳ء)

اور ۱۶ر جون ۵۳ء کے خط میں شاکر کلکتوی کو تحریر کیا:

"دیوان کا پروف مجھے نہیں دکھایا گیا تھا، کتابت کے بہت اغلاط رہ گئے جو باعث ملال ہیں۔ کیا کیجئے کہ کوئی چارہ نہیں۔"

اسی ملال کا اظہار رضا مظہری کے نام ایک خط میں بھی کیا:

تاریخ ترتیب دیوان

تاریخ چاپ شدن دیوان

مشمولہ دیوان وحشت ۱۹۱۰ء مملوکہ نیشنل لائبریری، کلکتہ

"ترانۂ وحشت میں افسوس ہے کہ بے شمار کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ صحت نامہ میں تھوڑے ہی اغلاط دکھائے گئے ہیں۔" (۲۴ر اگست ۱۹۵۳ء)

اس طرح ترانۂ وحشت جس میں "بے شمار کتابت کی غلطیاں" ہیں ان کے دیوان کی اشاعت کے تقریباً ۴۲ سال بعد شائع ہوا اور یوں وحشت صاحب کی ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل ہو گئی جس کا اظہار ان کی درج ذیل تحریر سے بھی ہوتا ہے:

"... ڈھاکہ میں پہنچ کر ایک کام یہ کیا کہ وہ کلام جو دیوانِ وحشت کے بعد جمع ہوا تھا اس کو "ترانۂ وحشت" کے نام سے چھپوایا۔ مکتبۂ جدید لاہور اس کا ناشر ہے[1]۔"

"ترانۂ وحشت" کے سنِ اشاعت کے سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ترانۂ وحشت تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۷۰ کے اعداد کا استخراج ہوتا ہے جو ۱۹۵۰ء کے مطابق ہے۔ مکاتیب وحشت کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترانۂ وحشت کی اشاعت اگرچہ ۱۹۵۳ء میں ہوئی لیکن اس کی تدوین ۱۹۵۰ء ہی میں مکمل ہو گئی تھی اس لئے ۱۳۷۰ھ سالِ اشاعت نہیں بلکہ

[1] منقول از مضامین وحشت، مرتبہ جمال احمد صدیقی، ناشر مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ

سالِ تدوین ہے۔

مگر مکاتیبِ وحشت میں پروفیسر اظہر قادری کے نام ۱۶ر جولائی ۱۹۵۲ء کے خط سے ایک نئی بات سامنے آتی ہے:

"میری ایک بیاض آپ نقل کر رہے تھے امید ہے کہ کام جاری ہے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ یاد دہانی کے طور پر آپکو لکھا ہے۔"

ترانۂ وحشت جب ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے قبل ہی ناشر کے حوالے کیا جا چکا تھا تو پھر بیاض کی نقل کا کیا مطلب ہے؟ مگر اظہر قادری کے نام دوسرے خط سے جو ۱۵ ستمبر ۵۲ء کو تحریر کیا گیا تھا، یہ گرہ کھل جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"ممکن ہو تو آئندہ اتوار کو کوئی دس بجے آجائیے اور تتمہ ترانۂ وحشت کا جو نقل آپ کر رہے تھے، ساتھ لائیے، نامکمل ہی سہی۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشت صاحب ترانۂ وحشت کی اشاعت میں تاخیر ہونے کے سبب اس کی ترتیب اس طرح کرنا چاہتے ہوں:۔

رضا علی وحشت، مطبوعہ ۱۹۵۳ء کا سرورق بشکریہ لائبریری اردو اکادمی کلکتہ

(۱) پہلے ترانۂ وحشت یعنی دیوانِ وحشت کی اشاعت (۱۹۱۰ء) کے بعد سے ۱۹۵۰ تک کا کلام

(۲) ۱۹۵۰ء کے بعد کا کلام تتمہ ترانۂ وحشت کے عنوان سے

(۳) آخر میں دیوانِ اولیں ضمیمہ ترانۂ وحشت کی حیثیت سے

مگر مذکورہ بیاض کی نقل ترانۂ وحشت کی اشاعت (۱۹۵۳ء) تک مکمل نہیں ہو سکی تو ترانۂ وحشت اسی صورت میں شائع کر دیا گیا جیسا کہ ہمارے پیش نظر ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ وحشت صاحب نے ۱۹۵۰ء کے بعد کا کلام الگ سے تتمہ ترانۂ وحشت کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ اس خیال کو ۱۵ ستمبر ۵۲ء کے منقولہ خط سے بھی تقویت ملتی ہے۔ بہر حال ۱۹۵۰ء کے بعد کا کلام ان کی وفات کے بعد ڈھاکہ سے 'نقوش و آثار' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ ان کے تیسرے مجموعۂ کلام "نقوش و آثار" کے پیچھے "تتمہ ترانہ وحشت" چھپا ہوا ہے۔

اس طرح دیوانِ وحشت کی اشاعت کے بعد سے وحشت صاحب کی وفات تک کا تمام کلام ترانۂ وحشت اور نقوش و آثار کے نام سے شائع ہوا۔ اب بقول مولانا معصومی صاحب؛ اختلاف متن کے پیشِ نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ وحشت صاحب کے تمام کلام کا قابلِ اعتبار مجموعہ مدون کر کے شائع کیا جائے۔

وحشت کی بالغ نظری

پروفیسر نصر غزالی

وحشت اور کلامِ وحشت سے جس تعلق خاطر کا اظہار لوگ کیا کرتے ہیں میں اس کا دعویدار نہیں اور میرے خیال میں اس کے بغیر اظہار رائے ادبی بددیانتی ہے کیونکہ اس سے تن آسانی اور سہل پسندی کے رویئے کو تقویت ملتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قلم کار پر احترامِ قلم لازم ہے ورنہ تحریر کا حسن اور اعتبار دونوں غائب ہو جاتے ہیں۔ اس نکتے سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ گھسی پٹی فرسودہ اور زنگ آلود تراکیب کی جگالی کرنا اور مضمون کا رہنا دالگ الگ باتیں ہیں۔ میں ادب کے ان سورماؤں میں نہیں جو غلط سلط نثر اور فارمولا ٹائپ تراکیب کے سہارے مضمون کا قسم کی کوئی چیز تیار کر لینے میں ماہر ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہر موضوع پر حرف زنی قلم کی بے احترامی کا سبب بھی بن جایا کرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی صورت حال ایسی ہو جاتی ہے کہ دست دعا کی سلامتی کے باوجود بے دست و پا کا احساس ہونے لگتا ہے۔ سو میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اور ایسا کسی اور نے نہیں مجھے ہی ایک عزیز نے کیا میری مراد رسالہ "مغربی بنگال" کے لائق و فائق مدیر مصطفےٰ اکبر سے ہے جو تیر سے میرے شاگرد ہیں اس بندۂ خدا نے "وحشت نمبر" نکالنے کا ارادہ کیا کیا کہ میرا جینا دوبھر کر دیا آسانی سے نجات پانے کی بالآخر یہی صورت نظر آئی ذہن میں بھی تن آسانی کو راہ دوں اور بھائی برادر کے فارمولے پر عمل کر کے وحشت صاحب کے ساتھ انصاف کم اور ناانصافی زیادہ کروں۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بنگال کے شعری ادب کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہاں کے ادبی جوکھٹے میں نمایاں ترین شخصیت علامہ رضا علی وحشت کی نظر آئے گی۔ نمایاں تر ان معنوں میں کہ انھوں نے شعر و سخن کی دنیا ہی آباد نہیں کی ایک ایسے دبستاں کی بنیاد بھی رکھی جس نے مزاج و مذاق کی ترتیب و تہذیب میں ایک اہم رول ادا کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ دبستانی حیثیت کی اہمیت کلام وحشت سے زیادہ ہے اس لئے کہ بیسویں صدی کے اوائل میں بنگال کی ادبی سرگرمیوں کا سرچشمہ یہی اور صرف یہی دبستاں تھا۔ یہ دبستان بذات خود ایک مستقل عنوان کی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی ہے بلکہ ہونی بھی چاہیئے۔

دبستان وحشت اپنی جگہ بلاشبہ اہم ہے مگر وحشت کی شاعری سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ انھوں نے اپنی شاعرانہ جودت کا اظہار دوسری صنفوں میں بھی کیا ہے مگر مجموعی طور پر ان کا حاصل شاعری غزل ہے۔ یہ ایسی محبوب صنف ہے کہ شاعر و متشاعر سب اس کا دم بھرتے ہیں اور اس کے فریب سے واقف نہیں ہوتے مگر وحشت اسے لبس میں کرنے کا ہنر جانتے تھے جس کی تصدیق ان کے اشعار سے ہوتی ہے۔

وحشت سے متعلق عام تنقیدی رویہ یہ رہا ہے کہ ان کی شاعری عشق و محبت کے حصار میں گھری روایتی شاعری ہے۔ انھوں نے ہم عصر افکار و خیالات کو اپنی شاعری کا حصہ نہیں بنایا حالانکہ ان کا تعلق اس دور سے تھا جب زندگی کی قدریں بدل رہی تھیں، ملک میں مختلف تحریکات کا زور تھا، ادب زندگی سے قریب ہوتا جا رہا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ بنگال کی فضا میں ٹیگور اور نذر الاسلام کے حیات آفریں نغمے گونج رہے تھے۔ اس تنقیدی رویئے کی نفی نہیں کی جا سکتی مگر یہ دوٹوک فیصلہ بھی انتہا پسندی کی علامت ہے کہ وحشت اپنے عہد کے تقاضوں سے تو باخبر تھے لیکن ان کی انگلیاں وقت کی نبض پر نہیں تھیں۔ وہ چونکہ بزرگوں کی روایت اور وضع داری کو مہذب اور مؤدب زندگی کا معیار جانتے تھے اسی لئے اسی طرز شاعری کے امین بنے رہے ورنہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اپنے عہد کے انتشار و اختلاط کو شعری آہنگ نہیں عطا کیا۔ اس جانب اشارے ملتے ہیں مگر طرز و اسلوب وہی ہے جس کا سلسلہ کلاسیکی غزل کی روایت سے ملتا ہے۔ ہاں یہ ضرور کہنا

جا سکتا ہے کہ یہ ان کا عالمِ رجحان نہیں تھا۔ مجھے کچھ ایسے اشعار یاد آرہے ہیں جن کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھیں تو زمانے کے خد و خال نظر آئیں گے ؎

خزاں کے جم رہے ہیں رنگ کیا کیا
کریں اب خواہشِ نشو و نما کیا

جگر لاؤں کہاں سے میں جو تاراجِ خزاں دیکھوں
انہی آنکھوں سے کل رنگینیاں دیکھی ہیں گلشن کی

مزے کی زندگی ہے وقت بیکاری میں کٹتا ہے
نہ ہے امروز کی کچھ فکر نہ اندیشۂ فردا

بہا جاتا ہے اپنی اپنی رو میں دیکھئے جس کو
کسے فرصت کہ سوچے مقصدِ بانگِ درا کیا ہے

اپنی بربادی کا افسانہ ہے مشہورِ جہاں
محفلِ دشمن میں زیبِ داستاں ہوتے ہیں ہم

قدر شناسی کا تقاضہ یہ ہے کہ وحشت نے لفظ و معنی کے اسلاک کی جو ہنر مندی دکھائی اس کی دریافت کی جائے اور شاعر کے درد اور مٹھاس، کیفیت اور رنگ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ غزل کی موضوعاتی توسیع کو وقت کی ضرورت کہا جانا چاہیئے۔ توسیع کی ضرورت بھی ہے کہ ادب کو زندگی اور توانائی اسی سے ملتی ہے مگر یہ بھی اپنی جگہ ایک سچائی ہے کہ اب تک کے سرمایۂ غزل کا پچھتر فیصدی حصہ عشقیہ جذبات پر مشتمل ہے۔ فراق گورکھپوری نے بھی کبھی یہ بات کہی تھی کہ اردو شاعری عاشق کے جذبات کی شاعری ہے۔ غزل کے شاعروں نے محبت کی کہانی کو موضوعِ خاص بنا کر کوئی غلطی بھی نہیں کی کہ محبت کی کہانی انسانی زندگی کی پرانی کہانیوں میں سے ہے۔ وحشت کی ابتدا و انتہا بھی اسی نرم و گرم جذبے پر ہوتی ہے۔ ان کی شاعری مجموعی طور پر کسی مجنوں صفت کا قصۂ درد ہے۔ انھوں نے شعر نہیں کہے اپنی بے تابیوں اور بے قراریوں کو زبان دیدی ہے۔ مگر وہ زخمی ہو کر تڑپنے والے پرندے کی طرح اپنی جراحتوں کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے اظہارِ درد میں باوقار برداشت کے مراحل بھی آتے ہیں جس کی دریافت انہی کا حصہ ہے جو صرف جسم نہیں روح بھی رکھتے ہیں۔ محبت کی آگ میں تپنے والے اظہارِ محبت کی جو جو صورتیں پیدا کرتے ہیں وہی تمام صورتیں وحشت کی شاعری میں بھی بکھری پڑی ہیں ؎

تری نگاہ سمجھتی ہے یا نہیں دیکھوں
لبِ خموش میں کوئی سوال پنہاں ہے

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمعِ انجمن کیلئے

کیا جانے کہاں سے دلِ مضطر میں لگی آگ
کس گھر سے اٹھی آگ کہ اس گھر میں لگی آگ

عالم پہ ہے چھایا ہوا اک یاس کا عالم
یعنی کہ تمنا کے گرفتار بہت ہیں

ہر چند اپنے سر پہ قیامت گزر گئی
ہم منتظر ابھی تری آواز پا کے ہیں

چشم کو میں نے بہر سو نگراں دیکھا ہے
نہیں معلوم ترا جلوہ کہاں دیکھا ہے

بھرے آتے ہیں آنسو سن کے حالِ گریۂ بلبل
اسے دل یہ تو تیری داستاں معلوم ہوتی ہے

ہم اپنے دیدۂ مشتاق ہی سے کام لیتے ہیں
حجاب آتا ہے ان سے آرزوؤں کا بیاں کرتے

طولِ کلام کو راہ نہ دیتے ہوئے میں فی الحال وحشت کی مختلف شعری کیفیات میں سے صرف ایک کیفیت کی طرف اشارہ کروں گا۔ وہ کیفیتِ درد جس کا سلسلہ ناآسودگی اور تشنگی سے ملتا ہے اور جس کا اظہار انھوں نے اپنے نسی حوالے سے کیا ہے ؎

شرمندہ کیا جوہرِ بالغ نظری نے
اس جنس کو بازار میں پوچھا نہ کسی نے

ہائے وہ تنکے کہ جن کو آشیاں سمجھا تھا میں
برق سے ان کے تعلق کو کہاں سمجھا تھا میں

سرِ شاخِ آشیاں بھی مجھے خوف تھا قفس کا
نہ ہوئی نصیب دل کو کبھی راحت آشیاں کی

اظہارِ درد کا لہجہ بتا رہا ہے کہ شاعر ناآسودگی کے احساس سے دوچار ہے۔ کامیابیوں کے باوجود اس کے اندر کسی جگہ ناکامی کی آگ دبی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ زندگی خسارے میں گزر رہی ہے پھر بھی وہ سمندر کی طرح شانت رہتا ہے اور ضبط کی جی داری کو مجروح نہیں ہونے دیتا

باقی ص ۸۵ پر

وحشت اپنے مقطعوں کی روشنی میں

نورالہدیٰ

شاعر اور نثر نگار میں بہت سے فرق کے علاوہ ایک فرق یہ بھی ہے کہ شاعر اپنے اشعار میں تخلص استعمال کرتا ہے اور اس میں حیات و کائنات کے مختلف النوع مثبت اور منفی مسائل و مضامین پیش کرتا ہے۔ یعنی زیادہ مثبت کم۔ تخلص کا یہ شعر مقطع کہلاتا ہے۔ غزل، قصیدہ، نظم، مثنوی، مرثیہ، مسدس، مخمس، رباعی، قطعات وغیرہ اصنافِ سخن میں تخلص کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے۔ بقول مصنف فرہنگ آصفیہ "بعض شعرا مثلاً سعدی، امیر خسرو وغیرہ اکثر شعر سے اول ہی میں تخلص ڈال دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی شعرا مطلع کو بھی مقطع بنا دیتے ہیں۔

تم ہوئے، ہم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مقطع گوئی کی رسم یا بدعت سے شاعر اور شاعری دونوں کا فائدہ ہوا۔ چونکہ یہ ذریعہ ہی جلے پھپھولوں کے پھوڑنے کا۔ اپنے مدمقابل کو نیچا دکھلانے کا۔ ذات کی نمائش اور اظہار کا۔ چونکہ انسان اپنی ذات کے حصار سے نکل نہیں پاتا ہے اور جب شاذ و نادر اس حصار کو توڑ دیتا ہے تو ولایت، ترک اور سلوک کے راستے پر چل پڑتا ہے پھر اسے کسی تخلص یا مقطعے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا مقطعے لاشعوری طور پر شاعر کے فکر و وجدان کیلئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ خیالات میں جلا پیدا ہوتی ہے اور آمد کی راہیں کھلتی ہیں۔ شاعر کے نفس کی تسکین کے علاوہ تحقیق کرنے والوں اور مقالہ نگاروں کو شعر کے خالق اور اس کے شجرے کے سلسلے میں زیادہ زحمت نہیں اٹھانا پڑتی ہے۔

پوری اردو شاعری میں ایک دو نام ضرور ایسے ہیں جنھوں نے مقطعے کا استعمال نہیں کیا اور کیا بھی تو برائے نام۔ شاعرانہ ضرورت اور مصلحت کے تحت۔ اس سے شاعر کی اعلیٰ تہذیب اور اس کے مقام علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس فکر کا اندازہ ہوتا ہے جو علم و آگہی کے اعلیٰ ادراک سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ شاعر کا ضبطِ نفس اور احترامِ ذات ہی ہے جو اسے تخلص سے اجتناب اور گریز پائی سکھاتا ہے۔

مقطعے کے چند رجحانات بالکل عام ہیں۔ انھیں آپ شاعری کا مرض کہہ سکتے ہیں یعنی شاعری کرنے یا شعر کہنے کے ردعمل کے طور پر یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مجھ سے بڑا کوئی شاعر نہیں۔ مکروں کی جو قدریں ہمارے یہاں ملتی ہیں دوسروں کے یہاں ناپید ہیں۔ زمانہ قدر شناس نہیں رہا۔ قاری کا ذوق بدل گیا ہے ملکر پست اور سوقیانہ ہوگیا ہے۔ وقت ہماری شاعری کے نکات و رموز سے کما حقہٗ بہرہ ور ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تصوف اور تمثیل شاعری کے لئے ہم نے جتنی محنت و ریاضت کی دوسروں کے حصے میں نہیں آئی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے رجحانات وحشت کے یہاں موجود ہیں۔

فروغِ طبع خدا داد اگرچہ تھا وحشت
ریاض کم نہ کیا ہم نے کسبِ فن کیلئے

اگر نگار قدر من نمی داند چہ غم وحشت
خدائے می دہد از گوشۂ سحاب اقبالم

ہمارے ریختے میں فارسی کی شان ہے وحشت
کہیں ترکیبِ عرفی ہے کہیں طرزِ فغانی ہے

مقطعے کے ان اشعار سے جہاں شاعر کے عامیانہ جذبات اور سطحی نفسیات کا علم ہوتا ہے وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اس اظہار میں حد درجہ شاعرانہ حسن ہے جس کی وجہ سے قاری اثر قبول کرتا ہے

جب علم و ادب اور شعر و سخن کی بے قدری کا یہ عالم ہو تو کون شاعر ہوگا جو سعفت جانی کا دعویٰ کرسکے گا۔ عام شاعر کی طرح وحشت بھی ایک مقام پر رک جاتے ہیں۔ ناامیدی اور یاس کے عالم میں "دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے" کے مصداق "نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن" والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ شاعری کی مختلف راہوں سے گذر کر ایک مقام پر ٹھہر جاتے ہیں اور تشکیک کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر شاعر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ شعر و شاعری پر گراوٹ پڑا ہے۔ قاری کا ذوق بدل گیا ہے سخن سنجی اور سخن

فہمی کی صلاحیتیں گھٹ گئی ہیں۔ زبان دانی کا سلیقہ بدل گیا ہے اور ادب میں تصنع اور بناوٹ کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا۔ دراصل سوچنے کا یہ انداز اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شاعر کا فکر و فن مقام برزخ پر پہنچ کر سمتِ رخ پر چل پڑتا ہے اور لاشعور کے خول میں گم ہو جاتا ہے۔ اس منفی انداز فکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر شاعر کی شاعری کی ایک مخصوص ڈگر ہوتی ہے۔ ایک مسلکِ شعر گوئی ہوتا ہے جس پر وہ سرا اجتہاد یا تبدیلی کو شک کی نگاہ سے ہی نہیں دیکھتا بلکہ انھیں شعر و سخن اور فکر و فن کے موانع تصور کرتا ہے ؎

ہائے کس قدر بدلا رنگ شاعری وحشت
اب نظر نہیں آتا کوئی ہم زباں اپنا
جانتے ہیں اب پسندِ عام کا کیا رنگ ہے
خدمتِ فنِ سخن وحشت کہاں کرتے ہیں ہم
کئے کیا کیا تصرف شعر میں جدت پسندوں نے
ہے وحشت مدعا اس کا یہ فن برباد ہو جائے
غزل کا لطف ہے وابستہ طرزِ کہن وحشت
خیال خاطر احباب جدت آشنا کب تک

شاعر عام طور پر اپنے مقطعوں میں شاعری کی نفی کرتا ہے۔ اقبال خود کو شاعر نہیں دانائے راز کہتے تھے۔ ان کی نوائے پریشان شاعری نہیں تھی، یہ راز حیات اور رموز کائنات کے اظہار کیلئے ناکافی تھی۔ غالب کو اس بات پر ناز تھا کہ ان کے آباء کا پیشہ سو پشت سے سپہ گری تھا شاعری ان کے لئے ذریعہ عزت نہیں تھی۔ وحشت جو اپنے کو غالب دوراں کہتے ہیں اور غالب کے مسلک شعر کے روحانی وارث ہیں اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی بیباک ہیں ؎

ہر چند طبع شعر ازل سے ملی مجھے
وحشت مرا شعار مگر شاعری نہیں
کچھ خبر بھی ہے تجھے وحشت شیریں گفتار
کہ تجھے لوگ امام الشعرا کہتے ہیں
ہوائے شعر نے رسوا کیا مجھے وحشت
سواد شعر میں چرچا ہے چار سو میرا

وحشت پری رخانِ معانی کے حسن سے
دیوان تیرا رشک صنم خانہ ہو گیا

وحشت کے مقطعوں میں واردات عشق کا بڑا ستھرا اور دلنشیں اظہار ہے۔ مومن کی طرح حسن و عشق کے مختلف پہلو، محبت اور دلربائی کے نت نئے انداز اور آداب عشق کے نشیب و فراز کی بڑی اچھی تصویریں پیش کرتے ہیں۔ اس موضوع پر جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو اشعار میں شوخی، شرارت اور وارفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ شاعری کا حسن نکھر آتا ہے۔ مسائل زندگی حالات کے پیچ و خم اور فکر و فن کے نکات سے متعلق بڑے محترم اور معتدد مقطعے مشاہیرِ سخن کے یہاں موجود ہیں لیکن معاملات حسن و عشق، معشوق کی دلربائیاں اور کج ادائیاں حسن کی فتنہ سامانی اور عشق کی جنون آرائی، عشوہ و ادا، ہجر و وصال کے ہنگامے جس طرح وحشت کے مقطع میں رقم ہوئے ہیں شاید ان کی مثال میر و مومن، غالب و داغ، جگر و فراق کے یہاں ملتی ہو ؎

قربان جاؤں چھوڑ کے تکلف کی گفتگو
کہہ کر پکار وحشت آشفتہ سر مجھے
وہ ہنس کے کہتے تھے کل اپنے ملنے والوں سے
سنا ہے حضرت وحشت بھی ہم پر مرتے ہیں
نجات ہو گی نہ ایسے کے دام سے وحشت
کہ بے وفا بھی ہے اور بے وفا شعار بھی ہے
خدا کا شکر ہے وحشت کہ باہم شاد ہیں دونوں
جو ہم خوش ہیں وفا کر کے تو وہ خوش ہیں جفا کر کے
وہ سنگ در کو اپنے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں
خدا لائے کہاں ہے وحشت شوریدہ سر میرا
تیری دیوار بھی واقف ہے در بھی
جنونِ وحشت شوریدہ سر سے

اردو شاعری کی تہذیبی روایت رہی ہے کہ شاعرانہ خوبیوں کو کسی بڑے شاعر کی خوبیوں سے مربوط و منسوب کر دیتا ہے۔ جہاں یہ ایک طرح کی عقیدت اور انکسار ہے وہیں اس میں ذاتی تعریف اور بڑائی کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے۔ وحشت اپنے مقطعے میں غالب سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اسی میں ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ اس

طرح شاعر در اصل اپنی شخصیت اور شاعرانہ جد و جہد کی تکمیل چاہتا
ہے۔ اس میں ایک قسم کا یقین و اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے آئندہ
تخلیقات کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کا وہ
بیان جو وحشت اور غالب کے تعلق سے ہے، خلاف موقع نہیں ہوگا

"جس بزرگ پر (غالب پر) اہل کلکتہ کی طرف سے سنین
ماضیہ میں دو بار حد سے زیادہ اعتراضات کی بوچھار ہوئی
تھی اور نکتہ چینی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا
آج کلکتہ کے ارباب فضل و کمال میں سے ایک یگانہ اور
برگزیدہ شخص (وحشت) اسی بزرگ کے تتبع پر فخر کرتا ہے"

؎
کیا تھا روح غالب سے تو پیدا کسب فن وحشت
سخنور سیکھتے ہیں آج انداز بیاں مجھ سے

سنا تازہ غزل کوئی بطرز میرزا غالب
کہ بزم سخن خالی نہیں وحشت سخنور سے

وہ امتیاز حسن ہے معنی و لفظ کا
وحشت کو حسن نے غالب دوراں بنا دیا

بڑے شاعر کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے وہ شعر کہتے وقت
وہ اپنی ذات اور اپنی شخصیت کو واردات شعری سے الگ کر لیتا ہے اور اپنی
ذات کو غیر اہم تصور کرتا ہے۔ اس طرح اشعار میں آفاقیت اور ہمہ جہتی پیدا
ہو جاتی ہے مقطعے کے ساتھ بھی یہی بات ہے۔ اچھے مقطعے میں شاعر کی
نفسیات، زندگی بسر کرنے کے طور طریقے سماج اور تمدن کے نظریات، افراد کے
ایثار و اخلاق، مشاہدات کائنات کے پہلو، فکر و فن کے رجحانات اور زمان
و مکان کی مختلف جھلکیاں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔ وحشت کے یہاں
ایسے مقطعوں کی کمی نہیں ہے جس میں ان کی شخصیت، ان کی ذات اور
ان کی انا کو کچھ بھی دخل نہیں۔ وہ اپنی ذات کو شاعری سے الگ کر کے اپنے
فکر و وجدان کو وسیلہ بناتے ہیں کائنات کے مشاہدات و مطالعات
کا۔ یعنی ان کا ذہنی سفر ذات سے کائنات کی طرف ہوتا ہے۔ ایسے بڑے
شاعروں میں ایک نام میر کا ہے۔ جمیل جالبی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

" ذات کو شاعری سے اور شاعری کو ذات سے الگ کرنے کا
عمل ہم دیکھنا یا محسوس کرنا چاہیں تو ہمیں میر کے مقطعے میں یہ
واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ میر جب اپنے تخلص کے ساتھ

خود کو مخاطب کرتے ہیں تو ایک طرف ان کا تخلص زندگی کا
استعارہ بن جاتا ہے اور دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ اپنی ذات کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر اس سے
الگ ہو گئے ہیں۔"

وحشت کے بعض مقطعوں میں بھی اس کا شائبہ پایا جاتا ہے ؎

تا بمنزل جب رسائی ہو گئی وحشت محال
دقتیں ہر ہر قدم پر مجھ کو آساں ہو گئیں

قطرہ ہے دریائے مے، وحشت ہوائے عیش میں
کم از جام سفالیں مجھ کو جام جم نہیں

زمانے کی گردش کچھ ایسی ہے، یاس آفریں وحشت
مٹایا رفتہ رفتہ دل سے نقش مدعا میں نے

مل گئی وحشت دیوانہ کو تھوڑی سی زمیں
اب وہ ہنگامہ سر کوچۂ جاناں نہ رہا

گنہ ایسے مجھے یاد آئے وحشت
خجل سا رہ گیا میں ہاتھ اٹھا کے

ان اشعار سے اور اس قبیل کے دوسرے اشعار سے وحشت کی
شاعرانہ عظمت کی شناخت ہوتی ہے۔ یہی وہ اشعار ہیں جہاں شاعر کی
ذات کہیں نظر نہیں آتی۔ نام آتے ہیں، تخلص آتے ہیں لیکن زندگی کے
استعارے کی شکل میں۔

وحشت کے مقطعوں سے اعلیٰ تہذیب و شائستگی، اخلاق و رواداری کا
اندازہ ہوتا ہے۔ مقطعے ہی نہیں بلکہ پوری شاعری میں دل آزاری اور خشونت
اور طنز و ہجا کے مضامین نہیں ملتے۔ غالب کی طرح وہ جارح نہیں ہیں۔ وہ
دعویٰ نہیں کرتے کہ ؎

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

یا ؎
بنا ہے شہہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہ انداز تخاطب وحشت کو اپنے روحانی پیشوا سے ورثے میں نہیں
ملا۔ ان کے یہاں انکسار و نیازمندی ہے۔ ہم سفری اور صلح کل ہے۔ یہی
وصف ان کی زندگی کا بھی رہا ہے۔ اپنے مقطعے میں نسبت رسول کا ذکر

بہت والہانہ طور پر کرتے ہیں۔ ان میں سپردگی اور روحانی کشش ہے۔
اردو شاعری کی یہ تہذیب رہی ہے کہ بیشتر شاعر اپنی شاعری رومان و انقلاب کی چوکھٹ سے شروع کرتا ہے اور محراب و منبر کے سائے میں ختم کر دیتا ہے۔ اقبال کی زیادہ تر شاعری ہمیشہ باوضو رہی۔ فیض جیسا کمیونسٹ آخر اس کا بھی دامن شاعری کو اس طہارت، سے نہیں بچا سکا ہے۔

یہ سخن جو ہم نے رقم کئے ہیں یہ سب ورق تیری ذات کے۔

وحشت یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں ؎

چراغ آشنائی کر دوام روشن بدل وحشت
بحمداللہ کہ سامان نشاط جاوداں کردم

یہ کیا کم ہے کہ وحشت، باہمہ جرم و سیہ کاری
سہارا روز محشر ہے شفیع روز محشر کا

قلم سے یا زباں سے کام لینا ہے اگر وحشت
مدیح مرتضیٰ لکھئے ثنائے مصطفےٰ کہیئے

مقطعے میں شاعر کی ذات اور اس کے غور و فکر کا ڈھنگ نمایاں رہتا ہی ہے۔ یہ ایک طرح کی مہر ہے جس سے زمانہ، تاریخ و تہذیب، قوم و ملک، مذہب و ملت کے حالات و واقعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انسان کی تہذیب و تمدن اور اس کی عظمت و ہزیمت کے داستان اور شہر آشوب کے منظر نامے سامنے آتے ہیں۔ وحشت کے یہاں موضوعات کا زیادہ پھیلاؤ نہیں ہے ان کی شاعری کلاسیکل اور روایتی شاعری کا دلکش نمونہ ہے۔ ان میں شاعرانہ نکات و رموز تو ہیں لیکن ان کا مقصد و منزل متعین نہیں ہے۔ اس لئے ان کے مقطعوں کا کینوس بھی محدود اور مختصر ہے۔ موضوع سخن زیادہ تر عشق و محبت ہے۔ سرسید، حالی، شبلی اور اقبال کی تخلیقات اور ان کے انداز فکر کی وحشت کی شاعری پر کوئی چھاپ نہیں ہے لیکن مقطعوں میں تغزل کا حسن اور کامیاب ترین شاعری کا جلال و جمال ہے ؎

ضرورت روشنی کی تھی وہ حاصل ہے مجھے وحشت
کہ اک مدت سے جلتا ہے چراغ آرزو، دل کا

اب تصور میں کہاں شکل تمنا وحشت
جس کو مدت سے نہ دیکھا ہو وہ کیا یاد رہے

کھویا ہوا ہوں جو میں پایا ہے کچھ تو وحشت
ہوں بے خودی میں سرخوش سودا انہیں خودی کا

بندۂ محبت ہیں، مدعا محبت ہے
ہم سے کس طرح وحشت ترک مدعا ہوتا

مل گئی وحشت دیوانہ کو تھوڑی سی زمین
اب وہ ہنگامہ سر کوچۂ جاناں نہ رہا

نہیں محروم ہم آوارہ گردان جنوں وحشت
سر شوریدہ کو سایہ مبارک سنگ طفلاں کا

■■

بقیہ: رضا علی وحشت ص کا

کے یہاں ایسے اشعار ملتے ہیں جو عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان اشعار کی تخلیق غیر شعوری طور پر ہوئی ہو انھیں جدید غزل گوئی کا سنگ بنیاد کہا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ایک شعر کو لیجئے ؎

بہار گل متقاضی ہے خون بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیئے رنگینی چمن کیلئے

بہار گل کو خون بلبل کی ضرورت ہے اور بہار گل سے ہی چمن کی رونق دوبالا ہوتی ہے۔ اس شعر میں دراصل ایک پیغام حیات ہے۔ زندگی کے مقاصد کے حصول کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے بغیر قربانی کے کسی شئے کی تعمیر و ترقی ممکن نہیں ہے۔

قعر دریا کا تلاطم تھا طلب گار حریف
حیف ان لوگوں پہ جو آغوش ساحل میں رہے

ترانۂ وحشت میں اور بھی ایسے اشعار ہیں جو وحشت کے اپنے رنگ میں ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ کریں۔

ہے اک مخصوص مقصد زندگی کا یہ نہیں غافل
کہ اپنی عمر کو تو جس طرح چاہے بسر کر دے

وحشت اس محفل میں کیا انصاف ہو اپنا بھلا
سب انھیں کی سی کہیں ان کی طرفداری کریں

آخر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اساتذہ کی پیروی اور تقلید اور اپنی انفرادیت کے ساتھ خان بہادر علامہ رضا علی وحشت اس دنیا، اس کائنات کے شاعر ہیں اور ان کی شاعری میں ہندوستان بالخصوص بنگال کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہے۔ [تحقیقی مقالہ] ■■

وحشت: ایک نیا زاویہ

زین العابدین

کلیم الدین احمد صاحب نے لکھا "اردو غزل ایک نیم وحشی صنف سخن ہے"۔ اردو غزل پر اتنی سخت تنقید کسی نے نہیں کی لیکن تعجب کی بات ہے کہ آپ کا یہ جملہ بہت ہی متعرلارہ ہے۔ ان کے لاشعور میں غزل کی انفرادیت کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ اردو کے ناقدین جھنجھلائے تو بہت لیکن کلیم صاحب کی تنقید کا جواب ادبی لحاظ سے نہیں دے سکے۔ رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو کی آبرو کہہ کر ہی اکتفا کیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ دونوں نقادوں نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ بہت حد تک صحیح اور مناسب ہے۔ اردو شاعری سے اگر غزلوں کا ذخیرہ علاحدہ کر دیا جائے تو پھر اردو زبان اور شعری ادب پر فخر کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچتا۔ غزل نے ہر دور میں اردو زبان کی ترقی اور اسے پروان چڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس نے زبان کو صیقل دیا۔ اگر غزل اور طرحی مشاعرے نہ ہوتے تو اردو زبان نے جو ترقی کی ہے اس کی رفتار سست رہتی۔ زبان کو نکھارنے، سجانے بنانے اور سنوارنے میں غزل نے انفرادی کردار ادا کیا ہے۔ غزل کی رعنائی، اس کے حسن سے انکار ممکن نہیں۔ ۱۹ویں صدی کی تیسری دہائی سے اردو شاعری میں بہت سارے تجربے ہوئے نئی جہتیں دریافت ہوئیں۔ بیان کے نئے انداز اپنائے گئے لیکن یہ تمام تجربات غزل کی سرحد سے پرے ہوئے۔ غزل کی روح ان تجربوں سے مجروح نہیں ہوئی اس نے اپنی رعنائیوں، خوبیوں اور پابندیوں پر حرف نہیں آنے دیا۔

رضا علی وحشت سرزمین بنگال کے گل سرسبد تھے۔ اسی بنگال کے حسن پر حافظ شیرازی نے ناز کرتے ہوئے کہا "این قند پارسی بہ بنگالہ می رود"۔ انھیں غزل اور اس کی روایات سے عشق رہا۔ ان کے دواوین میں جو دوسرے اصناف سخن ہیں وہ خیال خاطر احباب کے زمرے میں شامل ہیں اور شاعر کے مقام کے تعین کرنے میں اسے قابل اعتنا سمجھنا ہرگز مناسب نہیں ہوگا۔ وحشت نے شعری ادب میں کوئی تجربہ نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے غزل کا دامن ہاتھ سے جانے دیا۔ انھیں اپنی تہی دامنی کی بھی شکایت نہیں رہی اور عرض مدعا کے لئے کچھ اور چاہیئے کی صدا وہاں نہیں سنائی دیتی۔ انھیں غزل کی روایات عزیز ہیں۔ انھوں نے اردو زبان کی خدمت کی اور یہ خدمت بے لوث رہی۔ نہ ستائش کی تمنا تھی اور نہ ہی صلہ کی پرواہ۔ انھوں نے ۷۵ برس کی عمر پائی اور ادب کی خدمت دو چار برس کی بات نہیں بلکہ نصف صدی کا قصہ ہے۔ اخیر کے ۵ یا ۶ سالوں کے علاوہ ان کی پوری زندگی کلکتہ ہی میں گذری اور یہاں وہ اپنی شخصیت سے ایک دبستاں رہے۔ شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ تھا جس میں بہار، یوپی، پنجاب وغیرہ کے شعراء کا نام ملتا ہے۔ انھیں اپنے شاگردوں سے محبت تھی اور ان کی ہمت افزائی ہر طرح کیا کرتے تھے۔ یہ اسی ہمت افزائی ہے کہ ان کے بعد بھی اردو کا دبستان قائم رہا۔ بزم سخن اور "بزم شاکری" نے ایک وسیع حلقہ قائم کیا جو اردو زبان و ادب کی خدمت آج بھی کر رہی ہے اور بزم احباب کے بعد یہ واحد ادارہ ہے کہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جوان ہے۔ وحشت صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اسے بافیض و بااثر دیکھا تھا۔ یہ دبستان نو مشق شاعروں کی ہمت افزائی کرتی رہی ہے اور ان کی کاوشوں کو دنیائے ادب سے روشناس کرایا۔ کلکتہ کی فضا میں اس ادارہ کا قائم رہنا ہی اس کی افادیت کا ثبوت ہے۔ اسلامیہ کالج جو بعد ازاں سنٹرل کالج اور پھر مولانا آزاد کالج بنا، کا مشاعرہ وحشت صاحب کی رہین منت ہے۔ انھوں نے مشاعرہ کی داغ بیل

ڈالی اور اپنے وقت کا یہ بہت اہم مرکز رہا۔ اس کے مشاعروں
کی اہمیت تھی اور یہ کلکتہ کا عظیم مشاعرہ سمجھا جاتا تھا جس میں
ارباب فن شریک ہوتے تھے۔ وحشت نے اگر کوئی دبستان
قائم نہیں کیا ہوتا تب بھی ان کی یہ خدمت اردو کیلئے ایک گراں
قدر خدمت تھی جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس مشاعرہ
نے بہت سارے شعراء کو افق ادب پر ابھرنے کا موقع فراہم
کیا۔ وحشت کی یہ یادگار آج بھی قائم ہے۔ گرچہ سالانہ مشاعرہ
کی روایت ایک حد تک مجروح ہوئی ہے اس کی وجہ موجودہ
دور کا بحران ہے۔

وحشت کا پہلا دیوان ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ وقت
کے نقادان فن نے اس کا استقبال کیا۔ یہ وحشت کی بدقسمتی
تھی کہ مولانا حالی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے
غالب کی کامیاب تقلید کی ہے اور جو کام اہل دہلی کو کرنا تھا انھوں
نے کر دکھایا۔ انھوں نے تتبع غالب کا حق ادا کر دیا۔ حالی کی اس
مدح سرائی ، جو غالباً ایک جواں شاعر کی ہمت افزائی تھی
وحشت کے لئے بعد میں ایک المیہ ثابت ہوئی۔ وحشت نے
بھی اپنے آپ کو غالب دوراں سمجھا اور سہل نگار نقادوں نے وحشت
کو مقلد غالب سے زیادہ نہ دیکھنے کی ضرورت محسوس کی نہ ہی
ان کی اپنی جگہ متعین کرنے کی کوشش کی۔ وحشت نے ٹھیک ہی
کہا ہے

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

اگر تراکیب، بحر، ردیف و قافیہ کے استعمال کی بات کو
تقلید سمجھا جائے تو شاید ہی اردو کا کوئی شاعر ملے جو مقلد
نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے ضرورت اس کی تھی اور آج بھی ہے
کہ وحشت کو "غالب دوراں" کی حیثیت سے پیش نہ کر کے
ادب میں ان کی جگہ متعین کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ بات
تلخ ضرور ہے لیکن انکار ممکن نہیں کہ اردو زبان و ادب علاقائی
عصبیت کا شکار ہمیشہ سے رہا ہے۔ ناقدوں نے لکھنؤ،
دہلی اور پنجاب کے علاوہ دوسرے خطے کے ادیبوں اور شاعروں
کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور ان کی ادبی خدمات اور ان کے فنی
محاسن اور ان کی شاعرانہ بصیرت پر انھوں نے
کھل کر بات نہیں کی۔ وحشت بھی اس عصبیت کے شکار رہے۔

وحشت کو غالب کا مقلد اور غالب ثانی کہنا صحیح نہیں ہے۔
جوانی میں وحشت نے اس تعریف کو اپنے لئے قابل فخر سمجھا لیکن
عمر کے آخیر حصے میں وہ اس کے شاکی بھی رہے۔ انھیں اس کا بھرپور
احساس تھا کہ انھوں نے خود بھی اردو زبان و ادب کو کچھ دیا ہے
ہے اور ان کا مقام اسی بنیاد پر متعین ہونا چاہئے۔

امیر اور داغ نے اردو غزل کو تلذذ پسندی کا شکار بنا دیا۔
انحطاط پذیر سماج یا صوفیت میں پناہ لیتا ہے یا پھر اس کا رخ تلذذ
پسندی کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ انیسویں صدی، ہندوستانی
سماج اور معاشرہ کے انحطاط کا دور تھا۔ سلطنت مغلیہ آخری
سانس لے چکی تھی، اور لو کے بجھنے سے پہلے روشنی کا ایک
تیز جھماکا ہوا جس میں ہم غالب، ذوق، مومن وغیرہم کو دیکھ سکتے
تھے۔ اس دور کے بعد امیر اور داغ اردو شاعری پر چھائے
رہے۔ ان کی شاعری ذہنی تلذذ کی بہتر مثال ہے۔ وحشت شمس
کے شاگرد تھے اور شمس کو داغ سے تلمذ حاصل تھا۔ یہ
بات قابل ذکر ہے کہ اس رشتہ کے باوجود وحشت کے یہاں
اس تلذذ پسندی کا شائبہ تک نہیں ہے۔

وحشت کے ہمعصروں میں بڑے شاعروں کا نام آتا ہے
اور ان کے معاصرین میں وہ نوجوان ادیب، ناول نگار، افسانہ
نگار، شاعر، نقاد، نثر نگار اور طنز نگار بھی تھے جنھوں نے
اردو کو بہت کچھ دیا ہے لیکن نقادان فن نے وحشت کو نظر انداز
کیا۔ غزل کے عناصر اربعہ اصغر، فانی، حسرت اور جگر مانے گئے۔
اور ان کے ناموں کو خوب شہرت دی گئی۔ کچھ اس طرح یہ کام کیا گیا
کہ جس سے ادبی عصبیت اور بد دیانتی کی بو آتی ہے۔ یہ عناصر
اربعہ کبھی بھی عناصر خمسہ نہیں بنے۔ دوسرے شعراء کو نظر انداز
کیا گیا۔ صرف حیرت ہوتی ہے کہ یگانہ چنگیزی کو لوگوں نے کس
طرح نظر انداز کیا۔ ان کی آواز تو سب سے منفرد اور سب سے نرالی
ہے۔ ایک شان، ایک ولولہ ایک امنگ اور ایک مردانہ وجاہت
جو ان کے کلام میں ہے وہ بیشک یگانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ

پھر وحشت کی پذیرائی اس مجلس جود ستائش میں ممکن نہیں تھی۔

وحشت ایک متین سنجیدہ اور رنجاں مرنج قسم کی ادبی شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی معمولی حیثیت سے شروع کی معلمی پیشہ رہا۔ انگریزوں کو بھی اردو پڑھاتے تھے۔ ان کی طرز رہائش اور طرزِ حیات سے مرعوب بھی تھے وقت کے ہنگاموں سے اپنے کو دور رکھتے تھے۔ جنگ آزادی زوروں پر تھی اور بنگال کے نوجوان اپنے ملک کو سیاسی غلامی سے آزاد کرنے کیلئے کود پڑے تھے۔ انقلابی تحریک زوروں پر تھی اور انگریزوں کو نکال دینے کی ہندوستان سے نکالنے کی کوششوں میں بہادر نوجوان اپنی زندگیاں قربان کر رہے تھے۔ گاندھی جی کی تحریک بھی چل رہی تھی۔ کرشک پارٹی بھی قائم ہوئی تھی اور وزارت عظمیٰ پر قبضہ بھی تھا اور مسلم لیگ کی وزارت بھی تھی۔ جنگ عظیم بھی ہوئی اور ملک کا بٹوارہ بھی ہوا لیکن ان تمام تحریکوں اور سیاسی ہنگاموں کا اثر ان کی شاعری میں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ نہ ہی وہ ادب میں نئی تحریکات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری اردو کے کلاسیکی ادب کے دائرہ سے باہر نہیں جاتی۔ انھوں نے اپنے آپ کو کلاسیکی ادب کے محور میں ہی محصور رکھا۔ اگر غالب ثانی ہوتے تو ان تمام اثرات کو قبول کرتے پھر یہ بھی دیکھا چاہیئے کہ غالب کو اپنے ذخیرۂ اردو پر ناز کبھی نہیں رہا اور ہمیشہ انھوں نے اپنی فارسی شاعری ہی پر ناز کیا۔

وحشت اس دبستان کے شاعر تھے جنھوں نے اردو زبان کو صیقل کرنے اور اسے نکھارنے کا کام انجام دیا۔ اس پر کسی نے توجہ نہیں دی کہ ان پر ناسخ کا اثر کتنا تھا۔ ناسخ کی شاعری کا اثر وحشت کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور ناسخ کے ساتھ وحشت کا موازنہ ایک ادبی کام ہوگا۔

وحشت نے بے لوث زندگی گذاری۔ وہ اپنی شرافت، حسن سلوک، متانت و سنجیدگی میں ایک یادگار تھے۔ ان کی شاعری حسن بیان، متانت و سنجیدگی کا ایک اچھوتا نمونہ ہے ان کی شاعری میں رطب ویابس کا دور تک پتہ نہیں۔ ان کی شاعری سے ان کے کردار کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ وحشت کی عظمت یہ نہیں کہ وہ غالب دوراں یا غالب ثانی تھے، وہ ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کی خوبی یا برائی جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ وہ وحشت تھے ــــــ شریف، متین، سنجیدہ اور مرنجاں مرنج ــ انھوں نے ایک ایسے جغرافیائی خطہ میں اردو کے گیسو سنوارے جس نے اردو کے نثری ادب کی ترقی و ترویج میں نمایاں کام انجام دیا لیکن اردو کے شعری ادب کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ یہ انھیں کا فیض ہے کہ اسی کلکتہ میں بعد کی آنے والی نسلیں اس شمع کو فروزاں کئے ہوئے ہیں جو انھوں نے جلائی تھی۔ ■■

بقیہ: علامہ وحشت کی ایک نئی تفہیم ص کا

کسی کو کیا پڑی ہے جو کسی کا مدعا جانے
دلِ بیتاب کی تسکین کب ہوگی خدا جانے

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

مجال ترک محبت نہ ایک بار ہوئی
خیال ترک محبت تو بار بار آیا

'ترانۂ وحشت' کے کلام 'دیوانِ وحشت' سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اسالیب بیان اور ندرت احساس کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کا حامل بھی ہے۔ کاش اس طرح کے اشعار وہ زیادہ مقدار میں تخلیق کر پاتے تو وحشت غالب کی طرح اردو کی شعری روایت میں ایک حوالا یعنی ایک Refrence بن سکتے تھے۔ خدا نے تو انھیں ایک عظیم سمندر بنایا تھا لیکن اپنی مجبوریوں سے وہ ایک جوئے کم آب میں تبدیل ہوگئے۔ اس بات کا شدید احساس انھیں بھی زندگی کے آخری ایام میں ہو چلا تھا لیکن جس طرح جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہے ٹھیک اسی طرح یہ راز ان پر کافی دیر سے منکشف ہوا کہ شاعر کو اپنے ماحول اور اپنے عہد کی حقیقت کی ترجمانی کرنی چاہیئے۔ میں اس بحث کو انھیں کے اس شعر پر تمام کرتا ہوں:

ع بدلا ہوا مذاقِ سخن ہے زمانے کا
نحوِ غزل ہے وحشتِ رنگیں نوا عبث ■■

وحشت کی شناخت

ڈاکٹر یوسف تقی

آدب و شعر میں شہرت دوام، خواہ وہ علاقائی سطح پر ہو یا
اور بین الاقوامی سطح پر، قسمت والوں کے حصے ہی میں آتی ہے اور
فنکار اس کے مستحق ہوتے ہیں، جنہوں نے خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے
کو برتا ہو۔ اسی لحاظ سے علامہ وحشت کلکتوی یقیناً خوش نصیب
کہ ان کو ایسی شہرت ملی جو اگرچہ ملکی یا بین الاقوامی سطح پر نہ تھی ہو
قائی سطح پر شہرتِ دوام سے کم نہیں۔ وہ بنگال کے ایک بڑے شاعر
حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور جب بھی بنگال کے شعری خدمات کا
ہوتا ہے، وحشت صاحب کا نام سرفہرست رہتا ہے۔

وحشت کلکتوی کی عظمت اور شہرت پر جب غور کرتا ہوں تو خود بخود
میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جو ان کی
رت کی وجہ بنی؟ جہاں تک ان کے ذاتی صفات کا تعلق ہے وہ یقیناً قابل
احترام ہیں۔ وہ اعلیٰ صفات جن کے وہ حامل تھے (جن کا تفصیلی ذکر یہاں
روری ہے) ان کے بعد تو خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ ان کے شاگردوں میں
ی ایسی بڑی شخصیتیں تھیں جن کا شمار ارباب علم و فن میں ہوتا ہے۔ ان
صیتوں نے یونہی تو ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا ہوگا، ضرور ان کے
فیض میں کچھ رہا ہوگا لیکن جب ان کے کلام پر نظر کرتا ہوں تو ذہن سے
لیک کا شکار ہو جاتا ہے کہ یہی شاعری ان کی عظمت اور شہرت کی ضامن
اور ان پر جتنے مضامین میری نظر سے گذرے ہیں ان میں دو چار کو چھوڑ
باقی میں صاحب مضامین کی تنقیدی بصیرت سے زیادہ والہانہ عقیدت
آتی ہے میرے اس بیان کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وحشت کلکتوی
حب کا کل شعری سرمایہ ناقابل ستائش ہے اور ان میں صرف خوبصورت
ستے ہوئے سنگ ریزے ہی ہیں۔ گوہر آبدار نہیں۔ اور نہ ہی مجھ میں اس
سکہ بند، نقاد کی طرح اتنی جرأت ہے جو اپنی تنقیدی بصیرت کے سرور
ہا یہ کہہ گئے کہ

"وحشت اپنی شاعری سے نہ خود مست ہوتے ہیں اور
نہ دوسروں کو مست کرتے ہیں۔"

کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وحشت کلکتوی کے دیوان کی اشاعت
پر حالی اور شبلی وغیرہ خامہ فرسائی نہیں کرتے کہ

"اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا درحقیقت ہم
لوگوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا حق ہم سے چھین لیا۔" (حالی)

"آپ کے کلام میں من حیث الاغلبیات جدت، ندرت، بھلی
ہوتی ہے۔ غالب اور مومن کی ترکیبیں اور طرز ادا آپ سے
خوب بن پڑتی ہیں۔" (شبلی)

میرے مذکورہ بیان کا صرف یہ مطلب ہے کہ وحشت کلکتوی کی
اصل شناخت کیا ہے؟ کیا ان کا خود کو "غالب دوراں"، کہنا یا ان کے
عقیدت مندوں کا "غالب زمانہ" کہنا ہی ان کی شناخت ہے؟ یا صرف
"غالب اور مومن کی ترکیبیں اور طرز ادا"، کو اپنانا ہی ان کی شاعری کا
معراج ہے؟ اگر ان ہی صفات کو ان کی شاعری کا کل اثاثہ تصور کر لیا جائے
تو ان کی اپنی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ اور جو شاعر صرف ان ہی خصوصیات
کا حامل ہو اسے شہرتِ دوام کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے ان
خصوصیات کے علاوہ ان کی اپنی انفرادیت بھی ہے اور وہی ان کی
شناخت بھی۔ اس سے قبل ان عوامل کی نشاندہی کی جائے جن سے
ان کی شناخت ہوتی ہے، وحشت صاحب کے نظریۂ شعر سے واقفیت
حاصل کر لینا غیر مناسب نہیں ہوگا۔

وحشت صاحب نے اپنے مختلف مقطعوں، مضامین اور خطوط میں
اپنے نظریۂ شعر کی وضاحت کی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) "میں تو پرانی لکیر کا فقیر ہوں اور قدیم طرز کہن کا دلدادہ ہوں۔"
(۲) "ایطا سے خود بچتا ہوں کیونکہ پرانے اسکول کا ہوں۔"

(۳) "حقیقت یہ ہے کہ میں پرانے لکیر کا فقیر ہوں اور میری شاعری کی دنیا محدود ہے۔ میں ہمیشہ امیر لکھنوی کا یہ شعر دہراتا ہوں جو میرے حسب حال ہے":

گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

(۴) "آج کل نظموں کے کہنے کا رواج ہے اور وہ لوگ جنہوں نے فنِ شعر کو باقاعدہ حاصل نہیں کیا طبع آزمائی کرتے ہیں اور مہمل بکتے ہیں۔ نظمیں بے سر دیا ہوتی ہیں۔ الفاظ کے معنی سے تعلق نہیں ہوتا۔ الفاظ ادائے مطلب کے لئے ہیں لہٰذا ہر لفظ سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے کہ بے ضرورت نہ ہو اور مصرعے کو مصرعے سے پورا ربط ہو":

(۵) "آج کل ترقی پسندوں نے اسی قسم کی (نامانوس) ترکوں کو رواج دیا ہے جن میں ناموزوں شعر ہی کہتے ہیں"

(۶) غزل کا لطف ہے وابستۂ طرزِ کہن وحشت
خیال خاطرِ احباب جدت آشنا کب تک

(۷) زمانے میں اگر رنگِ سخن بدلا تو کیا وحشت
مجھے تو اتباعِ غالبِ معجز بیاں کرنا

(۸) وحشت کمالِ شعر فصاحت کا نام ہے
مضمون کے خیال میں لطفِ زباں نہ چھوڑ

(۹) وحشت مری نظر میں مکمل نہیں وہ شعر
حسن میں کہ حسنِ معنی و لطفِ زباں نہ ہو

مذکورہ بالا اقتباسات اور اشعار سے جو مطلب نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وحشت کلکتوی قدیم طرزِ سخن کے دلدادہ ہیں اس لئے ان کی شاعری کی دنیا محدود ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر جو شاعری ہو رہی تھی وہ اکثر نامانوس ترکوں کی وجہ سے ناموزوں ہوتی تھی۔ نظمیہ شاعری بے سر دیا ہوتی ہے ایسی شاعری سے ان ہی شعرا کا تعلق ہے جنہوں نے فنِ شعر کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ شاعری دراصل غزل کی شاعری ہے اور مکمل شعر وہی ہے جس میں حسنِ معنی اور لطفِ زباں ہو۔

گویا وحشت صاحب نے حسنِ بیان اور لطفِ زباں کے تمام لوازم کی اینٹ گارے سے ایک ایسے ایوانِ غزل کی تعمیر کی جس میں کسی بھی ادبی، شعری یا لسانی تحریک کی باریابی ممنوع تھی اور اس ایوانِ غزل میں محصور شعراء اگر ان تحریکوں سے بے خبر نہیں تھے تو اثر پذیر بھی نہیں تھے۔ وحشت صاحب نے پوری ایمانداری سے اپنے نظریۂ شعری کی پاسداری کی۔ ان کی شاعری کا معتدبہ حصہ غزلوں پر محیط ہے اور قدیم فنی اصولوں پر کھرا اترتا ہے۔ میرے خیال میں وحشت صاحب کے اس نظریۂ شعر کے پیچھے دو عوامل کارفرما تھے۔ اول یہ کہ وحشت صاحب کے شعری اور لسانی سوتے جہاں سے پھوٹے تھے اس کا منبع نساخ جیسے قدآور ماہرِ فن تھا۔ نساخ صرف بنگالی نژاد اردو شعراء کو زبان و بیان کی خوبیوں سے آشنا ہی نہیں کرواتے تھے بلکہ اہلِ زبان سے معرکہ آرائی کر کے اپنی حیثیت بھی منواتے تھے۔ ویسے اس معرکہ آرائی کے طفیل یہ ہوا کہ بنگال کے اردو شعراء زبان و بیان کے معاملے میں محتاط ہو گئے۔ وحشت صاحب نے کچھ زیادہ ہی احتیاط برتا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ انھوں نے اپنی شاعری کو زبان و بیان کا ایک حسین مرقع بنانے میں ندرتِ فکر اور تازگیٔ مضامین کو قربان کر دیا۔ دوم یہ کہ کسی پر تنقید کرنا وحشت صاحب کی فطرت کے بالکل خلاف تھا۔ صرف یہی نہیں کہ وہ کسی پر تنقید نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے تلامذہ کو بھی تنقید سے روکتے تھے۔ ان کا یہ عمل ممکن ہے نساخ کی معرکہ آرائی کا نفسیاتی ردِعمل ہو لیکن ان کے اس عمل سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ یہاں بنگال کے ادباء و شعراء کے تنقیدی شعور کی پرورش نہیں ہو پائی۔ وہ استاد کے دامنِ عاطفت میں پناہ گزینی ہی کو اپنی ادبی نجات کا ذریعہ سمجھ بیٹھے اور نساخ نے جس ادبی بلند حوصلگی اور جرأت کا مظاہرہ کیا تھا وہ دورِ وحشت اور ان کے بعد بالکل ماند پڑ گئی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ چنگاری جو شعلہ بن سکتی تھی، بجھ کے رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال کے ادب و شعر تنقید کے میدان میں صفر ہو کر رہ گئے اور ان کی نظر ہمیشہ دلی اور لکھنؤ کی طرف لگی رہتی کہ ان کی ایک اچٹتی سی نظر بھی بنگال کے اردو شاعر یا ادیب پر پڑ جاتی تو اسے وہ اپنی تمام کاوشوں کا صلہ سمجھنے لگتے۔ معرکہ آرائی یا تنقیدی یا ادبی مباحث سے جہاں یہ ہوتا کہ قدآور شخصیتیں قدِ آدم آئینے کے سامنے آ جاتی ہیں اور اپنا صحیح محاسبہ کر سکتی ہیں وہیں ادب کی رگوں میں تازہ اور صالح خون دوڑنے لگتا ہے جو اس کی زندگی اور نمو کا ضامن ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں ادب جمود کا شکار

ہو جاتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ وحشت صاحب کے دور تک بنگال میں اردو ادب جمود کا شکار رہا۔

یہاں ایک بار پھر اس کی وضاحت کرتا چلوں کہ مذکورہ بیان سے وحشت صاحب کی اہمیت اور عظمت کو کم کرنا مقصود نہیں ہے کہ حالات کا تقاضا یہی تھا اور فطری طور پر وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن انھوں نے جو کارنامہ انجام دیا وہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں بنگال جو اردو مراکز سے کوسوں دور ہے۔ جہاں کی مقامی زبان اردو سے دور کا علاقہ بھی نہیں رکھتی ہے۔ ایسے علاقے میں اردو کی شاعری ایک ایسی بزم سجائی جو کسی طرح بھی ان مراکز کی بزم آرائی سے کم نہیں تھی۔ اور انھوں نے فن شعر کی جو شمع روشن کی تھی اس کی لو گرچہ مدھم تھی لیکن اس کی روشنی سے بہت سارے اردو دوستوں کے دل منور ہوتے۔ اور یہ کام کوئی آسان کام نہیں تھا۔ رہی بات ان کی اپنی شاعری کی اور اپنی پہچان بنانے کی۔ تو وحشت صاحب نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی اور جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے کہ "میری شاعری کی دنیا محدود ہے" یہ احساس اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے لئے کبھی کوشاں نہیں رہے ورنہ وہ اپنی شاعری کی دنیا کو وسعت دینے کی ضرور کوشش کرتے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شعر و ادب میں محدود دنیا کا مالک عظمت کی بلند چوٹی پر پہنچنے کا کبھی متمنی نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی اپنی کوئی شناخت نہیں تھی وہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"غالب کی تقلید میں نے بے شک کی لیکن اس حد تک نہیں کہ میں کچھ اور نجیبل خیالات نہ پیش کر سکوں میرے دیوان کا مطالعہ اگر گہرا ہو تو ظاہر کر دے گا کہ میں نے بھی کچھ نہ کچھ پیش کیا ہے"

ان کا یہ دعویٰ سو فیصد درست ہے۔ انکے ایسے ہی اشعار سے ان کی شناخت بنتی ہے جن میں ان کے اور حنل خیالات پیش ہوئے ہیں لیکن دکھ تو اس بات کا ہے کہ ایسے اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر "کچھ نہ کچھ" کی بجائے "بہت کچھ" ہوتا تو وحشت کلکتوی برصغیر کے ایک ایسے اہم اور منفرد شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے جن کی آواز میں جذبہ کی شدت، محسوسات کی دھیمی لے اور فکر کی گونج دور دور تک سنائی دیتی اور یہ گونج صرف ذہنوں کو جھنجھوڑتی نہیں بلکہ دلوں کی دنیا بھی تہہ و بالا کر دیتی۔ ذیل میں کچھ اشعار ان کے اور نجیبل خیالات پر مبنی پیش کئے جا رہے ہیں جو وحشت صاحب کی پہچان بھی ہیں اور ان کی شہرت دوام کے ضامن بھی۔

اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھ کو حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

تلاطم تھا بہت، موجیں بہا کر لے گئیں مجھ کو
وگرنہ آرزو تھی کس خرد دشمن کو ساحل کی

ہماری دور بینی ہے ہمارے امن کی دشمن
نہ ہوتی فکر مستقبل تو عیشِ جاوداں کرتے

مزا دیتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں سے تم بیاں کرتے کہیں سے ہم بیاں کرتے

نہ مجھ کو امید ہے کسی سے نہ مجھ کو اندیشہ ہے کسی کا
مزے میں اپنی گزر رہی ہے بھلا ہوا اس بے تعلقی کا

مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی
خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

ہمارے پاؤں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا

رضا علی وحشت

ایک عظیم المرتبت شاعر

ڈاکٹر عبدالمنان

یوں تو بنگال میں اردو شاعری کی روایت اٹھارہویں صدی کے اوائل سے ملتی ہے اور اردو کے چند عظیم فنکار بنگال کے مختلف خطوں میں دادِ سخن دیتے ہیں لیکن اس روایت کو ۱۹ویں صدی میں خاص ترقی ہوئی ہے اور ۲۰ویں صدی کی ابتدا تک ایسی عظیم ہستیاں بھی جنم لیتی ہیں جن کی شاعرانہ خدمات کے سامنے ہماری نگاہیں ادب و احترام سے جھک جاتی ہیں۔

ان عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں نام علامہ رضا علی وحشت کا بھی ہے جو بنگال میں پیدا ہوئے، بنگال میں تعلیم حاصل کی اور بنگال میں تمام گیسوئے سخن کی مشاطگی کرتے رہے گویا ان کی حیثیت ایک ایسی شمع کی مانند تھی جو تمام رات انجمن کے لئے جلتی رہی اور عالمِ انجمن کی رونق افزوری کے لئے جلنا اور نرم بار ہوکہ بزمِ سخن، نئی زندگی عطا کرنے کی خاطر ضیا پاشی کرنا شمع کا مقدر بھی ہے اور معراج بھی۔

علامہ رضا علی وحشت بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے اور انھوں نے زیادہ تر توجہ غزل کی مشاطگی میں صرف کی وہ غزل کے مزاج و مقام سے بھی اچھی طرح آشنا تھے۔ غزل میں غالب نے سخنوری کا ثبوت دیا تھا اور ندرتِ ادا اور علوئے تخیل کے نگار خانے سجائے تھے پھر جدیدیت دلبری و دلنوازی کے آداب سکھائے تھے۔ ان سے ادبی شعرا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ وحشت نے بھی ڈوب کر اثر قبول کیا تھا بلکہ غالب کی تقلید میں ایک عمر صرف کی تھی یہ عمل ان کی انفرادیت کی راہ میں کس قدر حائل تھی اور کس قدر معاون؟ یہ تو جہر طلب بحث ہے۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ عظیم فنکاروں کی طرح وحشت نے بھی اپنی عظمت کے نگار خانے سجانے کی خاطر روایتی اسباب کا سہارا لیا ہے بلند اور قابلِ قدر اور صالح روایت کی تقلید نہ تو گناہ ہے اور نہ فعلِ عبث مین پارہ اسی بنا پر آفاقیت سے ہم کنار ہوتا ہے جو اس میں خصوصی تجربہ کار فرما ہو یہ تجربہ دلِ گداختہ سے پگھل کر نکلتا ہے جس کے لئے پہلی اور اہم شرط فنکار کے خلوص اور اس کی کلی نظر کی ہے۔

شاعر سے جاگتے ہوئے اجالے سے سرِ دیرِ چراغاں کرنے کی توقع فضول ہے۔ اس کا اخلاقی پیام، انقلابی درس کسی خاص خطہ یا مقام کی تہذیب و تمدن کی نمائندگی، کسی رہنما سے متاثر ہونے کی توقع اور انگریز سامراجیوں کے خلاف نعرہ بلند کرنے کی امید فضول ہے۔ فنکار سے محض اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی نظر سے کس قدر وفادار ہے اور اپنی شاعری میں فکری و ذہنی بصیرت کی گہرائیوں کا ثبوت دیا ہے یا نہیں۔ بقول آل احمد سرور "ہم شاعر سے یہ ضرور مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے سے مخلص ہو اور اپنے مخصوص نظریہ کا وفادار (ہم) یہ ضرور دیکھیں گے کہ اس کی یہ مخصوص اور پُرخلوص نظر ہمیں کس قسم کی کتنی گہری، کتنی حکیمانہ، کتنی سچی اور کتنی دور رس بصیرت دیتی ہے جس میں اس کی اپنی بساط کی رنگا رنگ بزم آرائیاں بھی ہیں اور اس بساط پر وہ خاموش شمع بھی جو دلیلِ سحر ہے۔"

بڑے شاعر کے لئے وقت اس کے زمانے کے زنداں میں مقید نہیں ہوتا اس میں ماضی اور مستقبل کی آہٹیں بھی سنائی دیتی ہیں اس لئے وہ وقت تبدیل کروٹوں سے متاثر ہو کر اپنے فن کو جلا بخشتا ہے اور اس کے اظہار کے لئے ایسے انداز و اسلوب کا سہارا لیتا ہے جو آفاقیت سے مزین ہوا کرتا ہے اس لئے یہ توقع کرنا کہ اس نے کسی خاص تحریک کی نمائندگی کیوں نہیں کی اور کسی خاص دھرتی پر اگنے والی فصلوں کے ترانے کیوں نہیں گائے، مذہبِ شعر و ادب میں جائز نہیں۔

علامہ رضا علی وحشت کو اس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے اور ان کی شاعرانہ عظمت کی تلاش اس مقام پر ہو سکتی ہے انھوں نے غزل کی شمع کو اپنے خونِ جگر سے روشن کیا تھا اور اپنے عمیق تجربے اور مشاہدے سے زندگی عطا کی تھی جس میں ان کی فنکارانہ بصیرت اور مفکرانہ جودت شامل تھی ؎

فروغِ طبع خداداد اگرچہ تھا وحشت
ریاض کم نہ کیا ہم نے کسبِ فن کیلئے

یہ کسبِ فن کی خاطر ریاضت ہی کا ثمرہ ہے کہ انھوں نے ایسے عمیق تجربوں کا اظہار کیا ہے جس کی صداقت کا اعتراف ممکن ہے اس میں ممی بصیرت بھی مخفی ہے اور زبان کی شیرینی اور پختگی بھی، تخئیلی تجربے کا حسین عکس بھی ہے اور بیان میں ندرت و جدت بھی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں

اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھ کو حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیوں کر وہ اٹھایا جاتا ہے

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

تو کسی کا ہو کے دیکھ اے شکوہ سنجِ روزگار
کیوں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں مرا کوئی نہیں

وحشت غزل کی پختہ اور بامعنی روایت سے آشنا بھی تھے اور معترف بھی۔ انھیں فن زیادہ عزیز تھا اس لئے فن کی متانت میں اپنی تمام تر توجہ صرف کی تتبع غالب میں بھی اور اس کے بعد بھی وحشت نے فن کی عظمت اور نزاکت کا لحاظ رکھا ان کے خیالات فرسودہ، پیش پا افتادہ اور رکیک نہیں ہوتے ہاں انھوں نے کوئی نظام فلسفہ بھی نہیں پیش کیا۔ ایک غزل گو اپنے دل کے نگارخانے سجاتا ہے، جذبات کے مرتعش تاروں کو آواز دیتا ہے اور اپنے تجربے و مشاہدوں کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا سرمایہ شمعِ رودادِ حیات بھی ہے اور فسانہ دل بھی۔ ان باتوں کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پیشکش میں کس قدر فنی درک اور عرفان کے سمونے کا ثبوت دیتا ہے۔ (مصنف کی کتاب "نقد و نگاہ" سے) ■■

بقیہ :— وحشت کی بالغ نظری کا

کوئی طاقت ہے جو ت راہِ حیات پر اسے دلیرانہ چلاتی ہے ؎

کچھ سمجھ ہی کر ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

ساحل کی عافیت کو تیاگ کر موجِ دریا کا حریف بننا تب تک ممکن نہیں جب تک کوئی ناآسودگی سے دوچار نہ ہو کیونکہ یہ ناآسودگی زندگی اور عزم کی علامت ہے۔ یہی ناآسودگی بے حوصلہ مندی جس کا ردِعمل ہوا کرتی ہے۔ وحشت کی حوصلہ مندی بھی ردِعمل کہی جا سکتی ہے جسے ان کے یہاں ایک مستقل حیثیت حاصل ہے اور جسے انھوں نے دوسرے شعروں میں بھی سمونے کی کوشش کی ہے ؎

مجبور ہے مگر نہیں مایوس دل مرا
بے بال و پر ابھی ہوس بال و پر میں ہے

تلاطم تھا بہت موجیں بہا کر لے گئیں مجھ کو
وگرنہ تھی تمنا کس خرد دشمن کو ساحل کی

یہ ایک ایسے شخص کا حوصلہ مندانہ اظہار ہے جو شمع کی صورت ساری رات جلا کیا مگر اہلِ انجمن نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ ■■
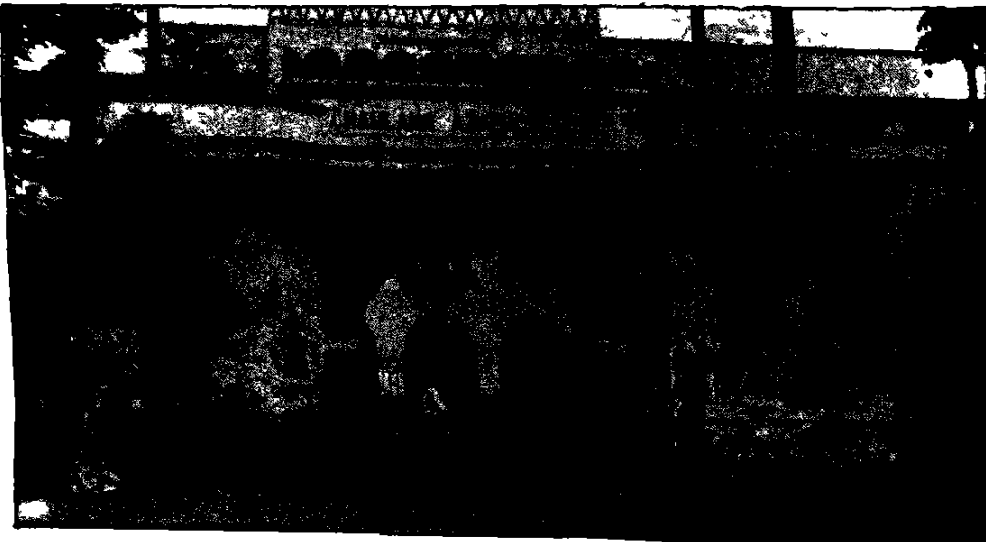
مولانا آزاد کالج کلکتہ (سابق اسلامیہ کالج) جہاں حضرت وحشت ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۶ء تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ انھوں نے یہاں ۱۹۳۳ء میں سالانہ طرحی مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جس نے بنگال میں اردو شعر و ادب کی ترقی و توسیع میں اہم رول ادا کیا۔

معمول کا نوحہ

انیس رفیع

وحشت کا ایک شعر

خیال تک سے نہ کیا
اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع
انجمن کے لئے

اماں روز روٹی پکاتی ہیں۔ سب کھاتے ہیں۔ اماں ابا کی جھڑکیاں کھاتی ہیں تب بھی حسبِ معمول وہ روٹی پکاتی ہیں۔ سب کھاتے ہیں۔ ابا، ببلو، ڈبلو سب کے سب۔ عجیب بات ہے۔ روز روز کے اس معمول پر نہ اماں احتجاج کرتی ہیں اور نہ توے پر الٹ پلٹ ہونے والی روٹیاں۔ بلا ناغہ روز جھڑکیاں۔ آڑی ترچھی بیکے لو جھڑکیاں۔ بولے چھوٹے بڑے ہوں تو ڈبلو ببلو کا جیجا، سریلا۔ بلا سے روٹیاں جلیں یا اماں کی انگلیاں مگر روٹیاں تو پکی ہی ہیں۔ لیکن کوئی دن بس یونہی اماں نے بستر تہ کیا اور جا پڑیں میکے میں۔ یہ بھی خوب رہی۔ کچھ کہے سنے بغیر ہی گھر پر سناٹا مارل کر گئیں اماں۔ اماں اور روٹی دونوں ہی معمول سے ذرا ہٹ گئیں تو کیسی ہاہا کار مچ رہی ہے۔ سب کے سب دزدیدہ نگاہوں سے چولہے کی پرلی طرف آرام سے لیٹے ٹھنڈے توے کو تاکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر آواز ہے کہ بھوک کے مارے حلق کے اوپر آتی ہی نہیں پیٹ کو لوالوں کا سخت انتظار ہے۔ تب انھیں خیال آیا کہ ہاں، اماں روٹیاں پکاتی تھیں۔
اماں آجاؤ نا جلدی۔ پلیز

دھوئیں والا چولہا جب کچن کو خیرباد کہہ گیا تو گیس کا چولہا آیا۔ بڑی اچھی کوالیٹی کا چولہا ہے۔ جلنے بجھنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ بس ایک ہلکا اشارہ کافی ہے۔ کبھی کوئی Trouble نہیں۔ سوئچ گھماؤ، لائٹر دباؤ چولہا لپک سے روشن ۔۔۔ صبح، دوپہر، شام جلنا اس کا معمول۔ کوئی فرق نہیں اس کے معمول میں۔ پھر جلانے کھانے والے ہاتھوں کو یہ احساس بھی نہ رہا کہ یہ ایک شے ہے جس نے اپنے مکمل وجود کو ان کی خدمت میں وقف کر دیا ہے۔ اس پر کائیاں جم چکی ہیں۔ کوئی اس

کے وجود کو دھول سے اٹا ہی کر کیوں نہ رکھے اس کے جلنے بجھنے کے معمول میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ مگر ۔۔۔ مگر ایک دن پڑوسیوں کی جو دعوت ہوئی تو اس کے پائپ لائن میں ایک سرسری سی اٹھی۔ پھر ایک بھبکا اٹھا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ چولھے نے اپنا معمول ترک کیا۔ ایسے اہمیت پر وہ عش عش کر اٹھا۔ برسوں معمول پر قائم رہ کر کتنا بے وقعت ہو گیا تھا۔ آج سارے ہاتھ اس کی دھلائی، صفائی میں مصروف ہیں۔ کچھ ادھر بھاگے آرہے ہیں تو کچھ ادھر دوڑے جا رہے ہیں۔ تو یہ سب جلوہ ترکِ معمول کا۔ نہ کرتے ترک تو تمام عمر یونہی . . .

گھر کا ایک کونا ہے۔ اس کونے میں سالہا سال سے ایک میز پڑی ہے۔ کوئی اسپرے کا لوٹا رکھ دیتا ہے تو کوئی صابن کی ڈبیہ۔ کسی نے گرم گرم استری کا لوہا رکھ دیا تو کسی نے کھلی والی کیتلی۔ کبھی چشمہ، کبھی چوڑیاں، کبھی اسنو، کبھی پاؤڈر کے ڈبے۔ غرض کہ میز نے برسوں سے اس گھر کو تمام سہولتیں مہیا کی ہیں۔ الّم غلّم، بایک چیزوں کی ڈھیر سہا ہے بلا چوں و چرا۔ کھلونے، سیڈ بیس، فائلیں، کتابیں سب کچھ۔ میز نے اسی کونے میں پڑے پڑے کئی پشتیں دیکھ لیں۔ ہر پشت نے اس کے کلیجے کو ایک ذرا کھودا اور اپنی کیلیں پیوست کیں مگر میز وہاں سے ملی نہیں۔ حسبِ دستور اس پر وہی کھیل کھیلا جاتا رہا۔ اس پر پڑی شے کسی نہ کسی کے حلقۂ خیال میں ضرور ہوتی مگر خود میز ؟ کہیں بھی کسی دماغ کے گوشے میں نہیں۔ پھر ایسا ہوا ایک بار میز کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس پر رکھی ہوئی ساری چیزیں گڈمڈ ہو کر زمین پر آرہیں۔ بھگدڑ مچ گئی۔ سارے کے سارے اپنی چیزوں کے لئے میز کی جانب دوڑے مگر میز لڑھک چکی تھی جس کا جو کچھ ٹوٹنا پھوٹنا تھا وہ ٹوٹا پھوٹا۔ تب انھیں معلوم ہوا کہ اس گھر میں ایک کونا بھی ہے۔ جہاں ایک میز جیسی زبردست حقیقت برسوں سے چھپی بیٹھی تھی۔ آج اچانک ہی ۔۔۔ اپنے

غیاب سے ظہور میں آگئی ہے۔ میز نے اپنے ہونے کا معمول بدل دیا ہے ایک ٹانگ کی لنگڑی ہو کر۔

جون کا مہینہ ہے۔ گرمیوں کے دن ہیں۔ دفتر کے بابوؤں کے سروں پر بجلی کے پنکھے بے تکان ناچ رہے ہیں۔ بس ناچتے ہی جاتے ہیں۔ کسی بابو کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کب چلتے ہیں اور کب بند ہوتے ہیں۔ اکثر بابوؤں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ان پنکھوں میں دو، تین یا چار بلیڈ لگے ہیں۔ سب اپنی اپنی میز پر فائلوں اور ضرورت مندوں سے لڑتے سارا دن نکال دیتے ہیں۔ مہینوں اور سالوں اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ سر اٹھا کر اس ناچتی ہوئی ہوا دار شئے کو ایک بار تک لیں۔ دراصل سر اٹھانا یہ بھول ہی جاتے ہیں۔ سر اٹھا کر ایک نگاہ دیکھیں تو پتہ چل جائے کہ بلیڈ پر گرد کی ایک ایک انچ موٹی تہہ جم چکی ہے۔ پنکھے کے Rod سے Body تک جالے پڑ چکے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ جالے لوندے بن کر ان کی میزوں پر گر پڑتے ہیں۔ یہ اتنا کرتے ہیں کہ مشینی انداز میں ڈسٹر اٹھایا میز صاف کر لی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ یہ لوندا کہاں سے گرا، کیوں گرا؟ ان سوالا سے انجان پنکھے چلتے رہتے ہیں، چلتے رہتے ہیں۔ کسی ایک دن بابوؤں کے ناک کان سے پسینے چونے لگتے ہیں تب ان کی گردنیں چھت کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ شئے ناچتے ناچتے رک گئی ہے تو لگا ساری دنیا تھم گئی ہے۔ قلم، زبان سب اپنے محور، اپنی گردشیں بھول بیٹھے ہیں۔ پھر کیا ہے۔ بابوؤں نے میز چھوڑ دی، کمرہ چھوڑ دیا۔ کہ جب تک ان کے سروں پر بے تکان سے بے لوث ناچنے والی گھرنی اپنا ناچ شروع نہ کرے گی، وہ کمرے میں نہیں بیٹھتے۔ بہر کیف اتنا تو ہوا کہ برسوں بعد پنکھے کو اپنے ہونے کی گواہی تو ملی۔ ہمارے گھروں کی اشیا کا بھی سماج ہوتا ہے۔ دیواروں کے علاوہ صوفے، پلنگ، بستر، الماریاں، لاکر، کلنڈر، فریم، پنکھے، بلب، ٹیوب لائٹ وغیرہ سب اس سماج کے ممبر ہوتے ہیں مگر کچھ ممبر ایسے ہوتے ہیں جن کا وجود لاوجود کی مانند ہی ہوتا ہے۔ اسی سماج میں۔ جیسے بجلی کا سوئچ بورڈ، لوڈ شیڈنگ کا زمانہ شروع نہیں ہوا تھا یہ تب کی بات ہے۔ سوئچیں انگلیوں کی اس قدر لمس آشنا ہو گئی تھیں کہ Touch سے قبل ہی ON ہو جاتیں۔ یہ سوئچیں اپنا فرض بالکل خاموشی سے نبھاتی ہیں۔ پنکھے، بلب، ہیٹر، ریڈیو سارے کے سارے انگلیوں اور سوئچوں کے باہمی اشاروں پر ناچتے۔ Uninterrupted ان کی خدمات کے سبب ہمارا دھیان ان کی طرف جاتا ہی نہیں۔ نہ جانے ہمارے لاشعور

کے کس خانے میں یہ اتر کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ان کے ہونے کا احساس ہی گم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انگلیاں انھیں روز دباتی اور اٹھاتی ہیں۔ ہمارے گھروں کی اشیاء کا جو سماج ہے ان میں ان سوئچ بورڈ اور سوئچوں کی حقیقت قبرستان کی سی ہے جس کی پیش از مرگ کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ برسہا برس کی خدمات کے ضائع ہونے کے غم میں جب یہ سوئچ بورڈ اور سوئچ آنسو بہاتے ہیں تو ان کی نمی سے ایک Spark پیدا ہوتا ہے۔ جونہی انگلیاں ان پر آئیں کہ ایک زوردار جھٹکا لگا۔ ۱۴ طبق روشن ہو گئے۔ تب خیال آیا کہ یہ سوئچ بھی کوئی چیز ہے ہمارے کمروں میں ——

خیال تک نہ کیا اہل انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے • وحشت

میں نے اوپر چند مثالیں پیش کی ہیں تاکہ وحشت کے درج بالا شعر کے مفہوم و معنی کو دریافت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو سکتی عجیب بات ہے کہ ہمارے روزمرہ میں چھوٹی چھوٹی بے شمار چیزیں ایسی ہیں، چھوٹے بڑے ایسے رشتے ہیں جو روزانہ کے معمول میں دب کر اپنا وجود اپنی شناخت کھو دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی غیر موجودگی ہمارے وجود کے لئے خطرناک بھی ہو سکتی ہے اور ہم خود فنا کی تحویل میں ڈال دیئے جا سکتے ہیں۔

وحشت کا یہ شعر روایتی شکوہ نہیں ہے۔ شمع کے درد و ملال کا اظہار محض نہیں بلکہ ان جلوہ گاہوں کی بے رحمی اور انتہائی بے حسی کے خلاف ایک غنائیہ احتجاج ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے وجود کی ناگزیریت کا عرفان (Realisation) بھی ہے۔ شاعر کی دلی خواہش ہے کہ انجمن کا مزاج بدلے۔ معمول، روٹین سے پیدا شدہ بے حسی Insensitiveness کا خاتمہ ہو۔ اشیاء اپنی صفات و افادیت کے حوالے سے پہچانی جائیں۔ ان کی ناگزیریت کو تسلیم کیا جائے۔ مگر مزاج بدلنے کے لئے اس بے حیا انجمن کو ایک Shock کی ضرورت ہے۔ یہ شاک شمع کی لو خاموش رہ کر نہیں بھڑک کر ہی دے سکتی ہے۔ وہ کچھ اس طرح بھڑکے کہ جلوہ گاہوں پر پڑے بے حسی کے پردے جل کر بھسم ہو جائیں۔

شاعر مطالبہ کرتا ہے کہ معمول توڑو، سوال کرتا ہے یہ حسب معمول کیا ہے؟ یہ حسب دستور کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ کیوں ہوتا ہے؟ یکسانیت کی چھت کے نیچے نیند تو آ سکتی ہے مگر خواب نہیں آ سکتے۔ رات بھر جلنے والی وحشت کی شمع کو ایک خواب چاہیئے۔ مگر خواب معمول کے جنگل میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ دیکھیں کہ اس شمع کی لو کب بھڑکتی ہے۔ ایسا کچھ کب ہوتا ہے جسے خلاف معمول ہونا قرار دیا جا سکے۔ ■■

وحشت اور تحریکِ آزادی

اشرف چنگیزی

آردو کا تعلق جنگ آزادی سے گہرا رہا ہے اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے انگریزوں کے خلاف ایک الگ محاذ قائم کیا اور وہ ہمیشہ ان کے خلاف برسرپیکار رہے۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف عوام کو متحد کرنے کے لئے اپنے اشعار کے ذریعہ اتحاد، اخوت، محبت اور حب الوطنی کے نغمے گائے۔

یہ ایک ایسا مایوس کن دور تھا جب ہمارے قوائے عمل شل ہو چکے تھے اور ہم بالکل پست ہمت اور کمزور ہو گئے تھے اس وقت اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے ہندوستانی قوم کے اندر بلند حوصلگی، اخلاقی جرأت اور جوش و حرکت پیدا کیا جنگ آزادی سے کچھ قبل ہمیں شاہ ولی اللہ کی تحریک نظر آتی ہے جس میں انگریزوں کو باہر نکالنے کی جدوجہد کی گئی تھی۔ یہ ایک سیاسی، سماجی اور اخلاقی انقلاب تھا اس میں بڑے بڑے عالم فاضل شاعر اور ادیب شامل تھے۔ مولانا فضل الحق خیرآبادی، شاہ عبدالعزیز، سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل شہید نے متحد و متفق ہو کر سبک دل کہا کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑنا چاہئے اور ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہمارا مقدس فریضہ ہے انھوں نے ہمیں خدا ترسی، نیک چلنی، تربیتِ نفس، دیس بھگتی اور اچھے ہندوستانی بننے کی ترغیب دی۔ جس کی پاداش میں انگریزوں نے میر شکوہ آبادی کو قید کر کے انڈمان بھیج دیا۔ مولانا فضل الحق خیرآبادی کو کالے پانی کی سزا میں سسک سسک کر جان دینی پڑی۔ شیفتہ کو سات سال کی سزا ملی، آزردہ کی ساری جائداد غصب کر لی گئی۔ امام بخش صہبائی کو توپ سے اڑا دیا گیا اور غالب کے عزیز شاگرد میکش کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا ہندوستان کی کوئی دوسری زبان تاریخ آزادی کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی ہے۔ تمام مصیبتیں اور صعوبتیں اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور ان مصائب و آلام میں بھی مسکراتے رہے اور اپنی قوم کو خواب غفلت سے جگاتے رہے غرض ہمارے شاعر اور ادیب مشکلوں اور آفتوں کو ہنسی خوشی جھیلتے ہوئے اور رہبر خوانی کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد جن شعراء کا ہندوستان میں جنم ہوا ان کے سامنے ملک اور قوم کی المناک داستان اور انگریزوں کے ظلم و ستم کے چرچے تھے اس لئے ان شعراء نے ادب کے بدلتے ہوئے رجحان جس میں مغربی تہذیب کے فن اور فنکار کی قصیدہ خوانی تھی اس کی طرف توجہ دینے کے بجائے غزل ہی کو اپنا ہتھیار بنایا اور تجربہ کی نئی وادی میں بھٹکنے کے بجائے بہتر یہی سمجھا کہ غزل ہی کے ذریعہ قوم کے مردہ جسم میں نئی روح پھونکی جائے۔ ہندوستانی قوم کے ذہن کو بیدار کرنے کے لئے جن شعراء نے غزل کو اپنے زمانے کے تقاضوں سے روشناس کرنے کے لئے قربانی کر دی اور شمع غزل پر پروانہ وار نثار ہوئے ان سب کے ناموں اور کاموں کا تفصیل سے ذکر کرنے کے لئے ضخیم و ضخیم دفتر کی ضرورت ہے۔ میں یہاں صرف حضرت علامہ رضا علی وحشت کلکتوی کی شاعری پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا کہ انھوں نے اپنے اشعار سے قوم کو آزادی کی جدوجہد کے لئے کیسے بیدار کیا۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد وحشت نے جس ماحول اور جس دور میں اپنے شعور کی آنکھیں کھولیں وہ دور غزل کے لئے بہت ہی نازک دور تھا۔ اگرچہ تحریک آزادی پر انگریزوں نے قابو پا لیا تھا لیکن اس تحریک کو دبانے میں وہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے اور جنگ آزادی کی یہ تحریک اندر ہی اندر پلتی رہی اور اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کیا اور وہ ہمیشہ ان کے

خلاف برسرِ پیکار رہے بہرحال وقت گزرتا گیا۔ انگریز حکومت کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور آخرکار وقت آگیا جب سرسید نے اپنی تحریک شروع کی جس کے ذریعہ عوام الناس کے خیالات میں تبدیلیاں آنے لگیں پھر مولانا حالی اور محمد حسین آزاد نے پرانی روش اور قدیم رنگ سے بغاوت کر کے اصلاحی انجمن کی بنیاد ڈالی جس کے تحت اردو ادب پر مغربی اثر کا سایہ بری طرح اثرانداز ہوتا رہا جس کے امام خود سرسید تھے ان کی اقتداء حالی، محمد حسین آزاد و دیگر رفقاء کر رہے تھے لیکن علامہ شبلی جنھیں قدامت کا احساس تھا وہ نہ صرف حالی سے زیادہ مغرب سے آشنا ہو چکے تھے بلکہ ان سے بہتر طور پر انگریزوں کو بھی سمجھ چکے تھے اور افرادِ حکومت کو بھی پہچانتے تھے جس طرح سرسید اپنے پیشِ نظر ایک مشن رکھتے ہیں شبلی کا بھی ایک خاص نظریۂ حیات تھا اور ان کے ہمراہ منشی سجاد حسین (ایڈیٹر اودھ پنچ)، اکبر الٰہ آبادی، نواب محمد آزاد و دیگر حضرات تھے۔

حضرت وحشت نے شعر کہنے کی اس وقت ابتداء کی جب آزادی کے نعرے ملک کے گوشے گوشے میں گونج رہے تھے۔ غرض ایک ایسے آفت خیز دور میں وحشت نے اپنی شاعری شروع کی جب غزل کی آبرو بچانا ایک مشکل امر تھا کیونکہ غزل پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ اس میں ریزہ خیالی اور انتشار پایا جاتا ہے اور غزل گو شاعر تقلید اور رسمیات کا شکار ہوتا ہے اس کے باوجود کلکتہ کے ادبی ماحول پر زیادہ اثر فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کا تھا جو انگریزی حکومت کے نمک خوار تھے اس لئے ان کے دماغ و دل پر بھی مغربی اثر کی اجارہ داری تھی۔ یہی وہ سبب تھا کہ وحشت نے اپنا راستہ ان تمام پیش روؤں سے الگ ہٹ کر غالب کو اپنا رہبر بنایا اور غالب کے ہی بنائے ہوئے ڈگر پر چل پڑے۔ وحشت نے غالب کا اثر اس لئے قبول کیا کہ اس دور میں غالب کا اسلوب بالکل جدید تھا اور آج بھی اس کا طرزِ تکلم سب سے جدا ہے۔ باوجود اس کے وحشت کی شاعری غالب کے برخلاف صرف حسن و عشق، فراق و وصال، گل و بلبل، درد دل، سودا و جنوں کی داستان ہی نہیں بلکہ نصیحت اخلاق، فلسفۂ حیات، تلقینِ عمل، خود اعتمادی و خودداری، حب الوطنی اور قومی درد کا ایک مرقع ہے۔ وحشت کے کلام میں دوسری تمام خصوصیات میں شعری محاسن کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کا ایک ترقی پسندانہ پہلو بھی ملتا ہے۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو ملک کی آزادی کی طرف راغب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ع طلب کرتی ہے تیری زندگی کچھ تجھ سے قربانی
سرِ تسلیم خم کر دے کھڑا اب سوچتا کیا ہے

بہارِ گل متقاضی ہے خونِ بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیئے رنگینیٔ چمن کیلئے

جگر لاؤں کہاں سے جو تاراجِ خزاں دیکھوں
انھیں آنکھوں نے کل رنگینیاں دیکھی ہیں گلشن کی

مجھے افسردگی کے طعنے اے دل آج دیتا ہے
کبھی طوفان تھا میں بھی زمانہ یاد کر میرا

ہے قفس میں بھی میسر مجھے پروازِ خیال
روح آزاد ہے اپنی جو تن آزاد نہیں

نتیجے سے کہیں آفت کشانِ عشق ڈرتے ہیں
قدم ہم کچھ سمجھ کر ہی ترے کوچے میں دھرتے ہیں

یہ اور اس طرح کے بہت سارے اشعار دیوانِ وحشت میں موجود ہیں، جو ۱۹۱۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ ترانۂ وحشت جو آزادیٔ وطن کے بعد ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا اس میں ایسے اشعار بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ جس سے یہ اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے اندر اتحاد، اخوت، حب الوطنی اور محبت انسانی کا جذبہ از حد موجود تھا ترانۂ وحشت سے بھی ان کے کچھ اشعار نمونہ کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں ؎

دردِ اک جہاں کا نالۂ مرغِ چمن میں ہے
کیسا یہ دکھ غریب کو یا رب وطن میں ہے

لٹے اک بار ایسے ہم کہ آنکھیں کھل گئیں اپنی
ہماری رہبری منزل بنی تائید رہزن کی

کبھی سوچا بھی تو نے زندگی کا مدعا کیا ہے
جو فقدانِ عمل ہے زندگی پھر ایک دھوکہ ہے

اس دشتِ ہولناک سے مجھکو رہا ہے کام
جس راہ میں قدم بھی مرا ہم قدم نہ تھا

لازم ہے کارواں کو رہے آپ مستعد
شرمندۂ صدائے جرسِ کارواں نہ ہو

ایسے بہت سے اشعار وحشت کی غزلوں سے پیش کئے جاسکتے ہیں ان اشعار کو ہم سمجھنے سے اس لئے رہ جاتے ہیں کہ ہم مشرقی فلسفہ کو سمجھنے کے بجائے مغربی خیالات کو دانش مندی کا جوہر سمجھاتے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے دنیا کی یہی روش رہی ہے کہ انسان ہر نئے نظام کو رحمت سمجھ کر اس کا خیر مقدم کرتا ہے لیکن جب کچھ مفکرین اس نظام حیات کی خوبی و خامی کا تجزیہ کر کے اسے عام لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اس کا اثر ایک عرصے کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ جس طرح تحریک آزادی کے دوران ہمارے وطن کی فضا کافی بدل گئی جس کے سبب ہندوستانی قوم کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور ہم پہلے سے بھی بدتر نظام میں سانس لینے لگے اور اس نظام حکومت کے ماتحت مہاجنی تسلط بھی بڑھا اور اس نے مشین کی ایجاد کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں ہمارے ملک کی قدیم دستکاری اور دیہی صنعت کو مشین کے ذریعہ تباہ کر دیا جس کے سبب لاکھوں انسان بھوک، بیکاری، افلاس کے شکار ہو گئے اور اس پس منظر نے وحشت اور ان کی طرح مزاج رکھنے والے شعراء کو مجبور کر دیا کہ وہ انگریزوں کی اس عیاری کے خلاف آواز بلند کریں اور ملک کی آزادی کے لئے عوام کو بیدار کریں۔ یہاں میں حضرت وحشت کے چند اشعار سے اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

جہانِ ظلم میں ہے پاس کس کو حق و باطل کا
کہ بسمل لوٹتا ہے خلق منہ تکتی ہے قاتل کا

قفس میں عمر گذری نالۂ آہ و فغاں کرتے
ہم آخر کس توقع پر خیالِ آشیاں کرتے

گزر گذر بے خوف اگر کرنے کے قابل کام ہے
رو مد کر ملے دل سے ہمت کا یہ پیغام ہے

یقین آیا جب تجھ کو ہماری جانثاری کا
بتا کب تک ترا ہم اعتبار اور بدگماں کرتے

کوئی ہمدرد بھی دیکھا کوئی غمخوار بھی پایا
سنائی تو کسے ہم کو درد و غم کی داستاں تو نے

مصیبت میں تری تحریر کو یاد دست و بازو نے
دکھائی سخت کمزوری بوقت امتحاں تو نے

تلامذۂ وحشت

علامہ وحشت کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی۔ حلقۂ تلامذہ بیرونِ ملک تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ حضرات جنھوں نے علامہ سے ایک یا دو بار اصلاح لی ہے انکی شمولیت سے اگر تلامذہ کی فہرست تیار کی جائے تو وہ کافی طویل ہوگی۔ یہاں انکے ان تلامذۂ رشید و سعید کے نام درج کئے جا رہے ہیں جنکے بغیر وحشت کی عظمت کا تعین تقریباً نامکمل ہوگا۔

تلامذۂ رشید کے ناموں کی فہرست:

عبدالمنان بیدل، عظیم آبادی، محمود الحسن، محمود اسرائیلی، سید مظفر ہاشمی سیالکوٹی، منشی قربان علی بطری، عبدالرحمٰن آصف بہاری، محمد سلیمان واصف بنارسی، عبدالصمد قمر صدیقی، حافظ محمد حنیف اسلم، ابوظفر محمد یحییٰ واقف بہاری، عباس علی خان بیخود، مرزا ابو جعفر کشفی، سید طاہر علی شاکر، سید کاظم علی جمیل مظہری، محمد علی طرزی، امیر الاسلام شرقی، عبدالقیوم حسرت نعمانی، ابواللیث نصرت، اطہر قادری، سلیم اللہ فہمی، عابد ایاپوری، اختر امام، ناظر الحسینی، احسن احمد اشک وغیرہ

سرزمین ہند گونج اٹھی تری آواز سے
شعر نے وحشت ترے اک شور برپا کر دیا

جذبۂ توفیق ہی شاید کرے کچھ رہنمائی
ہم کو کیا کرنا ہے وحشت اور کیا کرتے ہیں ہم

وحشت نے اپنے ہم وطنوں کو جس انداز سے پیغامِ آزادی دیا ہے اسے سمجھنے کے لئے اس دور کا تاریخی مطالعہ نہایت ضروری ہے اس لئے کہ جنگ آزادی کے بعد آزادی حاصل کرنے کا جو جذبہ ہندوستانی قوم کے دلوں کو گرما رہا تھا کلکتہ میں تحریک آزادی جس شدت سے چل رہی تھی اس وقت وحشت کا وطن کلکتہ ہی تھا پھر اس تحریک سے وہ الگ کیسے رہ سکتے تھے لہٰذا انھوں نے بھی اپنے انداز سے اپنے ہم وطنوں کو انگریزوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر آمادہ کیا جسے سمجھنے کے لئے ان کے اشارے اور کنائے کو سمجھنا بہت ضروری ہے جو ان کے دور میں اردو ادب میں رائج تھے۔ اگر وحشت کے کلام کا آزادی کے پس منظر کو سامنے رکھ کر جائزہ لیا جائے تو آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ ان کی شاعری میں ملک و قوم کے لئے کیسی کیسی ہمدردیاں پنہاں ہیں۔

علامہ رضا علی وحشت

ڈاکٹر ر ان عظیم

انیسویں صدی ہندوستان میں علم و فضل اور تہذیب و ادب کے لئے مشہور ہے۔ یہ صدی عظیم دانشوروں کو سامنے لاتی ہے۔ اس میں جہاں بڑے بڑے نامور شعراء، ادبا اور سیاست داں جیسے خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی محمد حسین آزاد، سر محمد اقبال، منشی پریم چند، رابندر ناتھ ٹیگور، قاضی نذر الاسلام، مدھو سودن مائیکل، مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد نے جنم لیا، وہیں ان کے ساتھ حضرت علامہ رضا علی وحشت بھی افق ادب پر جلوہ گر ہوئے جنکی شخصیت نے بنگال میں علم و ادب اور شاعری کا چراغ روشن کیا۔

وحشت سلسلۂ بنگالہ کے چوتھے مسلم الثبوت اور فن شاعری کے استادِ کامل ہیں بنگال میں شاعری دراصل ان کو ورثے میں ملی۔ ناسخ سے وحشت تک بنگال میں اردو شاعری ارتقائی مراحل طے کرتی رہی اور اسکی تکمیل وحشت نے کی جن کی ذات نے بنگال میں ایک دبستان کی بنیاد ڈالی۔ مولانا رضا علی وحشت نے اگرچہ سبھی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل ان کا خاص موضوع رہی ہے اور غزل سرائی کے پرانے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ غزل کو قوت منفعلہ کے مظاہر یعنی شیفتگی، وارفتگی، بے خودی، مدہوشی، شوق و حسرت، رنج و غم اور سوز و گداز وغیرہ کا مجموعہ ہونا چاہیئے۔ متقدمین کے یہاں اس اصول کی سختی سے پابندی کی گئی ہے۔ میر کی ساری غزلیں قوت منفعلہ کے مظاہر سے بھری پڑی ہیں۔ وحشت شمس کے شاگرد تھے اور شمس داغ دہلوی کے شاگرد تھے پھر بھی وحشت نے داغ اسکول سے اجتناب کیا لیکن ان کی غزلیں قوت منفعلہ کے مظاہر سے اپنا دامن چھڑا نہ سکیں۔ وحشت کی غزلوں کا جائزہ لیجیے تو وہ ایک پرانے اسکول کے شاعر اور متقدمین کے مقلد کی حیثیت سے اس اصول کے کاربند نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے:

اک دلِ وارفتہ کی خاطر یہاں تک اہتمام
آنکھ بھی مستی بھری ہے چال بھی مستانہ ہے

نغمۂ مطرب ہے عشق خانہ ویراں ساز کو
وہ نوائے درد جو مضمر شکستِ دل میں ہے

بس یہی لے دے کے ہے اک یادگارِ عہدِ شوق
قدر کر اس داغ کی وحشتؔ جو تیرے دل میں ہے

شاعری سے فطری لگاؤ کی وجہ سے ہی وحشت میں اکتسابِ فن اور مشق کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ وحشت پندرہ برس کی عمر میں ہی حصولِ فن کے لئے کوشاں ہو گئے اور اساتذہ کے مطالعے سے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں میں اضافہ کرنا ان کا دستور بن گیا تھا۔ غالب کے تلامذہ سخن دہلوی کے "سروش سخن" کے مطالعے نے وحشت کو غالب کی طرف متوجہ کیا۔ "سروش سخن" میں غالب کے اشعار کے حوالے نے وحشت کی حساس طبیعت کو بے چین کر دیا۔ طبعِ سخن پر ایسا اثر پڑا کہ کلام غالب کے غائر مطالعہ کا ذوق پیدا ہو گیا۔ غالب کے باضابطہ تنقیدی مطالعہ نے وحشت کے طلسم دل کو اتنا مسحور کیا کہ دل میں غالب دوراں بننے کی خواہش انگڑائی لینے لگی اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وحشت نے روح غالب سے کسب فن اور کسب سخن کے لئے کافی ریاض کیا۔ "دیوان وحشت" اور "ترانۂ وحشت" کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وحشت نے اپنی شاعری میں جس بات کی سب سے زیادہ خواہش اور کوشش کی وہ یہ کہ خود کو غالب دوراں منوانے کے لئے انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے اپنے امکان میں تھا۔ انھوں نے غالب کی زمینوں پر غزلیں کہیں۔ غالب کی طرح فارسی الفاظ اور تراکیب سے آراستہ زبان استعمال کی۔ کہیں غالب کے مضامین کو اپنایا اور غالب کے سے مضامین پیدا کئے اور جدت و ندرت

پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کسبِ فن اور کسب مشق کے لئے ریاضت کے ساتھ ذوق اور وجدان نے ایسی کامل رہنمائی کی کہ وحشت کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی[1] اور وہ بیس بائیس برس کی عمر میں غالبِ دوراں تسلیم کر لئے گئے۔ وحشت کے دیوان اور ان کی شاعری پر مشاہیر شعراء و ادباء نے کم و بیش وحشت کی "تقلیدِ غالب" کی طرف واضح اشارہ کیا ہے مثلاً مولانا حالی فرماتے ہیں "اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا درحقیقت بنگلوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا حق ہم سے چھین لیا ہے۔"

وحشت نے اس طرف اشارہ بھی کیا ہے فرماتے ہیں ؎

وہ امتیازِ حسن ہے معنی و لفظ کا
وحشت تو جس سے غالبِ دوراں بنا دیا

طرزِ ادا، اسلوبِ بیان، زبان کی صفائی و روانی، محاورے اور روزمرہ سے الفاظ کا برجستہ استعمال، خوبصورت تراکیب، بندش کی چستی اور دل پسند نشست الفاظ بات عزل کی جان ہوتے ہیں اور غالب کے کلام کے یہی محاسن ہیں جن کی وحشت نے اصل تقلید کی ہے۔

آج سے تقریباً ساٹھ برس قبل اس صدی کی دوسری دہائی میں جبکہ وحشت نے تتبع غالب میں طبع آزمائی شروع کی تھی اسی سے متعلق پیشین گوئی کی تھی اور واقعات مابعد نے ثابت کردیا کہ پیشین گوئی کا ایک ایک حرف صحیح تھا[2] ؎

تیرے انداز سخن سے یہ ظاہر وحشت
کہ مقدر ہے ترا غالبِ دوراں ہونا

غالب کا اندازِ بیان اس قدر مرعوب کن ہے اور اس کے تتبع میں وہ اس قدر محو ہیں کہ اس حقیقت کا اظہار فخریہ طور پر کرتے ہیں ؎

نکتہ پردازی میں وحشت پیروِ غالب ہوں میں
سرمہ کو کہتا ہوں دودِ شعلۂ آواز سے

اس راہ میں دشواری پیش نظر ہے پھر بھی آرزو کی خلش کوشش کے لئے مہمیز ہے، فرماتے ہیں ؎

وحشت ہمیں تتبعِ غالب سے آرزو
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

---

[1] مقالہ نظیر صدیقی ۹۲
[2] وحشت اور اس کا دور، بنگال میں اردو ص۱۵۲

اس دشوار کو وحشت نے آسان بنا دیا ہے اور ایسا کہ زمانے نے انھیں غالبِ دوراں تسلیم کر لیا اور وحشت فرطِ مسرت سے پکار اٹھے ؎

تری شاعری نے وحشت یہ مچائی دھوم کیسی
کہ زمانہ کہہ رہا ہے تجھے غالبِ زمانہ

شاعر چاہے دوسروں سے کتنا ہی متاثر کیوں نہ ہو اس کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وحشت اردو کے اساتذہ میں میر، ناسخ، مومن، داغ اور حالی و اقبال سے اور فارسی کے اساتذہ میں عرفی، ظہوری اور فغانی سے متاثر ہوئے اور تقلیدِ غالب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ دوسروں کو بھی پس پشت ڈال دیا لیکن [illegible] وجود اپنی انفرادیت بھی قائم رکھی اور یہی وہ انفرادیت ہے جو وحشت کو غالبِ دوراں کی تسلیمی کے باوجود وحشت بناتی ہے۔ وحشت خود فرماتے ہیں

"غالب کی تقلید میں نے بے شک کی لیکن اس حد تک نہیں کہ میں کچھ اور بھی خیالات نہ پیش کر سکوں۔ میرے دیوان کا بغور مطالعہ اگر گہرا ہو تو ظاہر کرے گا کہ میں نے بھی کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔"

"یہ کچھ نہ کچھ" ہی ہے جو وحشت کو ان کے ہم عصروں میں ممتاز کرتا ہے۔ جب وحشت کی غزل کے اس شعر ؎

مذتِ زورِ خسروی تو دکھ کو حسرت ہوتی ہے
جو بار اٹھا نہ پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

پر سیر رضا علی پوری کی نظر پڑی تو وہ اس سے متاثر ہوئے کہ اسے "الہام یارہ" سے تعبیر کیا اور اسے اپنے تبصرہ میں لکھا۔

"ان دو وحشت کی جوانی کی بات عرض کے سامنے لوگوں کا سر جھکتا ہے لیکن ان کے اس رنگ کے سامنے روح دو زانو ہو جاتی ہے۔"

"اس رنگ" سے مراد وہ نیا اندازِ سخن ہے جو وحشت کی انفرادیت ظاہر کرتا ہے۔ مشقِ سخن اور اکتسابِ فن کے ساتھ ساتھ وحشت کے اندازِ بیان، اسلوب اور طرزِ سخن میں تبدیلی پہلے ہی آ چکی تھی جیسا کہ وحشت کی غزلوں کے چند مطالع سے ظاہر ہے۔ ذیل میں ایسے چند مطالع نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ وحشت اپنی ایک

انفرادیت کے حامل تھے ؎

کسی کو کیا پڑی ہے جو کسی کا مدعا جانے
دلِ بیتاب کی تسکین کب ہوگی خدا جانے

نہ مجھ کو امید ہے کسی سے نہ مجھ کو اندیشہ ہے کسی کا
مزے سے اپنی گزر رہی ہے بھلا ہوا اس بے تعلقی کا

اگرچہ ہے تیرگی ہر سو کہیں تو کچھ روشنی ملے گی
رہی تری جستجو جو قائم تو راہ اک دن کھلی ملے گی

رہِ محبت میں جز محبت مرا کوئی مدعا نہیں ہے
نظر چراتے ہو مجھ سے کیوں تم مری کوئی التجا نہیں ہے

ہوئے ہیں گم جس کی جستجو میں اسی کی ہم جستجو کریں گے
رکھا ہے محروم جس نے ہم کو اسی کی ہم آرزو کریں گے

"دیوان وحشت" اور "ترانۂ وحشت" میں ان کی نوعمری کی غزلیں ہیں۔ ان دونوں دواوین میں فنی اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ ظاہر ہے آغاز شاعری میں انھوں نے جو شعر کہے ہیں ان میں شعر گوئی سے زیادہ کسب فن اور تقلید کا خیال کارفرما ہے۔ ان کے عنفوانِ شباب کی شاعری اور پیرانہ سالی کی شاعری میں بڑا فرق ہے۔ "دیوان وحشت" کے غائر مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آغاز شاعری میں اساتذہ کی تقلید زیادہ کی گئی ہے۔ "ترانۂ وحشت" کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحشت کے رنگ سخن میں تبدیلی آگئی ہے لیکن یہ تبدیلی کچھ زیادہ نمایاں نظر آتی ہے پھر بھی تبدیلی کے اس دھندلے عکس میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہے، جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے ؎

وہ آنسو باوجود ضبط جو نکلے قیامت تھے
غمِ طولانیٔ دل کو بشکلِ مختصر دیکھا

ترے آشفتہ سے کیا حالِ بے تابی بیاں ہوگا
جبینِ شوق ہوگی اور ترا آستاں ہوگا

جمود آبِ گل جو ہے وہ جاتا ہے کہاں مجھ سے
عبث فریاد کرتا ہے درائے کارواں مجھ سے

دیر ملا تھا راہ میں کعبہ کو ہم نکل گئے
جذبۂ شوق میں دماغ کس کو ہوا امتیاز کا

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

ہوا سرگرم حسنِ یار جب جلوہ دکھانے میں
تجلی سے تجلی لڑ گئی آئینہ خانے میں

تو کسی کا ہو کے دیکھ اے شکوہ سنج روزگار
کیوں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں مرا کوئی نہیں

وحشت کی انفرادیت ان کے اظہارِ خیال سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً جب وحشت رشک کے مضمون کو شعر کا جامہ پہناتے ہیں تو وہاں غالب سے بھی مختلف نظر آتے ہیں۔ اس میں ان کے اوریجنل خیالات ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کہتے ہیں ؎

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

اسی مضمون کو وحشت نے کتنے خوبصورت پیرائے میں شعر کا جامہ پہنایا ہے: ؎

رشک کہاں حسد کسے اور مجھے خوشی ہوئی
غم میں ترے رقیب کو سینہ فگار دیکھ کر

میں قیدِ رشک سے آزاد ہوں محبت میں
کہ تجھ کو شمع بنایا ہے انجمن کے لئے

اب دیکھئے وحشت کے یہاں ان کا رشک اپنے اندر ضبط و تحمل کا بحر بیکراں لئے ہوئے ہے۔ یہاں ٹھہراؤ اور سکون ہے۔ اس رشک میں کدورت یا بغض و عناد کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ شاعر کے عشق کو مقامِ اعلیٰ بخشتا ہے یہاں رشک میں بھی خوشی، فرحت اور خلوص کا دریا موجزن نظر آتا ہے۔

وحشت کی شاعری کے آخری ایام میں اردو شاعری دورِ جدید میں داخل ہو رہی تھی۔ قدیم رنگِ سخن کا دم توڑ رہا تھا مگر وحشت تھے کہ پرانی روش پر ہی چلتے رہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہی۔ اس کا اشارہ انھوں نے اپنے مقطع میں یوں کیا ہے ؎

بدلا ہوا مذاقِ سخن ہے زمانے کا
محوِ غزل ہے وحشت رنگیں نوا عبث

اس مداہنت کے آگے کیا بات بنتی۔ وحشت ادب برائے ادب کے رہے اور ادب برائے زندگی کو قبول نہیں کیا۔ اس کے باوجود وحشت

باقی صفحے پر ۹۳

وحشت شناسی

پروفیسر شاھد اختر

رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو اور سید اعجاز حسین کی مختصر تاریخ ادب اردو میں قدیم و جدید شعرائے اردو کے وسیع تذکرے میں علامہ رضا علی خان وحشت کلکتوی کے تذکرے کی عدم موجودگی کیا اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ وحشت اتنے غیر اہم شاعر ہیں کہ ان کے تذکرے کے بغیر بھی اردو ادب کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ وحشت کا تذکرہ نہ کرکے رام بابو سکسینہ اور سید اعجاز حسین جیسے مورخین ادب نے اپنی تواریخ کے نامکمل اور کم معیار ہونے پر خود ہی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ وحشت نہ صرف یہ کہ بنگال کی اردو شاعری کی آبرو ہیں بلکہ برصغیر کی اردو تاریخ کا وہ روشن باب ہیں جس کے بغیر کوئی ادبی تاریخ تکمیل کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

وحشت کی پیدائش کلکتہ کے ایک طبیب گھرانے میں ہوئی۔ زمانہ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کا تھا۔ انہیں بھی اپنے خاندانی ماحول کا اثر قبول کرتے ہوئے طبابت کے آسودہ حال اور پُر وقار پیشہ سے لگ جانا چاہیے تھا مگر ان کے سینے میں جو دھڑکتا ہوا دل تھا وہ انہیں نبض شناسی سے زیادہ بحر معانی کی غواصی پر آمادہ کر رہا تھا اور دل کی اس پکار کو ٹھکرانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ شاعری کی دوشیزہ نے انہیں اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر بنا لیا اور ساری عمر وہ اسی کے پیچ و خم سنوارتے رہ گئے۔ تقریباً نصف صدی تک اردو شعر و ادب کی خدمت میں لگے رہنے والے شاعر کی خدمات سے صرف نظر کرنا ادبی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے؟ آیئے ذرا ان کے شعروں میں جھانک کر اس کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ کرنے کی کوشش کریں۔ دیکھیں کہ ان کی شاعری ہے کیا؟

وحشت نے اپنی شاعری سے متعلق خود ہی ایک ذہن دینے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تیرے اندازِ سخن سے ہے یہ ظاہر وحشت
کہ مقدر ہے ترا غالب دوراں ہونا

کچھ ایسا ہی ذہن میر نے اپنی شاعری کے بارے میں دیا تھا ؎

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم اتنے کئے جمع کہ دیوان کیا

میر نے درد و غم کے ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ درد و غم جھیلا اور درد و غم میں زندگی کا سلیقہ سیکھا اور سکھایا۔ یہ شعر ان کی شاعری کا سرمایہ بن گیا۔ ناقدین نے اسی کسوٹی پر ان کی شاعری کو پرکھنے کی کوشش کی اور کامیاب رہے۔ وحشت نے اپنی شاعری کے بارے میں جو بات کہی اس نے ان کے ناقدین میں سے بیشتر کو گمراہ کر دیا۔ نظیر احمد صدیقی جیسے لوگوں نے ان کو غالب کی شکل میں ہوبہو دیکھنے کی کوشش کی اور جب ناکام رہے تو ان کو شاعر ماننے سے انکار کر دیا۔ ایسا کرنے میں جہاں ان کی کم نگاہی کا قصور ہے وہیں تھوڑا قصور وحشت کے اس اصرار کا بھی ہے کہ وہ غالب دوراں یا غالب ثانی ہیں ؎

کہتے ہیں کیوں ساحر بنگالہ وحشت مجھ کو لوگ
کچھ تو طرز غالب جادو بیاں رکھتا ہوں میں

وحشت ہمیں تتبعِ غالب ہے آرزو
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

سخن آموخت غالب از نظیری وحشت از غالب
چراغ را کہ دودے ہست در سر زود در گیرد

"غالب دوراں" اور "غالب ثانی" کے محور سے الگ ہو کر وحشت کو

سمجھنے کی کوشش ہی ہمیں وحشت کے رنگِ شاعری تک پہنچا سکتی ہے اور اس کے لئے ہمیں دورِ وحشت کی شاعرانہ خصوصیات اور پھر وحشت کی شاعری کے دروں خانے میں جھانکنا ہوگا۔

وحشت کی پیدائش سنہ ۱۸۸۱ء میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ملک پر برطانوی تسلط قائم ہونے کے بعد سرسید اور ان کے رفقاء کی اصلاحی تحریکیں چل رہی تھیں۔ اقبال کی فلسفیانہ شاعری اپنے شباب پر تھی جس میں وہ اسلامی فلسفے کو مغربی فلسفے سے ہم آمیز کر کے شاعری کی ایک ایسی دنیا آباد کر رہے تھے جو پیمبری کے درجے پر پہنچ رہی تھی۔ ذرا آگے چل کر انقلاب روس کا غلغلہ بلند ہوتا ہے وہ انقلاب جو لینن کی سربراہی میں مارکس کے نظریات کو عملی تشکل میں نافذ کر کے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ ساری دنیا کا ادب بھی متاثر ہوتا ہے۔ ترقی پسندی ایک تصورِ حیات بن کر شاعروں اور ادیبوں کے اذہان کو اپنا اسیر بنا رہی تھی۔ اقبال جیسا شاعر بھی انقلاب در انقلاب کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ پھر ترقی پسند تحریک کے شانہ بشانہ رومانی ادبی تحریک آگے بڑھتی ہے۔ اصغر کی صوفیانہ شاعری سلاستِ زبان اور ندرتِ افکار کے ساتھ منصۂ شہود پر آتی ہے۔ یگانہ کی تیکھی، کڑوی کسیلی، مارے اور سمت بھی مارنے والی شاعری منظر عام پر آتی ہے۔ مگر وحشت اس سارے ہنگامے سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کی شعوری کوششوں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ نہ ان کے یہاں کوئی اصلاحی پہلو ہے، نہ کوئی فلسفیانہ موشگافی، نہ کوئی انقلابی کروٹ، نہ تصوف کی کوئی ایسی گہرائی جس میں ڈوب کر نکلنا مشکل ہو، نہ مارنے مرنے کا انداز، نہ جھپٹ لینے کا کوئی جذبہ، نہ کھو جانے کا ایسا ماتم جو دیر تک قاری کو تڑپاتا رہے۔ پھر ان کی شاعری کیا ہے؟ ان کی شاعری کا اپنا انداز ہے تو وہ رنگِ شاعری کیا ہے؟ اس میں پہلے ہم وہ اشعار دیکھیں جن میں انھوں نے اپنے نظریۂ شاعری کی طرف اشارے کئے ہیں۔

غزل کا لطف ہے وابستۂ طرزِ کہن وحشت
خیال خاطرِ احباب جدت آشنا کب تک

یہ شعر واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ وحشت اس قدیم روایتِ غزل سے اپنا رشتہ استوار رکھنا چاہتے ہیں جو انھیں اپنے استاد ابوالقاسم شمس سے داغ کے ورثے کے طور پر ودیعت ہوئی تھی۔

پھر کہتے ہیں ؎

وحشت مری نظر میں مکمل نہیں وہ شعر
جس میں کہ حسنِ معانی و لطفِ زباں نہ ہو

اس شعر میں تکمیلِ شعر کا جو پیمانہ انھوں نے مقرر کیا ہے اس میں دو چیزیں لازمی ہیں ایک حسنِ معانی دوسری لطفِ زبان حسنِ معنی شعر کی بلاغت اور لطفِ زبان فصاحتِ زبان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور یہ اشارے اس بات کی وضاحت کیلئے کافی ہیں کہ وہ رومانوی ادبی تحریک یا ادب برائے ادب کے نعرے سے بھی متاثر نہیں ہیں۔ جہاں زبان کا چٹخارہ اور الفاظ کی سرشش ہی سب کچھ ہے۔

وحشت شاعر تھے شاعر جس کے سینے میں ایک دردمند دل ہوا کرتا ہے اور اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اپنے تاثرات کو شعر کا جامہ پہناتا ہے اپنے داخلی احساسات کو خارجی رنگوں سے سجا کر جب پیش کرتا ہے تو وہ احساسات قاری کے دل و دماغ میں اتر کر اس کے اپنے احساسات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وحشت اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر نہیں ہوتے یہ اور بات ہے کہ انھوں نے اپنے احساسات کو دھیمی دھیمی آنچ پر ہی پکنے دیا۔ ان کو کبھی اس گرمی سے آشنا نہیں کیا جو گرمی جوالا مکھی بن سکے بس ایک نرم اور شبنمی احساس ایک ہلکا بہاؤ اور ایک شریف آدمی کی نرم گفتار۔ یہی ان کی شاعری کا سرمایہ تھا۔ کوئی احتجاج نہیں، کوئی مطالبہ نہیں، بس ایک ہلکی سی کسک اور بس۔

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لئے

عموماً داخلی احساس کی بھٹی میں جلنے والے تصوف کی راہ پر چل پڑتے ہیں وحشت تصوف کی راہ پر بھی چلے تو اس پر دور تک چلنے کی ہمت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے ؎

خستگیٔ کلیم نے نکتہ عجب سمجھا دیا
ورنہ حریف میں بھی تھا اس مژدۂ دراز کا

خاک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہِ ناز کا

ہاں مگر وحشت جب داخلی احساسات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں تو عجیب کیفیت دے دیا کرتے ہیں اور یہی کیفیت جو تراکیب الفاظ اور تشبیہات کی مدد سے پیدا کر پاتے ہیں ان کی شاعری کا سرمایہ بن جایا کرتی ہے۔ ؎

کون جانے کہ یہ کافر نظر کس کی ہے
خبر اتنی ہے کہ ثابت مرا ایماں نہ رہا

حریف دیدۂ دیدار جو کیا ہو حجاب اس کا
نگاہ آشنا ہے مجھ کو ہر تار نقاب اس کا

وحشت نے کار زار عشق میں قدم رکھا تو وہاں بھی صبر و ضبط کا دامن تھامے رکھا جبکہ اس میداں میں یہ کبھی ممکن تھی کہ وہ ذرا کھیل کھیلتے، اپنے جذبات کی شدت کا مظاہرہ کرتے، تڑپتے، گریہ و زاری کرتے، اشعار دیتے کہ دریا بہا دیتے یا اتنا شور مچاتے کہ ان کے معشوق کی جفا کاریوں کا شہرہ ہو جاتا مگر وحشت کی طبعی نرم خوئی یہاں بھی ان کا دامن تھامے رہی۔

ہمارے صبر سے پیدا تھا اک عنوانِ بےتابی
کبھی سر کی بھی لیتا تھا خبر جو ہاتھ دل پر تھا

اللہ رے دلفریبیٔ اندازِ ضبطِ عشق
اک موجِ خوں تھی دل میں اور آنکھوں میں نم نہ تھا

دل رفتہ رفتہ خوگرِ آزار ہو گیا
غم تھا بہت مجھے وہی غم خوار ہو گیا

حالانکہ رہِ عاشقی میں قدم رکھتے وقت یہ دعویٰ ضرور کیا تھا۔

مجھے تو عشق ہے بس عشق ہی تمنا ہے
چلا ہوں کوچۂ جاناں کو سر جیہ باد اباد

مگر کوچۂ جاناں کی سیر بھی کچھ یوں ہی سی رہی، نہ صحرا نوردی، نہ زلف پریشاں، نہ دامن چاک بس محبوب کی یاد اس کے دیدار کی حسرت اس کو پا لینے کی تمنا اور ان کی قسمت پر رشک جنھوں نے وصالِ یار کی لذت سے سرفرازی حاصل کی تھی۔

ہے ازل سے اس قدر دیدارِ جاناں ہم تماشہ گے   زلیخا کیا سناتی ہر خیال اسکا ہر خواب اسکا

معشوق کے سامنے کبھی لب اظہار کھولا بھی تو اندازِ التجائیہ ہی رہا ؎

نہیں پائمالیِ عاشقاں بجز اک نظر کا معاملہ
ترے اختیار کی بات ہے جو کرے یہ کام مگر نہ کر

اس میدان میں اپنی کم مائیگی کا احساس بھی رہا۔

کچھ کام لے سکے نہ کبھی جستجو سے ہم
شرمندہ ہی رہے ہیں تری آرزو سے ہم

یارب ہمیں نصیب نہ ہو لذتِ خلش
رسوا کریں جو زخمِ جگر کو رفو سے ہم

تو کیا ان کی زندگی کا حاصل بس یہی رہ گیا تھا؟

دام ہے طولِ امل اس سے رہا ہو جائیے
رفتہ رفتہ یک دلِ بے مدعا ہو جائیے

وحشت شاید اسی ایک دل بے مدعا کے ساتھ جیتے رہے۔ خان بہادری کا تمغہ ہو یا اسلامیہ کالج کی پروفیسری، تلامذہ کے بڑے حلقے کی رہبری ہو یا بیٹے کی دیوانگی۔ ہجرت کے صدمے ہوں یا رفیقوں کی جدائی۔ ہر حال میں وہ ایک شریف وضع دار انساں کی زندگی گذارتے رہے۔ نہ خاں بہادری کا تمغہ ان کا دماغ پھرا سکا نہ بیٹے کا جنوں اور رفیقوں کی جدائی کا داغ ان کو ضرورت سے زیادہ مایوس کر سکا۔ وہ زندگی بھر ایک متوازن آدمی رہے اور یہ توازن انھوں نے اپنی شاعری میں بھی قائم رکھا۔ اس کی پرواہ نہیں کی کہ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے۔ اپنے گھر کی کھڑکیوں کو ادھ کھلا رکھا۔ کبھی کبھی باہر کا منظر بھی دیکھتے رہے مگر ان مناظر کو اپنے درون خانے کے اندر پھٹکنے نہیں دیا۔ پھر بھی وحشت کی شاعری آج بھی اس قابل ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور اس میں "حسنِ معانی" اور "لطفِ زباں" کا جو گلزار کھلا ہوا ہے اس سے مشامِ جاں معطر کرنے کا ساماں کیا جائے۔۔

(بشکریہ آبشار خاص نمبر کلکتہ ۱۹۹۶ء) ■■

رضا علی وحشت کی ایک نئی تفہیم

از: ڈاکٹر خواجہ نسیم اختر

یورپ کا نشاۃ الثانیہ دیا کا نشاۃ الثانیہ ہے۔ چنانچہ مثال حسن کا آغاز ایک اندازے کے مطابق ۱۸۱۰ء سے ہوتا ہے پورے سو سال کا تسلسل ہے اور جو انگریزی تعلیم ۱۸۳۵ء سے رائج کی گئی تھی وہ اس جذبے سے خالی نہ تھی چونکہ انگریزی زبان علوم جدید کے حرانے کی کنجی ہے لہذا بنگال میں بھی مغربی افکار و تجربات انگریزی زبان کے معمول سے بارڑھ کی صورت میں پھیلنے لگی اور اس کے نتیجے میں نئی تحریکوں کا اکھوا پھوٹنے لگا۔ زندگی اور معاشرے کے مغائر اور اقدار نئے زاویوں اور نئے ابعاد سے معلو ہونے لگے۔ بنگال کا ہر فرد سیاسی اور سماجی طور پر فعال ہونے لگا سیاسی ادارے کھلنے لگے اور انگریزوں کی غلامی سے آزادی پانے کے لئے کوششیں تیز تر ہونے لگیں۔ یورپ میں پہلی جنگ عظیم لڑی گئی جس نے انسانی اقدار کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا علوم کی ترقی نے انسان کے تیقن کو پارہ پارہ کر دیا اور نئے انداز سے ایک نئی سوچ ایک طویل آوارہ خرامی پر نکل پڑی نتیجے میں ایک نئی Sense ہوا۔ یعنی کہ حسیت نمود پذیر ہونے لگی جس کا بالغ اظہار بنگلہ شعر و ادب میں ہونے لگا۔ صرف بنگال ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں ایک نیا وژن ایک نیا سماجی شعور اور ایک تازہ تہذیبی رفعت اپنی خوشبو پھیلانے لگی۔ اور اعادے اور تکرار کی مشینی فضا سے نکلکر تخلیقی فضا میں سانس لینے لگی۔

علامہ رضا علی وحشت اسی بنگال میں اپنی تخلیقی قوت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان کا پہلا دیوان جو ۱۹۰۹ء میں "دیوانِ وحشت" کے نام سے شائع ہوا "غالبِ دوراں" اور "غالبِ ثانی" بننے اور ہونے کی کوششوں سے عبارت ہے۔ دوسرا شعری مجموعہ جو "ترانۂ وحشت" کے نام سے لاہور میں شائع ہوا۔ اس دیوان کے معمول سے وحشت اپنی بصیرت، اپنی تخلیقی جودت اور فنکارانہ صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہیں۔

وحشت روایات کے امین تو ضرور ثابت ہوئے لیکن انھوں نے بدلتے ہوئے منظر نامے کا ساتھ نہیں دیا اور بنگال میں رہ کر وہ دہلی و لکھنؤ اسکول کے مخصوص رنگ کو اپنانے میں اور آنکھ موند کر غالب کی تقلید کرنے کو ہی وجہ افتخار جانا اور یہیں سے وحشت کا المیہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر فنکار شخصی افتادِ طبع، شخصی وجدان اور شخصی بصیرت لیکر دنیا میں آیا ہے ورنہ ایک ہی عہد کے کئی شاعر ایک ہی طرح کے معاشرے اور ماحول اور تہذیبی روایات کے پیداوار ہونے کے باوجود فکر و نظر اور انداز بیان کی بنیاد پر ایک دوسرے سے کافی الگ ہوتے ہیں۔ کئی ناقدوں نے وحشت کی شاعری کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ان کے ہاں محاوروں، صنائع بدائع، لفظوں کے دروبست، تشبیہ و استعارے کا کامیاب التزام ملتا ہے اگر ان باتوں سے کوئی شاعر عظیم ہو سکتا تو اردو میں سینکڑوں شاعر ایسے ہیں جن کے ہاں مذکورہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

علامہ رضا علی وحشت خود کو غالبِ دوراں کہلانا پسند کرتے تھے مجھے نہیں معلوم کہ آخر جبکہ وہ خود نابغۂ روزگار تھے۔ غالب کی تقلید یا تتبع کرنے میں اپنی عمر عزیز کو کیوں گنوایا۔ غالب ایک ایسا Genious تھا جس کے رنگ میں شاعری کرنا اپنی سطحیت کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ انھوں نے نہ صرف اردو غزل کو مجہول داخلیت اور سطحی خارجیت دونوں کے تنگ دائرے سے نکال کر فطرت انسانی کے قریب کر دیا اور خود مشکل زبان اور پیچیدہ طرز بیان کے باوجود اس کے اندر معنوی حجم پیدا کیا۔ دنیا کے عظیم مفکر شاعر و ادیب کی پہچان یہ رہی ہے کہ وہ اپنی فکری بصیرت سے الفاظ کے نئے ابلاغی امکانات کو پا لیتے ہیں جو صدیوں استعمال ہوتے آئے ہیں۔ غالب اپنے عہد کے

مخلوق بھی تھے اور خالق بھی۔

میں دو شاعروں کے درمیان موازنہ یا تقابلی مطالعے کا قائل کبھی نہیں رہا کیونکہ شاعر اپنے عہد کی پیداوار ہوا کرتا ہے۔ غالب اور وحشت دو مختلف زمانوں کی پیداوار تھے۔ دونوں کے عہد کی حیثیت جدا جدا تھی۔ لیکن بھائی لوگ جو وحشت کے کُل کارناموں کو غالب دوراں ہونے سے عبارت سمجھتے ہیں تو میں یہاں صرف ایک شعر نقل کرنا چاہوں گا۔ آپ صاحب نظر ہیں، فیصلہ آپ کے ہاتھوں۔

غالب۔ ؎ ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت کیوں نہ ہو

وحشت ؎ دل دیوانہ کرتا ہے در و دیوار سے باتیں
میری خلوت نہیں ہے یہ تو محفل ہوتی جاتی ہے

یہاں میں غالب کے شعر کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ شعر کا مفہوم عام معنی تو یہ ہے کہ آدمی بذاتِ خود نوع بہ نوع خیالات کا ایک ہجوم ہے کیونکہ وہ تنہا رہ کر بھی تنہا نہیں رہتا کیونکہ اس کا ذہن تخیلات و توہمات کا ایک ہنگامہ برپا کئے رہتا ہے لیکن خوست سے اہم بات ہے وہ یہ کہ لفظ "محشر" کا بڑا تخلیقی استعمال ہوا ہے محشر کے معنی ہے برانگیخت کرنا اور محشر کے معنی قیامت کے دن مُردوں کے اکٹھا ہونے یعنی زندہ ہونے کی جگہ لہٰذا اس لفظ میں معنی کی تین شاخیں ہیں (۱) برانگیخت ہونا، (۲) مردوں کا زندہ ہوکر جمع ہونا، (۳) لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا۔ پھر لفظ آدمی، توجہ طلب ہے۔ غالب نے آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا، کہہ کر آدمی اور انسان میں فرق پیدا کیا ہے! اور یہ فرق بھی ان کے ذہن میں رہا ہوگا۔ آدمی کی تخصیص کر کے انھوں نے تمام بنی نوع آدم مراد لے لی ہے۔ انسان کہتے تو ممکن تھا کہ آدمی کی بہترین اور مخصوص شکل یعنی انسان کی طرف تخصیص ہو جاتی اور عمومیت جاتی رہتی مراد یہ ہوئی کہ تمام آدمیوں کی سرشت ایسی ہے کہ ان کے ذہن میں خیالات برانگیخت ہونے لگتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ مومن کا ان کے مشہور شعر سے کوئی تعلق نہیں۔ غالب کے شعر کے لفظیاتی اور معنیاتی انسلاکات کا تماشہ آپ دیکھ چکے اور وحشت نے اسی شعر کو اپنے انداز سے اپنے رنگ میں کس طرح کہا ہے۔

وحشت کے شعر کا پہلا مصرعہ "دل دیوانہ کرتا ہے در و دیوار سے باتیں" اس مصرعے میں چند مخصوص خوبیاں تو ہیں مثلاً صاحبِ جنوں کی فطرت مختلف انداز سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی وہ خود کو دو ٹی میں تقسیم کر کے باتیں کرتا ہے کبھی در و دیوار سے باتیں کرتا ہے۔ یہ دیوانگی کے انسلاکات ہیں لیکن دوسرا مصرعہ نہایت ہی سطحی اور شعری زبان کے لحاظ سے لطف سے خالی بھی۔ اگر یہ شعر اپنے تناظر میں وحشت کہتے تو شاید تھوڑی سی اور محنت سے یہ شعر بڑا شعر ہو سکتا تھا لیکن غالب جیسے نکتہ داں اور نکتہ رس کے شعر کے نزدیک شعر کا جوہر بجائے کھلنے کے سکڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

سید لطیف الرحمٰن صاحب اپنی کتاب "نساخ سے وحشت تک" میں رقمطراز ہیں کہ "غالب کی تقلید کا جذبہ وحشت صاحب کے اندر فطری طور پر تھا۔ اسی فطری جذبے کے تحت انھوں نے غالب کی تقلید میں عمر بسر کر دی اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ غالب اور وحشت کا کلام اگر ساتھ ساتھ پڑھا جائے تو دونوں میں نمایاں فرق یہ معلوم ہوگا کہ وحشت صاحب کا کلام غالب کے کلام کی طرح شگفتہ، پُرتاثیر اور پُرسوز نہیں"

وحشت کے اہم ناقد کی رائے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ انھوں نے بھی غالب کے مقابلے میں وحشت کے اشعار کی بے لطفی اور بے ذائقہ کا رونا رویا ہے جبکہ موصوف خود اسی کتاب میں بیشتر جگہ وحشت کے غالب دوراں ہونے کی کاوشوں کی سراہنا بھی کی ہے۔ بہرکیف اس طرح کی تنقید سے ہمارے ادب کا بیشتر حصہ بری طرح متاثر ہے۔ لیکن جب ہم وحشت کو ان کی اپنی فکری بصیرت اور شعری کمالات کے تناظر میں دیکھتے ہیں جو "ترانۂ وحشت" کے شعری مجموعے میں موجود ہیں تو ہم وحشت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے اتنے کامیاب اور نئی سعادتوں سے معمور اشعار کہے ہیں۔

؎ کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

؎

دلیلِ پستیِ ہمت ہماری ظاہر ہے
شکایتِ ستمِ روزگار کرتے ہیں

باقی صفحہ ۸۰ پر 98

وحشت کی نظم نگاری

ابوذر ہاشمی

تخلیقی اظہار یا اس اظہار کے لئے مناسب و موزوں ہیئت کی تلاش وحشت کا مسئلہ نہ تھا۔ وہ ۱۹ویں صدی کے آخر (۱۸۸۱ء) میں پیدا ہوئے یعنی وہ زمانہ جب حالی اردو شاعری کے مصلح کی حیثیت سے ادب کے افق پر چھائے ہوئے تھے۔ حالی کے زیر اثر جدید نظم نگاری تحریک کی شکل اختیار کر رہی تھی۔ ایسے میں ۱۹ویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جن شعراء نے آنکھیں کھولیں ان میں اقبال (۱۸۷۳ء) جوش (۱۸۹۸ء) اختر شیرانی (۱۹۰۵ء)، راشد (۱۹۱۵ء) فیض (۱۹۱۱ء) میراجی (۱۹۱۲ء) اختر الایمان (۱۹۱۵ء) وغیرہ کی بنیادی شناخت غزل کی بجائے نظم کے حوالے سے ہی بنی۔ وحشت بھی اپنی حدود میں ایک نابغۂ روزگار شاعر تھے لیکن انہوں نے نظم کی صنف کو اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا اور ''بوجوہ'' غزل کی شاعری کرتے رہے۔ ہر چند کہ وحشت نے گاہے گاہے بعض ہنگامی نوعیت کی نظمیں بھی لکھیں۔ لیکن یہ نظمیں تخلیقی اظہار کی بجائے سماجی تعلقات کی جبر کی پیداوار ہیں۔ ہاں چند نظمیں ایسی بھی ہیں جو کسی فرمائش یا وقتی ضرورت کے تحت نہیں لکھی گئیں بلکہ شاعر کے داخلی تقاضے کی ترجمان ہیں، مثلاً ''دستگیری عشق''، ''ماتم آرزو''، ''قوم سے خطاب''، ''خاک دہلی'' وغیرہ اس کے علاوہ چند مذہبی نظمیں بھی قابل ذکر ہیں۔

وحشت کے پہلے شعری مجموعہ، دیوان میں غزلوں کے حصے کے بعد ''مخمسات''، ''قطعات''، ''رباعیات'' اور ''جدید طرز کی نظموں'' کے عناوین کے تحت کچھ کلام موجود ہے۔ جدید طرز کی نظموں کے حصے میں کل پانچ نظمیں ''دستگیری عشق''، ''کبھی کی یاد''، ''ماتم آرزو'' ''غالب'' اور ''میر''، شامل ہیں۔ ان میں ''کبھی کی یاد'' اور ''ماتم آرزو''، معریٰ نظمیں ہیں جبکہ دیگر تین نظمیں مسدس کی شکل میں ہیں۔ ''دستگیری عشق'' میں شاعر نے بغیر عشق کے زندگی کو ''بے سواد''، ''شکستِ ساغرِ امید'' اور ''چراغ کشتہ'' قرار دیا ہے۔ پہلے چھ سدوں میں شاعر نے دنیا کی نیرنگی اور عمر کے زیاں کا رونا رویا ہے۔ آخری بند میں شاعر نظم کے مرکزی خیال کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

عشق پیدا کر کہ عشرت آفریں ہو غم ترا
نغمہ بن جائے لبوں پر نالۂ پیہم ترا
جاں نثار یار کردن خاک را زر کردن است
قطرۂ ناچیز را دریائے گوہر کردن است

اس نظم میں تسلسل اور ربط ہے جو آخری بند تک چلا جاتا ہے۔ وحشت کی نظموں میں ''ماتم آرزو'' ایک مخصوص کیفیت کی حامل ہے۔ اس کا تسلسل بیان، اشعار کا باہمی ربط اور اختصار ایک نقش چھوڑ جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رحمت خدا کی تجھ پہ ہو ناکام آرزو
اے خاطر ستم کش ایام آرزو
آہ اے فریب خوردۂ نقش امید آہ
کیا کیا تری ہوس نے نہ تجھ کو کیا تباہ
طولِ امل کے دام میں تو پھنس کے رہ گیا
افسوس بر نہ آیا کوئی تیرا مدعا
سب تیری زندگانی کا روشن ہے مجھ پہ حال
معلوم خوب ہے ترا ہر عیب ہر کمال

ان اشعار میں تسلسل اور ربط باہم تلاش کرنے کے لئے کاوش کی ضرورت نہیں۔ یہ اشعار نظم کے مزاج اور موضوع کا

99

احاطہ کرنے میں بھی معاون ہیں۔ شاعر واضح طور پر طول امل کو دام قرار دے رہا ہے۔ یعنی شاعر کی فکر عام انسانی اور اخلاقی قدر کی حدود میں گھر کر رہ گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاعر فکری ارتقاء کا مظاہرہ نہ کرسکا اور عوام الناس کی سوچ کی سطح پر الجھ کر رہ گیا ہے اس کے برخلاف یہی لفظ "آرزو" اقبال کے یہاں ایک "نظامِ حیات" کا حامل ہو جاتا ہے۔ اقبال تو "وصل" تو اس لئے پسند نہیں کرتے کہ "وصل میں مرگ آرزو" ہجر میں لذت طلب" ہے اور یہ حرف یہ کہ "مرگ آرزو" انہیں گوارہ نہیں بلکہ وہ متمنی ہیں کہ "جگر لالہ میں آتش چراغ آرزو کر دے" اس طرح اقبال کے یہاں "آرزو" سراغ عشق سکر رندی کا بنیادی جوہر کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔ جبکہ وحشت کے یہاں "آرزو" ایک سطحی جذبہ "سکر" ماتم یک شہر آرزو" پہ ختم ہو جاتی ہے

ترانۂ وحشت کی پہلی نظم حافظ کی غزل کی تخمیس ہے۔ یہ تخمیس ظاہر ہے کہ فارسی میں ہے اور وحشت کی فارسی دانی اور قادر الکلامی کا بہترین نمونہ ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس مخمسہ میں وحشت کے اشعار اس پایہ کے ہیں کہ حافظ کے مصرعوں کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے ہیں۔

ان اشعار کو اگر حافظ کے دیوان میں شامل کر دیا جائے تو حافظ کے ماہرین کو بھی پہلی نظر میں انہیں حافظ کے اشعار ماننے میں تامل ہو۔ تخمیس کا پہلا بند نمونے کے طور پر ملاحظہ ہو۔

بہ پائے ساقیِ مہوش رصد مستی سر اندازیم
رہ و رسمی کہ دارد خلق ما آں را بر اندازیم
بہ بزم یار امشب از سخن صد گوہر اندازیم
بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

وحشت کو اپنی اس تخمیس کی کامیابی اور سخن سنجی پہ خود بھی ناز تھا۔ چنانچہ وحشت گرچہ کہ طبعاً منکسر المزاج تھے لیکن کامیاب تخلیق کی سرشاری آخری بند میں انھیں یہ کہنے پہ مجبور کر دیتی ہے۔

سخن تا وحشت شیریں سخن فرمودہ است آغاز
شنیدہ ام کہ دارد ہند بر دانش ہزاراں ناز

چہ شد شیراز را را یارب نمی بینم یک دمساز
سخندانی و خوشخوانی نمی ورزند در شیراز
بیا حافظ کہ ما خود را بملکِ دیگر اندازیم

وحشت کا یہ کہنا کہ "سخندانی خوش خوانی نمی ورزند در شیراز"، اور پھر شعر و سخن کا ایک ملک سامنے کے لئے حافظ کو آواز دینا صرف وحشت کی سخن طرازی یا تضمین نہیں بلکہ خود آگہی کی سستی اور شعور من کی سرشاری ہے جو حافظ کی ہم جلیسی کی متمنی ہے۔ اس خمسہ کے بعد فارسی میں ہی "اشعار بہ تقریب عید" ہیں۔ یہ بھی حافظ کی غزل "ساقی بیا کہ کار جہاں شد بکام ما" کی زمین میں ہے۔ کل چھ اشعار ہیں جو مذکورہ خمسہ کے معیار کو نہیں چھوتے۔ اسکے بعد "فغانِ مسلم قبل از تخلیق پاکستان"، "قوم سے خطاب"، "خاک دہلی" وغیرہ نظمیں ہیں جو اردو زبان میں ہیں۔ "فغان مسلم" اور "قوم سے خطاب" وسیع کینوس کی نظمیں ہو سکتی تھیں لیکن دونوں نظمیں غزل کی طرح سات آٹھ اشعار میں سمٹ کر رہ گئیں، وحشت دراصل بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں غزل کا شاعر فکری وسعت اور تسلسلِ خیال کی بجائے ریزہ خیالی اور فکری گہرائی کو ہی بنیادی اہمیت دیتا ہوا آیا ہے۔ غزل گوئی دریا کو کوزے میں سمونے کا فن ہے۔ اس لئے غزل گو شاعر جزئیات کے پیچ و خم میں نہیں الجھتا۔ غزل کے ایک شعر میں جذبات کی ایک ایسی دنیا آباد ہو سکتی ہے جو کسی طویل نظم سے ممکن نہیں تاہم نظم کی بھی اپنی خارجی اور داخلی ضرورتیں ہوا کرتی ہیں۔ خالص غزل گو شاعر نظم کے ان تقاضوں کی تکمیل سے قاصر بھی رہ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا نظمیں بھی ایک سچے غزل گو شاعر کی تخلیق ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔ بنیادی طور پر وحشت نظم نگاری سے طبعی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے مذکورہ نظموں کے اشعار میں بھی غزل کی کیفیت نمایاں ہے۔

چند شعر دیکھئے:

۱) در سے تنگ آ کے مصروفِ فغاں ہوتے ہیں ہم
کب شکایت سنجِ جورِ آسماں ہوتے ہیں ہم

۷) امتیازِ حق و باطل یک قلم جاتا رہا
سود ہے مقصد مگر وقفِ زیاں ہوتے ہیں ہم

(۳) شادماں و کامراں ہوتے ہیں اپنے سب حریف
خستہ تن افسردہ دل آزردہ جاں ہوتے ہیں ہم

(۶) کھائے ہیں دھوکے بہت اے آسمانِ نیلگوں
دل کبھی ہوتا ہے خوش تو بدگماں ہوتے ہیں ہم

(۲) اپنی بربادی کا افسانہ ہے مشہورِ جہاں
محفلِ دشمن میں زیبِ داستاں ہوتے ہیں ہم

(۴) قعرِ دریا میں ہم اُتنے ہی گرے جاتے ہیں حیف
جس قدر شامت سے رسوائے جہاں ہوتے ہیں ہم

"معالِ مسلم" کے کل آٹھ اشعار میں سے چھ یہاں پیش کر دیئے گئے۔ ان اشعار کے انفرادی مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر شعر اپنے آپ میں مکمل ہے۔ اسے سیاق و سباق کی ضرورت نہیں۔ یہاں مذکورہ اشعار کی ترتیب کو میں نے قصداً بدل دیا ہے۔ ان کی اصل ترتیب بھی قوسین میں درج ہے۔ اب ایک بار پھر ان اشعار کا مطالعہ تحریف شدہ ترتیب کے ساتھ کریں۔ اس تحریف کے باوجود اشعار کے ہیئتی یا معنوی ربط میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سے قطع نظر کہ یہ خصوصیت نظم کی خوبی ہے یا عیب یہ بات پورے تیقن کے ساتھ نہیں جا سکتی ہے کہ ان اشعار میں غزل کا رنگ نمایاں ہے۔ ترانہ کے دو سطروں میں "خاکِ دہلی" واحد نظم ہے جس کے اشعار میں باہمی ربط ہے۔ نظم میں ایک ارتقائی کیفیت ملتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی منفرد (گیارہ اشعار کی) نظم ہے اور جزیات نگاری اور تفصیل سے یہاں بھی پرہیز ہے لیکن اس میں ابتدا سے ہی ایک تسلسل ملتا ہے جو مقطع پر جا کر یک لخت ختم ہو جاتا ہے۔

بس اب جانے بھی دے وحشتؔ یہ قصہ عہدِ فانی کا
ٹپکتا ہے تری گفتار سے دردِ نہاں کیا کیا

ابتدا کے چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہوئے اے خاکِ دلی تجھ پہ جورِ آسماں کیا کیا
چمن تیرا رہا ہے وقفِ تاراجِ خزاں کیا کیا
تماشے سینکڑوں دیکھے ہیں تو نے دورِ گردوں کے
ہوا تجھ میں ظہورِ انقلابِ آسماں کیا کیا

ترے گنجِ شہیداں پر نظر پڑتی ہے عالم کی
لٹے ہیں دولت و ثروت کے تجھ میں کارواں کیا کیا

"خاکِ دہلی" کے علاوہ ترانہ کی نظموں میں شبلی، اکبر الٰہ آبادی اور اقبال کی وفات پر نوحہ کو گنوایا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی نظمیں یا قطعات ہیں جو دوستوں عزیزوں کی کتخدائی خطاب یابی، رخصتی وغیرہ یعنی خالص ہنگامی نوعیت کی نظمیں ہیں۔ ان کی حیثیت منظوم بیان کی ہے۔ شعر و ادب کے ایوان میں وحشتؔ کے مقام و معیار کے تعین کے لئے ان کو پیش کرنا وحشتؔ کے شعری مقام کو کم کرنا ہے۔ گمان غالب ہے کہ عزیزوں اور شاگردوں کی دلجوئی کی خاطر وحشتؔ نے ایسا کیا ہوگا لیکن میں یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ دلداری کی اس روایت سے اہلِ بنگالہ کی تکذیب کی ہے۔

مضمون کی ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے کہ وحشتؔ تخلیقی اظہار اور اس کے لئے موزوں ہیئت کی تلاش کے مسئلے سے دوچار رہے تھے نیز یہ کہ وحشتؔ کا عہد حالیؔ کی اصلاحی تحریک کے نتیجے میں گرچہ کہ نظم کی صنف کے فروغ کا تھا، لیکن وحشتؔ نے اس طرف توجہ نہ دی، اس کا سبب یہ تھا کہ وحشتؔ سے قبل تک بنگال کا ادبی منظر نامہ تخلیقی جہت کے حصول کی بجائے لسانی شناخت کے مسئلے سے دوچار تھا کہ اسلاف میں ضیغمؔ کی تذکرہ نگاری، غالبؔ کے خلاف صف آرائی، ناسخؔ اور راسخؔ کی اہلِ لکھنؤ سے معرکہ آرائی اور شمسؔ کی نواسرائی کے باوجود اہلِ بنگالہ کی زبان دانی پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگا تھا کہ پوربی لوگ اردو کیا جانیں۔ گرچہ کہ شمسؔ نے داغؔ سے تلمذ حاصل کر کے اس ماحول کو بدلنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ اسلاف کے اس ادھورے کام کی تکمیل کی جائے اور اہلِ بنگالہ کو لسانی احساس کمتری سے نجات دلائی جائے۔ اس مقصد کیلئے یہ بھی ضروری تھا کہ اردو کے مشاہیر شعراء کے نقش کو ہی اپنایا جائے اس طرح غزل کی صنف وحشتؔ کے نزدیک عزیز تر ٹھہری اور بدلے ہوئے رجحان کے تحت فروغ پانے والی صنفِ نظم کچھ زیادہ درخورِ اعتنا نہ ٹھہری۔

■■

وحشت معاصرین کی نظروں میں

مولانا الطاف حسین حالی:

مولانا اگر انصاف سے دیکھئے تو مرزا کا تتبع کرنا درحقیقت ہم لوگوں کا حق تھا مگر آپ نے ہمارا یہ حق ہم سے چھین لیا ہے۔

"دوراں باخبر در حضور ۔ و تر دیکاں بے بصر دور"

تکلف برطرف اگر مرزا صاحب کے ان بلند اور اچھوتے خیالات کو جس میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز مستثنیٰ کرلیا جائے تو آپ کے اردو دیوان کو بے شائبہ تصنع ان کے کلام کا نمونہ قرار دینا ہرگز داخل مبالغہ نہیں ہوسکتا۔ (ماخوذ مکتوب بنام وحشت مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۱۰ء مشمولہ دیوان وحشت (۱۹۱۰ء) مملوکہ نیشنل لائبریری، کلکتہ)

علامہ شبلی نعمانی:

..... آپ کے کلام میں من حیث الکل جدت، ندرت اور پختگی ہوتی ہے۔ غالب اور مومن کی ترکیبیں اور طرز ادا آپ سے خوب بن پڑتی ہیں۔

(ماخوذ از مکتوب بنام وحشت مشمولہ دیوان وحشت مملوکہ نیشنل لائبریری)

مولانا احمد علی شوق قدوائی:

دیوان وحشت میں کیا اثر ہے جس کے سبب سے وہ وحشت جو مجھے غزلوں کو دیکھ کر ہوا کرتی تھی رغبت سے بدل گئی اور میں نے اسے اول سے آخر تک بہت شوق سے دیکھا۔ بات یہ ہے کہ آج کل ہندوستان میں حضرت غالب اور حضرت میر کی تقلید کرنے والے زبان کے دعوے سے اکثر پائے جاتے ہیں مگر کلام کے رنگ سے کم ہیں۔ کم کا لفظ صرف اس بنا پر لکھا ہے کہ پوری تقلید حضرت غالب کے رنگ کی حضرت وحشت ہی نے کی ہے اور ان کی ذات واحد "کم" ہی کے لفظ کی مصداق ہوسکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ اس تقلید میں قوت طبع اور جدت فہم سے یکتائے فن رہے ہیں۔ یہی اثر ہے جس نے جدت رنگ سے مجھے اس دیوان کی جانب کھینچا۔

(مشمولہ دیوانِ وحشت مطبوعہ (۱۹۱۰ء) مملوکہ نیشنل لائبریری، کلکتہ)

ظہیر دہلوی تلمیذ ذوق:

آپ کا کلام بلاغت نظام دیکھ کر بخدائے لایزال کسی شاعر کا کلام نظر میں نہیں جچتا۔ غالب ثانی ہونے میں آپکے کوئی کلام نہیں۔ خدا کی قدرت ہے ایسے ایسے باکمال ہندوستان میں چھپے بیٹھے ہیں۔

(ماخوذ از مکتوب بنام وحشت مشمولہ دیوانِ وحشت ۱۹۱۰ء)

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال:

میں ایک عرصہ سے آپ کے کلام کو شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ کا غائبانہ مداح ہوں۔ دیوان قریباً سب کے سب پڑھا۔ اور خوب لطف اٹھایا۔ ماشاء اللہ آپ کی طبیعت نہایت تیز ہے اور فی زمانہ بہت کم لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی مضمون آفرینی اور ترکیبوں کی چستی خاص طور پر قابل داد ہے۔ فارسی کلام بھی آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ شعر کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ایک مستقل اثر پڑھنے والے کے دل پر چھوڑ جائے تو یہ بات آپ کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

(ماخوذ از مکتوب بنام وحشت مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۱۰ء مشمولہ دیوانِ وحشت ملحقہ صفحہ ۲۲)

مولوی ظفر علی خان:

..... مولوی رضا علی صاحب وحشت گستی کے ان سخنوروں میں سے ہیں جن کا کلام اپنی رنگینی و رعنائی کے باعث قبول عام کی سند حاصل کرچکا ہے۔ آپ کی نازک خیالی اور معنیٰ آفرینیاں ذوق سلیم سے خراج تحسین وصول کرتی ہیں اور ملک کے سربرآوردہ اردو رسائل اپنے حصہ نظم کو آپکی غزلیات سے زینت دلینا داخل عیش سمجھتے ہیں۔

(مطبوعہ اخبار زمیندار مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۱۰ء مشمولہ دیوان وحشت ملحقہ صفحہ ۲۴)

عبدالحلیم شرر:

...... حضرت وحشت کی طبیعت شاعری کے لئے بہت مناسب واقع ہوئی ہے۔ کلام میں خاص رنگ اور خاص لطف ہے

پرانے مذاق کے نباہنے کے ساتھ جدید رنگ کی شوخیاں اور دلچسپیاں بھی پیدا کرنا حضرت وحشت کا خاص رنگ ہے۔

(ماخوذ از ریویو مطبوعہ رسالہ دلگداز، لکھنؤ، بابت اپریل ۱۹۱۱ء)

مولانا حسرت موہانی :

مولوی رضا علی صاحب وحشت متوطن کلکتہ زمانہ موجودہ کے ان چند برگزیدہ شعراء میں سے ہیں جن کے حسنِ کلام پر اردو شاعری کو فخر کرنا چاہیئے۔ (ماخوذ از ریویو مطبوعہ اردوئے معلیٰ بابت اپریل ۱۹۱۰ء مشمولہ دیوانِ وحشت ۱۹۱۰ء ملحقہ صفحہ نمبر ۲۵)

کاظم حسین محشر لکھنوی :

آپ کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب وحشت کو سرمایۂ شاعری من جانب اللہ عطا ہوا ہے۔ اکتسابی کوشش کا ذرا لگاؤ نہیں۔ آپ کے سینے میں با اثر دل حقیقی جذبات کا مخزن ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فارسی ترکیبوں کے صرف کرنے میں خدا داد طبیعت کو سلیقہ خاص عطا ہوا ہے، سب سے بالاتر اور لائقِ تحسین یہ امر ہے بلکہ اسی کو مشقِ کمال یا کمالِ مشق کہنا چاہیئے فارسی بندشوں میں ادائے خیال کے وقت کسی مقام پر کہیں الجھن نہیں۔ جو مضمون ہے وہ موتی کی طرح صاف، جو تخیل ہے وہ بالکل پاک و پاکیزہ۔ یہی طریقہ بلاغت کی جان اور یہی انداز فصاحت کی روح ہے۔

(ماخوذ از ریویو مطبوعہ رسالہ معیار لکھنؤ بابت مئی ۱۹۱۰ء مشمولہ دیوانِ وحشت ۱۹۱۰ء)

نیاز فتح پوری :

جناب وحشت کلکتوی اس دور شاعری کی ایک یادگار ہیں جن سخن سنجی و سخن فہمی کا تعلق زیادہ تر تغزل ہی سے تھا اور عشق و محبت کی دنیا "این و آں" سے بیگانہ تھی۔ "این و آں" سے میری مراد وہ جذبات انسانی ہیں جو جنسی کشش کے علاوہ دوسری خواہشات سے متعلق ہیں اور جن میں رفتہ رفتہ اقتصادیات و سیاسیات و عمرانیات و اخلاقیات سبھی کچھ شامل ہو گئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کی غزلوں کا مطالعہ محبت کی "گرانمائیگی" ہی کو سامنے رکھ کر کیا اور اسی خصوصیت نے مجھے ان کا گرویدہ بنایا۔ جذبات

و خیالات میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر رسالہ تجلی میں ان کی ایک غزل میری نگاہ سے نہ گزرتی تو شاید میں وحشت کی شاعری کے متعلق اسی خیال پر قائم رہتا کہ ان کا جو رنگ اب سے پچاس سال قبل تھا وہی اب بھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ان کی جوانی کی شاعری کے سامنے تو لوگوں کا صرف سر جھکتا تھا لیکن اب ان کے اس رنگ کے سامنے روح دوزانو ہوتی ہے۔

(ماخوذ از تبصرہ مطبوعہ نگار لکھنؤ بابت، جون ۱۹۴۶ء)

ڈاکٹر عندلیب شادانی :

آج سے تقریباً پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ میرا لڑکپن تھا۔ اس وقت لوگ عام طور پر یہ سمجھتے تھے اور میرا بھی کچھ ایسا خیال تھا کہ دلی اور یوپی والوں کے سوا اردو زبان اور کسی کو نہیں آتی نہ آسکتی ہے۔ شاعر ہونا تو دور کی بات چنانچہ اقبال مرحوم کی شاعری اور زبان کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ اور ان پر پھبتیاں کہی جاتیں تھیں اور اکثر صحبتوں میں نواب مرزا خان داغ کا یہ شعر بڑے فخر و مباہات کے ساتھ پڑھا جاتا تھا کہ

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ   سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لیکن بایں ہمہ اس وقت کے شعراء میں، جو لوگ سرِفہرست آتے تھے ان میں میں حضرت وحشت کلکتوی کا بھی شمار تھا مجھے حیرت ہوتی تھی کہ بنگال نژاد اردو کے مرکزوں سے ہزاروں کوس دور رہ کر اردو کا نامور شاعر کیونکر ہو سکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار ناممکن نہ تھا۔ اس زمانے میں بھی جب اہلِ زبان کسی بیرونی شاعر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ساحرِ بنگالہ وحشت اپنے زباں دانی اور سخن سنجی کا لوہا منوا چکا تھا اور اسکی شہرت حدود بنگال سے نکل کر بہار، یوپی کو تسخیر کرتی ہوئی لکھنؤ اور دہلی سے نکل کر لاہور پہنچی۔

درحقیقت بنگالے میں اردو کا چراغ انھیں کے دم سے روشن تھا وحشت کی موت ایک انجمن کی موت ہے ایک ادارے کی موت ہے — ایک دبستان کی موت ہے۔ یہ کوئی انفرادی نقصان نہیں اجتماعی خسارہ اور قومی و ملی نقصان ہے :

(ماخوذ از مقالہ تاثرات مطبوعہ نیم روز، کراچی، ۱۹۵۷ء)

نام: سید رضا علی

تخلص: وحشت

القاب: امام الشعراء، طوطیٔ بنگال، غالبِ دوراں مولانا، علامہ، ساحرِ بنگالہ وغیرہ

خطاب: خان صاحب اور خان بہادر

جدامجد: حکیم غالب علی (دہلی) ابن حکیم غلام علی

والد ماجد: شمشاد علی (دہلی)

ولادت: جمعہ، ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء

وطن: کلکتہ

تعلیم: انٹرنس ۱۸۹۸ء (کلکتہ یونیورسٹی)

درس گاہ: کلکتہ مدرسہ عالیہ شعبۂ انگریزی۔ فارسی میں ۱۸۹۰ء میں درجہ سوم میں داخلہ لیا۔

آغازِ شاعری: ۱۸۹۶ء، پندرہ سال کی عمر سے

شرفِ تلمذ: ابوالقاسم شمس کلکتوی

ملازمت: (۱) ۱۹۰۱ء تا ۱۹۲۶ء چیف مولوی، صیغۂ فارسی گورنمنٹ آف انڈیا امپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ

(۲) ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۶ء پروفیسر شعبۂ اردو اسلامیہ کالج (موجودہ مولانا آزاد کالج) کلکتہ

(۳) ۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۷ء پروفیسر شعبۂ اردو فارسی لیڈی برابورن کالج، کلکتہ

نکاح: ۱۹۰۶ء میں مولوی عباس علی، ڈپٹی مجسٹریٹ کی دختر ربیعہ خاتون سے ہوا

اولاد: چار بیٹے: علی حیدر، علی حسن، علی امام، علی اشرف

پانچ بیٹیاں: سلطانہ، رضیہ، شکیلہ، عائشہ اور جمیلہ

شغل: درس و تدریس، شعر و سخن، مضمون نگاری، مکتوب نگاری، کلام تلامذہ کی اصلاح

سانحاتِ عظیم: دسمبر ۱۹۳۱ء میں اہلیہ کا انتقال

۱۹۴۶ء میں بحالت جنون بڑے بیٹے علی حیدر کی موت

عقد ثانی: ۱۹۴۱ء میں ایک رشتہ دار بیوہ سے ہوا جس سے کوئی اولاد نہیں۔

تصانیف:

مجموعہ ہائے کلام:

۱۔ دیوانِ وحشت، ستارۂ ہند پریس کلکتہ (۱۹۱۰ء)

۲۔ ترانۂ وحشت (پہلا ایڈیشن)، مکتبۂ جدید، لاہور (۱۹۵۳ء)

۳۔ ترانۂ وحشت (دوسرا ایڈیشن) این حسن، کراچی (۱۹۶۹ء)

۴۔ نقوش و آثار، مکتبۂ عارفین، قرآن منزل، ڈھاکہ ۱۹۵۷ء

مجموعۂ مکاتیب: مکاتیبِ وحشت، ارم شاکرین کلکتہ ۱۹۶۰ء، مرتبہ: حاجی شمس الدین عارف

مجموعۂ مضامین: مضامینِ وحشت، مرتبہ جمال صدیقی، مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ ۱۹۸۲ء

تالیف: ۱۔ دیوانِ شمس مع مقدمہ، ستارۂ ہند پریس کلکتہ ۱۹۲۰ء

۲۔ انگریزی اردو گرامر انگریزوں کو اردو سکھانے کیلئے

ہجرت: ۱۹۵۰ء میں ڈھاکہ چلے گئے

وفات: ڈھاکہ، جمعہ ۲۰ جولائی، ۱۹۵۶ء

مدفون: عظیم پورہ قبرستان، ڈھاکہ

جانشین: مولانا طاہر علی شاکر کلکتوی

تلامذۂ خاص: بیدل عظیم آبادی، ظفر ہاشمی، محمد اسرائیل، قربان علی عمرانی، آصف بنارسی، قمر صدیقی، واقف بہاری، عباس علی خان بیخود، جمیل مظہری، شاکر کلکتوی، سلیم اللہ فہمی، امیر الاسلام شرقی، ساحر الحسینی، واقف سارسی، محمود طرزی، اختر امام وغیرہ

انتخاب از دیوانِ وحشت ۱۹۱۰ء

●

آئینہ خیال تھا عکسِ پذیر راز کا
طور شہید ہوگیا جلوۂ دلنواز کا

پایہ بہت کیا بلند اس حریم ناز کا
تا نہ پہنچ سکے غبار رہگذرِ ناز کا

خستگئ کلیم نے نکتہ عجب سمجھا دیا
ورنہ حریف میں بھی تھا اس مژدۂ دراز کا

دیر ملا تھا راہ میں کعبے کو ہم نکل گئے
جذبۂ شوق میں دماغ کس کو ہوا امتیاز کا

بندگی اور صاحبی اصل میں دونوں ایک ہیں
جس کا غلام ایاز ہے وہ ہے غلام ایاز کا

کوتہئ نصیب نے دور رکھا تو کیا ہوا
بندۂ خانہ زاد ہوں اس کے قدِ دراز کا

شوق ترا ہے موجزن ذوق ترا بہانہ جو
کھول نہ دیں بھرم کہیں پردگیانِ راز کا

مستئ بیخودی سے یاں آنکھ کھلی نہ حشر تک
یعنی یہی جواب تھا نرگسِ نیم باز کا

خاک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہ ناز کا

مطربِ خلد کیا سنائے وحشت خستہ کیا سنے
معتقدِ قدیم ہے زمزمۂ حجاز کا

●

دیر تک شور تبسم نمک افشاں نہ رہا
زخم کو دل سے ندامت ہے کہ پنہاں نہ رہا

کون جانے کہ یہ کافر نظری کس کی ہے
خبر اتنی ہے کہ ثابت مرا ایماں نہ رہا

جان دینے سے مجھے دادِ وفا تھی مطلوب
بے وفا چار گھڑی بھی تو پشیماں نہ رہا

بن گیا میں ہمہ تن شیوۂ عجز و تسلیم
مجھ کو اندیشۂ بے مہرئ جاناں نہ رہا

تو ہوا گرم عطا کیا کہ بڑھا ذوق طلب
کہہ بھی سکتا ہوں کہ دل میں کوئی ارماں نہ رہا

مل گئی وحشت دیوانہ کو تھوڑی سی زمین
اب وہ ہنگامہ سر کوچۂ جاناں نہ رہا

●

حریف دیدۂ دیدار خو کیا ہو حجاب اس کا
نگاہِ آشنا ہے مجھ کو ہر تارِ نقاب اس کا

غضب ساقی کی بدمستی، ستم جوشِ شباب اس کا
چھلک پڑتا ہے اس کے ہاتھ سے جامِ شراب اس کا

ہے آئینہ عرق آلود، تھا پاس حجاب اس کا
یہ میری سادگی تھی میں نے ڈھونڈھا تھا جواب اس کا

ہزاروں اسکے قدموں پر تھے مشتاقِ گرفتاری
مرے ہی دل کو چھانٹا دیکھنا تو انتخاب اس کا

مجسّم مہر ہے، ہرچند مہر اس کی تلا نکلی
تری چشم حیا پرور کہ عالم ہے خراب اس کا

ہے ارزاں اس قدر دیدارِ جاناں ہم نہ مانیں گے
زلیخا کیا سناتی ہے خیال اس کا ہے خواب اس کا

کرم کی ہے نظر افتادگانِ خاک پر دائم
محافظ ہے دلوں کا طرۂ عالی جناب اس کا

نگہہ کی تیری بے چینی نے مارا مجھ کو اے ظالم
مرے دل میں سما کر بھر رہا ہے اضطراب اس کا

ستم ہے قطعِ امید آہ کیسا ہو گیا ٹھنڈا
دلِ شیدا کہ اک طوفان تھا گویا اضطراب اس کا

وہ زلفِ خم بخم کب ہاتھ آتی ہے مرے سر سے
گرہ ہو کر رہا ہے میرے دل میں پیچ و تاب اس کا

کلامِ عرفیٔ شیراز ہے تقلید کے قابل
ہمارے ریختے میں دیکھ لے وحشتؔ جواب اس کا

●

دلِ خستہ ذوقِ الم سے خوش غمِ یار اپنے اثر سے خوش
جو یہ غیر کے ہر ہنر سے خوش تو وہ آپ اپنے ہنر سے خوش

یہی رسمِ منزلِ عشق ہے کہ ہیں سب برائے ہنر سے خوش
جو مژہ ہے پارۂ دل سے خوش تو ہے چشم لختِ جگر سے خوش

نہ خیال ذوقِ وصال کا نہ دماغ بزمِ نشاط کا
وہی مجھ کو عیشِ دوام ہے جو کرے تو ایک نظر سے خوش

ہر اک اپنے رنگ میں محو ہے یہ ہے لطف وادیٔ عشق میں
جو خوشی ہے صید کو زخم کی تو کماں کش اپنے ہنر سے خوش

جو ہے ربط چشم کو اشک سے تو لگاؤ دل کو ہے زخم سے
یہ صدف ہے اپنے گہر سے خوش یہ شجر ہے اپنے ثمر سے خوش

ہے تلون اس کے خمیر میں مجھے اعتماد ہو ان پہ کیا
جو عدو سے اس کی بگڑ گئی تو میں کیوں ہوں ایسی خبر سے خوش

وہی ایک ذوقِ خیال ہے نہ الم ہے کچھ نہ ملال ہے
یہ کمالِ شانِ جمال ہے دل و جاں ہے حسن کی اثر سے خوش

کوئی صبح ایسی نہیں ہوئی کہ چمن میں تو مرے ساتھ ہو
دلِ ناشگفتہ مرا کبھی نہ ہوا نسیمِ سحر سے خوش

اثرِ زمانِ گزشتہ کچھ جو ہے دستیاب تو ہے یہی
تری یادگار ہے جان کر میں ہوں اپنے داغِ جگر سے خوش

المِ شکستگیٔ قدم ہے کفیلِ عشرتِ جاں فزا
جو دیارِ یار کا ہو سفر تو ہو کون پھر نہ سفر سے خوش

مری خستگی سے جو شاد ہے یہ کچھ اس کی سنگدلی نہیں
ہے دل اس کا بھی الم آشنا کہ ہے میرے دردِ جگر سے خوش

دل و جانِ وحشتؔ بے نوا ہے شہیدِ لذتِ شعر کا
کوئی خوش ہو یا نہ ہو اس کو کیا وہ ہے آپ اپنے ہنر سے خوش

●

رشکِ نظارہ بازیٔ اغیار بھی نہیں
یعنی کہ ہم کو اب غمِ دیدار بھی نہیں

کیا کیجئے کرشمۂ صیاد کا بیاں
آزاد بھی نہیں ہیں گرفتار بھی نہیں

رونا ہے التفات کا الطاف اک طرف
اب تو وہ میرے درپۓ آزار بھی نہیں

تو چھوڑ غیر کو کہ مجھے تیرا چھوڑنا
آساں اگر نہیں ہے تو دشوار بھی نہیں

پھوٹے ہوں جب نصیب تو سر پھوڑنا کہاں
دیوار ڈھونڈھتا ہوں تو دیوار بھی نہیں

تعلیمِ بے خودی میں ہے مصروف چشمِ یار
اور دل کا حال یہ ہے کہ ہشیار بھی نہیں

ہے دشمنوں کے ظلم سے مشکل میں میری جاں
اور پاسِ دوستی اسے دشوار بھی نہیں

حسرت میں تیرے در کے ہوئے آشنائے دشت
یعنی کہ سر پہ سایۂ دیوار بھی نہیں

خانہ خرابیاں دلِ ناکام کی نہ پوچھ
اتنی ہے خستگی کہ غمِ یار بھی نہیں

ہنگامۂ تراوشِ لختِ جگر کہاں
ناداریوں سے اب مژہ خونبار بھی نہیں

وحشتؔ ہمیں تتبعِ غالبؔ ہے آرزو
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

●

نہ فقط تنگ ہے غمخانۂ زنداں مجھ سے
ہو مرے پاؤں کی زنجیر بھی نالاں مجھ سے

وائے ناکامیٔ قسمت کہ شمیمِ گل بھی
صورتِ بادِ بہاری ہے گریزاں مجھ سے

سر سے پہلے تو مرے ہاتھ قلم کر قاتل
انس رکھتا ہے ترا گوشۂ داماں مجھ سے

دیر میں اپنا ٹھکانہ ہے نہ کعبے میں پناہ
کفر رنجیدہ ہے آزردہ ہے ایماں مجھ سے

دامنِ ناصحِ ناداں کی خبر لوں وحشتؔ
پوچھتا ہے سببِ چاکِ گریباں مجھ سے

رباعیات

(۱)

کیوں غمزۂ جانستاں کو خنجر نہ کہیں
کیوں عشوۂ دلنشیں کو نشتر نہ کہیں
کہتے ہو کہ کچھ شاں ہیں میری نہ کہو
یوں ظلم کرو اور ستمگر نہ کہیں

(۲)

تم وعدہ بھی کرتے ہو مکرتے بھی ہو
تم آپ بگڑتے بھی سنورتے بھی ہو
عاشق سے جفا کے بعد کرتے ہو وفا
کیا خوب ڈراتے بھی ہو ڈرتے بھی ہو

(۳)

مجھ سے جو نہ ملتے وہ کوئی رات نہ تھی
مجھ سے جو نہ کہتے وہ کوئی بات نہ تھی
بیگانگی اب انھوں نے ایسی برتی
گویا کہ کبھی مجھ سے ملاقات نہ تھی

(۴)

کیا تاب کہ تجھ سے بے خبر تک پہنچیں
نالے وہ کہاں کہ جو اثر تک پہنچیں
اک شوق رہا ہے ہرزہ گردی سے ہمیں
مقصود نہیں کہ تیرے در تک پہنچیں

(۵)

گو ہم ہوں لطیف طبع و فرخندہ سیر
فضل و ہنر و حلم و حیا کے مصدر
لیکن جب نفس غالب آجاتا ہے
اس وقت بہائم سے نہیں ہے بدتر

(۶)

افعال تو وہ کہ جس سے شیطان ہو خجل
پھر اس پہ ہیں نفس کی بدی سے غافل
اے جلوۂ قدس اک نظر اس جانب بھی
تا گردِ گنہ سے پاک ہو میرا دل

(۷)

رنگین ہے جہاں، چمن طرازی دیکھو
دل شاد ہے خلق، کارسازی دیکھو
مجھ پر بھی رہے ہیں لطف اس کے جاری
یہ شانِ گنہگار نوازی دیکھو

(۸)

اس دور میں خاک ہو سخن کی عزت
جاہل لوگوں نے کھوئی اس کی وقعت
از بس کہ ہوا ہے مبتذل اب فنِ شعر
منظور نہیں کہ ہو کچھ اپنی شہرت

(۹)

گو اس سے طبیعت اپنی گھبراتی ہے
توبہ شکنی وہی چلی جاتی ہے
بے توبہ مجھے بخش دے اے بارِ الٰہ
اب توبہ تو کرتے ہوئے شرم آتی ہے

(۱۰)

بے سمجھے نہ جامِ غم پیا تھا میں نے
یہ کام تو جان کر کیا تھا میں نے
انجام پہ تھی نظر جو رویا تھا بہت
جس روز کہ تجھ کو دل دیا تھا میں نے

ماتمِ آرزو

رحمت خدا کی تجھ پہ ہو ناکامِ آرزو
اے خاطرِ ستمکشِ ایّام آرزو
آہ اے فریب خوردۂ نقشِ امید آہ
کیا کیا تری ہوس نے نہ تجھ کو کیا تباہ
طولِ امل کے دام میں تو پھنس کے رہ گیا
افسوس بر نہ آیا کوئی تیرا مدّعا
سب تیری زندگانی کا روشن ہے مجھ پہ حال
معلوم خوب ہے ترا ہر عیب ہر کمال
طفلی ہی سے تو عیشِ خیالی میں مست تھا
خوابِ مسرّتِ ابدی دیکھتا رہا
منصوبے باندھتا تھا ہزاروں مگر کبھی
اے نامراد فکرِ عمل ایک دم نہ کی
اوّل تو خواہشیں ہی تری بے شمار تھیں
اور پھر نکلنے کے لئے سب بیقرار تھیں
آخر بنی نہ بات طلسمِ خیال کی
یعنی فضول تھی طلب امرِ محال کی
معلوم کر سکا نہ تو اے بے خبر کبھی
وہ کون شئے ہے جس کی ضرورت ہے واقعی
مقصد ترے جہان میں آنے سے کچھ تو تھا
بے صرفہ تو نے عمر گذاری ستم کیا

ہاں کشتۂ امید بجا کہہ رہا ہے تو
"اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہر آرزو"

غالب

نسیمِ صبحگاہی ہے کلام جانفزا تیرا
دلوں کو جوش میں لاتا ہے رنگِ آشنا تیرا
بہارستانِ مضموں ہے خیالِ نکتہ زا تیرا
فروغِ طبع کی معراج ہے فکرِ رسا تیرا
ترا دیوان غالب دفترِ نازک خیالی ہے
ترا پایہ سخندانانِ ہندوستاں میں عالی ہے

ظہوری ہو کہ طالب تیرے دل کا راز کیا سمجھے
ادا دانی کو تیرے عرفیِ شیراز کیا سمجھے
حزیں یہ شیوۂ فکرِ چمن پرداز کیا سمجھے
تری ترکیب کیا جانے ترے انداز کیا سمجھے
ہوا ہے رشک افزائے عجم ہندوستاں تجھ سے
بنی یہ سرزمیں دلّی کی گویا اصفہاں تجھ سے

عبارت تیری کیا ہے سرمۂ تسخیر ہے گویا
کلام جانفزا اعجاز کی تقریر ہے گویا
سخن تیرا ہے کیا اک درد کی تصویر ہے گویا
جو تیرا نالہ ہے وہ نالے کی تاثیر ہے گویا
حکایت ہے ترے لب پر غمِ جانسوزِ ہجراں کی
اڑائی تیرے خامے نے ادا دلہائے نالاں کی

روانی میں سوا نکلا ترا شعر آب گوہر سے
طراوت میں ہر اک مصرع بڑھا شاخِ گلِ تر سے
سخن کچھ تھا ہوا کچھ تیری طبعِ نکتہ پرور سے
صفائی نے بیاں کی آئینہ چھینا سکندر سے
دکھایا فکر نے جمشید کے جامِ جہاں بیں کو
کیا شرمندہ دیواں نے ترے بت خانۂ چیں کو

انتخاب از ترانۂ وحشت ۱۹۵۳ء

اُدھر اک بے خودی سی چھاگئی تو نے جدھر دیکھا
تری محفل میں ہم نے جس کو دیکھا بے خبر دیکھا

نظر کو محوِ حیرت اور دل کو بے خبر دیکھا
بتا تو ہی کہ میں نے تجھ کو کیا دیکھا اگر دیکھا

ہر ایک قطرہ خبر دیتا ہے دریائے مصیبت کی
ہُوا احوالِ دل ظاہر جو حالِ چشمِ تر دیکھا

مری تقدیر ہنس کر پوچھتی ہے میرے یاروں سے
دوا میں کچھ اثر پایا دعا میں کچھ اثر دیکھا

بقدر نا امیدی ہے　　کی گرم بازاری
نہ اسکو مختصر دیکھا نہ اسکو مختصر دیکھا

دلِ آشفتہ کو گم گشتۂ کوئے وفا پایا
سرِ شوریدہ کو منت گذار سنگِ در دیکھا

کسی نے بھی نہ پوچھا ماجرائے دردِ پنہانی
بس اب رہنے بھی دے ترا کمال اے چشمِ تر دیکھا

تری افسردگی محفل کو ہے افسانۂ عبرت
کہ انجامِ شبِ عشرت کو اے شمعِ سحر دیکھا

نشاطِ زندگی کیا گلشنِ آفاق میں مجھکو
تمناؤں کی دنیا ہی کو جب زیر و زبر دیکھا

وہ آنسو باوجودِ ضبط جو نکلے قیامت تھے
غمِ طولانیٔ دل کو بشکلِ مختصر دیکھا

یہ کہکر داد دی اس سنگ روئے جانفشانی کی
کہ ہاں ہم نے کمالِ وحشتِ شوریدہ سر دیکھا

●

جب حریفِ محفل آرائی ترا کوئی نہیں
پھر جہاں تو ہے وہاں تیرے سوا کوئی نہیں

تیرا غمزہ کس قدر بیگانگی آموز ہے
تیری محفل میں کسی کا آشنا کوئی نہیں

بیخودیٔ عشق نے مجھکو دیا درسِ خودی
میں ہی میں ہوں ہر طرف میرے سوا کوئی نہیں

کیوں وہ سایل کا عدم ہو اس قدر ہمت شکن
کیا خدانا خواستہ میرا خدا کوئی نہیں

تھیں بیاں کرنے کے قابل دردِ دل کی لذتیں
پر کہوں کس سے یہاں درد آشنا کوئی نہیں

راہ پیمائی سے مطلب ہے، نہ کر منزل کی فکر
تو چلا چل، کیا ہوا جو رہنما کوئی نہیں

حوصلہ افزائی ابھی ہے حوصلہ فرسا ابھی
جو نہ آتی ہو تجھے ایسی ادا کوئی نہیں

تو کسی کا ہو کے دیکھ اے شکوہ سنجِ روزگار
کیوں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں میرا کوئی نہیں

ہمصفیر اپنا طلب کرتا ہے ذوقِ شعر سے
کیوں حریفِ وحشتِ رنگین نوا کوئی نہیں

●

یقینِ نامرادی پھر بھی حالت ہے، وہی دل کی
تمہیں سے چاہتا ہوں داد اپنی سعیٔ باطل کی

توجہ کے جو قابل ہو حقیقت کیا مرے دل کی
تری برقِ نظر کو جستجو ہے کس کے حاصل کی

کیا ہے مجھ کو بے حس تو نے اے افسردگی دل کی
نہ غم ہے بُعدِ منزل کا نہ عشرت قربِ منزل کی

کہا کس نے تجھے اے شوق پابندِ ادب ہو جا
یہی آخر ہوا دل میں تمنا رہ گئی دل سے کی

تلاطم تھا بہت موجیں بہا کر لے گئیں مجھ کو
وگرنہ آرزو تھی کس خرد دشمن کو ساحل کی

مری ہستی کی کیا ہستی مگر اے دیدۂ بینش
ذرا رنگینیاں تو دیکھنا اس نقشِ باطل کی

قدم اٹھتا ہے بیتابانہ، نظریں بھی پریشاں ہیں
خبر دیتی ہے خود بیتابیٔ دل قربِ منزل کی
بچانا چشمِ بد سے اے خدا اس شمعِ محفل کو
نظر پڑتی ہے اس پر ہر طرف سے اہلِ محفل کی
ہمارا نالۂ موزوں ہے جس کو شعر کہتے ہیں
غزل کی شکل میں ہوتی ہے وحشتؔ گفتگو دل کی

●

شرمندہ کیا جوہرِ بالغ نظری نے
اس جنس کو بازار میں پوچھا نہ کسی نے
صد شکر کسی کا نہیں محتاج کرم میں
احساں کیا ہے تری بیدادگری نے
محتاج تھی آئینہ کی تصویر سی صورت
تصویر بنایا مجھے محفل میں کسی نے
گل ہنستے ہیں، غنچے بھی ہیں لبریز تبسم
کیا ان سے کہا جا کے نسیمِ سحری نے
مایوس نہ کر دے کہیں ان کی نگہہ گرم
امید دلائی ہے مجھے سادہ دلی نے
محنت ہی پہ موقوف ہے آسائشِ گیتی
کھوئی مری راحت مری راحت طلبی نے
وحشتؔ میں لگا ہوں کہ تجسس سے ہوں آزاد
احساں کیا مجھ پہ مری بے ہنری نے

●

ضبط کی کوشش ہے جانِ ناتواں مشکل میں ہے
کیوں عیاں ہو آنکھ سے وہ غم جو پنہاں دل میں ہے
داستانِ شوق کچھ لب پر ہے اور کچھ دل میں ہے
اے زباں دانِ تمنا تو بھی کس مشکل میں ہے
تم نے مشکل میں رکھا ہے دل کو دل مشکل میں ہے
حیف ہے اس آرزوئے کمبخت پر جو دل میں ہے
جس سے چاہو پوچھ لو تم میرے سوزِ دل کا حال
شمع بھی محفل میں ہے پروانہ بھی محفل میں ہے

اور ہوں گے وہ نکالیں گے جو دل کی آرزو
وہ تمنا جان ہے میری جو میرے دل میں ہے
عیش ہم بزمی ہے اک تہمت دلِ وارفتہ پر
اور سوا عالم میں ہے ہر چند اس محفل میں ہے
ہجر میں دل دیکھتا ہے خواب تیرے وصل کا
قعرِ دریا میں ہے اور نظارۂ ساحل میں ہے
عشقِ غارت گر نے شہ دی حسنِ آفت خیز کو
شوقِ بسمل سے ہی کس بل بازوئے قاتل میں ہے
نغمۂ مطرب ہے عشق خانۂ ویراں ساز کو
وہ نوائے درد جو مضمر شکستِ دل میں ہے
کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے
خود تجھے آجائے گا عاشق نوازی کا خیال
تیرا رہرو کیوں خیالِ دوریٔ منزل میں ہے
اپنے ذوقِ قتل کی بسمل کہاں پاتا ہے داد
دیکھئے جس کو ثنائے بازوئے قاتل میں ہے
کیا غرض ان کو جو پوچھیں تاب کیا جو ہم کہیں
دل ہی میں رہ جائے گی وہ آرزو جو دل میں ہے
مدعائے عشق میرا کچھ نہیں جز ذوقِ عشق
حسن کو حیرت کہ یہ کس سعیِ بے حاصل میں ہے
بس یہی لے دے کے ہے ایک یادگارِ عہدِ شوق
قدر کر اس داغ کی وحشتؔ جو تیرے دل میں ہے

●

یہ بلا کی تپش جانِ بے قرار میں ہے
کشش یہ کس کی دل آویزیٔ بہار میں ہے
تری ادا کی جھلک شوخیٔ بہار میں ہے
تری نوائے طرب نغمۂ ہزار میں ہے
نہیں ہے ایک طرف سے کشش محبت میں
کچھ اپنے دل میں ہے اور کچھ نگاہِ یار میں ہے

تو ہی تو ہے چمنِ رنگ و بو کا جلوہ فروش
ترا ہی عشوہ تو رنگینیٔ بہار میں ہے

ہُوا ہے مدعیٔ دید دیدۂ حیراں سے
لبِ خموش، بیانِ حدیث یار میں ہے

اگرچہ خاک ہوا دل ترے تغافل سے
ہنوز تیری توجہ کے انتظار میں ہے

ہم اپنے عقدۂ مشکل کو دیں مبارکباد
کسی کا گوشۂ ابرو کشادِ کار میں ہے

دل اسیر کا میرے رہینِ منت ہے
وہ پیچ و خم جو تیری زلف تابدار میں ہے

مرے ہی جوشِ محبت کی ہے سکھائی ہوئی
وہ دلبری کی ادا جو نگاہِ یار میں ہے

نہیں ہیں دشت نوردانِ عشق بے ساماں
علاج آبلۂ پا کا نوکِ خار میں ہے

بجھا ہوا ہے دل ایسا کہ کچھ اثر ہی نہیں
نگاہِ یار کی شوخی نگاہِ یار میں ہے

جہانِ کار ہے یہ اور تو دلِ ناداں
فریب مسئلہ جبر و اختیار میں ہے

امیدیں بڑھتی ہیں اس کی بقدرِ مایوسی
عجیب بات یہ تیرے امیدوار میں ہے

ہے میری آنکھ کا نور اور میرے دل کا سرور
وہ جامِ مے جو میرے دستِ رعشہ دار میں ہے

رہے گا دل اثرِ بے خودی سے گم کب تک
نگاہ اس کی تقاضائے بار بار میں ہے

اثر ہوا نہ ذرا بھی ترے تغافل کا
کہ اک زمانے سے شوق اپنے کاروبار میں ہے

تمام عمر نہ اترے گا نشہ وحشتؔ کا
یہی جو کیف تری چشمِ پُرخمار میں ہے

●

وہ محبت میں جز محبت مرا کوئی مدعا نہیں ہے
نظر چراتے ہو مجھ سے کیوں تم مری کوئی التجا نہیں ہے

ہوا میں زورِ کشش نہیں ہے گلوں میں بوئے وفا نہیں ہے
سبھی ہیں بیگانہ اس چمن میں کوئی یہاں آشنا نہیں ہے

طریقِ الفت میں اپنی منزل کدھر ہے اس کا پتہ نہیں ہے
سوائے گم کردہ راہ دل کے کوئی مرا رہنما نہیں ہے

نہ زحمتِ فکر چارہ سازی نہ بارِ احسانِ چارہ سازاں
ملا ہے قسمت سے تجھ کو اے دل وہ درد جس کی دوا نہیں ہے

اِدھر وہی ہے نیازمندی اُدھر وہی شیوۂ تغافل
ہوئے ہیں وہ بے نیاز ایسے کہ جیسے میرا خدا نہیں ہے

حریفِ اندازِ بے نیازی بنا ہوں اس شوخِ نازنیں کا
زباں پہ حرفِ مدعا نہیں ہے نگاہ میں التجا نہیں ہے

کہوں جواں سے تو کیا کہوں میں مری خموشی پہ کہتے ہیں وہ
یہ کیسی چپ لگ گئی ہے تجھ کو اگر کوئی مدعا نہیں ہے

وہی ہے بزمِ نیازمنداں جہاں کی ہے رسم جانفشانی
وہی ہے بازارِ دلستاناں جہاں متاعِ وفا نہیں ہے

کہاں سے ہو خواہشِ تکلم بجا ہے وحشتؔ تری خموشی
کوئی ترا ہمنفس نہیں ہے کوئی ترا ہمنوا نہیں ہے

●

درد آ کے بڑھا دو دل کا تم یہ کام تمہیں کیا مشکل ہے
بیمار بنانا آساں ہے ہر چند مداوا مشکل ہے

الزام نہ دیں گے ہم تم کو، تسکین میں کوئی کی نہ کمی
وعدہ تو وفا کا تم نے کیا، کیا کیجئے ایفا مشکل ہے

دل توڑ دیا تم نے میرا اب جوڑ چکے تم ٹوٹے کو
وہ کام نہایت آساں تھا یہ کام بلا کا مشکل ہے

آغاز سے ظاہر ہوتا ہے انجام جو ہونے والا ہے
اندازِ زمانہ کہتا ہے، پوری ہو تمنا مشکل ہے

متفرقات

متحیر ہے میرے ضبط پہ قاتل میرا
کیا سبب ہے کہ تڑپتا نہیں بسمل میرا

نہ مل سکا تری شمشیر سے گلو میرا
یہی ہوا کہ ہوا خونِ آرزو میرا

مقصد جو دیکھا ایک ہی ایمان و کعبہ کا
دل کو کبھی حرم کبھی بت خانہ کر دیا

جرأتِ عرضِ تمنا کا سبب وہ خود ہوئے
مہرباں دیکھا انھیں لب پہ سوال آ ہی گیا

ہمارے پاؤں میں تو تم نے زنجیرِ وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں رشتۂ مہر و کرم چھوٹا

مجال ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی
خیال ترکِ محبت تو بار بار آیا

اُدھر وہ شانِ استغنا اِدھر یہ پاسِ خودداری
بتا اے عقلِ عالی منزلت اب مجھکو کیا کرنا

جہانِ ظلم میں ہے پاس کس کو حق و باطل کا
کہ بسمل لوٹتا ہے، خلق منھ تکتی ہے قاتل کا

ہے قوتِ بازو میں تری رازِ سعادت
تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے اسے بالِ ہما میں

ہر چند اپنے سر پہ قیامت گزر گئی
ہم منتظر ابھی تری آواز پا کے ہیں

کچھ شوخ کر دیا ہے چھیڑوں سے ہم نے تمکو
کچھ حوصلے ہمارے تم نے بڑھا دیئے ہیں

نہیں وجود بجز ایک جلوۂ عدم مجھ کو
فریبِ ہستیٔ موہوم دے نہ دم مجھ کو

وہ کام میرا نہیں جس کا نیک ہو انجام
وہ راہ میری نہیں جو گئی ہو منزل کو

نیازِ بندگی تھا کشتیٔ نازِ خداوندی
رہی ناگفتہ ہی آخر حدیثِ آرزومندی

دلوں کا مدعا جب ایک ہے تفریق پھر کیسی
عبادت شیخ کی جو ہے وہی پوجا برہمن کی

مری ہستی کی کیا ہستی مگر اے دیدۂ بینش
ذرا رنگینیاں تو دیکھنا اس نقشِ باطل کی

یک قطرۂ خوں بیش نہیں سینے میں یہ دل
اور وہ مرے دیدۂ گریاں کے لئے ہے

چاہتا ہوں میں کہ جب ہر لحظہ ہے ایک انقلاب
اک نیا پیغام آئے دم بدم میرے لئے

کس صورت قفس میں زندگی اپنی گذرتی ہے
سلوک اچھا نہیں کرتی ہے یادِ آشیاں مجھ سے

اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھکو حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

انتخاب از نقوش و آثار (۱۹۵۷ء)

کچھ تو کہنا ہے مجھے عرضِ تمنا نہ سہی
آپ سمجھیں اسے افسانہ تو افسانہ سہی
مجھکو تو جرأت رندانہ کی تحریک ہوئی
تیری شرمائی نظر حوصلہ افزا نہ سہی
ایک ہنگامہ تو برپا ہے جہانِ دل میں
فکرِ امروز میں اندیشۂ فردا نہ سہی

جو ارادے ان کے ہیں کچھ کچھ عیاں ہونے لگے
وہ ہوئے جب مہرباں ہم بد گماں ہونے لگے
جن کے جلوے سے یہ بزمِ آرزو روشن ہوئی
سجدہائے شوق نذرِ آستاں ہونے لگے
عشق میں تو راز داری سے لیا وحشت نے کام
پھر یہ قصے کیسے زیبِ داستاں ہونے لگے

پھر ہوئی آراستہ بزمِ سخن میرے لئے
منتظر ہے انجمن کی انجمن میرے لئے
ہوگیا اس کے لئے نازآفریں میرا نیاز
اور شوق انگیز اس کا بانکپن میرے لئے
دیکھ کر موجودہ رنگ شاعری وحشت کھلا
مفت کا اک دردِ سر تھا کسبِ فن میرے لئے

جو زندگی میں ہمیں کچھ امید ہی نہ رہی
تو زندگی ہی ہماری رہی رہی نہ رہی
مقامِ شکر ہے اک وقت ایسا آپہنچا
کہ دل کے حال سے خود دل کو آگہی نہ رہی
یہ کس کی جلوہ نمائی ہے بزمِ وحشت میں
بقول میرؔ چراغوں میں روشنی نہ رہی

وحشت کی ایک گمشدہ غزل

پھر موجِ بہار آئی طراوت کو چمن کی
پھر بات بنی لالہ و نسرین و سمن کی

راحت کا تصور ہی تو ہے رنج کا باعث
غربت میں ستاتی ہے مجھے یاد وطن کی

صیاد نے لا پھینکا جو اک پھول قفس میں
آنکھوں میں مری پھر گئی تصویر چمن کی

مشہور کیا ماہ نے ذکر اس کی جبیں کا
غنچے نے کہی سب سے حدیث اس کے دہن کی

ناگفتہ نہ رہ جائے کہیں دل کا فسانہ
کہتا ہے سخن اور نہیں تاب سخن کی

فرقت زدہ دل اور ترے وصل کا مژدہ
یہ کوئی نئی چال نہ ہو چرخ کہن کی

مخلوط ہے غم میں اثر عیش گزشتہ
ہے شامِ غریبی میں جھلک صبحِ وطن کی

~~امید سے ڈر ہے مرے حرماں زدہ دل کو~~
~~یہ تازہ خلش خوب نہیں زخم کہن کی~~

تم ظلم جور کئے جاؤ نہیں کوئی حقیقت
اس سوختہ دل سوختہ جاں سوختہ تن کی

ہے رہ گذرِ شوق پہ دیوانوں کا مجمع جلسہ
بیٹھے ہیں سب امید پہ اک عہدِ [illegible]ن کی

ہم فن جسے سمجھے میں کوئی فن نہیں وحشت
مشکل ہے کہ اب قدر ہو کچھ غنواِ اپنے سخن کی

یہ غزل پہلے ماہنامہ جادو بابت جون ۱۹۲۵ء میں چھپی اور پھر ماہنامہ جدید اردو بابت جولائی ۱۹۴۷ء میں کچھ ترمیم و تنسیخ کے ساتھ شائع ہوئی۔ بقول مولانا معصومی ترانہ یا نقوش و آثار میں اس کی تلاش بے سود ہے۔ دیکھئے ضمیمہ وحشت، سوغات ص ۲۲۲

٭ کتابیں:

۱۔ رضا علی وحشت ۔ اظہر قادری، ڈھاکہ ۱۹۵۳ء

۲۔ نساخ سے وحشت تک ۔ سید لطیف الرحمٰن، کلکتہ ۱۹۵۹ء
[مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے ۸۲ء میں اسکا دوسرا ایڈیشن شائع کیا]

۳۔ حیات وحشت ۔ ڈاکٹر وفا راشدی، ڈھاکہ، ۱۹۸۷ء

۴۔ دبستانِ وحشت ۔ ڈاکٹر رار عظیم آبادی (تحقیقی مقالہ)

٭ مجلے، خصوصی شمارے اور ضمیمے:

۵۔ وحشت نمبر — مہر نیم روز، کراچی ۱۹۵۷ء

۶۔ وحشت نمبر — ادبی دنیا، لاہور ۱۹۴۳ء

۷۔ سوغات (مقامِ وحشت) مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کلکتہ ۱۹۸۱ء

۸۔ یادگارِ وحشت، مرتبہ: اسحاق راشد، کلکتہ ۱۹۸۱ء

۹۔ مجلہ بر موقع وحشت صد سالہ تقریبات ۔ بزمِ شاکری، کلکتہ ۱۹۸۳ء

مشمولات

(الف) مہر نیم روز، کراچی ۱۹۵۷ء، مرتبہ: حسن مثنیٰ ندوی، ابوالخیر کشفی

۱۔ خطوط برائے وحشت نمبر: سیماب، اثر لکھنوی، ثاقب کانپوری اور ابواللیث صدیقی۔

۲۔ وحشت سے متعلق مشاہیر کی نثری و شعری تاثرات (اقتباسات)

۳۔ حیاتِ وحشت ۔ پروفیسر سعید منیر

۴۔ وحشت مرحوم اور ان کی مہارتِ فن ۔ علامہ تمنا عمادی

۵۔ دیوانِ وحشت سے ترانۂ وحشت تک ۔ سید اقبال عظیم

۶۔ وحشت کے چند سیاسی اشعار ۔ احسن احمد اشک

۷۔ وحشت کی عشقیہ شاعری ۔ اظہر قادری

۸۔ وحشت اور انکی شاعری ۔ محمد زین العابدین

۹۔ چراغِ انجمن ۔ شرف الحسینی شرف

۱۰۔ تاثرات ۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی

۱۱۔ وحشت مرحوم ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی

۱۲۔ اسکی یادوں میں گلوں کی خوشبو ۔ افسر ماہ پوری

۱۳۔ تبریاتِ وحشت ۔ کلیم اللہ فہمی

۱۴۔ وحشت مرحوم ۔ پروفیسر ابوالحسن عبدالباقی

۱۵۔ حضرت وحشت اور انکے معاصرین ۔ پروفیسر عباس علی خاں بیخود

۱۶۔ حضرت وحشت کی ایک یاد ۔ سعید احمد اکبرآبادی

۱۷۔ علامہ خاں بہادر رضا علی وحشت کلکتوی ۔ سید محمود طرزی

۱۸۔ منظومات ۔ آصف بنارسی، شاکر کلکتوی، سلیم اللہ فہمی، جمیل مظہری، مطرت واسطی، پرویز شاہدی

۱۹۔ نگارشاتِ وحشت
(مضمون، مکاتیب، مناظرتہ، پر تبصرہ) علامہ رضا علی وحشت

۲۰۔ انتخاب کلامِ وحشت ۔ حسرت موہانی، ابوالخیر کشفی اور حسن مثنیٰ ندوی

(ب) سوغات ۔ (مقامِ وحشت) کلکتہ ۱۹۸۱ء
مرتبہ: پروفیسر اسد الزماں اسد

۱۔ علامہ وحشت کی شاعری اور اس کے آثار پر ایک نظر ۔ ابو محفوظ الکریم معصومی

۲۔ وحشت و تلامذۂ وحشت ۔ رضا مظہری

۳۔ وحشت اپنے کردار کے آئینے میں ۔ ابراہیم ہوش

۴۔ سید رضا علی وحشت ۔ پروفیسر مخزالدین اثر صدیقی

۵۔ وحشت کلکتوی ۔ چند یادیں چند باتیں ۔ ابوالخیر محمد فاروق

۶۔ وحشت ۔ ایک مطالعہ ۔ محمد مخزالدین

۷۔ وحشت کا ذہنی سفر ۔ کلیم حاذق

۸۔ نوائے وحشت (انتخاب کلام) مرتبہ اسد الزماں اسد

(ج) یادگارِ وحشت، کلکتہ ۱۹۸۱ء مرتبہ: اسحاق راشد

۱۔ وحشت کی خود نوشت سوانح حیات ۔ وحشت

۲۔ کلامِ وحشت کا ترقی پسندانہ پہلو ۔ ل۔ احمد

۳۔ رنگِ وحشت ۔ آغا رشید مرزا

۴۔ حضرت وحشت: چند یادیں، کچھ تاثرات ۔ رضا مظہری

۵۔ یادِ وحشت ۔ یادِ حسن ۔ سید لطیف الرحمٰن

۶۔ میر کارواں ۔ وحشت ۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ

۷۔ علامہ رضا علی وحشت اور دلکشا انسٹی ٹیوٹ ۔ مسز کنیز فاطمہ

۸۔ حضرت وحشت اور بزمِ احباب ۔ محمد خالد حسن

۹۔ مری ہستی کی کیا ہستی (وحشت کے تاریخ وار حالات) ۔ اظہر علی نوامر

۱۰۔ نقشِ باطل کی نیرنگیاں ۔ طفر عالم

۱۱۔ وحشت مرحوم اور انکی مہارتِ فن ۔ علامہ تمنا عمادی،

۱۲۔ منظومات ۔ جمیل مظہری، لطیف الرحمٰن، سالک لکھنوی، علقمہ شبلی، نشاط سعید، رفعت سیفی

۱۳۔ انتخابِ کلامِ وحشت ۔ اسحاق راشد

(د) مجلۂ بزمِ شاکرین، مرتبہ: غلام حسین ایاز

۱۔ وحشت اور تتبع غالب ۔ عباس علی خاں بیخود
۲۔ رنگ و آہنگ وحشت ۔ رعنا مظہری
۳۔ علامہ وحشت بنگال کا عظیم المرتبت شاعر ۔ ڈاکٹر عبدالمنان
۴۔ وحشت شناسی ۔ غلام حسین ایاز
۵۔ وحشت کی شاعرانہ عظمت ۔ ڈاکٹر طیبہ صدیقی
۶۔ وحشت ایک بڑے شاعر ۔ صادق گیاوی
۷۔ وحشت ایک عظیم شاعر ۔ اشرف چنگیزی
۸۔ رضا علی وحشت (نظم) ۔ نسیم سلطانپوری
۹۔ قطعات (خراجِ عقیدت) ۔ قیصر سلطانپوری، نثار سلطانپوری، عاشق حسین عاشق، ایم کے اثر اور دیگر

دیگر مضامین

۱۔ وحشت کی فارسی شاعری ۔ عباس علی خاں بیخود، عالمگیر، ۱۹۲۸ء
۲۔ وحشت کی شاعری ۔ وفا راشدی، مطبوعہ آجکل، دہلی جنوری ۱۹۴۶ء
۳۔ وحشت کے بارہ میں ۔ ارشد کاکوی، نگار لکھنؤ، جولائی ۱۹۵۴ء
۴۔ رضا علی وحشت ۔ سید اقبال عظیم، مشمولہ مشرقی بنگال میں اردو ڈھاکہ ۵۴ء
۵۔ وحشت ۔ وفا راشدی مشمولہ بنگال میں اردو، دہلی ۱۹۵۴ء
۶۔ وحشت اور انکی شاعری، اسعد الرماں، مطبوعہ مجلہ دارالعلوم، کلکتہ ۵۴/۵۵ء
۷۔ رضا علی وحشت ۔ فضل احمد کریم فضلی، مطبوعہ ماہ نو، کراچی ۱۹۵۶ء
۸۔ رضا علی وحشت ۔ اطہر قادری، مطبوعہ تعمیات نمبر نگار لکھنؤ ۱۹۵۶ء
۹۔ علامہ وحشت نظیر صدیقی، مطبوعہ نگار لکھنؤ ۱۹۵۷ء
۱۰۔ رضا علی وحشت ۔ پروفیسر اعزاز افضل مطبوعہ مجلہ بزم احباب کلکتہ ۱۹۷۰ء
۱۱۔ رضا علی وحشت، مشتاق احمد، مشمولہ بیسویں صدی میں مغربی بنگال کے اردو شعراء کلکتہ ۱۹۷۲ء
۱۲۔ وحشت ایک مطالعہ ۔ ڈاکٹر جاوید نہال، مطبوعہ میگزین ڈلکتا، کلکتہ ۷۶ء
۱۳۔ وحشت شناسی ۔ ڈاکٹر عبدالرؤف مشمولہ تلاشِ معیار، کلکتہ ۱۹۷۸ء
۱۴۔ وحشت کے مکاتیب ۔ اشرف چنگیزی، مطبوعہ مغربی بنگال پندرہ روزہ کلکتہ ۸۳ء
۱۵۔ وحشت شناسی ۔ نور الہدیٰ، مطبوعہ سمط، کلکتہ ۱۹۹۰ء
۱۶۔ سرمایۂ وحشت رامپور میں ۔ شعائر اللہ خاں رامپوری، مطبوعہ روحِ ادب، کلکتہ ۹۲ء

وفا راشدی کی کتاب کا سرورق، بشکریہ لائبریری مغربی بنگال اردو اکاڈمی

۱۷۔ وحشت اور بزمِ احباب ۔ نور الہدیٰ، مطبوعہ سالنامہ آیات، کلکتہ ۹۴ء
۱۸۔ رضا علی وحشت (انگریزی مضمون) پروفیسر عبدالستار شاہدی مشمولہ شاخِ ہنر اردو لٹریری سوسائٹی، مولانا آزاد کالج، کلکتہ جنوری ۱۹۹۵ء
۱۹۔ پرسنالیٹی آف رضا علی وحشت، ڈاکٹر منصور عالم مشمولہ شاخِ ہنر کلکتہ ۹۵ء
۲۰۔ رضا علی وحشت ـــ اے پروفائیل ۔ پروفیسر غلام سرور مشمولہ شاخِ ہنر کلکتہ ۹۵ء

اُن کے علاوہ بھی مولانا آزاد کالج (سابق اسلامیہ کالج کلکتہ) کے سالانہ میگزین اور ملک کے مختلف جرائد و رسائل میں حضرت وحشت پر بہت سے مضامین شائع ہوئے لیکن سعیٔ بسیار کے باوجود یہ دستیاب نہیں ہوسکے اسلئے اسکے نام شاملِ فہرست نہیں ہیں۔

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

چلد نمبر ۲۳ ★ ۱۵ اگست و یکم ستمبر سنہ ۱۹۹۶ ★ شمارہ نمبر ۱۶ و ۱۷

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹا چاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفےٰ

شرح خریداری

سالانہ :- دس روپئے ۰ نصف سالانہ :- پانچ روپئے

★ فی شمارہ کی قیمت :- ۵۰ پیسے

★ ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

★ پرچے کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25 5601/3371 Ext : ۷۱۰

ترتیب

آخری ورق : ۲۶ جولائی کو چار روزہ دورۂ کلکتہ کیلئے آئے ہوئے نائب صدر شری کے آر نارائنن راج بھون میں گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی، ایم پی سومناتھ چٹرجی کے ساتھ۔ تصویر : سمنت [illegible]

اسمبلی کے نئے سیشن سے ریاستی گورنر کا خطاب

اصلاحات آراضی، پنچایت، زراعت، ماہی پروری، جنگل کاری اور دیہی ترقیات کے میدان میں بائیں محاذ حکومت کی کامیابیوں کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا گیا ہے۔ گورنر

امسال ۱۰ ارجون کو اس ریاست کے گورنر شری کے۔ وی۔ رگھوناتھ ریڈی نے نئی تشکیل شدہ اسمبلی میں اپنا افتتاحی خطبہ پیش کیا۔ گورنر موصوف نے اس امر کا خاص نمایاں طور پر تذکرہ کیا کہ اس سال کے اسمبلی انتخابات میں بایاں محاذ کی فتح نے ہندوستان کی پارلیمانی جمہوریت میں ایک کُل وقتی ریکارڈ قائم کیا ہے۔ گورنر موصوف کے خطبہ کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

معزز اسپیکر اور معزز اراکین

نئی تشکیل شدہ اسمبلی کے اس پہلے سیشن میں آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ آپ حضرات کو اور خصوصاً مغربی بنگال کے عوام کو میں مبارکباد دیتا ہوں اور مجھے یہ یقین ہے کہ اس عظیم ایوان میں ہونے والے بحث و مباحثے ان جمہوری اور بے لاگ یا سیکولر روایتوں کو مزید تقویت بخشیں گے جو ہماری ریاست میں عرصہ دراز سے برقرار ہیں۔

اپنے خطبہ کے آغاز میں، میں شری نیلم سنجیوا ریڈی، سابق صدر ہند کے انتقال پُرملال پر اپنے گہرے صدمے کے اظہار کا خواہاں ہوں۔ میں شری ہتیشور سائکیہ، سابق وزیر اعلیٰ آسام، شری ترون کانتی گھوش سابق وزیر ریاست گذشتہ اسمبلی کے سٹنگ ممبر شری ہردید جابا اور شری انیل چیٹرجی اور اس ایوان کے سابق رکن شری بھوتی بھوشن پہاڑی کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں۔

یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ اس ریاست میں لوک سبھا اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات پُرامن طور پر اختتام کو پہنچے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی رائے دہندگی نے ایک بار پھر ہمارے عوام کی سیاسی بیداری کو واضح طور پر پیش کیا ہے۔ بایاں محاذ متواتر پانچویں بار منتخب ہو کر اقتدار میں آئی ہے اور اس نے ملک کی تواریخ میں اپنی ایک لازوال نظیر قائم کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی اس فتح نے حکومت کے کندھوں پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری بھی ڈالی ہے۔ میری حکومت کو اپنی ذمہ داری کا اچھی طرح احساس ہے اور یہ تمام صحیح افکار والے لوگوں کی مدد اور ان کے تعاون سے جمہوری اصولوں کو فروغ دینے، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن و سکون قائم رکھنے اور اس ریاست میں تیزی سے ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کی میری حکومت پابند عہد ہے۔ سیاسی اختلافات کے باوجود میری حکومت اس ریاست کی معاشی ترقی کے لئے حزب مخالف سے کُلی تعاون کی خواہاں ہوگی۔

اصلاحات آراضی، پنچایت راج، زراعت، ماہی پروری، شجر کاری اور دیہی ترقیات کے میدان میں بائیں محاذ حکومت کی کامیابیوں کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا میدانوں میں اس ریاست نے سارے ملک میں اولین مقام حاصل کیا ہے۔ منصوبہ بندی کے طریقہ کار کو لامرکوز بنانے میں اس ریاست نے ایک بار پھر اپنی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ منتخب پنچایتوں اور شہری خود کار (گورننگ) اداروں میں عوام کی شمولیت کے ذریعہ کیا ہے۔ ریاست سے اضلاع تک اور یہاں سے نچلی سطح تک لامرکوزیت کے اس طریقہ کار کو مزید تقویت بخشنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ ہر ایک ضلع کی ضلع منصوبہ بندی کمیٹی اور ہر ایک شعبہ کے ساتھ جائز تفاعل کے بعد

ترقی کے لئے جامع ریاستی منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے مقصد کے تحت ریاستی منصوبہ بندی بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ زراعت، صنعت اور خدمات سیکٹر میں نشو و نما کو مزید تیز تر کر کے روزگار کے مواقع میں اضافہ پر اعلیٰ طور پر ترجیحی توجہ دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں خود روزگار پروگراموں پر خصوصی توجہ دی جائیگی۔ معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ حکومت کا ایک ایسا علیحدہ شعبہ تشکیل ہونے والا ہے جو خود روزگار پروگراموں کے تیز تر عمل درآمد پر خصوصاً زور ڈالے گا۔

اصلاحات آراضی کو اب بھی ترجیحی حیثیت حاصل رہے گی۔ اصلاحات آراضی ایکٹ میں ترمیم کی بنیاد پر ویسٹڈ آراضی کی تقسیم کے مرحلے کو تیز رفتار بنانے کی تجویز رکھی جائے گی بٹائیداروں کے حق میں مشترکہ پٹہ کی تقسیم پر زور ڈالا جائے گا۔ زرعی مزدوروں کو تحفظ بخشنے کے لئے کم از کم اجرت کی تجویز رکھی گئی ہے۔

اصلاحات آراضی کے ان اقدامات کے ساتھ ساتھ آبپاشی کی سہولتوں کو مزید توسیع دینے کے لئے بھی خصوصی زور ڈالا جائے گا میری حکومت نے تیستا پروجکٹ کی تکمیل پر اور چھوٹی آبپاشی کے پروجکٹوں پر خصوصی توجہ ڈالی ہے۔ گنگا بھاگیرتی کے کٹاؤ کے خلاف تحفظ ایک سنگین اور سنجیدہ امر ہے۔

ماہی پروری اور مویشی پروری کے میدان میں میری حکومت نے مزید ترقی اور بہتری لانے کی تجویز رکھی ہے۔

دیہی علاقوں میں میری حکومت غریبی ہٹاؤ پروگراموں، صحت عامہ کے پروگراموں، ملوں کے ذریعہ صاف پینے کے پانی کی فراہمی، صحت، رہائش اور بجلی کے پروگراموں کو جاری اور برقرار رکھے گی۔

اس ریاست کی صنعتی ترقی پر ریاستی حکومت کی پالیسی کا اعلان ستمبر ۱۹۹۴ء میں ہوا تھا۔ اس ریاست میں نئی سرمایہ کاری کو پرکشش بنانے کے لئے ریاستی حکومت نے صنعتی ترقی پر اپنے پالیسی بیان کو نہایت ہی واضح طور پر پیش کیا ہے۔ اسی وقت سے کثیر تعداد میں صنعتی تجاویز مل رہی ہیں اور سوفٹ ویئر اور مواصلاتی سیکٹر، انجینئرنگ صنعت وغیرہ کی بے شمار نئی اکائیاں قائم ہوئی ہیں یا ان میں سے تمام تعمیری مرحلہ سے دوچار ہے۔ میری حکومت اس ریاست میں صنعتکاری اور روزگار کو فروغ دینے کے متعلقہ مرحلوں کو تیز تر بنانے کے اپنے

عہد و عزم پر سختی سے قائم رہنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ میری حکومت نے اس ریاست کی عوامی سیکٹر کے ماتحت اداروں کو مضبوط و مستحکم بنانے اور ہتھ کرگھوں اور ریشم سازی پر خصوصی توجہ کے ساتھ چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے کی بھی تجویز رکھی ہے۔ صنعتی تجاویز پر فوری فیصلہ لینے کے عمل کو یقینی بنانے کے لئے وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں ایک کیبنٹ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

میری حکومت نے میونسپلٹیوں اور کارپوریشنوں کے سلسلہ میں لازمی کورس کے پروگرام کو جاری رکھنے کی تجویز پیش کی ہے اور شہریوں کی منصوبہ بند ترقی کی پیش کی جانے والی تجویز ہماری حکومت کے مقاصد میں سے ایک ہوگی۔ نئی صنعتوں کی تیز اور خاطر خواہ صنعتی لوازمات کی ترقی کے سلسلہ میں ترجیح مرحلہ وار شہر سازی کو دی جائے گی۔ اس سے منسلک پروگرامس سڑکوں کی ترقی، پینے کے پانی، رہائش، نقل و حمل کی فراہمی سیٹلائٹ ٹاؤنشپ کی ترقی وغیرہ پر مشتمل ہوں گے۔ کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں مجوزہ میگا سٹی پروجکٹ کے کام کو تیز تر بنایا جائے گا اس ریاست کے مختلف علاقوں کی متوازن ترقی کو یقینی بنانے کے لئے جدید لوازمات سہولتوں سے آراستہ نشو و نما مراکز قائم کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ روزگار کے مواقع کو فروغ دینے کی خاطر زراعت پر مبنی صنعتوں پر مزید توجہ دی جائے گی۔ اس ریاست کی حالیہ اعلان شدہ سیاحت سے متعلق پالیسی کے مرکوز مقاصد کو روبہ عمل لانے کی بھی میری حکومت نے تجویز رکھی ہے۔ بند اور بیمار صنعتوں کو جلا بخشنے کے سلسلہ میں پُر زور کوششیں کی جائیں گی۔

بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی اور شہر سازی کے سلسلہ میں ماحولیاتی توازن کی برقراری اور ماحولیاتی آلودگی کی روک تھام کے لئے اقدامات کے نفوذ اور انھیں یقینی بنانے کی ضرورت پر مشکل سے ہی ضرورت سے زیادہ توجہ دی جا سکتی ہے۔ میری حکومت نے جنگلات، دلدلوں یعنی ویٹ لینڈ اور سمندری ساحلوں کو تحفظ بخشنے کے لئے لازمی اقدامات لینے کی تجویز رکھی ہے اور شور و ماحولیاتی کثافت کے خلاف کارروائی کرنے کے ایک پروگرام کو جلد ہی روبہ عمل لایا جائے گا۔

اس ریاست کے عوامی تقسیمی نظام کو اس طرح سے مزید مضبوط بنانے کی تجویز رکھی گئی ہے اور اس امر پر خاطر خواہ زور رکھی ڈالا گیا ہے کہ کم قیمت پر چاول کی اجناس غریب طبقوں کو دستیاب ہو پائے اور میری حکومت نے اس سلسلہ میں حکومت ہند کو چند تجاویز روانہ کیا ہے۔

صحت سیکٹر میں میری حکومت کا مقصد بالکل نچلی سطح سے ہی ڈیلیوری میکانزم کو مزید بہتر بنانا ہو گا۔

خصوصی توجہ صحت لوازمات کے فروغ اور کارگر صحت خدمات پر دی جائے گی۔ اس کام میں میونسپلٹیوں اور پنچایتوں کو مل جل کر پیش رفت کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ اس سلسلہ کے مجوزہ اقدامات میں مختلف سطحوں پر ہسپتالوں کو جدید بنانا، صحت انتظامیہ میں لامرکزیت لانا، ڈاکٹروں اور عہدیداران کی کارکردگی کو بہتر بنانا شامل ہیں۔ خصوصی توجہ انسداد امراض اقدامات ماں اور بچہ کی دیکھ بھال اور خاندانی رفاہ پروگراموں پر ڈالی گئی ہے۔ اس ریاست کی خدمات صحت کو فروغ دینے والے عالمی بینک پروجکٹ جس میں ۷۰۰ کروڑ روپئے کی لاگت آئے گی، کو یکم اپریل ۱۹۹۶ء سے شروع کیا جا چکا ہے۔

امداد باہمی سیکٹر ہمارے عوام کے خصوصاً کمزور طبقوں کے مفاد کو تحفظ بخشنے میں ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لہٰذا امداد باہمی تحریک کو مضبوط بنانے اور اسکی کارکردگی کو بہتر بنانے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

خواندگی اور پرائمری تعلیم کے پروگراموں کو مزید زوردار بنایا جائے گا۔ اور تکنیکی تعلیم و تربیت پر دی گئی خصوصی توجہ کو جاری و ساری رکھا جائے گا۔

شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب اور دیگر پس ماندہ طبقات کے تحفظ و فروغ کو حائز ترجیح دینا جاری رکھا جائے گا۔ خصوصاً پروگرام ترقیات اور ڈ کو مدنا پور، پرولیا اور بانکوڑا کے قبائلی علاقوں میں ترقی کے پروگراموں کو وسیع بنیاد پر شامل کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ شمالی بنگال اور سندر بن سے متعلق خصوصی مسائل پر خاطر خواہ توجہ دی جائے گی۔ مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب ترقیات اور مالی کمیشن کو مزید بہتر بنایا جائے گا۔ مغربی بنگال پس ماندہ طبقات ترقیات اور مالی کارپوریشن کا قیام حال ہی میں عمل میں آیا ہے۔ خواتین کے فروغ و تحفظ پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ مغربی بنگال خواتین ترقیات انڈرٹیکنگ جو حال ہی میں قائم ہوا ہے جلد ہی کام کرنا شروع کر دیگا۔

اقلیتوں کے مسائل کی دیکھ ریکھ اور ان کی ترقی کے لئے پروگراموں کی تشکیل کے سلسلہ میں ایک نیا شعبۂ اقلیتی امور کا قیام عمل میں آیا ہے۔ شعبہ ہذا وقف سے بھی متعلق امور کی دیکھ ریکھ کرے گا۔ تعلیم، ملازمت، سماجی پروگرام وغیرہ میں مساوی مواقع مجوزہ پروگراموں میں شامل ہیں۔ قانونی طور پر ایک اقلیتی کمیشن کی تشکیل ہونے والی ہے اور مغربی بنگال اقلیتی ترقیات اور مالی کمیشن کا قیام حال ہی میں ہوا ہے۔

انسانی حقوق کے تحفظ اور جلد از جلد انصاف کی فراہمی کے لئے عدلیہ ایک اہم ادارہ ہے۔ عدلیہ کے لئے لازمی لوازمات کی فراہمی سے متعلق پروگرام کو جلد از جلد روبہ عمل لانے کے لئے پُرزور کارروائی کی جائے گی۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے ججوں کے لئے ایک رہائشی کمپلکس کی تعمیر کا کام بہت پہلے لیا جا چکا ہے۔ مختلف اضلاع میں عدالتی عمارتوں اور عدلیائی افسران کے لئے رہائشی کوارٹروں کی تعمیر کے پروگرام بھی ہاتھوں میں لئے جا چکے ہیں۔ ریاستی انتظامی ٹرائبونل نے کام کرنا شروع کر دیا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ اب ہائی کورٹ کے مقدموں کے بوجھ میں کچھ کمی آئے گی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تعطیل میں پڑے پرانے معاملوں کی کثیر تعداد کے نپٹنے کی شرح میں بھی اضافہ ہو گا۔ شادیوں کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کی تجویز رکھی گئی ہے اور ہر ضلع میں خاندانی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔

میری حکومت نے انتظامیہ کو عوام دوست اور جوابدہ بنانے کے سلسلہ میں انتظامی اصلاحات لانے کی بھی تجویز رکھی ہے۔ سرکاری کام کاج میں بہتر کارکردگی کی حصولی کے لئے صلاحیت اور ڈسپلن کو یقینی بنانے ہوں گے۔ وقف کے کام کاج میں خرد برد اور بدنظمی کے الزامات عائد کئے گئے ہیں اور یہ الزامات عرصہ دراز سے لگائے جا رہے ہیں۔ ان شکایتوں کی انتظامی طور پر کھوج بین کی گئی ہے اور بہت سے معاملوں میں یہ مسائل فی الحال عدالتی فیصلہ کے لئے

زیر غور ہیں۔ مرکزی وقف ایکٹ کے نفاذ کے بعد وقف بورڈ کی ازسر نو تشکیل لازمی بن جاتی ہے۔ میری حکومت نے یہ تجویز رکھی ہے کہ بورڈ ہذا کی ازسر نو تشکیل کے سلسلہ میں فوری اقدامات کئے جائیں تاکہ نو تشکیل شدہ بورڈ بد نظمی کی گوناگوں شکایتوں کی کھوج بین کر پائے اور تدارکی اقدامات لے پائے۔ بورڈ ہذا کی ازسر نو تشکیل کے ساتھ ساتھ میری حکومت نے مطلوبہ مرکزی ایکٹ کے تحت ایک ٹریبونل قائم کرنے کی تجویز رکھی ہے۔ مذکورہ اقدامات میری حکومت کے نظریہ کے مطابق وقف کے کام کاج کی ٹھیک طور پر اور حسن و خوبی انجام دہی کو یقینی بنائیں گے۔ میری حکومت اس ریاست میں صحت مند ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی کوششوں کو جاری رکھے گی۔ میری حکومت نیپالی، اردو، ہندی اور سنتھالی جیسی مختلف ریاستی زبانوں کو فروغ دینے کے سلسلہ میں بھی اقدامات اٹھائے گی۔ بنگلہ زبان کو تمام انتظامی سطحوں پر استعمال میں لانے کے عوامل کو تیز تر کیا جائے گا۔ فروغ نوجوانان اور کھیل کود کے پروگراموں کو مزید تقویت بخشی جائیگی۔ انگریزی زبان کو درجہ پنجم سے نصاب میں شامل کیا جائے گا۔

امن و امان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی ہماری ریاست کی دیرینہ روایت رہی ہے۔ استعماریہ اپنی غیر جانبداری برقرار رکھے چلی آرہی ہے۔ اور ہمارے حوالی بائیں لطرن اور جمہوری روایت کی وجہ سے عام طور پر ہمارے یہاں امن و اماں کی فضا بحال و برقرار رکھنا ممکن ہو پایا ہے۔ یہاں کچھ اصلاحات میں بعد ازاں تک کچھ واقعات رونما ہوئے تو یا میری حکومت اس سے انتظامی اور سیاسی دونوں ہی طور پر نپٹ رہی ہے میری حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ پولس کو عوام دوست اور اپنے کام میں چاق و چوبند ہونا چاہیئے۔ انسانی حقوق کے احترام کو افضل ترین اہمیت حاصل ہونی چاہئے اور میری حکومت مذکورہ حقوق کی پامالی کے سلسلہ میں موزوں اقدامات اٹھائے گی۔ قومی انسانی حقوق کمیشن نے متعدد سفارشات تشکیل دیا ہے اور ان کو خاطر خواہ طور پر زیر غور لایا گیا ہے۔ ہر واقعہ کی رپورٹ دونوں کمیشنوں کو دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں پولس کو حساس بنانے اور تربیت دینے کی کوششوں کو جاری

رکھا جائے گا۔ میری حکومت پولس فورس کے لئے رفاہی اقدامات کی فراہمی کو بھی جاری رکھے گی۔ جدید آلات مہیا کر کے پولس کی عملی کارکردگی کو بہتر بنانے کی تجویز بھی رکھی گئی ہے۔

ریاستی حکومت بار بار حکومت ہند سے گذارش کرتی چلی آرہی ہے کہ وہ ہند بنگلہ دیش سرحدی سمجھوتہ کو روبہ عمل لانے کے لئے فوری اقدامات اٹھائے اور انکلیویس (مملکت غیر سے گھرے علاقوں) کے تبادلہ کے سلسلہ میں بات چیت کرے۔ میری حکومت اپنی بھرپور کوشش کریگی کہ اس سلسلہ میں حکومت ہند فوری طور پر کوئی حتمی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے پہل کرے۔

ہمارے وفاقی نظام حکومت میں مرکز ریاست تعلقات قومی سطح پر سنجیدگی سے بحث طلب ہیں۔ میری حکومت ایک مضبوط نظام حکومت کی ضرورت میں تفویض لائے ایک مستحکم ریاست کے حق میں ہے۔ سرکاریہ کمیشن کو گہرائی سے زیر غور لانے اور اس میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ سرکاریہ کمیشن کی سفارشات کے متعلق مالی پہلوؤں کو اب تک ایک حتمی حل کے لئے سنجیدگی سے زیر غور نہیں لایا گیا ہے اور میری حکومت ان امور کو زیر غور لانے پر زور دے گی۔ انٹر اسٹیٹ کاؤنسل نیشنل ڈیولپمنٹ کاؤنسل اور پلاننگ کمیشن کو ایک اہم کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے اپنی حکومت کی جانب سے تجویز کردہ کارروائی کے مخصوص بڑے علاقوں کو چھوا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ معزز اراکین کو میری حکومت کے تجاویز پر تفصیل سے بحث کرنے کا موقع ملے گا۔ میں آپ کے بحث و مباحثے کی کامیابی کا خواہاں ہوں۔

جے ہند

ہمیں قومی یکجہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، جمہوریت اور سیکولرزم کی حفاظت کیلئے اپنے موقف پر قائم رہنا ہوگا۔ — وزیر اعلیٰ

۱۵ اگست کو مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والی تقریر میں عوام کو آزادی کی ۴۹ ویں سال مکمل ہونے پر دلی مبارک باد دی اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران غیر مصلحتانہ طور پر جدوجہد کرنے والے محبان وطن کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہمارا سب سے اہم اور پہلا فرض یہ ہے کہ ہم ان اصولوں کے پابند ہو کر ملک کی تعمیر کے لئے متحدہ طور پر کوشش کریں۔ اس حقیقت کے پیش نظر آئندہ سال آزادی کے ۵۰ سال مکمل ہونے جا رہا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ملک کی تاریخ کے اہم موڑ پر جلد صورت حال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

شری باسو نے بتایا کہ اگلی جب قومی تناظر میں تمام مثبت پہلوؤں کو بحال کیا جا رہا ہے وہیں منفی ترقیات کو بھی متبادل پالیسیوں کو روبہ عمل لا کر درست کرنا ہوگا۔ کئی سابق دہائیوں کے دوران کئی سیکٹروں میں مثبت نتائج کے فوائد عام لوگوں کی اکثریت تک نہیں پہنچ پائے۔ ہماری تحریک آزادی کے تصورات و مقاصد کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہنوز کوئی مستحکم قدم نہیں اٹھایا گیا۔ انھوں نے کہا کہ صحیح پالیسی اور ترجیحات پر مبنی پروگراموں کو اپنانے میں مرکز کی ناکامی کی وجہ سے ہماری قومی زندگی کے سماجی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں مختلف بحران پیدا ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے وفاقی ڈھانچہ، جمہوریت اور سیکولرزم پر متواتر ضرب کاری ہوئی ہے۔ فرقہ پرستی، مذہبی بنیاد پرستی، علیحدگی پسندی اور اس طرح کے دیگر بدبخت رجحانات نے ملک کی صورت حال کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اقتصادی منظر نامہ بھی سنگین اور باعث تشویش رہی ہے منصوبہ بندی کے ناکام نظام کی وجہ سے مٹھی بھر لوگ تمام رعایتوں اور سہولتوں سے مستفید ہوئے ہیں جبکہ ملک کے کثیر التعداد عوام مایوسی اور محرومی سے دوچار ہوئے ہیں۔

ایسے حالات میں امسال لوک سبھا انتخابات کے بعد مرکز میں متحدہ محاذ حکومت برسر اقتدار آئی ہے۔ فرقہ پرستی کا مقابلہ کرتے ہوئے سیکولرزم کے تصورات اور پالیسی کو مضبوط کرنا مرکزی حکومت کی خصوصی ذمہ داری ہے۔ اس کثیر الجماعت پارٹی نے کم از کم عام پروگرام کو روبہ عمل لا کر بنیادی مقصد کے ساتھ کام شروع کر دیا ہے۔ اس پروگرام کے ذریعہ ہماری قومی پالیسی کے کچھ خاص پہلوؤں پر زور ڈالا گیا ہے۔ وفاقی نظام کو مستحکم کرنے کے لئے مرکز ریاست کے صحتمند تعلقات پر خصوصی زور دینا ضروری ہے۔ اگر مرکزی حکومت کی طرف سے لامرکزیت پر مناسب زور دیا گیا تو ملک کو بے حد مرکزیت کی جانب جھکاؤ سے نجات مل جائے گی۔ اگر پردھکنٹوں میں شامل صنعت، زراعت، تعلیم، صحت، خوراک، پینے کا پانی، دیہی بجلی کاری اور ہاؤسنگ وغیرہ جیسے عوامی مفادات کو مناسب طور پر روبہ عمل لایا گیا، عام لوگوں کی بدحالی میں کمی آئے گی۔ علاقائی عدم توازن کے راستے سے اجتناب کرتے ہوئے ریاستوں کے درمیان صحت مند مقابلہ کا ماحول تیار کرنا ضروری ہے۔ نئی مرکزی حکومت کو عام لوگوں کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا ہوگا۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے مزید بتایا کہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ مرکزی حکومت عوام کی صحیح نکتہ چینی پر توجہ دے۔ مرکزی حکومت کو چاہیئے کہ عام لوگوں کو معاشی بوجھ سے راحت دلانے کے لئے فوری اقدامات کرے۔

قومی پروگراموں کا نصب العین خود اانحصاری ہونی چاہئے۔ اگرچہ کچھ ناگزیر معاملوں میں بیرونی مدد و تکنکی تعاون وقتی طور پر قبول کئے جا سکتے ہیں تاہم کسی بھی حالت میں ہم اپنی خود انحصاری کے راستے سے کبھی بھی کنارہ کش نہیں ہو سکتے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ترقیات پر مبنی تحقیق پر روز افزوں روز سے خصوصی کامیابی حاصل ہوگی۔ مستحکم معاشی لحاظ کی حصولیابی کیلئے اصلاحات آرہی ہے

سب سے پہلی شرط ہیں ۔ اس سلسلہ میں متبعدہ اور مضبوط کوششوں سے دیہی سیکٹروں میں معاشی افزائش کی پہل ہوگی۔ عام لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا جس سے گھریلو بازار میں تیزی آئے گی ۔ ایسے حالات میں بڑے متوسط اور چھوٹی صنعتوں کے لئے نئی راہیں کھولی گئی ہیں ۔ روزگار کے مواقع میں اضافہ کرنے کے لئے "ہمیں صنعتی بیماریوں کو روکنا ہوگا اور نئی صنعتی دستاویزی کی طرف جانا ہوگا"۔ لیکن یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہماری ترقی کی راہ میں بدعنوانیاں حائل ہوگئی ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اخلاقی پستی، خاص طور سے سیاسی میدان میں، ہماری جمہوریت کو افسوسناک حالت کی طرف لے جائیگی ۔ تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو اس اخلاقی پستی کے خلاف متحدہ مہم چلانی ہوگی اور ہمارے ملک کی سابقہ شان و شوکت کو بحال کرنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ سیاسی پارٹیاں اس سلسلہ میں اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔

انتشار پسند قوتیں ملک کے بہت سے حصوں میں سرگرم ہیں۔ تمام صحیح الدماغ لوگوں کی متحدہ کوششوں سے ان قوتوں کے ناپاک ارادے کو ناکام بنادینا ہوگا۔ وہ لوگ جو مذہب کو سیاست سے خلط ملط کر کے بحران پیدا کر رہے ہیں، ان کے خلاف سخت مدافعت کرنا ہوگی۔ ملک کے سیکولر دستور اور استحکام و خودمختاری کی حیثیت کی بقا کے لئے ایسی بدطینت قوتوں کے ساتھ کسی طرح کی بھی مصالحت نہیں ہونی چاہیئے۔ ملک کی آزادی کے تحفظ اور ملک کی ترقی میں تیزی کے لئے مستحکم بیداری اور آگاہی کی ضرورت ہے۔

شری باسو نے امسال کے انتخاب میں بے مثال کامیابی کے بعد پانچویں بار بائیں محاذ حکومت کا برسر اقتدار آنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی حکومت سنجیدگی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے مصروف عمل ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ ان کی حکومت لامرکزیت کے طریقۂ کار کے ذریعہ جمہوریت کی توسیع کے ساتھ تمام شہریوں کی آزادی کے تحفظ کے لئے کوشاں ہے ۔ ریاست

کی موجودہ امن، استحکام اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو بگاڑنے کی کسی بھی کوشش کو ناکام بنادیا جائے گا۔ ریاستی حکومت شہری علاقوں میں آباد لوگوں کو درپیش مشکلات کو دور کرنے کے لئے بھی اقدامات کرے گی۔ تمام متعلقہ لوگوں کی مشترکہ کوششوں کو حال ہی میں شروع کی گئی صنعتی افزائش کے لئے بروئے کار لایا جائے گا۔

عوام کے ساتھ ریاستی حکومت کی کمزوریوں اور اس کی سہولتوں کی محدودیت جیسے موضوع پر کھلے بحث ومباحثہ کے ذریعہ حکومت کو چلانا ریاستی حکومت کا نصب العین ہے ۔ دلجمعی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ نے یقین دلایا کہ ریاست مغربی بنگال اپنی روایت اور نیک نامی کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے گی۔ وزیر اعلیٰ نے یوم آزادی کے موقع پر ہندوستان کے عوام کو کچھ بنیادی موضوع پر ایک بار پھر حلف لینے کیلئے زور دیا۔

اپنی تقریر کے اختتام میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ ہمیں قومی یکجہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، جمہوریت، خودمختاری اور سیکولرزم کی ہر حال میں حفاظت کے لئے اپنے ارادے پر مستحکم رہنا ہوگا۔ ہمیں معاشی اور سماجی ترقی کے لئے ملکی منصوبہ بند کوششوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا ہوگا ۔ ہمیں سیاسی، سماجی اور معاشی حقیقت کے اعلیٰ ترین مقام پر بالاتر ہونے کے لئے آرزومند ہونا ہوگا

اسی دن صبح کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریاستی صدر دفتر رائٹرس بلڈنگ کے سامنے قومی پرچم لہرانے کی رسم ادا کی۔ اس کے بعد انھوں نے وہیں عظیم شہیدان وطن ہوئے، بادل اور دنیش کے مجسمہ پر گلہائے عقیدت چڑھائے اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے اس موقع پر کلکتہ پولس کے گارڈ اور بہت سے اسکولی بچوں کے پیریڈ کی سلامی بھی لی۔ اس تقریب میں دیگر شرکاء میں شعبۂ اطلاعات اور رہائش (پولس) کے وزیر شری بدھادیب بھٹاچاریہ، وزیر ماہی پروری شری کرن موئے نندا، چیف سکریٹری آنیس مجمدار اور پولس کمشنر توشار تعلقدار موجود تھے■

مغربی بنگال کے گورنر کے نام الیکشن کمشنر شری جی وی جی کرشنا مورتی کا مکتوب

جی۔ وی۔ جی۔ کرشنا مورتی
الکشن کمشنر آف انڈیا

نروا چن سدن
اشوکا روڈ
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱
مورخہ ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۹۶ء

عزت مآب!

ہندوستان کی انتخابی کمیشن کے ایک رکن کی حیثیت سے میں گورنر، وزیر اعلیٰ اور متعلقہ حکام کو اپنی ریاست میں صاف ستھرا، کم از کم تشدد کے ساتھ حالیہ عام انتخابات کے کامیاب اختتام پر جس کے لئے انھیں ملک بھر میں وسیع پیمانہ پر ستائش کا حقدار قرار دیا گیا، مبارک باد پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اس ملک میں ہونے والا یہ انتخاب جس میں تقریباً ۵۹ کروڑ رائے دہندگان نے شرکت کی، عالمی جمہوری تواریخ کے بہتیرے اعتبار سے اپنی مثال آپ رہا ہے۔ امن و امان بحال رکھنے ([illegible]) والی سیواؤں کی جانب سے ملی حمایت بھی بڑی قابل ستائش تھی۔ بلاشبہہ اس کا سہرا ان کی ریاستی حکومت کے حکام کے سر جاتا ہے کیونکہ ملک کی حکمرانی کے سلسلہ میں جمہوری اقدار پر جانثاری کے ساتھ اور دستوری ذمہ داریوں سے انحراف کئے بغیر مذکورہ حکام نے کمیشن ہذا کی ہدایات، احکامات اور فیصلوں پر بڑی احتیاط اور باریکی کے ساتھ عمل کیا ہے۔

اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی برتوں گا اگر میں آپ کے زیر قیادت ریاستی حکومت اور خصوصاً چیف سکریٹری اور چیف الکٹورل افسر کی قیادت میں کام کرنے والی انتخابی مشنری کی گراں قدر خدمات کے لئے ان کی ستائش اور ان کا شکریہ ادا کرنے سے گریز کروں۔

ادب و احترام کے ساتھ!

آپ کا مخلص

دستخط

(جی۔ وی۔ جی۔ کرشنا مورتی)

بنام
عزت مآب
شری کے۔ وی۔ رگھوناتھ ریڈی
گورنر، مغربی بنگال
راج بھون
کلکتہ

مرکزی وزیر ریل شری رام ولاس پاسوان کے نام ریاستی وزیر محنت شری شانتی گھٹک کا مکتوب

ڈیئر شری پاسوان !

میں آپ کے شعبہ سے منسلک ایک سنجیدہ مسئلہ جس کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے، کی جانب آپ کی فوری توجہ مبذول کروانے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

آپ واقف ہوں گے کہ دکھنیشور ریلوے اسٹیشن ایسٹرن ریلوے کے سیالدہ ڈویژن کے سیالدہ۔ ڈانکونی سکشن پر واقع ہے۔ یہ لائن ہگلی ندی پر واقع ویویکانندہ پل پر سے ہو کر گذرتی ہے اور ہوڑہ ڈویژن کی مین لائن سے جڑی ہوئی ہے۔ بہت سارے میل اور اکسپریس اور لوکل ریل گاڑیاں روزآنہ اس سکشن پر چلتی ہیں۔ مشہور دکھنیشور کالی مندر جسے مشہور رانی راسمنی نے ہگلی ندی کے کنارے پر بنوایا تھا شری رام کرشنا اور سوامی ویویکانندہ کی عقیدت و پرستش کا مقام تھا۔ لہٰذا غیر ملکی سیاحوں پر مشتمل ہزاروں زائرین روزانہ اس زیارت گاہ کی زیارت کو آتے ہیں۔ بیشتر زائرین اپنے اس سفر کے لئے ریل گاڑی پر سیالدہ سے سوار ہوتے ہیں اور دکھنیشور اسٹیشن پر اتر جاتے ہیں لیکن برسوں کی غفلت کی بنا پر مذکورہ اسٹیشن اور اس کے پلیٹ فارم بڑی خستہ حالی کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

اسٹیشن ہذا کے دونوں پلیٹ فارم مٹی اور راکھ کے ٹیلوں اور ڈھیروں پر واقع ہیں اور یہ ٹیلے اور ڈھیر اس ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ متوازی چلتے ہیں جو ویویکانند پل پر سے گذرتی ہے۔ بیشتر لکڑی کے سلیپر پلیٹ فارموں پر پڑے ہوئے ہیں، مسافروں کیلئے کوئی موزوں ویٹنگ روم نہیں ہے۔ روشنی کا انتظام نہایت ہی ناکافی ہے۔ پینے کا پانی آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا ہے اور یہ مقام سماج دشمن عناصر کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ اسمگلر کوئلہ چھائی اور مٹی کے ڈھیر کو چوری چھپے لے جاتے ہیں۔ تمام کمزور ڈھانچوں والے یہ دونوں پلیٹ فارم کسی بھی دن الٹ سکتے ہیں اور ایک نہایت ہی تباہ کن حادثے کا سبب بن سکتے ہیں۔ بدمعاش لوگ پلیٹ فارموں پر لگی لوہے کی ریلنگوں کو چرا لے گئے ہیں۔ ملنے والی اطلاع کے مطابق طویل مسافت والی ریل گاڑی سے اترنے یا اس پر لوٹنے کے دوران بیشتر لوگ خصوصاً بچے تقریباً ستر میٹر گہری کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ ریلوے پروٹکشن فورس یا جنرل ریلوے پولس کے اہتمام کردہ حفاظتی اقدامات محض عزت بچاؤ کے لئے ہیں۔ للوہ میں واقع پولس اسٹیشن کے دائرہ عمل میں یہ علاقہ بھی آتا ہے جبکہ للوہ پولس اسٹیشن اس مقام سے تقریباً ۳۰ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ مذکورہ پولس اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے ہگلی ندی کے اس پار بذریعہ بس جانا ہوتا ہے لیکن فی الحال ویویکانند پل زیر مرمت ہے اور اس پولس کی نقل و حمل بند ہے۔ ٹکٹ ماسٹر کا دفتر نچلی سطح زمین پر واقع ہے۔ ہلکی سی بارش کے بعد پورا علاقہ جل تھل ہو جاتا ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ سیلانی/سیاح جو ریل گاڑی سے مندر جانے کے لئے وہاں پہنچے ہوئے تھے گھٹنوں تک اپنی پتلونوں کے پینچوں اور لہنگوں کے دامنوں کو موڑ کر اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ان کے جوتے تھے۔ اس طرح مندر جانے کے لئے ٹخنوں تک گہرے گندے پانی میں کھڑے وہ لوگ گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ بہتوں کے لگائے گئے الزام کے مطابق مسافروں کے ویٹنگ روم کو ریلوے پولس فورس کے کیمپوں کے طور پر استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ وہاں کوئی دوسرا ایسا ویٹنگ روم نہیں ہے، جہاں مسافر یا زائرین بارش کے دنوں میں کچھ دیر کے لئے سر چھپا سکیں یا آرام کر پائیں۔

میرے خیال میں مندرجہ بالا صورت حال دکھنیشور اسٹیشن کمپلکس کی ایک سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ میں اس شعبہ کے سابق وزیر کو بھی اس سلسلہ میں پہلے کئی بار لکھ چکا ہوں اور ان کی توجہ ریلوے اسٹیشن اور پلیٹ فارموں کی فوری مرمت و ترقی کی جانب مبذول کروائی تھی اور ان مسافروں اور سیاحوں کو فوری آرام و آسائش مہیا کرنے کے لئے بھی ان سے کہا تھا

جو شری رام کرشنا اور سوامی ویویکانند کے اس متبرک مقام کی زیارت کو آتے ہیں لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ابتک اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

میری آپ سے چونکہ اچھی خاصی شناسائی ہے اس لئے مجھے پورا الیقین ہے کہ آپ اس معاملہ پر ذاتی توجہ دیں گے اور حسب ضرورت کارروائی کروائیں گے۔ میں خاطر خواہ اقدامات کی آپ سے پوری توقع رکھتا ہوں۔

آپ کا مخلص
دستخط
(شانتی گھٹک)

بنام
شری رام ولاس پاسوان
وزیر ریلویز
حکومت ہند
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱

نیتاجی کی سالگرہ تقریبات: ریاستی حکومت کے پروگرام

ریاستی وزیر زراعت اور نیتاجی سالگرہ تقریبات کمیٹی کے چیئرمین شری نرین دے نے حال ہی میں رائٹرس بلڈنگس میں منعقد ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ راڈن اسکوائر میں مجوزہ ثقافتی کمپلکس کو آئندہ ۲۳ جنوری کو نیتاجی سبھاش چندر بوس سے موسوم کیا جائے گا اور اسے نیتاجی سانسکریتک کیندر کی حیثیت سے جانا جائے گا۔ انھوں نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت نے شایانِ شان طریقہ سے نیتاجی کی سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا ہے اور موقع پر مفصل پروگرام مرتب کئے ہیں۔

ان کی پیدائش کے صحیح وقت (یعنی ۱۲ بجکر ۵ منٹ پہر) کا فورٹ ولیم سے توپ داغ کر اعلان کیا جائے گا۔ عورتیں اپنے اپنے گھروں سے سنکھ بجائیں گی۔ انھوں نے مزید بتایا کہ دیش بندھو پارک اور جیتن داس پارک کے درمیان ایک انسانی زنجیر تیار کی جائیگی۔ تمام سرکاری دفتروں کو اس شام قمقموں کی روشنیوں سے آراستہ کیا جائے گا۔ شہریوں کو بھی اپنے اپنے مکانات کو قمقموں سے سجانے کی درخواست کی جائے گی۔

وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ ریاست کے تمام اضلاع میں ضلع کمیٹی کی تشکیل کے ذریعہ یہ پروگرام منعقد کئے جائیں گے اور اس کا سلسلہ سال بھر چلے گا۔ ریاستی حکومت نے آزاد ہند فوج کے بقید حیات ممبروں کو اعزاز دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ نیتاجی کے مجسمہ سے متصل آزادی کے مینار کی بھی مرمت کی جائے گی۔ حکومت مغربی بنگال کے زیر اشاعت رسالوں خاص طور پر "پچھم بنگال" اور "ویسٹ بنگال" کے خصوصی شمارے شائع کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں ان مقالوں کے ساتھ جن کی کاپی کا حق محفوظ نہیں کیا گیا ہے ایک کتاب شائع کی جائیگی اور ایک مضمون نگاری کے مقابلہ کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں نیتاجی کی حیات و خدمات پر ایک نمائش کا بھی انعقاد کیا جائے گا۔

مزید برآں ریاستی حکومت نے ایڈن گارڈنس میں نیتاجی کی زندگی پر روشنی و صدا کے پروگرام کی بھی تجویز رکھی ہے۔ وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت نیتاجی کے نام پر ایک ترقیاتی منصوبہ و پروگرام کے اعلان کی درخواست کرے گی۔ ■■

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے جنگلاتی تحفظ ہفتے کا افتتاح کیا

جنگلاتی ... ہفتے کا افتتاح کرتے ہوئے

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۴ جولائی کو جنگلاتی تحفظ ہفتے کا افتتاح کرتے ہوئے بتایا کہ چونکہ ہم اپنی ریاست میں تیز تر صنعت کاری کے لئے مستعد ہیں اسلئے تمام تر اقدامات یہ ہونے چاہئیں کہ ماحولیات کسی طرح آلودہ نہ ہوں۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ موصوف نے اسمبلی کے احاطہ میں ایک پودا لگایا۔ اس تقریب میں ریاستی اسمبلی کے اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم، حزب مخالف کے لیڈر شری اتیش سنہا، وزیر جنگلات شری جوگیش برمن اور وزیر ریاست شریمتی میلا سی بالا ستن بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ شری باسو نے ماحولیات سے صنعت کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یورپ میں بھی جب صنعتی انقلاب آیا اس وقت سے عوام آلودگی کے خطرات سے پورے طور پر باخبر ہو گئے تھے اور اس لئے مناسب اقدامات کئے گئے۔ سپریم کورٹ نے متعدد سرکاری و نجی صنعتی یونٹوں کو آلودگی پھیلانے کے لئے بند کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہم ماحولیاتی آلودگی کی اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے صنعت کاری کے لئے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں جو ہمارے وجود کے لئے چنوتی بن جاتی ہے۔ صنعت کاری کے ساتھ ساتھ ماحولیات کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انھوں نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت نے ماحولیات کو خوشگوار بنانے کیلئے سندر بن علاقوں میں ایک سیاحتی مرکز کی تعمیر کی ہے۔ دوسری جانب انھوں نے کہا کہ ریاست کی بنجر زمینوں میں صنعتی خام اشیاء کی پیداوار کیلئے اقدامات کئے گئے ہیں تاکہ ہم صنعت کاری کے ذریعہ ماحولیاتی تال میل کے ساتھ ترقی کر سکیں۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے عام لوگوں کو ان کے اندر سماجی بیداری پیدا کرتے ہوئے جنگلاتی تحفظ پروگرام میں شامل کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے سماجی جنگلات کے میدان میں ریاستی حکومت کی کامیابی پر بھی روشنی ڈالی۔

10

10

مغربی بنگال میں وقف جائدادوں کے مسائل

از: بشری محمد امین ۔ مینسٹر انچارج، امور اقلیت، وقف ، اردو اکاڈمی اور حج

مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں ۹ر جولائی ۱۹۹۶ء کو وقف سے متعلق بے ترتیبیوں پر ایک مباحثہ کا اختتام ہوا۔ ریاستی حکومت نے ریاست میں واقع وقف جائدادوں کے موجودہ امور کی صورت حال کے گو ناگوں پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کے لئے مذکورہ مباحثہ کی تجویز رکھی تھی۔ اس کا پس منظر اگست اور دسمبر ۱۹۹۵ء کے درمیان ریاستی حکومت کو ملی چند شکایتیں تھیں۔ اس سلسلہ میں شکایت کرنے والے کانگریس پارٹی کے سینئر لیڈران تھے۔ لہٰذا ریاستی حکومت نے ایک شعبہ جاتی تفتیش کا حکم جاری کیا اور اس تفتیش کے کام کو جوڈیشیل سکریٹری نے انجام دیا۔ مذکورہ جوڈیشیل سکریٹری نے اپنی رپورٹ بارہ دنوں کے اندر جمع دیدی۔ یہ رپورٹ نامکمل تھی۔ اس میں نہ ہی مذکورہ بالا بے ترتیبیوں کا مطالعہ باریکی سے کیا گیا تھا اور نہ ہی تدارکی اقدامات کے سلسلہ میں کوئی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس لئے ریاستی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اس سلسلہ میں مزید تفصیلی تفتیش کی ضرورت ہے لیکن حزب مخالف مذکورہ رپورٹ کو اسمبلی میں پیش کرنے پر بضد تھی۔ حکومت نے ان کی مانگوں کو مانتے ہوئے یکم جولائی ۱۹۹۶ء کو اسمبلی میں جوڈیشیل سکریٹری کی مذکورہ رپورٹ کو اپنے تبصرہ کے ساتھ پیش کیا۔ رپورٹ ہذا نے منجملہ اور چیزوں کے وقف جائدادوں کی منتقلی کے سلسلہ میں بے شمار وجوہات پیش کئے، جن میں درج ذیل وجوہات شامل تھے:-

(۱) کچھ جائدادوں کی منتقلی اس لئے کی گئی تھی کہ ان سے کوئی آمدنی نہیں ہوتی تھی۔

(۲) دوسری وجہ منتقلی کی یہ تھی کہ ان میں پرانے کرایہ دار بڑی تعداد میں آباد تھے اور وہ لوگ جو کرایہ ادا کرتے تھے وہ نہایت ہی قلیل رقم ہوا کرتی تھی۔

(۳) چند معاملوں میں کرایہ داروں نے کرایہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بہت سارے جائدادوں پر لوگ غاصبانہ طور پر قابض ہیں۔

(۴) بہت ساری وقف جائدادیں بے شمار مقدمہ بازیوں کے سبب بدحالی کا شکار ہیں۔

(۵) مذکورہ بالا رپورٹ میں درج تنقید کے مطابق وقف بورڈ نے محدود دائرہ/حلقہ میں رہ کر کام انجام دیا۔ چند معاملوں میں:-

(الف) پروموٹروں سے مسلم گرلس ہوسٹل کے لئے چندے لئے گئے ہیں۔

(ب) وقف بورڈ کے اراکین کے دو رشتہ داروں کو مسلم گرلس ہوسٹل اور وقف بورڈ میں ملازمت فراہم کی گئی ہے۔

(ج) چند جائدادوں کو اجارہ یا لیز پر دینے سے پہلے کوئی اشتہار نہیں جاری کیا گیا تھا۔

۲۰ر جنوری ۱۹۹۵ء کے اپنے ایک فیصلہ میں کلکتہ ہائی کورٹ نے مذکورہ بالا تین نکات کو نپٹا دیا تھا۔ جہاں تک اشتہار کے سوال کا تعلق ہے یہ رو میں کی گئی ایک سرسری رائے زنی ہے۔ جانچ پڑتال سے یہ پتہ چلا ہے کہ تمام معاملوں میں تو نہیں لیکن چند معاملوں میں اشتہار جاری کئے گئے تھے۔ لہٰذا ریاستی حکومت نے وقف جائدادوں کے مسائل کے تمام پہلوؤں پر جانچ پڑتال کے لئے ایک عدالتی تفتیش کا حکم جاری کیا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ عدالتی کمیشن کے تحقیقاتی نتائج مسائل ہذا کی نشاندہی کریں گے اور منجملہ طور پر تدارکی اقدامات کے لئے تجویز رکھیں گے۔

وقف کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وقف نجی جائداد ہے، سرکاری جائداد نہیں ہے اور وقف ایکٹ کے مطابق واقف (وہ شخص جو ایک قانونی دستاویز یعنی وقف نامہ کے ذریعہ وقف جائداد کو تشکیل دیتا ہے) کے منشاء کو ان تمام امور میں اہم ترین اہمیت حاصل ہے۔ واقف

11

ریاستی حکومت نے وقف جائدادوں کو تحفظ بخشنے اور واقف کی خواہشات کو پورا کرنے کے مقصد کے تحت ایک مبتنی فروغ لانے کے سلسلہ میں بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔ ریاستی حکومت نے پہلی مرتبہ ایک تفصیلی سروے یعنی پیمائش آراضی و محاسبہ کا حکم دیا ہے۔ مذکورہ سروے کی ذمہ داری لینڈ ریکارڈس یعنی دستاویزات آراضی کے ڈائرکٹر کو سونپی گئی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلے گا کہ حقیقی وقف جائدادیں کتنی ہیں اور ان کی مالیت کیا ہے۔ رجسٹریشن کے انسپکٹر جنرل کو اگلے حکم نہ ملنے تک کسی بھی وقف جائداد کی رجسٹری کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ اگر کہیں کوئی مشتبہ لین دین ہوا ہے تو وہ کھل کر سامنے آجائے۔

اس شہر میں واقع وقف جائداد کے کسی پلان یعنی تعمیر مکان کے نقشہ کو منظوری نہ دینے کی کلکتہ کارپوریشن کو ہدایت دی گئی ہے۔ ریاستی حکومت کلکتہ میں ایک ٹریبیونل یعنی ایک مخصوص عدالت قائم کرنے کے سلسلہ میں اقدامات بھی کر رہی ہے تاکہ مظلوم شخص ایسے شکایت کی شنوائی کے لئے ٹریبیونل سے رجوع کر پائے اور نئے ایکٹ کے مطابق اس ٹریبیونل کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا۔ اس مقدمہ بازیوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی واقع ہوگی اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ مقدموں کے فیصلے بھی جلد ہوں گے۔ مستقبل میں شمالی بنگال میں ایک ٹریبیونل کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ نئے وقف بورڈ کی تشکیل کے سلسلہ میں اقدامات کئے جاچکے ہیں۔ اس میں پارلیمنٹ کے ایک مسلم رکن، مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے دو مسلم رکن، بار کاؤنسل کے ایک یا دو رکن اور ایک لاکھ سے زائد سالانہ آمدنی والے متولیوں کے دو نمائندے منتخب کئے جائیں گے اور ریاستی حکومت کی جانب سے ممتاز مسلم نمائندے نامزد کئے جائیں گے۔ بہرصورت نامزد رکن کی تعداد منتخب رکنوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہ اقدامات موجودہ صورت حال پر ایک اچھا تاثر ڈالے اور اس دوران عدالتی کمیشن وقف جائدادوں سے متعلق ریکارڈوں کی جانچ کرے گی اور اس کے تحقیقاتی نتائج ریاستی حکومت کو اگلے اقدامات اٹھانے میں مددگار ثابت ہوں گے، وہ لوگ جو صحیح معنوں میں وقف جائدادوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور مسلم عوام کی فلاح کے لیے

ایک متولی کی بھی تقرری کرتا ہے یا چند معاملوں میں وہ یہ ہدایت دیتا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد کون اس کی جائداد کا متولی ہوگا۔ لہٰذا واقف کے انتقال کے بعد یہ متولی ہی ہوتا ہے جس کو دستاویز یعنی ڈیڈ پر عمل درآمد کے سلسلہ میں اختیار کلی حاصل ہوتے ہیں۔ بیشتر معاملوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ متولیوں کا ایک طبقہ کیئر ٹیکر یعنی نگراں کی حیثیت سے کام کی انجام دہی میں مقررہ ضابطوں سے انحراف کرتا ہے۔ کبھی کبھی یہ لوگ مذکورہ جائداد کو اپنے نام منتقل کر لیتے ہیں یا اجارہ یا لیز پر دے دیتے ہیں یا مذکورہ بورڈ کو بغیر مطلع کئے اسے فروخت کر ڈالتے ہیں اور اس طرح مقدمہ بازی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ وقف بورڈ کی تشکیل ہوگی اور نئے ایکٹ کے مطابق فی الحال اس میں جزوی طور پر نامزدگی ہوگی اور جزوی طور پر انتخاب ہوگا۔ یہ ایک نیم عدالتی ادارہ ہے۔ اس کے فیصلہ میں ریاستی حکومت ترمیم نہیں کر سکتی لیکن وقف بورڈ کے کسی فیصلہ کے خلاف کسی بھی قانونی عدالت میں مظلوم اشخاص اپیل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ دراز سے ایک نہایت ہی پیچیدہ صورت حال چلی آرہی ہے اور یہ اس وقت سے چلی آرہی ہے جب کہ مغربی بنگال میں کانگریس کی حکومت تھی۔ بایاں محاذ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد وقف بورڈ کو بہتر لوازمات فراہم کرکے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابل اشخاص کی نامزدگی کے ذریعہ بورڈ مذا کے کام کاج کو بہتر بنانے کی کوششیں کی گئیں ہیں۔ وقف بورڈ نے مخصوص مثبت کارنامے انجام دیئے ہیں۔ مثلاً بورڈ مذا نے ۵ لاکھ روپئے مسلم یتیم خانہ کو، ۲٫۵۰ لاکھ روپئے اسلامیہ ہسپتال کو اور ایک لاکھ روپئے پانچکوڑا یتیم خانہ کو دیا ہے۔ آٹھ لاکھ ۱۷ ہزار ۱۳۹ روپئے لائق توصیف طلباء کو بطور مالی تعاون دیئے گئے اور اس سلسلہ میں ۲۵۶۳ مستفیض ہوئے۔ وقف بورڈ نے اس ریاست کے مختلف اضلاع میں مسلم لڑکیوں اور مسلم لڑکوں کے لئے آٹھ عدد ہوسٹل تعمیر کئے۔ ان میں سے چار میں تمام کام بحسن و خوبی انجام پارہے ہیں۔ دو ہوسٹل کی تعمیر پائے تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور جلد یہاں میں کام شروع ہوجائے گا۔ علاوہ ازیں دو ہوسٹل زیر تعمیر ہیں۔ ماضی میں اس نوعیت کا کوئی کام نہیں کیا گیا تھا۔

ان کی آمدنی کو استعمال میں لانے کے خواہاں ہیں، فروغ و ترقی کی کوششوں میں ریاستی حکومت کی حمایت کریں گے۔ یہ بات سمجھ میں آ جانی چاہیئے کہ حزب مخالف کانگریس نے ضرورت سے زیادہ شور و غل مچایا اور یہ بھی اعلان کیا کہ کچھ لوگوں نے ایک ہزار کروڑ روپئے کا غبن کیا ہے۔ سخت جانچ پڑتال کے بعد یہ پتہ چلے گا کہ عام انتخابات کی آمد کے قریب مرکز میں حکمراں جماعت سے وابستہ بڑے بڑے رہنماؤں، وزیروں اور گورنروں کے خلاف سپریم کورٹ، سی بی آئی اور پریس کے ہنگامہ خیز انکشافات سے لوگوں کی توجہ ہٹانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے اور بہکانے کی یہ ان کی ایک مایوس کن کوشش تھی۔ چونکہ مذکورہ بالا حکمراں جماعت کے پاس کھڑے رہنے کی زمین نہیں تھی اس لئے انکے پاس یہی ایک پُر فریب شئے تھی جس کی آڑ میں ان لوگوں نے مغربی بنگال میں اپنے مکروہ چہرے کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پریس کا ایک حصہ بھی اس نام نہاد جہاد میں شامل ہو گیا اور ان پُر زور پروپیگنڈوں کی وجہ سے یہ بات خلاف توقع نہیں ہے اگر رائے دہندگان کا ایک حصہ شبہہ میں مبتلا ہو کر انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ آنے والے دنوں کے دوران لوگ صورت حال کی حقیقت کو سمجھیں گے اور مسلم وقف جائدادوں کے مسائل کو حل کرنے کیلئے مثبت اقدامات لینے کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کی طرف اپنا دست تعاون بڑھائیں گے۔ ■■

ریاست کی سیاحتی صنعت کیلئے نجی سرمایہ کاری

ریاستی حکومت نے ریاست کی سیاحتی صنعت میں نجی سرمایہ کاری کو یقینی بنانے کے لئے خصوصی اقدامات اپنائے ہیں۔ سیاحوں کی دلچسپی اور کشش کے لئے ریاستی شعبۂ سیاحت نے حال ہی میسرز گنا پتی گرین فیلڈس لمیٹڈ کو ہگلی ندی کے کنارے رائے چک میں ۳۶ کروڑ روپئے کی لاگت سے پانچ منزلہ تعطیل گاہ تعمیر کرنے کے لئے اپنا دستِ تعاون دیا ہے۔ اس کے علاوہ پنچھادتی ہولیڈے ریسارٹ لمیٹڈ کے تحت کونا کے قریب منشی گنج میں ۲۰ کروڑ روپئے کی لاگت سے ایک دیگر تعطیل گاہ تیار کرنے کا پروجکٹ روبہ فروغ ہے۔ میسرز سنکلرس ہوٹلس اینڈ ٹرانسپوٹیشن لمیٹڈ نے ۴ کروڑ روپئے سے جالسہ کے پہاڑی علاقہ میں ماحولیاتی دوستانہ سیاحتی مرکز تعمیر کرنے کے لئے ریاستی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیا ہے۔ ان لوگوں نے ریاستی شعبۂ سیاحت کی سفارش پر شعبہ آراضی و اصلاحات آراضی سے ۲۰٫۲۲ ایکڑ قطعات آراضی ۹۹ سال کے پٹے پر حاصل کئے ہیں۔ تین دیگر نامور ہوٹلوں حیات، تاج اور آئی ٹی سی کو بھی کلکتہ میں بین الاقوامی معیار کے ہوٹل تعمیر کرنے کیلئے قطعات آراضی پٹے پر دیئے گئے ہیں ■■

پرائمری اسکول کے بچوں کے طبّی معائنہ کا پروگرام

حال ہی میں ریاست میں پرائمری اسکول کے طالب علموں کے طبّی معائنہ کیلئے ایک پانچ روزہ خصوصی پروگرام کو روبہ عمل لایا گیا۔ ہر چھ پرائمری اسکولوں کے لئے ایک تربیت یافتہ طبی کارکن کو برسرروزگار کیا گیا اور ہر اسکول سے دو ٹیچروں کو اس مقصد کے لئے تربیت دی گئی۔ یہ پروگرام پنچایت سمیتی کی سرگرم شرکت سے چلایا گیا۔ دیہی علاقوں میں ۴۸۹۵۳ پرائمری اسکولوں کے ۴۸۱۴۷۵۱۳۲ (۹۶٫۴۶ فیصد) طالب علم اور شہری علاقوں کے ۶۰۶۰ پرائمری اسکولوں کے ۸۲۰۹۷۸ (۸۳٫۱۸ فیصد) طالب علم مستفید ہوئے۔ جن خاص بیماریوں میں طالب علم مبتلا ہیں ان میں خون کی کمی، پیٹ کی خرابی، رات کا اندھاپن، آئیوڈین کی کمی، کان اور دانت کی تکلیفیں اور چمڑے کی مختلف بیماریاں شامل ہیں ■■

مغربی بنگال میں سند یافتہ افراد کیلئے خود روزگار کے مواقع کی فراہمی

حکومت مغربی بنگال اس ریاست میں واقع اپنے ۲۹ پالی ٹکنکوں، ۲۱ صنعتی تربیتی اداروں اور ۲۰ جونیئر ٹکنیکی درس گاہوں میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مختلف پیشوں میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی دستکاری کی حصول اور سند تربیت یافتہ ہونے کے لئے گوناگوں نصابوں کی پیش کش کرتی ہے۔

اوسطاً تقریباً ۳۵۰۰ ڈپلوما حاصل کرنے والے (۲۹ پالی ٹکنکوں سے) اور تقریباً ۵۰۰۰ سند پانے والے (۲۱ صنعتی تربیتی اداروں اور ۲۰ جونیئر تکنیکی درس گاہوں سے) ہر سال اپنے اپنے نصابوں کی تکمیل کے بعد میدانِ عمل میں داخل ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ سند یافتہ اور ڈپلوما پانے والوں کو بعد ازاں مختلف کارخانوں اور انڈر ٹیکنگوں میں ملازمت مل جاتی ہے، کچھ خود روزگار بن جاتے ہیں اور ان میں سے بیشتر کے نام مختلف ایکسچینجوں کے ”چالو“ کھاتوں میں بطور ملازمت کے متلاشی تحریر رہتے ہیں۔

مذکورہ باصلاحیت اشخاص کو جلد از جلد خود روزگار مواقع فراہم کرنے کے سلسلہ میں امداد پہنچانے کی غرض سے منسٹری برائے تعلقدار (وزیر برائے گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت) نے وزیر اعظم کی روزگار یوجنا، کھادی اور دیہی صنعتی اسکیموں، اضافی روزگار پروگرام، صنعتوں کو سرکاری ریاستی تعاون جیسے اس شعبہ کے تحت گوناگوں خود روزگار کے سلسلہ میں انھیں ترجیحی بنیاد پر زیر غور لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس ریاست کے تمام ۲۰ اضلاعی صنعتی مراکز کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ تمام سند اور ڈپلوما یافتہ لوگوں کو مذکورہ گوناگوں خود روزگار اسکیموں میں جتنی جلد ممکن ہوسکے جگہ دینے کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین ترجیحی امداد فراہم کریں۔ اضلاعی صنعتی مراکز موزوں پروجکٹوں کے انتخاب تکنیکی صلاح بہم پہنچانے، قابل عمل پروجکٹ رپورٹوں کی تیاری بینکوں سے مالی تعاون کی حصول، پروجکٹوں کو روبہ عمل لانے اور وقتاً فوقتاً ان کی کامیابی کی نگرانی میں ان کی مدد کریں گے۔

اصلاعی صنعتی مراکز ان بے روزگار سند اور ڈپلوما یافتہ لوگوں کو جامع دیہی ترقیات پروگرام، خصوصی جامع منصوبہ، خصوصی شہری مائکرو انٹر پرائزز پروجکٹ خود روزگار اسکیم برائے دیہی بے روزگار، وغیرہ جیسی مختلف اسکیموں (دیگر شعبوں کے ذریعہ روبہ عمل لائی گئی) کے تحت خود روزگار اسکیم مواقع کی حصول میں بھی ان کی مدد کرے گی۔

وزیر کو اس بات کی توقع ہے کہ یہ خصوصی مہم ان بیشتر سند اور ڈپلوما یافتہ لوگوں کو جنکو مختلف پیشوں میں کام کرنے کی خاطر خواہ صلاحیت رکھنے کے باوجود ابتک روزگار نہیں ملے ہیں اور جو ابتک اپنی روٹی روزی کما نہیں پائے ہیں، ایک قابلِ عمل آمدنی کے وسائل کی پیشکش کرے گی۔

گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا شعبہ
حکومت مغربی بنگال کی جانب سے جاری کردہ ■

مغربی بنگال میں فائرسروسس : ایک جائزہ

ریاستی وزیر سری پرتم چیٹرجی نے حال ہی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فائرسروسس کے شعبہ کی کارکردگی اور پروگرام پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر الفور نامہ نگاروں کے درمیان ایک ہینڈآؤٹ پیش کیا تھا جس کا اردو متن درج ذیل ہے :

نامہ نگار حضرات! میں نے آپ لوگوں کو یہاں آنے کی زحمت اسلئے دی ہے کہ بحیثیت وزیر ریاست، آگ بجھانے والی خدمات سے متعلق اپنے تجربہ کے بارے میں چند اہم اعلانات یہاں کرنے والا ہوں۔ میں اس دستہ کو مزید کارگر اور مقبول عام بنانے کے سلسلہ میں اپنے تصورات و خیالات کا بھی اظہار کروں گا اور جو کارروائیاں اب تک میں نے اس آگ بجھانے والی خدمات کو بہتر بنانے اور فروغ دینے کے لئے کی ہیں یا جو کروں گا ان سے متعلق بھی آپ لوگوں سے بات چیت کروں گا۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والے تقریباً تمام نامہ نگاروں اور صحافیوں نے میری دعوت کو بصد شوق قبول کیا اور یہاں آنے کی زحمت گوارا کی۔

اولاً آپ حضرات کو اپنے نظریات و خیالات بتلانے سے قبل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فائر بریگیڈ (آگ گارد) کا پس منظر کیا ہے؟ کیسے اور کیوں اس فائر بریگیڈ کے قیام کا تصور وجود میں آیا اور اسکی موجودہ شکل اور اہمیت کیا ہے؟

۱۸۲۲ء کے دوران انتظامیہ کے ذہن میں فائر بریگیڈ کا تصور کلکتہ اور دارجلنگ کے ممتاز اشخاص کو آتشی خطرات سے محفوظ رکھنے کے تحت آیا۔ ابتدائی دور میں یہ شعبہ پولس کے تحت تھا۔ بعد ازاں نئے دور کی ترقی و فروغ، جدید ٹکنالوجی کی آمد اور ہمارے ملک کے عوام کی سماجی و معاشی حالات میں تبدیلی کے ساتھ فائر بریگیڈ کے قیام سے متعلق پرانا تصور رفتہ رفتہ بدل گیا ہے اور آج کے دور میں آگ بجھانے کی خدمات نے آج کی شکل اختیار کرلی ہے اور یہ عوامی زندگی کے میدان میں اہم ترین اور حیات افروز کردار ادا کررہی ہے۔ جدید دور میں آگ بجھانے کی خدمات یعنی فائر سروسز کو ترقی یافتہ ممالک میں فائر انجینئرنگ سروس کے نام سے موسوم کیا جارہا ہے۔ آج عوام کے استعمال میں زیادہ سے زیادہ آتش گیر مادوں اور سامانوں کے آنے کی وجہ سے روزمرہ زندگی میں آتشی خطرات میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ لہٰذا آج کل آگ بجھانے والے دستہ کو آگ پر قابو پانے اور اسے بجھانے کے لئے بہت سارے عجیب و غریب آلات اور مادوں کو استعمال میں لانا پڑتا ہے۔ الغرض میکانیکل بشمول ہائڈرولک انجینئرنگ اور کیمیکل انجینئرنگ کی جانکاری آگ بجھانے والے عملہ کے لئے نہایت ہی لازمی ہے لہٰذا فی الحال آگ بجھانے والی خدمات کو آگ سے لڑنے والی اور فائر انجینئرنگ خدمات کے نام سے موسوم کرنا چاہئے۔

اب میں میونسپل امور شعبہ کے فائر سروس ونگ سے متعلق حقیقی نکتہ کی جانب آنے والا ہوں۔ ابتک ہمارے یہاں ۸۵ فائر اسٹیشن ہیں اور مرحلہ وار ۲۶ نئے فائر اسٹیشنوں کا قیام عمل میں آنے والا ہے۔ مستقبل میں یہ کوشش کی جائے گی کہ ہر ایک میونسپلٹی میں کم از کم ایک فائر اسٹیشن قائم ہو اور بعد ازاں فنڈ کی دستیابی کے مطابق ہذا پنچایت سطح تک پہنچائی جائے گی۔ ۱۳ فائر اسٹیشنوں کی تعمیر کا کام چل رہا ہے اور ان فائر اسٹیشنوں کو مختلف قسم کے آلات سے لیس کئے جانے کے لئے آلات ہذا کے آرڈر دیئے جاچکے ہیں اور موجودہ فائر اسٹیشنوں کے پرانے آلات کو نئے آلات سے تبدیل کئے جانے کے سلسلہ میں بھی احکامات جاری کئے جاچکے ہیں۔ آبادی کی کثرت کی وجہ سے فلک بوس تعمیرات، بڑے بازاروں کے قیام وغیرہ وجود میں آئے ہیں اور ان کی وجہ سے شہر کلکتہ اور ہوڑہ مغربی بنگال میں سب سے زیادہ پُر خطر علاقے بن گئے ہیں۔ لہٰذا ان دو شہروں کو آتشیں خطرات سے نبرد آزما ہونے کے لئے حکومت ان شہروں کے کنٹرول روموں میں لگے موجودہ ٹیلی فون اور آر-ٹی کو جی آئی ایس (جغرافیائی اطلاعاتی نظام سوفٹ ویئر) کمپیوٹر سوفٹ ویئر سے بدلنے والی ہے۔ کلکتہ کے بازاروں اور سڑکوں پر لگے پانی کے نل جنہیں ماضی میں فائر بریگیڈ کے استعمال میں لایا کرتے تھے اور جن کی دیکھ ریکھ کا انتظام کلکتہ کارپوریشن کے ذمہ تھا، کو اب مرمت کے بعد دوبارہ قابل استعمال بنایا جائے گا۔ ہوڑہ میونسپل کارپوریشن

کے صدر ([illegible]) شہر ہوڑہ میں آگ تحفظ اقدامات بروئے عمل لانے پر بھی راضی ہوئے ہیں اور صدر موصوف نے ہوڑہ میں آگ تحفظ تدابیر کی تشکیل و عمل درآمد کے لئے چند مشق اقدامات لینے پر بھی اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔ ہوڑہ اور کلکتہ کے آگ تحفظ اقدامات کے لئے حکومت پہلے مرحلے میں دو کروڑ روپے خرچ کرنے والی ہے۔ مزید برآں ہملوگ رضاکاروں اور رضاکار انجمنوں کی مدد سے بیداری پروگراموں کا انعقاد کرنے والے ہیں۔ یہ پروگرام مختلف انجمنوں کی جانب سے پیش کیا جائے گا اور ان میں سے چند نے مجھے اپنی اسکیمیں بھی جمع دے دی ہیں۔ ۱۰ ویں مالی کمیشن سے ۸ (آٹھ) کروڑ روپے ملے ہیں اور ۳ (تین) کروڑ روپے جی۔ آئی۔ سی سے بطور قرض لئے گئے ہیں۔ المختصر رقم ہذا فائر سروس کو جدید اور مزید کار آمد بنانے کے لئے خرچ کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ ہملوگ اس سال کے دوران ہبالا میں ایک تربیتی ادارہ کا آغاز کرنے والے ہیں۔ اس ادارہ میں فائر سروس اور اپنے شعبہ کے افسران کو تربیت دی جائے گی۔ بعد کے مرحلہ میں باہر کے لوگوں کو بھی تربیت دینے کے لئے انفراسٹرکچر کی تعمیر ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں باہر کے لوگوں کو داخلہ ملنا چاہئے اور مقررہ فیس کی ادائیگی کے بعد انہیں تربیت دی جانی چاہئے۔ البتہ انہیں پورٹ ٹرسٹ آف انڈیا، انڈین آئل وغیرہ جیسی مختلف صنعتوں اور تنظیموں کے توسط سے آنا چاہئے۔ ادارہ ہذا کے لئے عمارت کی تعمیر قبل ہی مکمل ہو چکی ہے نصاب اور دیگر تعلیمی کوائف کے بارے میں نہایت جلد ہی ساری باتیں طے پا جائیں گی۔ رفتہ رفتہ یہ ادارہ مرکزی فائر ادارہ کے معیار کا مقامی ادارہ بن جائے گا۔ ادارہ ہذا پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما اسٹانڈرڈ ٹریننگ کورس کا بھی آغاز کرے گا۔

موجودہ فائر سروس ایکٹ کے مطابق تمام کارخانہ، گودام، فلک بوس عمارتوں، بازاروں/گھروں کو آگ سے محفوظ رہنے کے اپنے انتظامات کرنے ہوں گے اور اس کے لئے انہیں ایسے ملازموں کو رکھنے ہوں گے جو کسی ریاستی سطح یا مرکزی فائر ٹریننگ ادارہ سے تربیت یافتہ ہوں۔ اسطرح نتیجہ کے طور پر یہ تربیتی پروگرام مستقبل میں مزید روزگار کے مواقع پیدا کرے گا۔

یہ ایک ریونیو کمانے والا شعبہ بھی ہے۔ آج کل فائر لائسنس جاری

کر کے یہ شعبہ سالانہ تقریباً ۹۶ لاکھ کما رہا ہے۔ اس آمدنی میں اضافہ کے لئے متعدد اقدامات روبہ عمل لائے جانے والے ہیں اور اس مقصد کے تحت بجا طور پر فائر سروس ایکٹ میں ترمیم کی گئی ہے۔ فی الحال جو ریونیو مارے جا رہے ہیں ان کو بچانے کے سلسلہ میں متعدد اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔ مزید برآں مغربی بنگال میں سروس نظامت کے تحت آٹھ ڈویژن یا قسمت ہیں اور اس ہر ایک قسمت کے لئے ایک ڈویژنل افسر مقرر ہے جو سروس نظامت کی سربراہی بھی کرتا ہے لہٰذا ایک ڈویژنل افسر کے ذمہ ایک بڑے علاقے کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ میری رائے میں یہ ایک ناقابل فہم بندوبست ہے۔ ہر ایک ضلع کے لئے کم از کم ایک ڈویژن/قسمت کا ہونا ضروری ہے اور اس کے مطابق مذکورہ قسمتوں/ڈویژنوں کی از سر نو ترتیب ہوتے جا رہی ہے۔

پٹرول پمپ والے پرخطر علاقہ میں اسنیک بارس، کار پارکنگ وغیرہ جیسے ناجائز قبضہ کی وقوع پذیری میری نگاہ میں آئی ہے۔ پٹرول پمپ کے مالکان کو موجودہ فائر سروس ایکٹ کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ پٹرول پمپ کے مالکان کو ایک نوٹس کے ذریعہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے کاروباری علاقوں سے ناجائز دکانوں کو ہٹوائیں۔ اگر یہ لوگ سرکاری نوٹس پر خاطر خواہ عمل درآمد نہیں کریں گے تو میرا شعبہ ان علاقوں سے ان ناجائز دکانوں کو ہٹوانے کی زحمت گوارا کرے گا۔

اختتام پر میں یہ بتانا چاہوں گا کہ ابھی حال ہی میں جعلی فائر لائسنسوں کے جاری کئے جانے کے تین معاملوں کا پتہ چلا ہے اور مجرموں کے خلاف خاطر خواہ کارروائی کی گئی ہے۔

جب سے میں نے بحیثیت وزیر ریاست ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اس وقت سے ہی میں اس پبلک سروس یونٹ کو از سر نو منظم کرنے اور اسے مزید مؤثر بنانے کا مکمل فیصلہ کر چکا ہوں لہٰذا میں نے اس شعبہ کے ہر ایک یونٹ کا دورہ کرنے کی بات طے کی ہے۔ اس فائر یونٹ کو ایک مثالی یونٹ بنانے کے سلسلہ میں میرے تخیل کو حقیقی روپ دینے کے لئے میں نے انگنت اقدامات اٹھائے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ مجھے پٹرول پمپ کے مالکان سے تعاون ملے گا اور اس سے دلچسپی رکھنے والے سماج کے ہر طبقہ کے تمام افراد کی مدد سے میری یہ مہم کامیابی کے زینوں سے ہوتی ہوئی کامرانی کے منارہ کو چھو لے گی۔ ■■

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور ان کی شرح خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۴ روپے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۶ روپے (مع ڈاک خرچ)	۳ روپے (مع ڈاک خرچ)

* ۱ تا ۱۵۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت * ۱۵۱ تا ۳۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
* ۳۰۱ تا ۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت * ۵۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

- آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔
- پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔
- کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 221-4295

تفصیلات کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتے پر رابطہ قائم کریں۔

Anjum
6/11/96

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳ ● ۱۵ ستمبر ۱۹۹۶ء ● شمارہ نمبر ۱۸

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ○ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسہ

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

ریاست میں بین الاقوامی یوم خواندگی منایا گیا

خواندگی پروگرام کے ذریعہ روزگار کے مواقع کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ گورنر

گورنر ایک نوخواندہ خاتون کو خواندگی کی سند دیتے ہوئے

ایک ناخواندہ کو خواندگی سے آراستہ کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایسے نوخواندہ افراد کیلئے روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہوں گے تاکہ وہ خود پر انحصار کرسکیں۔ خواندگی مہم کی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ ریاستی حکومت اس سلسلہ میں تمام ممکنہ کوششیں کررہی ہے۔ یہ بات ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گذشتہ ۸ ستمبر کو بین الاقوامی یوم خواندگی کے موقع پر کلکتہ کے رابندر سدن میں منعقدہ ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہیں۔

اس تقریب میں دیگر شرکاء میں اسکولی تعلیم کے وزیر شری کانتی بسواس، وزیر ریاست برائے توسیع عوامی تعلیم شریمتی انجو کور، وزیر ریاست برائے لائبریری صدیق شری نیمائی مال، مغربی بنگال کمیٹی برائے توسیع خواندگی کے انتظامیہ صدر شری بمان باسو اور کئی ممتاز شخصیتوں نے بھی شرکت فرمائی۔

گورنر موصوف نے دوران تقریر مزید کہا کہ انسانی وسائل کی ترقی کے لئے خواندگی بہترین آلہ کار ہے۔ آزادی کے قبل کے زمانے میں اگرچہ کافی اسکول کھولے گئے تھے لیکن عوام کی کثیر تعداد غریبی اور دیگر ناگزیر وجوہات کی بنا پر تعلیم سے دور رہی۔ پسماندہ طبقوں اور خواتین کے درمیان پڑھائی چھوڑ دینے والوں کا فیصد سب سے زیادہ ہے۔ اسی لئے خواندگی مہم کو حکومت کے اہم پروگرام کے طور پر دیکھا جارہا ہے لہٰذا ۱۴۲ لاکھ افراد کو اس پروگرام کے تحت لایا گیا اور ۱۴ لاکھ افراد کو بعد از خواندگی کے تحت لایا گیا۔ بہت سی رضاکار تنظیموں اور عوام نے اس پروگرام میں مستعدی کے ساتھ حصہ لیا۔ ہمیں بہت ہی منظم طریقہ سے اس پروگرام کو روبہ عمل لاکر مکمل خواندگی کے مرحلہ تک ہمارے ملک کو لے جانے کے لئے مصروف عمل ہونا ہے۔

اسکولی تعلیم کے وزیر شری کانتی بسواس نے اپنی تقریر میں کہا کہ مرکز کی ہدایت کے مطابق ہمیں ۲۰۰۰ تک مکمل تعلیم کے لئے انتظام کرنا ہوگا۔ اس نشانہ کو پورا کرنے کیلئے ہمیں اپنی ریاست میں دس ہزار پرائمری اسکول قائم کرنے ہوں گے اور ان دس ہزار اسکولوں کے تقریباً ۴ ہزار ٹیچروں کی تنخواہ کیلئے ۱۲۰ کروڑ روپئے سے زائد فاضل وسائل کا بندوبست ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ ریاستی حکومت اس بڑے اخراجات برداشت کرنے کی حالت میں نہیں ہے۔ اس عظیم کام میں پنچایتوں اور بلدیاتی اداروں کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

صدر جلسہ و توسیع عوامی تعلیم کی وزیر شریمتی انجو کار نے اپنی تقریر میں کہا کہ ریاستی حکومت سماجی ذمہ داریوں کے پیش نظر اس مسئلہ پر غور کررہی ہے۔ متعدد اضلاع میں یہ پروگرام مکمل خواندگی کے آخری مرحلہ میں پہنچ گیا ہے۔ انہوں نے اس مسلسل تعلیمی پروگرام کے اپنانے کا بھی ذکر کیا جس میں ماہر ٹیچروں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینے کے لئے لگایا جاسکتا ہے۔

وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں پارک سرکس پُل کے نوتعمیر شدہ حصہ کا افتتاح

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۳۰ ستمبر کو پارک سرکس ریلوے اسٹیشن کے قریب ۴ نمبر پُل پر گاڑیوں کے لئے نوتعمیر شدہ جنوبی سڑک کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت ریاست میں نئی صنعت کاری کیلئے صنعت کاروں کی ممکنہ مدد کریگی۔ ریاست کی ترقیات میں رکاوٹ پیدا کرنے کے حوالے سے سابق مرکزی حکومت کی امتیاز کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت ریاست بھر میں میعاد کے اندر مختلف ترقیاتی پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے روبہ عمل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مرکز کی دوست سرکار ریاست کے لئے فنڈ مہیا کرنے کیلئے سہولتیں فراہم کریگی۔ اس تبدیل شدہ سیاسی صورتحال میں ریاستی حکومت زرعی ترقی کو متاثر کئے بغیر تیز رفتار صنعت کاری کیلئے آگے بڑھے گی۔ انھوں نے کہا کہ کلکتہ اور ہوڑہ جیسے غیر منصوبہ بند شہروں کو راتوں رات بدلا نہیں جاسکتا۔ انھوں نے بتایا کہ ریاستی حکومت بہت جلد شمالی اور جنوبی ۲۴ پرگنہ میں مجوزہ میگا سیٹیوں کے قیام کی پہل کر رہی ہے۔

وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا اس پل کی تعمیر کو میگا سیٹی پروجکٹ کے تحت اسکیم کا جزو بتاتے ہوئے کہا کہ گوڑیا میں ایکپلائی لیک گارڈنس میں ایک اڑان پل اور پرنس انور شاہ روڈ اور بائی پاس کے درمیان ایک کنیکٹر مرحلہ وار تیار کئے جائیں گے۔

وزیر بلدیاتی امور اور شہری ترقیات شری اشوک بھٹاچاریہ نے کلکتہ میٹروپولیٹن ڈیولپمنٹ اتھوریٹی کو مقررہ وقت سے قبل اسی پل کے جنوبی سڑکوں کی تعمیر کے لئے مبارکباد دی۔ انھوں نے کہا کہ ایسی جگہ گاڑیوں کی آمد و رفت میں کافی آسانی ہوگی جہاں اہم وقتوں کے دوران فی گھنٹہ تقریباً ۳ ہزار گاڑیوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔

اس پل اور اس کے قرب و جوار کے راستوں کی تعمیر و مرمت کیلئے کل ۱۰ء۸ کروڑ روپئے کی لاگت آئی ہے جن میں ۵ کروڑ روپئے کی ذمہ داری ہگلی ریور برج کمیشن نے اٹھائی ہے جبکہ باقی رقم کلکتہ میٹرو پولیٹین اتھوریٹی نے فراہم کی ہے۔

■■

مرکزی وزیر نے حکومت مغربی بنگال کے دیہی ترقیاتی پروگرام کی سراہنا کی

مرکزی وزیر برائے دیہی علاقہ و روزگار شری کے یارن نائیڈو گذشتہ ۲۰ اگست کو مغربی بنگال میں دیہی ترقیاتی پروگراموں کی عمل پیرائی کا جائزہ لینے کے لئے کلکتہ تشریف لائے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے مختصر قیام کے دوران ریاست کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور ریاستی وزیر آراضی و اصلاحات آراضی شری سرجیہ کانت مشرا کے ساتھ الگ الگ ملاقات کی۔

اسی دن کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے مرکزی وزیر موصوف نے بتایا کہ ریاستی حکومت نے پنچایتی اداروں کی شمولیت سے اصلاحات آراضی کے ذریعہ دیہی ترقیات و روزگار پر خصوصی زور دیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے گذشتہ ۴ تا ۵ جولائی کو دہلی میں ان لوگوں کے کانفرنس میں متعلقہ پروگراموں کو منظور کیا ہے۔ اس پروگرام کے حزو کے طور پر مرکزی حکومت مندرجہ ذیل باتوں کو یقینی بنائے گی۔ (۱) تمام دیہاتوں اور شہروں میں پینے کے پانی کی سپلائی (۲) سڑکوں کی تعمیر کے ذریعہ تمام دیہاتوں کے ساتھ رابطہ کا قیام اور (۳) اسکول کی عمارتوں اور ۲۰۰۰ تک تعلیمی امداد کے ساتھ سب کے لئے تعلیم۔

نیز (الف) سب کیلئے مکانات کی تعمیر (ب) تمام پرائمری اسکول کے طالب علموں کیلئے دن کے کھانا کی فراہمی (ج) لازمی اشیاء کی سپلائی کی ضمانت (د) دیہاتوں اور شہروں میں تمام عوام کے لئے بنیادی طبی خدمات کی فراہمی جیسے پروگراموں کو ۲۰۰۵ء تک مکمل کر دیا جائے گا۔ انھوں نے بتایا کہ نویں پانچسالہ منصوبہ میں ان پروگراموں کو روبہ عمل لانے کیلئے ۳۰ ہزار کروڑ روپئے مختص کئے گئے ہیں اور آئندہ منصوبہ میں روزگار کے مواقع کی توسیع کے لئے رقم دوگنی کردی جائیگی۔

ریاستی وزیر آراضی و اصلاحات آراضی شری سرجیہ کانت مشرا نے کہا کہ دیہی ترقیاتی پروگراموں کو ریاستی حکاموں کے ساتھ بات چیت کے بعد تیار کرنے کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کی کوشش بہت حد تک ہی اور قابل تعریف ہے۔ ■■

مرکزی وزیر شری کے یارن نائیڈو رائٹرس بلڈنگس میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ساتھ ترقیاتی امور پر بات چیت کرتے ہوئے۔

ریاستی حکومت پولس کی بنیادی سہولتوں کی جدت کاری چاہتی ہے

شری بدھادیب بھٹاچاریہ

ریاستی وزیر اطلاعات وثقافتی امور و داخلہ (پولس) شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے گذشتہ ۲۹ اگست کو ۲۴ پرگنہ (جنوب) ضلع پولس ہیڈ کوارٹرس میں انتہائی جدید کمیونیٹی پولسنگ کنٹرول روم کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت ریاستی پولس کو امن وامان کی صورت حال برقرار رکھنے کی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنے مسائل حل کرنے کے لئے عام لوگوں کی مدد کرتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے۔

وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ اگرچہ فنڈ کی کمی کی وجہ سے پولس انتظامیہ کی انتہائی ضرورت طلب جدت کاری کے پروگرام کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے تاہم ریاستی حکومت نے پولس کی لازمی سہولتوں کی جدت کاری کے لئے پائیلٹ پروگرام کو باضابطہ طور پر اپنایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس پروجکٹ کے جزوکے طور پر کمیونیٹی پولسنگ سسٹم کو سالٹ لیک، درگاپور، بولپور، شانتی نکیتن اور سلی گوڑی میں چالو کر دیا گیا ہے۔ جو سسٹم علی پور میں چالو کیا گیا ہے وہ انتہائی اعلیٰ سطح کا ہے۔ ریاستی حکومت ان سہولتوں کی ہوڑہ، ہگلی، بارکپور کے صنعتی علاقوں اور ریاست کے دیہی علاقوں میں بھی جہاں تک ممکن ہے توسیع کرے گی۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ کمیونٹی پولسنگ سسٹم پولس اور عوام کے درمیانی خلیج میں پل قائم کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے انھوں نے پولس پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنے کے سلسلہ میں عام لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے موجودہ سماجی نظام کے اندر رہ کر بھی پولس والوں کو ممکنہ حد تک ایماندار ہونے کی ضرورت پر زور دیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے پولس والوں کو دی گئی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں انتظامیہ کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے بھی عام لوگوں سے اپیل کی۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ فی الحال بہالا، جادوپور، کسبا اور ضلع ۲۴ پرگنہ کے ریجنٹ پارک تھانہ کے علاقوں کے عوام ٹیلی فون میں گھومانے سے کمیونیٹی پولسنگ سسٹم کی سہولتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ دیگر تھانوں کے علاقوں میں مرحلہ وار سہولتوں کی توسیع کی جائیگی۔

اس جدید کنٹرول روم سے تلجلا، ہیشتلہ، سونارپور، بریپور، وشنوپور اور بج بج سمیت اس ضلع کے صنعتی علاقوں کے زیادہ سے زیادہ ۱۳ پولس اسٹیشنوں کے ساتھ بہتر مواصلاتی رابطہ قائم کرنے میں کافی مدد بھی پہنچے گی۔

یہ کنٹرول روم جرائم کی کنٹرولنگ کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو بے وقت ایمبولنس کا انتظام، ایمرجنسی کے وقت ٹیکسی کی دستیابی کے سلسلہ میں اطلاع کی فراہمی اور ریل کی آمد ورفت کے اوقات کی اطلاع وغیرہ جیسے معاملوں میں مدد پہنچائے گا۔

مرکزی وزیر محنت کے نام ریاستی وزیر محنت کا مکتوب

ریاستی وزیر محنت شریمتی شانتی گھٹک نے حال ہی میں مرکزی وزیر محنت شری ایم۔ اروناچلم کو اپنے ایک خط کے ذریعے ریاستی حکومت کے موقوف سے آگاہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ اسٹینڈنگ لیبر کمیٹی کے ۳۳ ویں سیشن میں بحث و مباحثہ کے بعد حاصل شدہ نتائج پر عمل کرنے سے قبل آل انڈین لیبر کانفرنس اور وزراء محنت کی کانفرنس میں بحث کرلی جائے۔ وزیر موصوف کے خط کا اردو متن درج ذیل ہے:

ڈیر شری اروناچلم!

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسٹینڈنگ لیبر کمیٹی کا ۳۳واں سیشن آئندہ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۹ء کو نئی دہلی میں منعقد ہوگا۔

اس سیشن میں موضوع بحث وہ موضوعات ہیں جن پر انڈین لیبر کانفرنس اور وزراء محنت کی کانفرنس سمیت مختلف میٹنگوں پر گفت و شنید ہوچکی ہے۔ ہم پہلے ہی سابقہ حکومت کے وقت اپنے خیالات کا اظہار کرچکے ہیں۔ ہم بہت سی تجاویز پر رضامند نہیں ہیں۔ مرکزی ٹریڈ یونینوں نے بھی پہلے کی میٹنگوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے اور پیش ناموں میں بہت سی تجاویز پر اعتراض کیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جن پیش ناموں کو سابقہ میٹنگوں میں اٹھایا گیا تھا انھیں بلا کسی ترمیم کے اسٹینڈنگ لیبر کمیٹی کے ۳۳ ویں سیشن میں بحث و مباحثہ کے لئے دوبارہ پیش کیا گیا ہے۔

بہرحال میرے لیبر سکریٹری ریاستی حکومت کے نمائندہ کی حیثیت سے اس سیشن میں شرکت کریں گے۔

میں یہ تجویز رکھوں گا کہ اس سیشن میں برآمد ہونے والے نتائج پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جائے جب تک کہ ان پر انڈین لیبر کانفرنس اور وزراء محنت کی کانفرنس میں مزید بات چیت نہیں کرلی جائے۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس پر غور کریں گے اور اس مقصد کے تئیں مناسب قدم اٹھائیں گے۔

بعد خلوص

بخدمت
شری ایم۔ اروناچلم
وزیر برائے محنت
حکومت ہند
شرم شکتی بھون
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱

مخلص
دستخط: شانتی گھٹک

مرکزی وزیر برائے صنعت کے نام ریاستی وزیر محنت شری شانتی گھٹک کا مکتوب

ڈی او نمبر ۱۷۶۴۳ ایل - ایم،

مورخہ ۲۷/۲۸ اگست ۱۹۹۶ء

ڈیئر شری!

آپ اس امر سے واقف ہوں گے کہ سنٹرل پبلک سکٹر کی مزدوروں کی اجرتوں پر مغربی بنگال میں صنعت وار سمجھوتوں کے ذریعہ ہر تیسرے سال گفت و شنید ہوتی ہے اور کوئی نہ کوئی بات طے پاتی ہے۔ انجینئرنگ صنعت سے منسلک آخری سمجھوتہ جس کی میعاد ۳۰ اپریل ۱۹۹۵ء کو ختم ہوگئی، پر فی الحال گفت و شنید ہو رہی ہے۔ مغربی بنگال میں سی پی ایس یونٹوں کے سربراہ حضرات ہی اس گفت و شنید میں حصہ لے رہے ہیں لیکن ہندوستانی صنعت (مشرقی علاقہ) کے اتحاد عظیم کے پیچھے چھپا ہوتا ہے۔

پہلوگوں کو گفت و شنید کے مراحل میں خصوصاً مصارف زندگی میں اضافہ کی بے اثری کے مقدار کے تعین کے علاقہ میں زبردست رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بے اثری کی سطح جو ایک روپیہ پچھتر پیسے تھی نئے سمجھوتہ کے تحت بڑھ جائے گی۔ آجروں نے ایک روپیہ ۸۵ پیسے فی نکتہ، بطور شرح ۱۰ پیسے کے اضافہ کی پیشکش کی ہے۔ اس حقیر اضافہ سے ٹریڈ یونینوں کو فطری طور پر بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ اس کے مقابلہ میں حکومت ہند نے مذکورہ بے اثری کے اسباق میں سی پی ایس یونٹوں کے افسران، کلرکوں اور ذیلی عہدیداران کو ۲ روپئے فی نکتہ کی شرح سے مذکورہ رقم دینے کی اجازت دی ہے۔ ان وائٹ کالر (اعلیٰ افسران) کو وہ دیگر اضافی سہولتیں بھی عطا کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ کارخانوں کے پیداواری کام میں مصروف رہنے والے مزدوروں کو محروم رکھا گیا ہے۔ یہ اضافہ شدہ مہنگائی بھتہ بھی پانچ برسوں سے زائد کے لئے سابقہ نفاذ کے ساتھ دیا جاتا ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق کریں گے کہ ایک ہی تنظیم میں رہتے ہوئے اس طرح کی تفریق کی اجازت نہیں دی جانی چاہیئے۔ بلیو کالر اور وائٹ کالر والے کارکنوں کے درمیان ایسی تفریق پسند اجرت کی سطحیں مزدوروں کے اخلاق کو متاثر کریں گی۔ صنعتی تعلقات پر مضر اثرات ڈالیں گی اور مجموعی طور پر پیداواری عمل کو پورے طور پر تہس نہس کر دیں گی۔ میرے خیال میں اس طرح کی غیر منصفانہ غیر منطقانہ تفریق رخصت ہونے والی مرکزی حکومت کی تشکیل و ترتیب شدہ رہنما اصول پر عمل درآمد کا نتیجہ ہے۔

مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کلکتہ میں سی پی ایس یو ٹ کے منتظموں نے گفت و شنید کے دوران اس سلسلہ میں منفی رجحان اپنایا ہے۔ پی ایس یو کے انتظامیہ کے اس عدم تعاون کا رجحان ہی اس بات کا اصل سبب ہے کہ بات چیت تعطل پر اختتام کو پہنچی ہے۔ اسی کی وجہ سے صنعتی تعلقات میں غیر ضروری اور ناقابل گریز اختلاف وقوع پذیر ہو گیا ہے۔

مجھے مکمل یقین ہے کہ موجودہ مرکزی حکومت اپنے پیش کردہ مزدور دوست رجحانات کے تحت مزدوروں اور دیگران کے لئے مہنگائی بھتہ اور دیگر فوائد میں بے اثری کی تفریق پسند سطحوں کو برقرار رکھنا پسند نہیں کرے گی۔

میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس معاملہ پر تفتیش کریں اور مناسب طور پر پی ایس یو کے انتظامیہ کو مشورے دیں۔ اگر آپ مذکورہ انتظامیہ کو موزوں رہنما اصول جاری کریں تو مجھے لگتا ہے کہ کسی فیصلہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط : شانتی گھٹک

بخدمت شری مورو سولی ماران
وزیر برائے صنعت
حکومت ہند
ادیوگ بھون
نئی دہلی - ۱۱۰۰۱۱

ممتاز کسان لیڈر، مغربی بنگال اسمبلی کے سابق اسپیکر اور بائیں محاذ حکومت کے سابق وزیر قانون سید منصور حبیب اللہ کا گذشتہ ۱۲ستمبر۱۹۹۷ کی صبح کو پارک سرکس کی رہائش گاہ میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۹۷ سال تھی اور ان کے سوگوار خاندان میں ان کی ایک لڑکی اور داماد ہیں۔

منصور حبیب اللہ کی موت کی خبر ملتے ہی سی پی ایم کے سینئر لیڈر اور سابق وزیر شری بنوئے چودھری، وزیر داخلہ (پولس)، اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ، وزیر سیاحت شری مانب مکھرجی، سی پی آئی (ایم) کے لیڈر شری بیمان بوس، سی پی آئی (ایم) کے لیڈر شری بیم سین، کلکتہ کارپوریشن کے میئر شری پرشنتا چٹرجی، کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری دنیشور ناتھ کھرے اور دوسرے لیڈران کی رہائش گاہ پہنچے۔

الہ آباد سے ارسال کردہ ایک تعزیتی پیغام میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے منصور حبیب اللہ کی موت پر اپنے گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارے بہت پرانے ساتھی تھے وہ ریاستی مجلس وزارت کے سینئر سابق رکن اور ریاستی اسمبلی کے اسپیکر رہے۔ کامریڈ حبیب اللہ نے ساری زندگی سنگرامی عوام کے ساتھ رہ کر عوامی تحریک کی قیادت کی۔ وہ ایک طرف محب وطن تھے تو دوسری جانب صاحب علم و فراست۔ انھوں نے مختلف قسم کی ذمہ داریوں کو حسن و خوبی پورا کیا۔ انھوں نے ہمیشہ عام لوگوں کے قریب رہ کر اپنی پوری زندگی لوگوں کی خدمات کے لئے وقف کردی تھی۔ ان کی اس خودسپردگی سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

سینئر کمیونسٹ لیڈر اور سابق وزیر آراضی و اصلاحات آراضی شری بنوئے چودھری نے ان کی موت پر ان کے اہل خاندان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ میں کامریڈ منصور کو بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ ابتدائی دور میں طلبا اور نوجوانوں کی تنظیموں کے ساتھ منسلک رہے۔ ایک وقت وہ صوبائی کسان سبھا کے سکریٹری رہے۔ آزادی کے قبل ۱۹۴۶ء میں کلکتہ کے فساد کے خلاف ان کا کردار کافی دلیرانہ تھا۔ ساری زندگی وہ سنجیدگی و متانت سے کام انجام دیتے رہے حتیٰ کہ آخری دنوں میں سخت علالت کے باوجود بنگلہ پتریکا کے لئے لکھتے رہے۔ کامریڈ منصور حبیب اللہ کی انتہائی سنجیدگی اور پرخلوص سلوک نے ان کو سب کی نظر میں ہردلعزیز بنا دیا تھا۔ ان کی موت سے جو عظیم نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کے لئے ہم سبھوں کو ذمہ داری لینی ہوگی۔

منصور حبیب اللہ کے سانحہ ارتحال پر مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی، بائیں محاذ کے چیئرمین شری سیلن داس گپتا، بائیں محاذ کے دیگر لیڈران اور پردیش کانگریس کے لیڈروں نے بھی اپنے سوگ کا اظہار کیا۔

حکومت مغربی بنگال نے عظیم رہنما کی موت کے سوگ میں سوموار (۱۴ ستمبر) کے دن نصف روز کی چھٹی کا اعلان کردیا۔

مرحوم کی میت کو قبرستان لے جانے سے قبل جلوس کی صورت میں سب سے پہلے رائٹرس بلڈنگس لایا گیا جہاں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور و داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹاچاریہ، وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا، وزیر اقلیتی امور شری محمد امین، وزیر قانون شری نشیتھ ادھیکاری، وزیر خوراک شری کلیم الدین شمس، ریاستی چیف سکریٹری [illegible] ان کے جسد خاکی

پر گلہائے عقیدت چڑھاکر خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد ان کے جنازے کو کلکتہ ہائی کورٹ لے جایا گیا جہاں انھیں مختلف تنظیموں کی جانب سے گلہائے عقیدت پیش کئے گئے۔ اس کے بعد ان کی میت کو مغربی بنگال اسمبلی لایا گیا جہاں اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم، چیف وہپ شری رابن منڈل، کلکتہ کے ڈپٹی میئر شری نبیل رتن سنہا نے آخری خراج عقیدت پیش کیا۔ وہاں سے ان کی میت کو سی پی آئی (ایم) کے ریاستی دفتر میں لایا گیا یہاں سے ان کی میت جلوس کی شکل میں اچاریہ جگدیش چندر بوس روڈ سے ہوکر گوبرا قبرستان میں ختم ہوا۔

سید منصور حبیب اللہ ۱۷ر نومبر ۱۹۱۷ء میں بردوان شہر میں پیدا ہوئے۔ بردوان ٹاؤن اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں کلکتہ اسکاٹش چرچ کالج سے بی اے پاس کیا۔ کلکتہ یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم۔ اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۳۵ء سے ان کی باضابطہ سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ اسی سال باطل قرار دی گئی کمیونسٹ پارٹی کے زیر قیادت جد و جہد آزادی میں انھوں نے حصہ لیا۔ کامریڈ منصور حبیب اللہ کل ہند اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور بنگال صوبائی کسان سبھا کے اساسی ممبروں میں سے ایک تھے۔ وہ صوبائی کسان سبھا کے سکریٹری بھی رہے۔ وہ بردوان میونسپلٹی کے کاؤنسلر بھی تھے۔ ۱۹۴۲ء میں انھیں سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے مدناپور میں گرفتار کرلیا گیا۔ وہ کچھ عرصہ کے لئے جن یودھا اخبار کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء کے فساد میں انھوں نے ایک دلیرانہ کردار ادا کیا تھا۔ ملک تقسیم ہونے کے بعد پارٹی کی ہدایت پر وہ اس وقت کے مشرقی پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں رنگ پور میں وہ پھر گرفتار ہوگئے۔ ۱۹۵۰ء میں راج شاہی جیل میں شورش کے بعد پولس کی گولی چلانے کی وجہ سے وہ شدید زخمی ہوئے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مشرقی پاکستان سے انھیں نکال دیا گیا۔ ہندوستان آنے کے بعد وہ دیاساگر کالج میں وہ پروفیسر ہوگئے لیکن سیاسی بنیاد پر انھیں برخاست کردیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں وہ قانون داں کی حیثیت سے کلکتہ ہائی کورٹ سے منسلک ہوگئے۔ وہ سی پی آئی (ایم) کی مغربی بنگال ریاستی کمیٹی کے سابق ممبر بھی تھے اور زندگی کے آخری ایام تک وہ بردوان ضلع کمیٹی کے ممبر رہے۔ کامریڈ منصور حبیب اللہ ۱۹۷۷ء سے متواتر تین بار بردوان کے نادن گھاٹ حلقہ سے ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں پہلی بار بائیں محاذ حکومت کی تشکیل کے وقت وہ ریاستی اسمبلی کے اسپیکر چنے گئے۔ ۱۹۸۲-۸۹ء میں وہ بائیں محاذ حکومت کے وزیر قانون ہوئے۔ بنگال کے کسانوں کے مسائل پر ان کی بہت سی نگارشات ہیں۔ انھوں نے مسلم وقف پر انگریزی میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں وقف کے طریقوں اور تاریخ پر بحث کی گئی ہے۔

سید منصور حبیب اللہ ایک عظیم مفکر، سیاستداں اور مصنف کے ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ ان کے حسن سلوک اور حسن کردار نے ان کو عوام میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ انہیں عام لوگوں سے ملنے میں عار نہیں تھا۔ ہر ضرورت مند اور پریشان حال شخص کا سننے والا منصور حبیب اللہ کبھی غرور و نخوت کے شکار نہیں ہوئے۔ ہر ملنے والے کیلئے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہا۔ ان کی موت سے علم و ادب و سیاست کا زبردست نقصان ہوا ہے۔

اسی دن شام کو ان کے جسد خاکی کو گوبرا گورستان میں پورے اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کردیا گیا۔ ■■
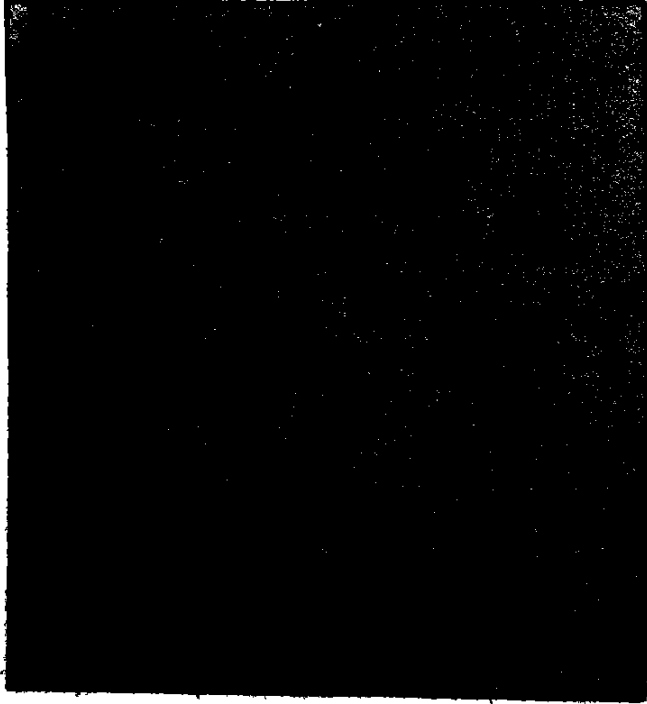
مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کی از سر نو تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے ایک نوٹی فیکیشن کے ذریعہ ۳۰ اگست ۹۶ء سے دس ممبران پر مشتمل مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کی تشکیل کا اعلان کر دیا ہے۔ اس سے قبل ۶ ممبروں پر مشتمل یہ کمیشن ڈاکٹر ظفر اوگانوی کی چیئرمین شپ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس نئے اقلیتی کمیشن کے چیئر پرسن پروفیسر منال شاہ القادری ہوئے ہیں اور شریمتی النورہ جہاں مرزا اس کی وائس چیئر پرسن مقرر ہوئی ہیں۔

ریاستی وزیر برائے اقلیتی امور شری محمد امین نے گذشتہ ۱۰ ستمبر ۹۶ء کو رائٹرس بلڈنگس میں اخباری نمائندوں کے ساتھ ایک ملاقات میں بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ اس اقلیتی کمیشن میں اس بار پارسی فرقہ کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ سکھ فرقہ کے کسی نمائندے کو ابھی تک شامل نہیں کیا گیا ہے۔ بدھ مت کے ماننے والوں میں سے بھی ایک نمائندے کی شمولیت ہوگی۔ اس طرح اس نئے اقلیتی کمیشن کے کل ممبران دس سے بڑھ کر بارہ ہو جائیں گے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اس نو تشکیل شدہ کمیشن کی میعاد تین سال کی ہوگی۔ وزیر موصوف نے سرکاری نوٹی فیکیشن کے حوالے سے نئے اقلیتی کمیشن کے ممبروں کے نام کا اعلان کیا جو درج ذیل ہیں:

شری منال شاہ القادری، شریمتی النورہ جہاں مرزا، ڈاکٹر مظہر حسین ایم ایل اے، شری آنند پاٹھک سابق ایم پی، شری سی این پین انتھونی ریٹائرڈ آئی اے ایس، شری ضیاء الدین احمد اور شری ادی بالوجی رسادی۔ ان کے علاوہ مغربی بنگال اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کے ایک نمائندہ بہ لحاظ عہدہ، اقلیتی ترقیاتی و رفاہی شعبہ حکومت مغربی بنگال کے سکریٹری بہ لحاظ عہدہ اور مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کے ممبر سکریٹری بھی اس کے ممبران ہوں گے۔

وزیر موصوف کے چیمبر میں پریس نمائندوں کے درمیان شری منال شاہ القادری بھی موجود تھے۔ انھوں نے اسی دن اپنے عہدہ کی ذمہ داری سنبھال لی۔ واضح ہو کہ اس بار اقلیتی کمیشن کی تشکیل مذہبی و لسانی دونوں بنیاد پر نامزد ممبروں کی شمولیت سے ہوئی ہے۔

چیئر پرسن ڈاکٹر منال شاہ القادری ڈاکٹر ظفر اوگانوی مرحوم کے بعد مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کے دوسرے جز وقتی چیئر پرسن ہوئے ہیں۔ آپ اپنی علمی و خانقاہی وابستگی کی وجہ سے کافی مقبول ہیں۔ آپ اس وقت کلکتہ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی و فارسی کے پروفیسر، فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین اور آسولوتوش پروفیسر ہیں۔

شریمتی النورہ جہاں مرزا مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کی پہلی وائس چیئر پرسن ہوئی ہیں۔ ان کا تعلق شروع سے درس و تدریس سے رہا۔ پہلے آپ کلکتہ کارپوریشن کے کئی ایک پرائمری اسکولوں میں ہیڈ مسٹریس رہیں۔ پھر انسپکٹر آف اسکولس اور اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر ہوئیں۔ فی الحال آپ کلکتہ کارپوریشن کی ایجوکیشن آفیسر ہیں اور کئی سماجی اور اصلاحی تنظیموں کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اس نئے اقلیتی کمیشن میں آنند پاٹھک اور سی این پین انتھونی، ڈاکٹر مظہر حسین، محمد ضیاء الدین اور ادی بالوجی [illegible]

نندن کا گیارہویں یوم تاسیس منایا گیا

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے گذشتہ ۲۷ ستمبر کو کلکتہ میں نندن کے گیارہویں یوم تاسیس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ جس مقصد کے لئے نندن کا قیام عمل میں آیا تھا وہ بلاشبہ کافی حد تک پورا ہوا ہے۔ تاہم ہمیں ریاست میں فلم کلچر کے لئے مناسب ماحول کی ترقی کے لئے ہنوز طویل مسافت طے کرنی ہے۔

جشن یوم تاسیس اپنی نوعیت کی بے نظیر تقریب تھی۔ ممتاز شاعر اور فنکار شری پرسد و پاتری نے نندن کے ستیہ جیت رے فلم ارکائیو کے لئے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور کو "یاتھر پنچالی" کا اصل مسودہ پیش کیا۔ آنجہانی بھانو سندھو پادھیہ کی اہلیہ شریمتی نیلیما بندھو پادھیہ نے کچھ ان فلموں کی تصویریں پیش کیں جن میں اس کے شوہر نے اداکاری کی تھی۔ آکاش وانی کلکتہ کے اسٹیشن ڈائرکٹر نے ستیہ جیت کی تقریر اور انٹرویو ٹیپ کئے ہوئے ریکارڈس وزیر موصوف کے حوالے کیا۔

اس موقع پر دیگر مہمانوں میں پرانے فلم آرٹس اور نندن کے ٹرسٹ اور تی بورڈ کے صدر شری بسنت چودھری، مشہور فلم ڈائرکٹرس شری باسو چٹرجی اور بدھا دیب داس گپتا، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے پرنسپل سکریٹری شری سو جیت شنکر چٹو پادھیہ اور دیگر موجود تھے۔

وزیر موصوف نے اپنی تقریر کے دوران بتایا کہ ریاستی حکومت نے اچھی فلموں کی ہمت افزائی اور ترقی کیلئے متعدد پروگرام اپنائے ہیں۔ ریاستی حکومت کی پہل کی بنا پر گذشتہ سال سے یہاں بین الاقوامی فلمی تہوار شروع کیا گیا ہے دوسرا تہوار اس سال نومبر میں منایا جائے گا۔

انھوں نے بتایا کہ علمی شائقین کیلئے ایک لائبریری اور ایک فلم آرکائیو کھولے گئے ہیں۔ نندن کے حکاموں نے فلم سازی پر متعدد ورک شاپ کا انعقاد کیا۔ آرکائیو کو مزید مالا مال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ نندن کو قومی فلم سنٹر کی حیثیت دینے کے لئے مرکزی حکومت سے کہا گیا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کے ایسے فلم مراکز کے ساتھ تال میل قائم کرنے کے لئے مسلسل کوششیں جاری ہیں۔ ریاستی حکومت کی جانب سے ثقافتی اقدار کے ساتھ اچھی فلموں کی ترقی کے کام ایسا کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے بتلایا کہ یہ صرف ریاستی حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کوشش میں تمام متعلقین کو سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا ہوگا۔

وزیر موصوف نے ریاست کی فلم صنعت کے حالیہ بحران پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سبھوں کو اس بحران پر سوچنا ہے اور اس کے قابل قبول حل تلاش کرنی ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں فلم کے نقادوں اور سوسائٹیوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا اور کہا کہ ریاستی حکومت فلمی صنعت میں نئے خون دوڑانے کیلئے انفرادی خیالات کو متعلق شکل دینے کی کوشش کررہی ہے۔

اس تقریب میں شری باسو چٹرجی، شری بدھا دیب داس گپتا، شری پرنندو پاتری، شری بسنت چودھری اور شری سو جیت شنکر چٹو پادھیہ نے بھی اظہار خیال کیا۔

اس موقع پر میرن مکھرجی پر ایک دستاویزی فلم — لیونگ لیجنڈس اور باسو چٹرجی کی ہندی فلم "تریہ چرترا" دکھائی گئیں۔

تحریک عدم تعاون ـــــــ سودیشی کا جذبہ

تحریک عدم تعاون، درحقیقت، قومی تحریک کے سلسلے میں کئے جانے والے بہت سے اولیں اقدامات کی نقیب تھی۔ یہ تحریک ۱۹۲۰ سے ۱۹۲۲ء تک تقریباً دو سال تک چلی تھی۔ اس تحریک نے عوام کو ایک قوم کے طور پر اور سب سے زیادہ اہم یہ کہ عدم تشدد دانہ طریقوں سے، جدو جہد آزادی کا فیصلہ کن مرحلہ شروع کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ پہلی بار کُل ہند پیمانے پر "سودیشی" کے جذبے کی تشہیر کی گئی تھی اور کھادی کو عوام میں مقبول بنایا گیا تھا۔ کسانوں اور مزدوروں کو بھی قومی تحریک میں شامل کیا گیا تھا اور اس طرح جدوجہد آزادی کو صحیح معنوں میں ایک عوامی تحریک بنایا گیا تھا۔

سودیشی کا جذبہ

کل ہند کانگریس کمیٹی نے ۵ نومبر ۱۹۲۱ء کو دہلی میں تحریک عدم تعاون چلانے کا اختیار دیا تھا۔ لوگوں پر اپنی سرکاری ملازمت چھوڑنے، برطانوی عدالتوں سے دور رہنے، اسکولوں اور کالجوں سے اپنے بچوں کا داخلہ ختم کرانے نیز انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کے لئے زور دیا گیا تھا۔ چرخہ پروگرام کے ایک حصے کے طور پر عوام پر رضاکارانہ طور سے کتائی کرنے کا کام شروع کرنے کیلئے زور دیا گیا تھا۔ اس سرگرمی کا مقصد یہی عوام کو پہچان کی ایک علامت بنانا اور سودیشی کی راہ پر تیزی سے گامزن کرنا تھا۔ سودیشی کے جذبے کا احیاء قابل دید تھا۔ اس کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ سی۔ آر۔ داس اور موتی لعل نہرو جیسے وکیلوں نے اپنی وکالت ترک کر دی تھی۔

قومی تعلیمی ادارے

تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں ایک اہم اقدام کافی تعداد میں قومی اسکولوں اور کالجوں کا قیام تھا، جن میں سے اہم علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ جسے بعد میں دہلی منتقل کیا گیا، بنارس میں کاشی ودیا پیٹھ اور گجرات ودیا پیٹھ ہیں۔ ان اداروں سے سودیشی کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

سیاسی اور معاشی امور

معاشی بائیکاٹ کافی کامیاب رہا اور ایک مؤثر ہتھیار ثابت ہوا۔ یہ بائیکاٹ تحریک عدم تعاون کا ایک اہم حصہ تھا۔ درحقیقت، عدم تعاون کی تحریک کے سلسلے میں کاروباری لوگوں کی حمایت سے برطانوی کیمپ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

چنانچہ تحریک عدم تعاون کا زور مسائل کو یکجا کرنے اور طبقاتی تقسیم کے خاتمے کی کوشش کرنے پر تھا۔ گاندھی جی نے چھوت چھات کو ختم کرنے کے سلسلے میں پُرخلوص کوشش کی۔ وہ اس معاملہ کو پہلی بار قومی سیاست میں نمایاں کرنے میں کامیاب ہوئے۔ تحریک عدم تعاون ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھی، جس کا مقصد سودیشی کے ذریعے قومی فخر و امتیاز کو بحال کرنا، اہم سماجی اور معاشی امور اٹھانا اور ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ درحقیقت، یہ ایک پہلا قدم تھا جو ایک قوم نے اپنی حقیقی پہچان کی تلاش میں اٹھایا تھا۔

تحریک عدم تعاون کو اس کے اس پیغام کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے کہ آزادی صرف عدم تشدد دانہ طریقوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس تحریک کا پیغام آج کے زمانے میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ سودیشی کے جذبے کو آج بھی عوام کے دلوں میں از سر نو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

(بشکریہ: پی آئی بی)

بچوں کو ماں کا دودھ پلانا ہماری سماجی ذمہ داری ہے

ماں کا دودھ پلانے سے بچہ اور ماں دونوں مستفید ہوتے ہیں۔ اکثر ماں پر دباؤ کچھ ایسا پڑتا ہے کہ وہ دودھ پلانے کیلئے متوجہ ہونے اور مناسب وقت دینے کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ بہت سی وجوہات کی بنا پر متاثر ہو جاتا ہے۔

چھاتی کے دودھ پلانے پر ایک طبقہ کے ہمہ جہت اثرات کو تسلیم کرتے ہوئے یونیسف اور وائلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے ۱۹۹۱ء میں بچہ دوست ہسپتال مہم (بی ایف ایچ آئی) شروع کی۔ اس مہم کا مقصد ان ہسپتالوں اور زچہ خانوں میں ماں کے دودھ پلانے کے رواج کا فروغ و تحفظ ہے۔ جہاں ماں کے دودھ پلانے کے عمل کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ابتک بی ایف ایچ آئی مہم میں ۱۷۰ ممالک اور دنیا بھر سے چار ہزار ہسپتالوں نے حصہ لیا ہے۔ جون ۱۹۹۶ء تک ہندوستان کے ۸۵۰ ہسپتالوں کو بچوں کے دوست ہسپتال کی سند دی گئی ہے۔ ان ہسپتالوں میں کلکتہ سے مندرجہ ذیل ہسپتال شامل ہیں۔ (۱) این آر ایس میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال (۲) میڈیکل کالج ہسپتال (۳) نیشنل میڈیکل کالج (۴) آر جی کار میڈیکل کالج (۵) رام کرشنا مشن سیوا پرتشٹھان (۶) شمبھو ناتھ پنڈت ہسپتال (۷) ایم آر۔ بانگر ہسپتال اور ایس ایس کے ایم ہسپتال۔

ہندوستان ان ۴۲ ملکوں میں سے ایک ہے جو ماں کے دودھ کے متبادل کی مارکٹنگ کے انٹرنیشنل کوڈ پر عمل درآمد کرتے رہے ہیں۔ یہ کوڈ (دفعہ) بتاتی ہے کہ مصنوعی خوراک (دودھ کی) کو سمجھانے کیلئے کوئی لفظ یا تصویر نہیں ہونی چاہیئے۔ ان ممنوع تصاویر میں بوتلوں کے لیبل پر بچوں کی تصویر بھی شامل ہے۔ اس مقصد کیلئے بچوں کے دودھ کا متبادل و دودھ پینے کی بوتل کے خلاف انفینٹ فوڈ ایکٹ، ۱۹۹۲ء، یکم اگست ۱۹۹۳ء نافذ کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت بچوں کے دودھ کے متبادل اور دودھ پینے کی بوتل کے فروغ اور اشتہار کو قانون شکن قرار دیا گیا ہے ایسے مجرموں کو ۵ ہزار روپئے کا جرمانہ یا چھ مہینوں کی جیل کی سزا ہو سکتی ہے۔ ●●

بقیہ: ماں کا دودھ — ایک نعمت: باقی ص ۱۶ کا

اسباب کو یقینی بنانے کیلئے اقدامات بھی کئے گئے ہیں کہ شیر خوار بچوں کے لئے دودھ کے متبادل کی مارکٹنگ میں اس طرح کا تاثر نہیں دیا جائے کہ یہ مصنوعات ماں کے دودھ کے مساوی یا اس سے بہتر ہیں شیر خوار بچوں کیلئے دودھ کے متبادل کے استعمال اور اسکی فروخت کو بڑھاوا دینے کے سلسلے میں اس طرح کے متبادل، دودھ پلانے کی بوتلوں نیز اطلاعاتی اور تعلیمی مواد کی سپلائی اور تقسیم کی ممانعت ہے۔

جو شخص بھی مذکورہ قانون کے ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا، اسے چھ مہینے سے تین سال تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔ یا دو سے پانچ ہزار روپئے تک کا جرمانہ کیا جا سکتا ہے یا جرمانہ اور سزا دونوں ہی کی جا سکتی ہے۔ (بشکریہ پی آئی بی) ■■

ماں کا دودھ ___ ایک نعمت

ڈاکٹر (شریمتی) سرلا گوپالن

جدید سائنس اور ٹکنالوجی بھی ماں کے دودھ کے مقابلے میں شیر خوار بچوں کیلئے بہتر خوراک تیار نہیں کر سکی ہے۔ ماں کا دودھ شیر خوار بچوں کی غذائی اور نفسیاتی ضروریات پوری کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

بدقسمتی سے، نہ صرف ترقی یافتہ ممالک میں بلکہ بہت سے ترقی پذیر ممالک میں بھی ماں کا دودھ پلانے کے رواج میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی ہے۔ ان ممالک میں شیر خوار بچوں کو صحت کے لئے بہت ہی مضر دودھ کی ایسی مصنوعی متبادل خوراک دی جاتی ہیں جن کا معیار بہت ہی خراب ہوتا ہے! اس طرح غذائیت کی کمی اور بیماریوں کے واقعات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ ان دولوں کی وجہ سے بیشتر ترقی پذیر ممالک میں شیر خوار بچوں نیز پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی شرح اموات زیادہ رہتی ہے اور ان بچوں میں بیماریوں کے واقعات بھی بہت زیادہ رہتے ہیں۔

ماں کے دودھ میں غذائیت کا معیار

سائنسی تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کے دودھ اور گائے کے دودھ کے اجزا کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ماں کے دودھ میں غذائیت کے غیر معمولی معیار کو کافی پہلے سے ہی تسلیم کیا جا چکا ہے۔ یہ دودھ آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ اس دودھ میں پروٹین زیادہ حل پذیر شکل میں ہوتا ہے جسے شیر خوار بچے بآسانی ہضم کر لیتے ہیں۔ گائے کے دودھ میں ماں کے دودھ کے مقابلے میں زیادہ پروٹین ہوتے ہیں۔

یہی صورت حال ماں کے دودھ میں چکنائی اور کیلشیم کے معاملے میں بھی ہے۔ یہ چیزیں بھی بآسانی ہضم ہو جاتی ہیں۔ ماں کے دودھ میں جو مٹھاس (لیکٹوز) ہوتی ہے، اس سے بھی بچوں کو طاقت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک حصہ آنتوں میں جاکر، لیکٹک ایسڈ میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے آنتوں میں موجود نقصان دہ جراثیم مر جاتے ہیں نیز کیلشیم اور دیگر معدنیات کے ہضم ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ ماں کے دودھ میں وٹامن مثلاً تھیامائن، وٹامن اے، وٹامن سی پائے جاتے ہیں۔ دودھ میں ان وٹامنوں کی مقدار کا انحصار ماں کی خوراک پر ہوتا ہے۔ عام حالات میں، اس دودھ سے ان وٹامنوں کی مناسب مقدار فراہم ہو سکتی ہے۔

ماں کے دودھ میں قدرتی طور سے بیماریوں سے محفوظ رکھنے کی خاصیت ہوتی ہے۔ یہ خوبی کسی اور دودھ میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اس دودھ میں بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا یہ عمل خاص طور سے ان ترقی پذیر ممالک کے لئے اہم ہے، جہاں بیماریوں کے واقعات بہت زیادہ ہوتے ہیں اور شیر خوار بچوں کے لئے صاف ستھرے طریقے سے خوراک تیار کرنے کے سلسلے میں سہولیات کی کمی ہے۔

ماں کا دودھ پلانے کا رواج

خوش قسمتی سے ہندوستان میں ماں کا دودھ پلانے کا رواج تقریباً عام ہے لیکن خاص طور سے شہری علاقوں میں اس رواج میں کمی واقع ہو رہی ہے، جہاں ماں کا دودھ پلانے کے بجائے، بوتل سے دودھ پلانے کے رواج میں تیزی آ رہی ہے، جس کے نتیجے میں بچوں میں غذائیت کی کمی واقع ہو رہی ہے اور ان میں بیماریوں کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ماں کا دودھ پلانے کے اس رواج کو برقرار رکھا جائے اور اسے فروغ دیا جائے۔

چھوٹے بچوں سے متعلق اعلانیہ

عالمی طور سے، حکومتوں نے شیر خوار بچوں، ماؤں اور وسیع پیمانے پر سماج کے لئے ماں کا دودھ پلانے کی اہمیت اور فوائد کی از سر نو توثیق کی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں بچوں کے حقوق کے بارے میں کنونشن میں چھوٹے بچوں سے متعلق اعلانیہ اور عالمی چوٹی کانفرنس کے اعلانیہ میں، جس پر ہندوستان نے بھی دستخط کئے ہیں، ماں کے دودھ کی اہمیت پر توجہ مرکوز کرائی گئی ہے۔ فروری ۱۹۹۲ء میں ورلڈ الائنس فار بریسٹ فیڈنگ ایکشن (ڈبلیو اے بی اے) قائم کیا گیا تھا جس کا اہم

کریچ سے متعلق قومی فنڈ

حکومت ۱۲۰۰۰ سے زیادہ کریچ چلا رہی ہے تاکہ ملازمت پیشہ عورتوں کو سہولت مل سکے۔ حکومت نے ۱۹۹۴ میں ۱۹ و ۱۹ کروڑ روپئے سے کریچ سے متعلق قومی فنڈ قائم کیا ہے تاکہ مزید کریچ کے لئے بڑھتی ہوئی مانگ پوری کی جا سکے۔ اب تک اس فنڈ سے ۹۴۴ کریچ کے لئے امداد کی منظوری دی جا چکی ہے۔ غیر منظم شعبے میں ملازمت پیشہ ماؤں کی مدد کرنے کے لئے تقریباً ۲۹۹ آنگن واڑی مرکزوں کو آنگن واڑی اور کریچ مرکزوں میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔

مزید برآں خوراک اور غذائیت سے متعلق بورڈ ۲۷ ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں واقع خوراک اور غذائیت سے متعلق اپنے ۴۳ اجتماعی توسیعی یونٹوں کے ذریعے ماں کا دودھ پلانے کے رواج کو فروغ دینے کا کام انجام دے رہا ہے۔ یہ کام وہ غذائیت کے بارے میں تعلیم اور تربیت کے پروگراموں کے ذریعے کر رہا ہے۔

ملازمت پیشہ ماؤں کیلئے امدادی خدمات

اپنا دودھ پلانا ایک عورت کا حق ہے۔ بیشتر عورتیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانا چاہتی ہیں، بشرطیکہ انھیں ایسا کرنے کے سلسلے میں سہولیات مہیا کی جائیں۔ اپنا دودھ پلانے سے ایک عورت اپنے ساتھ اپنے بچے کی بھی اچھی صحت برقرار رکھ سکتی ہے۔

ہر ماں خواہ گھر سے باہر یا گھر کے اندر ایک کام کرنے والی ماں ہوتی ہے۔ بیشتر عورتیں جو اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانا چاہتی ہیں، کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ اپنا دودھ پلانے کا خیال چھوڑ دیتی ہیں اور جزوی طور سے یا علامتی طور سے اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ سماج کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ان کی مجبوریوں کو دور کرنے کے لئے آگے آئیں۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ ملازمت پیشہ عورتوں کے لئے امدادی خدمات فراہم کرے۔ زچگی کے سلسلے میں چھٹی، کام کرنے کے اوقات میں اپنے شیر خوار بچوں تک ان کی رسائی اور ان کے بچوں کی ایسی دیکھ بھال کی سہولیات ہونے کی وجہ سے جس کے اخراجات وہ برداشت کر سکیں، عورتیں بہتر کام کر سکتی ہیں۔ بچوں، عورتوں، کنبوں اور ملازمین سبھی کو اس سے فائدہ ہوگا۔

ماں کے دودھ کا متبادل

گزشتہ برسوں میں، کاروباری لوگ ماں کے دودھ کی جگہ بیچے

مقصد ماں کا دودھ پلانے کے رواج کو برقرار رکھنا اور اسے فروغ دینا تھا۔ اس کے علاوہ، یکم اگست سے ۷ اگست تک کے ہفتے کو ماں کا دودھ پلانے کا سالانہ عالمی ہفتہ قرار دیا گیا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں ہندوستان کی پارلیمنٹ نے شیر خوار بچوں کے لئے دودھ کی متبادل اشیاء، دودھ پلانے کی بوتلوں، شیر خوار بچوں کی خوراک کی تیاری، سپلائی اور تقسیم کے ضابطے سے متعلق قانون ۱۹۹۲ء اختیار کیا تھا۔

غذائیت سے متعلق قومی پالیسی

۱۹۹۳ء میں، حکومت ہند نے غذائیت سے متعلق پالیسی اور ۱۹۹۵ء میں غذائیت کے بارے میں قومی منصوبۂ عمل اختیار کیا تھا۔ چھوٹے بچوں کی غذائیت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں جن اہم اقدامات کی سفارش کی گئی ہے، ان میں ایک یہ ہے — "ماؤں کو غذائیت اور صحت کے بارے میں تعلیم دینا" نیز "صحت اور غذائیت کے بارے میں تعلیم کے ذریعہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت حاصل کرنا"

اس پس منظر میں، ماں کا دودھ پلانے سے متعلق عالمی ہفتہ ۱۹۹۴ء کا موضوع ہندوستان کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ماں کا دودھ پلانے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت ہند نے اس رواج کو فروغ دینے اور اسے برقرار رکھنے کے سلسلے میں متعدد اقدامات کئے ہیں۔ بچوں سے متعلق قومی منصوبۂ عمل میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں میں غذائیت کی کمی کو دور کرنے کے سلسلے میں جو نشانے مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک نشانہ ہے "تمام عورتوں کو اس قابل بنانا کہ وہ خاص طور سے چار سے چھ ماہ تک اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلا سکیں نیز دوسرے سال بھی وہ یہ سلسلہ جاری رکھ سکیں"۔ غذائیت سے متعلق قومی پالیسی اور غذائیت سے متعلق قومی منصوبہ عمل میں ماؤں کو غذائیت اور صحت کے بارے میں تعلیم دینے پر زور دیا گیا ہے۔

حکومت نے ایسی غیر سرکاری تنظیموں کو بھی نامزد کیا ہے، جو قانون کی خلاف ورزی کے سلسلے میں عدالتوں سے رجوع کر سکتی ہیں۔ خواتین اور بچوں کی ترقی کے محکمے نے قومی سطح پر جن غیر سرکاری تنظیموں کو نامزد کیا ہے ان میں یہ تنظیمیں شامل ہیں — سماجی بہبود سے متعلق مرکزی بورڈ، بچوں کی بہبود سے متعلق ہندوستانی کونسل، تحفظ اور صحت کے سلسلے میں صارفین کے اقدام سے متعلق انجمن اور ہندوستان میں ماں کا دودھ پلانے کے رواج کو فروغ دینے سے متعلق نظام۔

کم غذائیت اور مضر صحت متبادل کو فروغ دینے کی مسلسل کوششیں کرتے ہیں۔ اس شیرخوار بچے کی خوراک پر جسے ماں کا دودھ نہیں پلایا جاتا غریب گھرانے کا ماہانہ آمدنی کا خرچ ہوتا ہے۔ اس میں اس بچے کے علاج معالجے کے اخراجات شامل نہیں ہیں، کیونکہ یہ بچہ بیماریوں کا زیادہ شکار ہوتا ہے۔ بوتل سے دودھ پینے والے بچے کو ڈائریا کی بیماری زیادہ لاحق ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ چونکہ بہت سے کنبے اس طرح کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے، اس لئے بیشتر بچوں کو کم غذائیت والا دودھ ملتا ہے جس کی وجہ سے ان میں غذائیت کی کمی رہتی ہے۔

ماں کے دودھ کا کوئی متبادل نہیں

اس بات کو عالمی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ شیرخوار بچوں کے لئے ماں کے دودھ کا کوئی متبادل نہیں ہے۔

شیرخوار بچوں کو ماں کا دودھ پلائے جانے سے شیرخوار بچوں کی زندگی کی شروعات بہترین ہوتی ہے۔ بچوں کو ماں کا دودھ پلانے سے ان کو وہ غذائیت فراہم ہوتی ہے، جس کی انھیں صحت مند نشوونما کے لئے انتہائی ضرورت ہوتی ہے۔ ماں کے دودھ میں وہ اجزاء شامل ہوتے ہیں، جن سے شیرخوار بچوں کو بیماریوں اور الرجیوں سے محفوظ رکھنے میں اس وقت تک مدد ملتی ہے جب تک کہ بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے خود ان کے نظام کی نشوونما مکمل نہیں ہو جاتی۔

ماں کے دودھ کے فوائد

بچے کی پیدائش کے بعد پہلے کچھ دنوں میں ماں کے دودھ میں کولسٹرم پیدا ہوتا ہے۔ یہ پروٹین سے بھرپور ایسی ایک غذا ہے جس سے بچہ عمر بھر کی کئی مستقل جاری بیماریوں جیسی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ صرف ماں کے دودھ سے ہی بچے کو ایسے پروٹین اور دیگر اجزاء فراہم ہوتے ہیں جو اس کی زیادہ سے زیادہ ذہنی نشوونما کے لئے ضروری ہیں۔

حاملہ عورتوں کو ماں کا دودھ پلانے کے فوائد کے بارے میں بتایا جانا چاہئے تاکہ کوئی بھی بچہ ماں کو معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ماں کے دودھ کے فوائد سے محروم نہ رہے خواہ اس بچے کی پیدائش گھر میں ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔ اسی بات کے پیش نظر، حکومت بیداری پیدا کرنے کے مختلف پروگراموں کے ذریعے بچوں کو ماں کا دودھ پلائے جانے کی تشہیر کر رہی ہے۔

تجارتی مصنوعات کے مضر اثرات

حالیہ عرصے میں، ایسے معاملات دیکھنے میں آئے ہیں، جن میں تجارتی مصنوعات کی تشہیر ماں کے دودھ کے متبادل کے طور پر کی جاتی رہی ہے۔ درحقیقت ان تجارتی مصنوعات سے شیرخوار بچوں کو بیماریوں سے بچاؤ کے لئے ضروری طاقت فراہم نہیں ہوتی ہے۔ طبی طور سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ بوتل سے دودھ پینے والے بچے کو اسہال اور انفلوئنزا جیسی بیماریاں ہونے کا ۱۴ گنا زیادہ خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

غلط اطلاعات کی روک تھام کیلئے قانون

تجارتی مصنوعات کے بارے میں غلط اطلاعات کی تشہیر کئے جانے کی روک تھام کرنے کی غرض سے شیرخوار بچوں کے لئے دودھ کے متبادل، دودھ پلانے کی بوتلوں اور شیرخوار بچوں کی خوراک کی تیاری، سپلائی اور تقسیم کے ضابطے سے متعلق قانون، ۱۹۹۲ء منظور کیا گیا ہے۔ قواعد و ضوابط کا اعلان گزٹ آف انڈیا مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء میں کر دیا گیا ہے۔ اس قانون میں کہا گیا ہے کہ شیرخوار بچے کی خوراک سے متعلق ہر ایک تعلیمی نیز سمعی و بصری مواد میں ماں کا دودھ پلائے جانے کے فوائد اور اس کے بہتر ہونے کے بارے میں واضح اطلاعات ہونی چاہئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، اس قسم کے مواد میں شیرخوار بچوں کیلئے دودھ کا استعمال کرنے کے مالی اور سماجی اثرات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی جانی چاہئیں۔ اس مواد میں شیرخوار بچوں کے لئے دودھ کے متبادل اور دودھ پلانے کی بوتلوں کا غلط استعمال کرنے سے خطرات کے بارے میں واضح اطلاعات فراہم کی جانی چاہئیں۔

صحتی امور سے متعلق افسران اور عملے کے لئے اس بات کی ممانعت ہے کہ وہ شیرخوار بچوں کے لئے دودھ کے متبادل یا دودھ پلانے کی بوتلوں کی فروخت یا تقسیم کو فروغ دینے کے سلسلے میں اپنے لئے یا اپنے کنبے کے کسی رکن کے لئے کسی قسم کی مالی ترغیب قبول کریں۔ اگر صحتی امور سے متعلق کسی کارکن کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کسی قسم کی مالی ترغیب دی جاتی ہے یا اس پر کوئی رقم خرچ کی جاتی ہے، تو اس کے بارے میں اس تنظیم یا ادارے کو مطلع کیا جانا چاہئے جس سے وہ کارکن وابستہ ہے۔

مذکورہ قانون میں شیرخوار بچوں کے لئے دودھ کے متبادل یا دودھ پلانے کی بوتلوں کے اشتہارات کی ممانعت ہے۔ قانون میں

میں

پڑھنا چاہتی ہوں، لکھنا چاہتی ہوں

——— حکومت مغربی بنگال

MAGHRFBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
September 15, 1996

REGD No WB/CC-596
Vol No 43 Issue No 18
Price 50 Paise

Chief Editor Tarun Bhattacharya, Asst Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Dept of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipen Bihari Ganguly Street, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳ ▪ یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء ▪ شمارہ نمبر ۱۹

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے ● نصف سالانہ : پانچ روپئے

* فی شمارہ کی قیمت :- ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر !

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور ، حکومت مغربی بنگال

۱۷ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ ،

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

* پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل ، بلاک ۔ ا

رائٹرس بلڈنگس ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext : 710

قرض پر مبنی روزگار پروگرام — نئی امید کی ایک کرن

• ریزرو بینک کے گورنر اور وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بات چیت کرتے ہوئے

گزشتہ ۲۷ اگست کو کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریاست میں قرض سے وابستہ روزگار پروگراموں پر منعقدہ ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مغربی بنگال میں عام طور پر بینکوں کی جانب سے نسبتاً کم قرض دینے کے سلسلہ میں افسوس ظاہر کیا اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی اسکیموں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت اور بینکوں کے نمائندوں کے درمیان اس مسئلہ پر گفت و شنید ہونی چاہیئے۔ انھوں نے بتایا کہ فائدہ بخش پیداوار کی حمایت کے لئے روزگار کے مواقع کے مفاد میں قرض بندی میں مناسب اضافہ کرنے کے سلسلہ میں انھیں مشترکہ مثبت اقدامات کرنے چاہئیں۔ انھوں نے ریاست میں صنعت زراعت اور دیگر سیکٹروں میں حال میں دکھائی دینے والی زبردست ترقی کی لہروں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت کی جانب سے مضبوط دلالت اور اس میں اضافہ کے لئے متواتر گفت و شنید کے باوجود مغربی بنگال (۵۲ فیصد) کے پبلک سیکٹر بینکوں میں قرض۔ جمع کا تناسب نہ صرف کل ہند اوسط (۶۱ فیصد) سے کم ہے بلکہ تامل ناڈو (۹۶ فیصد)، آندھرا پردیش (۸۳ فیصد)، مہاراشٹر (۷۹ فیصد) اور کرناٹک (۷۲ فیصد) میں جمع۔ قرض کے تناسب سے بھی کم ہے۔ انھوں نے کہا کہ ریاست کے دیہی اور نیم شہری علاقوں میں اس کی صورت حال انتہائی افسوسناک ہے۔

اگر قرض جمع کے تناسب میں حاشیائی اضافہ کے تئیں ہوا تو ریاستی سطح میں قرض اور جمع کے درمیان یہ وسیع خلا ایک قابل تشویش امر بن جائے گا۔ شری باسو نے کہا کہ اس کے پیچھے اگر کوئی وجہ ہو تو اس پر بینکوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر اس کی وضاحت کر دینی چاہیئے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے بتایا کہ مانگ کے مطابق قرض کی حصولیابی

کا فیصد، لازمی سہولتوں کی دستیابی اور ریاستی گھریلو پیداوار کی شرح افزائش، قرض کی اس کم فراہمی کے متعینہ اسباب بنی ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ قرض (جو عام طور پر زرعی سیکٹر کے لئے دستیاب ہیں) کی حصولیابی پر حالیہ معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی بنگال کے لئے ہمہ جہت حصولیابی کا فیصد ۳۵ فیصد کے قومی اوسط کے تقریباً برابر ہے۔ مزید برآں مغربی بنگال میں کچھ اہم عوامی سیکٹر بینکوں کے لئے حصولیابی کا فیصد قومی اوسط سے زیادہ ہے اور جو ۷۰ فیصد کو پار کر جاتا ہے۔ کوآپریٹیو بینکوں کے لئے باہمی حد حتی کہ ۸۰ فیصد تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ریاستی حکومت نے قرض کی حصولیابی کے طریقہ کار کو تیز تر کرنے کے سلسلے میں بینکوں کے ساتھ تمام تعاون کے لئے اپنے آفیسروں اور پنچایتی نمائندوں کو واضح طور پر ہدایت کر دی ہے۔

مغربی بنگال ہندوستانی معیشت کی نگرانی کے لئے مرکز (سی ایم آئی ای) کی جانب سے چلائی جانے والی لازمی سہولتوں (توانائی، آبپاشی، سڑکوں، ریلویز اور پوسٹ آفس) کی دستیابی کے ریاستی وار اعشاریہ کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔ مغربی بنگال کے لئے یہ اعشاریہ بہار (۱۱۱)، آندھرا پردیش (۱۰۳) اور کرناٹک (۹۷) ساتھ ہی کل ہند اوسط (۱۰۰) سے تجاوز کر گیا ہے۔

گذشتہ پانچ برسوں کے دوران ریاستی گھریلو پروڈکٹ کی سالانہ شرح افزائش کا اوسط (۹٫۵ فیصد) ملک کے کل گھریلو پروڈکٹ کی سالانہ شرح افزائش کے اوسط (۷٫۴ فیصد) سے بہت زیادہ رہا ہے۔ زراعت سے حالیہ ریاست وار معلومات کے مطابق مغربی بنگال میں غذائی اجناس کی پیداوار کی سالانہ شرح (۹٫۵ فیصد) کل ریاستی اوسط کی سالانہ شرح افزائش (۸٫۲ فیصد) کے مقابلہ میں بہت زیادہ رہی ہے۔ صنعتی پیداوار پر اعشاریہ کی سالانہ شرح افزائش ۱۹۹۵ء کے ۸٫۳ فیصد میں مزید ۱۹۹۶ء کے دوران ۱۲٫۷ سے بھی زائد بڑھنے کی امید کی جاتی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے امید ظاہر کی ہے کہ تمام مذکورہ اسباب پر غور و خوض کرنے کے بعد بینک ہر سیکٹر میں خاطر خواہ قرض کی توسیع میں اضافہ کرنے کے لئے آگے آئیں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ عام طور پر صنعتی، زرعی اور خدماتی سیکٹروں کے لئے اور بالخصوص صنعت و خدمات میں چھوٹی یونٹوں اور زراعت میں چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے لئے اور خاص طور پر ان سیکٹروں سے متعلقہ قرض پر مبنی خود۔ روزگار اسکیموں

کے لئے قرض کی گنجائش کے لئے جو ضرورت ہے، وہ انتہائی تشویشناک ہو گئی ہے۔

انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت اور بینکوں کو چاہئے کہ وہ حالیہ مالی سال میں تمام خود روزگار اسکیموں کے تحت روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے نشانوں کو پورا کرنے کے لئے ایک مشترکہ پروگرام کو مرتب کریں۔ انھوں نے بینکنگ سیکٹر سے کہا کہ وہ ریاستی بجٹ برائے ۱۹۹۶ء میں مجوزہ قرض مبنی خود۔ روزگار پروگراموں کے لئے اپنا دست تعاون بڑھائیں۔

اس میٹنگ میں دیگر شرکاء میں ریزرو بینک کے گورنر، ڈپٹی گورنر، ریاستی وزیر مالیات، سنٹرل بینک، الہ آباد بینک، یونائیٹڈ کمرشیل بینک، اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک، ویسٹ بنگال فائنانشیل کارپوریشن اور اسٹیٹ لیول بینکرس کمیٹی کے چیئرمین اور ریاست کے چیف سکریٹری موجود تھے۔

ریاستی وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا نے اس موقع پر اپنی تقریر میں قرض پر مبنی جاری خود۔ روزگار پروگراموں اور قرض پر مبنی روزگار کے مواقع کی افزائش کے سلسلے میں نئی اسکیم پر روشنی ڈالی۔ وزیر موصوف نے چھوٹے پیمانے کی صنعتی و پیداواری یونٹوں کی ترقی کے ذریعہ شہری اور نیم شہری علاقوں کے لئے ایک خصوصی روزگار پروگرام کو بحث و مباحثہ کے لئے پیش کیا۔

ریزرو بینک کے گورنر شری سی رنگا راجن نے اپنی تقریر میں بینکوں کے ذریعہ قرض کی فراہمی میں اضافہ کے لئے ریاست کی مانگ کو منظور کیا اور اس بات پر بھی اپنی رضامندی ظاہر کی کہ ایک سال کے اندر موجود ۲۵ فیصد سے ۴۵ فیصد قرض جمع کے تناسب میں اضافہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت اور بینک کے نمائندے بینک کی جانب سے مالی امداد سے مستفید ریاست کی صنعتی اسکیموں میں قرض کی بھاری حصولیابی کے لئے مشترکہ اقدامات کریں گے۔

انھوں نے بینک کے قرض کی ادائیگی میں قرض داروں کی ایک فہرست تیار کرنے کی تجویز کو بھی منظور کیا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جن کا تعلق کارپوریٹ ہاؤسز سے ہے۔ ■■

بنیادی خدمات پر وزراء اعلیٰ کانفرنس

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریاستی حکومت کے موقف کی وضاحت کی

گذشتہ ۴-۵ جولائی کو نئی دہلی میں وزیر اعظم کی جانب سے منعقدہ کم از کم بنیادی خدمات پر مبنی وزرائے اعلیٰ کی دو روزہ کانفرنس میں بولتے ہوئے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ان سات نکات پر زور ڈالا جن کو یونین گورنمنٹ کی فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ نکات یہ ہیں: ہر آبادی والے علاقہ میں محفوظ پینے کے پانی کی گنجائش، مؤثر ابتدائی حفظان صحت کی گنجائش، عوامی رہائشی سہولت کی فراہمی، گاؤں اور دیہات کو جانے والی رابطہ سڑک کی تعمیر، بچوں کو تغذیائی امداد کی فراہمی، غریبوں کو خصوصی توجہ کا مستحق گردانتے ہوئے عوامی نظام تقسیم کی از سر نو تشکیل، عالمگیر پرائمری تعلیم اور خواندگی کی توسیع کے اقدامات۔

چونکہ مندرجہ بالا تمام مسائل آپس میں ناقابل تقسیم طور پر وابستہ و پیوستہ ہیں اس لئے وزیر اعلیٰ موصوف نے یہ بات واضح طور پر کہا کہ ان کو علیحدہ علیحدہ طور پر روبہ عمل نہیں لایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے عوامی شرکت کو پر یقین بنانے کے تحت عمل درآمد کے طریقۂ کار و عمل میں میونسپل اور پنچایت اداروں کی شمولیت پر زور ڈالا۔

انھوں نے کہا کہ رضاکار ایجنسیاں بھی جمہوری اور لامرکوز ڈھانچہ کے ایک جزو کے طور پر ایک کردار ادا کرسکتی ہیں بشرطیکہ مذکورہ تنظیموں کو خصوصاً مقامی اداروں اور عموماً ریاستی حکومت کے سامنے جواب دہ ہونا پڑیگا۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے مزید فرمایا کہ نشانوں کی حصولی کے لئے ریاستی حکومتوں کو ٹھیک حالیہ مالی سال کے دوران سے ہی خاطر خواہ طور پر اپنے منصوبہ بند اخراجات میں اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ریاستی حکومتوں کی تنگ مالی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے انھیں چند مزید گنجائش رکھنے کی گنجائش کی فراہمی کے سلسلہ میں دو ٹھوس تجاویز سے نوازا ہے۔

وزیر اعلیٰ موصوف کی تقریر کا متن ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

جناب وزیر اعظم، دیہی علاقوں اور روزگار کے یونین وزیر، دیگر یونین وزراء، ساتھی وزرائے اعلیٰ، ریاستوں کے دیگر وزراء، یونین اور ریاستی حکومتوں کے حکام!

میں اس اجلاس کو خوش آمدید کرتا ہوں۔ اس اجلاس کے ایجنڈا میں شامل موضوعات ان سات مسائل سے وابستہ و پیوستہ ہیں جو ہمارے ملک کے عوام کی کثیر اکثریت کیلئے نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مسائل کو درست طور پر فی الحال مرکز میں قائم متحدہ محاذ حکومت کے کم از کم پروگرام میں شامل کیا گیا ہے اور ان پر سنجیدگی کے ساتھ عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ مسائل ہذا قومی اہمیت کے حامل ہیں لیکن یہ ریاستوں کے دائرہ عمل میں آتے ہیں۔ لہٰذا ان مسائل پر مبنی پروگراموں کی صحیح تشکیل اور ان پر مؤثر عمل درآمد کیلئے مرکز اور ریاست کے درمیان ایک مناسب تال میل کا ہونا نہایت ہی لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسطرح کی ایسی نشست کافی مفید ثابت ہوسکتی ہے اور اسے میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

شروع میں ہی ہم لوگ یہ بات ذہن نشین کرسکتے ہیں کہ ان مسائل پر مبنی بیشتر پروگراموں کو مرکز اسپانسر کررہی ہے اور دیگر پروگراموں کو ریاست اسپانسر کررہی لیکن خصوصاً ان تمام پروگراموں کو جو ریاستی سطح کے موضوعات سے متعلق رکھتے ہیں ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ دسمبر ۱۹۹۵ء میں

منعقدہ ۳۴ ویں قومی ترقیاتی کاؤنسل کی نشست میں باتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ریاستی موضوعات سے وابستہ مرکز کی جانب سے اسپانسر کردہ تمام پروگراموں کو ان کے فنڈس کے ہمراہ ریاستوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔ بہرکیف اس فیصلہ پر ابتک عمل در آمد نہیں ہوا ہے۔ محدود حد تک کم از کم پروگرام میں اس منتقلی کو روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں فی الحال حلف لیا گیا ہے۔ جب ہم لوگ ایجنڈا میں شامل مسائل پر فیصلہ لینے جا رہے ہیں تو اس کے ساتھ ہمیں مرکز کی جانب سے اسپانسر کردہ متعلقہ پروگراموں کو مع فنڈس ریاستوں کو منتقل کرنے کے سلسلہ میں بھی فیصلہ لینا چاہیئے۔ اس منتقلی کے بعد مرکز اور ریاستوں کے درمیان تال میل کے بعد نکلنے والے نتائج کے تحت ان پروگراموں پر وسیع رہنما اصول کی تشکیل عمل میں لائی جا سکتی ہے اور تب ریاستوں کو عمل در آمد کے سلسلہ میں مناسب وفاقی لچک دی جا سکے گی۔ ایسی صورت حال ہی میں متوازی محاسبہ اور میعاد باقاعدہ مرکز۔ ریاست مشترکہ جائزہ عمل میں لایا جانا ممکن ہو سکتا ہے۔

ان پروگراموں کی تشکیل و عمل در آمد میں لامرکوزیت کے طریقۂ عمل کو مرکز سے ریاست کی جانب ہی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ریاستی سطح سے ضلع سطح اور نچلی سطح تک جانا چاہیئے تاکہ دیہی علاقوں میں پنچایتوں کے ذریعہ اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں کے ذریعہ مقامی اور عام لوگوں کو اس میں شامل کیا جا سکے۔ ہماری ریاست میں گذشتہ انیس[19] برسوں سے ہر پانچ سال کے اختتام پر پنچایتوں اور میونسپلٹیوں میں باقاعدگی کے ساتھ انتخابات کروا کر اختیارات کی لامرکوزیت روبہ عمل لائی جا رہی ہے۔ اس لامرکوزیت کے عمل میں ہم لوگوں کو محتاط رہنا چاہیئے کہ ہم لوگ کبھی بھی ریاستی سطح کو کتراکر نہیں نکلیں اور مرکز اور پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے درمیان مرکوز زدہ تعلق قائم کریں جس کے تحت اضلاع کو مرکز کی جانب سے براہ راست فنڈس مختص کیئے جائیں۔ کچھ اسی نوعیت کی کوششیں ماضی میں کی گئی ہیں۔

ان اہم مسائل سے جڑے پروگراموں پر کسی فیصلہ پر پہنچنے کے دوران ہم لوگوں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ شہری علاقوں خصوصاً شہری علاقوں کے عام لوگوں کی جانب سے ہم غفلت

نہ برتیں۔ اس کے ساتھ عام پس منظر کے طور پر اب مجھے مذکورہ ایجنڈا کے ہر ایک موضوع کا پُر مغز مشاہدہ کرنے دیجیئے۔

ہر آبادی والے علاقے میں محفوظ پینے کے پانی کی گنجائش :

مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں ۸۰۳۷۷ ادارے ہیں۔ سنہ ۱۹۹۶ مارچ کے اختتام تک موصول حالیہ اعداد و شمار کے مطابق مذکورہ بالا اداروں میں تقریباً ۷،۳ فیصد ادارے ایسے ہیں جہاں مذکورہ سہولت ابتک بہم پہنچائی نہیں گئی ہے۔ ۲۷،۰ فیصد ایسے علاقے ہیں جہاں جزوی طور پر سہولت ہذا پہنچائی گئی ہے اور ۳،۶۹ فیصد ایسے علاقے ہیں جہاں مذکورہ بالا سہولت کلی طور پر حالیہ قومی قاعدہ کے مطابق پہنچائی گئی ہے۔ اگر حالیہ پانچ برسوں کی مدت کے اندر ۵۰۷ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کا کیا جانا ممکن ہو پاتا ہے تو مذکورہ مدت کے اندر ہماری ریاست کے ۱۰۰ فیصد دیہی علاقوں تک مذکورہ پانی کی سہولت بہم پہنچانے میں ہم لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں (یعنی سالانہ حالیہ ۸۰ کروڑ روپئے کے مقابلہ میں ۱۵ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری اگر ہم کر پاتے ہیں)۔

گرمی کے مہینوں میں خصوصاً اکثر پانی کی سطح معینہ سطح سے نیچے گر جانے سے جڑے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بطور احتیاط اس مسئلہ سے نپٹنے کی خاطر کل مطلوبہ فنڈ میں عام ٹیوب ویلوں کو ایک ایسے مارک۔ III پمپ نظام میں منتقل کرنے کا خرچ بھی شامل کرنا ہوتا ہے اور مذکورہ پمپ کے چلانے کے اخراجات مقامی طور پر برداشت کیئے جا سکتے ہیں۔

مزید برآں ہماری ریاست کے سنکھیا سے متاثر علاقوں میں محفوظ پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے مزید ۵۰۷ کروڑ روپئے کی لاگت آسکے گی اور اس کے لئے حکومت کو ایک تناظری منصوبہ پیش کیا جا چکا ہے۔

آنے والی کل لاگت کا تخمینہ کرنے کے بعد، مذکورہ پروگرام کے ترجیح کے حامل ہونے کے باعث مرکز کو بھی اس کے روبہ عمل میں لانے کی لاگت میں شریک ہونا ہوگا۔ عام علاقوں کے لئے کم از کم ۵۰ فیصد اور سنکھیا سے متاثر علاقوں کے لئے ۷۵ فیصد مرکز کو فنڈ فراہم کرنے ہوں گے اور تب متعلقہ فنڈ کی منتقلی ریاستوں کو ریاستی سطح

پر مناسب لچک کے ساتھ کی جائے گی جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔
شہری پینے کے پانی کی سپلائی کے مسئلہ کو دیکھنے کی نہایت ہی شدید ضرورت ہے۔ بحالت دیگر اس مسئلہ پر شہر و دیہات میں ایک عدم توازن کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ آج سے قبل حکومت ہند شہری پانی کی سپلائی کی اسکیموں میں کبھی بھی شریک کار نہیں رہا ہے۔ تیز رو شہری پانی سپلائی پروگرام ۹۵-۱۹۹۴ء میں شروع ہوا۔ اس کے تحت ۲۰۰۰۰ سے نیچے آبادی والی میونسپلٹیوں کے لئے محض ۵۰۵۰ لاگت ساجھیداری کی اجازت ملتی ہے لہٰذا ہماری ریاست کی میونسپلٹیوں کی کل تعداد کا ۱۰ فیصد اس کے تحت آتی ہے۔ تمام میونسپلٹیوں میں اس پروگرام کو توسیع دینا لازمی ہے۔ اسے ان علاقوں تک پہنچانے کی زیادہ ضرورت ہے جو علاقے معیاری (سنکھیا) کے مسائل سے دوچار ہیں۔ مرکز کو چاہیئے کہ وہ تمام علاقوں کے لئے کم از کم ۵۰ فیصد اور خصوصی مسائل سے دوچار علاقوں کے لئے ۷۵ فیصد کی ساجھیداری برداشت کرے۔

پانی کی سپلائی اسکیموں کے قیام کے بعد انھیں چالو رکھنے اور اخراجات کی برقراری کی تکمیل کی ذمہ داری دیہی علاقوں میں پنچایتوں کو اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں کو سونپ دینی چاہیئے۔ جہاں کہیں ممکن ہو ان سے مستفیض ہونے والی کمیٹیوں کی شرکت کے ساتھ مقامی لوگوں کو انھیں چالو رکھنے اور ان کی برقراری کے کام میں متعلقہ مقامی اداروں کو نگراں بنا کر ملوث کیا جانا چاہیئے اور انھیں چالو رکھنے اور ان کی برقراری کے اخراجات بھی کئے جانے چاہئیں۔ پنچایتوں کی نگرانی میں دیہی علاقوں کی اسکیموں کو چالو رکھنے کے سلسلہ میں خانہ دار مستفیضوں کے درمیان خواتین کی شمولیت کا ایک نہایت ہی مثبت تجربہ ہماری ہی ریاست میں ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ کچھ معاملوں میں ان لوگوں نے مرمت کے سلسلہ میں تربیت حاصل کی اور ان لوگوں نے مقامی خدمات مراکز بھی قائم کیئے۔ اس سلسلہ میں رضاکارانہ چندے بھی مستفیض ہونے والے خانہ داروں سے ملے اور ان رقوم کو مقامی بینکوں میں رکھ دیا گیا اور وقتاً فوقتاً باقاعدگی کے ساتھ مرمت اور برقراری کے کاموں میں استعمال کیا گیا۔ ہر ریاست کو اس بات کی پوری آزادی ہے کہ وہ اسکیموں کی تشکیل و ترتیب کے اپنے طریقۂ کار کا خاکہ تیار کرے اور ان کو مقامی خصوصیات اور تنظیمی تیاری کو مدنظر رکھتے ہوئے روبہ عمل لائے۔

زمینی پانی اسکیموں کے سلسلہ میں ہم لوگ قومی طور پر اس رائے پر عمل کرتے ہیں کہ ریاستی سطح پر مناسب قانونی کارروائی کے ساتھ زمینی پانی کے استعمال پر ایک جامع سماجی تسلط ہونا چاہیئے اور بعد ازاں اس کے عمل درآمد میں مقامی اداروں کو ملوث کرنا چاہیئے۔

مؤثر بنیادی حفظانِ صحت کی گنجائش:

انسداد حفظان صحت سہولت پر خاطر خواہ زور دینے اور انسداد حفظان صحت سہولت اور بنیادی شفا بخش ادویائی معالجہ کے درمیان تال میل پر لازمی توجہ دینے کے لئے ہم لوگوں کو چاہیئے کہ ہم لوگ ہر ریاست میں ایک مضبوط بنیادی حفظان صحت نظام کو فروغ دیں۔ اس سلسلہ میں ایک میعادی (یعنی خواہ ۵ سالہ) نشانہ اختیار کرنا چاہیئے جس کے تحت ۱۰۰ فیصد ذیلی مراکز قائم کیئے جانے چاہئیں اور ابتدائی اور کمیونیٹی مراکز صحت کو زوردار بنانا چاہیئے۔ محض لوازماتی سہولتوں کے سلسلہ میں ہی نشانوں کو تشکیل و ترتیب دینا کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شرح اموات اور بچوں کی شرح اموات اور شرح پیدائش وغیرہ جیسی اہم شرحوں میں تخفیف لانے سے متعلق مزید بنیادی نشانوں کو تشکیل و ترتیب دینا چاہیئے۔ ان نشانوں کو عملی شکل دینے کے لئے ہمیں فنڈس کی فراہمی اور مناسب تنظیمی اقدامات دونوں ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

فنڈس کے سلسلہ میں ہم لوگ حکومت ہند پر دباؤ ڈالتے ہیں کیونکہ قومی سطح پر کم از کم پروگرام کے تحت اس سلسلہ میں مرکز کو ترجیح دی گئی ہے کہ وہ آگے آئے اور ابتدائی حفظان صحت سہولتوں خصوصاً مرد کثیر المقاصد کارکنان، منتظمان، بنیادی دواؤں اور ابتدائی کمیونیٹی مراکز صحت کے لوازماتی فروغ سے متعلق خصوصاً مالی گنجائشوں کے سلسلہ میں آنے والے اخراجات کا ایک حصہ (کم از کم ۷۵ فیصد) برداشت کرے۔ شہری علاقوں خصوصاً غریب تر آمدنی والی جماعتوں والے علاقے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور پرائمری صحت پروگرام کے لئے مرکز اور ریاستوں کے درمیان فنڈس کی ساجھیداری بلا کسی تفریق کے ہونی چاہیئے۔

انتظامی معاملات کے سلسلہ میں حفظان صحت کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ مقامی لوگوں کے سامنے جوابدہی کو یقینی بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں دیہی علاقوں میں پنچایتوں اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں کی شمولیت بڑی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

ہماری ریاست میں ہم لوگوں نے دیہی علاقوں میں مراکز صحت کے کام کاج

میں پنچایتوں کو ملوث کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اضلاع میں جہاں ڈاکٹروں کے عہدوں کی بھرتی نہایت مشکل ہے۔ ہم لوگوں نے اس لئے یہ طے کیا ہے کہ پنچایتوں کی شمولیت سے مقامی طور پر ٹھیکہ کی بنیاد پر ڈاکٹروں کو ملازمت پر رکھا جا سکتا ہے۔ خاندانی رفاہ پروگرام کے عمل درآمد میں اسی طرز پر پنچایتوں کو شامل کیا گیا ہے اور عوامی خواندگی اور بعد از خواندگی پرانلوگوں کے ساتھ اس پروگرام میں تال میل رکھا گیا ہے۔ ہماری ریاست میں بچوں کی شرح اموات، شرح پیدائش اور شرح اموات کی تخفیف پر لئے گئے ان اقدامات کے اہم نتائج سامنے آئے ہیں۔ گذشتہ دس برسوں کے دوران ان شرحوں میں ایک قابل ذکر گراوٹ کے رجحانات ملے ہیں۔ ۱۹۹۳ء کے دوران ۰ء۸۵، ۷ء۲۵ اور ۴ء۷۷ بالترتیب شرحیں رہی ہیں۔ اور یہ شرحیں قومی سطح پر ماضی کی شرحوں سے نمایاں طور پر کم رہی ہیں۔ خصوصاً شہری علاقوں کے انسداد اور پرائمری حفظان صحت پروگرام میں میونسپلٹیوں کی شمولیت کے سلسلہ میں بھی ہمارا تجربہ مثبت رہا ہے۔ اور اس کے نتائج بچوں کی شرح اموات، شرح پیدائش اور شرح موت میں تخفیف کے سلسلہ میں نمایاں طور پر بر آمد ہوئے ہیں۔

تجربہ کی بنیاد ہی پر ہم لوگ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ایک طرف پینے کے پانی اور غذا (آئی سی ڈی ایس اور دوپہر کے کھانے کے پروگرام) کی فراہمی پر مبنی پروگراموں میں اور دوسری طرف ابتدائی تعلیم اور خواندگی کے پروگراموں میں تال میل بنانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ اس طرح کی منظم کوشش ان تمام پروگراموں کو مزید کارگر بنائے گی۔

ان سے وابستہ ایک اہم بات دواؤں کی قیمت ہے۔ مخصوص حدود کے اندر دوا کی قیمتوں کی تجدید کی جانب قومی سطح پر اقدامات لئے جاتے ہیں تو یہ اس سلسلہ میں بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔

عوامی رہائشی امداد

آئندہ پانچ برس کی ایک معینہ مدت کے دوران دیہی اور شہری دونوں ہی علاقوں میں رہائشی صورت حال کو نمایاں طور پر بہتر بنانے کیلئے ہر ریاست کے پاس ایک اپنا تناظری منصوبہ ہونا چاہیئے۔

ہماری ریاست کے دیہی علاقوں میں اگر ہم لوگ سالانہ غریب طبقوں کے لئے تقریباً ایک لاکھ پکے گھر کی تعمیر کے اپنے ٹارگٹ کو بڑھا سکتے ہیں تو اس مسئلہ پر ایک واضح سطحی خاکہ تیار کیا جا سکے گا۔ دیہی غریب لوگوں کے لئے پناہ گاہ پر خصوصاً زور ڈالتے ہوئے ہم لوگوں نے اپنی ریاست کے دیہی علاقوں

کے بے زمین لوگوں کی قطعی بود و باش کی حالتوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس سلسلہ میں باڑہ کی زمین پر حقوق ملکیت تقریباً ۲ء۷۳ لاکھ بے زمین لوگوں کو عطا کی گئی ہے اور باڑہ زمین ملکیت سے مستفیض ہونے والے ۱۲ء۰۸ لاکھ افراد کو تعاون دینے کیلئے اندرا آواس یوجنا (آئی اے وائی) پابند عہد ہے۔

اسی دوران اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا ہی پروگرام شہری علاقوں میں مقیم غریب اور کم آمدنی والی جماعتوں کے سلسلہ میں خصوصاً رہائشی امداد کی فراہمی کے لئے وضع ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں وزیر اعلیٰ کی جانب شہری غربت ختم کرنے والے پروگرام میں شامل رہائشی اور فروغ پناہ گاہوں کی حالیہ اسکیم کو نمایاں طور پر بڑھاوا دینا چاہیئے اور اس کے متعلق فنڈس کی منتقلی ریاستوں کو مقامی نظم کے ساتھ کر دینی چاہیئے۔ اس طرح کی شہری رہائشی سرگرمی کیلئے زمین کی دستیابی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ایک خاص نظریہ کے تحت ہماری ریاست میں کلکتہ ٹھیکہ ٹیننسی ایکٹ میں ۱۹۹۳ء کے دوران حال ہی میں ترمیم لائی گئی ہے تاکہ بستی علاقوں میں جامع ترقیاتی کام کئے جا سکیں۔ یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا اگر ریاستوں کے ساتھ مرکزی حکومت بھی اس مقصد کے تحت سرکاری قطعات آراضی (مثلاً غیر استعمال شدہ ریلوے کی زمینیں وغیرہ) فراہم کرنے میں پیش رفت کرے۔ شہری علاقوں میں اس پروگرام پر عمل درآمد کے دوران میونسپلٹیوں اور ان سے مستفیض ہونے والی جماعتوں کو دوبارہ ملوث کرنا چاہیئے۔

دیہی اور شہری علاقوں کی متوسط آمدنی والی جماعتوں کے معاملہ میں کل ہند مالی اداروں کو تعمیر مکان کے لئے قرضوں وغیرہ کی فراہمی کے سلسلہ میں ایک اہم کردار نبھانے کی نسبت ہدایت دینی چاہیئے۔

گاؤں سے دیہات وغیرہ سے رابطہ جوڑنے والی سڑکیں

اس میدان میں بھی ہر ریاست میں ایک جامع سڑک منصوبہ کا ہونا لازمی ہے لہٰذا مذکورہ منصوبہ کے ایک حصہ کے طور پر دیہی علاقوں میں بازاری مراکز وغیرہ سے گاؤں کو جوڑنے کے لئے رابطہ قائم کرنے والی سڑکوں کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ اسی طرح شہری علاقوں میں بڑی سڑکوں سے بستی علاقوں کو جوڑنے کے لئے بھی رابطہ پیدا کرنے والی سڑکوں کا ہونا لازمی ہے۔ اس سلسلہ میں الغرض جے آر وائی اور ای اے ایس کے موجودہ پروگراموں کے علاوہ شہری اور دیہی دونوں ہی علاقوں کیلئے مذکورہ رابطہ پیدا کرنے

والی سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے سلسلہ میں ایک خصوصی پروگرام کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے اور اس کے فنڈس کی متعلقہ منتقلی بھی مرکز کی جانب سے ریاستوں کو ساتھ ساتھ کر دینی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ متعلقہ معاملے میں ریاستوں کو کچھ لچک کی بھی سہولتیں دی جانی چاہیئے۔

دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے والی سڑکوں پر پروگرام ہذا کے عمل در آمد کے سلسلہ میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ مستفیض کمیٹیوں کی شرائط کے تحت مقامی لوگوں کو دوبارہ شامل کرنا چاہیئے۔ اس ریاست میں ہمیں مثبتی تجربہ ہوئے ہیں لیکن اس سلسلہ میں بڑے پیمانے پر یہ مہم چلنی چاہیئے۔

بچوں کے لئے تغذیائی امداد

ہماری ریاست میں اب تک آئی سی ڈی ایس کی کل ۲۷۵ پروجکٹوں کو منظوری ملی ہے ۲۰۰ پروجکٹوں نے پورے طور پر کام کرنا شروع کر دیا ہے اور مالی سال رواں کے دوران ہم لوگ بقیہ پروجکٹوں کو بھی چالو کر دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ تب ہی مرکز اور ریاست کو مشترکہ طور پر تین برسوں کی مدت کے اندر ۴۳۱ بلاکوں اور شہری علاقوں کی پوری کوریج کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ان تمام نشانوں کی حصولی کے دوران ریاستوں کے لئے یہ نہایت مفید بات ہوگی اگر مرکز آگے بڑھ کر مذکورہ پروجکٹوں کے تغذیائی اجزاء کے سلسلہ میں ۵۰ فیصد کی ساجھیداری کرے اور رفتہ رفتہ مذکورہ پروگرام سے جڑے ہوئے عہدیداروں کی ملازمتی سہولتوں کو بہتر بنائے۔

پروگرام ہذا کو نہایت تندہی کے ساتھ ڈی ڈبلیو سی آر اے عوامی تعلیم پروگرام وغیرہ میں منظم طور پر شامل کیا جائے۔ مقامی خود مختار حکومتوں کے تعاون سے کمیونٹی کی سرگرم شمولیت مزید زوردار بنانے کو یقینی بنایا جانا چاہیئے۔

مرکز سے فراہم کردہ فنڈ والے دوپہر کے کھانے کی فراہمی والی اسکیم بنا مزید کسی تاخیر کے ریاست کے تمام بلاکوں تک پہنچانی چاہیئے۔ کچھ اضافی فنڈس کے ہمراہ پکے ہوئے کھانوں کی فراہمی کے انتظام کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔ فراہم کردہ مفصل رہنما اصول، پروگرام ہذا کی تفصیلات ریاستی حکومت کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ ریاستی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی شمولیت کو یقینی بنانے کی ذمہ داری پنچایتوں کو سونپ دے۔ یہ امر چھ آر ڈی اے، ای ایس اور ڈی ڈبلیو سی آر اے

جیسے دیگر پروگراموں کے ہمراہ پروگرام ہذا کو منزل تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

غریبوں کو مد نظر رکھتے ہوئے عوامی تقسیمی نظام کی درستی

افراط زر کی تباہ کاریوں سے عام لوگوں کو محفوظ رکھنے اور بذات خود افراط زر پر قابو رکھنے کے لئے ہم لوگوں نے برسوں سے بارہا بنا کسی کامیابی کے قومی سطح پر سبسیڈائزڈ پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم (پی ڈی ایس) کے اپنائے جانے کی ضرورت پر زور ڈالا ہے۔ متحدہ محاذ کے کم از کم پروگرام میں اس اہم تجویز کی شمولیت کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔

خصوصی کارڈوں کی فراہمی کے ساتھ دیہی اور شہری علاقوں کے سلسلہ میں آمدنی وغیرہ کے اعتبار سے مناسب طور پر شناخت کردہ غریب طبقوں کے لئے خصوصی سبسیڈائزڈ پی ڈی ایس کی تخمینی کشش پر ہم لوگ زور ڈال سکتے ہیں۔

چند لازمی اشیاء سے اس کا آغاز کرنا اور سبسیڈی کے سلسلہ میں مطلوبہ کل فنڈ کے محاسبہ لگانا اس کام میں مددگار و مفید ثابت ہوگا۔ سبسیڈی کے لئے فنڈ اور غلوں کی الاٹمنٹ کا ذمہ مرکزی حکومت پر عائد ہونی چاہیئے۔ دیہی اور شہری علاقوں میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو شامل کر کے ریاست کے اندر تقسیم اشیاء کی تنظیمی ذمہ داری ریاست کو اٹھانی چاہیئے۔ مناسب نرخ والی دکانوں اور راشن دکانوں کے کام کاج کی کڑی نگرانی کے کام میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو ایک اہم کردار عطا کرنا چاہیئے۔

ہماری ریاست میں لگاتار کئی طور پر یہ واضح صورت حال رہی ہے کہ قانونی اور جزوی راشننگ علاقوں میں ۲۰۳۳۹ عدد راشن دکانوں کے ذریعہ تقریباً سات کروڑ کی مجموعی آبادی پی ڈی ایس کے زیر عمل آتی ہے۔

غریب طبقوں کے سلسلے میں خصوصی طور پر سبسیڈائزڈ پی ڈی ایس کے نشانہ بنانے کے دوران موجودہ پی ڈی ایس سہولتوں سے بقیہ آبادی کو خارج کرنا سماجی طور پر نہایت ہی مشکل ہوگا۔ مرکز کے ساتھ تال میل کے سلسلہ میں ایک موزوں پیکیج تیار کرنے کی لازمی ضرورت درپیش ہے۔

آفاقی پرائمری تعلیم اور خواندگی کی توسیع کیلئے اقدامات

قومی قواعد کے مطابق خواندگی کے نشانہ کی حصولی اور پرائمری تعلیم کو آفاقی بنانے کے لئے ایک معینہ وقت کے ڈھانچہ کو ہمیں اپنانا ہوگا۔

اس ریاست میں عوامی خواندگی مہم کی توسیع کے بارے میں تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ریاستی سطح پر خواندگی کی شرح ۱۹۸۱ء میں ۶۲ر۹۸ فیصد تھی اور ۱۹۹۱ء میں ۵۷ر۷ فیصد تھی۔ عوامی خواندگی پروگرام میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کو ملوث کرنے کے بعد مذکورہ بالا شرح خواندگی بڑھ کر فی الحال ۷۰ر۱۱ فیصد ہو گئی ہے۔ اس عوامی خواندگی پروگرام کو فی الحال تمام ۱۸ اضلاع تک پہنچایا جا چکا ہے اور ان میں سے ۱۲ اضلاع کو بعد از خواندگی پروگرام میں شامل کیا گیا ہے۔ اب سے ۵ برسوں کے اندر تک خواندگی کے قومی قواعد کی حصولی ریاست کے لئے ممکن ہونی چاہئے۔

عوامی خواندگی پروگرام پر عمل در آمد کے بعد پرائمری تعلیم کے بڑے پیمانے پر توسیع کے لئے درست اور نتیجہ خیز طلب کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اور فی الحال یہ پرائمری تعلیم کو عالمگیر بنانے کی ضرورت کو نمائندگی بخشے گا۔ اس اہم مسئلہ پر مذکورہ مقصد کو عالمگیریت بخشنے کے لئے ہم لوگوں کو ایک بار پھر ایک معینہ وقت کے ڈھانچے کو اپنایا جانا چاہیئے۔ اس مقصد کی بر آوری کے لئے کل مالی طلب کا محاسبہ ہر ریاست کیلئے کرنا چاہیئے اور اس میں آنے والی کل لاگت کا ۷۵ فیصد مرکز کو برداشت کرنا چاہیئے اور بقیہ ۲۵ فیصد ریاستوں کو برداشت کرنا چاہیئے۔ یہاں ایک بار پھر دیہی علاقوں میں پنچایتوں اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کو شامل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس پروگرام کے تال میل کو دوپہر کے کھانے اور دیگر دیہی ترقیات پروگراموں پر مشتمل پروگرام یعنی بعد از خواندگی پروگرام کے ساتھ ہم آہنگ کرنا بھی نہایت ہی لازمی ہے۔ مثال کے طور پر جی آر وائی کے تحت تعمیر کردہ عمارتوں کو دن کے مختلف اوقات میں پرائمری اسکولوں، عوامی خواندگی اور بعد از خواندگی پروگراموں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تنظیم ڈلیوری سسٹم اور بنیادی خدمات کی برقراری کی استحکامت

چونکہ ان سات اہم مسائل پر مشتمل تمام پروگرام زوردار طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اس لئے انکو علیحدہ علیحدہ روبہ عمل لانا ممکن نہیں ہونا چاہیئے۔ مقامی طبقہ میں سے پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ ہم وقت اور مستحکم بنیاد پر انھیں روبہ عمل لانا ممکن ہے۔ مغربی بنگال پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو ملوث کرکے ضلع اور بلاک منصوبہ بند کمیٹیوں کے ذریعہ ہم لوگوں نے ایک دہائی سے بہت پہلے ہی لامرکوز اور جامع منصوبہ بندی کو روبہ عمل لانا شروع کر دیا تھا۔ ہر ۱۸ اضلاع اور ۳۴۱ بلاکوں کے سلسلہ میں ضلع اور بلاک کے ڈھانچہ سے وابستہ علاقوں اور مذکورہ بالا سات مسائل میں تمام پروگراموں کو شامل کرنا اور پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ عوامی شمولیت کو یقینی بنانا ممکن ہونا چاہیئے۔ رضاکار ایجنسیاں اپنے کردار ادا کر سکتی ہیں لیکن مذکورہ جمہوری اور لامرکوز ڈھانچہ کے اندر رہ کر اور مرکزی طور پر ضمنی راستہ سے نہیں اور انھیں جواب دہ بھی ہونا ہوگا۔

حتمی طور پر ان پروگراموں کی کامیابی کا دارو مدار لوگوں کی شمولیت اور برادری/قوم کے آگے جوابدہی کو یقینی بنانے پر ہے۔ اس شرکت/شمولیت کو بڑا ہی زوردار اور اصلی اس وقت بنایا جا سکے گا جب ہم لوگ ایک ایسی صورت حال کی جانب اقدامات اٹھائیں گے جہاں عام لوگ خصوصاً دیہی علاقوں میں سب سے زیادہ بنیادی پیداواری اثاثے جیسے زمین کہتے ہیں، پر مساوی طور پر رسائی کا حق جتا سکیں اگر ان تمام پروگراموں کو اصلاحات آراضی سے متعلق ہمارے سیاسی عزم کے ساتھ جوڑا جا سکے تو ان تمام پروگراموں کی عمل در آمد کے سلسلہ میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوگا۔

اختتامی مشاہدات

ان تمام سات مسائل سے متعلق نشانوں کی حصولی کے سلسلہ میں یہ لازمی ہوگا کہ تمام ریاستیں موجودہ مالی سال سے ہی شروع ہونے والے اپنے منصوبہ بند اخراجات میں خاطر خواہ اضافہ کریں۔ اسی سیاق و سباق میں دو ٹھوس تجاویز پیش کرنے کا میں خواہاں ہوں۔ اول چھوٹی بچت اسکیموں کی شرح سود کو نظر ثانی کے بعد (۲۷ ستمبر ۹۳ء سے پہلے کی سطح تک) بلند کیا جانا چاہیئے تاکہ اس عدم توازن کی اصلاح ہو سکے جو خصوصاً جمع رقم پر شرح سود بڑھانے کے لئے تجارتی بینکوں کو دی گئی لچک کے بعد وجود میں آئی تھی۔ اس سے کٹوتی بھی واقع ہوئی ہے جس کا اظہار ریاستوں کی چھوٹی بچت کی حالیہ جمع شدہ رقم میں مل رہا ہے اور اس کے برعکس مذکورہ بالا عوامل بینکوں کو ان کے اضافی وسائل اکٹھا کرنے میں ان کی مدد کر رہے ہیں۔ دوم ہر ریاست کے لئے تدبیر و وسائل کی حدود میں اضافہ کرنا لازمی ہو گیا ہے کیونکہ ان میں ۱۹۹۳ء کے بعد سے کوئی نظر ثانی نہیں ہوئی ہے اور آج یہ نظر ثانی اشد ضرورت بن گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہندوستان کی

باقی صفحہ ۱۴ پر

مغربی بنگال اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کا قیام

■ چیئرپرسن

ریاستی حکومت نے اپنے نوٹیفیکیشن نمبر ۱۸۵ پی ایم مورخہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۹۶ء کے تحت ۸ر جنوری ۱۹۹۶ء سے کارگر ایک ۱۲ رکنی مغربی بنگال اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کے قیام کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کمیشن کے چیئرپرسن شری محمد سلیم، ایم پی مقرر ہوئے ہیں۔
چیئرپرسن کے علاوہ اس کے دیگر ممبران ہیں:

(۱) مدرسہ کالج کلکتہ کے پرنسپل ڈاکٹر محمد شہید اللہ (۲) شری محمد خورشید انور (۳) شری علی عباس شیرازی (۴) ڈاکٹر ایس اے مومن (۵) شعبۂ دیہی ترقیات حکومت مغربی بنگال کے پرنسپل سکریٹری شری ایس این گھوش آئی اے ایس، بہ لحاظ عہدہ (۶) شعبۂ گھریلو اور چھوٹی صنعت حکومت مغربی بنگال کے پرنسپل سکریٹری شری اے سہا، آئی اے ایس، بہ لحاظ عہدہ (۷) اقلیتی ترقیاتی و رفاہی شعبہ حکومت مغربی بنگال کے سکریٹری، بہ لحاظ عہدہ، (۸) شعبۂ بلدیاتی امور حکومت مغربی بنگال کے سکریٹری شری لے ایم چکرورتی آئی اے ایس، بہ لحاظ عہدہ (۹) مغربی بنگال مالیاتی کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر، بہ لحاظ عہدہ (۱۰) مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کا ایک نمائندہ (جسے بعد میں حکومت مغربی بنگال سے نامزد کرے گی (۱۱) مغربی بنگال اقلیتی ترقیات و مالیات کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر، بہ لحاظ عہدہ۔

اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کے چیئرپرسن شری محمد سلیم نے ۱۸ر ستمبر ۱۹۹۶ء کو وزیر اقلیتی امور سے اپنے عہدے کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔ اس کارپوریشن نے عارضی طور پر بھوانی بھون میں ۳۵۰۰ مربع فٹ بر محیط مغربی بنگال اقلیتی کمیشن کے دفتر میں اپنے جنرل منیجر (ڈبلو بی سی ایس) کی نگرانی میں کام شروع کر دیا ہے۔ منیجنگ ڈائرکٹر اور چیف اکاؤنٹ آفیسر اور دیگر ملازمین کی بحالی کے بعد جلد ہی مجوزہ پروگراموں پر عمل درآمد شروع ہو جائیگا۔ یہ کارپوریشن سرکار کے مختلف ترقیاتی و امدادی پروگراموں تک پہنچنے کے لئے سرکار اور اقلیتوں کے درمیان پل کا کام انجام دیگا۔

جناب محمد سلیم اقلیتی ترقیاتی کا لیاتی کارپوریشن کے پہلے چیئرپرسن ہوئے ہیں اس سے قبل وزیر اقلیتی امور میں اسکے چیئرپرسن تھے۔ شری محمد سلیم (۳۹ سال) راجیہ سبھا کے ممبر بھی ہیں۔ وہ ۱۹۹۰ء میں ریاستی اسمبلی سے راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے تھے ۱۹۹۳ء میں وہ راجیہ سبھا کے وائس چیئرمین ہوئے۔ وہ پریس کاؤنسل آف انڈیا کے ممبر بھی رہے بعسال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شائقین اپنے کورٹ کا ممبر منتخب کیا ہے علاوہ ازیں ادبی وثقافتی، سماجی و رفاہی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی وہ عوام میں مقبول ہیں۔ وہ مختلف جمہوریت پسند ادبی و ثقافتی اداروں سے بھی منسلک ہیں۔ ■■

ادب کر اس خراباتی کا جس کو جوشؔ کہتے ہیں

پروفیسر اعزاز افضل

پچاس سال جی لینے کے بعد جوشؔ کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ مرجائیں، سو وہ مرگئے۔ انھیں زندگی کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ مرے بھی ہوں گے اہتمام سے، جبھی تو اتنی دیر لگی۔ حرفوں، رنگوں اور پتھروں میں سانس لینے کا گر کوئی سال [illegible] میں تھوڑی آتا ہے۔ بڑی طویل ریاضت چاہتا ہے جسم سے فن کے قالب میں حلول کرنے کا عمل۔

شعر گوئی صبح تڑکے، شغلِ بادہ غروبِ آفتاب کے بعد، اگربتیاں سلگا کر، جرعے گن کر، گھڑی سامنے رکھ کے، دو گھونٹ پینے کے لئے اتنی عرق ریزی، بیہوشی کا سامان مگر کتنی ہوش مندی کے ساتھ، بڑی پتّا ماری کا کام ہے۔ یہ پچاس سال لگے "قطرے سے گہر ہونے تک" تو سمجھو جوشؔ سستے چھوٹے۔

میرے لڑکپن میں ملیح آباد کی تین چیزیں بہت مشہور تھیں، ایک آم، دوسرے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور تیسرے جوشؔ صاحب۔ آم کھائے تھے۔ مولانا کو دیکھا تھا۔ جوشؔ کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اس نامور لیکن ذرا بھٹکے ہوئے شاعر کے قصے بہت سن رکھے تھے۔ ان کے ڈھیر سارے مجموعے بھی پڑھ ڈالے تھے شعلہ و شبنم سے جنون و حکمت تک۔ ان کی نظم "مہاجن والیاں" بھی حافظے میں تھی اور "ذاکر سے خطاب" بھی۔ ان ہی دنوں کلکتے میں ایک کل ہند مشاعرے کا اعلان ہوا۔ شعراء میں ایک نام جوشؔ ملیح آبادی کا بھی تھا۔ ملنے کا اشتیاق کروٹیں لینے لگا۔ آٹھویں درجے کا طالب علم اور ملے گا شاعرِ انقلاب سے؟ ہاں، بالکل ہٹ جو ٹھہری۔

مکان[1] کے احاطے میں کھلے آسمان کے نیچے ایک کرسی پر جوشؔ صاحب بیٹھے تھے۔ مردانہ وجاہت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔ کشادہ پیشانی پر پھیلی ہوئی خوش اقبالی کی شفق، تیز اور روشن نگاہوں سے جھانکتی ہوئی طباعی اور ذہانت کی کرنیں، تیوروں سے ٹپکتا ہوا خاندانی شرافت و شجاعت کا وقار، چہرے پر بکھرا ہوا عرفانِ ذات کا تجمل اور سب کو سہارا دیتی ہوئی ہنسی مسکراہٹیں۔

"سلام اے تاجدارِ جرمنی اے ہٹلرِ اعظم"

شفقت سے گلے لگایا، محبت سے پہلو میں جگہ دی، نام اور شغل پوچھا، دعائیں دیں، باتوں میں ایسی مٹھاس کہ ملیح آباد کے آم بھی اتنے شیریں کاہے کو ہوتے ہوں گے۔ ع

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشینوں! جوشؔ سے ملکر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

غلام سرور[2] فگار کے کل ہند مشاعرے میں جوشؔ صاحب نے شرکت نہیں کی۔ دوسرے دن "آزاد ہند" میں یہ رباعی چھپی۔

اژدر ہے فگارِ حیلہ پرور بھاگو
بھاگو اربابِ علم و جوہر بھاگو
یہ آکے اگر پاؤں پہ رکھ دے سر بھی
لازم ہے کہ پاؤں سر پر رکھ بھاگو

ساتھ ہی یہ اعلان بھی تھا کہ آج شام کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں جوشؔ صاحب مشاعرہ پڑھیں گے۔ "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے"۔ مشاعرے کے کنوینر تھے جناب سالک لکھنوی اور جناب ابراہیم ہوشؔ۔ صدارت مرزا ابوجعفر کشفی کی تھی۔ اسٹیج پر ساغر نظامی بھی تھے اور علامہ جمیل مظہری بھی۔ سب سے آخر میں جوشؔ صاحب کی باری آئی۔

"ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے"

داد و تحسین کا وہ شور کہ الاماں و الحفیظ، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ سامعین دیوانہ وار داد لٹا اور کٹے جا رہے تھے۔ عالمِ سرشارگی کے باوجود حافظہ ایک اشارے پر سو اشعار لئے حاضر۔

نجد سے جانبِ لیلیٰ جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

●

جنابِ شیخ ہیں آداب عرض کرتا ہوں
اندھیری رات میں چھپ کر کہاں چلے استاد

●

---

[1] کلکتہ میں علامہ جمیل مظہری کی قیام گاہ [2] مدیر روزنامہ ہند کلکتہ

کیا پائے گا شیخ لن ترانی کر کے
توہین مزاج زندگانی کر کے
تو آگ سے دوزخ کی ڈراتا ہے ہمیں
ہم آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے

•

سو بار جہنم میں جلانا یارب
مرضی ہو تو سولی پہ چڑھانا یارب
معشوق کہے آپ ہمارے ہیں بزرگ
ناچیز کو وہ دن نہ دکھانا یارب

میر انیس کی مرثیہ خوانی کا حال کتابوں میں پڑھا تھا۔ جوش کی شعر خوانی کا منظر آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ رے تحت اللفظ، سنیے تو ترنم کی گھگھی بندھ جائے۔

غالباً ۵۰ء کی بات ہے الیٹ سینما میں مشاعرہ تھا جوش صاحب کے اعزاز میں۔ زمانہ پُرآشوب، صدر مشاعرہ گورنر مغربی بنگال ڈاکٹر کیلاشن ناتھ کاٹجو۔ بات کرتے زبان کٹتی ہے۔

حصول آزادی کی جدو جہد کے زمانے میں جوش صاحب کا بیباک قلم جب حرکت میں آتا تھا تو "سفید سور ماؤں" کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان کے انقلاب آفریں لہجے کی گرج سنکر استحصالی قوتوں کی پنڈلیاں کانپنے لگتی تھیں۔ "کالے آقاؤں" کا چہار سالہ دور استبداد انہیں کیا مرعوب کر سکتا۔ نظم شروع کی۔ "ماتم آزادی"

"کھدر بدل بدل کے بد اطوار آ گئے"

•

"جتنے نمک حرام تھے کپتان ہو گئے"

اور جب اس مصرعے پر پہنچے۔

"انگریز کے غلام گورنر ہیں آج کل"

تو ڈاکٹر کاٹجو تلملا کر رہ گئے۔ بات سامنے کی تھی مگر پہنچی دور تک دلی کے سب سے بڑے دوست "نے گذارش کی کہ یہ نظم عام مشاعروں میں نہ پڑھی جائے۔ مگر جوش صاحب کو نہ ماننا تھا نہ مانے۔ دھڑلے سے پڑھتے رہے۔ پٹھان جو ٹھہرے۔

یہ جھوٹ نہیں ہے کہ جوش نے اردو شاعری کو سچ بولنا سکھایا ہے مردانہ لہجے کی کھنک سے ہماری شاعری کے کان کب آشنا تھے؟ گھن

گرج کہہ کر اس لہجے کو زن اور وقار کو کم کرنے کی سعی لاحاصل کیوں کی جائے؟ زبان پر ایسی قدرت، بیان پر ایسا قابو اردو کے کس شاعر کو نصیب ہوا؟ جوش کے سامنے الفاظ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ تشبیہوں کی صفیں قرینے سے آراستہ، استعاروں کے پرے سلیقے سے ایستادہ، ہر ایک اپنے مقام سے آگاہ، اپنی حیثیت اور اوقات سے باخبر، باادب! باملاحظہ!! ہوشیار!!! کیا مجال جو کوئی اپنی حد سے آگے بڑھے۔ ایک جانب ٹھیٹھ اردو کا ٹھاٹھ تو دوسری جانب عربی فارسی کی شوکت و شکوہ۔ اپنے پیچھے الفاظ کا اتنا بڑا ذخیرہ کس شاعر نے چھوڑا ہے؟

بیسیوں لغات ایک طرف "یادوں کی برات" ایک طرف۔ جوش کی یہ آپ بیتی گنجینہ الفاظ و معنی کا ایک طلسم ہے۔ اس میں قہقہوں اور آنسوؤں کی ایک طویل داستان بند ہے۔

فقیر محمد خان گویا سے سجاد ابن شبیر حسن خان جوش تک — اجودھیا کے سنگھاسن سے لنکا کی کال کوٹھری تک پھیلی یہ رام کہانی ایک مرثیہ ہے ایسے بن باس کا جو کبھی ختم نہ ہوا۔ ایک المیہ ہے ایسی آگنی پرکھشا کا جو کبھی انت کو نہ پہنچی۔ آسیبی دھند اور پر اسرار دھوئیں میں ڈوبتا ابھرتا اس کا الف لیلوی پس منظر قاری کو طلسم ہوش ربا کی یاد دلاتا ہے۔ یہ تسلیم کہ زیب داستان کے لئے کچھ نہیں، بہت کچھ بڑھایا گیا ہو گا تاہم اس سرگزشت کی شان انشا اردو کے نثری ادب میں اس کے بقائے دوام کی ضامن ہیں۔

اقبال اور جوش سے پہلے اردو شاعری خوش گفتار تو تھی مگر تھی کم سخن۔ ان بزرگوں کی صحبت میں اسے ہر موضوع پر اظہار خیال کرنے کا چسکا پڑ گیا۔ آپ جانیں! بسیار گوئی خواہ کتنی ہی دلچسپ کیوں نہ ہو بسا اوقات اپنا توازن کھو بیٹھتی ہے۔ اور زبان و ذہن دیر تک ایسی تال میل برقرار نہیں رکھ پاتے۔ اقبال اور جوش کے کلام میں نژاد نو کے لئے بصیرت اور عبرت دونوں کے سامان موجود ہیں۔

کیا شبابیات، کیا خمریات، کیا رباعیات،
اک جوش ہے کہ محو تماشائے جوش ہے

شبابیات پر جوش کی نظمیں ایک مستقل عنوان کی متقاضی ہیں۔ اس موضوع پر جوش اپنے حقیقی رنگ و مذاق میں پوری طرح نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی ہیروئن نہ اختر شیرانی کی عذرا ہے نہ مجاز کی نورا۔ وہ ہے مہترانی، کوہستان دکن کی عورت اور جامن والیاں۔ نہ روزن در سے

" ادب کر اس خراباتی کا جس کو جوشؔ کہتے ہیں
کہ یہ اپنی صدی کا حافظ و خیام ہے ساقی "

اپنے بارے میں جوشؔ کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والا خود اس نتیجے پر پہنچے گا کہ انھوں نے حافظؔ اور خیامؔ کا گہرا اثر قبول کیا ہے۔ وہی جوش و خروش ہے۔ وہی شیرینیٔ کلام، وہی دلنشینی ہے، وہی زورِ بیاں! البتہ ان کے یہاں حافظؔ کی روحانیت نہیں ملتی۔

جوشیات کے طالب علم کو یہ بات نہ بھولنا چاہیئے کہ جوشؔ اشتراکی تصورات کے متبع ہیں۔ اگرچہ ان کی اشتراکیت سماجی فلسفے کے مطالعے کا نتیجہ نہیں ہے اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ آج ترقی پسند شاعری کی عالیشان عمارت جس مضبوط بنیاد پر کھڑی ہے اس کی پہلی اینٹ جوشؔ ہی نے رکھی تھی۔ فیضؔ، سردار جعفری، مخدومؔ، کیفیؔ، پرویز شاہدی، مجازؔ یا جاں نثار اختر اولیں معمار نہیں ہیں۔ کسان، مزدور، انقلاب، غریبی، غلامی، آج یہ الفاظ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں لیکن آج سے ۶۰ سال پہلے ان غیر شاعرانہ موضوعات پر نظمیں کہنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔

جوشؔ نے ادب کے نئے منہاج و مقاصد متعین کرنے بلکہ بہت سی ادبی تحریکوں کے وجود میں آنے کی راہ ہموار کی ہے۔ پنڈت دتاتریا کیفیؔ نے سچ کہا تھا کہ "جوشؔ کی شاعری نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ آنکھیں نیچی کئے بغیر ہم اپنی شاعری کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی شاعری کے مقابلے میں رکھ سکیں"

جوشؔ کو شہرت بھی ملی اور مقبولیت بھی۔ قوم نے شاعر انقلاب کا لقب دیا۔ حکومت نے پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا۔ عزت اور دولت ان کے قدم چومتی رہی مگر انکی حوصلہ مند طبیعت اس پر قناعت نہ کر سکی بیش سے بیشتر کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ آزادیٔ ضمیر، حریتِ فکر، عزتِ نفس و ناموس حیات کے تحفظ و بقا کی خاطر جس شاعر نے تلخیٔ حیات کا زہر جھوم جھوم کر پیا تھا اسکا جنازہ ذرا دھوم سے نکلنا چاہئے تھا۔ جوشؔ صاحب! برا نہ مانیئے! آپ بے وقت تو نہیں مرے مگر مرے بے جگہ۔ اپنی موت کا مقام متعین کرنے میں آپ نے اس حسنِ انتخاب سے کام نہیں لیا جو آپ کی زندگی اور شاعری کا طرۂ امتیاز تھا ۔

قدم انساں کا راہِ دہر میں تھرا ہی جاتا ہے
چلے کتنا ہی کوئی بچ کے ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے

چھا جانے کی زحمت نہ نامہ و پیام کے بکھیڑے، نہ عذر مستی رکھ کر چھیڑنے کے کھکھیڑ۔ جوشؔ اس فلسفے پر ایمان رکھتے ہیں جس کے مطابق " جسم و روح ایک دوسرے کے افعال سے غیر متاثر رہ سکتے ہیں" وہ جسموں سے سیراب ہونے اور جسموں کو سیراب کرنے کی بھرپور قدرت رکھتے تھے انھیں مواقع بھی حاصل تھے اور وسائل بھی۔

تصویر روبرو ہو تو تصور سے کون جی بہلائے ؟

خمریات کے موضوع پر اردو میں اچھے اشعار کی کمی نہیں۔ ریاضؔ خیرآبادی رندوں کے امام سمجھے جاتے ہیں لیکن جوشؔ کی خمریات کے سامنے ریاضؔ کا کلام پھیکا شربت معلوم ہوتا ہے۔ بقول آل احمد اکبرآبادی " جوشؔ کے اس قسم کے اشعار پڑھنے کے بعد عمر خیام کا مطالعہ ضروری نہیں رہ جاتا۔

رباعیوں میں جوشؔ کے فکر و فن کا جمال و کمال اور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ فارسی شعراء نے اس صنفِ سخن کو معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اردو میں تقریباً ہر شاعر نے رباعیاں کہی ہیں۔ مگر بالعموم ان میں فارسی کا ساز و بیاں اور ادبی دروبست نہیں ملتا۔ جوشؔ بقول خود انیسؔ کے مرثیے سرہانے رکھ کر سوتے تھے۔ مسدس اور بالخصوص واقعہ کربلا سے متعلق منظومات میں فکر جدید کو میر انیسؔ کی ہیئت میں ڈھالتے رہے تھے۔ انیسؔ کی رباعیاں بھی ان کے مطالعے میں تھیں۔ کیا عجب کہ صنف رباعی میں بھی طبع آزمائی کرنے کی تحریک " رباعیات انیسؔ" کی اعلیٰ معیاری ہی کے پیش نظر پیدا ہوئی ہو۔ جوشؔ کی رباعیوں میں فارسی کا ساز و بیاں اور جوش تو ہے ہی، حکمت و فکر بھی اسی معیار کی ہے۔ ان کی رباعیوں میں بڑی شاعری کے نمونے جابجا ملتے ہیں۔

جوشؔ کی شاعری میں جو حرکت حیات ہے وہ ان کے پیش روؤں کے کلام میں نہیں ملتی۔ وہ اسی دو خاص باتوں کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ ایک حرکت یعنی زندگی، جسے ان کی فرہنگ میں جوانی کہہ لیجئے۔ دوسری حریت فکر یعنی ترک تقلید جس کو کہنہ روایات کی پرستش سے تعبیر کرتے ہیں۔ جوشؔ کا مسلک حیات قنوطیت کو مسترد کر دیتا ہے اسلئے انہیں رجائی ہی کہا جائے گا۔

تاثیر کلام کو سیاق غم سے وابستہ جاننے والے کلام حافظ کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کریں گے ؟

جوش ملیح آبادی

ایک سرسری جائزہ

نٹے۔ رحمٰن

جوش ملیح آبادی کا خاندانی نام شبیر احمد تھا جو ۱۹۰۷ء میں تبدیل ہو کر شبیر حسن خاں ہو گیا۔ شبیر حسن خان جوش کی ولادت ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء میں ملیح آباد کے ایک مشہور خاندان میں ہوئی۔

اردو کے مشہور صاحب دیوان شاعر اور اردو نثر کی معروف کتاب بستان حکمت کے خالق نواب فقیر محمد خان گویا جوش کے پردادا تھے۔ گویا کے فرزند ارجمند اور جوش کے جد امجد نواب محمد احمد خان احمد بذات خود ایک مستند صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔ ان کے والد ماجد نواب بشیر احمد خان بھی ایک صاحب طرز شاعر تھے اور بشیر تخلص کرتے تھے۔ حضرت جوش ملیح آبادی کے اسی مشہور خاندان کے چشم و چراغ تھے۔۔

جوش کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ کم عمری میں اپنے والد محترم کی نگرانی میں شعر کہے بعد میں عزیز لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شروع میں ان کا تخلص شبیر تھا بعد میں انھوں نے جوش تخلص کیا۔ خاندانی وراثت میں ملنے والا شاعرانہ مزاج خداداد ذہانت و فطری ذوق اور سلسلۂ مشق سخن نے انھیں بہت جلد اردو کا باکمال شاعر بنا دیا۔ ابھی اکیس دیں سال کی عمر ہی پوری ہوئی تھی کہ ۱۹۲۰ء میں ان کا پہلا مجموعہ نظم و نثر "روح ادب" کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ کی اشاعت نے نقادان ادب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ نظیر، انیس، اور اقبال کی شاعری کے زیر اثر جوش کی شاعری کا لب و لہجہ لکھنوی شعراء کی شکست خوردہ آواز سے بالکل جدا تھا۔ یہاں نامراد اداسیوں کی جگہ امیدوں کی بہاریں تھیں، موت کی آرزو کی جگہ زندگی کی جستجو تھی، قبر کے تنگ و تاریک گوشہ کی جگہ خواب و خیال کی بیکراں پناہ گاہیں تھیں، شکست و ریخت کی مایوسیوں کی جگہ ایک انقلاب کی مسلسل جد و جہد تھی، غلامی سے لپٹی تاریکیوں کی جگہ آزاد فطرت کے حسن کی تابناکیاں تھیں۔ جوش کی شاعری میں پرعزم زندگی کے سفر کا یہ سلسلہ آخری مرحلہ تک قائم رہا۔ ان کی شاعری میں زندگی کا یہ ولولہ بڑھتے بڑھتے انقلاب کی سرحد تک جا پہنچا۔ وہ تو زندگی کو آزادی و حسن عمل سے مالا مال دیکھنا چاہتے تھے ؎

سنو! اے بستگان زلف گیتی ندا کیا آ رہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیات جاوداں سے

آزادی کی جد و جہد میں ان کی آواز جاگیردارانہ نظام اور سامراجیت کے خلاف احتجاج بن کر ابھری انھوں نے اپنے کلام سے غریب مظلوم عوام کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی اور انھیں حسن عمل کی طرف متوجہ کیا ؎

توڑ اس جال کو جکڑے ہے جو بازو تیرے
بستۂ کش مکش سبحہ و زنار نہ بن

پست سے پست ہو جو چیز وہ بن جا لیکن
مر کے بھی جنس غلامی کا خریدار نہ بن

جوش ملیح آبادی کے ایک درجن سے بھی زائد مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں جن میں شعلہ و شبنم (۱۹۳۶ء)، نقش و نگار (۱۹۳۶ء)، فکر و نشاط (۱۹۳۷ء) جنون و حکمت (۱۹۳۷ء)، حرف و حکایات (۱۹۳۸ء)، آیات و نغمات (۱۹۴۱ء)، عرش و فرش (۱۹۴۴ء) سنبل و سلاسل (۱۹۴۸ء)، سرور و خروش (۱۹۵۳ء)، سموم و صبا (۱۹۵۴ء)، قطرہ و قلزم (۱۹۶۳ء) کافی مقبول ہوئے۔ ان میں شعلہ و شبنم نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جنون و حکمت اور قطرہ و قلزم رباعیات کے مجموعے ہیں۔ باقی تمام مجموعے نظموں پر مشتمل ہیں۔ جوش نے مسدس، غزلیں اور مرثیے بھی لکھے لیکن ان کی شاعری کا اصل جوہر ان کی نظموں اور رباعیوں میں پوشیدہ ہے۔ جوش کی نظموں میں زور بیان کا غلبہ، پرشکوہ الفاظ کی نشست، مردانہ لب و لہجہ کا جلال، زبان و بیان کی روانی، خیالات کی مضمون آفرینی ایسے خصوصیات ہیں جنھوں نے ان کو اپنے معاصرین میں سب سے جدا اور منفرد بنا دیا۔

رباعی اردو ادب میں انتہائی مشکل صنف سخن ہے۔ چار مصرعوں

تمام [illegible] کی قافیہ پیمائی اور ردیف کی نباہ کے ساتھ اعلیٰ ترین خیالات کا پیش کرنا نہایت دیدہ وری کا کام ہے۔ یہ دراصل کوزے میں دریا سمونے کے مترادف ہے۔ جوشؔ قطرہ و قلزم کے ابتدائیہ میں اس صنف سخن پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قلیل الفاظ کی وساطت سے کثیر معانی کا احاطہ کر کے صرف چار مصرعوں میں اس ربع مسکوں کے تمام تجربات، مشاہدات، تاثرات، نظریات اور افکار کو سمیٹ لینا ایک ننھے سے قطرے میں قلزم کو مقید کر دینا ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں۔"

جوشؔ نے اس مشکل ترین صنف سخن پر طبع آزمائی کی اور اس صنف میں وہ اپنے خیالات، تجربات و مشاہدات و تاثرات کے وہ نئے نئے گل بوٹے کھلائے جن کے رنگ و بو آج بھی گلستانِ ادب کی رونق کے باعث بنے ہوئے ہیں۔ جوشؔ فرماتے ہیں ؎

اس دُھن میں کہ دل عقل کا شیدا ہو جائیں
آفاق کے اسرار ہویدا ہو جائیں
مدت سے گرا رہا ہوں تخمِ افکار
شاید کہ نئے درخت پیدا ہو جائیں

جوشؔ نے رباعی کہنے کا آغاز حیدرآباد میں کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر چالیس سال سے کم تھی۔ ابتدائی دور کی رباعیوں میں رومان و رندی کی کیفیت زیادہ نمایاں ہے۔ ۱۹۶۰ء تک انھوں نے سیکڑوں رباعیاں کہیں جن کی ایک بڑی تعداد گم ہو گئی۔ بچی کچی رباعیوں کو انھوں نے قطرہ و قلزم کے نام سے ۱۹۶۳ء میں شائع کرایا۔ ان رباعیوں میں فکر کی جولانی ٹھاٹھیں مارتی ہے۔ خیالات کا اچھوتا پن، لب و لہجہ کی انفرادیت نے انھیں صنف رباعی میں بھی منفرد بنا دیا۔ میر انیسؔ اور یگانہ چنگیزی کے بعد جوشؔ اردو کے واحد شاعر ہیں جن کی رباعیوں کو اردو ادب کا سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی کی شاعری رومان و انقلاب کا مرقع ہے۔ ان کی نظموں کا ایک حصہ رومانی شاعری پر مبنی ہے تو دوسری جانب نظموں کا ایک وسیع حصہ انقلابی نوعیت کا ہے۔ جن میں روح کو گرما دینے کی صلاحیت ہے، سوتوں کو جگا دینے کی قوت ہے۔ اور انھیں نظموں کی وجہ سے انھیں شاعر انقلاب بھی کہا جاتا ہے۔

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب   میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

جوشؔ ملیح آبادی مجاہدین آزادی میں سے ایک تھے۔ انھوں نے جنگ آزادی میں عوام کو بیدار کرنے کے لئے صرف شاعری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحافت کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ انھوں نے ۱۹۳۵ء میں دہلی سے "کلیم" کا اجرا کیا جو ۱۹۳۹ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ شروع سے وہ اس کے مدیر رہے۔ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۱ء ماہنامہ "نیا ادب" اور "کلیم" لکھنؤ کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ ان رسائل میں ان کی نگارشات کے مطالعہ سے جہاں ان کی نثر نگاری کا جوہر کھلتا ہے وہیں سماجیات، سیاسیات و اقتصادیات پر ان کی گہری نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک "آجکل" دہلی کے بھی مدیر رہے۔

جوشؔ ایک قادر الکلام شاعر کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے۔ ان کے کئی نثری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مقالات زریں، اشارات، یادوں کی برات ان کے اہم نثری مجموعے ہیں۔ مقالات زریں (۱۹۲۱ء) نثر میں مختصر اقوال کا مجموعہ ہے۔ اشارات (۱۹۴۲ء) ان مضامین کا مجموعہ ہے جو رسالہ کلیم، دہلی میں شائع ہوتے تھے۔ یادوں کی برات (۱۹۷۳ء) ان کی خود نوشت سوانح حیات ہے جو اپنی طرز نگارش کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔

جوشؔ ملیح آبادی کے آخری ایام انتہائی کسمپرسی میں گزرے۔ ترک وطن کے بعد ان کی شاعرانہ کاوشیں تقریباً ختم ہو گئی تھیں پہلے کی طرح ان کی قدر و منزلت بھی اب نہیں تھی۔ ازدواجی زندگی کی پریشانیوں نے انھیں اور بھی کمزور کر دیا تھا۔ ان تمام پریشانیوں کے نتیجے میں وہ خاموش ہو گئے تھے اور خود کو مرحوم لکھنے لگے تھے اسی خاموشی کے ساتھ ۲۲ فروری ۱۹۸۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

بقیہ: بنیادی خدمات پروزراء اعلیٰ کانفرنس

ریزرو بینک سے رقم کی فاضل وصولی کی ۱۰ کام کے دنوں کی موجودہ حد کو بڑھا کر ۲۱ کام کے دنوں تک کر دیا جائے تو تمام ریاستوں کو اس سے کافی مدد ملے گی۔ یہ سارے وہ اشارات ہیں جو ایک طویل عرصہ کے دوران ریزرو بینک اور ریاست کے مالی تعلقات کو بہتر بنائیں گے۔

رباعیات جوش

(۱)

اس دُھن میں کہ دل عقل کے رشید ہو جائیں
آفاق کے اسرار ہویدا ہو جائیں
مُدّت سے گزار رہا ہوں تخمیرِ افکار
شاید کہ نئے ورغت پیدا ہو جائیں

(۲)

تحقیق کی لَو تپائے جاتی ہے مجھے
تفتیش کی دُھن گھلائے جاتی ہے مجھے
پینے سے بھی بجھتی نہیں افکار کی پیاس
یہ علم کی بھوک کھائے جاتی ہے مجھے

(۳)

ہر آن تفکر میں گرفتار ہوں میں
اپنے پہ جو چلتی ہے وہ تلوار ہوں میں
تارو! اس حادثے کے شاہد رہنا
سنسار ہے محوِ خواب بیدار ہوں میں

(۴)

کس جرم کی آخر یہ سزا ہے معبود
ہر آن نیا حشر بپا ہے معبود
اف دیکھ کہ کب سے یہ نظامِ شمسی
میرے دل میں گرج رہا ہے معبود

(۵)

سنگ دوراں نے توڑ ڈالا ہمکو
سر تا بقدم نچوڑ ڈالا ہمکو
جیسے ہی خوشی کی جستجو میں نکلے
غم نے آکر جھنجوڑ ڈالا ہمکو

(۶)

زلفِ ہستی کے پیچ کھولو یارو!
انساں کے آنسوؤں کو تولو یارو!
آلامِ گدائی پہ یہ آہیں کب تک
اسبابِ گدائی کو ٹٹولو یارو!

(۷)

اے پچھلے پہر کے غمگسارو! بولو
شعلو! آواز دو شرارو! بولو
اس پردۂ رنگ و بو میں پوشیدہ ہے کون
بولو! اے ڈوبتے ستارو! بولو

(۸)

سر پر لئے آباء کے زُہلی پٹے
دانا پہ عنبیٰ مار رہے ہیں ٹھٹھے
اسلاف نے کھائے تھے کبھی ترش انگور
اخلاف کے دانت ہیں ابتک کھٹے

(۹)

آنکھوں میں بھرے عظیم قرنوں کا گداز
پلکوں میں پروئے ہوئے کونین کے راز
تم کون ہو؟ ٹھہرو تو ذرا مردِ بزرگ
"میں وقت ہوں" دور سے آئی آواز

(۱۰)

کب تک پھولوں کی لَو نہ گرمائے گی
کب بوئے سمن تا بجگر جائے گی
پُرزے جو اڑاتی ہے گریبانوں کے
اے اہلِ چمن! کب وہ بہار آئے گی

(۱۱)

نغمات میں ہچکیوں کے دھارے دیکھے
ہر تان میں شیون کے منارے دیکھے
کل رات کو زمزموں سے پگھلے جب تار
مضراب پہ آنسوؤں کے تارے دیکھے

(۱۲)

بہتے ہوئے آنسوؤں میں ڈوبی تخئیل
خلوت ہوئی مجلسِ عزا میں تبدیل
پروانہ صفت در آتے کتنے چہرے
کل شب کو جو یادوں کی جلائی قندیل

نظمیں

جوش ملیح آبادی

مستقبل

مژدہ اے دل! کہ نیا اب سر و ساماں ہوگا
جس کو دشوار سمجھتا ہے وہ آساں ہوگا

ایک بار اور صبا لائے گی پیغامِ وصال
ایک بار اور علاجِ غمِ دوراں ہوگا
ایک مبہم سا نشاں ہوگا نشانِ آلام
ایک بھولا سا فسانہ غمِ دوراں ہوگا
سنگریزہ کہ سرِ خاک پڑا ہے خاموش
کاوشِ مہر سے کل لعلِ بدخشاں ہوگا
روکشِ دشت و جبل قصرِ سلاطیں ہوںگے
ہمسرِ بامِ فلک کلبۂ دہقاں ہوگا
قدمِ فقر پہ جھک جائے گی شاہی کی جبیں
دستِ افلاس میں دولت کا گریباں ہوگا
خوفِ صیاد سے جو بھول چکا ہے پرواز
کل وہی مرغِ قفس مرغِ سلیماں ہوگا
پک رہا ہے جو بیاباں کی کڑی دھوپ میں آج
کل اسی سر کیلئے تاج گل افشاں ہوگا
آج جس بزم پہ طاری ہے جلالِ فرعون
کل وہیں دبدبۂ موسیٰ عمراں ہوگا
آج جس رعب سے ہے روئے امارت پہ شکوہ
کل وہ مزدور کے چہرے سے نمایاں ہوگا
حکمِ ساقی سے ہے جو حلقۂ بیرونِ در آج
کل وہی بزم میں رقصاں و غزلخواں ہوگا
نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد
عالمِ پیر دگر بار جواں خواہد شد

۱۹۲۹ء

زمانہ بدلنے والا ہے

ستم شعار! یہ اندازِ ساحری کب تک
رہے گی گرمیٔ بازارِ سامری کب تک
یہ درسِ امن کی ابلہ فریبیاں تاچند
یہ اشتہارِ کرم کی فسوں گری کب تک
یہ بزمِ عیش بہ آہنگِ خسروی تا کے
یہ سازِ کیف یہ گلبانگِ قیصری کب تک
یہ فرِ کنگرۂ قصرِ برتری تاچند
یہ رعبِ طرۂ دستارِ سروری کب تک
یہ کافرانہ نگاہِ خدارسی تا کے
یہ بزدلانہ ادائے سپہ گری کب تک
یہ طنطنے یہ تحکم یہ دبدبے تاچند
یہ نادری، یہ خدائی یہ قاہری کب تک
یہ شغلِ ظلم یہ آئینِ دلدہی تا کے
یہ مشقِ جور یہ اندازِ دلبری کب تک
یہ جیرہ دستیٔ تثلیثِ ناروا تاچند
یہ فتنہ خیزیٔ توحیدِ آذری کب تک
ٹھہر کہ چرخ نئی چال چلنے والا ہے
سنبھل سنبھل کہ زمانہ بدلنے والا ہے

۱۹۳۵ء

حکومتِ مغربی بنگال کے زیر اشاعت رسائل اور ان کی شرح خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپئے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپئے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۶ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۳ روپئے (مع ڈاک خرچ)

■ ۱ تا ۱۵۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت ■ ۱۵۱ تا ۳۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
■ ۳۰۱ تا ۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت ■ ۵۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

- آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔
- پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیجنا ضروری ہے۔
- کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
- سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۹ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 221-4295

تفصیلات کیلئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
October 1, 1996

REGD No WB/CC-596
Vol No 43 Issue No 19
Price 50 Paise

اوپر: وزیر اطلاعات وثقافتی امور گذشتہ ۸ ستمبر ۹۶ء کو اسٹیٹ سنٹرل لائبریری میں لائبریری خدمات کا افتتاح کیا۔ وزیر موصوف تصویر میں وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا اور دیگر کے ساتھ۔
نیچے: وزیر موصوف شری بدھادیب بھٹاچاریہ اسی دن باگھا جتن میں بیبھوتی بھوشن ودیا پیٹھ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے۔ (تصاویر: مدھوسدن گھوش)

Chief Editor Tarun Bhattacharya, Asst Editor Md Mustafa, Published by Information & Cultural Affairs Deptt of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012
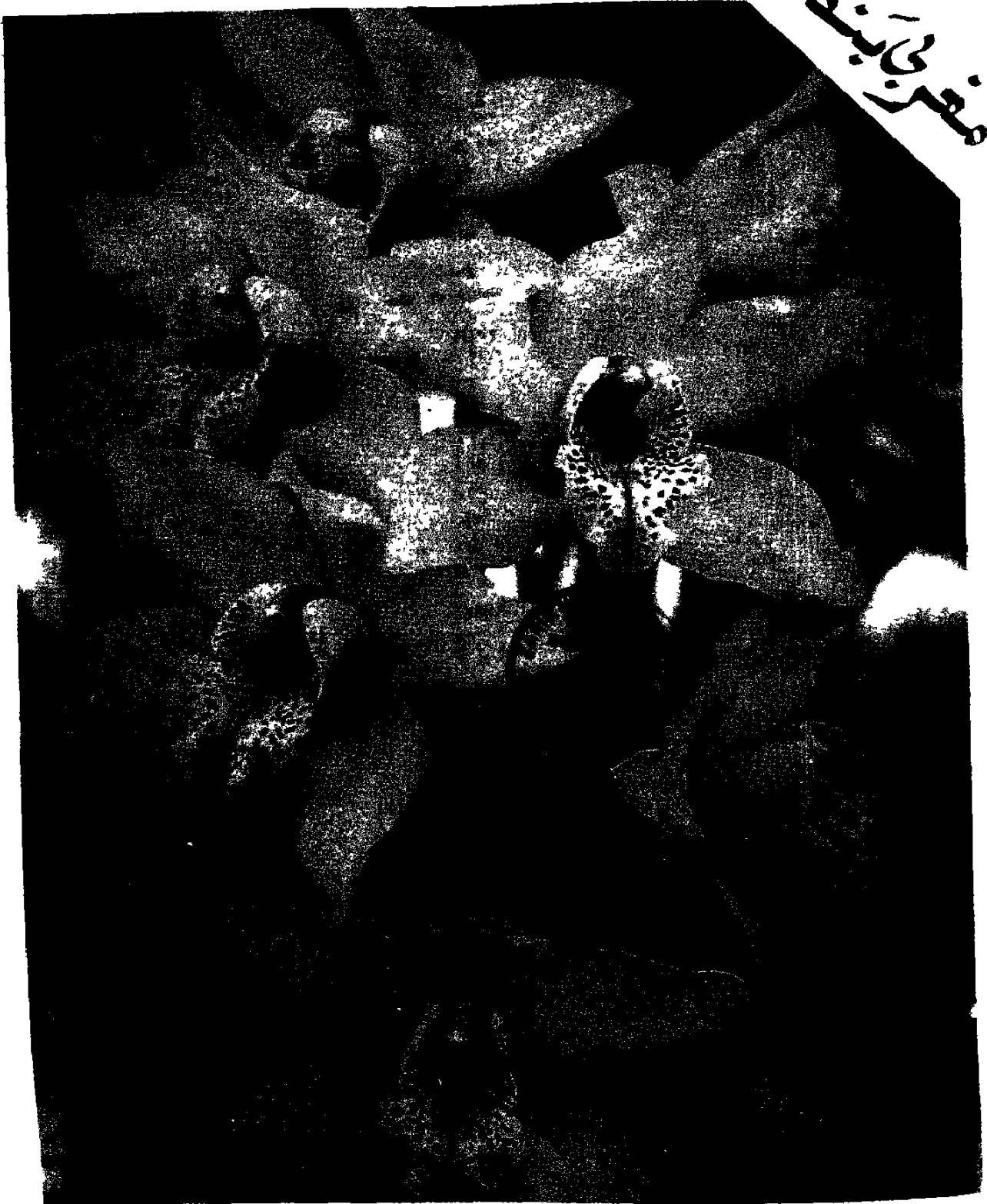
مغربی بنگال

پندرہ روزہ

کلکتہ

جلد نمبر ۲۳ ★ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۹۶ء ★ شمارہ نمبر ۲

مدیر اعلیٰ :- تروت بھٹاچاریہ
مدیر معاون :- محمد مصطفےٰ

شرحِ خریداری

سالانہ :- دس روپئے ○ نصف سالانہ :- پانچ روپئے

★ فی شمارہ کی قیمت :- ۵۰ پیسے

★ ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۔ ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 255601/3371 Ext: 710

وزراء اعلیٰ کی قومی کانفرنس سے ریاستی وزیر شری پرلے تعلقدار کا خطاب

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے وزیر شری پرلے تعلقدار نے گذشتہ ۲۴ اگست ۹۶ء کو دہلی کے وگیان بھون میں منعقدہ ریاستی وزراء کے قومی کانفرنس میں تبادلۂ خیال کرتے ہوئے مغربی بنگال اور ملک بھر میں پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کی کامیابی کے لئے کچھ نکات پر روشنی ڈالی۔ وزیر موصوف کی تقریر کا اردو متن درج ذیل ہے:

معزز شری مورا سلی مران، مختلف ریاستوں کے معزز وزراء اور آج کے کانفرنس میں شرکت کرنے والے دیگر ممتاز اشخاص! مجھے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے کہ اس کانفرنس کا انعقاد پی ایم آر وائی اور کے وی آئی کی ان اسکیموں پر بحث کرنے کیلئے کیا گیا ہے جن پر مرکزی حکومت فی الحال خاطر خواہ اہمیت دے رہی ہے لہٰذا میں یہ توقع کرتا ہوں کہ ہم لوگ ان اسکیموں سے منسلک بے شمار اور گوناگوں مواقع اور مسائل پر تفصیل سے تبادلۂ خیال کریں گے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ان مخصوص پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا جن پر مغربی بنگال میں پی ایم آر وائی اور کے وی آئی کی اسکیموں کی محض کلی طور پر کامیابی کا انحصار ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک کے ایس ایس آئی سکٹر کی آئندہ صحت کا بھی دار ومدار ہے۔

۱۔ عدم پابندی اور ایس ایس آئی سکٹر کا مستقبل

جیسا کہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ ایس ایس آئی سکٹر کو ہمارے معیشت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ زراعت سے باہر (شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں) روزگار اور خود روزگار پیدا کرنے سے متعلق زیادہ سے زیادہ ممکن مواقعوں کی پیشکش کرتا ہے۔ اس سکٹر کے پاس دائمی اور خود کو برقرار رکھنے والی معاشی نشو ونما وجود میں لانے کے لئے بزرگ ترین امکانات ہیں اور اس نے ۴۵ فیصد ہمارے کارخانے کی مجموعی پیداوار اور تقریباً ۴۰ فیصد ہماری برآمدات میں بھی تعاون دینا شروع کر دیا ہے۔

۱-۲ : سابق کانگریس حکومت کی ہندوستانی معیشت کو آزادی اور عالمگیر بنانے کی بے لگام جستجو نے ایسے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو تشویش کا سبب بن گئے ہیں۔ اس فعل و عمل سے یہ توقع کی گئی تھی کہ یہ ایس ایس آئی سکٹر کے لئے عظیم تر مواقعوں کی راہیں کھول دے گا لیکن اس نے ایسی عظیم تر گھریلو اور کثیر الاقوامی کمپنیوں کے ساتھ سخت مسابقہ آرائی کو بھی روشناس کروایا جو ٹکنالوجی، مارکٹنگ، ایڈورٹائزنگ اور فنڈس تک رسائی کے عظیم تر وسائل پر قادر ہیں۔ اس غیر محفوظ منظر نامہ، ایس ایس آئی اور حلیف سیکٹروں کی آئندہ نشو ونما (اور در اصل بقا) کا دار ومدار ناقدانہ طور پر صرف نیاتی اعلیٰ معیاری تنوع و بہتر پیداواری آمیزش، معیار اور سپردگی اوقات میں بہتری، ملکی اور برآمداتی بازاروں تک رسائی اور صاف ستھرے انتظامیہ اور بینک ملورنگ عوامل پر ہوتا ہے۔ ایس ایس آئی اور کے وی آئی سکٹروں کو محض ان اسباب سے پورے طور پر نپٹنا ہی نہیں چاہیئے بلکہ مرکزی حکومت کی ایجنسیوں اور قرض دینے والے پر یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ ان حمایتی کرداروں کو سمجھیں اور جو ان کو انہیں فی الحال ادا کرنا ہے۔

۱-۳ : میں اس بات کا بھی تذکرہ کروں گا کہ لبرالائزیشن کے پہلے پانچ برسوں کے دوران متعدد مشاہدات کے مطابق ہمارے ملک میں مصارف زندگی، غریبی کی سطح اور ایس ایس آئی سکٹر میں بیماری میں حقیقی معنوں میں اضافہ ہوا ہے۔ مرکزی حکومت یا قرض دینے والی ایجنسیوں کی جانب سے بیمار ایس ایس اکائیوں کی بحالی ضرورتوں میں رقم لگانے یا ایس ایس آئی اکائیوں کو معینہ مدت کے اندر خاطر خواہ فنڈس دستیاب کروانے کے لئے اب تک کوئی کارگر کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ان ایس ایس آئی بحالی کے لئے بی آئی ایف آر کی طرز پر ایک طریق کار قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے جس میں قرض دینے والے اداروں کو لازمی طور پر شریک ہونا ہوگا۔ مغربی بنگال میں (ملک میں بیمار ایس ایس آئی اکائیوں کے دوم عظیم ترین مقام کی حصولی کے ساتھ ساتھ) اس کی حالت بڑی دگرگوں ہے۔ جہاں تک اس کی ساکھ (کریڈٹ) کا تعلق ہے جمع (کردہ) رقم کا تناسب قومی

اوسط سے کہیں زیادہ پست ہے۔ مغربی بنگال سے ایک نٹ آؤٹ فلو کے ساتھ بجائے اس کے اس طرح کے فنڈس ہمارے کاروبار یونٹ کو دستیاب کروائے جا رہے ہیں۔

۱-۴ : مزید برآں (الف) ایس ایس آئی اکائیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے مرکزی عوامی سیکٹروں، ماتحتی اداروں وغیرہ سے ٹیک اسپیلا رائزیشن (حصص کاری) کو منظم بنانے (ب) مراعات، کٹوتیوں اور محرکات کے ذریعہ ایس ایس آئی کے برآمدات کی رفتار کو تیز تر بنانے (ج) عائد کردہ قیمتوں پر اور حاطر خواہ مقداروں لازمی خام اشیا کو لوازمات کو دستیاب کروانے (د) ایس ایس آئی اکائیوں کیلئے اسٹریم لائینڈ اور حقیقت پسندانہ کفایت پر قابو پانے والے اصولوں کو پیش کرنے اور مذکورہ مالی آلات کی وصولی اور (ہ) ایس ایس آئی سیکٹر کے لئے محفوظ شدہ اقسام میں عظیم تر اکائیوں کی جانب سے ہونے والی بے جا مداخلت کو سختی سے روکنے کے سلسلہ میں فوری اقدامات کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

۱-۵ : پی ایم آر آئی اور کے وی آئی اسکیموں پر ہمارے مباحثوں کے پس منظر کے طور پر میں ان اسباب کا تذکرہ کر رہا ہوں کیونکہ آج ایس ایس آئی سیکٹر کو پیش آنے والے عام مواقع اور درپیش رکاوٹیں ہی پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کی حدود کا تعین کرتے ہیں۔

۲- کھادی اور دیہی صنعتیں

۲-۱ : مغربی بنگال ان اول ریاستوں میں سے ایک ہے جس نے کنسورشیم بینک کریڈٹ اسکیم کو خوش آمدید کہا اور ادائیگی کی ضمانتیں پیش کیں۔ ۳۱۱۴ وی آئی معاملوں جن کی میزان کل ۴۸٫۱۹ کروڑ روپئے (بالمقابلہ ۳۶ کروڑ روپئے کے وی آئی سی کی مختص ہے) اور ۵۷ کھادی اداروں جن کی میزان کل ۹٫۰۶ کروڑ روپئے (بالمقابلہ ۱۰ کروڑ روپئے کے وی آئی سی کی مختص ہے) کے سلسلہ میں ہمارے کھادی بورڈ نے اب تک متعلقہ مراحل طے کر لیا ہے اور متعلقہ بینک جات کو منظوری بھی دے دی ہے لہٰذا ہماری ریاست (جس نے ہماری ریاست کے ۴۶ کروڑ روپئے مختص کے مقابلہ میں اب تک ۲۵٫۹۳ کروڑ روپئے والے معاملوں کو منظوری دیدی ہے) ملک بھر میں اس اسکیم کو روبہ عمل لانے میں بڑی پیش پیش رہی ہے۔

۲-۲ : چونکہ بڑی تعداد میں درخواستیں آرہی ہیں اس لئے ہم پورے طور پر مطمئن ہیں کہ مغربی بنگال کو ملنے والی ساری مختصوں کو پورے طور پر استعمال میں لایا جائے گا اور میں کے وی آئی سی سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ فنڈس

جاری کرنے کے سلسلہ میں (ستمبر ۱۹۹۶ء کی طرح) ڈیڈ لائنوں پر ڈٹا نہ رہے کیوں کہ ہر حال میں ریاستی حکومت ادائیگی کی ضمانتوں پر قائم ہے۔ مزید برآں، میں کے وی آئی سی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جلد از جلد ریاست وار مختص برائے ۱۹۹۶ء کا تعین کرے اور مغربی بنگال کے لئے کم از کم ۵۰ کروڑ روپئے مختص کئے جانے چاہئیں۔

۲-۳ : اب تک ایس ای پی (فی ضلع ۱۰۰۰۰ روزگار کا نشانہ رکھتی ہے) مغربی بنگال کے ۵ اضلاع کو اپنے دائرہ عمل میں لیتی ہے اور آر پی وائی ایس (فی بلاک ۱۰۰ روزگار کا نشانہ رکھتی ہے) ۹ بلاکوں کو اپنے دائرہ عمل میں لیتی ہے۔ ان پروجکٹوں پر ۹٫۶ کروڑ روپئے کی فنڈنگ کا کل نشانہ ہے انفرااسٹرکچر (ڈی آر ڈی اے سے)، سبسڈی، (آئی آر ڈی پی سے)، تربیتی اخراجات (ٹریسم سے)، ۱/۲ میعادی قرض، (کے وی آئی سی سے) اور ۱/۲ میعادی قرض بینکوں یا آر ڈی بی سے) اور کام چلاؤ سرمایہ (کنسورشیم سے) پر مشتمل فنڈنگ کا موجودہ طرز با آسانی قابل عمل نہیں ہے کیونکہ عام طور پر اسپانسرڈ معاملوں میں شرکت کرنے میں رضا مند نہیں ہوتے ہیں۔

۲-۴ : میں اس بات پر زور دینا چاہوں گا کہ ایس ای پی اور آر پی ڈی ایس اسکیموں کو از سر نو ترتیب دینا چاہئے اور اس کی فنڈنگ کے وی آئی سی کے بجٹری وسائل سے ۴ فیصد کی شرح پر ہونی چاہئے اور مذکورہ شرح (کیونکہ تمام مستفیض ہونے والے اشخاص غربت کی سطح سے نیچے رہیں گے) تمام میعادی قرض و کام چلاؤ ضرورتوں، سبسڈی، تربیت اور اخراجات انفرااسٹرکچر پر عائد آئے گی اور کنسورشیم فنڈ کو ایس ای پی اور آر پی ڈی کے دائرہ عمل و اختیار سے باہر رکھا جائے۔

۲-۵ : اس کے ساتھ ساتھ اپنے نجی اداروں کے ذریعہ براہ راست طور پر چند اسکیموں کو اور ریاستی کے وی آئی بی اداروں کے ذریعہ دیگر اسکیموں کو مالی امداد بہم پہنچانے کے لئے کے وی آئی سی کے عمل کو فوری طور پر روک دینا نہایت ہی ضروری ہے چونکہ یہ عمل صرف تذبذب ہی نہیں ہے بلکہ یہ احساس بھی پیدا کرتا ہے کہ کے وی آئی سی اداروں کے ذریعہ امداد مستفیض ہونے والے اشخاص کے مقابلہ میں زیادہ بہتر خدمات پائیں گے

۲-۶ : مزید برآں کے وی آئی سی کا موجودہ عمل کا مقصد دونوں ہی اسکیموں کو خواہ براہ راست طور پر اور ریاستی کے وی آئی بینر کے ذریعہ زیر غور لانا ہے اور ماضی میں اداروں کو ہماری ریاستی کے وی آئی بی سے

علیحدہ کرنے کی اور کے وی آئی سی کے تحت براہ راست طور پر انھیں لانے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ ان غیر صحتمندانہ رجحانات کو دور کرنے کے لئے میں زبردست طور پر یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمام اداروں کو ریاستی کے وی آئی بینز کے ساتھ جوڑا جانا چاہیئے اور تمام کے وی آئی سی اسکیموں اور پروجکٹوں کو ریاستی کے وی آئی بینز کے ذریعہ بیست و نابود کردیا چاہیئے تاکہ اس میں کہیں غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔

۲۔۷ : مغربی بنگال میں تمام دیہی اسکیمیں پنچایتوں کے ساتھ قریبی ہم آہنگی توسط سے روبہ عمل آئی ہیں اور ہماری ریاست میں لامرکزیت کے اس بہتر طور پر قائم کردہ عمل کو از سر نو منظم کرنا کے وی آئی سی کے لئے ضروری ہے اور انھیں چاہیئے کے وی آئی اسکیموں کے سلسلہ میں ہمارا پنچایتوں اور این جی اوز کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہیئے کے وی آئی سی اسکیمیں اس وقت تک مقبول عام نہیں ہو سکتی ہیں اور ایکو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل نہیں لایا جاسکتا ہے جب تک کہ پنچایتوں کو قریب سے ان میں ملوث نہیں کیا جاتا ہے اور جبکہ وسیع، صحیح اور باقاعدہ طور پر لوگ امکانی فوائد سے فیضیاب نہیں ہوتے ہیں۔

۲۔۸ : کے وی آئی سی اور ہماری ریاستی کے وی آئی بی کے درمیان ایک قریبی تال میل بھی پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ کے وی آئی بی اداروں اور پنچایتوں کو خود روزگار اور کے وی آئی سی کی بے شمار اسکیموں کے ذریعہ روزگار کے زوردار امکانات کے ساتھ پورے طور پر ہم آہنگ کیا جاسکے کیونکہ مذکورہ اسکیمیں پرکشش پیکجوں، کم شرح سود، مراعات، سبسیڈیز، آلات، بازاری حمایت، تکنیکی تعاون وغیرہ کی پیشکش کررہی ہیں۔

۲۔۹ : حتمی طور پر جب یہ تصفیہ کیا گیا کہ کے وی آئی سی انفرادی اسکیموں اور ادارہ جاتی معاملوں دونوں ہی کو تکمیل تک پہنچائے گی تو پہلے ہی سے ادارہ جاتی معاملوں کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں کوششیں کی گئیں گرچہ انفرادی اسکیمیں ہماری ریاست میں تجویز کی گئی ہیں اور وہ بھی بڑی کثیر تعداد میں۔ کے وی آئی سی پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ سختی سے صرف استحقاق کی میعاد پر تمام معاملوں خواہ وہ انفرادی ہوں یا ادارہ جاتی پر غور و خوض کرے۔

۳۔ پی ایم آر وائی اور خود روزگار کے مواقع

۳۔۱ : جب مرکزی حکومت ملک کے لئے اصل خود روزگار پروجکٹ کے طور پر پی ایم آر وائی کو اعلیٰ ترین ترجیح دیتی ہے تو گزشتہ تین برسوں کے دوران مغربی بنگال میں شریک ہونے والے بینکوں سے ملنے والے

تاثرات اور جوابی اقدام یکساں طور پر مایوس کن رہے یعنی ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران اسپانسرڈ کئے جانے والے ۴۷،۴۳ معاملوں میں سے صرف ۱۰،۴۶۳ معاملوں (جبکہ ہمارا نشانہ ۲۲۹۰۰ کا تھا) کو متعلقہ بینکوں نے منظوری دی۔ بہ الفاظ دیگر ملک کے کمترین ۴۵ فیصد کو منظوری ملی۔ بینکوں سے ملنے والے اس نرم گرم تاثرات کا موازنہ جیسے گجرات، مہاراشٹر، راجستھان، اتر پردیش، تامل ناڈو، مدھیہ پردیش، کرناٹک وغیرہ جیسی دیگر ریاستوں میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے تو نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ مذکورہ بالا ریاستوں میں بینکوں سے ملنے والے جوابی اقدام مقابلتاً ہمارے والوں سے بہت بہتر رہے۔ یہی نہیں بلکہ تجاوز کیا گیا۔

۳۔۲ : اپریل۔ جولائی ۱۹۹۶ء کی مدت کے دوران ہملوگوں نے (۲۲۹۰۰ کے سالانہ نشانہ کے مقابلہ میں) ۱۰،۴۶۷ معاملوں کو اسپانسر کیا۔ ان میں سے بینکوں نے ۳۶۰ کو منظوری دی، ۱۰۱ معاملوں کو فنڈس فراہم کئے، ۱۴۶ معاملوں کو رد کیا اور ۸،۱۷۱ معاملوں کو زیر غور رکھا۔ الغرض متعلقہ ترقی کی صورت حال نہایت خراب اور مایوس کن رہی۔

۳۔۳ : ستمبر ۱۹۹۳ء سے (جب پی ایم آر وائی کا آغاز ہوا تھا) ہملوگوں نے مسلسل تمام سطحوں پر اس بات کو یقینی بنانے کی کوششیں کی ہیں کہ پی ایم آر وائی معاملوں کی جانچ پڑتال، چھان بین، ذمہ داری اور تیار کرنے کے تمام تر مراحل میں بینکوں کو شامل رکھا جائے تاکہ متعلقہ شاخ منیجروں کی جانب سے فنڈس کی منظوری کے مراحل تیز رو اور سہل بن پائیں، بد قسمتی سے اب تک مذکورہ کوششوں سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔ شاید اس لئے کہ بینک عدم اعتماد کے شکار ہیں کہ پی ایم آر وائی کے مستفیضان بینکوں کے قرضوں کی ادائیگی نہیں کریں گے اور اس طرح مذکورہ مقابلتاً کام میں نہ آنے والے اثاثے میں تبدیل ہو جائیں گے چونکہ کام میں نہ آنے والے اثاثے کے ظہور میں آنے کے غیر حقیقی خوف کو بینک حقیقی نظر بنا کر نہیں پیش کرسکتے ہیں اس لئے بینک کے شاخ منیجر مذکورہ معاملوں کو رد کرنے کے لئے بیہودہ اور غیر منطقی اسباب پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ٹاسک فورسز (جو پی ایم آر وائی کو اسپانسر کرتے ہیں) بینک کے نمائندوں پر مشتمل ہیں اور ان معاملوں کو متعلقہ بینک کے شاخ منیجر اور بلاک ڈیولپمنٹ افسر کے ذریعہ پروسس کئے جانے سے قبل ہی جانچا اور پرکھا جا چکا ہوتا ہے۔ ضلع اور ریاستی سطحوں پر بینکوں کے ساتھ کی گئی فقط ثانیوں اور دیئے گئے جائزوں کو پیش رفت کے مواقع نہ ملے اور انہیں

ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔

۳۔۴ : آج اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے بینک کے نمائندوں سے میں اس بات کو سمجھنے کی درخواست کرتا ہوں کہ مغربی بنگال میں اسپانسرڈ معاملوں کی ۵۵ فیصد رد کئے جانے کی شرح۔ (i) خود روزگار پروجیکٹوں کو اپنانے کے سلسلے میں بے روزگار نوجوانوں کو بڑھاوا دینے والی ریاستی مشنری کی کوشش اعتقادی کو زبردست نقصان پہنچاتی ہے اور (ii) اس اعتماد کو اکھاڑ پھینکتی ہے کہ قومیائے گئے بینک قومی سطح پر اپنائی گئی اسکیموں کے تحت زیر بحث کس معاملوں کے فنڈس کی ضرورتوں کے لئے باعث فخر ہوگا۔ دراصل چند قومیائے گئے بینکوں کے اعلیٰ افسروں نے کہیں کہیں واضح طور پر اس رائے کی پُر زور تائید کی ہے کہ فنڈس صرف سماجی یا سیاسی امتیازات کے تجارتی طور پر قابل عمل مقاصد کے لئے دیئے جانے چاہئیں

۳۔۵ : میں اس بات کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا کہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے علاوہ ہماری ریاست کے بیشتر پی ایم آر وائی معاملوں کو تین دیگر بینکوں (یعنی یونائیٹڈ بینک آف انڈیا، یونائیٹڈ کمرشیل بینک آف انڈیا اور الہ آباد بینک) نے اسپانسر کیا ہے کیونکہ ان بینکوں کے پاس عظیم تر وسیع شاخ نیٹ ورک ہیں۔ ان کے صدر دفاتر کلکتہ میں واقع ہیں اور یہ ہمارے لیڈ بینکس (سربراہ بینک) کہلاتے ہیں۔ بدقسمتی سے قومیائے گئے بینکوں کے درمیان مذکورہ بالا بینکس ممکنہ طور پر بیمار ترین واقع ہوئے ہیں اور اس لئے بھی شاید پی ایم آر وائی پر کثیر پیمانے کے ساتھ شرکت کرنے کے باوجود مزید این پی اے کی تشکیل سے گریز کرنے کی ناموزوں تشویش کی صورت حال سے یہ دوچار ہیں۔

۳۔۶ : جب تک کہ یہ بینکس اپنے اس رجحان میں تبدیلی نہیں لاتے ہیں اس وقت تک ۲۲۹۰۰ کے ہمارے نشانے کے سلسلہ میں سنہ ۹۷-۱۹۹۶ء کے دوران حالیہ پی ایم آر وائی کی شرح رد کو ۵۵ فیصد سے نیچے جاتے ہوئے میں نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔ میں شری مورا سولی مران سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ مغربی بنگال کے پی ایم آر وائی پر خصوصی جائزہ کا اہتمام کریں اور دیکھیں کہ تشفی بخش کامیابیوں کو یقینی بنانے کے لئے کیا ضروری اقدامات فوری طور پر لینے ہیں اور ساتھ ساتھ ہندوستان کی اول متحدہ محاذ حکومت اور مغربی بنگال کی پانچویں بائیں محاذ حکومت کے مقاصد کو زوردار بنائیں۔

۳۔۷ : ہم لوگوں نے پی ایم آر وائی کے تحت اسپانسر کئے جانے والے پروجیکٹوں کو اہم ایس ایس آئی زور دار علاقوں کی ہماری ریاست میں شمولیت کے لئے پہلے ہی سے وسیع بنیاد بنایا ہے۔ یہ رہے چمڑے اور انکی مصنوعات، سلے سلائے کپڑے، پارچہ جات (بشمول ہینڈ لوم، پاور لوم اور ریشم کے مصنوعات) پٹسن کی گوناگوں مصنوعات، ہیرے اور جواہرات، کھیل کھلونے، اطلاعاتی ٹکنالوجی (بشمول کمپیوٹر، ہارڈ ویئر اور سوفٹ ویئر) فوڈ پروسسنگ انڈسٹریز، انجینئرنگ اور فونڈری مصنوعات، باغبانی (بشمول باغات) الیکٹرک اور سنتھیٹک، فائبر ڈاؤن اسٹریم اکائیاں، کیمیائی مرکبات و ادویات، ضمنی مصنوعات برائے پٹسن / چائے / انجینئرنگ انڈسٹریز اور برائے پی ایس یوز / ریلویز / دفاعی ضروریات، جوئیلری اور سٹ ویئر مصنوعات ریشمی اور تسر، کوئر اور جیمز لاکھ کے مصنوعات، جنگلاتی پیداوار (سال کے پتوں اور بیج، سوئی گھاس وغیرہ) کا استعمال کا تجربہ، چاول کی بھوسی، کھانے کے تیل، دیگر تیل اور دوائی پودے، کثافت کو دور کرنے والے آلات، مینٹیننس اور سروسنگ ساز و سامان وغیرہ۔

۴ : ایس ایس آئی، پی ایم آر وائی کیلئے قومی ہم آہنگی کی ضرورت

کیسے تب ہم لوگ آج صنعتی فروغ کے لئے حکمت عملیوں میں عموماً ایس ایس آئی اور خصوصاً پی ایم آر وائی اور کے وی آئی کو توجہ کا مرکز بناتے ہیں؟ مجموعی طور پر لوگوں کے لئے روزافزوں ترقی زرعی سرگرمیوں کے ذریعہ قابل کاشت اراضیات کی توسیع اور کاشت کاری کی ٹکنالوجی کی توسیع تک ہی محدود ہے۔ اسی طور پر بڑی اور درمیانہ پیمانے والی منظم سکٹروں پر ضرورت سے زیادہ زور ڈالنے کی کامیابی کا دارومدار (طویل مدتی فروغ کی ضمانت کے لئے) ہمارے ملک میں خام اشیاء کی دستیابی، ٹکنالوجیکل رکاوٹی مسائل اور بین الاقوامی رقابت پر ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایسی بیداری میں بڑھتی ہوئی آمدنی اور مقامی نابرابری وغیرہ کی سماجی و معاشی پیچیدگیوں کو بھی وجود میں لاتا ہے۔ ایس ایس آئی اور ایلائیڈ سکٹرس ان دو سکٹروں کے درمیان قابل عمل رابطہ قائم کرتے ہیں اور یہ رابطہ بدلتے وقت کے ساتھ خود کو ڈھالنے کے سلسلہ میں لچک اور صلاحیت رکھنے والے چھوٹے کاروباریوں سے آنے والے لوگوں کی ممکنہ کثیر ترین تعداد کو آمدنی کے ممکنہ کثیر ترین وسائل کی تعداد فراہم کر سکتا ہے۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کی کامیابی مذکورہ مقصد کی حصولی میں نہایت ہی مشکل ترین نظر آتی ہے۔

۴۔۲ : لہٰذا ایس ایس آئی سکٹر کے لئے ایک نیشنل کونسل، ایس ایس آئی توقعات و بیماری، ایس ایس آئی بحالی میکانزم کے آغاز، ترجیح اور اینول

باقی صفحہ پر 4

بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ نے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات کی

بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ شری عبدالصمد آزاد نے گذشتہ ستمبر کو رائٹرس بلڈنگس میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات کی اور ہندو بنگلہ دیش کے درمیان گنگا کے پانی کی تقسیم کے انتظامات سے متعلق حکومت بنگلہ دیش کے مطمح نظر سے انھیں آگاہ کیا۔ اس میٹنگ کے دوران ریاستی وزیر برائے داخلہ (پولس) اور اطلاعات شری بدھا دیب بھٹا چاریہ اور وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا بھی موجود تھے۔

بعد میں اخباری نمائندوں کو اس میٹنگ کے نتیجہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ وزیر اعلیٰ موصوف نے ان کی بات کو کافی اہمیت دی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ اس بات سے پوری طرح واقف ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ فرخا سے پانی کا کم مقدار چھوڑنے کی وجہ سے ان کے ملک میں ماحولیاتی مسائل پیدا ہوں گے۔ شری آزاد ۱۹۷۷ء میں ہند و بنگلہ دیش کے درمیان دو رخی معاہدے میں جو کچھ بھی متعین کیا گیا تھا اس کے بہ نسبت زیادہ پانی پانے کے سلسلہ میں خوش امید ہیں۔ شری آزاد نے بتایا کہ یہ ان کا نیک سیاسی میشن ہے اور پانی کی تقسیم صرف ان کے ملک کا معاملہ نہیں ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ پانی کی تقسیم کا انتظام کا آئندہ ماہ کے اندر باہمی طور پر تصفیہ ہو جائے گا۔

شری آزاد نے بنگلہ دیش کے وزیر اعظم کی جانب سے شری جیوتی باسو کو بنگلہ دیش آنے کی دعوت بھی دی۔ انھوں نے ۱۹۷۷ء میں بنگلہ دیش کی جدوجہد آزادی کے دوران ہندوستانی پریس کے مثبت کردار کے لئے شکریہ بھی ادا کیا۔

بعد میں وزیر اعلیٰ سے دریافت کرنے کے بعد انھوں نے کہا کہ قومی سطح پر ماہرین کی ایک کمیٹی جلد ملاقات کریگی اور اس سلسلہ میں کسی فیصلہ لینے کے لئے مناسب اتھوریٹی ہوگی۔ اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے قبل تمام پہلوؤں کا جائزہ لے گی۔ ■■

پریتی لتا کو خراج عقیدت

ریاستی شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور چٹاگام کاؤنسل کے اشتراک سے گذشتہ ۲۴ ستمبر کو پریتی لتا وادیدر کی شہادت کی ۶۵ ویں برسی منائی۔ تحریک جنگ آزادی کی پہلی خاتون شہید کو ممتاز مجاہد آزادی کلپنا تا رو سین گپتا، سابق ایم پی مالنی بھٹاچاریہ، کلکتہ کارپوریشن کے چیئرمین پرشانت سین گپتا اور دیگر ممتاز شخصیتوں نے خراج عقیدت پیش کر کے انھیں یاد کیا۔ اس عظیم شہید کے مجسمہ پر بھی ممتاز شخصیتوں نے گلہائے عقیدت پیش کئے۔ ریاستی وزیر برائے خود روزگار پروگرام (شہری) شریمتی چھایا بیرا نے اس تقریب کی صدارت کی۔ ■■

اینڈرائیج کی تکمیل

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹا چاریہ نے گذشتہ ۱۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ایک بات چیت کے دوران بتایا کہ اینڈرائیج، نندن اور چیپلن کی طرح بہت جلد فلمی مرکز کے طور پر چالو ہو جائے گا۔ اس تھیٹر کی ترقی کے لئے بہت سے اقدامات اپنائے جائیں گے۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ یہاں مختلف مقامی پروگرام اب بھی بدستور ہوں گے۔ ■■

خصوصی خود-روزگار پروگرام

ریاستی حکومت نے ریاست کے شہری اور نیم شہری علاقوں میں ایک خصوصی خود-روزگار پروگرام کو چالو کیا ہے۔ مجوزہ ۱۰ لاکھ روپئے کے ساتھ چھوٹے پیمانے کے صنعتی ادارے اس پروگرام کے دائرہ عمل میں آئیں گے۔ اس پروگرام کے تحت ان اداروں کی ماہانہ خاندانی آمدنی ۵ ہزار روپئے سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ادارے سرمایہ کا ۵ فیصد سرمایہ کاری کریں گے ریاستی حکومت ۱۰ فیصد برداشت کرے گی اور باقی رقم بینکوں سے قرض کے طور پر مہیا کیا جائے گا۔ ■■

مرکزی وزیر برائے محنت شری ایم اروناچلم کے نام ریاستی وزیر محنت شری شانتی گھٹک کا مکتوب

ڈی او نمبر ۱۹۹۹ ایل ایم — مورخہ ۲۸ ستمبر، ۱۹۹۶ء

ڈیر شری اروناچلم !

آئندہ ۲۴-۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو نئی دہلی میں ہونے والے انڈین لیبر کانفرنس (آئی ایل سی) کے ۳۳ویں سیشن کی ابھی ابھی خبر موصول ہوئی ہے۔

آپ نے گذشتہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مشرقی خطہ کے علاقائی وزیر برائے محنت کانفرنس کا انعقاد کا اہتمام کیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ آئندہ قریب میں دیگر خطوں کے علاقائی کانفرنس بھی منعقد کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی کارآمد ہوتا اگر آپ ان علاقائی کانفرنسوں، جن میں ہونیوالے بحث مباحثے زیادہ معنی خیز ہیں، کے بعد اس انڈین لیبر کانفرنس کو بلائے ہوتے۔ آپ آئی ایل سی کے لئے پیش ناموں کو متعین کرنے سے پہلے ریاستی حکومتوں کے تمام خیالات بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ۱۳ دسمبر ۹۶ء کو اسٹینڈنگ لیبر کمیٹی میں پیش کردہ بہت سے اہم و نازک نکات، جنھیں زیر بحث نہیں لایا گیا تھا اور اس معاملہ میں ملازمین، ٹریڈ یونینوں اور ریاستی حکومتوں کے ساتھ الگ الگ بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، انہیں ہنوز کوئی جگہ نہیں ملی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ آیا آئی ایل سی میں کوئی بھی بحث و مباحثہ اتفاق رائے کے بغیر ثمر آور ہو سکتا ہے۔

مجھے آپ سے دو بار ملنے کا موقع ملا تھا بالخصوص مغربی بنگال سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں۔ ایک پرانے ٹریڈ یونین لیڈر اور ۱۵ برسوں سے زائد عرصہ میں ایک وزیر محنت کی حیثیت سے آپ کے ساتھ کسی وسیع پالیسی کے مسئلوں پر بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آئی ایل سی مشکل ایک ایسا فورم ہوگا جہاں میرے ساتھی اور میں اپنے خیالات کو مفصل طریقے سے پیش کر سکیں گے۔

میں نے آئی ایل سی کے لئے پیش ناموں کی تیاری میں مرکزی حکومت کی جانب سے اپنائے گئے طریقۂ کار پر اپنی سنجیدہ شرائط کے بارے میں آپ کو بتا دیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اہم مسئلوں پر بار بار غور کئے بغیر، سابق کانگریسی حکومت کی پالیسیوں میں سے ایک عام ہدایت کے تقلید محنت پر برا اثر مرتب کریگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان پالیسیوں کو جاری کرنے سے پہلے ان پر تفصیل سے بات چیت کرنے کی ضرورت ہے۔

مزید برآں مشرقی خطہ میں تہوار کے موسم کے ساتھ اس کی تاریخوں کا تعین بھی ایک ہی وقت میں کیا گیا ہے اور ہمارے بہت سے ساتھی اس میں شرکت کر سکیں گے۔

ایسے حالات میں، میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ اس میٹنگ کو کم از کم ایک ماہ تک کیلئے ملتوی کر دیں اور پیش ناموں کو پیشگی کے طور پر تقسیم کرنے کا بندوبست کروائیں تاکہ بحث و مباحثہ بامعنی ہو۔

بصد خلوص

مخلص

دستخط: شانتی گھٹک

بخدمت شری ایم۔ اروناچلم
وزیر برائے محنت، حکومت ہند
شرم شکتی بھون — نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱

اردو کہانی کو پریم چند کی دین

سالک لکھنوی

پریم چند نے اردو کہانی کو جو نیا دور اردو ادب کے لئے دیا وہ کیا ورثہ چھوڑ گئے اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں پریم چند سے سو سال قبل جانا پڑے گا کیونکہ اس سفر کے بغیر ہم پریم چند کی منزل کو نہیں پاسکتے۔

اردو ادب میں ہمیں سب سے پہلی کہانی سید انشا کی "رانی کیتکی" ملتی ہے یہ ۱۸ء کی تصنیف ہے۔ التزام یہ ہے کہ پوری کہانی میں ہمیں فارسی عربی کا ایک لفظ بھی نہیں ملتا یہ ایک غیر مربوط کہانی ہے جس میں ابتدائی داستان گوئی کے نقوش تو ملتے ہیں لیکن نہ کوئی پلاٹ ملتا ہے، نہ کوئی کردار ابھرتا ہے لیکن یہ پہلی کوشش ہے اور اچھا ہے۔

۱۸۰۱ء میں میر امن "باغ و بہار" لکھتے ہیں۔ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۲ء کے درمیان سید حیدر بخش حیدری "لیلیٰ مجنوں"، "طوطا کہانی" اور "آرائش محفل" پیش کرتے ہیں۔ ۱۸۱۳ء میں نہال چند لاہوری اخلاق و تصوف کو "گل بکاؤلی" کا رنگ دیتے ہیں۔ ۱۸۴۶ء میں رجب علی بیگ سرور کا "فسانۂ عجائب"، ۱۸۶۹ء میں نذیر احمد کی مراۃ العروس، ۱۸۷۱ء میں سید محمد عبداللہ بلگرامی کی "طلسم ہوش ربا"، ۱۸۸۲ء کے دوران میں حامد علی کی "ہزار داستان"، ۱۸۸۹ء میں رتن ناتھ سرشار کا "فسانۂ آزاد"۔ ۱۸۹۰ء میں عبدالحلیم شرر کے دو ناول ملک العزیز ورجنا" اور "منصور موہنا" سامنے آتے ہیں اور ۱۹۰۰ء میں مرزا ہادی رسوا اپنا مشہور ناول "امراؤ جان ادا" پیش کرتے ہیں جو اردو ناول نگاری کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

نذیر احمد، سرشار اور شرر کے ذریعہ اردو ناول نگاری کے فن کو کچھ سانچے ملے جن سے پریم چند نے بھی کام لیا لیکن سانچے تنگ بھی تھے اور کھردرے بھی، نذیر احمد کے یہاں یک رنگی اور مخصوص زوال پذیر معاشرے کی نمائندگی تھی۔ ان کی "مراۃ العروس" بنات النعش" اور "ابن الوقت"، میں دہلی کی زوال آمادہ مسلم تہذیب اور اس معاشرے کے مسائل تھے جو اپنے کاندھوں پر ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کا بار لئے ہوئے تھا۔ سرشار کی طویل بے ربطی میں لکھنؤ کی زوالی تہذیب کی عکاسی تھی اور شرر کے یہاں مغربی طرز کی ناول نگاری کی کوشش جس میں ایک مخصوص مذہبی ماحول کی لاتبدیلی اکتا دینے والی تھی۔ صرف رسوا کی "امراؤ جان ادا"، میں وہ صحیح فنکاری ملتی ہے جس کی بنیاد پر فن ناول نگاری کے محل تیار کئے جاسکتے تھے اور کئے گئے۔ یہ پہلا ناول ہے جس میں کردار نگاری کا حق ادا کیا گیا ہے۔

لیکن یہ کل سرمایۂ ادب جاگیردارانہ نظام کے ذہنی قیدخانوں کا ادب ہے اس ادب سے جہد زندگی کسی پاک و بلند جذبے سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ تصور فنکار کا نہیں ماحول کا ہے۔ مصلحت اندیشی کا ہے، قرب سلطانی کی خواہش کا ہے۔ امراء کو خوش کرنے اور رکھنے کی کوشش کا ہے۔

اس ادب میں بھیانک دیو، جن اور حسین پریاں ہیں، اور نازک اندام معشوقائیں ہیں اور پُرچلتر بیسوائیں ہیں اور بہادر حسین ہیرو ہیں جو عموماً بادشاہزادے ہیں یا وزیرزادے یا سوداگر بچے، کیونکہ اچھائی اور ہمت کا تصور شاہزادوں اور وزیرزادوں اور سوداگر بچوں سے ہٹ کر ذہن میں آہی نہیں سکتا تھا اگر کبھی آ بھی جاتا تو خوشامد و مصلحت کا قلم اس کا گلا گھونٹ دیتا۔

یہ زندگی سے دور اور خواب آفریں ادب تھا!۔

یہ پرخوروں کا ادب تھا جو فاقہ مستوں پر لادا جارہا تھا۔

یہ عمرو عیار اور اس کی زنبیل کا ادب تھا!

یہ بادشاہوں، نوابوں اور جاگیرداروں کا ادب تھا جہاں انصاف

ایک احسان تھا اور انصاف کی طلب ایک بدتمیزی تھی۔

یہ اس ماحول کا ادب تھا جس میں کسی بے چارگی، یاس و ظلمت عوام کی قسمت تھی، اتنی عام کہ ایک عام آدمی خود کو ان سے مبرا تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔

زمانہ گزرتا رہتا ہے وقت کے تقاضے اور داستان گوئی کو ایک نئی روش سے آشنا کرتے ہیں، شہزادوں اور دیوتوں سے قدم آگے بڑھتا ہے۔ داستانی کردار اب کہیں ابن الوقت ہیں، کہیں میاں کلیم، کہیں طاہر دار بیگ، کہیں آزاد جیسے صدائی فوجدار ہیں تو کہیں حضرت حوجی مدظلہٗ العالی کی شکل میں ایک بے پناہ طنز جس کی قبولی عین وقت پر گرم نظر آتی ہے اور جو ایسی بیک میں بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں اور کہیں امراؤ جان ادا جیسی مہذب شاعرہ طوائف جلوہ ریز نظر آتی ہے۔

ہندوستان میں تحریک آزادی زور پکڑ رہی تھی۔ یہ ایسویں اور بیسویں صدی کے تصادم کا زمانہ تھا۔ ہندوستان کے عوام اگرچہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے تھے لیکن بندیں چونکنے ضرور لگے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اردو ادب میں حالی، شبلی، سرج برائن، چلبست اور اقبال کی نظموں نے مُردوں کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ شبلی اور سرسید کے مضامین ادب کو نئی راہوں سے آشنا کر رہے تھے اور ان کے قلم کے ذریعے ایک بڑا اور باشعور طبقہ نئے ہنگاموں، نئے جذبوں اور نئی قدروں سے آشنا ہو رہا تھا۔

اردو کا یہ بڑا نازک دور تھا۔ قوم ذہنی افلاس میں مبتلا تھی۔ ملک میں تھکا تھکا سا ایک سیاسی شعور انگڑائیاں لینے لگا تھا جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر ضرورت سے زیادہ سو جائے اور اٹھے تو ہر شئے سے بیزار نظر آئے۔ قوم میں کچھ اسی قسم کی بیزاری دکھائی دے رہی تھی۔ نقوش منزل مبہم تھے اور رہبر و راہی یقین کامل سے محروم۔

اس نازک دور میں داستان گوئی نے ایک کروٹ لی۔ مغربی ادب سے متاثر کچھ داستان گو سامنے آئے۔ یہ تھے سلطان حیدر جوش، سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتحپوری، ان کا دور اردو افسانے کی رومانی انشا پردازی کا دور تھا۔ حقیقت نگاری سے دور، عام انسانی ادب و الم سے بے خبر آگاہ ہو پھر بھی ان بزرگوں نے افسانے کو نئی زبان دی، نیا اسلوب بیان دیا جن سے متاثر ہو کر ل، احمد، مجنوں گورکھپوری، طالب باغپتی اور حسن عزیز جاوید اپنے اپنے رنگ قائم کر گئے لیکن اس دوران میں بقول ڈاکٹر محمد حسن:-

" تحریک آزادی نے ہمارے نثری ادب کو دو تحفے بخشے۔ ایک پریم چند کے افسانے دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد کے مضامین ــــــ" (ادبی تنقید ص۱۲۳)

دونوں کے دور رس نگاہوں میں ماضی کی بنیادی قدریں تھیں اور مستقبل کی تابناک منزلیں۔ ابوالکلام کی نثر نے قوم و وطن کو جو عطا کیا وہ ہندوستان کی آزادی اور اردو ادب کا ایک لافانی تابناک باب ہے۔ پریم چند کی دین نے اردو افسانہ اور ناول نگاری کو وہ مستحکم بنیادیں عطا کیں جن پر اب تک کتنے ہی خوبصورت محل تعمیر ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ پریم چند نے صرف سفر شدہ راستوں پر قدم نہیں بڑھایا بلکہ منزل کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کیں، خود چلے اور ایک کارواں بناتے چلے ــــ علی عباس حسینی، اعظم کریوی، سدرشن، سہیل عظیم آبادی ــــ بہت دور تک پریم چند کے نشان قدم پر چلے پھر اپنی اپنی راہیں بدل لیں اگرچہ منزل وہی ہی۔

پریم چند کو اپنے پیش روؤں سے جو ملا تھا پہلے تو انہوں نے اس کی آرائش و زیبائش کی نکھار سنوارا اور پھر ایک پیمبر کی طرح مستقبل کیلئے وہ شریعت عطا کی جو مستحکم بھی تھی اور مکمل بھی! یہ شریعت تھی ــ افسانے میں سچ بولنا۔

اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے کہا تھا ــــ " ہمیں حسن کا معیار بدلنا پڑے گا۔" یہ جملہ بڑا ہی بلیغ اور انقلابی ہے۔ معیار کا تعلق ہمیشہ ماضی کی روایات سے رہا ہے۔ لیکن زندگی کی قدریں بدلتی رہتی ہیں کیونکہ زندگی خود بدلتی آگے بڑھتی اور نئی قدریں، نئے معیار قائم کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ زندہ مردہ ہے جو ماضی کے قید خانے میں رہ جائے اور جس کے سامنے مستقبل کا کوئی آئینہ نہ ہو۔ بقول اقبالؒ

اگر امروز تو تصویر دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست!

یا پھر:- تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہردم جواں ہے زندگی

اور جو چیز جاوداں، پیہم دواں، ہردم جواں ہو اس کا معیار حسن کسی ایک حالت پر کیونکر قائم رہ سکتا یا رکھا جا سکتا ہے ــــ ؟

حسن کی بات نکلی ہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ پریم چند سے پہلے حسن کا معیار و مقام کیا اور کہاں تھا اور پریم چند نے اسے کہاں کہاں پا

اور کیونکر نکھارا سنوارا اور آراستہ کیا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنی تصنیف "ادبی تنقید" میں پریم چند کے باب میں ایک بڑا ہی لطیف و بلیغ جملہ استعمال کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

"پریم چند نے ایک عام انسان کو شہزادوں سے بڑھ کر
حُسن اور پریوں سے بڑھ کر دلنواری بخشی ہے۔"

پریم چند کے زمانے تک شہزادوں تک ہر ایک کی رسائی رہتی اور پریاں تو ایک عام انسان کے خواب میں آنے سے بھی کتراتی تھیں۔ پریم چند اردو ادب میں پہلا فنکار ہے جس نے حُسن کو گلیوں، فٹ پاتھوں، دیہاتوں، دیہاتیوں اور مزدوروں میں تلاش کیا۔ اور پایا۔ جو حُسن ملیح آبادی کو کسی مزدور دوشیزہ کے پتھر توڑنے میں چوڑیوں کی جو کھنک سنہ ۱۹۳۳ء میں سنائی دی تھی اسے پریم چند نے سنہ ۱۹۲۴ء ہی میں سن لیا تھا۔ احتشام حسین کہتے ہیں۔

"ترقی پسندی کچھ کچھ نہیں، اگر وہ بندھے ٹکے اصول کے
ماتحت ہر مسئلہ کا فیصلہ کر دیتی ہے یا ایک ہی لاٹھی سے سب کو
ہانک دیتی ہے۔ ترقی پسند تنقید کا خیال ہے کہ ہر ادیب
اپنے سماجی شعور کی بنا پر اپنے طبقاتی رشتے میں اپنے
معاشرتی عقائد اور فنی تصورات کی روشنی میں ایک نیا
مسئلہ پیش کرتا ہے۔" (تنقید اور عملی تنقید)

کسی فنکار کو اس کے ماحول سے الگ رکھ کر صرف فن کی تصوراتی کسوٹی پر نہیں جانچا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو ادب یا معرہ بن جائے گا یا معمہ۔ یہ دیکھنا ہے کہ فنکار کس ماحول کی پیداوار ہے۔ اس ماحول میں زندگی کو توانا کرنے والے عناصر ہیں یا موت میں لے جانے والے جراثیم۔ فنکار نے اپنے ماحول سے کیا سلوک کیا۔ انتخاب و احتساب میں کس روش سے کام لیا۔ جراثیمی ماحول کا تجزیہ کرنے کے بعد خود روایت کا شکار ہو گیا یا ماحول سے ٹکرا کر اسے بدلنے کی کوشش کی؟

بیسویں صدی کی اولین تین دہائیوں کا ہندوستان نہ تو وہ رواں آمادہ اور انحطاط پذیر ہندوستان تھا جس کے آثار اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے آخر تک ملتے ہیں اور نہ وہ ہندوستان تھا جو خود اعتمادی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو۔ یہ ایسا عہد تھا جب کعبہ و کلیسا دونوں اپنی اپنی جانب دامن کھینچ رہے تھے۔ فنکار کا رومان پسند بن جانا بھی ممکن تھا اور حقیقت پسند بھی۔ روایت پرستی کا پتھر بھی گلے میں ڈالا جا سکتا تھا اور انقلاب پسندی کی مقناطیسیت بھی اپنی جانب کھینچ سکتی تھی۔ کانگریسی اور کمیونسٹ

تحریکوں سے بھی تاثر قبول کیا جا سکتا تھا۔ مسلم لیگی اور ہندو مہاسبھائی ذہنیت کو بھی گلے لگایا جا سکتا تھا۔ ان امکانات میں کن مشکلوں کا سامنا دینا ترقی پسندی تھی اور کن کے ساتھ رہنا رجعت پرستی و قوم فروشی کی نشانی تھی اس کا پہچان لینا آج بھلے آسان ہو، اس وقت آسان نہ تھا۔

پریم چند نے ہندوستان کی اس الجھی ہوئی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کی، احتشام حسین مرحوم کی نظر میں :

"اس نے سمندر میں کود کر طوفان کا اندازہ کیا، کشتی کی زبوں حالی
اور طوفان کے ٹکراؤ کا اندازہ کیا۔ اہل ساحل اور ساحل طلبوں
کی ذہنی کشمکش کا اندازہ کیا، اس نے میزبان کی مجبوری
اور مہمان کی خود غرضی کا اندازہ کیا ـــــ اس نے زندگی
کے تجربوں سے اپنی جھولیاں بھر لیں اور پھر ان تجربوں کو بنا
سنوار کر اپنی ناولوں اور افسانوں میں پیش کر دیا۔" (عملی تنقید)

ان کے ناولوں اور افسانوں میں ہمیں اس زمانے کی پوری آئینہ برداری ملتی ہے۔ روایتی شعور عصری آگاہی میں تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔ اجتماعی آبرومندی کی للک، شخصی و طبقاتی گراوٹ، آزادیٔ وطن کے لئے جدوجہد، ایثار و قربانی، ذاتی منفعت کے لئے قوم فروشی و غداری، ملاؤں اور پنڈتوں کی ریاکاریاں، مذہب کے نام پر خون خرابہ، ملکی و آزادی کی خواہش، پستی و غلامی کا احساس، پرانی قدروں کا نئے میلانات و رجحانات سے سمجھوتہ، غرض یہ کہ ان کے قلمی آئینے میں وہ سب کچھ ملتا ہے جس سے ان کے زمانے کا ہندوستان عبارت تھا۔

پریم چند سرکاری ملازم تھے۔ سرکار انگریزوں کی تھی اور ہندوستان انگریز کا غلام تھا۔ پریم چند کو محسوس ہوا کہ اس حالت میں وہ کھل کر سچ نہیں بول سکتے۔ انہوں نے سچ کے لئے ایثار سے کام لیا اور نوکری سے استعفا دے دیا اور ظلم و غلامی کے خلاف اپنے قلم سے جہاد شروع کر دیا!

پریم چند کے ناولوں اور افسانوں میں ہمیں عصری آگاہی ملتی ہے۔ "سوز وطن" اور "سیوا سدن" سے "کفن" تک تیس برسوں کا ایک طویل سفر ہے۔ اس سفر میں فنکار کی نگاہِ شعور سے سیکڑوں سماجی اور معاشرتی مناظر گزرے ـــــ اچھوتوں، کسانوں، مزدوروں، کامگاروں کی مجبوری، بے بسی، بے کسی اور بھوک، برہمنوں اور اونچی ذات والوں، نوابوں، زمینداروں، ساہوکاروں، امیروں اور تاجروں کی فرعونیت، ریاکاری، ظلم و جور، مکاری، فریب، وطن کی سیاسی صورت حال، تحریک آزادی، انگریز حکومت

کا تشدد، طلبا اور عوام کا احتجاج، ہڑتالیں، جلوس، لاٹھی چارج، گولیاں، پھانسیاں یہ سب پریم چند کے لئے موضوع داستان ہے۔ اور "حلوہ ایثار" "عیدگاہ" "چوگان ہستی" "گئودان اور میدان عمل" تک اور "بھارت کے نئے" "کفن" تک اپنے وقت کے ہندوستانی سماج کی وہ ایسی لازوال آئینہ بندی کر گئے جس میں مستقبل کی شکلوں کی جھلک نمایاں تھی۔

پریم چند کا کوئی ناول، کوئی افسانہ ہو جہاں بھی زمیندار اور ساہوکار کی کسان سے کشمکش ہوئی ہے۔ انہوں نے کسانوں کا ساتھ دیا ہے۔ سرمایہ دار اور مزدوروں کا تصادم ہوا ہے تو وہ مزدوروں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ دین دھرم کی آڑ میں ملاؤں اور پنڈتوں نے معصوموں کو لوٹنا چاہا ہے تو ان کے طنز نے ملاؤں اور پنڈتوں اور نام نہاد دین و مذہب کا پول کھولا ہے۔ حاکم نے محکوم پر ظلم کیا ہے تو وہ محکوم کے ساتھ رہے ہیں۔ زبردست ظالم کے مقابلے میں مجبور و مظلوم کے لئے آواز بلند کی ہے۔ پریم چند اردو کا پہلا فنکار ہے جس نے روایت سے بھرپور بغاوت کی ہے اور اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا ہے۔ بقول وقار عظیم:

" پریم چند ہمارا سب سے بڑا ناول نگار ہے۔ اس نے اردو کے افسانوی ادب کو اتنا کچھ عطا کیا جس سے آج تک جھولیاں بھر کر جا رہی ہیں۔" (اردو ناول کا ارتقاء)

بقیہ:- وزرائے اعلیٰ کی قومی کانفرنس سے ریاستی وزیر شری پرلے تعلق دار کا خطاب

کی خاطر خواہ دستیابی، ایس ایس آئی برآمدات کی اہمیت اور ایس ایس آئی سکٹر کے لئے ٹھوس حمایتی خدمات اور زراعت، صنعت، خدمات اور سماجیات کی دیگر سکٹروں کے ساتھ ایس ایس آئی سکٹر کے اتحاد پر مشتمل ہو گی۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی سی اسکیمیں راہ راست اس حکمت عملی سے فیضیاب ہوں گی۔

۴-۳: یہ خوشی کی بات ہے کہ آج مرکز میں ہمارے متحدہ محاذ کی حکومت قائم ہے اور یہ ہمارے مشترک کم از کم پروگرام کو روبہ عمل لانے کا مضبوط ارادہ رکھتی ہے اس لئے آج ہم لوگ قومی طور پر یہ توقع کرتے ہیں کہ مستقبل میں وسیع ایس ایس آئی سکٹر کے اہم کردار کو حقیقی طور پر سراہا جائے گا اور اس سکٹر کی ترقی کو یقینی بنانے کے لئے حال ہی میں وضع کردہ اور تربیت شدہ مناسب میکانزم اور حمایتی نظام سے اسے آراستہ کیا جائے گا۔

۴-۴: اختتام میں، میں اس بات پر زور ڈالنا چاہوں گا کہ ہماری ضرورت سے زیادہ آبادی والے ملک سے غربت اور بے روزگاری کو ہٹانے کے لئے ہمارے پاس کوئی جادوئی حل نہیں ہے۔ آمدنی میں اضافہ کرنے والے مواقعوں کو بھی جہاں تک ممکن ہے توسیع دی جانے کی ضرورت ہے — دونوں ہی یعنی آمدنی اور دولت کی نابرابری میں تخفیف لانے کی اشد ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مقامی نابرابریوں کو بھی دور کرنا ہے۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی سی اسکیمیں جو ایس ایس آئی سکٹر کے ایک اہم جزو کی تشکیل کرتی ہیں ہمیں امکانات سے نوازتی ہیں۔

میری دلی خواہش ہے کہ اس کانفرنس کو تمام تر کامیابیاں حاصل ہوں۔

بقیہ:- پریم چند — از: نعیم خاتون

ان کی ہندی اور اردو کتابوں کی متواتر اشاعت سے انھوں نے کافی دولت بھی کمائی۔ ان کی اسی مقبولیت کی بنا پر ہندوستانی فلمی صنعت نے ان کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے ہندی فلم کے لئے پہلی بار کہانی "مل مزدور" لکھی جو کامیاب ہوئی۔ اس کے بعد وہ فلموں کے لئے مستقل طور پر ہر ماہ ایک کہانیاں لکھیں لیکن اسی دوران ان کی صحت خراب ہونے لگی۔ ۲۵ جون ۱۹۳۶ء کو خون کی قے ہوئی۔ جس سے ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔ اسی بیماری کی حالت میں وہ ایک ناول "منگل سوتر" لکھ رہے تھے اس کے کئی باب ابھی مکمل ہوئے تھے کہ ۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس عظیم فنکار کا انتقال ہو گیا۔

نعیمہ خاتون

منشی پریم چند کا نام اردو اور ہندی ادبیات کی تاریخ میں یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے ہندی کے دوش بدوش اردو میں بے شمار بہترین کہانیاں لکھیں جو جدید تکنیک، حسب حال موضوع اور منفرد اظہار خیالات کی وجہ سے اردو کے جدید افسانوں کی بیس رہ ہوئیں۔ منشی پریم چند جدید افسانوں کے امام ہیں انھوں نے اردو کہانیوں کو سچ بولنا سکھایا اور زندگی سے قریب تر کیا۔ انھیں کے بتائے ہوئے اصولوں پر اردو افسانے اپنے سفر کے مختصر فاصلے طے کر کے ترقی کی منزل کی جانب آپہنچے ہیں۔

منشی پریم چند کی پیدائش ۳۱ جولائی ۱۸۸۰ء کو موضع لمہی پانڈے پور ضلع بنارس میں ہوئی۔ ان کے والد منشی عجائب لال ڈاک خانے میں برسر روزگار تھے۔ باپ نے اپنے اکلوتے بیٹے کا نام دھنپت رائے رکھا لیکن چچا نے اس بچہ کو نواب رائے کا نام دیا۔ انھوں نے ۱۹۰۲ء میں اپنی ادبی زندگی کا آغاز نواب رائے کے نام سے ہی کیا۔ اسرار معابد ان کی پہلی کہانی ہے جو ۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں بنارس کے اردو ہفتہ وار آوازِ حق میں قسط وار شائع ہوئی۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "سوزِ وطن" جون ۱۹۰۸ء میں نواب رائے کے نام سے ہی اشاعت پذیر ہوا۔ اس مجموعہ میں کل پانچ کہانیاں: (۱) دنیا کا سب سے انمول رتن (۲) شیخ مخمور (۳) یہی میرا وطن (۴) جلسۂ ماتم (۵) عشق دنیا اور حب وطن شامل ہیں جو حب وطن کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ انگریزی سرکار نے اس مجموعہ کو اپنے مفاد کے خلاف قرار دے کر ضبط کر لیا۔ سرکاری دباؤ کے باوجود کہانی کار نے ہمت نہیں ہاری اور اب پریم چند کے نام سے اپنی کہانیوں کی تخلیق کرتے رہے "زمانہ کانپور بابت دسمبر ۱۹۱۰ء" میں پریم چند کے نام سے پہلا افسانہ "بڑے گھر کی بیٹی" منظر عام پر آیا۔ اس وقت سے ۱۹۳۶ء تک انھوں نے ۲۵۰ سے زائد کہانیاں لکھیں جو اردو ادب کے لئے بیش بہا سرمایہ ہیں۔ ان کی کہانیوں کے انگنت مجموعے شائع ہوئے۔ پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی میں ان کے بہترین افسانے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ میرے بہترین افسانے، دیہات کے افسانے، آخری تحفہ، دودھ کی قیمت، خاک پروانہ، زادِ راہ، سوزِ وطن، واردات، جلوۂ ایثار کے نام سے بھی مجموعے شائع ہوئے۔

غبن، میدان عمل، بیوہ، گوشۂ عافیت اور گئودان، نرملا، بازارِ حسن ان کے بہترین ناول ہیں۔ کفن، پریم چند کی شاہکار کہانی ہے۔ اس کہانی میں حقیقت نگاری، متحرک کردار، چست و رواں مکالمہ نگاری، انسانی نفسیات کی غمازی نے مل جل کر ایک ایسا ماحول تیار کیا کہ پڑھنے والا اس میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ یہ کہانی حقیقت کی تلخی اور بیان کی جاذبیت کی وجہ سے انتہائی مقبول ہوئی۔ اسے دنیا کے بہترین افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

پریم چند کی کہانیوں کا محور دیہات ہیں۔ وہاں کے لوگوں کی زندگی، انکے مسائل، انکے رسوم و خصائل، عقائد و اوصاف، حسیات و نفسیات سب کے سب کچھ اسطرح سے آئے ہیں کہ دیہات کے پورے ماحول کا نقشہ نگاہوں میں کھچ جاتا ہے۔ وہاں کی عام زندگی کی تصویر ہمیں صاف نظر آتی ہے۔ وہی غریب کسان، انکے معصوم خواب، وہی زمینداروں کا ظلم و استحصال اور مکاری کا جال، وہی غریبوں کی بے چارگی و تباہی، وہی قدرت کی آفات ان کہانی کی تصاویر سب کچھ ہماری نگاہوں میں ڈوبنے ابھرنے لگتا ہے۔

پریم چند کو دیہی زندگی موضوع افسانہ کے لئے مرغوب تھی کیونکہ ان کی پرورش و پرداخت دیہاتی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہاں کے مناظر کھیت، تالاب، رہٹ، کسان، روزمرہ کی زندگی، توہم پرستی، استحصال، بیگاری سب کچھ انہوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ دیہی عوام کے نفسیات و احساسات سے وہ اس قدر واقف تھے کہ ان کی کہانیوں میں دیہی زندگی کا عکس ہوبہو آگیا ہے۔ پریم چند اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ ہندوستان کے ۸۰ فیصد عوام دیہات میں آباد ہیں اور جاگیردارانہ نظام میں ظلم و استحصال کے شکار ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی کہانیوں میں غریب و مظلوم عوام اور ان کے مسائل کو جگہ دی۔ غریب کسانوں کو ان کی سچائی اور ایمانداری کی بنیاد پر ہیرو کے طور پر پیش کیا اور جاگیردارانہ نظام میں پلنے والے ساہوکاروں کو ان کی عیاری و مفاد پروری کی بنا پر ویلین کی طرح سطح قرطاس پر لایا۔ پروفیسر اعجاز حسین لکھتے ہیں کہ "دیہات والوں کی عام زندگی کا مرقع دیکھنا ہو تو ان (پریم چند) کے افسانوں کو دیکھئے جن میں لوگوں کی بے چارگی کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ غریب کاشتکاروں کو کبھی پولس، کبھی زمیندار، کبھی تحصیل کے عملے، کبھی قحط سے ایسا سابقہ رہتا ہے کہ آرام سے بیٹھنا بھی نصیب نہیں۔ ان واقعات کو اپنے درد ناک پیرائے میں پریم چند نے بیان کیا ہے کہ پڑھ کر دل بھر آتا ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی دکھایا ہے کہ دیہاتیوں کی جہالت نے انھیں کس قدر پریشان کر رکھا ہے کہیں جہالت کا زور ہے، کہیں توہم پرستی کا جس سے ان کی زندگی اور دوبھر ہوگئی ہے مگر وہ لوگ باوجود ان باتوں کے اپنے برے حالات پر صابر رہتے ہیں۔"

پریم چند کو حقیقت نگاری کا امام کہا جاتا ہے۔ وہ زندگی کے حقائق کو جیسے دیکھتے ہیں، جس طرح محسوس کرتے ہیں انھیں ویسا ہی پیش کر دیتے ہیں۔ واقعات کو حقیقت و اصلیت سے ہم آغوش کرنے کیلئے وہ گوشت پوست کا کردار اور کردار کے حفظ مراتب کے ساتھ مکالمہ نگاری کا سہارا لیتے ہیں۔ پریم چند سے قبل داستانوں اور دیومالائی قصہ کہانیوں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ انہوں نے اپنی حقیقت نگاری کے ذریعہ اس طلسم کو توڑا اور زندگی کے تلخ حقائق کو کہانیوں کا موضوع بنایا۔ ان حقائق کے اظہار کیلئے عام فہم زبان اور زندہ کردار پیش کئے۔ اب اردو کہانیوں کے کردار جن، پری اور دیو نہیں ہوتے بلکہ گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں جنہیں زندگی کی دو وقت کی روٹی کے لئے سخت جد و جہد کرنی پڑتی ہے اور دیو صفت انسانوں سے سروکار رکھنا پڑتا ہے۔ ان کرداروں کو درد و راحت دونوں کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی زندگی میں مصائب پریوں کی تلاش میں نہیں بلکہ اپنے حق اور آزادی کیلئے جھیلنے پڑتے ہیں۔ یہاں دیو جن سے کوئی مقابلہ نہیں انسان کا بھیڑیوں سے ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی کہانیوں کی تخلیق دلچسپی تفریح کیلئے نہیں مقصد حیات کیلئے کی تھی۔ وہ کہانیوں کے ذریعہ جاگیردارانہ نظام میں پلنے والے ہر ظلم و استحصال کے پرچم کو سرنگوں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ انسان کو خوشحال اور آزاد دیکھنے کے متمنی تھے۔ انسان کی آنکھوں میں آنسو اس کی بے چارگی کے غماز ہوتے ہیں اور یہ بے چارگی اس حقیقت کے منحرف ہوتی ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس کے بس میں سب کچھ ہونا چاہئے۔ اس کی قسمت اس کی عظمت، انسان کی عظمت کی بے حرمتی انھیں کسی وقت برداشت نہیں تھی چاہے وہ مذہب کے نام پر ہوتی ہو چاہے وہ غریبی امیری کے نام پر ہو یا چھوت چھات کے نام پر۔ انھوں نے سماج میں چھوت چھات کی لعنت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کے خلاف ہمیشہ خامہ فرسائی کی اور انسان آپس میں سب برابر ہیں اس حقیقت کو عام کیا۔ انھوں نے چھوت چھات سے اس سماج کو پاک کرنے کیلئے بے شمار کہانیاں لکھیں اور اس لعنت کو خدا کا نہیں خود غرض انسان کا پروردہ بتایا۔ انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں کو معاشی آزادی، سماجی انصاف اور انسانی حقوق کی حصولیابی کیلئے مدد ستائے عوام کا ترجمان بنایا۔

۱۹۳۵ء کے بعد پریم چند کی کہانیوں میں حقیقت نگاری کا عنصر اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ان کے خیالات اور ان کے طریقۂ اظہار میں بڑی تبدیلی آئی تھی۔ سماج کا مطالعہ اور زیادہ گہرا ہوگیا تھا۔ اب سماج اور اس کے مسائل کو دیکھنے کیلئے انھیں ترقی پسند نظریہ مل گیا تھا۔ اب انسان کی آزادی مذہب و عقائد کی اصلاح سے نہیں ایک نئے انقلاب سے حاصل ہو سکتی تھی اور اس انقلاب کیلئے عوامی بیداری ضروری تھی۔ ان کی آخری دور کی کہانیوں میں ہمیں اس انقلاب کی آواز صاف سنائی دیتی ہے کہیں گھن گرج نعرہ کے ساتھ نہیں بلکہ انتہائی دھیمے لب و لہجہ میں بلکہ استعارے کی شکل میں اس کی مثال ہم کہانی کفن سے دے سکتے ہیں۔

منشی پریم چند نے ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں ترقی پسند مصنفین کے پہلے اجلاس کی صدارت کی اور اس موقع پر انھوں نے جو صدارتی خطبہ پیش کیا تھا وہ ترقی پسند مصنفین کے لائحہ عمل کیلئے سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ انھیں کے بتائے ہوئے خطوط راستے تھے کہ جن پر چل کر سجاد ظہیر، علی عباس حسینی، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، رام لعل وغیرہ نے اردو کے بہترین ناول اور افسانے لکھے جو ہمارے ادب کے گرانمایہ سرمایہ ہوگئے۔

اگر پریم چند نہیں ہوتے تو شاید اردو کہانی آج ترقی کی اس بلندی پر نہیں ہوتی بلکہ ممکن ہے کہ آج کے اردو ڈرامہ کی طرح غیر ترقی یافتہ صنف ہو کر رہ جاتی۔

پریم چند کو ان کی زندگی میں ہی بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہو
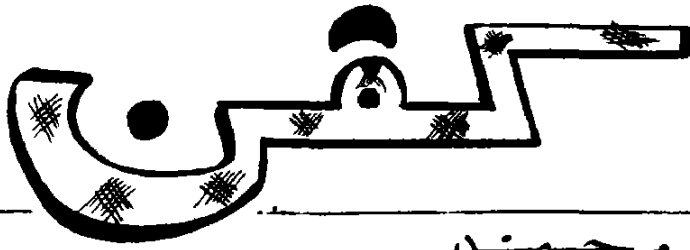
پریم چند

جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور اندر بیٹے کی جوان بیوی بدھیا دردِ زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی ـــــ اور رہ رہ کر اس کے منہ سے ایسی دلخراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔ جاڑوں کی رات تھی۔ سناٹے میں غرق سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔

گھیسو نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بچے گی نہیں۔ سارا دن تڑپتے کر گیا۔ جا دیکھ تو آ ـــــ"

مادھو چڑھ کر بولا "مرنا ہے تو جلدی مر کیوں نہیں جاتی۔ دیکھ کر کیا کروں؟" "تو بڑا بے درد ہے۔ سال بھر جس کے ساتھ سکھ چین سے رہا اسی کے ساتھ اتنی بے وفائی؟"

"تو مجھ سے تو اس کا تڑپنا اور ہاتھ پاؤں پٹکنا دیکھا نہیں جاتا۔"

چماروں کا کنبہ تھا اور سارے گاؤں میں بدنام، گھیسو ایک دن کام کرتا تو تین دن آرام ـــــ مادھو اتنا کام چور تھا کہ گھنٹہ بھر کام کرتا تو گھنٹہ بھر چلم پیتا۔ اس لئے انھیں کہیں مزدوری نہیں ملتی تھی۔ گھر میں مٹھی بھر اناج ہو تو ان کے لئے کام کرنے کی قسم تھی، جب دو ایک فاقے ہو جاتے تو گھیسو درختوں پر چڑھ کر لکڑیاں توڑ لاتا اور مادھو بازار میں بیچ آتا اور جب وہ پیسے رہتے دونوں اِدھر اُدھر مارے پھرتے۔ جب فاقے کی نوبت آ جاتی تو پھر لکڑیاں توڑ لاتے یا کوئی مزدوری تلاش کرتے۔ گاؤں میں کام کی کمی نہیں تھی۔ کاشتکاروں کا گاؤں تھا۔ محنتی آدمی کے لئے پچاس کام تھے مگر ان دونوں کو لوگ اسی وقت بلاتے جب دو آدمیوں سے ایک کا کام پا کر بھی قناعت کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔

کاش دونوں سادھو ہوتے تو انھیں قناعت اور توکل کے لئے ضبطِ نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ یہ ان کی فطرت تھی ـــــ عجیب زندگی تھی ان لوگوں کی ـــــ گھر میں دو چار مٹی کے برتنوں کے سوا کوئی اثاثہ نہیں تھا۔ پھٹے چیتھڑوں سے اپنے ننگے پن کو ڈھانکے ہوئے جیے جاتے تھے۔ دنیا کی فکروں سے آزاد قرض سے لدے ہوئے، گالیاں بھی کھاتے، مار بھی کھاتے، مگر کوئی غم نہیں۔ مسکین اتنے کہ وصولی کی مطلق امید نہ رہنے پر بھی لوگ انھیں کچھ نہ کچھ قرض دے دیتے تھے۔ مٹر یا آلو کی فصل میں کھیتوں سے آلو مٹر اکھاڑ لاتے اور بھون بھون کر کھاتے یا دس پانچ اوکھ توڑ لاتے اور راتوں کو چوستے۔ گھیسو نے اسی صوفیانہ انداز سے ساٹھ سال کی عمر کاٹ دی تھی اور مادھو بھی سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا بلکہ اس کا نام اور بھی روشن کر رہا تھا۔ اس وقت بھی دونوں الاؤ کے سامنے بیٹھے آلو بھون رہے تھے جو کسی کے کھیت سے کھود کر لائے تھے۔ گھیسو کی بیوی کا تو مدت ہوا انتقال ہو گیا۔ مادھو کی شادی پچھلے سال ہوئی تھی۔ جب سے یہ عورت آئی تھی اس نے اس خاندان میں تہذیب کی بنیاد ڈالی تھی اور ان دونوں بے غیرتوں کا دوزخ بھرتی رہتی تھی، جب سے وہ آئی یہ دونوں اور بھی آرام طلب ہو گئے تھے بلکہ کچھ اکڑنے بھی لگے تھے۔ کوئی کام کرنے کو بلاتا تو بے نیازی سے دوگنی مزدوری مانگتے۔ وہی عورت آج دردِ زہ سے مر رہی تھی اور یہ دونوں شاید اس انتظار میں تھے کہ یہ مر جائے تو آرام سے سوئیں۔

گھیسو نے آلو چھیلتے ہوئے کہا "جا دیکھ تو کیا حالت ہے اس کی؟ چڑیل کا پھساد ہو گا اور کیا یہاں تو اوجھا بھی ایک روپیہ مانگتا ہے۔"

مادھو کو اندیشہ تھا کہ وہ کوٹھری میں گیا تو گھیسو آلوؤں کا بڑا حصہ صاف کر دے گا۔

بولا "مجھے وہاں ڈر لگتا ہے۔"

"ڈر کس بات کا ہے میں تو ہوں ہی۔"

"تو تم ہی جا کر دیکھو نا؟"

"میری عورت مری تھی تو تین دن اس کے پاس سے ہلا بھی نہیں اور پھر یہ مجھ سے لجائے گی کہ نہیں، کبھی اس کا منہ نہیں دیکھا، آج اس کا اُگھڑا ہوا بدن دیکھوں اسے تن کی سدھ بھی تو نہ ہوگی مجھے دیکھ لے گی تو کھل کر ہاتھ پاؤں بھی نہ پٹک سکے گی۔

"میں سوچتا ہوں کوئی بال بچہ ہو گیا تو کیا ہو گا۔ سونٹھ، گڑ، تیل کچھ بھی تو نہیں ہے گھر میں ـــــ"

جس سماج میں رات دن محنت کرنے والوں کی حالت ان کی حالت سے کچھ بہت اچھی نہ تھی اور کسانوں کے مقابلہ میں وہ لوگ جو کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتے تھے کہیں زیادہ فارغ البال تھے. وہاں اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ہم تو کہیں گے گھیسو کسانوں کے مقابلے میں زیادہ باریک بین تھا۔ اور کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے بیٹھک بازوں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا ــــ ہاں اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ بیٹھک بازوں کے اصولوں کی پابندی کرتا اس لیئے جہاں اس کی جماعت کے اور لوگ گاؤں کے سرغنہ اور مکھیہ بنے ہوئے تھے ــــ اس پر سارا گاؤں انگلی اٹھاتا تھا۔ پھر بھی اسے یہ تسکین تو تھی ہی کہ اگر خستہ حال ہے تو اسے کم از کم کسانوں کی سی جگر توڑ محنت تو نہیں کرنی پڑتی اور اس کی سادگی اور بے زبانی سے دوسرے فائدہ تو نہیں اٹھاتے۔

دونوں آلو نکال کر جلتے جلتے کھانے لگے۔ کل سے کچھ نہیں کھایا تھا اتنا صبر نہ تھا کہ انہیں کچھ ٹھنڈا ہو جانے دیں۔ کئی بار دونوں کی زبانیں جل گئیں۔ چھل جانے پر آلو کا بیرونی حصہ بہت زیادہ گرم نہ معلوم ہوتا تھا لیکن دانتوں تلے پڑتے ہی اندر کا حصہ زبان اور تالو اور حلق کو جلا دیتا تھا اور اس انگارے کو منہ میں رکھنے سے زیادہ خیریت اسی میں تھی کہ وہ اندر پہنچ جائے، وہاں اسے ٹھنڈا کرنے کے لیئے کافی سامان تھا۔ اس لیئے دونوں جلدی جلدی نگل جاتے تھے ــــ حالانکہ اس کوشش میں ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ــــ

گھیسو کو اس وقت ٹھاکر کی بارات یاد آئی جس میں بیس سال پہلے وہ گیا تھا۔ اس دعوت میں اسے جو سیری نصیب ہوئی تھی، وہ اس کی زندگی میں ایک یادگار واقعہ بن گئی تھی ــــ اور آج بھی اس کی یاد تازہ تھی ــــ بولا "وہ بھوج نہیں بھولتا۔ تب سے پھر اس طرح کا کھانا اور بھرپیٹ نہیں ملا۔ لڑکی والوں نے سب کو بھرپیٹ پوریاں کھلائی تھیں، سب کو، چھوٹے بڑے سب نے پوریاں کھائیں اور اصلی گھی کی ــــ چٹنی، رائتہ، تین طرح کے سوکھے ساگ، ایک رسےدار ترکاری، دہی، چٹنی، مٹھائی اب کیا بتاؤں کہ اس بھوج میں کتنا سواد ملا۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جو چیز چاہو مانگو اور جتنی چاہو کھاؤ۔ لوگوں نے تو ایسا کھایا ایسا کھایا کہ کسی سے پانی نہ پیا گیا مگر پروسنے والے ہیں کہ سامنے گرم گرم اور گول گول مہکتی کچوڑیاں ڈالے دیتے ہیں۔ منع کرتے ہیں کہ نہیں چاہیئے۔ پتل کو ہاتھ سے روکے ہوئے ہیں مگر وہ ہیں کہ دیئے جاتے ہیں۔

اور جب سب نے منہ دھو لیا تو ایک بیڑا پان بھی ملا مگر مجھے پان لینے کی کہاں سدھ تھی، کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا ــــ چٹ پٹ جا کر اپنے کمبل پر لیٹ گیا۔ ایسا دریا دل تھا وہ ٹھاکر ــــ"

مادھو نے ان کھانوں کا دل ہی دل میں مزہ لیتے ہوئے کہا "اب ہمیں کوئی ایسا بھوج نہیں کھلاتا"

"اب کوئی کیا کھلائے گا وہ زمانہ تو دوسرا تھا۔ اب تو سب کو کفایت سوجھتی ہے۔ شادی بیاہ میں مت خرچ کرو، کریا کرم میں مت خرچ کرو، پوچھو غریبوں کا مال بٹور بٹور کر کہاں رکھو گے؟ بٹورنے میں تو کمی نہیں ہے۔ ہاں خرچ میں کفایت سوجھتی ہے"

"تم نے تو بیس ایک پوریاں کھائی ہوں گی؟"

"بیس سے زیادہ کھائی تھیں"

"میں پچاس کھا جاتا"

"پچاس سے کم میں نے بھی نہ کھائی ہوں گی ــــ اچھا پٹھا تھا۔ تو تو میرا آدھا بھی نہیں ہے"

آلو کھا کر دونوں نے پانی پیا اور وہیں الاؤ کے سامنے دھوتیاں اوڑھ کر پاؤں پیٹ میں ڈالے سو رہے۔ جیسے دو بڑے اژدر کنڈلیاں مارے پڑے ہوں۔ بدھیا ابھی تک کراہ رہی تھی۔

۲

صبح کو مادھو نے کوٹھری میں جا کر دیکھا تو اس کی بیوی ٹھنڈی ہو گئی تھی ــــ اس کے منہ پر مکھیاں بھنک رہی تھیں۔ پتھرائی آنکھیں اوپر ٹنگی ہوئی تھیں ــــ سارا جسم خاک میں لت پت ہو رہا تھا ــــ اس کے پیٹ میں بچہ مر گیا تھا ــــ

مادھو بھاگا ہوا گھیسو کے پاس گیا۔ پھر دونوں زور زور سے ہائے ہائے کرنے لگے اور چھاتی پیٹنے لگے۔ پڑوس والوں نے یہ آہ و زاری سنی تو دوڑے ہوئے آئے اور رسم قدیم کے مطابق ان ابھاگوں کو تشفی کرنے لگے۔

مگر زیادہ رونے دھونے کا موقع نہ تھا۔ کفن اور لکڑی کی بھی فکر کرنی تھی۔ گھر میں تو پیسہ اس طرح غائب تھا جیسے چیل کے گھونسلے میں سے ماس۔

باپ بیٹے روتے ہوئے گاؤں کے زمیندار کے پاس گئے وہ ان دونوں کی صورت سے بھی نفرت کرتے تھے۔ کئی بار انہیں ہاتھوں سے پیٹ چکے تھے ــــ چوری کرنے کے لیئے ــــ وعدے پر کام نہ آنے کے لیئے ــــ پوچھا "کیا ہے گھیسو، روتا کیوں ہے؟ اب تو تیری صورت ہی نظر نہیں آتی۔ معلوم ہوتا ہے

تو اس گاؤں میں رہنا نہیں چاہتا ۔۔۔۔"

گھیسو نے زمین پر سر رکھ کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"سرکار بڑی بپتا میں ہوں۔ مادھو کی گھر والی گزر گئی، دن بھر تڑپتی رہی سرکار ۔۔۔۔ ساری رات ہم دونوں اس کے سرہانے بیٹھے رہے، دوا دارو جو کچھ ہو سکا کیا، مگر وہ ہمیں دغا دے گئی۔ اب کوئی ایک روٹی دینے والا نہیں۔ مالک تباہ ہو گئے ۔۔۔ گھر اجڑ گیا ۔۔۔ آپ کا غلام ہوں۔ اب آپ کے سوا کون اس کی مٹی پار لگائے گا ۔۔۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ سب دوا دارو میں اٹھ گیا۔ سرکار ہی کی دیا ہوگی تو اس کی مٹی اٹھے گی۔ آپ کے سوا اور کس کے در پر جاؤں ۔۔۔۔ ؟"

زمیندار صاحب رحم دل آدمی تھے مگر گھیسو پر رحم کرنا کالے کمبل پر رنگ چڑھانا تھا ۔۔۔ جی میں تو آیا کہہ دیں "چل دور ہو یہاں سے۔ یوں تو بلانے سے بھی نہیں آتا، آج جب غرض پڑی تو آکر خوشامد کر رہا ہے، حرام خور کہیں کا، بدمعاش ۔۔۔۔ مگر یہ غصہ یا سزا کا موقع نہیں تھا۔ دل میں کڑھتے ہوئے دو روپئے نکال کر پھینک دیے مگر تشفی کا ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکلا ۔۔۔ اس کی طرف تاکا تک نہیں۔ گویا سر کا بوجھ اتارا ہو ۔۔۔۔

جب زمیندار صاحب نے دو روپے دیے تو گاؤں کے بنئے مہاجنوں کو انکار کی جرأت کیونکر ہوتی۔ گھیسو زمیندار کے نام سے ڈھنڈورا پیٹنا جانتا تھا کسی نے دو آنے دیئے کسی نے چار آنے۔ ایک گھنٹہ میں گھیسو کے پاس پانچ روپئے کی معقول رقم جمع ہو گئی ۔۔۔ کسی نے غلہ دیا، کسی نے لکڑی اور دوپہر کو گھیسو اور مادھو بازار سے کفن لانے چلے ۔۔۔ ادھر لوگ بانس والس کاٹنے لگے ۔۔۔

گاؤں کی نرم دل عورتیں آ آ کر لاش دیکھتی تھیں اور اس کی بے بسی پر دو بوند آنسو گرا کر چلی جاتی تھیں ۔۔۔۔

۳

بازار میں پہنچ کر گھیسو بولا ۔۔۔ "لکڑی تو اسے جلانے بھر کی مل گئی ہے۔ کیوں مادھو ؟"

مادھو بولا۔ "ہاں لکڑی تو بہت ہے اب کفن چاہیئے ۔"

"تو چلو کوئی ہلکا سا کفن لے لیں۔"

"ہاں اور کیا۔ لاش اٹھتے اٹھتے رات ہو جائے گی۔ رات کو کفن کو کون دیکھتا ہے ۔۔۔"

"کیا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کفن چاہیئے ۔۔۔"

"کفن لاش کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے۔"

"اور کیا رکھا ہے۔ یہی پانچ روپئے پہلے ملتے تو کچھ دوا دارو کرتے۔"

دونوں ایک دوسرے کے دل کی بات تاڑ رہے تھے ۔۔۔ بازار میں ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ کبھی اس بزاز کی دکان پر گئے کبھی اس دکان پر۔ طرح طرح کے ریشمی اور سوتی کپڑے دیکھے، مگر کچھ جچا نہیں۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ دونوں اتفاق سے یا عمداً ایک شراب خانے کے سامنے آ پہنچے اور گویا کسی طے شدہ فیصلے کے مطابق اندر چلے گئے اور وہاں ذرا دیر تک دونوں تذبذب میں پڑے رہے۔ پھر گھیسو نے گدی کے سامنے جا کر کہا ۔۔۔ "ساہو جی ایک بوتل ہمیں بھی دینا۔" اس کے ساتھ چینا لیا، تلی ہوئی مچھلی آئی اور دونوں برآمدے میں بیٹھ کر مزے سے پینے لگے ۔۔۔ کئی کلاس تابڑ توڑ پینے کے بعد دونوں سرور میں آ گئے۔

گھیسو بولا۔ "کفن لانے سے کیا ملتا ہے۔ آخر جل ہی تو جاتا ۔۔۔۔ کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا۔"

مادھو آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ گویا دیوتاؤں کو اپنی معصومیت کا گواہ بنا رہا ہو۔

۔۔۔ "دنیا کا دستور ہے۔ یہی لوگ باہمنوں کو ہزاروں روپئے کیوں دیدیتے ہیں ؟ کون دیکھتا ہے پرلوک میں ملتا ہے کہ نہیں۔"

"بڑے آدمیوں کے پاس دھن ہے پھونکیں ۔۔۔ ہمارے پاس پھونکنے کو کیا ہے ؟"

"لیکن لوگوں کو کیا جواب دو گے ؟ لوگ پوچھیں گے نہیں کہ کفن کہاں ہے ؟"

گھیسو ہنسا۔ "کہہ دیں گے روپے کمر سے کھسک گئے۔ بہت ڈھونڈا ملے ہی نہیں۔ لوگوں کو یقین نہ آئے گا مگر پھر وہی روپے دیں گے۔"

مادھو بھی ہنسا۔ اس غیر متوقع خوش نصیبی پر، قدرت کو اس طرح شکست دینے پر بولا ۔۔۔

"بڑی اچھی تھی بیچاری۔ مری بھی تو خوب کھلا پلا کر ۔۔۔"

آدھی بوتل سے زیادہ ختم ہو گئی۔ گھیسو نے دو سیر پوریاں منگوائیں، چٹنی، اچار اور کلیجی ۔۔۔۔ شراب خانے کے سامنے ہی دکان تھی ۔۔۔ مادھو لپک کر دو پتلوں میں سارا سامان لے آیا ۔۔۔ پورے ڈیڑھ روپے خرچ ہو گئے صرف تھوڑے سے پیسے بچ رہے تھے۔

دونوں اس وقت اس شان سے بیٹھے ہوئے پوریاں کھا رہے تھے جیسے جنگل میں کوئی شیر اپنا شکار اڑا رہا ہو۔ نہ جواب دہی کا خوف تھا نہ بدنامی کی فکر۔ ان سب جذبوں کو انھوں نے بہت پہلے جیت لیا تھا۔ گھیسو فلسفیانہ

پھر پیٹ کھا کر مادھو نے بچی ہوئی پوریوں کا پتل اٹھا کر بھکاری کو دے دیا جو کھڑا ان کی طرف بھوکی نظروں سے دیکھ رہا تھا " پینے " کے غرور و "دینے" کی برتری اور مسرت کا اپنی زندگی میں پہلی بار احساس ہوا۔

گھیسو نے کہا ـــ " لے جا۔ کھوب کھا اور اسیرباد دے جس کی کمائی ہے وہ تو مر گئی ـــ مگر تیرا آسیرباد اسے ضرور پہنچے گا ـــ روئیں روئیں سے آسیرباد دے بڑی گاڑھی کمائی کے پیسے ہیں۔"

مادھو پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ـــ " وہ بیکنٹھ میں جائے گی دادا ـــ وہ بیکنٹھ کی رانی بنے گی ـــ "

گھیسو کھڑا ہو گیا اور جیسے مسرت کی لہروں میں تیرتا ہوا بولا ـــ

" ہاں بیٹا بیکنٹھ میں جائے گی ـــ کسی کو ستایا نہیں۔ کسی کو دبایا نہیں ـــ مرتے وقت ہماری زندگی کی سب سے بڑی لالسا پوری کر گئی ـــ وہ بیکنٹھ میں نہ جائے گی تو کیا یہ موٹے موٹے لوگ جائیں گے جو گریبوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں اور اپنے پاپ کو دھونے کے لئے گنگا میں نہاتے ہیں ـــ اور مندر میں جل چڑھاتے ہیں۔"

یہ خوش اعتقادی کا رنگ بدلا۔ تلون نشے کی خاصیت ہے۔ یاس و غم کا دورہ پڑا۔ مادھو بولا۔

" مگر دادا بیچاری نے زندگی میں بڑا دکھ بھوگا۔ کتنا دکھ جھیل کر مری۔"

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا۔ چیخیں مار مار کے۔

گھیسو نے سمجھایا ـــ " کیوں روتا ہے بیٹا ـــ کھوش ہو کہ وہ مایا جال سے مکت ہو گئی ـــ جنجال سے چھوٹ گئی۔ بڑی بھاگوان تھی جو اتنی جلدی مایا موہ کے بندھن توڑ دیئے۔"

اور دونوں وہیں کھڑے ہو کر گانے لگے ـــ

" ٹھگنی کیوں نیناں جھمکائے ٹھگنی "

سب پینے والوں کی آنکھیں ان پر لگی ہوئی تھیں اور یہ دونوں شرابی محویت کے عالم میں گائے جاتے تھے پھر دونوں ناچنے لگے۔ اچھلے بھی، کودے بھی، گرے بھی، مٹکے بھی، بھاؤ بھی بتائے اور اداکاری بھی کی ـــ اور آخر نشے سے بدمست ہو کر وہیں گر پڑے۔

اندازسے بولا " ہماری آتما پرسن ہو رہی ہے تو کیا اسے پُن نہ ہو گا۔"

مادھو نے عقیدت سے سر جھکا کر تصدیق کی ـــ " ضرور ہو گا ـــ بھگوان تم انتر یامی ہو ـــ اسے بیکنٹھ لے جانا۔ ہم دونوں ہردے سے آشیرواد دے رہے ہیں۔ آج جو بھوجن ملا وہ کبھی عمر بھر نہ ملا تھا۔

ایک لمحے کے بعد مادھو کے دل میں ایک تشویش پیدا ہوئی ـــ

" کیوں دادا ہم لوگ بھی تو ایک نہ ایک دن وہاں جائیں گے ہی ؟"

گھیسو نے اس بھولے بھالے سوال کا جواب نہ دیا۔ وہ پرلوک کی باتیں سوچ کر اس مزے میں خلل نہ ڈالنا چاہتا تھا۔

" جو وہاں ہم لوگوں سے پوچھے گی کہ تم نے ہمیں کھن کیوں نہیں دیا تو کیا کہو گے ؟"

" کہیں گے تمہارا سر "

" پوچھے گی تو ضرور ـــ "

" تو کیسے جانتا ہے کہ کھن نہ ملے گا۔ تو مجھے ایسا گدھا سمجھتا ہے۔ میں ساٹھ سال کی دنیا میں کیا گھاس کھودتا رہا ہوں ـــ اس کو کھن ملے گا اور بہت اچھا ملے گا۔"

مادھو کو یقین نہ آیا۔ " بولا کون دے گا ؟ روپئے تو تم نے چٹ کر دئے۔ وہ تو مجھ سے پوچھے گی۔ اس کی مانگ میں تو سیندور میں نے ہی ڈالا تھا۔"

گھیسو گرم ہو کر بولا " میں کہتا ہوں کہ اسے کھن ملے گا تو مانتا کیوں نہیں۔"

" کون دے گا بتاتے کیوں نہیں ؟"

" وہی لوگ دیں گے جنھوں نے اب کی دیا۔ ہاں وہ روپے ہمارے ہاتھ نہ آئیں گے "

جوں جوں اندھیرا بڑھتا اور ستاروں کی چمک تیز ہوتی تھی، مے خانے کی رونق بھی بڑھتی جاتی تھی ـــ کوئی گاتا تھا ـــ کوئی ڈینگ مارتا تھا۔ کوئی اپنے ساتھی کے گلے لپٹا جاتا تھا۔ کوئی اپنے دوست کے منہ سے کلھڑ لگائے دیتا تھا ـــ وہاں کی فضا میں سرور تھا، ہوا میں نشہ، کتنے چلو ہی میں مست ہو جاتے تھے۔ شراب سے زیادہ وہاں کی ہوا ان پر نشہ کرتی تھی۔ زندگی کی مشکلیں یہاں کھینچ لاتی تھیں اور کچھ دیر کیلئے وہ بھول جاتے تھے کہ زندہ ہیں یا مردہ، یا نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں۔

اور یہ دونوں باپ بیٹے اب مزے مزے سے چسکیاں لے رہے تھے۔ سب کی نگاہیں ان کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں دونوں ـــ پوری بوتل بیچ میں ہے۔

وزیر مالیات
شری آشیم داس گپتا
حال ہی میں رابندر سدن
میں منعقدہ تقریب
میں شری جوتیرموئے
گھوش کو رابندر پرسکار
دیتے
ہوئے

وزیر صحت و خاندانی
رفاہ شری پارتھو دے
اسی تقریب میں شری
نبارُن بھٹاچاریہ
کو بنکم ایوارڈ دیتے
ہوئے
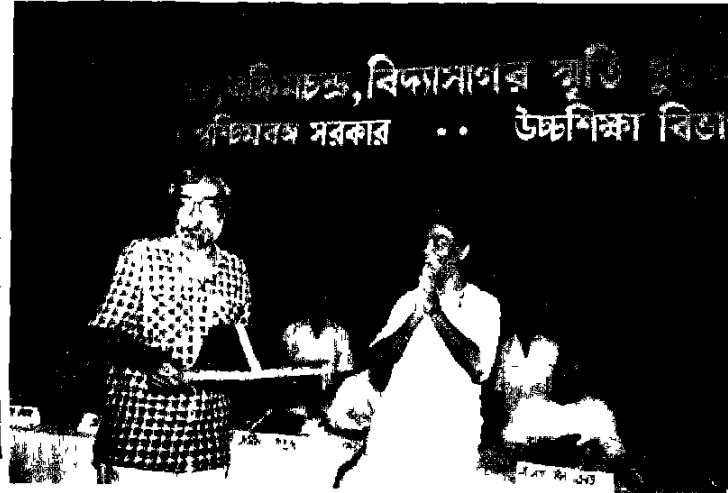
وزیر اسکولی تعلیم
شری کانتی بسواس
مذکورہ تقریب میں شری پرنبندُ
پاترا کو (بچّوں کے نثری
ادب کیلئے) ودیاساگر
ایوارڈ دیتے ہوئے

MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
October 15, 1996

REGD No. WB/CC-596
Vol No 43 Issue No 20
Price 50 Paise

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی گذشتہ ۲ راکتوبر کو گاندھی جینتی کے موقع پر بارکپور گاندھی گھاٹ میں گاندھی جی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے

Editor Tarun Bhattacharya, Asst Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. of
...ment of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin Behari Ganguly Street, Calcutta-700 012

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۹۶ ★ شمارہ نمبر ۲۱

ترتیب

مدیر اعلیٰ :۔ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون:۔ محمد مصطفےٰ

شرحِ خریداری

سالانہ :۔ دس روپیے ۱۰ ⊘ نصف سالانہ:۔ پانچ روپئے

* فی شمارہ کی قیمت:۔ ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ:۔

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

* پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 25560/3371Ext: 710

• سرورق اور آخری ورق: فلمی تہوار میں دکھائی جانیوالی ملکی و بیرونی فلموں کی تصاویر۔ عمل: پردیپ سرکار

وزیراعلیٰ کے ہاتھوں دوسرے کلکتہ فلمی تہوار کا افتتاح

• وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو شری گوبند نہالنی، شری مانا یا ٹھیکر، شری مرنال سین و دیگر مہمانوں کے ساتھ افتتاحی تقریب میں

میں یہاں ریاستی حکومت کی جانب سے دوسرے کلکتہ بین الاقوامی فلمی تہوار کی افتتاحی تقریب میں آئے آپ سبھوں کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوں۔ اس وقت ریاستی حکومت اس کا انعقاد انفرادی طور پر کر رہی ہے۔ گذشتہ سال ہم نے پہلا کلکتہ بین الاقوامی فلمی تہوار کا اہتمام مرکزی حکومت کے اشتراک سے کیا تھا، یہ باتیں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۲ نومبر ۹۶ء کی شام کے ۶ بجے نندن فلم سنٹر میں اس تہوار کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں، انھوں نے کہا کہ چونکہ فلم کے سلسلہ میں آپ لوگوں میں بہتوں کے بہ نسبت ہمارا علم بہت کم ہے اسلئے بدنصیبی سے میں ان مختلف ترقیات سے واقف نہیں ہوں جس نے گذشتہ کئی برسوں کے دوران آرٹ کی شکل کو بدل دیا ہے۔ باوجود یہ کہ مجھے یقین ہے کہ ایسے تہوار ہر سال ہونے چاہئیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ سال یہ شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا اور مجھے امید ہے کہ اس سال کا فسٹول بھی ہماری ریاست کے فلموں کے شائقین کی توقعات پر پورا اترے گا۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ اس طرح کے فلمی تہوار نہ صرف تفریح کے لئے ہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے فلم ساز حضرات کس طرح بنیادی انسانی مسائل اور ان کے حل سے متعلق اپنے خیالات پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ ٹیلی ویژن کے بیرونی اور گھریلو چینلس ہندوستان کی فلم جگت میں داخل ہو چکے ہیں پھر بھی سینما ابھی بھی قومی اتحاد کو برقرار رکھنے میں ایک قوی الاثر ہتھیار ہے۔

وزیراعلیٰ موصوف نے بتایا کہ مختلف ثقافتی کلچروں کے باوجود ہماری قومی یکجہتی ابتک محفوظ ہے۔ ہمیں اپنے بہترین مستقبل کے لئے اسے مزید مضبوط بنانا ہے۔ مختلف ریاستوں کے مختلف زبان بولنے والے اور مختلف طرز سے زندگی گذارنے والے عوام کے درمیان زیادہ سے زیادہ تال میل پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ سیاحت بیشک اس میں اہم رول ادا کرتی ہے لیکن سینما زیادہ وسیع طریقے سے سامنے آسکتا ہے۔ وزیراعلیٰ نے گوبند نہالنی کی افتتاحی فلم سنشودھن سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ مغربی بنگال پہلی ریاست ہے جو پنچایتی اداروں کی نچلی سطح سے اقتدار کی موثر لامرکزیت پر کاربند عمل ہے اور مقامی انتظامیہ میں عورتوں کی شمولیت کا خیال اس ریاست میں کوئی نیا نہیں ہے۔ بہت سے

معاملوں میں منتخب خواتین ممبراں کو تھوڑی بہت تربیت سے مردوں کے مقابلہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں زیادہ نیک فال دیکھا گیا ہے۔

اس تقریب کے مہمان اعلیٰ شری ارسال سین نے کہا کہ گذشتہ کئی برسوں کے دوران ہندوستان سمیت دنیا بھر میں بہت سے فلم تہوار ہو رہے ہیں جس سے ایک شخص کے ذہن میں ایسے تہواروں کے انعقاد کے اسباب جاننے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسرے ملکوں خاص طور پر یورپی ملکوں میں ایسے تہوار تجارتی پہلوؤں کو بڑھاوا دیتے ہیں لیکن ہندوستان میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہم اتنے ایسے تہواروں کا انعقاد اسلئے کر رہے ہیں کہ یہ ہمیں اپنے موضوعاتی استعمال اور تکنیکی پہلو سے متعلق فلم سازی کے بارے میں تا بہ وقتی معلومات جاننے کا بہتر مواقع فراہم کریں۔

بیرونی فلموں کے لئے اہل کلکتہ کی دیوانگی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے شری سین نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ حال ہی میں ممتاز ہندوستانی ہدایت کاروں کی بنی در قابل تحسین فلموں کی نمائش کے دوران میں نے زیادہ تعداد میں ناظرین نہیں دیکھے۔

مہمان اعزازی شری نانا پاٹیکر نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایسے موقع پر انھیں مدعو کئے جانے کیلئے وہ ذاتی فخر محسوس کرتے ہیں۔

مہمان اعزازی اور مشہور فلم ساز شری گوبند نہالنی نے ان کی فلم سنشودھن کو افتتاحی فلم کے طور پر انتخاب کرنے کے لئے ریاستی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

نندن کے چیئرمین شری بسنت چودھری نے اپنی صدارتی خطبہ میں کہا کہ کلکتہ فلم فسٹول کا انعقاد اس ریاست کے فلمی شائقین کے مذاق کو سامان تفریح فراہم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے پرنسپل سکریٹری نے کہا کہ اس شعبہ کی فلمی شاخ کی جانب سے بنائی گئی بہت سی فلموں نے اگرچہ قومی اور بین الاقوامی ایوارڈز حاصل کئے ہیں لیکن ان میں سے صرف کچھ تجارتی طور پر کامیاب ہوئیں۔

ڈائرکٹر آف فلم شری سبراتو مکھرجی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اس فلم فسٹول کو کامیاب بنانے کیلئے ان مختلف مرکزی و ریاستی حکومتوں کی تنظیموں جنھوں نے دست تعاون بڑھایا ان کا بھی شکریہ ادا کیا۔ اس افتتاحی تقریب کے آخر میں گوبند نہالنی کی فلم سنشودھن کی نمائش کی گئی۔ ■■

● واسیا جوشی اور اندرا ناتھ گومد نہالنی کی فلم سنشودھن میں

کلکتہ کی میزبانی میں دوسرا بین الاقوامی فلمی تہوار

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ ایک پریس کانفرنس میں

حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی فلم
مناح نے امسال کلکتہ فلم سنٹر سدن کے زیر اہتمام اس سال ۸ روزہ دوسرے
کلکتہ بین الاقوامی فلمی تہوار کا انعقاد کیا ہے۔ حکومت مغربی بنگال کی
یہ پہلی تنہا کوشش ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ سال پہلا کلکتہ فلمی
تہوار کرالا حکومت کے اشتراک سے ہوا تھا۔ حکومت ہند ہر سال ملک کے
مختلف حصہ میں باری باری بین الاقوامی فلمی تہوار کا انعقاد کرتی ہے جس
کی وجہ سے مغربی بنگال کو ہر سال ایسے تہواروں کی میزبانی کا موقع نہیں
ملتا ہے۔ جبکہ فلم تیار کرنے والی ایک بڑی ریاست جسے مغربی بنگال کیلئے
یہ ممکن بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی باری کے لئے برسوں انتظار کرے لہٰذا
ایک حکومت جو اپنی ثقافتی مطمح نظر سے بخوبی واقف ہے۔ اپنی ریاست کے
فلم شائقین کے مذاق کی تشفی کے لئے اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں
ہو سکتی ہے لہٰذا ہر سال کلکتہ میں سٹی آف جوئے سے موسوم ایک
فلم فسٹول کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی حکومت
تمام اضلاع میں فلمی تہواروں کے انعقاد کرنے میں مختلف غیر سرکاری
تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنے کا بھرپور انتظام بھی کیا کرتی ہے۔ فلم

فسٹول کے دوران فلم کے مختلف موضوعات پر سیمینار، نمائش وغیرہ
کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ امسال بھی نندن III میں فیڈریشن آف فلم
سوسائٹیز آف انڈیا کے زیر اہتمام اوپن فارم کے نام سے ہر روز ایک
سیمینار کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں میڈیا سنٹر میں فلم جگت
کے ممتاز فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے ساتھ پریس کی ملاقات بھی
کرائی جا رہی ہے

کلکتہ فلم فسٹول کے آغاز سے قبل گذشتہ ۱۰ نومبر کو نندن میں
ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اطلاعات و ثقافتی
امور و داخلہ (پولس) شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے بتایا کہ دوسرے
کلکتہ فلم فسٹول میں ۱۸۰ فلموں کی نمائش کو یقینی بنانے کیلئے
۱۴ ملکوں نے اپنی شرکت کا یقین دلایا ہے۔ اس فلمی تہوار میں
خاص طور پر شرکت کرنے والے ملکوں میں جرمن، روس، ہنگری، جنوبی
افریقہ، جاپان، نیوزی لینڈ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، اسرائیل
پولینڈ، بلجیم، ارجنٹینا، بنگلہ دیش، کیوبا اور سیلون ہیں۔ ان کے
علاوہ مختلف ہندوستانی زبانوں میں بننے والی فلموں کی نمائش کا بھی

انتظام کیا گیا ہے۔ ان میں تلگو، مراٹھی، ملائلم، ہندی اور بنگلہ فلمیں شامل ہیں۔ اس فلم فسٹول میں عظیم فلم سازوں — ایلیٹھے، کیسلوسکی، اتپل دتہ اور ادیل چیٹرجی کو خراج عقیدت پیش کئے جائیں گے۔

اس فلم فسٹول کے مندرجہ ذیل چھ درجات قائم کئے گئے ہیں۔
(۱) عالمی سینما (۲) خواتین ہدایت کار (۳) خراج عقیدت
(۴) ۷۰ سے قبل کی جاپانی فلمیں (۵) آزادی کے ۵۰ سال اور سینما
(۶) انڈین پینورما (۷) بچوں کی فلمیں (۸) اتپل دتہ اور ادیل چیٹرجی کی فلمیں۔

اس فلم فسٹول کے موقع پر نندن I اور II اور شیشر منچ میں وفود اور پریس نمائندوں کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔ رابندرا سدن، ابندرا منچ، چیپلن، ٹاکی شو ہاؤس اور مدھو سودن منچ میں روزانہ کے ٹکٹ کی بنیاد پر فلمیں دکھائی جائیں گی جن کے ٹکٹوں کی شرح ممکنہ حد تک کم رکھی گئی ہے۔ نندن اور رابندرا سدن اور شیشر منچ میں پانچ شو کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ دیگر سینما ہاؤسوں میں ۴ شو میں فلمیں دکھائی جائیں گی۔

اس فلم فسٹول میں اسرائیلی خاتون ڈائرکٹر ایڈیٹ تیجوری ہندوستان سے سائی پرانجپے، وانیا جوشی، نانا پاٹیکر، ماسو بھٹاچاریہ، گوسد نہالنی، بدوت چکرورتی اور ساستوا نائرڈ ولائی نے مہمانانِ اعزازی کے طور پر شرکت کی منظوری دے دی ہے۔

وزیر موصوف نے کہا کہ اس فسٹول میں یونیسیف اور این ایف ڈی سی کی مشترکہ طور پر بنائی ہوئی گوبند نہالنی کی فلم سنتودھن کو افتتاحی فلم کے طور پر دکھلانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس فلم کا اصل موضوع ہے گرام پنچایت میں عورتوں کا برسر اقتدار ہونا جس کے متعلق ہماری حکومت کا واضح نظریہ ہے۔

وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ بین الاقوامی فلم فسٹول کے اصولوں کے مطابق اس فسٹول کو اجاگر کرنے کے لئے "اوپن فارم" "میٹ دی ڈائرکٹر" "سیمینار" وغیرہ کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔

اس موقع پر ریاستی شعبہ اطلاعات کی جانب سے کلکتہ فلم فسٹول پر ایک انگریزی کتاب کا اجرا بھی کیا جائے گا۔ ■■

• امریکی فلم لیسٹل ٹو مین کا ایک رومانی منظر

کلکتہ فلم فسٹول ۱۹۹۶ء

انسان اندرونی طور پر تغیر پذیر ہے۔ ایک مجموعہ سماج کی تشکیل کرتا ہے اور اپنی ممکنہ حد تک اسے جماعت کے طور پر تعمیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری جانب وہ اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی انفرادیت کے پرچم کو بلند کرنا چاہے گا۔ آج وہ آرٹ فورم کے ذریعہ بہت زیادہ مظہر ہے۔ مستقبل قریب میں وہ اس معاملہ میں اور بھی سنجیدہ ہو جائے گا۔ اس کی معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات یا جمالیات کہیں سماجی، ثقافتی یا مذہبی باڑھ کھڑے کرتے ہیں تو کوئی ذرا دوری پر تمام سماجی، جغرافیائی باڑھ کو توڑنے میں پورے طور پر منہمک نظر آتا ہے۔ یہ تمام باتیں آرٹ اور ادب میں منعکس ہوتی ہیں۔

سینما کوئی علیحدہ شئے نہیں ہے۔ سینما کچھ احمقانہ تجارتی سینما جو انسانی کمزوریوں کے استحصال پر زندہ رہتے ہیں، کو چھوڑ کر تفصیل سے سماج کے روبرو واقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ انتہائی سنجیدہ قسم کا سینما انسان کے دل و دماغ میں سرایت کر جاتا ہے یا اس دور کے رجحانات اور میلانات کا جائزہ لیتا ہے۔ اس طرح یہ سماجی محرکات کے انتہائی موثر ثقافتی سانچہ کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے۔

ایک فلم فسٹول کلاسیکی فلمیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ملکوں میں بننے والی نئی نئی فلموں کو بھی پیش کرتا ہے۔ ان میں کچھ فلمیں تجدید پسند، کچھ تفکر طلب، کچھ تیز فہم ہیں۔ ان میں بعض فلمیں تفریح کا سامان مہیا کر سکتی ہیں تو کچھ دل و دماغ میں حدت پیدا کر سکتی ہیں۔ بہر حال سیکڑوں کی تعداد میں نئی نئی فلمیں بنتی ہیں۔ ہر سال سماجی، سیاسی اور ثقافتی جہت میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ انتہائی حساس ہدایت کاروں کے زیر ہدایت بنی فلمیں ان تبدیلیوں کی جھلکیاں پیش کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتی رہیں۔ ناظرین ارتعاشِ دیکھنے کی بصیرت رکھتے ہیں یا کم از کم روزمرہ کے واقعات کا احساسات و ادراک رکھ سکتے ہیں، سریع التاثر ہو جاتے ہیں۔ انھیں دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور آئندہ سال کے آئندہ پروگرام کا انتظار کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت ہند کے ڈی ایف ایف، حکومت مغربی بنگال اور مغربی بنگال فلم سنٹر نندن نے لازمی طور پر شاید ناگزیر طور پر یہ محسوس کیا کہ کلکتہ جیسے شہر میں ہر سال فلم فسٹول کا انعقاد کیا جائے جہاں ایسے ایک تہوار کیلئے قابل ستائش ناظرین شدید منتظر رہتے ہیں۔ یوروپین فلم فسٹول ۲ تا ۸ نومبر ۹۶ء کو نندن میں منعقد ہوا جس میں فلم سازی والے ۱۳ ملکوں جیسے آئرلینڈ، برطانیہ، نیدرلینڈ، فرانس، بلجیم، جرمن، پرتگال، آسٹریا، فن لینڈ، سویڈن، اسپین، یونان، اٹلی سے گراں قدر متنوع فلمیں دکھائی گئیں۔

کلکتہ فلم فسٹول ۱۲ نومبر ۹۶ء سے شروع ہوا ہے۔ اس میں اٹھارہ ملکوں سے ایک سو ستر فلمیں پیش کی جائیں گی جن سے تقریباً دو سو ہزار فلمی ناظرین لطف اندوز ہوں گے۔ اس فسٹول میں آٹھ درجات (سیکشن) ہوں گے۔ مثلاً عالمی سینما کا خراج تعظیم و عقیدت، ۷۰ سے قبل کی جاپانی فلمیں، خواتین ڈائرکٹروں کی فلمیں، انڈین پینوراما، بچوں کی فلمیں، آزادی کے پچاس سال اور ہندوستانی سینما۔

ایک فلم فسٹول سمینار، سمپوزیم "روبرو" اور اشاعت کے بغیر کچھ فلموں کی نمائش سے ہرگز کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا لہٰذا اس فسٹول کے دوران ان سب کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ فسٹول سالانہ امور کے حسب معمول اختتام پذیر ہونے کا عہد نہیں کرتا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھا گیا ہے کہ شعور کا ایک نیا سرچشمہ روز افزوں فلمساز، شرکاء اور فلم کے ناظرین، دانشوروں، ذرائع ابلاغ اور عام لوگوں کے درمیان سے پھوٹ کر نکلے۔

آنگشو سور
چیف ایگزکیوٹیو آفیسر نندن

فلم فسٹول کے مختلف درجات (سیکشن) کا افتتاح

• مالتی سہے، راجامترا اور ستا سین انڈین پینورا ما سیکشن کے افتتاحی تقریب میں

گزشتہ ۱۳ نومبر کو کلکتہ کے مدھوسدن منچ میں انڈین پینوراما سیکشن کا افتتاح کرتے ہوئے حکومت ہند کے فلم فسٹول کی ڈائرکٹر سریمتی مالتی سہائے نے کہا کہ ایسے موقع پر انھیں مدعو کئے جانے کے لئے وہ حکومت مغربی بنگال کی احسان مند ہیں۔ ایسے تہواروں کے لئے انڈین پینوراما انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مستقبل قریب میں پینوراما سیکشن کو بہترین فلموں سے مزید مالا مال کیا جائے گا۔

انڈین پینوراما سیکشن میں نمائش کیلئے افتتاحی فلم کے طور پر راجا مترا کے زیر ہدایت لوئش تارا کو منتخب کیا گیا۔

شعبۂ اطلاعات کے پرنسپل سکریٹری شری سوجیت شنکر چٹوپادھیہ نے مدھوسدن منچ میں اسی دن شام کے ۴ بجے خواتین ڈائرکٹرز کے سیکشن کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر سریمتی اپرنا سین کے زیر ہدایت یوگانتا کی افتتاحی فلم کے طور پر نمائش کی گئی۔

آزادی کے پچاس سال اور سینما سیکشن کا افتتاح ممتاز فلم ساز شری اربندرا مکھرجی نے اسی دن مدھوسدن منچ میں کیا۔ انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس بات کی تصدیق کی کہ ہندوستان کی جدو جہد آزادی پر بہت سی فلموں کو برباد کر دیا گیا ہے تاہم ان میں سے کچھ فلموں کو ہنوز محفوظ رکھا جاسکا ہے۔

انیل چٹرجی اور اتپل دتہ کو خراج عقیدت کے سیکشن کا افتتاح اسی دن اہندرا منچ میں ممتاز فلمی اداکار اور نندن کے مشاورتی بورڈ کے چیئرمین شری دست چودھری نے کیا۔ انھوں نے اس موقع پر انیل چٹرجی اور اتپل دتہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ایکٹروں نے بنگلہ فلموں کی ترقی کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ان کے گزر جانے سے بنگال کی فلمی صنعت کو زبردست نقصان ہوا ہے۔ شری چودھری نے بنگال کے ان دو فنکاروں کو تعظیم بخشنے کے لئے حکومت مغربی بنگال کا شکریہ ادا کیا۔

انھوں نے امید ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ ناظرین اتپل دتہ اور انیل چٹرجی کی اداکاری کے جواہر سے مزین فلموں کو دیکھنے کے لئے کافی تعداد میں آئیں گے۔ ■■

سنشودھن کبھی نہیں رکتا

دوسرا کلکتہ فلم فیسٹول کے کھلے اجلاس سے

نندن ۱۳ نومبر ۹۶ء دن کے ایک بجے نندن ٹو میں فیڈریشن آف فلم سوسائٹیز آف انڈیا کے زیر اہتمام ایک کھلے اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ ممتاز فلم ساز شری گووند نہالنی کے زیر ہدایت فلم فیسٹول کی افتتاحی فلم "سنشودھن" ۱۳ نومبر کے اس اجلاس میں موضوع بحث رہا۔ اس اجلاس میں شری نہالنی بہ نفس نفیس موجود تھے اور رہوڈیپیمار شری جگن ناتھ گوہانے شری نہالنی کا ناظرین سے متعارف کرایا۔ اسکے بعد شری نہالنی نے فلم اور اسکی کامیابی کے امکانات کے متعلق بہت کچھ بتایا۔ دوسرے معزز مقررین میں ایف ایف ایس آئی کے نائب صدر اور ممتاز ہدایتکار شری باسو بھٹاچاریہ بحیثیت مقرر موجود تھے۔ ایف ایف ایس آئی کے دوسرے نائب صدر اشوک وشوانا تھ اور معین الحسن بھی جلسہ میں موجود تھے۔ ایف ایف ایس آئی کے جنرل سکریٹری شری ایچ سین گپتا پوڈیم پر شرکت فرما تھے۔ اس فلم کی اداکارہ شریمتی وانیا جوشی نے اس موقع پر اظہار خیال کیا۔

ابتداء میں شری سین گپتا نے سامعین کا پرجوش استقبال کیا اور انھیں یاد دلایا کہ آج ہم مشہور اداکار اور ایف ایف ایس آئی کے صدر آنجہانی اتپل دت اور اسپیل چنو یلادھیلاکے کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ شری گوہانے اسپیکروں کو حاضرین سے متعارف کرایا۔

آج کے اجلاس کا موضوع تھا گووند نہالنی کی حالیہ فلم سنشودھن۔ اس فلم کا نفس موضوع ہے گاؤں کی پنچایت میں ایک خاتون کی شرکت۔ شری نہالنی نے کہا کہ اس موضوع پر پہلے یونیسیف نے دستاویزی فلم بنانے کی درخواست کی تھی جسے نچلی سطح پر بیداری مہم کے طور پر دیہی علاقوں میں دکھائی جاسکے لیکن شری نہالنی نے کہا کہ وہ فلمسازوں (پروڈیوسروں) کی اس اسکیم سے پوری طرح رضامند نہیں ہوسکے اور اس موضوع پر ایک فکشن فلم بنانے پر رضامند ہوئے۔ آخرکار یہ فلم این ایف ڈی سی کی مشترکہ پیشکش کے طور پر موجودہ صورت میں نمودار ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ فلم کو جہاں تک ہوسکے سیدھی سادی بنائی گئی ہے۔ انھوں نے اس فلم میں اس بات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ گاؤں کے لوگ اصل میں کیا چاہتے ہیں۔ یہ پوچھے جانے پر کہ انھوں نے اتنا آسان حل کیسے منعکس کیا، شری نہالنی نے کہا کہ سچ مچ اسکا حل اتنا آسان نہ تھا۔ ان کی فلم کے نسوانی کرداروں کو اپنے ہی خاندان اور ماہر والوں کی متشدد مخالفت اور تناؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ عظیم تر جدوجہد کی تجویز کے ساتھ ایک چھوٹی سی فتح کو اس میں عملایا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی فلم کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے حقیقی ماحول کی تصاویر حاصل کیں اور انہیں اپنے اسٹوڈیو سیٹس سے ہم آہنگ کیا۔

شری اشوک وشوانا تھ نے بھی شری نہالنی اور ان کی فلم کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ اگرچہ انھوں نے کچھ پہلوؤں سے اس فلم پر تنقید بھی کی لیکن آخر میں انھوں نے بتایا کہ یہ ایک ایسی فلم ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

شری باسو بھٹاچاریہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ شری نہالنی جو اس فلم میں کر دکھانا چاہتے تھے وہ انہوں نے کیا۔ اس فلم کا نفس موضوع ملک گیر پیمانے پر ایک اپیل ہے اگرچہ یہ ایک مخصوص ڈھانچہ پر مبنی ہے۔ اور بنیادی طور پر یہ ایک پروپیگنڈہ فلم ہے لیکن موضوع کے اعتبار سے یہ دیگر فلموں سے بالکل مختلف ہے۔ فلم کی مرکزی کردار کو ناظرین پر کہیں سے بھی تھوپا نہیں گیا ہے۔ ہدایتکار نے فلم میں جس عورت کو سرغنہ کے طور پر پیش کیا ہے اسے تقریباً غیر نمایاں رہتے دیا ہے اور یہی اس فلم کی کامیابی ہے۔

سنشودھن کی سرغنہ میں وِدیا کا رول ادا کرنے والی وانیا جوشی سامعین کو کچھ دیر کیلئے خطاب کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس فلم میں انھوں نے جو اداکاری کی ہے وہ خود ان کا اپنا ہے۔ انھیں سب سے پہلے اس فلم کا پیغام ملا اور ایسے کسی بھی اداکارہ کیلئے قابل قبول پایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس فلم میں اداکاری کر کے انھیں ایک خوشگوار تجربہ حاصل ہوا ہے۔

سامعین میں سے ایک شخص نے یہ تجویز رکھی کہ اس فلم کو دوسری زبانوں میں بھی ڈب کیا جائے۔ اس رائے سے شری نہالنی نے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ اس کے لئے ہر طرح سے تعاون پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ سنشودھن جیسی فلم کا انجام دوررس ہے اور اسکی نمائش کے ساتھ اس کا ہرگز خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ سینما ہال سے نکلنے کے بہت دیر بعد تک ناظرین پر اس فلم کا اثر قائم رہتا ہے۔

آزادی کے بعد کے ہندوستان میں سیاسی فلموں پر سمینار

فیڈریشن آف فلم سوسائٹیز آف انڈیا اور مغربی بنگال فلم سنٹر نندن نے مشترکہ طور پر گذشتہ ۱۴ اکتوبر ۹۶ء کو نندن II میں آزادی کے بعد فلم میں سیاسیات کے موضوع پر ایک سمینار کا اہتمام کیا۔

مسٹر پی لودھ متر اس سمینار میں موڈریٹر تھے اور مسز حیہ بندھو پادھیہ اور باسودیو چرجی اس کے خاص مقررین تھے۔ یہ موڈریٹر اور مقررین کی پُرخلوص کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مجموعی طور پر سیاسی سینما کی تعریف پیش کی گئی اور آزادی کے بعد کے ہندوستان میں بننے والی فلموں کے اقسام پر روشنی ڈالی گئی۔

اس موقع پر شری پی لودھ متر نے ہماری آزادی کی ۵۰ ویں سال میں ایف ایف ایس آئی کی جانب سے اس اقدام کی سراہنا کی۔ انھوں نے سیاسی فلم کی وضاحت میں مشکلات کی نشاندہی کی۔ اور امریکی فلم "آل دا پریزیڈینٹس مین" کی نظیر پیش کی۔ سیاسی بیداری تو ۶۰ اور ۷۰ کی دہائیوں کے دوران یورپ میں آئی۔ یہاں کی فلموں میں منعکس ہوئی کیوبا اور ویت نام میں اس پر اچھا کام ہوا۔ ہمارے ملک میں خاص طور پر تامل فلموں میں اس سلسلہ میں کوشش کی گئی۔ مغربی بنگال میں اپٹا (IPTA) نے ڈراموں میں اس کا تجربہ کیا جو درحقیقت فلم کے بہ نسبت زیادہ بہتر تھا۔ یہ دراصل ان تماشوں میں ہے جہاں سینما سے زیادہ سیاست اہم رول ادا کرتی ہے۔ اصل وجہ مالیات ہے۔ تماشوں کے بہ نسبت فلم سازی زیادہ مہنگی ہے۔ ایسی فلموں کی تیاری کے لئے بہت سے لوگ مل جاتے ہیں لیکن ایسی فلموں کی تیاری کی راہ میں درپیش مشکلات سے گزرنے کے سلسلہ میں ان کے مدد کرنے کے لئے کوئی تحریک نہیں ہوتی ہے۔

الغرض وسیع تر معنی میں تمام فلمیں سیاسی فلمیں ہیں کیونکہ ایک طرح سے دوسرے طور پر یہ حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہیں لیکن فیصلہ کرنا ناظرین پر منحصر ہے۔ کچھ فلمیں ایسی ہیں جو تاریخ پر مبنی ہے جیسے میکنگ آف مہاتما۔ سماجی موضوعات پر مبنی فلم ابھینو ئے اور کچھ حالات حاضرہ پر جیسے رو جا اور برگہ تحریک پر آروہن وغیرہ ہیں لیکن اس کے درمیان تسلسل کی کمی رہی۔ دراصل تحریک آزادی پر بہت کم فلمیں بنی ہیں خاص طور پر ان فلموں کے مقابلہ میں جو دوسری جنگ عظیم پر بنیں اور جنھیں یورپ کے فلم سازوں نے جس جوش و ولولہ کے ساتھ بنایا وہ بدنصیبی سے ہمارے ملک میں غائب رہا۔ حتی کہ ہمارے دانشور حضرات بھی اس سے دور رہے۔ ہم ایسی فلموں کی تیاری کے لئے حکومت پر پورے طور انحصار کرتے ہیں لیکن حکومت کی اپنی حدود ہیں جس سے حقیقی عکس بندی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ حتی کہ کسی لائق ہدایت کار نے قحط عظیم کو موضوع فلم نہیں بنایا صرف کچھ فلمیں جیسے دھرتی کے لال، نمنتا، اشانی سنکیت اور اکالیر سندھانے قحط پر بنیں اور تقسیم ملک پر میگھے ڈھاکا تارا، نکسلی تحریک پر کلکتہ ۷۱ اور پداتک جیسی فلمیں بنیں۔

مسٹری میر بھٹاچاریہ نے مستعمل کے بہ نسبت نظریہ پر زور دیا۔ انھوں نے اسکی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ فلم کی تیاری میں بھی سیاست کا دخل ہے۔ لیکن ایک فلم پر رائے اس کے اختتام کی بنیاد پر دی جانی چاہئے۔ گرم ہوا کا اختتام اس سین سے ہوتا ہے جہاں باپ اور بیٹے دونوں تانگہ سے اتر جاتے ہیں اور بائیں بازو کے ایک جلوس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ اختتامیہ فلم ساز نظریاتی خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔ انھوں نے "پرفلا" کے آخر میں دکھائے گئے ایک اور منظر کی مثال پیش کی جس میں پرفلا کو گھر کے کام کاج کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جو بنکم چندرا کے نسوانی کردار کے نکتہ کو واضح کرتی ہے۔ بہت سی فلموں کو کہانی کے عین مطابق مخصوص قسم کے ضابطہ کے مطابق بنایا جاتا ہے لیکن ایسی فلمیں مخصوص ہیں۔ ان میں سے ایک ایسی فلم رتیک گھٹک کی میگھے، تکو، گپتو ہے جس میں مواد پر منحصر روایت سے انحراف کیا گیا ہے۔ اس میں ہر منظر آگے کی کڑی سے جڑا ہوا ہے۔ انھوں نے فلموں کو تین وسیع درجات — قبل از حقیقت، بعد از حقیقت اور فلم میں تقسیم کیا۔ آخری درجہ ہمیں حقیقت کی جانب لے جاتا ہے لیکن یہ آخری درجہ معدوم رہا ہے۔ ہم ابھی تک اس حدت سے متعلق لوگوں کو باشعور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

شری مسز حیہ بندھو پادھیہ نے کہا کہ عوام فلمسازی کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہیں۔ سیاست ہماری زندگی میں بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر داخل ہو گئی ہے۔ ہمیں اپنی آئندہ نسل کو بتا دینا ہے کہ ہمیں کیا قبول کرنا اور کیا رد کرنا ہے۔

انھوں نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ فلمی تحریک ہنوز عوام تک نہیں پہنچ پائی ہے بلکہ یہ اب تک مخصوص طبقہ تک محدود ہے۔ اگر ہم ۵۰ دہائیوں سے اس تحریک کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ ماحولیات میں بے انتہا تبدیلی آئی ہے۔ ۵۰ دہائیوں کے دوران صنعتی ماحولیات پر مبنی پتھیر پانچالی، دو بیگھا زمین، ایک دن پرتی دن، سوتی،

چلا جیل جیسی فلمیں بنیں۔ راج کپور کے آوارہ میں اشتراکیت کی کوشش کو پھیلا دینے کی کوشش کی گئی۔

آج کل ہم مختلف حقیقتوں سے دو چار ہیں۔ ہماری روز مرہ زندگی میں تخلیقی صلاحیت کم ہو گئی ہے۔ خاندانی تعلقات دباؤ کے تحت ہے ایسے حالات میں عوام تفریح چاہتے ہیں۔ وہ لوگ اس کی پوری نوعیت کو جانتے ہوئے کل فلم "شعلے" دیکھنے جاتے ہیں لیکن وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ انھیں روشنی دینے کے لئے کافی فلمیں نہیں ہیں۔

شری باسو بھٹا چاریہ نے بتایا کہ آج یہ تحت بے معنی رہ گئی ہے۔ کوئی بھی کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا۔ شروعات سے ہمارے ملک میں سینما نے اپنا وقار حاصل نہیں کیا جس کا وہ مستحق ہے۔ ۵۰ دہائیوں کے دوران تعلیم یافتہ طبقہ فلم سے بے ذوق ہوگئے۔ ایک دانش جانسلر یا وزیر اعلیٰ یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ فلم نہیں دیکھتے۔ حتیٰ کہ آزادی سے قبل کے دنوں میں جنس سین گپتا نے فلم افتتاح کرنے کے لئے تنقید کی گئی تھی۔ وہ افراد جو سماجی تحریک سے وابستہ ہیں سینما کا شوق نہیں رکھتے۔ ۱۹۵۲ء میں بمبئی میں منعقدہ پہلا بین الاقوامی فلم فیسٹول کے بعد سے ہی دانشور طبقہ سینما کی جانب متوجہ ہوا بوجود ان دنوں میں سیاسی فلمیں بنانے کی راہ میں سنسر شپ سے بڑی رکاوٹ ہے جبکہ بہت سی فلموں کو سنسر بورڈ کی جانب سے مخرب اخلاق رقص اور نغموں کے ساتھ ریلیز کر دیا جاتا ہے جبکہ ذرا سی بھی سیاسی اشارے کو روک دیا جاتا ہے لیکن اب مشرقی یا شمالی ہندوستان سے مقابلہ میں جنوبی ہندوستان سیاسی فلمیں بنانے کے معاملہ میں آگے ہے۔ ■■

ہندی فیچر فلم

آستھا (بھروسہ)

ایک سرسری جائزہ

آستھا (بھروسہ) باسو بھٹاچاریہ کی بیباکانہ پیشکش ہے جس میں مرد اور عورت کے رشتوں کو مختلف پہلوؤں سے دکھایا گیا۔ اس فلم میں باسو بھٹاچاریہ نے شوہر بیوی کے دو اہم کردار امر اور مانسی کے رشتوں کو ایک الگ نقطۂ نظر، علیحدہ انداز فکر، جداگانہ زاویۂ نگاہ اور مختلف جہت سے پیش کیا ہے۔ اس میں ایک شادی شدہ عورت کی اس نفسیات کو بخوبی ظاہر کیا گیا ہے جس کے تحت وہ شادی کے بعد باہر کی چمک دمک اور ظاہری داری کے تعاقب میں گمراہ ہو جاتی ہے۔ اس نازک موضوع پر آستھا صاف ستھری مترنم اور موثر فلم ہے۔ امر اور مانسی کے پانچ سالہ بچی کو ضرورت کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کو پورا کرنے کے لئے مانسی نہیں چاہتے ہوئے بھی استحصال کا شکار ہو جاتی ہے وہ اس کی جکڑ بندی سے نجات کے لئے ہزار کوششوں کے باوجود ناکام رہتی ہے۔ اس کشمکش میں اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اسے ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں اس کی ازدواجی زندگی متاثر نہ ہو جائے۔ یہاں اس کے شوہر امر کے دو طالب علم ان دونوں کے درمیان رشتہ کو استوار کرنے میں مددگار ہوتے ہیں اور امر اپنی بیوی مانسی کی ذرا سی

غلطی میں یہاں اس کی عظمت کو دیکھ لیتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔

ریکھا اس فلم میں نئے اور موثر کردار میں نظر آتی ہیں۔ اوم پوری امر کے کردار میں بہت فٹ ہے۔ دینیش ٹھاکر اور دو نئے چہرے الوشیا بھٹاچاریہ اور ساگر آریہ فلم کو آگے لے جانے میں معاون ہیں۔ گلزار کے گیت اور شرنگ دیب کی موسیقی جاذب اور سحر انگیز ہیں۔ اگرچہ دو ایک گیت غیر ضروری ہیں جن سے فلم کا تسلسل متاثر ہوتا ہے۔ یہ فلم عام تجارتی فلموں سے مختلف ہے اور عام نمائش میں اسکی کامیابی شکوک ہے کیونکہ دیگر تجارتی فلموں کی چمک دمک، دھوم دھڑاکے اور تیز رفتاری کے بہ نسبت یہ سست رفتار، شائستہ اور آرٹ فلم ہے۔ اگرچہ اسمیں دو ایک مناظر کھلے نہیں ہوتے ہوئے بھی عام ناظرین کیلئے نہیں ہیں۔ باسو بھٹاچاریہ کی فلم سماجی حقیقت پر مبنی ہے اور فلم مجموعی طور پر کامیاب اور قابل تعریف ہے۔ ■■ (مبصر: م - ا)

وزیراعظم کے نام وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کا مکتوب

ڈیر وزیراعظم !

مجھے آپ کا خط بابت ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء ملا جس میں کلکتہ ہائی کورٹ کے حکم امتناعی کی نافرمانی میں ضلع ۲۴ پرگنہ کے جادوپور پولس جوکی کے تحت ،پنچی تلہ سے ۲۰ شیڈولڈ کاسٹ / شیڈولڈ ٹرائبس کسانوں کو بے دخل کئے جانے کے سلسلے میں ایم پی شریمتی ممتا بنرجی کی طرف سے شکایت کے بارے میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ متنازعہ قطعہ آراضی کلکتہ میونسپل کارپوریشن کا ہے اور سپریم کورٹ سمیت مختلف قانونی عدالتوں میں اسکی دفاع کی گئی ہے۔

۱۹۷۰ء میں کلکتہ کارپوریشن نے ایک عوامی اعلانیہ کے ذریعہ اس زمین پر دخل حاصل کر لیا اور کلکتہ ہائی کورٹ کے ڈویژنل بنچ نے رائے دی کہ اس قطع آراضی کی دوبارہ حصولی کا حق کی دفاع مغربی بنگال اسٹیٹ ایکیوزیشن ایکٹ ۱۹۵۲ء کی متعلقہ دفع کے تحت کی گئی ہے۔

یہ سچ ہے کہ شیڈولڈ کاسٹ اور دیگر طبقوں کے کچھ کسان کچھ برسوں سے اس زمین کے ایک حصہ میں کاشت کاری کر رہے تھے لیکن وہ لوگ زمین کے مالک نہیں تھے بلکہ وہ لوگ غیر قانونی طور پر غاصبانہ دخل اختیار کرنے والے تھے۔ کلکتہ میونسپل کارپوریشن نے اس قطع آراضی پر انہیں اتنے دنوں سے کاشتکاری سے نہیں روکا تھا کیونکہ اسے دیگر مقصد کے لئے ابتک فروخت نہیں کیا گیا تھا۔ بعد ازاں ریاستی حکومت نے صنعتی سرمایہ کاری کو متوجہ کرنے کیلئے فاضل بنیادی سہولتیں مہیا کرنے کے سیتس سطر اس قطعہ آراضی کو آئی ٹی سی ، انڈین کرافٹ ویلیج ٹرسٹ اسٹاک ایکسچینج اور تاج گروپ کے نام الاٹ کر دیا۔ اگرچہ اس قطعہ آراضی پر کھیتی باڑی کرنیوالے افراد اس پر قانونی حق نہیں رکھتے تھے تاہم کلکتہ میونسپل کارپوریشن نے انکے لئے متبادل روزگار کا انتظام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت جب اسے فروخت کیا گیا کوئی حکم امتناعی نہیں تھا۔ شریمتی بنرجی نے اپنے کچھ حامیوں کے ساتھ بالجبر اس کے باڑھ کو تباہ و برباد کر دیا۔

اس طرح یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ شریمتی ممتا بنرجی کی جانب سے لگائے گئے الزامات بے بنیاد اور شرانگیز ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب کبھی بھی ریاستی حکومت نے کوئی ترقیاتی پروجکٹ اپنایا ہے، شریمتی ممتا بنرجی نے اس معیار کا وٹ ڈالنے اور عوام کو اکسانے کو اپنی عادت سا لیا ہے۔ کچھ تحریکوں میں جنھیں حکومت کے خلاف منظم کیا جاتا ہے، وہ ہمیشہ تشدد کے طریقۂ کار کو اپنا لیتی ہیں۔

اب وہ شخص جو شیڈولڈ کاسٹ نہیں ہے کورٹ پہنچ گیا ہے اور حکم امتناعی حاصل کر لیا ہے۔ اب یہ معاملہ مناسب طریقہ سے کورٹ میں فیصلہ کے لئے زیر سماعت ہے۔

بصد خلوص

بخدمت
شری ایچ ڈی دیوے گوڑا
وزیراعظم ہند
نئی دہلی

مخلص
دستخط
(جیوتی باسو)

خود انحصاری کیلئے نئی نسل کی حوصلہ افزائی ضروری ہے

: گورنر

مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گذشتہ ۱۵ اکتوبر کو بدھان نگر کے ٹکنیکل ٹیچرس انسٹی ٹیوٹ میں سائنس ٹکنالوجی، پیشہ ورانہ تعلیم اور مغربی بنگال میں اعلیٰ تعلیم کی نئی جہت پر منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح کیا۔ انھوں نے اپنے افتتاحی تقریر میں نوجوان نسل کے درمیان جدید سائنس اور ٹکنالوجی کو چالو کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ اس سیمینار کا انعقاد مغربی بنگال ریاستی کاؤنسل برائے اعلیٰ تعلیم کے زیر اہتمام ہوا۔ اس موقع پر دیگر مقررین میں ریاستی وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے وائس چیرمین شری این سی ماتھور، ریاستی کاؤنسل برائے اعلیٰ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری شری پی کے چودھری، ربندرا بھارتی یونیورسٹی کے چانسلر شری پوترا سرکار بھی شامل تھے۔ اس سیمینار میں کلیانی یونیورسٹی، ودیا ساگر یونیورسٹی، بردوان یونیورسٹی اور شمالی بنگال یونیورسٹی کے چانسلروں اور مختلف کالج اور یونیورسٹی کے پروفیسروں نے حصہ لیا۔

گورنر موصوف نے اپنی تقریر میں نئی نسل کو خود۔ انحصار کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ بین الاقوامی مسابقتی مارکیٹ میں نعایت کے لئے ریسرچ سرگرمیوں کے ذریعہ سائنس اور تکنیکی سیکٹر میں متواتر ترقی ضروری ہے۔

ریاستی وزیر اعلیٰ تعلیم نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ریاستی حکومت نے سائنس اور تکنیکی تعلیم اور تحقیق کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ تعلیم پر بھی زور دیا ہے تاکہ طلباء اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی ذاتی کوشش سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ انھوں نے تعلیم کے مواقع کی توسیع کے سلسلہ میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تمام افراد اور سوسائٹیوں سے اپیل کی۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے وائس چیرمین نے عالمی سطح پر موجودہ ترقیات کے پیش نظر خاص طور پر اعلیٰ جماعتوں کی موجودہ نصاب میں از سر نو نظر ثانی کرنے کا مشورہ دیا۔ ■■

مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گذشتہ ۱۰ اکتوبر کو راج بھون میں یونیسیف مبارکبادی کارڈ، ۱۹۹۶ء کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔ انھوں نے ایک ہزار روپئے کی ادائیگی سے پہلا مبارکبادی کارڈ خریدا۔ اس تشہیری مہم کا موضوع ہے "یونیسیف کی مدد کیجئے۔ بچوں کی مدد کیجئے ——— یونیسیف مبارکبادی کارڈ ۱۹۹۶ء خریدیئے"!

کلکتہ پر مبنی یونیسیف کے نمائندے مسٹر سبور روتھی روز گا نے گورنر موصوف کو مبارکبادی کارڈ ۱۹۹۶ء پیش کیا۔ اس موقع پر گورنر نے یونیسیف کے رضاکار خواتین کارگزاروں کے درمیان یادگار اور ایوارڈ تقسیم کئے۔ ■■

ریاستی وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی نے گذشتہ ۱۸ اکتوبر کو اپنے ایک بیان میں کہا کہ ریاستی حکومت ریاست کے طالب علموں کو بڑے پیمانے پر این سی سی میں شامل کرنے کے سلسلہ میں پہل کر رہی ہے۔ این سی سی ریاستی شاخ گذشتہ ۵ برسوں کی ۱۴ ویں پوزیشن سے چوتھی پوزیشن میں آگئی ہے۔ این سی سی کیڈیٹس کی تعداد ۱۹۹۳ء کے ۰۰۰ہ۴ سے بڑھ کر ۱۹۹۶ء میں ۸۰۰۰ہ ہو گئی ہے۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ این سی سی کی ریاستی شاخ کی مزید ترقی و فروغ کے لئے متعدد پروگرام اپنائے گئے ہیں ■■

وزیر برائے اقلیتی امور و اوقاف شری محمد امین کا وقف کی عدالتی تحقیقات سے متعلق بیان

ریاستی وزیر برائے اقلیتی امور و اوقاف شری محمد امین نے حال ہی میں وقف کی عدالتی انکوائری سے متعلق ایک بیان جاری کیا جس کا اردو متن ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

حکومت مغربی بنگال نے وقف بورڈ کی مبینہ بے قاعدگی کی انکوائری کے لئے ایک عدالتی کمیشن کی تشکیل کی ہے۔ گزشتہ ایک سال سے پریس نیز مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں یہ مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے، راجیہ سبھا میں بھی یہ زیر بحث رہا۔ لہٰذا ریاستی حکومت نے کلکتہ ہائی کورٹ کے سیٹنگ جج سے انکوائری کے ذریعہ حقیقت کا پتہ لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ گزشتہ سال محکمہ جاتی انکوائری بھی کرائی گئی جو نامکمل تھی اور حکومت کی جانب سے کئے جانے والے تدارکی اقدامات کیلئے کوئی مشورہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ ریاستی حکومت اس سلسلہ میں تحقیقات کے لئے فکرمند تھی اور درحقیقت اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں' میں نے اس صورت حال کی وضاحت بھی کر دی تھی لیکن حزب مخالف بضد تھے کہ محکمہ جاتی انکوائری کی رپورٹ کو اسمبلی میں پیش کیا جائے حالانکہ اسمبلی یا لوک سبھا یا راجیہ سبھا میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محکمہ جاتی انکوائری کی رپورٹ پیش کی گئی ہو۔ تاہم ریاستی حکومت نے اس رپورٹ کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور وزیر اعلیٰ نے اسمبلی میں اس رپورٹ کو پیش کیا۔ اس پر ایک مکمل بحث ہوئی جس میں حزب مخالف نے بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے کچھ بے بنیاد الزامات عائد کئے۔ حزب مخالف کے لیڈر شری آتیش سنہا کا ایک بیان جو رکارڈ میں شامل ہے کہا کہ ریاستی حکومت کو اس سلسلہ میں ایک عدالتی انکوائری کرانے کا حکم دینا چاہئے اور بحث مباحثہ کے اختتام میں وزیر اعلیٰ نے یہ اعلان کیا کہ کمیشن آف انکوائری ایکٹ' ۱۹۵۲ء کے تحت کلکتہ ہائی کورٹ کے سیٹنگ جج کے ذریعہ ایک عدالتی انکوائری کرائی جائے گی۔ اور اب عملی اقدامات اختیار کرنے کے بعد یہ کمیشن اپنے کام شروع کرنے والا ہے۔ منجملہ دیگر باتوں کے موضوع تحقیق مندرجہ ذیل ہیں۔

آیا متواتر وقف بورڈوں اور وقف کمشنروں نے ۱۵ اگست، ۱۹۴۷ء سے قانون کے دفعات کے مطابق اپنے خدمات و فرائض انجام دیئے ہیں یا نہیں اور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ آیا متواتر وقف بورڈوں کی جانب سے غیر منقولہ وقف جائداد کی منتقلی وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی چوک یا ناکامی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو ایسی چوک یا ناکامی کے لئے، اگر کوئی ہے تو ذمہ دار شخص یا اشخاص کے نام کا پتہ لگانا اور مذکورہ موضوع تحقیق کے سلسلہ میں یا اس سے متعلق، جیسا موزوں ہو، عوامی مفاد میں کمیشن جس طرح موزوں اور مناسب سمجھے، ایسے دیگر معاملوں پر سوچ وچار کرنا اور ایسی چوک اور ناکامی، اگر کوئی ہو، پھر سے نہ ہونے دینے اور اسے روکنے کے لئے متعلقہ حکاموں کے ذریعہ، کمیشن جیسی شناخت کرے، اپنائے جانے والے اقدامات پر، اگر کوئی ہو، سوچ وچار کرنا اور سفارش کرنا۔

یہ کمیشن ریاستی حکومت کو ۱۲ مہینوں کے اندر اپنی رپورٹ جمع کر سکتا ہے۔ کمیشن اپنے طریق کار خود بنا سکتا ہے۔ نشستوں کے لئے جگہ یا جگہوں کا انتخاب خود کر سکتا ہے اور تمام متعلقین کو انکوائری سے اور اس کی تشکیل شدہ طریقہ کار کے نوٹس دے سکتا ہے جیسا یہ ضروری اور مناسب سمجھے۔ لہٰذا یہ بات بین ہے کہ ریاستی حکومت سچائی ڈھونڈھ نکالنا چاہتی ہے۔

حزب مخالف کا اصل اعتراض یہ ہے کہ دائرۂ تحقیقات ۵۰ برسوں کی مدت کو کیوں لایا گیا۔ یہاں ایک سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ اس بات سے کیوں خوفزدہ ہیں کہ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۷ء کے ۳۰ سالہ عرصہ کے دوران جب مغربی بنگال میں کانگریس کی حکومت تھی جو کچھ ہوا اس کی بھی چھان بین کی جائے۔ وقف بورڈ نیم عدالتی قانونی ادارہ ہے۔ اور یہ قانون کے دائرہ عمل کے تحت کام کرتا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں کوئی انحراف ہوتا ہے تو ریاستی حکومت بھی قانون کی چہار دیواری کے اندر کارروائی کر سکتی ہے۔ اگر ریاستی

حکومت کسی وقت ایسا کرنے میں ناکام رہتی ہے تو یہ موضوع
تنقید بن سکتا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں کاغذی تحقیقات کے بعد ہی
منظر عام پر آسکتی ہیں۔ تحقیقات کے لئے کمیشن کا قیام تنقید کا موضوع
نہیں بن سکتا کیونکہ اس سے خطرناک پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کسی
وقف بورڈ یا کسی وقف کمشنر کی، اگر کوئی ہے، کے اٹھائے یا بیٹھانے
کے عمل کو کسی بھی ریاستی حکومت کی طرف سے دفاع نہیں کی جا سکتی ہے۔
لہٰذا تمام سیاسی پارٹیاں، عوامی تنظیمیں اور انفرادی طور پر افراد جو سچ مچ
وقف جائدادوں کی حقیقت اور اس کے تحفظ سے متعلق جاننے کے لئے
متمنی ہیں تاکہ وقف کو دلیل میں منظور ارادوں کے مطابق انھیں استعمال
میں لایا جا سکے، سامنے آئیں گے اور اپنا دست تعاون بڑھائیں گے۔
چونکا دینے والی حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ ۵۰ برسوں کے دوران
بڑی تعداد میں وقف ملکیتوں کا اتلاف کیا گیا ہے۔ بہت سی وقف
جائدادوں پر غیر قانونی اور جبریہ طور پر دخل ہے۔ بڑی تعداد میں وقف
ملکیتیں عرصہ دراز سے ۵۰ سال قبل مقرر کردہ انتہائی کم کرایہ کے مسئلہ
سے دوچار ہیں۔ بہت سارے معاملوں میں پٹے کی شرائط و ضوابط
کو من مانے طور پر بدل دیا گیا ہے اور متولیوں کا ایک طبقہ اپنے ذاتی
مفاد میں وقف جائدادوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی
دلچسپ بات ہے کہ جب راجیہ سبھا میں یہ مسئلہ زیر بحث
آیا تو مغربی بنگال سے راجیہ سبھا کے بہت سارے ممبروں نے بہت
سے سنسنی خیز انکشافات کئے اور پریس نے انھیں نمایاں طور پر
اپنے اخبارات میں جگہ دی۔ لہٰذا راجیہ سبھا نے مغربی بنگال کو چھوڑ کر
ہندوستان بھر کے وقف جائدادوں کے مسائل کی چھان بین کرنے کے
لئے راجیہ سبھا کے ممبروں کی شمولیت سے ایک پارلیمانی کمیٹی کے قیام
کا فیصلہ کیا کیونکہ مغربی بنگال کے علاوہ کسی بھی ریاستی حکومت نے
عدالتی کمیشن کے قیام کا فیصلہ نہیں کیا۔ حزب مخالف کے کچھ لیڈروں
نے نیز پریس کے ایک حلقہ نے اس کے باوجود یہ پروپگنڈہ کرنا
شروع کر دیا کہ مغربی بنگال میں نام نہاد اسکنڈل میں ایک ہزار
کروڑ روپئے کا گھپلہ ہوا ہے۔ میں یہ واضح طور پر ایک بار پھر یہ کہنا
چاہتا ہوں کہ ... ہزار کروڑ روپئے کا معاملہ خیالی پلاؤ اور شرپسند
خیالات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور یہ حزب مخالف کی جانب سے
ان بدعنوانیوں اور اسکنڈلوں کی بے شمار کرتوتوں کی وجہ سے پیدا

ہونے والی صورت حال سے بچنے اور اپنے منہ چھپانے کیلئے
بہانہ تلاش کرنے کی ناکام کوشش ہے جن میں بوفورس سے
لے کر شیلی کم اور ایسے دیگر اسکنڈلوں میں مرکزی لیڈران سے
شامل ہیں۔ حزب مخالف نے پہلے محکمہ جاتی تحقیقات کی رپورٹ
کو اسمبلی میں پیش کرنے کی ضد کی لیکن جب حکومت نے ان کے مطالبہ
کو تسلیم کرتے ہوئے اس رپورٹ کو پیش کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ
اس رپورٹ میں کچھ بھی نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ لوگ کوئی سیاسی
فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پھر یہ لوگ عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کرنے لگے
اور اب جب عدالتی انکوائری کا قیام عمل میں آگیا ہے تو یہ لوگ سی بی آئی
انکوائری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس برتاؤ نے انھیں بالکل عریاں کر دیا
ہے۔ وقف جائداد کے تحفظ کے سلسلہ میں ان کی تمام باتیں زبانی جمع خرچ
ہیں۔ وہ لوگ بائیں محاذ حکومت کو مرکز میں ان کی بدعنوان سابق حکومت
سے مماثل کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ عدالتی تحقیقات سے جو
بھی معلومات حاصل ہوں گے ان سے انھیں مایوسی ہوگی اور ریاستی حکومت
مغربی بنگال میں وقف سے متعلق امور کی موجودہ حیثیت کے فروغ کے لئے
کمیشن کی تحقیقات کی روشنی میں ضروری اقدامات کرے گی۔ ■■
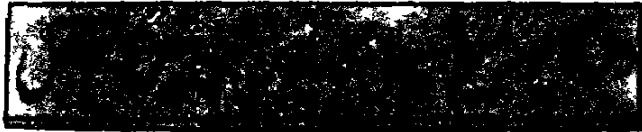
کلکتہ، ہوڑہ، چندن نگر، آسنسول اور سلی گوڑی کے
بعد درگاپور کو بھی ریاست کے چھٹے میونسپل کارپوریشن میں
منتقل کر دیا گیا ہے۔ درگاپور کارپوریشن بل کو ریاستی اسمبلی
میں بل پاس کرنے کے بعد صدر ہند کو بھیج دیا گیا ہے۔
صدر نے یکم اکتوبر کو اس پر دستخط کر دیا ہے۔
وزیر شہری ترقیات شری اشوک بھٹاچاریہ نے بتایا
کہ اس کارپوریشن نے گذشتہ ۲ اکتوبر سے اپنا کام شروع کر دیا ہے
درگاپور نوٹیفائیڈ ایریا اتھارٹی بورڈ کے موجودہ چیئرمین
آئندہ چھ مہینوں کے اندر ہونے والے انتخابات تک کارپوریشن
کو چلائیں گے۔ دیگر کارپوریشنوں کی طرح اس کارپوریشن کے
تحت بورو اور وارڈ کمیٹیاں بھی تشکیل دی جائیں گی۔ وارڈوں کی
تعداد موجودہ ۳۵ سے بڑھا کر ۵۰ کر دی جائے گی۔ ■■

وزراء محنت کی علاقائی کانفرنس

کلکتہ میں مشرقی اور شمالی مشرقی علاقوں کی وزراء اعلیٰ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مرکزی وزیر برائے محنت شری ایم۔ ارونا چلم نے غیر منظم سیکٹر میں تمام ملازمین پر لاگو ہونے والے یکساں کم از کم اجرت مقرر کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ یکساں کم از کم اجرت ۳۵ روپئے سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے نیچے کوئی بھی اجرت نہیں ٹھیک کرنا چاہیئے۔ وزیر موصوف نے ریاستی حکومت سے درخواست کی کہ وہ میعادی طور پر باضابطہ طور پر کم از کم اجرتوں پر نظر ثانی کرے۔ انھوں نے بتایا کہ حکومت کی طے کردہ عام کم از کم پروگرام کے تحت مرحلہ وار طریقے سے تمام پیشوں میں بچہ مزدور کے سلسلہ کو ختم کرنے کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے تمام تر کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۲۰۰۲ سال تک خطرناک پیشوں میں بچہ مزدوری کو ختم کرنے کے لئے لئے گئے پروگرام کی جانب ریاستی وزراء محنت کی توجہ مبذول کرائی اور ترجیحی بنیاد پر اس پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت کے تعاون پر زور دیا۔ انھوں نے بتایا کہ بچہ مزدوری کے خاتمہ کے لئے حکومت کے عزم اور کوششوں کو وہ باقی ماندہ دنیا بہت ہی قریب دیکھ رہی ہے جہاں اس سلسلہ میں کی گئی کوششوں میں کوئی غفلت یا سستی نہیں برتی گئی ہے۔ وہ پُر یقین ہیں کہ یہ پروگرام تمام ریاستی حکومتوں کی ضلع انتظامیہ، غیر سرکاری تنظیموں کی مستحکم کوششوں سے کامیاب ہوگی۔

دیگر خطوں کے مقابلہ میں مشرقی اور شمالی مشرقی خطوں میں آئی ٹی آئی اور دیگر پیشہ ورانہ تربیتی مراکز قائم کرنے کے سلسلہ میں واضح اختلافات بھی اس کانفرنس میں زیر بحث آئے۔ شری ارونا چلم نے ریاستی حکومت سے درخواست کی کہ وہ اپنے علاقے میں بھی آئی ٹی آئی قائم کرنے کے لئے پشت پناہی کریں۔

شری ارونا چلم نے امپلائزس پروویڈنٹ فنڈ آرگنائزیشن کے حکاموں سے درخواست کی کہ وہ باقی ماندہ ملازمین سے بقایاجات وصول کرنے کے لئے فوری طور پر اقدامات کریں۔ مغربی بنگال میں ۴۰ جوٹ ملوں میں ۴۳ کے بقایاجات ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بقایاجات رکھنے والے اداروں کے خلاف ای پی ایف اور ایم پی ایکٹ ۱۹۵۲ء نیز آئی پی سی کے تحت کارروائی کے لئے سوچنا چاہیئے۔

اس خطہ میں ای ایس آئی سی اسکیموں کے کام کاج کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھا گیا ہے۔ مغربی بنگال اور بہار میں خاص طور پر طبی رعایت پر اخراجات سے نقدی رعایت پر ہونے والے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ ای ایس آئی سی اسکیموں کے رواں کام کاج اور مشرقی خطہ میں اس کی توسیع کے لئے یہ صحت مند علامت نہیں ہے۔ شری ارونا چلم ملازمین سے بیڑی ورکروں کو فوٹو شناختی کارڈ جاری کرنے کے لئے مالی تعاون کریں۔ کیونکہ بیڑی ویلفیئر فنڈ میں دستیاب محدود وسائل سے اس کے اخراجات کو پورا کرنا مشکل ہوگا۔

مرکزی وزیر محنت نے ریاستی وزراء محنت کے ساتھ علاقائی نشستوں کا جو منصوبہ بنایا تھا یہ کانفرنس اس کی پہلی کڑی ہے جو نہ صرف خیالات و تجربات کے تبادلہ کے لئے ہے بلکہ انفرادی طور پر ریاستوں کے ان مفصل اور خاص مسائل کو اجاگر کرنے کے لئے بھی ہے جنھیں عام طور پر بڑے فارم میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ■■

راجہ رام موہن رائے کی ۲۲۵ویں سالگرہ تقریبات

راجہ رام موہن رائے کی ۲۲۵ویں سالگرہ تقریبات کمیٹی ہگلی کے کھناکل میں واقع رادھا نگر گاؤں میں راجہ رام موہن رائے کی جائے پیدائش کی مرمت اور دیکھ ریکھ کے لئے تیاریاں کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کمیٹی رام موہن کی نگارشات و دیگر دستاویزات پر ایک زریں کتاب شائع کرے گی۔ طالب علموں کے درمیان رام موہن کے خیالات کو عام کرنے کے لئے متعدد پروگرام مرتب کئے گئے ہیں۔ راجہ رام موہن رائے لائبریری کی جانب سے مرکزی حکومت سے رام موہن پر ایک اسٹامپ جاری کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے راجہ رام موہن رائے پر سرکاری ترجمان پچھم بنگا اور ویسٹ بنگال کے خصوصی شمارے شائع کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

راجہ رام موہن رائے کی ۲۲۵ویں سالگرہ تقریبات کے موقع پر مختلف پروگراموں کی ترتیب اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے گذشتہ ۱۰ اکتوبر کو رائٹرس بلڈنگ کے روٹنڈا میں منعقدہ ایک اعلیٰ سطح کی میٹنگ میں ایک انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس میٹنگ کے دیگر شرکاء میں سابق وزیر اراضی شری سوئے چودھری، وزیر نقل و حمل شری شیامل چکرورتی، ریاستی خدمات نوجوان ماحولیات و سیاحت کے وزیر شری مانوبندر مکھرجی، وزیر امداد باہمی شری بھگتی بھوشن منڈل، وزیر ریاست برائے لائبریری خدمات شری نیمائی مال، وزیر ریاست انچارج برائے شہری دفاع شری سری کمار مکھرجی، وزیر تعمیرات عامہ شری منوہر ترکی، فائر بریگیڈ کے وزیر ریاست شری پراتیم چٹرجی، ایم پی ایس باسو موجود تھے۔ اس میٹنگ میں انتظامیہ کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے بنوئے چودھری منتخب ہوئے ہیں۔ شری شیو پرشاد مکھرجی اس کے نائب صدر ہوئے ہیں۔ سروج موہن مترا اور نیمائی مال جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔

اس میٹنگ کا اہتمام ہگلی ضلع پریشد نے کیا تھا۔ ■■

آلائش سے توانائی پیدا کرنے کی امریکی تجویز

ایک امریکی فرم ــــ "اسکاٹ" نے آلائش (کوڑا کرکٹ) سے توانائی پیدا کرنے کے لئے مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کو ایک تجویز ارسال کی ہے۔ اس کمپنی نے اس پروجکٹ کو قائم کرنے کے لئے دس ایکڑ قطعات آراضی طلب کی ہے۔ ان لوگوں نے ریاستی حکومت سے خریدی گئی ...۲ میگاٹن آلائش سے یومیہ ۱۸۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی تجویز دی ہے۔ اس تجویز پر گذشتہ ۸ اکتوبر کو کلکتہ میں منعقدہ ایک اعلیٰ سطح میٹنگ میں بحث و مباحثہ کیا گیا۔ اس میٹنگ میں دیگر شرکاء کے ساتھ ریاستی وزیر توانائی شری شنکر سین، مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے چیئرمین شری سومناتھ چٹرجی، کلکتہ کے میئر شری پرسانتو چٹرجی، میونسپل کمشنر شری اسیم برمن موجود تھے۔ شری سومناتھ چٹرجی امریکہ کے دورہ کے دوران ان لوگوں کے ساتھ اس تجویز پر تفصیل سے بات چیت کریں گے۔ ■■

بین الاقوامی تجارتی میلہ، ۹۶ء میں یوم مغربی بنگال منایا جائے گا

نئی دہلی کے پراگتی میدان میں چلنے والا ہندوستان بین الاقوامی تجارتی میلہ، ۹۶ء میں ریاست مغربی بنگال کا خوبصورت پویلین اپنی گوناگوں خوبیوں اور مخصوص روایتوں کی وجہ سے عام میلہ میں آنے جانے والے عام لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مغربی بنگال کی شرکت اور اسکی انفرادیت کو مزید جاذب اور پُر وقار بنانے کیلئے آئندہ ۲۰ نومبر کی شام کو اس بین الاقوامی تجارتی میلہ کے بیچ میں حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے زیر اہتمام "یوم مغربی بنگال" تقریبات کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس موقع پر بنگلہ گیتوں کے گراں مایہ مخزن سے کچھ گوہر پارے پیش کئے جائیں گے جن میں ربندر اسنگیت اور ادھونک بنگلہ گان یا نئے بنگلہ گیت شامل ہیں جنہیں آج کے ممتاز فنکار پیش کریں گے۔ اس موقع پر بنگلہ نظم خوانی (آپ بیتی) کے دور کا [illegible] اہتمام کیا گیا ہے۔ اس تقریب میں شریمتی سوگت واس گپتا ربندر سنگیت اور ادھونک چٹرجی نئے بنگلہ گیت پیش کریں گی جبکہ نظم خوانی کے فرائض پرادیپ برا ہمچاری انجام دیں گے۔ ■

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۳ ★ یکم دسمبر ۱۹۹۶ء ★ شمارہ نمبر ۲۲

مدیر اعلیٰ:۔ ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون:۔ محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ: دس روپئے ○ نصف سالانہ: پانچ روپئے
فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ ۱۰۰۰۰۷
پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ اشاعت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۱۰۰۰۰۱

فون: 25560/3371 Ext:710

عالمی معاشیاتی فورم کے اجلاس سے ریاستی وزیر صنعت و تجارت کا خطاب

"عالمی معاشیاتی فورم" کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ریاستی مندوبین کی ایک جماعت نے دراصل چین کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران ہندوستانی صنعت کی متعلقہ کنفیڈریشن نے "ہند و چین ساجھیداری" پر تبادلۂ خیال کیلئے ایک نشست کا اہتمام کیا تھا۔ گوناگوں پروجیکٹوں کے سلسلہ میں مذکورہ مندوبین کی بے شمار دیگر مشغولیات بھی چینی سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں کے ساتھ رہی تھیں۔ آئرن اور اسٹیل پروجیکٹوں پر بھی تفصیل کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا اور اس سلسلہ میں کچھ عرصہ پہلے دستخط شدہ معاہدوں کو بھی زیر بحث لایا گیا تھا۔ اس مندوبین کی جماعت میں مغربی بنگال کے تجارتی و صنعتی شعبہ کے وزیر کے ساتھ شعبۂ ہذا کے پرنسپل سکریٹری اور صنعتوں کے ناظم بھی شامل تھے۔

مذکورہ ریاستی مندوبین گذشتہ ۱۲ ستمبر کو بینکوک ہو کر شنگھائی پہنچے۔ بینکوک میں ہندوستانی سفارت خانے کے نمائندوں نے وزیر برائے تجارت و صنعت کو مطلع کیا کہ وہاں ایسی چند جماعتیں موجود ہیں جو مغربی بنگال میں صنعتی نشو و نما مراکز قائم کرنے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ مذکورہ سفارت خانے کو صلاح دی کہ وہ جلد از جلد تجارت و صنعت کے شعبہ کو اپنی تجاویز روانہ کرنے کے لئے مذکورہ کمپنیوں سے استدعا کریں۔

۱۳ ستمبر کو تجارت و صنعت کے وزیر نے شنگھائی کے نائب میئر، سرمایہ کاری و تجارت کی فروغ کی چینی کمیٹی اور چینی مشینیں درآمدات و برآمدات کارپوریشن کے سربراہ کے ساتھ ملاقات کی۔ ان پروگراموں کو ہندوستانی صنعت کے کنفیڈریشن نے ترتیب دیا تھا۔ مذکورہ ریاستی مندوبین نے خصوصی معاشی علاقے میں جدید ترین ترقیات کو دیکھنے کی غرض سے پوڈونگ علاقہ کا بھی دورہ کیا۔

بیجنگ میں اصل پروگرام "ہند و چین ساجھیداری" کے انعقاد سے وابستہ تھا۔ "عالمی معاشیاتی فورم" چوٹی کے موقع پر اس نشست کے انعقاد میں آئی ٹی سی میر بانی کے فرائض انجام دیئے تھے۔ گذشتہ ۱۸ ستمبر کو اس موضوع پر ہونے والے باہم دیگر عمل پذیری والے اجلاس کو تجارت و صنعت کے وزیر نے خطاب کیا۔

تجارت و صنعت شعبہ کے وزیر شری بدوت گنگولی کی تقریر کا متن جسے انھوں نے عالمی معاشیاتی فورم میں ہند و چین ساجھیداری پر منعقدہ خصوصی اجلاس میں کیا تھا ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

دوستو !

میں سمجھتا ہوں کہ عالمی معاشیاتی فورم اجتماع کے موقع پر منعقد کئے جانے والے ہند و چین ساجھیداری پر بھی اس خصوصی اجلاس میں میری موجودگی میرے لئے عزت افزائی ہے۔ ہندوستانی صنعت کی کنفیڈریشن نے اس اجلاس کے انعقاد میں پیش قدمی کی ہے۔ وہ ہمارے پرخلوص تعریف و ستائش کے جائز طور پر مستحق ہیں۔ بین الاقوامی معاشیاتی ساجھیداری کو عالمگیر بنانے کے موجودہ سیاق و سباق نے نہایت ہی اہم کردار نبھایا ہے! دراس سلسلہ میں ترقی پذیر اور ہمسایہ ممالک کو ایک دوسرے کے مزید قریب لانے کے اور بہت سارے کام کرنے ہیں۔ شاید آج وسیع پیمانے پر کسی بھی ملک کا عالمی معیشت سے علیحدگی اختیار کرنا بالکل ممکن نہیں ہے۔ بذات خود چین اس کی بہترین مثال ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنے گذشتہ ۲۰ برسوں کے دوران اپنی معیشت کی نشو و نما میں بڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہونے کے باوجود اپنی مخصوص تواریخ کے پس منظر میں چین نے اپنی اشتراکی طرز حکومت سے کے

دوران قابل تحسین ترقی و فروغ کے مرحلے طے کئے ہیں۔ ماہرین کی یہ رائے ہے کہ اگر معاشی ترقی کی حالیہ شرح کو برقرار رکھا جا سکا تو چین آج سے ۲۰ برسوں کے اندر دنیا کی عظیم ترین معیشت کے طور پر نمودار ہوگا۔ چین کی معاشی بیداری ایک "عالمی واقعہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے امداد باہمی کے لئے نمودار ہونے والے مواقعوں پر دیگر ممالک کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

ہندوستان جو سب سے زیادہ آبادی والا دوسرا ملک ہے اور اس کے پاس بھی اس کے زرین تواریخی میراث ہیں، بھی اڑان کے لئے پر تول رہا ہے۔ گذشتہ دو دہائیوں کے دوران چین کے معاملہ میں جو بات دیکھی گئی ہے اسی طرح دنیا نے ہندوستان کی معاشی جدوجہد کی اٹھان کو حال ہی میں دیکھا ہے۔ تقریباً ۲۰۰ ملین درمیانی طبقہ والی آبادی رکھنے والے ہندوستان نے حسابات کتاب کے ایک بازاری حیثیت سے ترقی یافتہ دنیا میں ایک مستقل دلچسپی کا مظاہرہ کر دکھایا ہے۔ تاہم آج ہندوستان اپنے اصل مقصد کی برآری میں لگا ہوا ہے اور اپنی آبادی کے غریب طبقوں کے معیار کو بلند کرتا ہے۔ عالمی معیشت کی جانب رواں دواں بازار میں ہندوستان اور چین جیسی جسامت رکھنے والے ممالک کی ترقی دنیا کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروانے پر منتج ہے کیونکہ ان کے پاس بے شمار گھریلو بازار ہیں۔ تھوڑی سی ہی ترقی کے بعد اوروں کو مزید مرعوب کر پائیں گے۔ عالمی تجارت کے روز افزوں ساجھیداری پر زور ڈالتے ہوئے فروغ برقراری کا مقصد ہی ایک جیسا مقصد ہے جو عجیب و غریب طور پر ہندوستان اور چین دونوں ہی کے لئے مشترک ہے۔ جنوب ایشیائی علاقہ کے "ٹائیگرا کا لومیر" کے نمود لغور عمل درآمد سے چین کی کی گئی پیش قدمی اور کچھ حد تک ہندوستان کی کی گئی پیش قدمی نے ایک نئی اور حیرت انگیز جہت کا اضافہ کیا ہے اور "ایشیائی معجزہ" کی عقدہ کشائی کی ہے۔ رفتار ہوا یوں ہی جاری و ساری رہے گی جس طرح جگن ناتھ کے رتھ کے چکے کبھی نہیں رک سکتے ہیں۔ دیگر اسباب کے علاوہ بیجنگ میں "عالمی معاشیاتی فورم اجتماع" کے انعقاد کے لئے یہی ایک وجہ کافی ہے۔

نہایت ہی موزوں طور پر سلوگ "ہند و چین امداد باہمی" کے موضوع پر گفت و شنید کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اور

یہ موضوع عظیم پروجیکٹوں سے لبریز ہے۔ بہرکیف کسی وجہ سے سیاستدانوں نے ابتک آخری حد تک دو طرفہ تجارت اور معاشیاتی امداد باہمی پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔ دونوں ممالک تجارتی اور صنعتی تنظیموں کے درمیان بڑھتے ہوئے باہم دیگر عمل کے ذریعہ یہ توقع کی جاتی ہے کہ دونوں کے درمیان معاشی رشتے استوار و مضبوط ہوں گے۔ تجارت میں روز افزوں ترقی کے علاوہ ٹکنالوجی کی لین دین اور مشترکہ مہمات کے قوی امکانات پائے جاتے ہیں۔ دنیا کی نظروں میں ہندوستان اور چین کے مقابلہ جاتی فوائد کسی حد تک آپس میں مماثلت رکھتے ہیں۔ بہرکیف اسے ان کے آپسی تجارت و صنعت کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔ "باہمی فائدہ" کا اصول باہمی امداد کے علاقوں کو توسیع دینے کے سلسلہ میں قریبی پڑوسی ملکوں کے لئے رہنما اصول ثابت ہو سکتا ہے۔

ہند اور چین کے درمیان تجارت کے موجودہ امکانات کے مقابلہ میں نہایت پست ہے۔ ہندوستان کی درآمدات برآمدات سے کہیں زیادہ ہے۔ درآمد شدہ اشیاء، کیمیائی مرکبات، دواساز مصنوعات، کاغذ کے بورڈ، پرائمری اسٹیل اور پگ آئرن، میٹالرجیکل کوک وغیرہ ہیں۔ آئرن اور چمڑا، زرعی کیمیائی مرکبات، پرائمری اور نصف تکمیل شدہ آئرن اور اسٹیل ہندوستان سے برآمد کئے جاتے ہیں۔ ہندوستانی صنعت کی کنفیڈریشن نے آپسی معاشی تعلقات کو فروغ دینے کی ضرورت پر خاطر خواہ زور دینے کے سلسلہ میں نہایت ہی درست قدم اٹھایا ہے۔

بے شمار ایسے قطعات دائرہ موجود ہیں جس کی اصل صلاحیت ہندوستان کی مرہون منت ہیں اور یہ چینی تنظیموں کے مصرف میں آسکتے ہیں۔ الکٹرونکس اور سوفٹ ویئر انجینئرنگ ایک ایسا میدان ہے جس میں ہندوستانی کمپنیوں کو موازناتی فائدہ حاصل ہے کیونکہ یہ لوگ مقابلہ جاتی شرحوں پر عالمی درجہ کی خدمات پیش کر سکتے ہیں۔ دواساز مصنوعات، ہیرے جواہرات کے قطعات اور زرعی پیداوار دیگر قطعات کے کچھ ایسے علاقے ہیں جن میں ہندوستانی اشیاء اور ماہرانہ رائے سے چین مستفیض ہو سکتا ہے۔ ہندوستان

کی بحری مصنوعات کے برآمداتی مواقع کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ دیگر میدان جو چینیوں کے لئے دلچسپی کا باعث بن سکتے ہیں۔ ہوٹل اور ہوٹل مینجمنٹ اور تعمیری سامان اور متعلقہ میدان میں پیشہ ورانہ صلاح ہیں۔

چین کی مصنوعات اور ان کی ماہرانہ رائے اور مشورے جو ہندوستانی کمپنیوں کی اہمیت کے حامل ہیں لاتعداد ہیں۔ ریشم کا دھاگہ ایک ایسی شئے ہے جو فی الحال درآمد کیا جا رہا ہے اور یہ مستقبل میں پر وسیع تجارت کا میدان ہوگا۔ ریشم کی پروسسنگ اور فنسنگ میں بہم مشترکہ کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کے فلز ساروں، چھوٹے اسٹیل ملوں اور چھوٹی کل کی بھٹیوں کے قطعات میں شامل میٹلرجیکل اشیاء اور ٹکنالوجی وہ علاقے ہیں جس میں چینیوں نے دیسی طریقہ کار کو روبہ عمل لاکر اچھی حاصل طاقت سالی ہے۔ ہندوستانی کمپنیوں کے ساتھ تکنیکی تعلقات سلسلے کے سلسلہ میں مذکورہ حاصل شدہ طاقت کافی مددگار ثابت ہوگی۔ چین کے چمڑے کی مصنوعات، خام چمڑے اور جوتوں کے تلوں کو ہندوستان میں اچھے بازار دستیاب ہوں گے۔ اسی طرح پوشاک کے میدان میں بھی چین سے آنے والی بنیادی لوازمات کے امکانات بھی نہایت ہی روشن ہیں۔ علاوہ ازیں اس میدان میں مہمات مشترکہ کے قائم ہونے کے بھی امکانات قوی ہیں۔ چین میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں سے بننے والی دوائیوں کی مانگ ہندوستان میں بہت زیادہ ہے لہٰذا مطلوبہ مواقعوں کے امکانات کو مزید روشن بنانے کی ضرورت ہے۔ آنے والے برسوں کے دوران ہندوستان کو درآمد کئے جانے والے میٹلرجیکل کوک کی مانگ میں اضافہ واقع ہوگا اور چین کے پاس اس شعبہ میں پیشکش کے لئے وسیع خزانے موجود ہیں۔

مذکورہ بالا علاقوں کے علاوہ ایسے چند قطعات بھی موجود ہیں جن میں نظریوں اور ٹکنالوجیوں کے عظیم تر لین دین سے دونوں ہی ممالک استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر چائے اور ٹیکسٹائل کی صنعت کو دونوں ہی ممالک میں فروغ حاصل ہوا ہے۔ تجربات کی ساجھیداری اور متعلقہ منظرناموں کے مطالعہ کے ذریعہ متعلقہ اشیاء کو بہتر بنانے اور اس کے معیار کو بلند کرنے کے امکانات روشن ہیں۔

شاید ایسے علاقے بہت ہی کم ملیں گے جہاں ہند اور چین کے درمیان پرمعنی امداد باہمی کو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے۔ دونوں ہی ممالک کی کمپنیوں اور کارپوریشن کے درمیان عظیم تر تال میل کیلئے کی جانے والی پیش قدمی امداد باہمی سے نئے علاقوں کے باب وا کریں گے۔ جہاں تک ان دو ممالک کا تعلق ہے۔ تجارت کے میدان میں ان دونوں کو دراتی اور منطقی فوقیت حاصل ہے کہ یہ دونوں جغرافیائی پڑوسی ہیں۔ اس مقام پر ان کے لئے جو ضروری ہے وہ ان کی سیدھی راست بہت افزائی کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے جہازوں میں مال کی لدائی کو بڑھاوا دینا ہے اور ان کی تجارتی معلومات، جنوبی ایشیائی مراکز کے ذریعہ ان کی پامال شدہ رسد اور سپلائی پر توجہ میں تخفیف لانے کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ بوجھ پائیں گے اور اس کے بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔ ماضی میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ممالک کے درمیان عظیم تر معاشی امداد باہمی کے قیام کے بعد ہی ان کے درمیان ثقافتی اور دانشورانہ لین دین میں اضافہ ہوا ہے۔ لہٰذا ان میدانوں میں قریب تر تال میل کی گنجائش کو برقرار رکھنے کی انتھک کوشش کرنی چاہیئے۔

میں اس موقع سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے اپنی ریاست کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مغربی بنگال کی آبادی تقریباً ۷ ملین کی ہے اور یہ حکمت عملی طور پر ملک کے مشرقی علاقہ میں واقع ہے اور یہ اس علاقہ میں معاشی سرگرمی کا مرکز رہا ہے۔ کلکتہ اس علاقے کا ایک نمایاں تجارتی اور ثقافتی عروس البلاد چلا آرہا ہے۔ مزید برآں یہ ریاست ایک ایسے اچھے مقام پر واقع ہے جس کی وجہ سے یہ جنوبی ایشیا اور ایشیا پیسیفک کی متحرک بازاروں کی گذرگاہ بنا ہوا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر شہرت یافتہ مشیر کار ایجنسیاں جیسے آرتھر ڈی لیٹل اور پرائس واٹر ہاؤس ایسوسی ایٹس نے اس ریاست کے صنعتی منظرنامہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے دی کہ ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاروں دونوں ہی کے لئے مغربی بنگال نہایت موزوں اور منافع بخش مقام ہے۔ ہماری ریاست میں صنعت کی ایک طویل روایت چلی آرہی ہے۔ موجودہ اکائیوں کی از سر نو تکمیل ان کی جلا بخشی اور ان کی جدت کاری ہی ہمارے لئے قابل ترجیح علاقہ ہے۔

س میں ہبلوگوں نے متعلقہ اکائیوں سے منسلک مزدور کے روزگار کی برقراری
دیز یقین بنانے کے ساتھ ساتھ دستیاب استیائی وسائل کے پورے پورے
صرف پر خود کو مرکوز کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہبلوگوں نے ان چھوٹے
پیمانے کی انٹرپرائزوں کے فروغ پر خصوصی توجہ ڈالی ہے جو کثیر تعداد
میں روزگار کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ نئی سرمایہ کاریوں کے سلسلہ میں
ہبلوگوں نے پیٹرول سے دستیاب کیمیائی مرکبات، الکٹرونکس، اطلاعاتی
ٹکنالوجی، آئرن اور اسٹیل، میٹلرجیکل انجینئرنگ، یارچہ جات جمع کر
درخوراک پروسسنگ جیسی جدید اور بین الاقوامی طور پر مقابلہ جاتی
صنعتوں کو ترجیح دی ہے۔

ماضی قریب میں چین کے بے شمار تجارتی و صنعتی مندوبین نے
ہماری ریاست کا دورہ کیا ہے۔ مغربی بنگال کے چند مندوبین نے بھی
چین کا دورہ کیا ہے۔ چین کے پریمیئر گورنمنٹ اداروں کی جانب سے
فراہم کردہ ہبلوگی پر مبنی آئرن اور اسٹیل سکٹر کے چند پروجکٹوں
کو فی الحال ہبلوگوں نے احتیاطی مرحلہ میں رکھا ہے۔ دیگر علاقے جہاں
ہبلوگ امداد باہمی کو بڑھاوا دینے کے متلاشی ہیں، ریشم، سی امکس
فوڈ (خوراک) پروسسنگ وغیرہ ہیں۔ اسی دوران توانائی پیدا کرنے
کے سلسلہ میں ایک ہم مشترکہ تجارتی پیداوار پیش کرنا شروع
کر دیا ہے اور چینی ٹکنالوجی سے منسلک اکائی تیار کرنے والی ایک گرانڈنگ
میڈیا مال زیر تعمیر ہے۔

میں ان سبھوں کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے نہایت ہی دھیان
اور غور سے میری باتیں سنیں۔ ایک بار پھر میں ہندوستانی صنعت کے
کنفیڈریشن کو ہند و چین ساجھیداری پر مذکورہ سمینار کو کامیاب
بنانے کی کوششوں پر تحسین کا مستحق گردانتا ہوں۔ میں یہ قوی امید
رکھتا ہوں کہ مستقبل قریب میں ان دونوں ممالک کے درمیان عظیم تر تال میل
کی جانب ہبلوگ مثبتی قدم اٹھائیں گے۔

بیجنگ میں دیگر مشغولیات:

ایک نشست کا انعقاد

ان آئرن اور اسٹیل پروجکٹوں کے سلسلہ میں بیجنگ کی مرکزی آئرن
اور اسٹیل تحقیقی ادارہ کے ہمراہ کیا گیا تھا جس سے متعلق سمجھوتہ پر
دستخط ستمبر ۱۹۹۵ء کے دوران ہوئے تھے۔ یہ بات طے پائی تھی کہ پرولیا
ضلع کے موضع مدھوکنڈا میں واقع ایک ۲۰۰ ملین ٹن اسٹیل پلانٹ پروجکٹ

کو چینی حکام اور حکومت مغربی بنگال کی جانب سے ترجیح دی گئی اس
پروجکٹ کو روبہ عمل لانے میں ۲۵ کروڑ روپئے کی لاگت آئے گی۔
چینی ادارہ سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس پروجکٹ (۲۲۵ ملین ڈالر)
کی ایکویٹی کی شکل میں سرمایہ کاری کرے اور وہ ترجیحی بنیاد
پر اس پر غور کرنے پر راضی ہو گیا تھا۔

اس سلسلہ میں چین کی سائنس اور ٹکنالوجی کمیشن کے اشتراک
سے ایک نشست کا انعقاد کیا گیا تھا۔ گوانگ زھاؤ میں مقیم
ایک کمپنی کی جانب سے اس کن کاسٹ لائن میں مختلف ضخامت
کی اسٹیل شیٹس بنانے کے لئے ایک مسلسل کاسٹنگ نظام قائم
کرنے سے متعلق پروجکٹ کے ایک نئے تصور کو پیش کیا گیا تھا۔
گوانگ زھاؤ کی ایک پیتل اور سیرامک بنانے والی اکائی نے بھی تعمیری
سرگرمی میں مستعمل ہونے والے سیرامک ساز و سامان تیار کرنے کیلئے
ایک نیا تصور پیش کیا تھا۔ بات یہ طے پائی تھی کہ مذکورہ پروجکٹوں
کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری ڈبلیو بی آئی ڈی سی اور این ٹی (ویبکون) کو
سونپی جائے گی۔ بیجنگ سائنس اینڈ ٹکنالوجی گروپ آف کارپوریشنس
کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ریشم پروسسنگ
اور ریشس تیار کرنے سے متعلق کم لاگت والی کارگر ٹکنالوجی کے سورسنگ
کے بارے میں ابتدائی باتوں پر تبادلۂ خیال کیا گیا تھا۔ یہ بات
طے پائی تھی کہ چین کی ٹکنالوجی پر مبنی پروجکٹوں کو فروغ دینے کیلئے
مستقبل میں ایک مسلسل تال میل برقرار رکھا جائے گا۔ کلکتہ میں
عوامی نقل و حمل کے اس طریقۂ کار کے رائج کرنے کے امکانات کے
سلسلہ میں ایک نشست کا انعقاد کیا گیا تھا جس طریقۂ کار کے
تحت بیجنگ کی سرکاری ملکیت والی ٹرالی بس کمپنی عوامی نقل و حمل کے
مسائل سے نپٹتی ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا کمپنی کے نمائندوں
کی ابتدائی بات چیت ہوئی تھی۔ ان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ جلد از
جلد ایک تجویز جمع دیں تاکہ اسے ان کی جانب سے اگلی کارروائی کے
لئے متعلقہ نقل و حمل کو روانہ کیا جا سکے۔

ماروبینی کارپوریشن جاپان کے منیجنگ ڈائرکٹر نے درگاپور
ملاقات کی اور درگاپور میں واقع جامع اسٹیل کمپلکس میں شرکت
کرنے کے سلسلہ میں ماروبینی کے مفاد کو دہرایا۔ اس سلسلہ میں
بات چیت ٹوکیو میں واقع ماروبینی کے اسٹیل ڈویژن اور کلکتہ

 (باقی صفحہ پر)

ہندوستانی سنیما میں آزادی کے پچاس سال کی عکس بندی

از : کرن مے موئے راہا

مجھے ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم کہ آزادی ملنے کے بعد تقریباً پچاس سالوں کے دوران ہندوستان میں کتنی فیچر فلمیں بنی ہیں۔ اگر معمولی تعداد ۶۵۰ بھی بطور سالانہ اوسط لی جاتی ہے تو مجموعی تعداد تقریباً پچاس سالوں کے دوران بغیر کوئی فرق پیدا کئے، ۳۲۵ کو پہنچتی ہے۔ ان میں سے کتنی فلموں نے آزادی کے پچاس سالوں کی تصویر کشی کی ہے؟ علاوہ ازیں "عکس"، ایک سماعی وبصری واسطۂ ابلاغ میں ٹھیک طور پر کیا مفہوم پیش کرتا ہے؟ کس شئے کا عکس؟ کیا سیاسی تحریکوں کا جنہوں نے آزادی کی رہنمائی کی؟ کیا گذشتہ پچاس سالوں کے دوران ملنے والی کامیابیوں اور ناکامیوں کا؟ یا کیا یہ بہتری زبانوں کی کثیر النسلی اور کثیر الثقافتی قوم کے مسائل حقائق کا عکاس ہے؟ کیا یہ تبدیلی کے کرب میں ایک روایت کے پابند ملک کی ایک تفتیش ہے؟ اور ان فلموں کا علم کیا آزادی کی ایک نصف صدی کی "عکاسی" کرتا ہے؟ کیا ناظر عہد دوار؟

نہ ہی میں اور نہ ہی میرے علاوہ کسی اور نے گذشتہ پانچ دہائیوں کے دوران بتیس ہزار فلموں کے ایک چھوٹے سے حصہ کو پایا اور دیکھا ہے۔ سنیما میں آزادی کی کس درجہ عکاسی پر میرے نظریات یہ مفہوم دیتے ہیں کہ اس کی عکاسی میں کج روی اور انحراف سے کام لیا گیا ہے اور تعصب پرست اور فاعلی ترجیح کو اسکی تصویر کشی میں رنگ کی حیثیت دی گئی ہے۔ تجارتی دنیا میں اسٹریم سنیما کے طور پر جسے آج پیش کیا جا رہا ہے، میں شمار میں ہی نہیں لاتا ہوں۔ کیونکہ اپنی تکنیکی برتری اور عوام کو اپنی جانب راغب کرنے کی قوت کو تسلیم کروانے کے دوران میرے خیال میں مذکورہ بالا فلمیں بڑے پیمانے پر مسخ شدہ اساطیر، بچکانہ بناوٹی رومان، بے مقصد تشدد، چھچھوراپن، عریانیت اور اسی طرز کی حماقتوں پر مشتمل نمائشی بھول بھلیاں کا انبار رہیں۔ علاوہ ازیں یہ فلمیں اپنے آپ میں بیشتر طور پر یکسانیت کی حامل ہیں اور یہ ان کی فارمولہ کی پابند معقولیت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ میرے خیال میں یہ فلمیں ایک طریقہ سے ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں جس کا تذکرہ حوالہ کے ساتھ بعد میں کروں گا۔ نمایاں اجتماعی جذبہ جس نے آزادی کی نمائندگی کی ہے اور اسے برقرار رکھا ہے بلاشبہ جذبہ قومیت ہے۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ کس طرح چند فلموں کو اسے برقرار رکھنے اور اسے ایک شکل عطا کرنے میں کامیابی ملی ہے۔ چند فلمیں حقیقت میں ایسی بھی بنی ہیں جو جد وجہد آزادی، متعلقہ قربانیوں اور متعلقہ جذبوں کی عکاسی کرتی ہیں لیکن پھر بھی وہ اس عظیم نظریہ کے لائق مشکل ہی سے نظر آتی ہیں۔

آزادی ملنے سے قبل برسوں تک ہندوستان برطانیہ کے خلاف "ہندوستان چھوڑ جاؤ" کی تحریک اور خوفناک قحط بنگال سے دوچار رہا۔ ان واقعات نے بھی اس وقت کے فلم سازوں کو اس حد تک متاثر نہیں کیا جتنی کہ توقع کی جا سکتی تھی۔ جن واقعات نے چند مایہ ناز فلم سازوں کے دل و دماغ میں ہیجان پیدا کر دیا تھا وہ ملک کی تقسیم اور اس کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کے وہ واقعات تھے جو آزادی سے قبل شروع ہوئے تھے اور بعد تک چلتے رہے تھے۔ جو اس مختل کر دینے والے درد اور ذہنی کوفت و اذیت کا اظہار چند یاد رکھنے کے قابل فلموں میں کیا گیا ہے۔ وہ رتوک گھٹک کی فلم ــــ "میگھے ڈھاکہ تارا"، "کومل گندھار" اور "سبرنا ریکھا"، ستھیو کی "گرم ہوا" اور بھالنی کی "تمس" ان کے ذکر سے گریز کرنا حقیقت سے رو پوشی ہوگی۔

یہ زخم ان تمام برسوں کو لہو لہان کرتے رہے یہاں تک کہ بعد از جنگ عظیم دیگر ممالک میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو روز روز زبردستی اور تشدد کے ساتھ ہجرت کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ متعلقہ زخم کے اس ہرے ہونے کی کیفیت کی تصویر کشی حال میں آئی ہوئی فلموں جیسے اراوندن کی "استو ہارا" یا بدھادیب داس گپتا کی "تاہادیر کوتھا" میں کی گئی ہے۔ خواہ "میں میں (دسالہ) ہوں" کی نسل اور بعد کی نسلیں مذکورہ بالا اسباب پر نہ اس کی ملامت کریں گی اور نہ ہی ان پر انگلیاں اٹھائیں گی۔ ستیہ جیت رائے کی

وجہ سے سینما میں ہندوستان کے بدلتے ہوئے اور اس کے بہتیرے جیتے جاگتے
بامعنی اور معتبر بن گئے تھے۔ انھوں نے بذات خود سینما کی بنیاد رکھی اور
اس کے شاندار نقشے تیار کئے۔ سینما کی زبان اور اس کے امکانات
کے میدان میں ان کی پیش کردہ کارہائے نمایاں سے سبق حاصل کئے
بغیر ملک کے حقائق کی نمایاں تصویر کشی ممکن ہی نہیں ہو پائے گی۔
معاشی پستی اور سماجی برائیوں کے معاملہ میں ہندوستان کی تیز رفتار
ترقی کے تناظر میں ہندوستانی سینما پر کیوں کم روشنی ڈالی گئی ہے کا
اندازہ لگانا بہت مشکل نہیں ہے "برطانوی حکمرانوں کو ملک سے نکال پھینک
دو اور سارے مسائل حل ہو جائیں گے" ہی قومیت کا سہل لیکن قومی جذبہ
رہا ہے۔ اس نے لوگوں کو اس حقیقت سے آشنا ہونے کا وقت ہی
نہیں دیا کہ ایسا ٹھیک ٹھیک نہیں ہوا۔ درحقیقت مسائل کی تعداد
رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور ان میں مزید الجھاؤ پیدا ہوتا گیا۔ بہت جلد ہی مذکورہ
بالا طلسم ٹوٹ گیا۔ اس سے فلم سازوں کو دھکا لگا اور ان کے اندر زبردست
ناامیدی اور مایوسی نے گھر کر لیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ کچھ عرصہ تک چیزوں پر نظر ڈالنے کے پہلے سے
ترتیب شدہ نظریات رائج تھے۔ اشتراکی افکار، مارکس اور فرائڈ کے
اثرات، سماجی بدلاؤ کے طریق کار اور اس طرح کے رجحانات نے فکر
کے تانے بانے میں بکھراؤ پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ ایک جانب داخلی تجرباتی
تلاش اور دوسری جانب ایک پر استحصال سماج کی برائیوں سے نبرد آزما
ہونے کیلئے طریقہ کار کی جستجو تھی۔ دونوں ہی باتیں سینما میں ساٹھ کی دہائیوں
اور ستر کی دہائیوں کے اوائل میں منعکس ہوئیں۔ یہ ایک نہایت ہی ہیجان انگیز تخلیقی دور رہا ہے۔ رائے نے نئی راہوں سے انحراف کرتے
ہوئے، تر و تازہ اور جوش و ولولہ سے پر تا ہراہ کھوج نکالی۔ ستر دہائیوں کے وسط میں بہر کیف اطراف کی حقیقت اور سینما کی سرحدوں
دونوں ہی کے جذبہ دریافت نے دم توڑ دینے کی علامتیں پیش کی ہیں۔ جدید
ان فلم سازوں کی مہموں نے نئے سینما کی قوت و مضبوطی کو برقرار
رکھنے میں اساسی کردار ادا کیا تھا، اب سانس پھولنے لگی تھی بہتر
نے نہیں کیا۔ اقلیتی سینما کے لئے یہ ایک نہایت ہی پریشان کن
بات تھی۔ یہ ان کا اپنا عقیدہ تھا اور ان کا خود کا تصور تھا کہ انھیں کم
سے کم حمایت اور مقبولیت حاصل ہوگی۔ مین اسٹریم سینما نے
سارے ناظرین کو اپنا گرویدہ بنالیا اور اقلیتی سینما کو ہندوستان

اور غیر ممالک کے مخصوص حلقوں میں تعریف و ستائش کے لئے راہ
تلاش کرنی پڑی۔ یہ کوئی خاص تعجب کی بات نہیں تھی۔ جنس،
تشدد، موسیقی، تکنیکی مہارت اور حسن اور عام طور پر عوام کے
احساسات میں گراوٹ اور بے ہودگی سے پر "پیغامات" والے
مین سینما کے حسب معمول مسالوں نے ان کو پر یقین بنایا۔
ہمارا موضوع یہ ہے کہ کیا ان فلموں نے ۵۰ سالہ آزادی
کے ہندوستانیوں کے تجربہ کی عکاسی کی ہے؟ میرا جواب ہاں اور
نہیں ہے۔ ہاں اسلئے کہ انھوں نے عوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنی
جانب راغب کر لیا خواہ وہ مخرب اخلاق رہیں اور عوام کی خواہشات
اور مایوسیوں پر غلبہ حاصل کیا لیکن ان فلموں نے تشدد، اقدار
کی گراوٹ، دھوکہ دہی، غبن، فرقہ وارانہ تصادم اور ذات پات میں
پھوٹ جو آج ہندوستانی زندگی کی تلخ سچائیاں بن چکی ہیں کی سچی
تصویر کشی نہیں کی ہے۔
حقیقی معنوں میں ہندوستان کی عکاسی میں نوجوان فلم
سازوں کی موجودہ نسل کہاں تک کامیاب رہی ہے اور سینما کی
معقولیت اور موزونیت کا انحصار بلاشبہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں
اور ایمانداری پر ہوتا ہے۔ تاسفانہ طور پر ایسے بہت سارے
فلم سازوں کے کام میں سست رفتاری آگئی کیوں کہ یہ کام جو انھیں
اپنے پیش رو سے میراث میں ملا تھا پریشان کن تھا۔ اس طرح
موازنہ کی بنا پر اس کام کو دونوں ہی سطحوں پر منھ کی کھانی پڑی۔
نظریاتی دیوتاؤں کی ناکامی ہی شاید آزادی کے بعد سے ہی ہمارے
ملک کو دوچار ہونے والے مسائل اور ان کے بنیادی سوالات سے
غفلت برتنے کے ساتھ ساتھ کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
یا خواہ یہ فلمیں محض ایک ایسے واسطہ کی علامت ہیں جو اپنے اندر تجربات
کی بے کراں اور لامحدود وسعت رکھتی ہیں۔
خوش قسمتی سے بہت سارے فلم سازوں نے اب بھی نہ ہی اپنے
یقین کامل کا ساتھ چھوڑا ہے اور نہ ہی بدلتے ہوئے طور طریقوں سے وہ
متاثر ہوئے ہیں ان میں سے چند فلم سازوں نے شاید اپنے موضوعات
کو ذاتی بحثوں سے منتقل کر کے بڑے مسائل کی جانب لے آئے
ہیں اور خود کو مخصوص افراد کے نجی رشتوں اور نفسیاتی محرکات کی
تلاش میں مصروف کر رکھا ہے لیکن مرنیال سین، تپن سنہا، شیام

(باقی صفحہ پر)

ماحولیاتی سیاحت کے امکانات روشن ہیں۔

کلیان چکرورتی

یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں ماحولیاتی سیاحت کے امکانات روشن ہیں۔ یہ حقائق کی ستم ظریفی ہے کہ یہ ہمارے ملک میں ایک موازناتی نئی اصطلاح کی حیثیت سے نمودار ہوا ہے اور تازہ خیالات اور امکانات ایسے وقت میں ابھر کر سامنے آرہے ہیں جب جنگلاتی زندگی بڑی تیزی سے معدوم ہو رہی ہے۔ صنعت سیاحت ہر روز بڑی تیزی کے ساتھ روبہ فروغ ہے کیونکہ انسان آج کے مشکل اور مقابلہ جاتی دور میں گھر اور دنیا کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کے ساتھ اپنے جسم اور اپنی روح کو زیادہ سے زیادہ آرام و سکون پہنچانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ حقیقی معنوں میں اس نام نہاد ترقی کے یہ اثرات ہیں۔ نئے مقامات کی سیر کرنے، نئی صورت حال کا مقابلہ کرتے ہوئے اور جسمانی اور ذہنی دونوں ہی طرح کی خوشی حاصل کرکے ہر روز کی ٹھہری ہوئی یکسانیت و جمود کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سیاحت ماحولیاتی، یا یوں ماحولیاتی بصیرت افروز اور بہبودی یعنی کثیر المقاصد کا حامل ہے لیکن جب سے سیاحت کو جنگلاتی زندگی سے جوڑا گیا ہے اس وقت سے انسانوں کی قانونی اور اخلاقی دونوں ہی ذمہ داری میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ جنگلاتی زندگی سیاحت کی پیشوائی کچھ اس طور پر کرلی چاہیئے کہ کسی بھی طور پر جنگلاتی زندگی کے تحفظ کے تصور کو درجہ بدرجہ آگے نہ بڑھنا پڑے کیونکہ تحفظ کا مطلب ماحول ہوا، مٹی، دھات اور موجودہ جرند پرند حیوان مشمول انسان کے وسائل کے بہتر انتظام سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ انسانی زندگی بلند ترین قائم رہنے والے معیار و قدر و قیمت کی حصولی ہو پائے۔ یہ اصول انسان اور اس کے ماحول کے درمیان ایک افزا آفریں توازن کی حصولی اور معیار زندگی کے لازمی اجزاء کے طور پر زندگی کے گوناگوں اشکال اور کھلے اختیاری حقوق پر پابندی کی تشریح کرتا ہے۔ لہٰذا یہ محافظ جنگلات پر فرض بنتا ہے کہ وہ ہمارے اس نظام حیات میں معقول استعمال کی اشد ضرورت کی جانب مستقبل کے سماجی اور معاشی ملبوس پر اثر انداز ہو اور انھیں ایک شکل عطا کرے جس کا جنگلاتی زندگی ایک اہم جز بنتی ہے۔ جنگلاتی زندگی کے محافظ اکثر اس امر پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ضرورت سے زیادہ سیاحی جنگلاتی زندگی تحفظ کے تصور کے بالکل مخالف ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ سیاحی میں زیادتی و بے قاعدگی نووارد غیر ملکی جانوروں اور پودوں کے لئے شدید پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں۔ معدوم ہو جانے والے جانوروں یا پودوں کے سلسلہ میں جہاں ان کی آبادی غذائیت کی سطح سے نیچے بہت پہلے سے ہی پہنچی ہوئی ہے وہاں مذکورہ بالا سرگرمیوں کی وجہ سے جانوروں / پودوں کی نسل کشی کے امکانات بہت بری طرح متاثر ہو سکتے ہیں۔ جنگلاتی زندگی سیاحت نباتات و حیوانات کی بوقلمونی سے سیاحوں کے لئے بہت ساری امیدیں فراہم کرتی ہیں۔ لوگوں کو بلاشبہ یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی گراں قدر قدرتی میراث سے لطف اندوز ہو پائیں اور خصوصاً جب ایسی سیاحت کا مفہوم قومی معیشت کو بڑھاوا دینے نکلتا ہے۔ مزید برآں سیاحوں کی آمد کے ذریعہ بلاشبہ دوسری جگہوں کی طرح یہاں بھی یہ خوراک اور رہائش کے لئے انسانی مقابلہ آرائی کی وجہ کر شدید خطرات سے دوچار ہے۔ دو دہائیوں یعنی ۵۰ اور ۶۰ کی دہائیوں کے دوران جنگلاتی زندگی اور ان کی مقام رہائش کو پوری پوری غفلت برتتے ہوئے اور بے حسی کا زبردست مظاہرہ کرکے بہت بڑا اور لاثانی نقصان پہنچایا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے ۷۰ ویں دہائی کے دوران اس میدان میں خوش کن تبدیلی نظر آئی اور اس سلسلہ میں لوگوں کے اندر ایک نئی بیداری کا سورج اگتا ہوا نظر آیا۔ نتیجہ کے طور پر آج جنگلاتی زندگی کے فروغ پر سوچ و چار کیا جارہا ہے اور مرکزی حکومت کی رہنمائی اور رہبری میں بچے کھچے خستہ حال نباتات اور حیوانات کو تحفظ اور جلا بخشنے کے سلسلہ میں اقدامات ہی صرف نہیں کئے جارہے ہیں بلکہ ان گراں قدر قدرتی میراث کو فروغ دینے کے لئے وسائل بھی پیدا کئے جارہے ہیں۔ جنگلاتی سیاحت کی اگر باقاعدگی کے ساتھ دیکھ ریکھ کی جاتی ہے اور اسے ٹھیک ٹھاک طور پر برقرار رکھا جاتا ہے تو اسے عوام کو معلومات فراہم کرنے اور مطلوبہ سمت کی جانب ان میں بیداری پیدا کرنے کے لئے ایک مفید آلہ کے طور پر استعمال کیا جاسکے گا۔

اگرچہ ہندوستان میں سنکچواری کا قیام صدی کے پلٹنے کے دوران عمل میں آیا تھا تاہم ۷۰ ویں دہائی تک خاطر خواہ کوئی ترقیاتی کام نہیں ہوا تھا اور ۱۹۷۵ء تک یہاں صرف ۵ قومی پارک اور ۱۲۶ سنکچواریاں موجود تھیں جو تقریبا ... ۲۵ کیلومیٹر کل رقبہ پر پھیلا ہوا تھا۔ سنہ ۱۹۸۳ء کے دوران نیشنل پارک کی تعداد بڑھکر ۱۹ ہوگئی اور سنکچواری کی تعداد بڑھکر ۲۱۰ ہوگئی۔ سنہ ۱۹۸۵ء کے آغاز کے دوران نیشنل پارک کی تعداد بڑھکر ۵۳ اور سنکچواری کی تعداد بڑھکر ۲۴۷ ہوگئی اور یہ تقریبا ۱۰۰۰۰ مربع کیلومیٹر کے کل رقبہ پر پھیل گیا۔

ملک کے مختلف نیشنل پارکوں اور سنکچواری کی تفصیل جسے ایک متعلقہ بورڈ نے تیار کی ہے اور جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

رقبہ (مربع کیلومیٹر میں)	—	فیصد
۱۰۰ سے کم	—	۳۸٫۹
۵۰۰ تا ۱۰۰۰	—	۴۲٫۱۸
۱۰۰۰ تا ۲۰۰۰	—	۲٫۵۴
۲۰۰۰ سے آگے	—	۳٫۲۹

سنہ ۱۹۹۰ء کے اعداد وشمار کے مطابق نیشنل پارکوں اور جنگلاتی سنکچواریوں کی کل تعداد علی الترتیب ۷۹ اور ۴۱۰ ہم آئی ہے۔ ایک قومی جنگلاتی زندگی عملی (ایکشن پلان) منصوبہ ملک میں ۱۴۸ نیشنل پارکوں اور ۵۰۳ جنگلاتی زندگی سنکچواریوں کی تشکیل کے بارے میں غور کررہا ہے تاکہ جنگلاتی زندگی تحفظاتی نٹ ورک کے تحت ملک کے کل جغرافیائی علاقے کے تقریبا ۴٫۶ فیصد رقبہ کو لایا جائے۔ قومی جنگلاتی زندگی عملی منصوبہ نے ملک کے مختلف بایو جغرافیائی علاقوں کی مخصوص تحفظاتی ضرورتوں کو قابل عمل بنایا ہے۔

یہ محفوظات اور تحفظاتی علاقے جنگلاتی زندگی سیاحت کو فروغ دیں گے اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر سیاحوں کو اپنی جانب راغب کریں گے۔ آج محض معتی بھر ممالک ہی ایسے ہیں جو تحفظ سے راہ راست منسلک علاقوں میں سیاحتی صنعت سے بڑے بھاری منافع کما رہے ہیں۔ کچھ دوسرے ممالک کے اندر اپنے موجودہ امکانات کے سلسلہ میں بیداری آرہی ہے جبکہ دوسرے ممالک کو تحفظاتی اقدامات کے اپنائے جانے کی وجہ سے آنے والے خطرات کا اچانک احساس ہوا ہے جسے

تحفظاتی مقاصد کو پرے رکھتے ہوئے بغیر کسی مناسب منصوبہ بندی کے سیاحت کے حق میں سیلابی پھاٹکوں کو کھول دیا گیا ہے۔ قومی پارکوں کے قائم کرنے کے پیچھے وسیع مقاصد میں سے ایک قومی پارکوں اور جنگلاتی زندگی سنکچواریوں سے گوناگوں (تفریحی، تعلیمی اور ثقافتی) طریقوں کے ذریعہ سیاحوں اور سیلانیوں کو مستفیض کروانا ہے۔

اہم ترین خصوصیت جس پر محافظوں کو توجہ دینا لازمی ہے، سیاحی ــــ ماحولیاتی تال میل ہے اور یہی وجہ ہے کہ جنگلاتی زندگی سیاحت کی کامیابی کا دارومدار بڑے پیمانے پر ماحولیاتی ہدایات اور سیاحت پر زور دینے کی ہم آہنگ آمیزش پر ہے۔ یہ امر اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ محافظوں کی ایک ایسی جماعت جو مذکورہ سیاحتی صنعت میں منیجر کی حیثیت سے کام کرنے کا تجربہ اور اس کی جانکاری رکھتا ہے۔ وہی جماعت اپنے متعلقہ فرائض کو لگن اور ایمان کے ساتھ حسن وخوبی انجام دے پائے گی کیونکہ جنگلاتی زندگی سیاحت ایک ایسا مخصوص کام کا میدان ہے جسے حسن وخوبی انجام دینے کے لئے اس محافظ جنگلات کے اندر جنگلاتی زندگی تحفظ کے میدان میں مخصوص جانکاری کا ہونا لازمی ہے۔ جنگلاتی زندگی سیاحت کے میدان میں تحقیق کی اشد ضرورت بھی ہے اور مقام کے اعتبار سے دیگر پیرامیٹرز کو چھوڑ کر سیاحوں کی نقل وحمل کی لے آنے اور جانے کی صلاحیت کا تعین بھی لازمی ہے۔ اس امر کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ انسانوں کی ضرورت سے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے چند جانوروں کے امکانات نسل کتنی متاثر ہو سکتے ہیں کسی مثبتی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ان امور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ماحولیات پر سیاحت کے اثرات بذات خود ایک ایسا موضوع ہے جو ابتک روشنی سے زیادہ گرمی پھینکتا ہے اور بہت سارے محافظوں نے اس کی درج ذیل وجوہات پیش کی ہیں ــــــ

* سیاحتی انفراسٹرکچر کا قیام ماحولیات پر برے اثر ڈال سکتا ہے۔ مثال کے طور پر پہاڑی علاقوں میں مزکوں اور عمارتوں کی تعمیر کے لئے گھنے جنگلات کو تباہ وبرباد کرنا ضروری ہوگا۔ گرچہ یہ گھنے جنگلات ماحولیاتی توازن کی برقراری کے لئے اشد ضروری ہیں۔
* سیاحت کے فروغ سے شہر آباد ہوں گے اور اسکے

ساتھ دیگر لوازماتی سہولتیں وہاں مہیا کی جائیں گی اور یہ تمام باتیں آلودگی اور کثافت کے بھیانک مسائل پیدا کریں گی۔

★ سیاحت کی توسیع کے لئے پکی سڑکیں تعمیر کی جائیں گی اور دیگر متعلقہ شہری سہولتیں لائی جائیں گی اور یہ اس مقام پر اکھڑی اکھڑی لگیں گی اور جنگلاتی ماحول میں میل نہیں کھائیں گی۔ ٹاٹ میں کمخواب کے پیوند کی طرح دکھائی دیں گی۔

★ متعلقہ علاقہ کے سماجی ماحول پر سیاحت اثر انداز بھی ہوگا اور اسکی مذکورہ اثر پذیری زیادہ سے زیادہ مطلوبہ ماحولیاتی توازن کی برقراری میں رخنہ ڈالتا ہے۔

اس طرح جنگلاتی سیاحت ماحولیات پر تفتیش و تحقیق کیلئے ایک ترجیحی علاقہ کے طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے اور مستقبل میں ایک صنعت کی حیثیت سے اس کی ہمت افزائی کی جاسکتی ہے۔ جنگلاتی زندگی سیاحت کا بنیادی اصول "برقرار شدہ استعمال" کا اصول ہے اور اس ہی پر متعلقہ علاقہ کے سیاحتی امکانات کا دارومدار ہوتا ہے۔ برقراری کا یہ اصول "تحفظاتی اخلاق" کے بنیادی تختہ کی بھی تشکیل کرتا ہے۔ نباتات و حیوانات کی مخصوص تنوع اور جنسی / کلی برقراری کے لئے قدرتی وسائل کی آلودگی اور ان کے رہائشی علاقوں کو تباہی و بربادی سے بچانے کے سلسلہ میں سخت اقدامات کو روبہ عمل لاکر متعلقہ اخلاق کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ چرند پرند اور نباتات کے رہائشی علاقوں کی تباہی و بربادی ساری دنیا میں ایک عام سی بات تسلیم کرلی گئی ہے۔ اس دنیا کے منطقہ حارہ کے بارش والے جنگلات کا تقریباً ۴۰ فیصد جو اس سیارہ پر گراں قدر ماحولیات سے آراستہ تھا، تباہ و برباد ہو چکا ہے اور وہ علاقے جو باقی بچے ہیں، میں بھی فی منٹ ۳۲ ہکٹا ر کی شرح سے درخت گرائے جارہے ہیں اور جنگلات جلائے جارہے ہیں۔ ۳۰ ملین مربع کیلومیٹر کے علاقے (جو اس دنیا کی زمینی سطح کا تقریباً ۲۰ فیصد حصہ رہا ہے) کو مذکورہ بالا تشویشناک خطرہ لاحق ہے۔ ہزاروں سے زائد ذوالفقار جانوروں (مثلاً گھڑیال وغیرہ) کے اقسام اور ۲۵ ہزار نباتات کے اقسام معدوم ہونے کے مراحل سے دوچار ہیں۔ آبادی کی زیادتی اور دیگر لازم و ملزوم سرگرمیوں نے تحفظ

کے توازن کو بری طرح متاثر کیا ہے اور مخصوص مقامات پر جنگلاتی زندگی سیاحت کے لئے زوردار ماحولیاتی تحقیق موزوں ترین نتائج کو زیر عمل لاسکتی ہے۔

جو باتیں کہی گئی ہیں اور جو کام کئے گئے ہیں ان کے تناظر میں جنگلاتی زندگی سیاحت اصطلاح تحفظ کے ساتھ علامتی طور پر ایک وسیع تعلق بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ سیاحت سے متعلق معلوماتی کتابچے تیراکی، مچھلی پکڑنے، ہائکنگ (پیدل چلنے)، کشتی رانی، اور اس طرح کی بہت ساری تفریحی سرگرمیوں کی تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ خاندان کے مختلف افراد کا ایک جگہ جمع ہونا (بدقسمتی سے جو شہری اعلیٰ طبقوں میں عنقا ہے) انفرادی فلاح و بہبود اور روز کی پریشانی و تناؤ سے چھٹکارا وغیرہ جیسی تفریح کے سماجی اور ذاتی قدروں پر خصوصی زور ڈالتا ہے۔ سیاحت کا تجارتی پہلو ——— ہوٹلوں / ریستورانوں کی پیش کردہ خدمات اور لوازمات ہیں جنکی خاص طور پر ایک سیاح کو ضرورت پڑتی ہے۔ مزید برآں سیاحی لوازمات جیسے نقل و حمل گائیڈڈ ٹورز، معلوماتی کتابچے جو جنگل کے مناظر کو دیکھنے کی مزید دلچسپی پیدا کرتے ہیں، ماحولیات تک پہنچنے اور انہیں سمجھنے کی خواہش کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ تحفظ کے اہم اجزاء ہیں۔ تحفظ کی سماجی قدر و قیمت کی ہمت افزائی سیاحت اور تفریحات میں دلچسپیوں کے ذریعہ خشکی مناظر کی ہر دل عزیزی کی حمایت سے ہوتی ہے۔ نباتات و حیوانات کی زندگی کو تحفظ بخشنے کے لئے سماج سے بنیادی طور پر یہ درخواست کرنی ہوگی کہ وہ ماحولیات کے اصول اور باریکیوں پر غور کرے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرے۔ تحفظ یعنی تعاملی اور میراثی تحفظ، ترویج، ترجمانی لوگوں کی دلچسپیوں کو بڑھاوا دیتا ہے اور بعض دیگر سیاحت کو فروغ دیتا ہے۔ سیاحت، تحفظ اور تفریح کے علاقہ میں پالیسی ترتیب دیتے وقت ماحولیاتی اور معاشی طور پر ملک کے بہترین مفاد کو زیادہ سے زیادہ توجہ کا حامل سمجھنا چاہیئے۔ وسائل کو زیادہ سے زیادہ استعمال میں لانے کے لئے ایجنسیوں، تنظیموں اور اداروں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ جب لوگوں کے خیالات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے تو اتحاد اور یکجہتی کو نقصان پہنچتا ہے اور اسی طرح ماحولیات اور سماج کو بھی ان کے مضر اثرات جھیلنے پڑتے ہیں۔

یہ قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ سائنس کے تکنیکی اعتبار سے ترقی یافتہ دور میں اگرچہ انسان یہ جانتا ہے کہ وہ کس طرح چاند پر جا سکتا ہے تاہم وہ بہت ساری چڑیاؤں اور جانوروں کے موسمیاتی ہجرت کے رازوں کے متعلق بالکل نہیں جانتا ہے کیونکہ بےشمار اور زوردار سائنسی ایجادات کے باوجود آج بھی وہ رازہائے قدرت سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر سماعتی سیاحت کو ٹھیک طور سے ترقی دی جاتی ہے تو یہ ہماری معلومات کے درمیان واقع خلاء کو پُر کر سکتا ہے اور آنے والے دنوں کے دوران انسان اور قدرت کے درمیان ایک ہم آہنگ تعلق کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ ■■

فارسی اسکالر جناب محمد عبداللہ کو صدر ایوارڈ

حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ تعلیم کی سفارش پر کلکتہ مدرسہ عالیہ کے سابق معلم اور فارسی زبان و ادب کے اسکالر جناب محمد عبداللہ کو فارسی زبان و ادب کی خدمات کے صلے میں صدر ایوارڈ برائے ۱۹۹۶ء سے نوازنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ اعزاز آئندہ ۱۵ اگست کو یوم آزادی کی تقریبات کے موقع پر ملک کے کلاسیکی زبان سنسکرت، عربی کے ممتاز اسکالروں کے ساتھ انھیں بھی صدر ہند کے ہاتھوں دیا جائے گا۔ اس سے قبل مغربی بنگال سے ڈاکٹر زبیر صدیقی، مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی کو عربی کے لئے اور ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا، ڈاکٹر عطا کریم برق کو فارسی کے لئے اس ایوارڈ سے سرفراز کیا جا چکا ہے۔

جناب محمد عبداللہ کی پیدائش اور تعلیم کلکتہ میں ہوئی۔ انھوں نے ۱۹۴۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا اور ۱۹۵۰ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شعبۂ عربی و فارسی کے مدرس مقرر ہوئے اور ۴۰ سال تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے اردو اور عربی میں بھی ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۹۰ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مولانا آزاد کالج میں کچھ برسوں کیلئے فارسی کے جزوقتی لکچرر بھی رہے ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے وہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے میوزیم سے منسلک ہیں۔ کلکتہ کے مختلف علمی و ادبی اداروں کے پروگراموں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ ■■

بقیہ :- ہندوستانی سینما میں آزادی کے پچاس سال کی عکس بندی

بینگل، آدور گوپال کرشنن، مونی کول اور بدھا دیب داس گپتا جیسے فلم سازوں نے ایمانداری یا اپنے استقلال تصور کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ اگر ان لوگوں نے آزادی کے پچاس برسوں کے دوران ہونے والی ترقی کی رفتار کو اپنی فلموں کا موضوع نہیں بنایا ہے تو کوئی بھی اس پر افسوس کا اظہار کر سکتا ہے لیکن ان کی عظمت اور سالمیت پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہندوستان میں اب بھی ہزاروں فسادات وقوع پذیر ہو سکتے ہیں لیکن اس کے پاس اعتماد، صبر و تحمل کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ کس طرح سینما یا کوئی دوسرا واسطۂ اظہار اور مواصلاتی نظام مذکورہ بالا مقصد کے تحت ان تجربات کی تصویر کشی کر سکتا ہے جو آزادی کے پچاس برسوں کے دوران اسے حاصل ہوئے ہیں سوائے ان طریقوں کے جن کے تحت یہ ضبط اظہار آئی ہیں۔ ■■

بقیہ :- عالمی معاشیاتی فورم کے اجلاس سے ریاستی وزیر صنعت و تجارت کا خطاب

میں واقع ان کے مقامی دفتر کے ذریعہ چل رہی ہے۔ ان لوگوں نے جلد ہی پیٹرو کیمیکلس پر مبنی ذیلی اکائیوں کے قائم کرنے میں بھی اپنی دلچسپی دکھائی ہے۔ سنگاپور میں ان چند دیگر کمپنیوں کے ساتھ ابتدائی بات چیت ہوئی ہے۔ جنھوں نے انفرا اسٹرکچر پروجیکٹوں میں دلچسپی دکھائی ہے۔ ان سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ اپنے ٹھوس تجاویز شعبۂ تجارت و صنعت کو روانہ کریں۔ ■

عصمت اللہ انسخ

سید محمد عصمت اللہ نام انسخ تخلص ۔ ۱۲۵۳ھ میں مغربی بنگال کے پانڈوہ میں پیدا ہوئے ۔ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی اور بغرض ملازمت یہیں سکونت اختیار کرلی ۔ ۱۳۰۴ھ میں کلکتہ میں ان کا انتقال ہوا ۔ شرف تلمذ مولوی عبدالغفور نساخ حاصل ہوا ۔ انھیں عربی فارسی اور اردو زبان پر کمال حاصل تھا ۔ استاد کی قربت اور خداداد صلاحیت کی وجہ سے وہ بہت جلد اردو کے باکمال شاعر ہوئے ۔ ان کا پہلا دیوان "سخن بے مثال" ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوا ۔ انسخ کا انتقادی کارنامہ ناقابل فراموش ہے ۔ تنقیدی رسالہ انتخاب نقص اور طومار اغلاط کے مطالعہ سے ان کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے ۔ (ادارہ)

نکلا نہ قدم خانۂ زنجیر سے باہر
گردن نہ ہوئی طوق گلوگیر سے باہر

اس خاک قدم سے جدا کب ہو دل بیتاب
ممکن نہیں سیماب ہو اکسیر سے باہر

ظالم سے توقع ہے عبث فیض و کرم کا
ممکن ہی نہیں آب ہو شمشیر سے باہر

دل دام شعاع رخ پُر نور سے نکلا
مہتاب ہوا مہر کی تنویر سے باہر

اس روئے منور کے تصور میں ہوں گریاں
ہوتا ہے عرق مہر کی تاثیر سے باہر

جائے گی مرے دل سے نہ یاد رخ دلدار
ہو گی نہ پری شیشۂ تسخیر سے باہر

ٹھوکر تری لگ جائے تو ہو جائے تڑپ کر
لاشہ لحد عاشق دلگیر سے باہر

افزونئ روزی کی عبث فکر ہے انسخ
ملتی نہیں اندازۂ تقدیر سے باہر

رکھ نظر ہر لحظہ اپنے فضل و احساں کی طرف
دیکھ اے خالق نہ میرے جرم عصیاں کی طرف

کوچۂ رنگین جاناں کے ہوا خواہوں میں ہوں
کیا پئے گلگشت جاؤں میں گلستاں کی طرف

رشتۂ گوہر بنا ہے اپنا ہر تار نظر!
پڑ گئی ہے آنکھ جب سے سلک دنداں کی طرف

اپنے ہم جنسوں کا سب کو پاس ہوتا ہے ضرور
زلف ہندو کی طرف ہے رخ مسلماں کی طرف

ایسی تاریکی کہ مانند زحل ہووے سیہ
آئے گر خورشید میرے بیت احزاں کی طرف

دیکھنا منظور تھا تیرا ہی اے نور قدم
آئے تھے اس واسطے ہم شہر امکاں کی طرف

بس گئے آنکھوں کے پردے عطر عنبر سے تمام
پڑ گئیں آنکھیں جو زلف عنبر افشاں کی طرف

راجندر سنگھ بیدی اردو افسانہ نگاری میں ایک معتبر نام ہے۔ اس نام نے اپنے اعتبار اور وقار کی خاطر جو روش اختیار کی اس کا احترام لازم ہے کہ بیدی نے کہانیاں فیشن کے طور پر نہیں لکھیں بلکہ انسان کے تحت الشعور میں اتر کر ایک ذمہ داری کے احساس کے ساتھ (کہانیاں) لکھیں یوں ہی ارتعاش پیدا کرنے یا مرتعش ہونے کے لئے نہیں۔ انھوں نے حسن انداز سے اپنے اردگرد کے سماج و ماحول کو دیکھا اس کی سچی اور کھری ترجمانی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کرشن چندر کی سی رومانیت نہیں سمٹ سکی۔ اگرچہ کرشن چندر کی رومانیت حقیقت سے آنکھیں نہیں پھیرتی بلکہ اس میں سمو کر چلتی ہے تاہم بیدی کی حقیقت نگاری خارجی اور نفسیاتی دونوں سطح کو پالیتی ہے۔ بیدی نے فکر و فن کی سطح پر حسن توازن و تناسب کا ثبوت دیا ہے وہ انھیں سے مخصوص ہے۔ بیدی نے اپنی حقیقت نگاری کو نیچرل ازم سے کسی قدر دور رکھا ہے اور ایک کامیاب فنکار کی طرح اپنے فن کی اساس مشاہدے اور تخیل کے سنگم پر رکھی ہے۔ بیدی نے جس دور میں اس طرز عمل کو اپنایا تھا، نیچرل ازم کے زندان میں حقیقت نگاری مقید تھی۔ بیدی نے اس دور میں شناسا لوگ، جانی لوجھی فضا اور محسوس کئے ہوئے جذبات پر قلم اٹھایا۔ بقول آل احمد سرور — بیدی شروع سے ایلنٹ پر ایسٹ رکھ کر افسانہ تعمیر کرتے ہیں۔ وہ اس طبقہ کو لیتے ہیں جو نچلا متوسط طبقہ یا متوسط طبقہ کہا جاسکتا ہے اور جس سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کے یہاں جذبات کی تندی و تیزی کے بجائے تجربات و مشاہدات کی دھیمی دھیمی آنچ ملتی ہے جو فلسفۂ حیات کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ بیدی فلسفہ یا سیاست کا انبار لگاتے ہیں اور انھیں مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔ ہاں ایسا بھی نہیں کہ انھیں فلسفہ یا سیاست سے کوئی بیر ہے۔ ان کا مشاہدہ اتنا عمیق ہے کہ وہ جزئیات پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ مارکس سے مارکس بات کا ایک ادراک ہے کہ وہ خوش اسلوبی سے اپنے افسانہ میں جگہ دیکر ایک کامیاب افسانہ نگار کی ذمہ داری نبھا جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر ایک خط میں منٹو نے بیدی سے کہا تھا کہ تم کہانی لکھنے سے پہلے سوچتے ہو، کہانی لکھتے وقت سوچتے ہو اور لکھنے کے بعد بھی سوچتے ہو — یہ سوچ کا سلسلہ بیدی کو زندگی کے مختلف النوع حقائق سے قریب کرتا ہے۔ وہ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ جو چیز جتنی نظر آتی ہے سچ صرف اتنا ہی نہیں ہوا کرتا اس لئے اسی طرح وہ اپنے افسانوں میں ظاہری حقیقتوں کے ساتھ ساتھ اس کی پرت در پرت زیریں صداقتوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں اور انسان میں مخفی اچھائیاں تلاش کر لیتے ہیں۔ اس عمل میں جو شئے رہنمائی کرتی ہے وہ بیدی کی نفسیاتی ژرف بینی ہے اور ایسی حقیقت نگاری جو دیو مالا اور اساطیر کے سایوں کی وجہ سے حقیقت سے کچھ پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بیدی نے منٹو اور کرشن چندر کی طرح طوائف، گھریلو عورت اور جوانی پر قدم رکھتے ہوئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر قلم اٹھایا اور بڑی پرکاری سے نفسیاتی گرہیں کھولیں لیکن نہ انھوں نے کرشن چندر کی طرح کشمیر کی وادیوں میں بھٹکایا اور نہ منٹو کی طرح ان کے معاشرتی نظام کے در کھولے بلکہ ان اسباب و عوامل کی تہوں تک پہنچنے کی سعی کی جو افراد کی مجبوریاں بن جاتے ہیں۔ ان کے یہاں ہمدردانہ لہجہ ہے اور درد مندی کا وہ احساس جو بڑے فنکار کا طرۂ امتیاز بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر لاجونتی کا سندر لال، جو اپنی بیوی — لاجونتی کے تقسیم ملک کے دوران مغویہ ہونے کے باوجود اپنے بستر میں جگہ دیتا ہے اور اسے بیوی کے بجائے دیوی سا لیتا ہے۔ اس کہانی میں مرد اور عورت کی نفسیات کو کامیابی سے ابھارا گیا ہے۔ اسی طرح گرم کوٹ میں ایک کلرک کی زندگی خواہش اور means کے تصادم سے ابھرتی ہے۔ ایک کلرک جو آرزوئیں پال سکتا ہے۔ تمناؤں کا ڈگر بنا سکتا ہے لیکن حالات اس قابل نہیں رکھتے کہ وہ اس ڈگر کا راہی بن سکے۔ نتیجہ کے طور پر ایک گرم کوٹ بنانے کی خواہش تکمیل سے ہمکنار نہیں ہوتی اور پھٹا گرم کوٹ مقدر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس قبیل کی دوسری تمام کہانیاں جو اردو کی صف اول کی کہانیوں میں شمار کی جاسکتی ہیں بیدی کی زندگی سے ہمدردی اور حقائقِ حیات کا صحیح درک ان کے افسانوں کی بنیاد ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ افسانہ ایک شعور، ایک احساس ہے جو کسی میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسے محنت سے تو حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن حاصل کرنے کے بعد بھی آدمی دست بدعا ہی رہتا ہے۔ ممتاز شیریں (پاکستان) ایک موقع پر

سیدی کے بارے میں یوں فرماتے ہیں :۔

"سیدی کے یہاں تیز جذبات، غیر معمولی واقعات اور طوفانی حالات شاذ ہی ملتے ہیں۔ روزمرّہ کے معمولی سے معمولی واقعات، عام جذبات و احساسات اور سیدھی سادی حقیقت کو نرمی، لطافت اور پاکیزگی سے پیش کرنے کا ان میں جو فن کا سا سلیقہ ہے اور ان کے افسانوں کو یہ سیدھی سادی حقیقت ہی لطیف اور دلکش بنا دیتی ہے۔"

سیدی کا یہی رویہ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ " دانہ و دام" کی اشاعت کے بعد انھیں صف اول کا افسانہ نگار بنا دیتا ہے۔ دانہ و دام میں "بھولا" ایک ایسے معصوم بچے کی کہانی ہے جسے کہانیاں سننے کا بڑا شوق ہے۔ وہ ایک بار دن میں اپنے نانا سے کہانی سنتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ دن میں کہانیاں سننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ واقعی بھولا کے ماموں راستہ بھول جاتے ہیں۔ گھر وقت پر نہیں آنے کی وجہ سے بھولا میں تجسس پیدا ہوتا ہے اور وہ سب لوگوں کے سونے کے بعد گھر سے اپنے ماموں کو ڈھونڈنے نکلتا ہے۔ ادھر گھر والوں کو یہ تشویش ہوتی ہے کہ اسے کوئی اٹھا لے گیا ہے۔ مگر کچھ دیر بعد وہ اپنے ماموں کے ساتھ گھر واپس آجاتا ہے۔ بچے کے نفسیات کو فطری طور پر ابھارا گیا ہے کہ اس میں انسان کی وہ بنیادی خوبی مخفی ہے جو بھٹکوں کو راہ دکھانے میں مضمر ہے۔

"چھوکری کی لوٹ" جہاں شادی بیاہ کی رسم پر طنز ہے وہاں اس حقیقت کی بھی غماز ہے کہ یہی ہوتا آیا ہے، یہی ہوتا رہے گا اور اس سے مفر ممکن نہیں۔ پرسادی اپنی بہن رتی سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ وہ اسکی بہن ہی نہیں دوست بھی ہے۔ جب رتی کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ خود کو تنہا محسوس کرتا ہے لیکن جب رتی چند روز کے لئے آجاتی ہے تو وہ بہت خوش ہو جاتا ہے۔ جب دوبارہ رتی چلی جاتی ہے تو پرسادی محسوس کرتا ہے کہ لڑکیاں اپنی لوٹ پسند کرتی ہیں۔ یہاں نوجوان فرد کے اس جذباتی کیفیت کو ابھارا گیا ہے جو اپنے رفیق یا عزیز کی جدائی پر تڑپ اٹھتے ہیں لیکن یہ جدائی ایک رسم بھی ہے۔

بیدی کی تصویر میں لکیروں، نرم و گداز فقروں اور روزمرہ کی لطافت سے آراستہ ہے اس میں طنز کی چاشنی اور مزاح کا تیکھا پن ایک موثر کیفیت چھوڑ جاتا ہے۔ بیدی معمولی سے معمولی باتوں سے ایسا اثر چھوڑتے ہیں کہ کہانی میں ڈرامائی صفت سمٹ آتی ہے۔

"دس منٹ بارش میں" میں بیدی نے ایک فلسفیانہ حقیقت کو اجاگر

کیا ہے جو فطری طور پر کہانی میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت تیز بارش ہو رہی ہے۔ راٹا بھیگ رہی ہے۔ راٹا کا بوسیدہ گھر بھیگ رہا ہے۔ راٹا کی گھوڑی بھیگ رہی ہے۔ راٹا کا شوہر بے کاری سے تنگ آکر گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ افسانہ کا طنز سے بھرپور ایک جملہ بھی ہے ـــــ "وہ اس سے محبت کرتی ہے اور جس شخص میں محبت کی سی کمزوری ہو وہ پائے استحقار سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔" یہ افسانہ جزئیات نگاری کی خوبصورت مثال ہے۔ راٹا کا کاہل اور نکما لڑکا اپنی ماں کی گالیاں سنتا ہوا لیٹا ہے۔ راٹا بارش سے تنگ آکر باہر دیکھتی ہے۔ میں نے کہا "یہ بارش کا دامن کیا اس کے لئے کم ہے راٹا کی سی عورت کو میں جانتا ہوں۔ جب کسی انسان پر عورت کے دامن تنگ ہو جاتے ہیں تو خود بخود ایک بہت بڑا دامن کھل جاتا ہے۔" بقول باقر مہدی ـــــ "یہ افسانہ ایک الگ ہی تاثر رکھتا ہے۔ سب چیزیں بھیگی ہوئی ہیں۔ سب کچھ ڈوب رہا ہے اور جیسے سب کچھ دھل رہا ہے۔" میں نے اب تک جتنے افسانوں کا ذکر کیا ان کا تعلق سیدی کی ابتدائی کوششوں سے ہے جن میں فنکار کا موقف بھی واضح ہوتا ہے اور فن کا جوہر بھی لیکن ان میں بعض تکنیکی خامیاں بھی ہیں جو کہیں کہیں مانع آتی ہیں اور فنکار اپنے مقصد کے اظہار میں رکاوٹ محسوس کرتا ہے۔ دوئم یہ کہ بیدی کی زبان کی کمزوریاں حائل ہو جاتی ہیں جن کے بارے میں منٹو نے بھی تاکید کی تھی۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے بیدی کی فنکاری کا بیحد اعتراف کیا ہے لیکن ان کی زبان کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مگر بیدی کے ہاں ایک خامی بہت کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ انھیں زبان اور روزمرے پر عبور حاصل نہیں ہے۔ ان کے ہاں استوار اور منضبط نثر نہیں ملتی۔"

میرے خیال سے بیدی کی یہ کمزوریاں جتنی قابل گرفت ہیں اس سے کہیں زیادہ اس پس منظر میں دیکھنے کا جواز بھی جو انھیں لاہور (پنجاب) کی سرزمین سے قریب تر کرتا ہے کہ بیدی کو اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کے ہم پلہ قرار دینا کوئی زیادہ سود مند فعل نہیں۔ بڑا فنکار جب فکر کی اونچی طنابیں کھینچتا ہے تو اس کے پیش نظر نظریات و خیالات ہوتے ہیں جنھیں وہ بڑی سچائی کے ساتھ انتہائی فطری طور پر پیش کر دینا چاہتا ہے۔ بیدی نے بھی کیا ہیں کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ ان کی چند خامیوں پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔ بیدی نے اپنی زبان کے بارے میں نریش کمار شاد کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا۔

"میرے اندر کا فنکار آغاز شوق میں جب ادبی دنیا میں اپنے لئے جگہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس وقت میں زبان کے سلسلے میں زیادہ Conscious

نہیں تھا اس لئے میری ابتدائی تحریروں میں زبان و بیان کے کافی اسقام ملتے ہیں لیکن میرے خیال میں، میری بعد کی تحریروں میں کھٹکا دینے والا اندازِ بیان نہیں ہے"۔

بیدی کے دوسرے اور آخری دور کی کہانیوں میں جتنی بلوغیت (Maturity) آئی ہے وہ ان کی زبان کی پختگی اور شعور کے ساتھ برتنے کی غمّاز بھی ہے۔ بیدی نے افسانہ نگاری کا چمن اس زمانے میں کھلایا جب ترقی پسند تحریک اپنے شباب پر تھی اور جس آدرش اور حقیقت کی بنیاد پر پریم چند نے رکھی تھی ترقی پسند افسانہ نگاری اس کی توسیعی کڑی تھی۔ بیدی اس تحریک سے اس طرح قریب رہے جیسے اصغر گونڈوی کا یہ شعر صادق آتا ہو ؎

چمن میں چھیڑتی ہے کس ادا سے غنچہ و گل کو
مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

وہ اس تحریک میں شدت جنون کے ساتھ دفعتاً کود نہیں پڑے بلکہ کچھ اسی ادا سے غنچہ و گل کو چھیڑا کہ ان کی پاک دامانی پر حرف نہیں آسکا۔ بیدی خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ افسانہ کی خاطر مواد کا انتخاب ایک ایسا عمل ہے جیسے کوئی چرند منہ چلاتے وقت ریت اور مٹی سے چارا الگ کرلیتا ہے۔ اسی بناء پر تمام ترقی پسند افسانہ نگاروں میں ان کا قد اونچا ہے۔ خوبصورت افسانہ کی تخلیق کی خاطر وہ نگاہِ پُرفن درکار ہے جو 'صنم نو' کی دھڑکنوں کا اندازہ لگا سکے اور یہ نگاہِ پرفن بیدی کو قیام ازل کی بارگاہ سے ودیعت ہوئی تھی جس نے عصری زندگی کے صنم نو کی دھڑکنوں کو محسوس کیا تھا۔

بیدی کے افسانوں میں عورت کا کردار مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک رومانی حقیقت نہیں جو ذہنی تلذذ کا سامان ہو اور تفریح طبع کا باعث بھی بلکہ ایسی سہمی صورتوں، کربناک حالات اور مختلف روپ کے باوجود عورت رہتی ہے جس کا جبلّی مقصد ماں بننا ہوتا ہے۔ اسے دوسروں کے دکھ اپنانے میں آنند ملتا ہے۔ اس جبر و قہر کے سماج میں عورت جب بھی کھلونا رہی ہے اس کے اندر کا عورت پن حلقۂ پناہ مانگتا رہا ہے اور جہاں یہ اسے میسر ہوا ومسرت کے پھول کھلانے لگتی ہے۔ بیدی نے ہمیشہ اس پہلو پر غور کیا ہے اور سلامت روی کا ثبوت دیا ہے۔ "گھر میں بازار میں" درشی کا کردار ایک ایسی عورت کو اجاگر کرتا ہے جو متوسط طبقہ کے خوشحال گھرانے کی پروردہ ہے۔ اور جس نے پیسے مانگنا عیب سمجھا ہے کہ اس کی فطرت نہیں رہا ہے۔ شادی کے بعد اپنے شوہر سے پیسے طلب کرنا باعث عار تصور کرتی ہے چنانچہ وہ وہی طریقہ اختیار کرتی ہے جو اپنے باپ سے ابا میں دیتی تھی کہ اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکال لیتی تھی لیکن اس کا شوہر اس فعل سے خوش نہیں ہے اور بیوی کو بھی برابری کا حق نہیں دیتا۔ وہ بیوی کی اس حرکت کو ایک بیسوا کے عمل کے مترادف قرار دیتا ہے۔ یہاں شادی کی تقدیس پاش پاش ہوجاتی ہے۔ بیدی نے عورت کے مرتبے کو بلند کرنے کی خاطر اس کی معاشی آزادی کا اظہار کیا ہے۔

"کوکھ جلی" میں بھی عورت ماں کے روپ میں ابھرتی ہے جس میں جذبۂ مادری کی سرشاری سیاکل کئے ہوئے ہے۔ بیدی اس کہانی میں ایک جگہ کہتے ہیں ــــ

"دنیا میں کوئی عورت ماں کے سوا نہیں۔ بیوی بھی کبھی ماں ہوتی ہے اور بہن بھی ماں، تو دنیا میں ماں اور بیٹے کے سوا کچھ نہیں۔ عورت ماں اور مرد بیٹا۔ ماں خالق اور بیٹا تخلیق"۔

"لاجونتی" میں عورت کچھ اور ہی روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ نرمی نرم، نازک اور چھوئی موئی سی جو اپنے شوہر سندر لال کے قبضہ میں دوبارہ آنے کے بعد بیوی کا درجہ حاصل نہیں کرتی بلکہ دیوی بن جاتی ہے اور یہی اس کا بڑا المیہ ہے کہ وہ بیوی نہیں بن پائی جاتی۔ اس کہانی کو جس فطری پس منظر میں ابھارا گیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ سندر لال دل بساؤ کمیٹی میں سرگرم رہے اور لاجونتی کو دیوی کا روپ عطا کر دیئے۔ یہاں عورت کی نفسیات کو ابھارا گیا ہے کہ وہ معبود ہوکر بھی بیوی رہنا چاہتی ہے ــــ "دانہ ودام"، "سے لیکر" "ایک چادر میلی سی" تک بلکہ اس کے بعد کی کہانیوں تک بیدی نے فکر کے جس انداز سے ارتقائی سفر طے کئے ہیں ان کا محاسبہ بیدی کو یہ مقام عطا کرتا ہے جو ان کے ہمعصروں سے منفرد بھی ہے اور ممتاز بھی۔ بیدی نے متوسط طبقہ کی زندگی کے مختلف مسائل کو اپنی کہانیوں کا محور بنایا اور اس میں ایسی کشش پیدا کرنے کی کوشش کی جسے فطرت خود بخود کرتی ہے۔ لالے کی حنا بندی لیکن ان کی تخلیق کسی کش کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ جذبے کے ارتعاشات کے تابع ہے۔ بیدی کے یہاں صرف فرد کی نفسیات کا بیان نہیں ملتا بلکہ سماجی معنویت کی بھی پرتیں کھلتی ہیں۔ بیدی نے اپنی کہانیوں میں افراد کا ایسا نگار خانہ سجایا ہے جو انسان اور صرف انسان سے مزین ہے اور جہاں طبقوں کے جالے نہیں ہیں بلکہ ان حقائق کی تصویریں ہیں جو حالات کے ہاتھوں رنگ و روغن سے آراستہ ہوتی ہیں۔ وہ تو اپنی روح کے اندھیرے میں ایک ساتھ لاکھوں آوازیں سنتا ہے اور آگہی کے مرحلے میں اپنی ذات میں ہزاروں معجزے دیکھتا ہے۔

بیدی کی معصومیت اور نرم و گداز فطرت ارد گرد کے افراد کے جہاں میں ایسی نرمی اور معصومیت بھر دیتی ہے جو نئے سماج کی تعمیر کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اردو افسانہ میں حقیقت نگاری کی داستان جب بھی دہرائی جائیگی راجندر سنگھ بیدی کا نام ناقابل فراموش سمجھا جائیگا ■■

ریاستی فائر سروس کے ریاستی وزیر کی برطانوی نمائش میں شرکت

حال ہی میں برطانیہ میں منعقدہ نمائش "فائر انٹرنیشنل ۹۶" میں فائر سروس کے ریاستی وزیر شری پراتم چیٹرجی کی زیر قیادت فائر سروس آفیسروں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی سرکاری ٹیم نے شرکت کی۔ یہاں انھوں نے آگ بجھانے اور اس سے بچنے کے جدید ترین آلات اور مشینوں کا معائنہ کیا اور ان سے متعلق براہ راست جانکاری حاصل کی۔ ذیل میں اس دورے سے متعلق وزیر موصوف کا بیان پیش ہے

برطانیہ کے مینچسٹر میں واقع جی۔ میکس مرکز میں ہونے والی آگ بجھانے اور آگ سے بچنے کے آلات کی تیسری عظیم ترین بین الاقوامی نمائش بعنوان "فائر انٹرنیشنل ۹۶" کے موقع پر دعوت نامہ ملنے کے جواب میں فائر سروس افسر اور اس شعبے کے وزیر پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی سرکاری ٹیم آگ بجھانے اور آگ سے بچنے کے جدید ترین آلات اور مشینوں کے بارے میں براہ راست جانکاری حاصل کرنے کے لئے مینچسٹر گئی۔ صنعتوں کی جدید کاری اسکیموں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے حکومت مغربی بنگال نے فائر سروس نظامت کے عہدیداران کو خصوصی تربیت دینے کے لئے گوناگوں پروگراموں کو اپنایا ہے تاکہ عہدیداران ہذا جدید ترین آلات اور مشینوں اور ان کے طریقۂ استعمال سے واقف ہو پائیں۔ الغرض وہ آتش زنی اور دیگر خطرات کے وقت اپنی مؤثر کارکردگی کے ذریعہ عوام کو اپنی خدمات بہم پہنچا پائیں۔ اسی طرز پر حکومت نے مختلف رضاکار انجمنوں کے تعاون سے متعدد نمائشوں اور نشستوں کے انعقاد کے ذریعہ عوام کو آگ سے بچاؤ کے اقدامات کے بارے میں جانکاری مہیا کرنے کا بھی فیصلہ لیا ہے۔

جی۔ میکس سنٹر میں منعقدہ نمائش میں یورپ، متحدہ ریاستہائے امریکہ اور ایشیا کے مختلف مقامات سے آنے والے ممتاز آگ بجھاؤ آلات اور مشینوں کے ۲۵۰ سے زائد تیار کرنے والے اداروں نے اپنے تازہ ترین مصنوعات کے ساتھ شرکت کی تھی۔

اس دوران یہ پتہ چلا کہ دھاتوں کے بنے نمائش میں موجود بیشتر چھوٹے آگ بجھاؤ آلات اور مشینوں کو نوعیت کے لئے مکمل، ہلکے آلات اور مشینوں سے تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ان کے بجائے قابل انتقال پورٹیبل قسم کی مختلف اقسام کی فوم جنریٹروں کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ گوناگوں صلاحیت رکھنے والے ڈیزل سے چلنے والے پورٹیبل پمپوں کو بھی وہاں نمائش میں رکھا گیا تھا۔

ان باتوں کے علاوہ وزیر موصوف مڈلینڈ یوکے میں واقع آگ بجھاؤ تربیتی مرکز دیکھنے بھی گئے تھے۔ اور وہ میسرز ڈرنیگر کی دعوت پر جرمنی میں واقع مٹز (Metz) بھی گئے۔ میسرز مٹز آگ بجھاؤ آلات اور مشینیں تیار کرتے ہیں وہاں انھوں نے ان سے چند ویڈیو کیسٹ بھی حاصل کئے۔ ان کیسٹوں میں طرح طرح کے آگ بجھاؤ طریقے، آلات، مشینیں اور انھیں کام کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔

وزیر موصوف اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے سبھی مندوبین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ■■

آبپاشی کے ڈیزل پمپ سیٹ کو موثر بنانے کیلئے اقدامات

ایندھن کے خرچ یا استعمال کو زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد نیچے لایا جا سکتا ہے۔ اگر ۵ ایس پی قوت والے ڈیزل پمپ سیٹ میں چند سہل تبدیلیاں لائی جاتی ہیں۔ مذکورہ پمپ سیٹ عام طور پر ملک کے اندر کم گہرے ٹیوب ویل اور کنوئیں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک پمپ ٹکنالوجی کے ماہر گرٹ جان بوم کے تعاون سے شمالی بنگال زرعی فروغ پروجکٹ کے تحت شعبۂ زراعت اور انجینئروں کے ادارہ کے شمالی بنگال مرکز کے زیر نگرانی کئے گئے جانچ کے نتیجے کے طور پر مذکورہ بالا باتیں کہی گئی ہیں۔ گذشتہ سال کئے گئے فیلڈ سروے نے شمالی بنگال میں ڈیزل پمپ سیٹ کی ایندھن کی کارگذاری کا مسلم الثبوت پیش کیا ہے۔ یہ دیکھا گیا تھا کہ مذکورہ ایندھن بہت بڑی مقدار میں ضائع ہو رہا تھا۔ کنوئیں پر لگے پمپ سیٹ فی سکنڈ ۱۰۔۱۲ لیٹر کے اخراج کے لئے فی گھنٹہ ایک لیٹر ڈیزل کھاتا ہے۔ کم گہرے ٹیوب ویل میں اس کی کارگذاری ۴۰ فیصد سے بھی کم ہوتی ہے۔ کم گہرے ٹیوب ویل کے سلسلہ میں ایندھن کے استعمال میں کمی اس لئے واقع ہوتی ہے کہ پمپ سیٹ کی کم کارگذاری کے علاوہ کنوئیں کے فلٹر بھی اکثر جزوی طور پر بند ہو جاتے ہیں۔

ہر جگہ موجودہ ۵ ایس پی قوت والے پمپ سیٹ کی کم ایندھن کارگذاریوں کا مسلم الثبوت پیش کرنے کے بعد موجودہ پمپ سیٹ میں لائی گئی بے شمار تبدیلیوں کو جانچا اور پرکھا گیا۔ مکمل طور پر از سر نو ڈیزائن کرنے کے بجائے متعلقہ ماہرین ٹیم کو اس بات پر پورا اعتماد رکھتے ہیں کہ موجودہ پمپ سیٹ میں معمولی تبدیلیوں کے ذریعہ بہت ہی زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

تین تبدیلیاں ہی خصوصاً موثر ثابت ہو سکتی ہیں۔ پہلی تبدیلی فوٹ والو کے لئے نکال دینا ہے۔ چلانے سے پہلے پمپ کو کارگر بنانے پمپ سیٹ کی ڈلیوری پائپ کے اوپر

ایک ہینڈ پمپ نصب کرنا ہوگا۔ کم گہرے ٹیوب ویل کے معاملہ میں ٹی پیس جو چیک والو میں شامل رہتا ہے، کو ایک بینڈ سے بدل دینا ہوگا۔ دوسری تبدیلی ایک بند کولنگ سسٹم کی تشکیل کے لئے ایک واٹر ڈرم کی وابستگی ہے۔ اس میں کولنگ واٹر ریسائکل ہوتا ہے۔ یہ انجن کے ذریعہ پمپ شدہ پانی کے رخ موڑنے والے جزکی جالو عمل یا مشق کا قائم مقام بنتا ہے۔ یہ عمل انجن کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔ تیسری تبدیلی انجن کی رفتار کو ۱۵۰۰ آر پی ایم سے کم کر کے ۱۱۰۰ آر پی ایم کرنا ہے۔ ان تبدیلیوں کو مکمل کرنے کے بعد جو اہم کام کرنا ہے وہ یہ کہ پمپ سیٹ کو ایک خاص گلینڈ پیکنگ میں رکھنا ہے۔ یہ گلینڈ پیکنگ بہت زیادہ چست اور تنگ نہیں ہونی چاہئے۔

ان تین تبدیلیوں کو روبہ عمل لا کر شمالی بنگال کے بلند واٹر ٹیبل علاقہ میں ۱۵ تا ۵۷ فیصد ایندھن کی بچت کی جا سکتی ہے۔ ابتدائی قسم کی جانچ کے بعد ایک ۶۰۰ گھنٹے صبر آزما (Eudurance) جانچ کیا گیا۔ مزید برآں موجودہ کاشتکار کی ملکیت والے بارہ پمپ سیٹ پر ایک ہفت روزہ میدانی (فیلڈ) جانچ کی گئی۔ دونوں ہی جانچ نے اگلے نتائج کو تقویت بخشا۔

۵۰ فیصد ایندھن کی بچت کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوگا کہ آج ہندوستان میں ۵۰ لاکھ سے زائد ڈیزل پمپ سیٹ کام کر رہے ہیں۔ اس کے فائدے ڈیزل کی درآمد میں کمی اور آلودگی کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے لانے میں خرچ بھی نہایت ہی مناسب آتے ہیں۔ فی پمپ سیٹ پر ۶۰۰ روپئے سے بھی کم خرچ آتا ہے اور اس کی تلافی پمپ سیٹ ۱۵۰ گھنٹے چالو کر کے کی جا سکتی ہے۔ اب ان تبدیلیوں کو آگے بڑھانے/بڑھاوا دینے کا کام کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں پمپ تیار کرنے والوں، پمپ بکری کرنے والے کسانوں اور سرکار کو زوردار کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ■■

اوپر: گذشتہ ۸ ر نومبر کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے ساتھ مغربی آسٹریلیا کے شعبۂ چھوٹی صنعت اور تجارت کے وزیر اور ڈپٹی پریمیئر مسٹر ہینے چوان کی ایک ملاقات۔

نیچے: کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں بین الاقوامی شہرت یافتہ مغنی مسٹر پیٹ سیگر وزیر اطلاعات شری بدھادیب بھٹاچاریہ کے ساتھ ایک استقبالیہ میں۔ (تصویر: ایس۔ پرویس)

MAGHRIBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
December 1, 1996

REGD NO WB/C
Vol No 43, Issue N
Price 50

گذشتہ ۲۴ر نومبر کو ودھان سبھا (اسمبلی) میں جی آئی ایل ایف کے گورکھا لینڈ مسئلہ پر
منعقدہ کل پارٹی میٹنگ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر اطلاعات و داخلہ (پولس) شری بدھادیب
بھٹاچاریہ، وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈران

C(Editor Tarun Bhattacharya Asst Editor Md Mustafa Published by the Information & Cultural Affairs Deptt.

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۳ ■ ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۶ء ■ شمارہ نمبر ۲۳

مدیر اعلیٰ :- ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون :- محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ● نصف سالانہ : پانچ روپئے

* فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

* ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال

۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

* پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext-710

■■

"پانی کی تقسیم کے معاہدہ سے دونوں ملکوں کو فائدہ پہنچے گا" ۔ جیوتی باسو

"ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان گنگا کے پانی کی تقسیم پر ہونے والے ۳۰ سالہ معاہدہ سے دونوں ملکوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ان سے آئندہ تیس برسوں کے دوران گنگا کے پانی کی تقسیم کے مسئلہ پر غیر یقینی طور پر ہونے والی تاخیر سے راحت ملے گی۔ اس معاہدے سے صنعت، تجارت، سڑک کی نقل و حمل اور ثقافتی تبادلے کے میدان میں بھی تعاون کے لئے نئی راہیں کھل جائیں گی" مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۳ر دسمبر کو روٹنڈا میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ اس موقع پر ۱۲ر دسمبر کو ہند و بنگلہ دیش کے درمیان ہوئے آبی تقسیم کے معاہدے کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا بھی اس کانفرنس میں موجود تھے۔

اس معاہدے پر دستخط سے قبل پیدا ہونے والے حالات کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ موصوف نے کہا کہ بنگلہ دیش کی وزیر اعظم شریمتی شیخ حسینہ واجد نے دو طرفہ مفاد کے مسائل جیسے گنگا کے پانی کی تقسیم، سڑک کی نقل و حمل، صنعت و تجارت اور دیگر وابستہ موضوعات پر بات چیت کرنے کے لئے انھیں بنگلہ دیش کا دورہ کرنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ انھوں نے وزیر اعظم ہند کو اپنے دورے سے متعلق مطلع کر دیا تھا اور اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ چونکہ وہ پڑوسی ملک کا دورہ حکومت ہند کے نمائندے کی حیثیت سے نہیں کر رہے ہیں اس لئے وہ بنگلہ دیش کی وزیر اعظم کے ساتھ ہونے والی بات چیت سے وزیر اعظم کو آگاہ کر دیں گے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے بتایا کہ گنگا پانی کی تقسیم کا معاملہ دو پڑوسی ملکوں کے درمیان [illegible] سے بڑا ایک حساس معاملہ تھا۔ بنگلہ دیش میں اب [illegible] منتخب حکومت ہے۔ ہمیں بنگلہ دیش کے عوام کو اپنے قریب کرنے کی ضرورت ہے جس [illegible] بات چیت کے ذریعہ پانی کی تقسیم [illegible] کو [illegible] کے [illegible] خیالات [illegible] ہیں جن [illegible]

کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔

شری باسو نے کہا کہ ۱۹۷۷ء میں جب ہندوستان نے بنگلہ دیش کے ساتھ گنگا پانی کی تقسیم کے ایک معاہدہ پر دستخط کیا تھا اس وقت کے وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی سے بھی انھوں نے کلکتہ پورٹ کے مفاد کے تحفظ کے لئے درخواست کی تھی۔ اس وقت کے وزیر اعظم رضامند ہوئے تھے اور کہا تھا کہ وہ دیگر وسائل جیسے سنکوش یا برہمپتر دریا سے پانی کی فراہمی کے امکانات کا جائزہ لیں گے جس کے لئے عالمی بینک ضروری فنڈ حکومت کو فراہم کرے گا۔ بہرحال ۱۹۸۸ء میں یہ معاہدہ کی میعاد ختم ہو گئی اور اس کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان سالانہ سمجھوتے تیار ہوتے رہے جن میں پانی کی مقدار سے متعلق کوئی صراحت نہیں کی گئی تھی۔ شری باسو نے بتایا کہ موجودہ معاہدہ سے کم از کم تیس برسوں تک کے لئے اس مسئلہ کا سمجھوتہ ہو جائے گا۔ یہ ایک مثبت قدم ہے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے بتایا کہ یہ تیس سالہ معاہدہ مشروط ہے۔ اور ہر پانچ سال پر جائزہ لینے کی گنجائش ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو ہر دو سال پر ایسا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آیئے ہم دیکھیں کہ پہلے دو برسوں میں اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔

ہندوستان اور بنگلہ دیش دونوں ملکوں کو ہر سال جنوری تا مئی کے غیر پیداواری عرصہ کے دوران پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موجودہ معاہدہ سے پانی کی مقدار کی ضمانت ملی ہے جو دونوں ملکوں کو ان مہینوں میں حاصل ہوگی۔ ہر فیصلہ عام بات چیت کے ذریعہ کیا گیا ہے اور معاہدے کا متن کو دستخط کے بعد عوامی بنا دیا گیا۔ شری باسو نے بتایا کہ اس کے بارے میں اب کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

اپنی ذاتی احساسات کا اظہار کرتے ہوئے شری باسو نے کہا کہ وہ اس معاہدے سے پورے طور پر مطمئن ہیں [illegible]

[illegible]

کی تشکیل میں ریاست کے مفاد کو کس طور سے سودا نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ تمام نہاد ماہرین کے ایک طبقہ کی طرف سے الزامات لگائے گئے ہیں انھوں نے بتایا کہ اس معاہدے کا خاکہ تیار کرتے وقت کلکتہ اور دہلی سے ہم نے بھی ماہرین رکھے تھے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا نے پورٹ علاقہ کی متواتر صفائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں ناکافی کے لئے کلکتہ پورٹ حکاموں کی پُرزور سرزنش کی۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ اس معاہدہ سے یہ پہلا موقع ہے ہندوستان کو غیر پیداواری عرصہ کے دوران ۴۰ ہزار کیوسک یقینی طور پر چھوڑے گئے گنگا کا پانی دستیاب ہو سکے گا انہوں نے کہا کہ ریاست ماضی میں ایسے استحقاقی مراعات سے مستفید صرف ایک بار ہوئی ہے۔ شری باسو نے بتایا کہ اس معاہدے پر دستخط کرنے سے پہلے ہندوستان اور بنگلہ دیش کے پانی کی تقسیم کا تناسب ۴۰:۶۰ تھا جواب ۵۰ : ۵۰ ہو جائے گا۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ بھوٹان حکومت، حکومت ہند کی سفارش پر مجوزہ سنکوش پروجکٹ پر سنجیدگی سے غور و خوض کر رہی ہے جس کے تحت گنگا سے ملنے والے پانی کے ضمیمہ کے طور پر مغربی بنگال کو روزانہ ۱۲۰۰۰ کیوسک فاضل پانی فراہم کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔ وزیر اعظم نے یقین دلایا ہے کہ نویں منصوبہ میں اس پروجکٹ کو شامل کیا جائے گا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ حکومت نے تین بیگھا معاہدے اور موجود آبی تقسیم معاہدے کے دستخط کے وقت ریاست کے مفاد کے معاملہ میں مصالحت کر لی ہے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ تین بیگھا ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جس کا ہمیں تعظیم کرنی چاہئے لیکن بنگلہ دیش کے ساتھ آبی تقسیم کے معاہدے کے سلسلہ میں مغربی بنگال کے مفادات کا مناسب طور پر تحفظ کیا گیا ہے۔

اس معاہدہ کے فوائد گنواتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ صنعتی احیاء کے لئے ریاست موجودہ کوشش کے سلسلہ میں ہمارے صنعت کاروں کی طرف سے ہلدیا بندرگاہ کے استعمال کا اختیار کافی اہمیت کا حامل ہوگا۔

"بنگلہ دیش کے ساتھ تعلقات کی بہتری سے بہتر صنعت و تجارت، سرحدی علاقوں میں آسان آمد و رفت اور پورے شمال۔ مشرقی علاقہ کی ہمہ جہت ترقی میں بھی بہتری آسکے گی۔"

"دونوں ملکوں کے درمیان، جن میں فی الحال ہندوستان ایک بڑا برآمد کار ملک ہے، تجارت کے توازن کو دوبارہ منظم کیا جاسکے گا اور موجودہ ٹرافک کے ضوابط میں نرمی برتی جاسکے گی۔"

دیگر نکات جو دہلی میں بنگلہ دیش کی وزیر اعظم شیخ حسینہ واجد کے ساتھ شری باسو کی گفت و شنید کے دوران سامنے آئے ہیں ان میں ڈھاکہ اور کلکتہ کے درمیان بس سروس اور دیگر تعطل پذیر مسائل کا حل شامل ہیں۔

عرصہ دراز سے ایک شکایت رہی ہے کہ بہار اور اتر پردیش کے اونچے علاقوں میں کسانوں کے ذریعہ گنگا سے غیر قانونی طور پر پانی کھینچ لینے کی وجہ سے فرخا بیرج کا بہاؤ مسلسل متاثر ہوا ہے اس معاملہ کو اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کی نظر میں لایا گیا تھا۔ جنہوں نے بہار، اتر پردیش اور مغربی بنگال کے وزراء اعلیٰ کے ساتھ ایک کمیٹی کی تشکیل کی تھی۔ شری باسو نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کمیٹی کے چیئرمین ہونے کے باوجود ایک بھی میٹنگ نہیں ہوئی۔ پانی کی چوری کو روکنے کیلئے موجودہ وزیر اعظم کی توجہ بھی مبذول کرائی گئی ہے ■■

اشوک تورو بندھو پادھیہ کی موت پر وزیر اطلاعات کا اظہار تعزیت

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے ماہر رابندرا سنگیت اشوک تورو بندھو پادھیہ کی موت پر اپنے دلی صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تعزیتی پیغام ارسال فرمایا:

"رابندرا سنگیت کے ممتاز فنکار اشوک تورو بندھو پادھیہ کی موت سے مجھے دلی صدمہ پہنچا۔ وہ صرف رابندرا سنگیت میں ہی نہیں بلکہ دیگر موسیقی کی کلاسیکی دھنوں پر بھی ان کی گرفت تھی۔ انھوں نے پچیم بنگا راجیہ سنگیت اکاڈمی کے پرنسپل مشیر کار اور رابندرا سدن کے انتظامیہ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے ہمیشہ گراں قدر مشورے دیتے۔ ملک کے لوگ بحیثیت رابندرا سنگیت کے روح میں ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

میں ان کے سوگوار اہلیہ اور دختر کو اپنی دلی ہمدردی پیش کرتا ہوں"

ریاست میں اسی لاکھ سے زائد بچوں کو پلس پولیو کی پہلی خوراک دی گئی

• وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۷ دسمبر کو بدھان نگر میونسپلٹی کے زیر اہتمام ایک تقریب میں ایک بچہ کو پولیو ٹیکہ پلا کر قومی پلس پولیو ٹیکہ پروگرام کا افتتاح کیا۔

آئی یو سی ڈویژن اور حکومت مغربی بنگال کے محکمہ صحت و خاندانی منصوبہ بندی کے تحت ریاست بھر میں ۵ سال سے کم کے سارے بچوں کے لئے پلس پولیو کے دو خوراک پلانے کی مہم چلائی گئی اس دن ملک بھر میں پولیو کی بیماری کے خاتمہ کیلئے پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو ایک ساتھ پولیو کی پہلی خوراک پلائی گئی۔

ریاست مغربی بنگال میں گذشتہ ۷ دسمبر کو پولیو بیماری کے خاتمہ کے لئے پلس پولیو ٹیکہ مہم کا پہلا مرحلہ خاطر خواہ کامیابیوں سے ہمکنار رہا۔ اس پروگرام کے تحت پانچ سے کم عمر کے ۸۰ لاکھ ۴۰ ہزار بچوں کو پلس پولیو کی پہلی خوراک پلانے کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا۔ جس میں ۲۷ ہزار ۴ سو پولیو مراکز کے ذریعہ ۸۰ ہزار سے زائد بچوں کو پولیو کا ٹیکہ پلایا گیا۔ اس دن دیہی علاقوں میں ۹۱.۷ فیصد بچوں کو اور شہری علاقوں میں ۷۹.۷ فیصد بچوں کو اس پروگرام کے تحت لایا گیا۔ مجموعی طور پر ۸۹ فیصد پولیو کی خوراک پلائی گئی۔

کئی اخبارات میں پلس پولیو ٹیکہ کے تعلق سے ۴ (چار) بچوں کی اموات کی خبریں شائع ہوئیں۔ ان تمام معاملات میں ضلع صحت حکاموں نے تحقیقات کیں لیکن یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی بھی بچہ کا تعلق پولیو کی خوراک پلانے سے نہیں ہے۔ ان سبھی معاملوں میں موت بیماری کی وجہ سے ہوئی اور اس کا پلس پولیو ٹیکہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ متعدد بچوں کو ایک ہی مراکز میں ایک ہی شیشی سے اور ایک ہی بیچ سے پولیو کی خوراک دی گئی لیکن کوئی بدبخت واقعہ رونما نہیں ہوا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بتائی گئی اموات اتفاقیہ اور حادثاتی ہیں ان کا اس ٹیکہ سے کوئی سروکار نہیں۔ قومی ٹیکہ دانی پروگرام کے تحت دیئے جانے والے ٹیکوں میں پولیو ٹیکہ کی خوراک سب سے زیادہ محفوظ ہے۔

ملک سے پولیو کی بیماری کے خاتمہ کے لئے پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی [illegible] فیصد [illegible] کیا گیا ہے۔ [illegible] سے ۱۸ جنوری ۹۸ کو پلس پولیو ٹیکہ کی دوسری خوراک کے پروگرام [illegible] کے لئے [illegible]

مغربی بنگال میں جنگلاتی زندگی کا تحفظ

مغربی بنگال میں جنگلاتی زندگی کی ۱۵ پناہ گاہیں ہیں۔ دو شیر کے لئے مخصوص مقامات - سندربن اور بکسا اور پانچ نیشنل پارک، جنگلاتی زندگی کے تحفظ کے تحت کل علاقہ ۳۸۵۹ مربع کیلومیٹر ہے - ریاست میں کل جنگلاتی علاقہ ۱۱۸۷۹ مربع کیلومیٹر ہے اور جنگلاتی علاقے فی کس کی وسعت ۰۲ء ہکٹائر ہے۔ آبادی میں اضافے کی وجہ سے آبادی کی آلودگی ۷۶۷ فی مربع کیلومیٹر ہے۔ ۱۹۷۳ء کے دوران "شیر بچاؤ" کا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا، دس سال بعد ۱۹۸۳ کے دوران "بکسا شیر بچاؤ" کا اعلان ہوا۔ مغربی بنگال مختلف خطرناک جانوروں جیسے شیر، چیتا، گینڈا، ہاتھی، سانبھر، مگرمچھ، سبز النگور، مختلف قسم کے چھوٹے بلاؤ وغیرہ نیز بنگال فلوری کیس سمیت مختلف قسم کے خوفناک پرندوں کا مسکن ہے۔ پودے (نباتات) اور جانور (حیوانات) دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ناممکن ہے۔ کائنات میں ایک خوشگوار توازن برقرار رکھنے کے لئے جنگلاتی زندگی اس بے مثال قدرتی تال میل میں ایک جزولاینفک ہے۔ کائنات کی ان بے مثال تخلیقات کے بغیر انسان کا وجود ناممکن ہے۔ جنگلاتی زندگی کی اعداد و شمار سے ریاست میں شیر کی آبادی میں اضافے کا پتہ چلتا ہے۔ فی الحال پوری ریاست میں شیر کی آبادی ۳۳۵ ہے جبکہ ۱۹۷۲ء میں ریاست میں شیر کی آبادی صرف ۷۳ بتائی گئی ہے۔ سندربن ٹائیگر ریزرو میں ۲۴۲ شیر اور بکسا میں ۲۹ شیر آباد ہیں۔

۱۹۹۲ء-۱۹۹۳ء کی اعداد و شمار کے مطابق مغربی بنگال میں تقریباً ۱۰۸ چیتے، ۳۹ گینڈے، ۲۴۰ جنگلی بھینسے اور ۱۸۶ ہاتھی ہیں۔ سندربن ٹائیگر پر تعیش اور ماحولیاتی تحقیقات (از ڈاکٹر کلیان چکرورتی، آئی ایف ایس، جو جنگلات کے محافظ، تحقیقات اور آئی یو سی این کے اسپیشلسٹ ممبر ہیں) سے پتہ چلتا ہے کہ سندربن شیروں میں صرف پچیس فیصد کی پیدائش وہیں کی ہے اور وہ آدم خور معلوم ہوتے ہیں اور عام طور سے یہ مانا گیا ہے کہ سندربن کے شیر آدم خور ہوتے ہیں جبکہ یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ مذکورہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شیر کو آدم خور بنانے میں پانی کے کھارے پن کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ پانی کے کھارے پن سے اور اسے پینے کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے شیر کے گردے اور جگر پر برے اثرات پڑتے ہیں اور دوسرے عضویاتی تکلیفیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک بے مثال انکشاف ہے جو جنگلاتی اور ماحولیاتی تحقیق کی راہ میں سنگ میل ثابت ہوتی ہے۔ ■■

ریاست کی نئی آئی ٹی آئی

ریاستی حکومت نے پرولیا ضلع میں ایک نئی آئی ٹی آئی کے قیام کی تجویز مرکزی حکومت کو پیش کی ہے۔ ریاستی حکومت نے خصوصاً "آدی باسی طلباء و طالبات" کے فروغ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اس آئی ٹی آئی کے قیام کے سلسلے میں ریاستی حکومت رقم کی منظوری دے دیگی۔

جلپائی گوڑی ضلع کے علی پور دوار میں ایک اور آئی ٹی آئی سال ۱۹۹۷ء کے اوائل میں چالو ہو جائے گا۔ اس آئی ٹی آئی کے سلسلے میں اس دوران ریاستی حکومت نے تین لاکھ روپے منظور کئے ہیں ■■

مغربی بنگال کی شاہراہیں اور سڑکیں

۱۹۴۷ء میں جب بابائے قوم حکومت برسراقتدار آئی اسی وقت سے سڑکوں اور شاہراہوں کے سکٹر پر اسے خصوصی توجہ دی ہے۔ حکومت ہذا کے لئے موجودہ سڑکوں کو کشادہ بنانا اور ان کی دیکھ بھال اور قصبوں اور دیہاتوں کے درمیان سڑک کے رابطوں کو بڑھانا ایک نہایت ہی مشکل کام رہا ہے۔ آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں نئی بستیاں وجود میں آرہی ہیں اور نئے رابطہ سڑکوں کی مانگ میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نقل و حمل کے حجم میں بھی باقاعدہ طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ مناسب سڑک رابطوں کی متواتر کی ہوئی مانگ کو پورا کرنے میں حکومت کی کوششیں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ آج خصوصاً مغربی بنگال میں صنعتی نمود و فروغ کے تناظر میں سڑک سکٹر نے صنعتی نشو و نما کے لئے انفرااسٹرکچر کے بڑے اجزاء میں سے ایک کی حیثیت سے ایک نہایت ہی اہم اور لازمی شکل اختیار کر لی ہے۔

ریاستی حکومت اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ اس ریاست کے مختلف مقامات میں واقع سڑکوں اور پلوں کے سلسلہ میں لوگوں کی توقعات ابتک پوری نہیں کی جاسکی ہیں۔ مالی مشکلات اس سلسلہ میں اساسی اسباب میں سے ایک ہیں۔

ماضی کے دوران تعمیر کردہ سڑکوں کی طویل وسعتیں ہر ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ علاقوں کے ساتھ رابطوں کی فراہمی کے مقصد کی حامل تھیں اور بلاشبہ ابتدائی دور میں ان سڑکوں سے متصل فٹ پاتھوں کی چوڑائی اور موٹائی کوئی خاص نہیں تھی۔ بڑے علاقوں سے رابطہ قائم کرنے کے کام کو اولیت دی گئی تھی اور بعد ازیں نقل و حمل کے اضافہ شدہ حجم کو تصور میں لایا گیا تھا۔ آنے والے وقت کے دوران مذکورہ راستوں کو مضبوطی اور کشادگی بخشی جائے گی لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیا گیا۔ جو بھی رقم دستیاب ہوئیں انہیں سڑکوں کی مزید طوالت کے اضافہ میں استعمال کیا گیا اور موجودہ سڑکوں کی مرمت اور انہیں مضبوط بنانے سے غفلت برتی گئی۔ گذشتہ پنج سالہ منصوبہ مدتوں کے دوران تعمیر شدہ سڑکوں میں یہ کمی / خامی پائی جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر بیشتر سڑکیں آجکل کے نقل و حمل کی صعوبتیں برداشت کرنے کی اہل نہیں ہیں۔ اور مٹی کی سخت تہہ کی ناکافی چوڑائی اور موٹائی ہی ان کے اصل اسباب ہیں۔ آزادی کے بعد تعمیر شدہ سڑکوں کے وسیع جال کی کیفیت خستہ حال ہو گئی ہے کیونکہ ان پر نقل و حمل کے حجم میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے یعنی یہ سڑکیں آج جتنی زیادہ بوجھ اٹھا رہی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سڑکوں کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ معیاری مٹی کی عدم دستیابی زمین دوز نالوں کے بھر جانے، بار بار سیلابوں کے آنے وغیرہ نے صورتحال کو مزید بگاڑ دیا ہے۔ لہٰذا وہ وقت آپہنچا ہے جب حکومت ہند کو چاہئے کہ شاہراہ پر دھکیلوں کو بنیادی سکٹر کی حیثیت عطا کرے تاکہ موجودہ صنعتی نمود و فروغ میں سڑک رابطہ ایک اہم اور اساسی کردار ادا کر سکیں۔

بہت ساری مشکلات کے باوجود ۳۱ر مارچ ۱۹۹۵ء کے مطابق پی۔ ڈبلیو۔ ڈی اور پی۔ ڈبلیو۔ ڈی (روڈس) کے تحت پکی سڑکوں کی کل لمبائی (مجموعی طور پر) ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

سڑکوں کے اقسام	لمبائی (کیلومیٹر میں)
ریاستی شاہراہیں	۳۳۷۸٫۰۰
ضلع کی بڑی سڑکیں	۴۴۸۳٫۰۰
ضلع کی دیگر سڑکیں	۴۷۹۳٫۵۰
شہری / دیہی سڑکیں	۵۴۶۳٫۵۰

۹۵-۱۹۹۴ء کے مالی سال کے دوران سڑکوں کی تعمیر و فروغ کے سلسلہ میں کارنمایاں تقریباً ۱۰۰ کیلومیٹر پر مشتمل رہا ہے۔

دونوں شعبوں کے تحت نئی سڑکوں کی تعمیر کے ساتھ ۳۱ر مارچ ۱۹۹۵ء تک تشکیل پانے والے دیہی رابطے (مجموعی اصطلاحات میں عدد) ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

آبادی کے اقسام	جوڑے گئے دیہاتوں کی تعداد
۵۰۰ سے اوپر	۳۱۰۴
۱۰۰۰ تا ۵۰۰ کے درمیان	۳۶۲۹
۱۰۰۰ سے نیچے	۱۱۳۰۳

سنہ ۹۵-۱۹۹۴ء کے مالی سال کے دوران دیہی رابطوں کی تشکیل میں ملنے والے حقیقی کارنمایاں مختلف آبادی اقسام کے ۲۵۰ دیہاتوں کے سلسلہ میں کامیابی کے مظہر ہیں۔

سنہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے مالی سال کے دوران درج ذیل بڑے بڑے کام پائے تکمیل کو پہنچے ہیں۔

۱: جنوبی دیناجپور ضلع میں واقع کُش منڈی۔ مہی پال، دیگھی کے ٹنگون ندی پر پُل۔

۲: جنوبی دیناجپور ضلع میں ٹھاکوران (ملیا کھانی) پر پُل۔

۳: ندیا ضلع کے چرنی ندی پر پُل

۴: پرولیا میں واقع پل پر سڑک

۵: کوچ بہار ضلع کے باؤٹی ندی پر پُل

شروع سے ہی پایاں محاذ حکومت کو بے شمار سڑک برقراری مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پچھلے منصوبہ مدت کے دوران تشکیل پائے والے بہت سارے انلٹے ضروری دیکھ ریکھ نہ ہونے کے دوران متواتر استعمال کے دباؤ کو برداشت نہیں کر پائے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ اعداد و شمار کا تذکرہ ذیل میں کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

	۹۴-۱۹۹۳	۹۵-۱۹۹۴ء	۹۶-۱۹۹۵ء
۱۔ سرقراری کے تحت لمبائی۔	۱۸۰۰۰ کیلومیٹر	۱۸۰۰۰ کیلومیٹر	۱۸۰۰۰ کیلومیٹر
۲۔ فنڈ کی حسب معمول طلب۔	۱۲۴،۶۷	۱۴۳،۳۷	۱۶۵،۱۲
۳۔ شعبۂ مالیات کے سامنے مانگ رکھی گئی۔	۱۷۲،۱۷	۱۶۶،۰۳	۱۶۳،۸۴
۴۔ شعبۂ مالیات کی تشکیل کردہ بجٹ گنجائش۔	۵۱،۴۷	۵۵۸،۵۶	۳۷،۲۳
۵۔ (۴) مذکورہ بالا میں سے ورک چارجڈ اسٹیبلشمنٹ کی لاگت	۲۱،۴۲	۲۳،۱۰	——
۶۔ شعبۂ مالیات کی جانب سے ملنے والی حقیقی فنڈ	۴۶،۳۲	۵۲،۷۰	——

روپے کروڑ میں

فنڈ کی سخت قلت نے شعبہ ہذا کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ خاص طور پر صرف جوڑ اور تالی لگانے کے کام کو جاری رکھے۔ سڑکوں کی باقاعدگی کے ساتھ دیکھ ریکھ جیسے ہر سال سڑک کی پلڑ دیں لمبائی کی میعادی تجدید سطح تجدید وغیرہ نہیں ہو پائیں۔ نتیجہ کے طور پر موجودہ سڑک نٹ ورک کی صورت حال نہایت ہی خستہ اور دیگرگوں ہے۔

فنڈ کی کمی ہی بلاشبہ برقراری کے کام میں رکاوٹ کے لئے تنہا طور پر ذمہ دار نہیں ہے۔ پی۔ ڈبلیو شعبہ کو شعبہ مالیات سے کب اور کیسے فنڈ دیا جاتا ہے اس پر بھی بہت ساری باتوں کا انحصار ہوتا ہے۔ شعبہ مالیات پی۔ ڈبلیو شعبہ کو سال میں چار قسطوں میں فنڈ مہیا کرتا ہے۔ خصوصاً سڑکوں کی مرمت کے کام کے لئے موزوں وقت مان سون سے قبل اور اس کے بعد کا ہوتا ہے۔ سنہ ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران پی۔ ڈبلیو شعبہ کی سبجکٹ کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ شعبۂ مالیات کو کام کے شیڈیول کو جاری رکھنے کے لئے کام سے مطابقت رکھنے والے درج ذیل جدول کے مطابق فنڈ عطا کرنا چاہیئے۔

اول قسط اپریل تا جون ——— ۳۰ فیصد

دوم 〃 جولائی تا ستمبر ——— ۲۰ 〃

سوم 〃 اکتوبر تا دسمبر ——— ۳۰ 〃

چہارم 〃 جنوری تا مارچ ——— ۲۰ 〃

تجربے یہ بتاتے ہیں کہ کل مختص کا ۵ فیصد ماہانہ شعبہ مالیات کی جانب سے ملتا ہے۔ یہ فنڈ شعبہ ہذا کے لئے نہایت ہی کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعبہ ہذا اپنی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ پا رہا ہے اور معاملہ فہم پلاننگ بھی اس کے لئے تقریباً ناممکن بن گئی ہے۔

اس امر کی جانب بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ اگر سڑک کے گڈھوں کی مرمت مان سون کی آمد سے قبل کی جا سکے تو اس میں اخراجات نہایت ہی کم آئیں گے اور سڑک کی حالت بڑی تیزی سے خراب نہیں ہوگی۔ رقم پس انداز کرنے اور سڑکوں کی تیزی سے بگڑنے والی حالت کو روکنے

کے لئے دوسرا طریقہ سڑکوں کی دونوں جانب کناروں پر جے بارش کے پانی کو نکال پھینکنا ہے۔ بہرکیف سڑکوں کو جو چیزیں سب سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں وہ زمین دوز نالیاں ہیں جو ہمیشہ بھری رہتی ہیں ان کے بھر جانے کا سبب غاصبانہ قبضہ ہے۔ پانی لگے رہنے والی سڑکوں کی دیکھ ریکھ اور مرمت پر رقم نہیں خرچ کرنا ہی عدم فروغ و بہتری کا باعث بنے گا۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں ۱۹۹۰-۹۵ء کے دوران سڑکوں کی دیکھ ریکھ کی گنجائش کو دکھانے کے لئے ذیل میں ایک جدول پیش کیا جاتا ہے۔

اس امر کی نشاندہی بھی لازمی ہے کہ مغربی بنگال میں سڑکوں کے لئے منصوبہ بند بجٹ مختص کا تناسب اور فیصد ہر ایک منصوبہ کے ساتھ متواتر گھٹتا جا رہا ہے۔ اول پنج سالہ منصوبہ کے دوران مذکورہ مختص ریاستی بجٹ کا ۱۷٫۱۹ فیصد تھا جبکہ کل ہند مختص ۲۰٫۷ فیصد تھا لیکن ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے دوران یہ ریاستی بجٹ کا مختص ۱٫۶۹ فیصد ہو گیا جبکہ کل ہند متعلقہ عدد ۳٫۲۲ رہی تھی۔

سڑک سیکٹر میں مالی چرمراہٹ مغربی بنگال کے معاملہ میں بے مثال نہیں ہے بلکہ یہ ایک کل ہند حقیقت ہے۔ موجودہ صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے سلسلہ میں اضافی فنڈ کی حصولی کی اپنی کوشش میں ریاستی حکومت نے حکومت ہند کے ذریعہ یا ناگڑھ (این۔ایچ-۲) سے ۵۰ کیلومیٹر لمبی شاہراہ کی مرمت اور درگاپور ایکسپریس شاہراہ (۶۵ کیلومیٹر لمبی) کی تعمیر کیلئے بھی ایشین ڈیولپمنٹ بینک سے خارجی تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

ریاست	روپئے ۱۹۹۵ کروڑ میں
۱۔ آندھرا پردیش	۹۳۱٫۶۸
۲۔ اروناچل پردیش	۵۰٫۳۴
۳۔ آسام	۲۱۸٫۸۱
۴۔ بہار	۳۹۸٫۰۱
۵۔ گوا	۳۹٫۴۸
۶۔ گجرات	۴۳۲٫۵۲
۷۔ ہریانہ	۲۰۲٫۴۸
۸۔ ہماچل پردیش	۱۴۹٫۱۹
۹۔ جموں اور کشمیر	۱۰۴٫۷۸
۱۰۔ کرناٹک	۸۴۵٫۷۷
۱۱۔ کیرالا	۳۶۴٫۶۹
۱۲۔ مدھیہ پردیش	۸۲۹٫۵۱
۱۳۔ مہاراشٹر	۹۶۷٫۸۳
۱۴۔ منی پور	۲۳٫۳۳
۱۵۔ میگھالیہ	۸۱٫۳۲
۱۶۔ میزورم	۲۵٫۸۸
۱۷۔ ناگالینڈ	۴۰٫۱۲
۱۸۔ اڑیسہ	۳۶۰٫۹۹
۱۹۔ پنجاب	۳۳۷٫۰۶
۲۰۔ راجستھان	۵۵۶٫۳۲
۲۱۔ سکم	۲۴٫۶۰
۲۲۔ تامل ناڈو	۶۲۶٫۵۸
۲۳۔ تریپورہ	۴۲٫۰۳
۲۴۔ اتر پردیش	۱۳۶۰٫۴۹
۲۵۔ مغربی بنگال	۵۵۲٫۶۹

گذشتہ پانچ برسوں کے دوران حکومت ہند کی جانب سے ملنے والے قومی شاہراہ کی تعمیر اور دیکھ ریکھ کے کاموں کو جاری رکھنے کیلئے فنڈس کے مختص بہت ہی ناکافی رہے ہیں۔ ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران مغربی بنگال میں قومی شاہراہوں کے تعمیری کاموں کے لئے فنڈس کی ضرورت ایک محاسبہ کے مطابق ستمبر ۱۹۹۴ء کے دوران منعقدہ متعلقہ کاموں سے متعلق ایک جائزہ نشست میں ۹۸۰۴ لاکھ روپئے ٹھہرائی گئی تھی۔ لیکن مارچ ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتہ تک ملنے والا حقیقی مختص کل ۲۰۲۵ روپئے ہو پایا تھا اور یہ بالکل ہی ناکافی تھا۔ فنڈس کی حصولی میں مشکلات کی وجہ سے قومی شاہراہ ۳۱ پر تورسا، قومی شاہراہ ۳۵ پر اچھاتی، قومی شاہراہ ۳۱ پر نگر کی ندیوں پر پلوں کی تعمیر کے کاموں کے شروع کو اور فٹ پاتھ کے بہت سے دیگر کاموں کو زبردست دھکا لگا ہے۔

قومی شاہراہوں کی دیکھ ریکھ کے لئے ... [illegible] روپئے کی

مانگ پر ۱۹۱٫۷۲۴۶ لاکھ روپئے کی ایک مجموعی رقم جو حسب معمول ضرورت کے تقریباً ۵۰ فیصد کے برابر ہوتی ہے۔ مارچ ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتہ تک مختص کی گئی ہے۔ اتنی زیادہ ناکافی مختص سے قومی شاہراہوں کو نقل و حمل کے لئے موزوں اور اچھا بنائے رکھنا بہت ہی مشکل ہے۔

منصوبہ بجٹ مختص

پلان	سڑک سے متعلق مصارف (روپئے کروڑ میں)	سڑکوں پر فیصد مصارف	کل ہند منصوبے سے متعلق سڑکوں پر فیصد مصارف
اول پنج سالہ منصوبہ	۱۳٫۸۵	۱۹٫۱۷	۷٫۰
دوم " " "	۱۴٫۸۰	۹٫۳۹	۵٫۲
سوم " " "	۲۱٫۵۶	۷٫۳۵	۵٫۱
چہارم " " "	۱۴٫۵۳	۴٫۵۰	۵٫۴
پنجم " " "	۳۵٫۰۰	۳٫۲۵	۳٫۴
ششم " " "	۶۴٫۰۰	۱٫۸۳	۳٫۵
ہفتم " " "	۹۹٫۷۷	۱٫۶۹	۳٫۲

اس سیاق و سباق میں اس امر کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے کہ بٹومین کی خاطر خواہ مقدار دستیاب نہیں ہوتی ہیں۔ فی الحال یہ مخصوص مسالہ تیل کمپنیوں کے ساتھ فنڈس پیش کرنے پر دستیاب ہوتا ہے۔ ماضی قریب کے دوران ریاستی حکومت نے بٹومین کی فراہمی کے سلسلہ میں اس کی زبردست قلت پر قابو پانے کے لئے تعاون پیش کیا ہے۔ بٹومین کی دستیابی کو یقینی بنانے کے لئے ابتک بڑے مسئلہ کو سلجھایا نہیں جاتا یا نہیں جا سکا ہے کیونکہ اس کا تعلق وزارت سطح نقل و حمل کی جانب سے کئے گئے فنڈس کے مختص سے ہے۔

دیویکا نند اپل (دہلی۔ کلکتہ لین) کی مرمت فی الحال روبہ فروغ ہے۔ ۵۴ لاکھ روپئے کی ایک رقم ایسٹرن ریلویز کو دی جا چکی ہے ریلویز کی جانب سے طلب کی گئی رقم کی ادائیگی وزارت سطح نقل و حمل سے لازمی مختص کی وصولی پر کی جائے گی۔

[illegible] ہائی وے اتھارٹی آف انڈیا رانی گنج (۱۳۷ کیلومیٹر) تا پانا گڑھ (۹۶٫۱ کیلومیٹر) [illegible] ہائی وے۔ ۲ کے پرجکٹ فورلینگ [illegible] زیر زمین لازمی خدمات کی منتقل گونا گوں متعلقہ تنظیموں [illegible] ای۔ بی شعبہ شہری معاملات وغیرہ کی جانب سے زیر عمل لائی گئی ہے۔ درگاپور سٹی سنٹر (۴۹۳ کیلومیٹر) تا پانا گڑھ (۵٫۱۲ کیلومیٹر) سڑک کی وسعت کو ترجیحی حیثیت بخشی گئی ہے۔ بقیہ وسعت پر کام اس کے ساتھ ساتھ چالو رہے گا۔ اس پروجکٹ کو فنڈ کی فراہمی ایشین ڈیولپمنٹ بینک بنام اے۔ ڈی بی۔ III پروجکٹ کر رہی ہے۔

کلکتہ اور ہوڑہ برائے توسیع کے ساتھ مجوزہ دوم دیویکانندا پل کے لیے قابل عمل مطالعہ پر ریاستی حکومت کی جانب سے باضابطہ طور پر روک لگائی گئی ہے اور اسے فنڈس کی کلیئرنس اور مختص کیلئے وزارت سطح نقل و حمل کو روانہ کی گئی ہے۔ اس ضمن میں پرانے والے تورسا پل سے منسلک حالا کاٹا تا پنڈی باڑی روڈ پر کام تشفی بخش طور پر روبہ فروغ ہے لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ فنڈس کی قلت کے باعث کام ٹھپ پڑ جائے گا۔

سڑک پر کام کرنے والے مزدوروں کی ٹولیوں کو اجرتوں وغیرہ کی ادائیگی کی گنجائش بھی قومی شاہراہوں کے مصارف کی مد میں شامل ہے۔ چونکہ تقریباً تمام ریاستیں سڑک پر کام کرنے والی ٹولیوں کو کم از کم اجرت ایکٹ کے تحت اجرت ادا کر رہی ہیں اس لئے دیکھ ریکھ فنڈ کا بیشتر حصہ اجرتوں کی تکمیل میں صرف ہو رہا ہے اور سڑکوں کی حقیقی دیکھ ریکھ کے لئے صحیح معنوں میں فنڈ بچ ہی نہیں رہ پاتا ہے

بہرکیف ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران درج ذیل پلوں کی تعمیر میں اچھا خاصا کام آگے بڑھا ہے۔

۱۔ ضلع بردوان کے نوتن ہاٹ میں واقع اجوئے ندی پر پل۔
۲۔ ۲۴ پرگنہ (شمالی) ضلع میں واقع گوڑیشور ندی پر پل
۳۔ کوچ بہار ضلع میں واقع کیتی ماری گذرگاہ (چیسل) پر پل
۴۔ کوچ بہار ضلع میں واقع لٹورسا پر پل

۔ "پانا گڑھ تا موری گرام روڈ" پروجکٹ سے ایشین ڈیولپمنٹ بینک کا تعاون حاصل ہے کا تقریباً ۴۰ فیصد کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔

علاوہ ازیں یہ توقع کی جاتی ہے کہ درج ذیل پل ۹۷-۱۹۹۶ء کے دوران مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ ضلع ۲۴ پرگنہ (شمالی) کے ملک پور گھاٹ میں واقع جمنا ندی پر پل

۲۔ ضلع ۲۴ پرگنہ (جنوب) کے کالمپ کے قریب واقع کالناگنی ندی پر پل
۳۔ بیر بھوم ضلع میں واقع اگویا ندی پر پل
۴۔ ضلع کوچ بہار میں واقع مار اٹور سا ندی پر پل
۵۔ ضلع بیر بھوم میں واقع دوارکا ندی پر پل
۶۔ ضلع ۲۴ پرگنہ (شمال) کے گوماتا راجیب پور تا بالیشا روڈ پر بدیادھاری کھال ندی پر پل
۷۔ ہوڑہ ضلع کے ڈوبجور تا بولوہاٹی روڈ میں واقع سرسوتی ندی پر پل
۸۔ ۱۹۹۶-۹۷ء کے دوران یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ درج ذیل پلوں کی تعمیر کے کام خاطر خواہ طور پر آگے بڑھ جائیں گے۔
۱۔ ضلع بردوان کے نوتن ہاٹ میں واقع اجئے ندی پر پل
۲۔ ضلع کوچ بہار میں واقع ٹورسا ندی پر پل
۳۔ جلپائی گوڑی ضلع میں واقع بھرہ ندی پر پل

دی روڈ اینڈ بلڈنگ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اپنی تکنیکی ماہرین اور تحقیقی سرگرمیوں کے انعام کے ساتھ شعبۂ ہذا کو تعاون پہنچانے کے پیش نظر بہت پہلے ہی عمل میں آچکا تھا۔ اپنے وجود میں آنے کے بعد سے ہی ابتدائی برسوں کے دوران اسے پورے مشرقی ہندوستان میں اپنی نوعیت کا اولین ادارہ تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن ڈائرکٹر ہذا کے مالی اختیارات کے فقدان اور تحقیقی کام اور دیگر سرگرمیوں کے لئے مخصوص بجٹری گنجائش میں کمی کے باعث ادارہ ہذا کی حیثیت کم ہوتی جارہی ہے۔ ہماری شاہراہوں کی ترقی کے لئے اگر یہ توقع کی جاتی ہے کہ ادارہ ہذا ایک موثر کردار ادا کر سکتا ہے تو اس ادارہ میں انجینئرس، ماہرین فن تعمیر، منصوبہ کاران خصوصاً نقل و حمل منصوبہ کاران اور جدید اور تحقیق سے شوق رکھنے والے حکام کو تقرری دینی ہوگی۔ ۱ فیصد منصوبہ بند مصارف حسب معمول معیار کی برقراری کے لئے فراہم کئے جاتے ہیں۔ ان مصارف کا کم از کم ۵۰ فیصد تحقیق، تربیت اور ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے وقف ہونا چاہئے۔

قومی شاہراہوں کے علاوہ سڑک سکٹر پر پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ نے درج ذیل طور پر مصارف عمل میں لایا ہے:۔

سال	منصوبہ	کل مصارف (روپئے لاکھ میں)
۱۹۷۷-۷۸ء	پانچواں منصوبہ	۷۳۱،۷۲
۱۹۷۸-۷۹ء	پانچواں منصوبہ	۴۳۸،۷۲
۱۹۷۹-۸۰ء	" "	۱۱۵۳،۸۳
۱۹۸۰-۸۱ء	چھٹا منصوبہ	۱۲۰۹،۵۰
۱۹۸۱-۸۲ء	" "	۱۴۵۵،۷۹
۱۹۸۲-۸۳ء	" "	۱۱۱۴،۳۱
۱۹۸۳-۸۴ء	" "	۹۱۰،۹۲
۱۹۸۵-۸۶ء	ساتواں منصوبہ	۱۳۱۱،۲۹
۱۹۸۶-۸۷ء	" "	۱۴۶۹،۸۵
۱۹۸۷-۸۸ء	" "	۱۰۲۳،۷۴
۱۹۸۸-۸۹ء	" "	۱۷۷۴،۱۸
۱۹۸۹-۹۰ء	" "	۳۰۹۷،۵۵
۱۹۹۰-۹۱ء	سالانہ منصوبہ	۳۳۰۵،۱۴
۱۹۹۱-۹۲ء	" "	۳۴۴۲،۱۹*
۱۹۹۲-۹۳ء	آٹھواں منصوبہ	۵۳۲۸،۴۸*
۱۹۹۳-۹۴ء	" "	۵۶۰۶،۳۲*
۱۹۹۴-۹۵ء	" "	۷۶۴۷،۹۲*

* بشمول اے ڈی بی پروجکٹ

اردو ڈراما نگاری میں آغا حشر کا مقام

از:- اشفاق احمد، کلکتہ

آغا حشر کاشمیری افق ڈراما کے ایک درخشندہ ستارے ہیں۔ ان کی درخشانی سے قاری اور ناظر دونوں کی آنکھیں خیرہ ہیں۔ انھوں نے اپنی شخصیت کی ہمہ گیریت اور فنی بصیرت سے اردو ڈراما کو ہمہ جہتی سے روشناس کیا اور خود کو بقائے دوام کی منزلوں تک پہنچایا۔ یہ سعادت بہت کم فنکاروں کو حاصل ہوتی ہے کہ زندگی میں ان کا فن آسمانی رفعتوں سے ہمکنار ہو جائے۔ آغا حشر اپنی حیات میں کافی مقبول ہوئے اور قدر و منزلت نے ان کے آستانۂ فن پر ہزاروں سجدے نثار کئے اور حق بھی یہی ہے کہ حشر نے اپنی کامل استعداد سے فنِ ڈراما کو پر و بال بخشے۔ ان کے اصولوں اور تقاضوں سے عہد برآ ہونے میں انھوں نے بڑی مہارت دکھائی ہے اور یہی سبب ہے کہ آج آغا حشر ایک عہد آفریں نام بن گیا ہے۔

اردو ڈراما نگاری کی روایت کوئی سوا سو برس پرانی ہے۔ سید مسعود حسین رضوی نے واجد علی شاہ کی تصنیف "رادھا کنہیا" کا قصہ بصورت رہس کو اردو کا پہلا ڈراما قرار دیا ہے۔ یہ ڈراما ۱۸۴۲ء اور ۱۸۴۳ء کے درمیان لکھا گیا اور اسی زمانے میں لاکھوں روپے کی لاگت سے رہس کے انداز پر اسٹیج کیا گیا۔ بارہ صفحات پر مشتمل یہ ڈراما کم و بیش ڈرامے کے تمام اجزائے ظاہری پر محیط ہے۔ یعنی قصہ، کردار، مکالمے اور اس کے ساتھ ہی اسٹیج۔ پراشخاص کی حرکات اور آرائش۔ لیکن چونکہ اس کا مقصد اولاً رقص و سرود بہم پہنچانا تھا اس لئے یہاں ڈرامائی ستاں اور ادبی آن کے بجائے عناصر نشاط کا تسلط قائم ہے۔ پھر یہ ڈراما خالصتاً خواص سے متعلق تھا اس وجہ سے قبول عام کی سند کی موجودگی نے اس کی اولیت کو غیر معروف بنا دیا لیکن آغا حسن امانت کی "اندر سبھا" جو ۱۸۵۲ء میں لکھی گئی اور ۱۸۵۳ء میں شائع ہوئی اردو کا پہلا ڈراما ہے جسے بے پناہ عوامی مقبولیت ملی۔ فن ڈراما کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اندر سبھا بھی ایک شاہکار کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ قصہ معمولی اور پامال ہے۔ کردار نگاری بے جان ہے اور مکالمے بھی پست ہیں لیکن اپنی حلاوت زبان اور شاعرانہ بیان کے سبب یہ ایک طویل مدت تک عوام و خواص میں بڑا معروف اور پسندیدہ ڈراما بنا رہا۔ اس کے علاوہ اساطیر ہند و ایران کا امتزاج اور ہندی اردو کا حسن کارانہ سنگم کی بنا پر بھی اس کی تاریخی اہمیت ہے۔ "اندر سبھا" کی حیثیت ایک مشعل بردار کی سی ہے۔ اس نے ڈرامائی اسٹیج و ادب کو راہ دکھائی اور وہ بھی اس طرح کہ ایک عرصہ تک نئے آنے والوں نے اس راہ میں روشنی اور توانائی پائی۔

آغا حشر نے ۱۹۰۱ء سے ڈراما لکھنا شروع کیا۔ ان کے معاصرین میں طالب بنارسی، احسن لکھنوی، ظریف اور بیتاب وغیرہ کے ڈرامے موضوع کے اعتبار سے محدود، پلاٹ کے اعتبار سے معمولی اور ڈرامائی تمکنت کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی تصانیف ہیں۔ ان لوگوں نے سستی شہرت یا کرتب بازی کی خاطر اپنے فن کو مذاقِ عام کے تابع کر دیا۔ اور مسائل حیات کی عکاسی سے دامن بچا کر ان لوگوں نے فن ڈراما کو ... کیا۔ اور محض تفریحِ طبع کی فکر میں اپنی شان کھو بیٹھے ... وجہ ہے کہ اس عہد اور اس سے قبل کی ڈراما نگاری کا محاکمہ کرتے ہوئے ہمارا نظر آغا حشر پر ٹھہر جاتی ہے۔

آغا حشر فطانت و ذہانت کے ہمرکاب اپنے تخلیقی سفر میں مصروف

رہے۔ انھوں نے اپنے جذبات کے ہیجان میں طوفان کا زور اور موجوں کا شور رو کو دیا۔ نقاروں کی بلند بانگ سے کان بہرے ہو گئے اور لطیف کیفیتوں سے روح میں اضطراب بھی پیدا کیا۔ انھوں نے ڈاکٹر جانسن کے قول کے مطابق ساری عمر اپنی نگارشات عوام کی خاطر تخلیق کی اور اپنا رشتہ خواص کے بجائے عوام سے جوڑے رکھا۔ نوجوانی میں تھیٹر کمپنیوں کے شوق میں بنارس سے بھاگ کر بمبئی گئے اور الفریڈ تھیٹریکل کمپنی سے وابستہ ہو کر ڈرامے لکھنے لگے۔ حشر نے کوئی بتیس سال ڈرامے لکھے ان کے ڈراموں کو ہم مندرجہ ذیل پانچ ادوار میں منقسم کر سکتے ہیں:

۱۔ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء ـــ مرید شک، مار آستین، میٹھی چھری، اسیر حرص

۲۔ ۱۹۰۶ء تا ۱۹۰۹ء ـــ شہید ناز، خوبصورت بلا، سفید خون، صید ہوس

۳۔ ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۶ء ـــ سلور کنگ، خواب ہستی، یہودی کی لڑکی، سور داس وغیرہ

۴۔ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۴ء ـــ یہ حشر کے قیام کلکتہ کا دور ہے اور اس میں انھوں نے ہندی ڈرامے، آنکھ کا نشہ، پہلا پیار وغیرہ لکھے۔

۵۔ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۵ء ـــ یہ دور حشر کے اصلاحی ڈراموں کا دور ہے جس میں دل کی پیاس، رستم و سہراب، دھرمی بالک، کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان مختلف ادوار کا جائزہ بہ نظر تنقید کرنے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر دور میں آغا حشر نے اپنے مذاق کی تسکین کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے صناعت اور کامل استعداد سے اردو ڈرامے کی روایت میں خوش آئند تبدیلیاں کیں اور بڑے اعتماد اور خلوص سے اپنے فن کو مذاق عام کی بہتری کی طرف مائل کیا۔ ان کی ڈراما نگاری کے ہر دور میں دہری خصوصیت یعنی مذاق عام کی تسکین اور اس کی بہتری ان کی مقبولیت کی ضمانت ہے ـــ اور فن کے نقطہ نظر سے یہ بات بڑی اہم ہے کہ فنکار اپنی نگارشات سے اپنے عہد کے مذاق اور فن کے تقاضوں میں حسین مطابقت پیدا کرے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے صحیح لکھا ہے "حشر کے ڈراموں میں شاعرانہ حسن ہی نہیں تخیل کی رنگینی، شوخی اور خطیبانہ زور بھی ہے جسے حسن تناسب اور ذوق لطیف نے نکھارا ہے۔ انھوں نے شعوری کوشش سے عوام کے مذاق اور معیار کو بلند کیا۔ یہی اوصاف انھیں اپنے معاصرین سے ممتاز کرتے ہیں۔

حشر کا دور قدیم اردو ڈراما اور اسٹیج کی شاندار ترقی کا دور تھا۔ عشرت رحمانی رقمطراز ہیں "ان کے پُر زور قلم نے صرف زبان و بیان کو پاک اور صاف نہیں کیا بلکہ اردو ڈرامہ کو فنی لوازم سے بڑی حد تک مالا مال کیا۔" ماہرین

نے ایک کامیاب ڈرامہ کی اساس چھ اہم اصول پر قائم کئے ہیں۔
(i) پلاٹ :ـ واقعات کی ترتیب مناسب سلسلے کے ساتھ (ii) کردار:ـ واقعات کے عامل (iii) مکالمہ :ـ نفس واقعہ کا میڈیم (iv) خیال :ـ مصنف کا مدعا (v) مناظر و آرائش :ـ ڈرامائی زیر و بم کی ضمانت (vi) موسیقی :ـ دل بستگی کا ذریعہ۔ ان میں پلاٹ، کردار اور خیال ڈراما کیلئے داخلی عناصر کی اور مکالمہ، سجاوٹ اور موسیقی خارجی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب داخلی عناصر اور خارجی عناصر فنکارانہ طریقے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تب ایک کامیاب ڈرامہ جنم لیتا ہے۔ عام طور پر ڈرامے کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک المیہ (Tragic) اور دوسرا طربیہ (comic) عموماً المیہ میں مرکزی کرداروں کی بد بختی کی کہانی پیش کی جاتی ہے اور طربیہ میں عارضی مشکلات کے بعد مرکزی کرداروں کا انجام خوشگوار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈرامے کی کچھ اور اقسام جیسے میلو، اسراری، معجزاتی، ایپک وغیرہ ـ ڈاکٹر اسلم قریشی نے ڈرامے کی جملہ خصوصیت، نوعیت اور عناصر کو مد نظر رکھ کر اسے بڑے وسیع انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

"ڈراما اسٹیج پر فطرت کی نقالی کا ایسا فن ہے جس میں اداکاری کے ذریعہ زندگی کے غیر معمولی اور غیر متوقع حالات کے حل میں قوت ارادی کا مظاہرہ تماشائیوں کے روبرو ایک معین وقت اور مخصوص انداز میں کیا جاتا ہے"۔
(ڈرامہ نگاری کا فن)

آغا حشر اردو کے پہلے ڈراما نویس ہیں جنہوں نے اپنی فنی بصیرت اور کامل استعداد سے اردو ڈراما کو فنی بلندیاں دکھائیں۔ درج بالا اصول ڈراما نیز اس کی جملہ خصوصیات کا مظاہرہ جس طرح حشر کے ڈراموں میں ہوا ہے ان سے پہلے یا ان کے عہد کے دوسرے ڈراموں میں عنقا ہے۔ کشمکش پر ان کے ڈرامے کی بنیاد ہوتی ہے۔ اور ڈرامائی عمل ان کے پلاٹ پر حاوی ہوتا ہے ـ مناظر و آرائش بھی دلچسپ اور ترتیب وار ہیں۔ کردار غیر معمولی ہونے کے باوجود ڈرامائی عمل کا ساتھ دیتے ہیں۔ مکالمے چست اور برمحل ہوتے ہیں۔ مروجہ چلن کے برعکس حشر نے اپنے ڈراموں میں گانوں کی تعداد میں خاصی کمی کر دی اور مکالموں میں نثر کو رواج دیا مگر مقفیٰ عبارت کو بدستور ملحوظ رکھا۔ اس کے ساتھ اشعار کے برملا استعمال سے قاری و ناظر پر گہرا نقش مرتب کرنا ان کے مکالموں کا اعجاز ہے۔ ڈراما [illegible] سے [illegible] ملاحظہ فرمایئے

نادر :- پچھتائے گی لگاکے یہ الزام دیکھنا
مہر :- سب کام ہو چکے ہیں اب انجام دیکھنا
نادر :- بے وقوف
مہر :- ظالم
نادر :- تو جنونی ہے
مہر :- تو خونی ہے
نادر :- تو مجھ پر الزام لگا رہی ہے جو میری طرف سے معاف نہ ہوگا۔
مہر :- تو نے اس خون سے ہاتھ بھرا ہے جو فرشتوں کے آنسوؤں سے بھی صاف نہ ہوگا۔

آغا حشر اپنی فنکاری کے تیسرے اور آخری دور میں معاشرتی عکاسی اور سماجی نقاشی کی جانب متوجہ ہوئے۔ "خواب ہستی"، "یہودی کی لڑکی"، "آنکھ کا نشہ"، "دل کی پیاس" وغیرہ ایسے ڈرامے ہیں جن میں ایک طرف سماجی اصلاح کا تصور غالب ہے اور دوسری طرف خارجی تصادم کے ساتھ داخلی تصادم کا پرتو موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں بہ حیثیت مجموعی رمق حیات نظر آتی ہے۔ جبر و استبداد، اقتصادی تفاوت اور دیگر مسائلِ حیات کو موضوع بنا کر بلیغ اشارے کرنا ان ڈراموں کا وصفِ خاص ہے۔ مثال کے طور پر "یہودی کی لڑکی" میں جس طرح داستانِ عشق کی آڑ میں ظالم حکمراں اور مظلوم رعایا کی کش مکش آشکار ہے۔ اس کی زیریں لہروں میں جابر حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے۔ پس اس تناظر میں ان کے قلم سے اس عہد کے قومی جذبات غیر دانستہ طور پر ابھر آئے ہیں۔ ڈراما "یہودی کی لڑکی" سے ایک مثال دیکھئے:

کیسپس :- ذلیلو! اگر ہم جانتے تو تمہیں آزادی اور زندگی کبھی نہ بخشتے۔

عذرا :- اس ملک روم میں آزادی اور زندگی! یہ دونوں کہاں ہیں۔ ہماری قوم کے لئے یہ دونوں چیزیں کسی قیمت پر نہیں مل سکتیں۔ تم میں رحم، انصاف اور ایمانداری کہاں ہے؟ ہماری زندگی کے لئے قدم قدم پر ذلت ہے، ندامت ہے، شرمندگی ہے ؎

شجرِ زیست کے چن چن کے شجر توڑے ہیں
تم نے دل توڑے ہیں اور سب کے جگر توڑے ہیں
ایسے ظالم ہو کہ تم نے کوئی دو چار نہیں
سینکڑوں لاکھوں ہی اللہ کے گھر توڑے ہیں

بعض لوگوں نے آغا حشر کو انڈین شیکسپیئر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ نقد و نظر کی بے لاگ میزان پر اس قول کو پرکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ لقب غیر سنجیدہ ذہن کی اختراع ہے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کی آتش نوائی، محاکات کی ندرت، ڈرامائی مواقع کے اتار چڑھاؤ سے قطع نظر ان میں جو لازوال حسن اور قطعیت ملتی ہے اور آخر آخر میں ہم آہنگی اور سکون کا جو تاثر پایا جاتا ہے اس تناظر میں شیکسپیئر کے گہرے شعور اور عرفان کا پرتو صاف جھلکتا ہے۔ ان کے کردار غیر فانی ہیں۔ ان کی زبان معنی آفرینی اور حسن کاری کا بہترین نمونہ ہے۔ شیکسپیئر نے انسانی نفسیات کی نبض شناسی اور ذہن و فطرت کی باریکیوں کی نقاب کشائی میں اپنی حکیمانہ بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی ظرافت مریض نہیں تندرست ہے۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں جو شاعرانہ عبارتیں چست کی ہیں وہ وجدان و عرفان کا مظہر ہیں۔ وہ سولہویں صدی کے انگلستان میں رہتا ہے مگر ایسے پیکر تراشتا ہے جو ابدی ہے۔ "ہیملیٹ"، "اوتھیلو"، "جولیس سیزر"، "دی مرچنٹ آف وینس" وغیرہ شیکسپیئر کے شاہکار ہیں جن کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔ شیکسپیئر تو ایک طرف ان سے کم درجہ کے ڈراما نگاروں تک بھی حشر کی رسائی نہیں۔ آغا حشر نے "اوتھیلو" سے "مرید شک"، "کنگ جان" سے "صید ہوس"، "کنگ لیئر" سے "سفید خون"، "میژر فار میژر" (Measure for Measure) سے "شہید ناز" کا ترجمہ کیا ہے لیکن ان میں وہ بات پیدا نہ کر سکے جو شیکسپیئر کا طرۂ امتیاز ہے۔

حشر کے ڈراموں کا پلاٹ عام طور پر غیر مربوط ہوتے ہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پلاٹ ترتیب دیتے وقت مذاقِ عام کا خیال بطور خاص رکھا ہے۔ اس میں ہمہ گیری کی بجائے سپاٹ پن (Flatness) کا اہتمام کیا ہے۔ ان کے کردار بھی محدود اور غیر معیاری ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ جمود اور تعطل کا شکار ہیں۔ اچھے کردار اچھے اور برے کردار برے ہوتے ہیں۔ وہ مواقع (situations) کے مطابق بدلتے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حشر کے قلم سے کوئی Shylock (دی مرچنٹ آف وینس از شیکسپیئر) یا Faustus (ڈاکٹر فوسٹس از مارلو) پیدا نہیں ہوا۔ ان میں کوئی اکبر (انار کلی از تاج) یا ملا ابوالقاسم (خانہ جنگی

ار یجیب ... نہیں۔

مجموعی ... حشر کے ڈراموں میں فکر و فن کی وسعت اور ہمہ گیری نہیں جو بعد میں امتیاز علی تاج، پروفیسر مجیب اور ڈاکٹر محمد حسن وغیرہ کے یہاں نظر آتی ہے۔ ان فنکاروں نے اپنی بے پناہ تعمیری صلاحیتوں سے اردو ڈراما کو عصری حیثیت اور سماجی معنویت سے قریب کیا اقدار کی باہمی کشمکش کی عکاسی میں اپنی فکری جولانیوں کا مظاہرہ کیا لیکن اس کے باوجود کون ہے جو انکار کرے گا کہ کسی ادب کے ابتدائی نمونے تمام نقائص سے پاک نہیں ہوتے ہیں۔ کیا شیکسپیر کے بعد برنارڈ شا اور دیگر فنکاروں نے انگریزی ... وی غلطیوں سے روشناس نہیں کیا؟ کیا فارسی شاعری نے سعدی کے بعد ارتقاع کے زینے طے نہیں کئے؟ کیا حالی کے بعد ہماری تنقید نے بتدریج ترقی نہیں کی؟ اور جب یوں ہوتا ہے تو کیا ابتدائی سنگ ریزوں کو عالی شان عمارت سے جدا کر دیا جاتا ہے؟ جی نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ تخلیقی عمل کا چلن تو یہ ہے کہ بعد میں آنے والے اپنے پیش رووں کی فنی آبشار سے اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں اور اس کی زرخیزی میں طریق اکتساب سے مستفید ہوتے ہیں۔ آغا حشر کے ڈرامے بھی ہمارے نزدیک ایسے نادر نمونے ہیں جنہوں نے ایک طرف روایت فن کو معیاری بنایا تو دوسری طرف فن کو آگے چل کر نوع بہ نوع بلندیوں کی منزل دکھائی۔ ویسے حق تو یہ ہے کہ اردو ڈراما کی حیثیت بنگلہ، انگریزی اور فرانسیسی ڈراموں کے مقابلے میں طفل مکتب کی سی ہے۔ ہمارے ڈرامے کی رسائی وہاں ابتک نہیں ہو سکی ہے۔ اس کا جواز غالباً ہمارا مخصوص معاشرتی نظام ہے جس نے اسٹیج کے تقاضوں سے یکسر انحراف کیا اور اردو داں طبقہ میں اسٹیج کی محبوبیت کی نفی کی۔ پھر شاعری اور افسانے سے ہماری وابستگی نے ڈراما اور ناول کو لائق اعتنا نہیں سمجھا۔ نتیجتاً وہ عوامل اور محرکات عمل پیرا نہیں ہوئے جو ڈرامے کو بصورت اسٹیج سرفراز کرتے ہیں۔ آغا حشر کا احسان کم نہیں کہ انھوں نے ڈرامے لکھتے وقت اپنے زمانے کے مذاق کی تسکین بھی کی اور اسے مائل بہ اصلاح بھی رکھا۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں ڈرامائی حکمت کے علاوہ لوازمات اسٹیج کی ضروریات کا بطریق احسن خیال رکھا ہے اور اردو ڈراما کو عوام میں مقبول بنانے کی بڑی مخلص کوشش کی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو آغا حشر کو ایک عظیم فنکار بناتی ہے۔ ڈاکٹر وقار عظیم لکھتے ہیں "ایک ڈراما نگار کی حیثیت سے حشر کے صحیح مرتبے کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ حشر کے ڈراموں کو پڑھ کر نہیں اسٹیج پر کھیل کر دیکھا جائے، تب ان کا رنگ نکھرتا ہے"۔ اردو اکاڈمی ■■

بشکریہ مغربی بنگال

مغربی بنگال کا وحشت نمبر بابت ۱۵ر جولائی و یکم اگست ۹۶ء : تصحیح نامہ

[مغربی بنگال کے مذکورہ خاص نمبر میں بعض جگہوں پر کتابت اور پروف کی غلطیاں رہ گئیں ہیں جن کا ہمیں افسوس ہے۔ جن غلطیوں کا انکشاف ہوا ہے ان کی تصحیح درج ذیل ہے۔ ان کے باوجود اگر مزید کوئی غلطی رہ گئی ہو تو معلوم ہونے پر اس کی تصحیح بعد میں کر دی جائے گی ______ ادارہ]

صفحہ۔ کالم۔ سطر۔ غلطی	۔ تصحیح / اضافہ	صفحہ۔ کالم۔ سطر۔ غلطی	۔ تصحیح / اضافہ
۲ ۔ × ۔ ۱۳ ۔ صاحب ذی وقار	۔ صاحب وقار	۷۲ ۔ ۱ ۔ ۵ ۔ غائب	۔ غارت
۳ ۔ × ۔ عنوان ۔ کے	۔ کی	″ ۔ ۱ ۔ ۸ ۔ غلط شلط	۔ غلط سلط
۶ ۔ ۲ ۔ ۲۴ ۔ شمس کلکتوی کے خلف رشید	۔ شمس کلکتوی خلف رشید	″ ۔ ۱ ۔ ۱۲ ۔ بے دست وپا	۔ بے دست وپائی
۳۶ ۔ ۲ ۔ ۹ ۔ زد میں	۔ زدیں	″ ۔ ۱ ۔ ۲۴ ۔ دلبستاں حیثیت	۔ دلبستان وحشت
″ ۔ ۲ ۔ ۹ ۔ گئی	۔ گئیں	۷۷ ۔ ۲ ۔ ۷ ۔ صد کا	۔ صدے کا
۳۹ ۔ ۲ ۔ ۹ ۔ کہاں سے جو	۔ کہاں سے میں جو	۸۵ ۔ ۲ ۔ ۱۱ ۔ صد کا	۔ صدمے کا
۴۵ ۔ ۴ ۔ آخر ۔ حوالہ غائب	۔ (تلاش معیار سے)	۱۰۹ ۔ ۲ ۔ ۲۴ ۔ ہو مرے	۔ [illegible]
۴۲ ۔ ۲ ۔ ۱۰ ۔ پڑھائی	۔ پڑھی	۱۱۰ ۔ ۲ ۔ ۲۳ ۔ یہا بلا کی	۔ یہاں بلا کی
۴۹ ۔ ۲ ۔ ۱۸ ۔ حوالہ غائب	۔ بشکریہ شاہ مقبول احمد	۱۱۵ ۔ ۱ ۔ ۷ ۔ راز عظیم آبادی	۔ راز عظیم
۵۶ ۔ ۲ ۔ ۴ ۔ لکھتے ہیں	۔ لکھا ہے	۱۱۶ ۔ ۱ ۔ ۱۴ ۔ ارشد کاکوی	۔ ارشد کاکوی
۶۶ ۔ ۳ ۔ آخری ۔ ہوگی	۔ ہوں گی	۱۱۶ ۔ ۲ ۔ ۱۲ ۔ افادیت	۔ [illegible]

عوامی تعطیلات برائے سنہ ۱۹۹۷

گورنر کے حکم کے مطابق حکومت مغربی بنگال نے سنہ ۱۹۹۷ء کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے۔

این آئی ایکٹ کے تحت تعطیلات

تعطیل	تاریخ
نیتاجی کا یوم پیدائش	۲۳ر جنوری، جمعرات
سری پنچمی	۱۲ر فروری، بدھ
دول جاترا	۲۴ر مارچ، سوموار
گڈ فرائی ڈے	۲۸ر مارچ، جمعہ
بنگلہ نئے سال کا پہلا دن	۱۴ر اپریل، سوموار
عید الاضحیٰ	۱۸ر اپریل، جمعہ
یوم مئی	یکم مئی، جمعرات
عید میلاد النبی (فاتحہ دوازدہم)	۱۸ر جولائی، جمعہ
یوم آزادی	۱۵ر اگست، جمعہ
جنم اشٹمی	۲۵ر اگست، سوموار
مہالایا	یکم اکتوبر، بدھ
گاندھی جی کا یوم پیدائش	۲ر اکتوبر، جمعرات
درگا پوجا (سپتمی)	۸ر اکتوبر، بدھ
〃 〃 (اشٹمی)	۹ر اکتوبر، جمعرات
〃 〃 (نومی)	۱۰ر اکتوبر، جمعہ
〃 (دشمی)	۱۱ر اکتوبر، سنیچر
** لکشمی پوجا	۱۵ر اکتوبر، بدھ
کالی پوجا	۳۰ر اکتوبر، جمعرات
پرشونا تھ کا رتھ جاترا اور گرونانک کا یوم پیدائش	۱۴ر اکتوبر، جمعہ

نوٹ: (۱) این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ چونکہ ۱۹۹۷ کے مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑتے ہیں اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

[illegible] ۲۹ر جنوری

[illegible] ۹ر فروری

(۲) اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلم سرکاری ملازمین کو اعلان کردہ تعطیل کے دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی سپیشل چھٹی دی جائیگی جس دن وہ تہوار منایا جائے گا۔

(۳) ** نشان کے ساتھ اعلانیہ تعطیلات کا اطلاق انھیں سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پورے تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

۱۹۹۷ء کے مندرجہ ذیل دن عوامی تعطیلات کے دن قرار دیئے گئے ہیں۔

۱۔ بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی * یکم اپریل، منگل

۲۔ بینک اکاؤنٹس کی نصف سالانہ بندی ۳۰ر ستمبر، منگل

نوٹ: درج بالا دنوں کو سرکاری دفاتر، ٹریزری اور سب ٹریزری کھلے رہیں گے

۱۹۹۷ء کے مندرجہ ذیل دن جو عوامی تعطیلات کے دن قرار نہیں دیئے گئے ہیں کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنسز اور کلکٹریٹ آف اسٹامپ ریونیو کو چھوڑ کر حکومت مغربی بنگال کے تحت دفاتر بند رہیں گے۔

تعطیل	تاریخ
رابندر ناتھ کا یوم پیدائش	۸ر مئی، جمعرات
درگا پوجا، دوادشی تا چتردشی	۱۳ر اکتوبر، سوموار اور ۱۴ر اکتوبر، منگل

نوٹ: این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ چونکہ سنہ ۱۹۹۷ کے مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑتے ہیں اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

تعطیل	تاریخ
شاعر بھانو بھکت کا یوم پیدائش (صرف دارجلنگ کے لئے)	۱۳ر جولائی
درگا پوجا (ایکادشی)	۱۲ر اکتوبر

۱۹۹۷ء میں مندرجہ ذیل دن مختلف فرقوں کے لئے سپیشل تعطیلات کے دن ہوں گے۔

تعطیل	تاریخ
** ایسٹر سنڈے (صرف عیسائیوں کیلئے)	۲۹ر مارچ، سنیچر
بودھ پورنیما (صرف بودھوں کے لئے)	۲۲ر مئی، جمعرات
شب برات (صرف مسلمانوں کیلئے)	۱۷ر دسمبر، منگل

[illegible] ایکٹ کے تحت اتوار [illegible] دن ہوتے ہیں چونکہ [illegible] کے

مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑتے ہیں اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے) ۱۳ر اپریل

مہابیر جینتی (صرف جینیوں کے لئے) ۲۰ر اپریل

ایک سرکاری ملازم ۱۹۹۷ء میں مندرجہ ذیل "محدود تعطیلات" کی فہرست سے کسی بھی دو دن کی تعطیل سے مستفید ہو سکتا ہے۔

۱۔ نئے سال کا پہلا دن — یکم جنوری، بدھ

۲۔ پوس سکرانتی — [illegible]ر جنوری، منگل

۳۔ سبرات — ۱۵ر جنوری، بدھ

۴۔ شب [illegible] — ۶ر فروری، جمعرات

۵۔ جمعتہ الوداع — ۷ر فروری، جمعہ

۶۔** گرو روی داس کا جنم دن — ۲۲ر فروری، سنیچر

۷۔ شیوراتری — ۷ر مارچ، جمعہ

۸۔ ہولی / رابابا — ۲۵ر مارچ، منگل

۹۔ رام نومی — ۱۶ر اپریل، بدھ

۱۰۔** فاتحہ یازدہم — ۱۶ر اگست، سنیچر

۱۱۔ رکشا بندھن — ۱۸ر اگست، سوموار

۱۲۔ دیوالی — ۳۱ر اکتوبر، جمعہ

۱۳۔ راس جاترا — ۱۳ر نومبر، جمعرات

۱۴۔ بسنت پنچمی (صرف ضلع پرولیا کے لئے) — ۱۳ر فروری، جمعرات

۱۵۔** بکریشور میلہ (صرف ضلع بیربھوم کیلئے) — ۸ر مارچ، سنیچر

۱۶۔ مٹیا فیسٹول (صرف ضلع مرشدآباد کیلئے) — ۲۵ر مارچ، منگل

۱۷۔ بارودول (صرف ضلع ندیا کیلئے) — ۱۸ر اپریل، جمعہ

۱۸۔** ملکتیار کالی پوجا (صرف ضلع بیربھوم کیلئے) — ۱۹ر اپریل، سنیچر

۱۹۔ پونر جاترا (صرف ضلع ہگلی کیلئے) — ۱۴ر جولائی، سوموار

۲۰۔ مانس پوجا میلہ (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے) — ۱۸ر اگست، سوموار

۲۱۔ پنڈوا میلہ (صرف ضلع مالدہ کیلئے) — اس کا اعلان بعد میں ہوگا۔

نوٹ: ۔ این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں چونکہ ۱۹۹۷ء میں مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑتے ہیں اس لئے انھیں محدود تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

۱۔ رتھ جاترا — ۶ر جولائی

۲۔ بھاترید وتیہ — ۲ر نومبر

۳۔ رام کیلی میلہ (صرف ضلع مالدہ کیلئے) — ۱۵ر جون

۴۔ ستاعر بھانو بھکت کا جنم دن (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے) — ۱۳ر جولائی

(۲)** نشان کے ساتھ تہواروں کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن ہوتے ہیں

ڈبلو بی ای ایس سی کے تحت خردہ فروشی دکانیں کھولنے کا فیصلہ

ریاستی حکومت کے ماتحت ادارہ مغربی بنگال لازمی اشیاء رسد کارپوریشن لمیٹڈ (ڈبلو بی ای سی ایس سی) نے عوام میں بلاواسطہ مختلف اقسام کی لازمی اشیاء کی رسد کے لئے منظور شدہ خردہ فروشی دکانیں کھولنے کے لئے حال ہی میں ایک پروگرام اپنایا ہے۔ مختلف اشیاء جیسے کھانے کا تیل، لیبل والے آزاد شکر، چائے، مکھن، گھی، شہد، صاف کرنے والا سفوف، مشقی کتابیں، بسکٹ، بلب، بیٹری نیز اور دیگر اشیاء عوام کو اس منظور شدہ خردہ فروشی دوکانوں سے دستیاب ہوں گے۔ شروع میں یہ منظور شدہ خردہ فروشی دوکانیں کلکتہ ساٹ لیک، ہوڑہ اور ہگلی کے قانونی راشن علاقوں میں کھولی جائیں گی بعد میں انھیں ریاست کے دیگر حصوں میں ان کی توسیع کی جا سکتی ہے۔ مذکورہ مقصد کے لئے ایسے منظور شدہ خردہ فروشوں اور تقسیم کاروں کی تقرری کے لئے اس کارپوریشن کے راشننگ ڈویژن [illegible] میں درخواستیں موصول کی جا رہی ہیں۔ خردہ فروشی یا تقسیم کار کے طور پر تقرری کے سلسلے میں درخواست کنندگان [illegible] درخواست فارم حاصل کر سکتے ہیں۔ درخواست موصول کرنے کی آخری تاریخ [illegible]

حکومت مغربی بنگال کے زیر اشاعت رسائل اور ان کی شرح خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہورہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل ایسے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گرانقدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپئے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپئے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۶ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۳ روپئے (مع ڈاک خرچ)

۱ تا ۱۵۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت ○ ۱۵۱ تا ۳۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
۳۰۱ تا ۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت ○ ۵۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔

پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔

کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔

سال سے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :۔ بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال،
۶؍ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
فون : 221-4295

تفصیلات کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

مجلّہ

غالب نامہ